لِيَتَفَقَّهُوا فِيْ الدِّيْن – القُرآن

مَنْ يُّرِدُ اللهُ بِهِ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ – الحديث

اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ – نسائی

تحفۃ الباری

فِي الفِقْهِ الشَّافِعِي

جلد اوّل

مسائل ودلائل کا مستند مجموعہ

مؤلف

شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم بن علی خطیب حفظہ اللہ

جامعہ حسینیہ عربیہ، شریوردھن

ناشر: مجلس اشاعت، ممبئ-۳۷

نام کتاب : **تُحفَۃُ البَارِی** فی الفقہ الشافعی (جلد اول)

مؤلف : شیخ الحدیث حضرت **مولانا محمد ابراہیم** بن علی خطیب حفظہ اللہ

(شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن)

صفحات : ۴۶۳

ناشر : **مجلسِ اشاعت**

یونائیٹڈ شافعی مسجد، انٹاپ ہل، وڈالا، ممبئی-۳۷، [رابطہ: ۹۰۲۹۱۷۴۸۶۰]

(اراکینِ مجلس: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب، جناب مولانا محمد فاروق اسماعیل معلم،

جناب مولانا محمد رضوان کبیر الدین ملّا، جناب محمد حسین اسماعیل ملّا، جناب ڈاکٹر محمد فاروق لوکھڈے)

تعداد : ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

سنِ اشاعت : ستمبر ۲۰۰۲ء

اشاعتِ جدید : جون ۲۰۱۳ء

کمپیوٹر کمپوزنگ: جاوید یوسف

طباعت : **غزالی**

ملنے کے پتے

جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن

مقام پوسٹ و تعلقہ: شریوردھن، ضلع رائے گڑھ (مہاراشٹر)

مولانا محمد فاروق اسماعیل معلم، امام و خطیب پہاڑ والی مسجد، واڑی بندر، ممبئی۔۱۰

مولانا عبدالسلام نجے القاسمی، امام و خطیب جالی محلہ شافعی مسجد، باپو کھوٹے اسٹریٹ، ممبئی۔۳

مفتی محمد رضوان فلاحی، مدرس جامعہ عربیہ ادھیم نگر، رتناگیری، فون: ۹۲۷۰۰۸۴۵۸۵

مولانا محمد رضوان کبیر الدین ملّا، امام و خطیب یونائیٹڈ شافعی مسجد، ایس۔ ایم۔ ڈی روڈ، انٹاپ ہل، وڈالا، ممبئی۔۳۷

ناز بک ڈپو، محمد علی بلڈنگ، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی-۳، فون: ۲۳۴۵۴۷۳۰

شفاء ٹریڈرس (مولانا عبدالرزاق الڈے، امام کاکر تلا مسجد، مہاڈ) نزد نائک اسپتال، مہاڈ، ضلع رائے گڑھ، فون: ۹۲۲۶۷۷۱۱۳۲

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْد

تحفۃ الباری فی الفقہ الشافعی کی اشاعت اور آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے ہم اللہ وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں بے انتہا شکر ادا کرتے ہیں کہ اسی کی توفیق، ہمت اور اعانت کے بعد ہی ہم اس قابل ہوئے کہ اس عظیم کتاب کو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کریں۔

اس کتاب کی ضرورت کا خیال ہمیں آج سے تقریباً پانچ چھ سال قبل پیش آیا۔ چونکہ ساکنینِ خطہ کوکن عموماً شافعی مسلک پر عمل پیرا ہیں۔ تقریباً ۳۵۔۴۰ سال قبل جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن، ضلع رائے گڑھ کے قیام کے علاوہ کوکن میں عرصہ دراز سے نہ علمی دور دورہ تھا نہ کوئی علمی مرکز اور نہ ہی علمی اور تاریخی کتابوں کا ذخیرہ تھا نہ کوئی حقائق سے روشناس کرانے والا تھا اور نہ ہی یہاں کے لوگوں کی ضرورت کے لحاظ سے فقہ شافعی کے تعلق سے عام فہم اردو میں کوئی ایسی جامع کتاب موجود تھی۔ گرچہ عربی زبان میں فقہ شافعی پر کثیر کتابیں موجود ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ فقہ شافعی میں کوئی مستند، مفصل و مدلل کتاب عام فہم اردو زبان میں ہو تاکہ عوام الناس کا ہر طبقہ اس سے استفادہ کر سکے۔ اس مقدس جذبہ اور تمنا کی یہ چنگاری تھی جس نے عزم و ارادہ میں ہلکی سی رمق پیدا کی۔ دن گزرتے گئے اور یہ تمنا ارادوں کے سہارے پروان چڑھی تاآنکہ اس کتاب کی تکمیل نے عملی شکل اختیار کی اور **تحفۃ الباری فی الفقہ الشافعی** کے نام سے مدلل و مفصل کتاب منظر عام پر آگئی۔

پہلے تو ہم صاحبِ کتاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم بن علی خطیب حفظہ اللہ کے بے انتہا مشکور و ممنون ہیں، جنھوں نے ہماری درخواست قبول کی۔ اور مسندِ حدیث کی ذمہ داریوں اور بے انتہا مصروفیت کے باوجود اس اہم ترین کام کو پورا کرنے کے لئے عرق ریزی کی اور قرآن و سنت اور فقہ کی کتابوں سے مسائل اخذ کر کے عقائد و ایمانیات سے لے کر فرائض تک غرضیکہ تمام ابواب پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے امت کے لئے یہ بیش بہا تحفہ تیار کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ کتاب کو صحت و سلامتی اور دارین میں فلاح و کامرانی سے نوازے۔ نیز اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے اور اس کے نفع کو عام کرے۔ آمین

بعدہ ہم ان تمام افراد کے مشکور ہیں جنھوں نے اس عظیم کام کی ابتداء تا انتہا ہر قسم کا تعاون نیز مالی مدد دی اور جنھوں نے گرانقدر وقت اور کوششوں کے بعد نشر و اشاعت کے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ فرداً فرداً نام لکھنا ان تمام مخلصین کے خلوص کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا ہم ان کے لئے صرف بہ صمیم قلب یہی دعا کرتے ہیں کہ خدائے ذوالجلال والاکرام انہیں دارین کی فلاح و سعادت سے شرف یاب کرے۔ اور ان کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ بخشے۔ آمین

والسلام

ناشر

(مجلس اشاعت، ممبئی۔ ۳۷)

مجلسِ اشاعت کی غرض و غایت

سیدنا امام محمد بن ادریس شافعی (امام شافعیؒ) کی عظیم الشان فقہ ''فقہ شافعی'' جو منقول و معقول سے جامع ہے۔ اس فقہ کو ہر زمانے میں محدثین، فقہاء و مجددین نے بزبانِ عربی مفصل و مدلل پیش کیا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس فقہ کی ترویج و اشاعت کا کام مختلف زبانوں میں، بطور خاص اردو میں کیا جائے۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم بن علی خطیب حفظہ اللہ کی سرپرستی میں مذکورہ ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔ سالوں کی محنت کے بعد اس ادارہ کی پہلی کامیاب پیش کش ادارہ کے سرپرست شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم بن علی خطیب کی مرتبہ و مؤلفہ فقہ شافعی پر مدلل و مستند کتاب بنام '' **تحفة الباری فی الفقه الشافعی** ''منصہ شہود پر آگئی اور اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کی تیاری کے فوراً بعد پہلے چند نسخے جن حضرات کی خدمت میں پیش کئے گئے ان میں سب سے پہلا نام حضرت مولانا سید شوکت علی صاحب مدظلہ العالی [امام و خطیب، جامع مسجد، ممبئی-۲] کا ہے۔ حضرت نے کتاب کو دیکھ کر اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا اور ایک عظیم کام کی تکمیل پر ادارہ اور صاحبِ کتاب حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب حفظہ اللہ کو جزاکم اللہ خیراً و احسن الجزاء کہتے ہوئے مبارکباد پیش کی۔

اسی طرح ہمارے سامنے فقہی کتابوں کے اور بھی کئی منصوبے زیرِ غور ہیں۔ پہلا کہ اس کتاب کو بزبانِ انگریزی اور ہندی میں منتقل کیا جائے تاکہ ہمارے وہ بھائی جو اردو سے نابلد ہیں وہ بھی اس عظیم کتاب کا مطالعہ کر سکیں۔ الحمد للہ ہم نے اس باب میں پیش رفت کی اور تحفۃ الباری [پہلی جلد] ہندی زبان میں آپ کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے۔ ثانیاً جمعہ کے خطبات کی نشر و اشاعت کا عزمِ مصمم بھی ہمارے دلوں میں تھا اور الحمد للہ، اللہ عزوجل کی تائید و نصرت سے جمعہ کے خطبات بعنوان ''خطباتِ خطیب'' بھی شائع ہو چکی ہے۔ اب اس کے بعد ''خطباتِ خطیب'' کی اشاعت ثانی کا منصوبہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے ارادوں میں کامیاب کرے اور مذکورہ کام اور ہمارے آئندہ کے منصوبے ہمارے لئے آسان کرے۔ آمین

والسلام
(مجلسِ اشاعت، ممبئی۔۳)
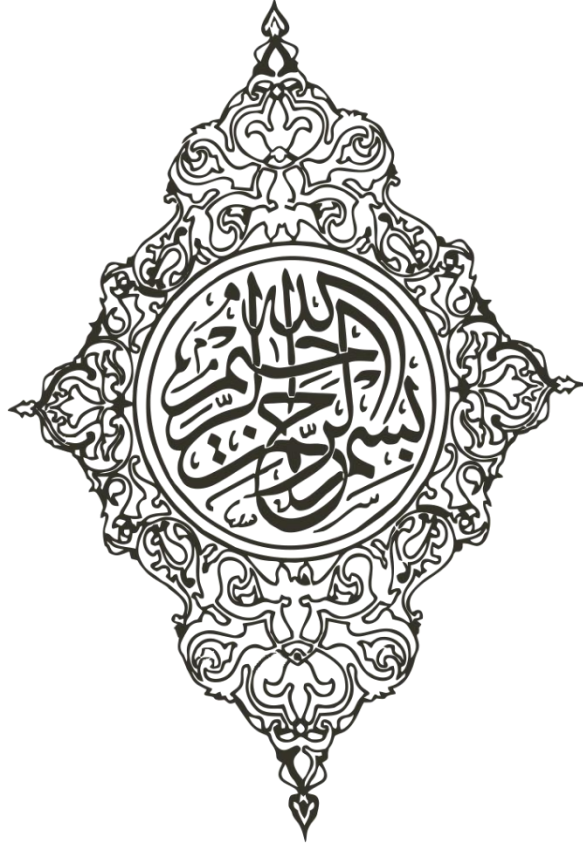
شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

فہرس

ضمیمہ

تحفة الباري

فِي الفِقْهِ الشَّافِعِي

جــــــــلد اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی

یہ غالباً شعبان ۱۴۲۰ھ کی بات ہے کہ راقم الحروف کو ایک ایسے علاقہ کے سفر کی سعادت نصیب ہوئی جو اس کے لئے بالکل نیا خطہ تھا۔ یعنی ''بمبئی اور گوا'' کے درمیان وہ پہاڑی علاقہ جو ''کوکن'' کہلاتا ہے۔ یہ بڑی خوبصورت، سبز دوپٹوں میں ملبوس، بلند قامت پہاڑیاں ہیں، کہیں کہیں ان کے دامن میں دودھ کی طرح سفید و شفاف آبشار اور جھیلیں بھی ہیں۔ یہ پورا علاقہ ساحل سمندر پر واقع ہے اور بل کھاتی ہوئی موجیں ان ساحلوں سے کھیلتی رہتی ہیں۔ آپ جب کسی پہاڑی پر کسی جانب سے چڑھیں تو تصور بھی نہ ہوگا کہ اس پہاڑی کے اوپر بھی انسانوں کی کوئی بستی آباد ہوگی، لیکن جب آپ کہیں تنگ اور کہیں کشادہ کہیں ہموار اور کہیں ناہموار پگڈنڈیوں سے گذرتے ہوئے سرو پہاڑی کے کاندھوں پر چڑھیں گے، تو وہاں آپ کو جنگلات کے درمیان ایک اچھی خاصی آباد بستی نظر آئے گی، خوبصورت مکانات، سیمنٹ کے ساتھ ساتھ لکڑیوں کی چھتیں، اکثر مکانات کے چاروں طرف باغیچے، ناریل اور کیلی کے دراز قامت درخت دور سے استقبال کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

ان راستوں اور بستیوں سے گذرتے ہوئے راقم الحروف اپنے عزیز دوست مولانا عمر بن یوسف فلاحی سلمہ اور ان کے رفیق باتوفیق اور صاحبِ ذوق عالم مولانا محمد رفیق پورکر کے ساتھ ''شری وردھن'' پہنچا۔ یہ شہر سمندر کے ساحل پر ہے، بلکہ کچھ اس وضع پر ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ سمندر نے اسے اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ اسی شہر میں ایک بڑی دیدہ زیب عمارت اور سرسبز و شاداب، ہری بھری پھلواریوں پر مشتمل یہ ''جامعہ'' جس کے ایک جانب پہاڑی، دوسری جانب کسی قدر فاصلہ پر گہری جھیل اور قریب ہی سمندر کا ساحل واقع ہے۔ بڑا خوش منظر اور جاذبِ قلب و نظر آتا ہے، طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد اس میں زیر تعلیم ہے۔ میں اس مدرسہ میں جلسہ تقسیمِ اسناد میں مدعو تھا، یہاں مختلف دوستوں اور بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔ خود مدرسہ کے گرامیٔ قدر اور فعال مہتمم حضرت مولانا محمد امان اللہ صاحب میرے دیوبند کے دورۂ حدیث کے ساتھی نکلے۔ یہاں جن بزرگوں سے ملاقات ہوئی ان میں ایک حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب خطیب ہیں۔ جواں سال، سانولا رنگ، دوہرا بدن اور سرتاپاؤں سفید پوش، مطالعہ میں وسعت اور علم میں گہرائی لیکن تواضع اور انکسار کے پیکر، حدیث و فقہ اور خاص کر فقہ شافعی پر اچھی نظر کے حامل، پہلے جواں عمری اور کسرِ نفسی حجاب بنی رہی، لیکن جب گفتگو اور تبادلۂ خیال کی نوبت آئی تو ان کی شخصیت کی صحیح تصویر سامنے آسکی، اصل وطن کیرالہ ہے لیکن اب نسبتی شہر ''شری وردھن'' ہی وطن مالوف قرار پایا ہے۔

مولانا ''دارالعلوم اشرفیہ۔ راندیر'' کے فاضل ہیں اور طویل عرصہ سے ''جامعہ حسینیہ'' میں شیخیتِ حدیث جیسے اعلیٰ و باوقار عہدہ پر فائز ہیں۔ طلبہ میں آپ کے اسباق بہت مقبول ہیں اور بہت سے فضلاء دامنِ تربیت سے وابستہ رہ کر آج ''کوکن'' کے علاقوں میں اعلیٰ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا نے مجھے اس موقع پر اپنا زیرِ تالیف مسودہ بھی دکھایا اور مجھ کوتاہ علم سے خواہش فرمائی کہ اپنے کچھ تاثرات قلم بند کریں۔

یہ کتاب ''فقہ شافعی'' کے نقطۂ نظر سے احکام شرعیہ کے بیان پر مشتمل ہے۔ اردو زبان میں گو کہ فقہ شافعی کی اور بھی کئی کتابیں ہیں، لیکن امید ہے کہ جزئیات کے احاطہ، مواد کی کثرت اور استناد کے اعتبار سے انشاء اللہ یہ کتاب نقش ثانی نقش اول سے بہتر کا مصداق ہوگی۔ مصنف نے فقہی احکام کے ساتھ ساتھ اس کی حکمتوں اور مصلحتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اسلام کے مزاج و مذاق کو بھی واضح کیا گیا، مسئلہ کے متعلق ضروری دلائل بھی ذکر فرمائے ہیں، زبان بھی سہل اور عام فہم ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور شافعی بھائیوں کے لئے خصوصاً مفید ثابت ہوگی۔

راقم الحروف کو اپنی حقیر مطالعہ کی روشنی میں اس کے اظہار میں کوئی تکلف نہیں کہ فقہ شافعی اپنے استدلال اور توازن کے اعتبار سے ایک عظیم الشان فقہ ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اپنے زمانہ کے ذکی ترین لوگوں میں تھے اور ان کو ایک طرف امام مالکؒ سے فقہ حجازی اور دوسری طرف امام محمدؒ سے فقہ عراقی کو حاصل کرنے اور دونوں علمی حلقوں کے سرمایہ کا حامل بننے کا موقع ملا، اس لئے شافعی دبستانِ فقہ دونوں حلقوں کے مزاج و مذاق کی جامع ہے، نہ ظاہر نص پر جمود اور قیاس سے پہلو تہی ہے اور نہ نصوص کے مقابلہ قیاس ورائے کی اتباع ہے، نہ نصوص کے الفاظ پر قناعت اور شریعت کے مصالح و مقاصد سے اغماز ہے، نہ لوگوں کی ضرورتوں اور چاہتوں سے بے اعتنائی ہے گویا یہ فقہ منقول اور معقول دونوں کی جامع ہے۔

اس لئے شافعی مکتبِ فقہ سے ہر عہد میں جلیل القدر محدثین، فقہاء اور مجددین امت پیدا ہوتے رہے ہیں اور اس نے اپنے زمانہ کے ذہین ترین اہل تحقیق علماء کو متاثر کیا ہے، جس کی روشن مثال حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر حنفی ہونے کے باوجود فقہ شافعی کی گہری چھاپ کا پایا جانا ہے۔

پوری دنیا میں اہل سنت والجماعت میں مجموعی اعتبار سے احناف کے بعد سب سے بڑی تعداد سیدنا امام شافعیؒ ہی کی متبعین کی ہے، خود برِ صغیر میں غالب ترین اکثریت حنفیہ کی ہے، پھر شوافع اس کے بعد کچھ غیر مقلدین ہیں۔ اس فقہ کی عظمت، مسلمانوں کی کثیر تعداد کی اس سے وابستگی ہے اور برِ صغیر میں فقہ حنفی کے بعد اس فقہ کے رواج و شیوع کا تقاضا ہے کہ اردو زبان میں بھی کام ہو، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب اس ضرورت کی تکمیل میں اہم حصہ ادا کرے گی اور بندگانِ خدا کو اس سے نفع پہونچے گا۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی

۱۱ر ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ، ۷ر مارچ ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از: مولانا نثار احمد عبد الشکور دروگے صاحب مدظلہ العالی

الحمدلله رب العلمين والصلوٰة والسلام على خاتم الانبياء والمرسلين وعلى آله للطيبين للطاهرين و صحابة للغرالميامين۔ امابعد

اسلام دین حنیف اور دین فطرت ہے۔ قال تعالیٰ فَأَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفاً (سورہ روم ۳۰)

تم یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو، اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا نہیں چاہئے، پس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسلام دراصل ایک عقیدہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی ذات ہی معبودِ برحق ہے اس کے علاوہ کوئی بھی قابلِ عبادت نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے تحت شریعتِ مطہرہ کا ظہور ہوتا ہے جو حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں اور جمیع اطراف وجوانب کو منظم کرکے سجاتی سنوارتی اور نکھارتی ہے، اسی شریعت پر اللہ تعالیٰ نے اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ الخ کے ذریعہ اپنی رضا کی مہر ثبت فرمائی پھر شریعت نے ولادت سے وفات سے جملہ ادوار مراحل من کل الوجوہ روشن تعلیمات اور واضح ہدایات عطا کی ہیں ان میں سے کچھ چیزیں ضروریاتِ دین میں سے ہیں جن کا سیکھنا اور علم حاصل کرنا طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم کے سبب فرض ہے۔ ہر مکلف (یعنی عاقل و بالغ مسلمان مرد وعورت) پر من جانب اللہ چند فرائض وواجبات اور احکام عائد ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ اس سے صادر ہوتے ہیں اور کچھ اس کے پیشے اور معاملات سے وابستہ ہوتے ہیں، ان کو حکم شرع کے مطابق ادا کرنا فرض وضروری ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ عمل خواہ کتنا ہی عظیم ہو یا حقیر اگر شرعی اصول وضوابط کے بنا کیا جائے تو مقبول و معتبر نہیں۔ اس ضرورتِ شدیدہ اور امر اہم کے پیش نظر علماء کرام وفقہاء عظام نے بڑی ہی جدوجہد، کدوکاوش، محنت ولگن سے روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے احکام خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے نہایت شرح وبسط کے ساتھ کتابوں میں جمع کرکے امت مسلمہ پر نہایت عظیم احسان فرمایا۔

ان کی وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتابیں آج تک دنیا میں عظمت اور قدرت منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام علماء وفقہاء کی نفوس طیبہ کو اعلیٰ علیین کے مراتبہ عالیہ میں اپنی جوار رحمت ورضوان میں جگہ مرحمت کرے اور امت مسلمہ کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

برصغیر ہندوپاک میں مسلک حنفیت کی اکثریت کے باعث علماء وفقہاء احناف نے اردو زبان میں چھوٹی بڑی بے شمار کتابوں کے ذریعہ اپنے مسلک کو فروغ دیا اور فقہ حنفی بیش بہا اور گرانقدر خدمت انجام دے کر اصحاب احناف پر عظیم احسان کیا۔

اس کے بالمقابل شافعی مسلک کے علماء وپیروکار کی تعداد نسبتاً قلیل رہی بناء بریں اردو زبان میں فقہ شافعی کی زیادہ کتابیں منظر عام پر

نہ آسکیں اور چھوٹی بڑی جو چند کتابیں طبع ہوئیں وہ بھی نا قابل اور تفصیل طلب تھیں شوافع کے لئے یہ ایک لمحہ فکر اور تشویشناک مرحلہ تھا

اللہ نے اپنا فضل فرمایا اور شیخ الحدیث مولانا ابراہیم صاحب (زادہ اللہ علما و فضلا و فقہا) جیسی عالمانہ فقیہانہ اور محققانہ شخصیت کے ذریعہ اس خلا کو پُر فرمایا۔ مولانا موصوف نے برسوں کی غواصی و غوطہ زنی، کتب بینی و ورق گردانی اور شب بیداری سے ایسا بیش بہا علمی شاہکار اور دُرِّ تاجدار پیش کیا ہے جس سے ہر گھر کو روشن ہونا از حد ضروری ہے۔ یہ کتاب بے شمار مسائل اور دلائل و براہین کا عظیم مجموعہ ہے جو اس سے قبل ناپید تھا، ربِّ کریم مولانا کو اپنی رحمت کے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے، علم و فضل میں زیادتی و کمال اور صحت و عافیت اور سلامتی کے ساتھ عمر میں برکت دے اور کتاب ہذا کو مقبولیت تام اور لوگوں کو اس سے نفع عام بخشے۔

امت مسلمہ کو اس سے مستفیض فرمائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

مولانا علم کا بحر زخار ہیں جس میں بلا کی گہرائی ہے۔

اور بقول شخصے

کہہ رہا ہے موج دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

کا مظہر ہیں۔ موصوف نے جب مجھ سے فرمایا کہ اس کتاب کے متعلق چند کلمات تحریر کروں تو سوچ میں پڑ گیا کہ اس قدر قد آور و نامور ہستی کی بلند پایہ اور علمی کتاب پر مجھ جیسا بے علم و بے مایہ کیا لکھ سکتا ہے۔ پھر جب فون پر بُعد مسافت (جو تعلق قلب کے قرب سے مانع نہیں) کے سبب اصرار ہوا تو اس امید پر کہ علماء کے زمرے میں شامل ہو کر انہیں کی صف میں شمار کیا جاؤں اور جنت میں دار و قرار مل جائے۔ یہ چند باتیں خامہ فرسا کر دیا ہوں۔

والسلام
نثار احمد عبد الشکور دروگے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از: حضرت مولانا محمد الیاس ندوی صاحب مدظلہ العالی

جنرل سکریٹری، مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی، بھٹکل (کرناٹک)

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

امابعد

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام عہد بنی امیہ میں ولی بند عبد الملک کے زمانہ خلافت کے دوران ۹۳ھ میں سندھ میں محمد بن قاسم کے حملہ کے بعد آیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اس سے بہت پہلے ہندوستان کے مغربی ساحل پر پہونچ چکا تھا، تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجروں کی ہندوستان آمد کا سلسلہ عہد نبوی سے قبل ہی سے جاری تھا، ان کی آمد بالعموم کیرالا سے گجرات کے درمیان ساحلی خطوں میں ہوتی تھی، جزیرۃ العرب میں اسلام کی آمد کے بعد ان عرب تاجروں کی حیثیت مبلغین اسلام کی بھی ہوگئی اور ان ہی کے ذریعے دیارِ ہند میں پہلی دفعہ توحید کی اذان گونجی، اس وقت ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقوں میں آباد مسلمان ان ہی عرب دعاۃ و تجار سے تعلق رکھتے ہیں، اسی لئے وہ ہندوستان کے عام مسلمانوں کے برخلاف مسلکاً شافعی اور اپنی تہذیب و ثقافت اور وضع و قطع میں یہاں کے دیگر باشندوں سے الگ ہیں اور آج بھی عربوں سے مشابہت رکھتے ہیں، ان شافعی المسلک مسلمانوں کی بڑی تعداد خطہ کوکن میں آباد ہے اور کیرالا کے علاوہ بھٹکل کرناٹک میں بھی ان کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے اور مجموعی طور پر ان کی آبادی کئی ملین ہے، ان مسلمانوں کی فقہی ضرورت کے پیش نظر الحمدللہ گذشتہ صدی میں متعدد کتابیں اردو اور دیگر مقامی زبانوں میں لکھی گئیں، خود امام شافعیؒ کی کتاب ''کتاب الام'' کے کچھ ابواب کے اردو تراجم شائع ہوئے، حیدرآباد کے احمد یار جنگ صاحب نے ''المبسوط'' کے نام سے ایک تفصیلی کتاب لکھی اور بھٹکل سے تعلق رکھنے والے مولانا ایوب صاحب ندوی نے بھی فقہ کے مختلف ابواب پر کئی کتابیں لکھیں، لیکن ان سب کے باوجود ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک مفصل اور جامع کتاب موجودہ تقاضوں کے پس منظر میں لکھی جائے جس سے عوام اور خواص بیک وقت استفادہ کرسکیں اور اس میں عبادات کے علاوہ معاملات، لین دین اور دیگر فقہی مباحث کا بھی احاطہ ہو۔

کوکن کے مسلمان اس اعتبار سے خوش نصیب ہیں کہ یہ سعادت ان کے حصہ میں آئی اور وہاں سے اس کی تالیف و تدوین اور اشاعت کا اہم فریضہ انجام پایا اور جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کے شیخ الحدیث محترم مولانا ابراہیم صاحب زید لطفہ جو خود جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں میرے زمانہ طالب علمی میں زیر تعلیم تھے، ان کے لئے اس گرانقدر خدمت کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا، انہوں نے بڑے سلیقے

کے ساتھ دلائل کی روشنی میں شستہ اردو میں فقہ شافعی کے تمام اہم ابواب کا احاطہ کرتے ہوئے ''تحفۃ الباری'' کے نام سے اس کام کو انجام دیا، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے بیک وقت ہمارے علماء و طلباء رجوع کرسکتے ہیں اور عوام الناس بھی اس سے براہ راست استفادہ کرسکتے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف وسیع الفکر بھی ہیں اور سلاست طبع کے حامل بھی، ان کا مطالعہ بھی گہرا ہے اور اپنی بات پیش کرنے کا انداز بھی سلجھا ہوا اور سب سے بڑھ کر حاملِ شریعت اور عامل بالسنۃ بھی۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس کے ناشرین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے نفع کو عام فرمائے۔ (آمین)

محمد الیاس ندوی
جنرل سکریٹری، مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل (کرناٹک)
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۸/ مئی ۲۰۰۸ء

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلماتِ بابرکت

از: حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری مدظلہ العالی

محب مکرم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم سے قدیم واقفیت ہے۔ زمانۂ طالبِ علمی ہی میں خوب محنت اور جاں فشانی کے ساتھ حصولِ علم میں مشغول رہے۔ طبیعت میں سنجیدگی اور وقار کے ساتھ سلجھا ہوا علمی ذوق اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھا ہے۔

ہمارے یہاں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں طلبہ میں ایک مخصوص تعداد شافعی المسلک طلبہ کی ایک زمانہ میں رہی اس وقت سے دل میں برابر یہ داعیہ رہا کہ فقہ شافعی میں اردو زبان میں کوئی کتاب ایسی ہو جس میں تمام فقہی مسائل کا اجمالی طور پر احاطہ کیا گیا ہو۔

برادر موصوف نے اپنی تالیف تحفۃ الباری احقر کو عنایت فرمائی، کتاب دیکھ کر دل بایں معنی خوش ہو گیا کہ احقر کی دیرینہ تمنا پوری ہوتی نظر آئی، زیر نظر کتاب میں انہوں نے فقہی احکام کے ساتھ ساتھ اس کی مصالح وعلل پر بھی روشنی ڈالی ہے، بقدرِ ضرورت دلائل بھی ذکر فرمائے ہیں اور زبان بھی آسان اور عام فہم ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو حسنِ قبول عطا فرما کر تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور حضراتِ شوافع کے لئے خصوصاً نافع ومفید بنائے۔ اس کتاب کی تالیف پر میں برادر موصوف کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے فیوضِ علمیہ سے مسلمانوں کو بیش از بیش مستفید و مستفیض فرمائے۔ آمین

املاہ احمد خانپوری
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ خَاتِمِ النَّبِیّٖنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ'' اَمَّا بَعْد

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے'' اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ''(فاطر ۲۸)(اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جن کو سمجھ (علم) ہے)

نیز ارشاد ہے۔''قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ''(زمر ۹)(تو کہہ، کوئی برابر ہوئے ہیں علم وسمجھ والے اور بے سمجھ)

علم کی فضیلت واھمیت: آیات ربّانی اور آیات انفس وآفاق سے صحیح نصیحت اور عبرت انگیزی کا اہل علم کے ساتھ خاص ہونا، جہل اور لاعلمی کی مذمت اور گمراہی کا باعث بننا اور باوجود علم کے حق کو ٹھکرانے کی وعید وتہدید کے متعلق قرآن کریم کی بکثرت آیات سے دلالت حاصل ہوتی ہے، مثلاً: ملاحظہ فرمائیں۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۴۲۔۸۷۔۱۳۱۔۱۵۱۔۲۲۹۔۲۵۱۔ سورہ آل عمران آیتنمبر ۱۹۔ ۶۱۔ سورۂ نساء آیت نمبر ۱۶۲۔ سورۂ یونس آیت نمبر ۵، سورۂ یوسف آیت نمبر، ۸۶۔ ۶۸۔ سورۂ رعد آیت نمبر، ۳۷۔ سورۂ اسراء آیت نمبر، ۳۶۔۱۰۷۔ سورۂ کہف آیت نمبر، ۶۵۔۶۶۔ سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۱۱۴۔ سورۂ انبیاء آیت نمبر۷۔ سورۂ نمل آیت نمبر ۱۵۔ ۴۰۔ سورۂ محمد آیت نمبر ۱۹۔ سورۂ رحمن آیت نمبر ۲۔ سورۂ علق آیت نمبر ۵۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے!''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دینی علم وسمجھ سے نوازتے ہیں''(متفق علیہ) صحیحین کی ایک حدیث میں اس شخص کو قابلِ رشک بتلایا جو علم دین کی دولت سے مالامال ہو، اور اس کی روشنی میں فیصلہ صادر کرتا اور دوسروں تک اس دولت کو پہنچاتا ہو۔ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے!''جب انسان کی وفات ہوتی ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بھی ختم ہوجاتا ہے'سوائے تین اسباب کے، صدقہ جاریہ، نفع بخش علم، یا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے''(مسلم) مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص تحصیل علم میں سفر کرے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے جنت کا راستہ اس پر آسان کر دیتے ہیں۔ بعض روایات میں آگے یہ بھی ارشاد ہے''یقیناً فرشتے طالب علم کی رضامندی میں اپنے پر بچھادیتے ہیں، اور بلاشبہ ایک عالم کے لئے آسمان وزمین والے اور پانی کے اندر مچھلیاں استغفار کرتے ہیں۔ اور ایک عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے، جیسے چودھویں کے چاند کی دیگر ستاروں پر، اور علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اور انبیاء کرام نے درہم اور دینار کی میراث نہیں چھوڑی، انھوں نے تو علمی میراث چھوڑی ہے سو جو اسے حاصل کرلے اس نے کافی حصہّ حاصل کرلیا''(احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤ۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

آپ ﷺ نے فرمایا!''اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھاوے گا کہ بندوں (کے دل) سے اسے نکال دے، بلکہ علماء کو اٹھائے گا، اور (ان کے صحیح جانشین نہ ہونے کی وجہ سے) اس طرح علم اٹھ جائیگا، پھر جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار (یعنی مفتی وقاضی وغیرہ) بنائیں گے پھر ان سے مسائل پوچھے جائیں گے، اور وہ بلا علم فتویٰ دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے''(متفق علیہ) ابن ماجہ اور بیہقی کی ایک روایت میں طلبِ علم کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے ترمذی کی حدیث میں ہے۔

"جو طلبِ علم میں نکلے۔ تو لوٹنے تک وہ اللہ کے راستہ میں (جہاد میں) ہے"

آپ ﷺ کا ارشاد ہے!"ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے گراں ہے۔" (ترمذی۔ابن ماجہ) نیز ارشاد ہے۔"حسنِ اخلاق اور دینی فقاہت و سمجھ، یہ دونوں صفتیں کسی منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں۔" (ترمذی) ایک حدیث میں فرمایا!"اگر کسی سے ایسی بات پوچھی جائے جو اسے معلوم ہو" (اور سائل کو اس دینی مسئلہ کی ضرورت ہو) لیکن یہ اُسے چھپائے، تو بروزِ قیامت اس کو آگ کی لگام پہنائی جائیگی" (احمد۔ابوداؤد۔ترمذی۔ابن ماجہ)

جو شخص علماء کے مقابلہ کیلئے، یا بیوقوفوں سے لڑنے کیلئے، یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے علم حاصل کرے، اس کے متعلق وارد ہے کہ اللہ اسے جہنم میں داخل کردیں گے۔ (ترمذی۔ابن ماجہ) "اسی طرح دینی علوم کو محض دنیا کی تحصیل کی نیت سے حاصل کرنے والے کے متعلق ارشاد ہے کہ اسے جنت کی خوشبو تک نہ ملے گی" (احمد۔ابوداؤد، ابن ماجہ)

علم دین کی فضیلت میں صحابہ و تابعین اور دیگر اسلاف و علماء سے بھی بکثرت اخبار و آثار منقول ہیں۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں دینی علوم کی اہمیت اور نیک نیتی کے ساتھ اس کے تعلیم و تعلّم کی فضیلت بالکل واضح ہے۔ اور اپنی زندگی میں پیش آنے والے مسائل واحکام کی حد تک علم کا حصول ہر مسلمان کے حق میں فرض ہے۔ لہٰذا وہ لمحات اور اوقات بڑے قیمتی ہیں" جو آدمی ان علوم کی تحصیل میں صرف کرے۔

خطۂ کوکن میں عموماً شافعی مسلک پر عمل ہے، اور عربی زبان میں فقہ شافعی کا کافی وافی ذخیرہ موجود ہے۔ وقت کی ضرورت، اور بعض حضرات کی تعمیل فرمائش میں یہ ایک حقیر سی کوشش اردو زبان میں اسے پیش کرنے کی ہے۔ جس میں حتی الامکان عوام کے پیشِ نظر اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ سہل اور عام فہم انداز میں مسائل کو پیش کیا جائے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے عبارت کا انداز بدل جائے۔ اور بات طویل ہو جائے۔ نیز قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے بھی مسائل کو مدلّل کیا گیا ہے دَقیق اور عقلی دلائل سے عموماً گریز کیا گیا ہے، کیونکہ یہ عام ذہن سے اونچی سطح کی بات ہو جائے گی۔ اور اس کتاب کا اصل مقصد عوام کی اِفادیت اور علمی تشنگی کی سیرابی کا سامان ہے اہلِ علم کے لئے عربی زبان میں ہر طرح سے اطمینان بخش مواد موجود ہے۔ اور وہ حضرات براہ راست مُراجعت کر سکتے ہیں۔ مقدمہ میں امام شافعی کے حالات، شریعت کے مصادر، فقہی تدریجی دور، اختلافات کے اسباب تقلید واتباع اور شافعی کتب فقہ میں ترتیب وغیرہ مباحث پر مختصر روشنی ڈالی گی ہے۔

ابتداء میں مزید افادیت کیلئے مختصراً اہم عقائد کا نچوڑ خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ بغیر صحیح عقائد کے سب کچھ فضول ہے اور عقائد کی درستگی واصلاح اولیّن واہم ترین فریضہ ہے۔

طہارت سے جنائز کے آخر تک ابواب کو امام نوویؒ کی مشور ومعروف کتاب روضۃ الطالبین کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ تاہم نادر الوقوع اور دقیق مسائل کو نظر انداز کیا گیا ہے، بقیہ کتابوں کے اضافوں کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ تاہم صلوۃ الخوف کا باب مختصراً فتح الوہاب کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے آگے عبادات کے دیگر ابواب یعنی زکات، روزہ اور حج کے مسائل کی ترتیب میں فتح الوہاب (للشیخ زکریا انصاری علیہ الرحمۃ) مع حاشیہ الجمل کو اصل قرار دیا گیا ہے، اور دیگر کتابوں سے ماخوذ مسائل کا حوالہ دیا گیا ہے۔

معاملات کے ابواب کی ترتیب میں دورِ حاضر کی ایک تصنیف "الفقہ المنہجی" (مصطفی الحق۔مصطفی البغا۔علی الشربجی) کو اصل قرار دیتے ہوئے بقیہ مسائل کے مآخذ کا حوالہ دے دیا گیا ہے، دیگر ابواب (مثلاً نکاح، قربانی، قسم وغیرہ) کو مختلف

کتب کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے، جس کا اجمالی حوالہ ہر باب کے اختتام پر درج ہے۔

تمام مسائل معتبر کتب سے ماخوذ و مستفاد ہیں۔ جہاں اپنی جانب سے مزید افہام و تشریح کی ضرورت محسوس کی، عموماً اسے واضح کر دیا ہے، یا پھر بین القوسین لکھا گیا ہے۔

بعض مسائل مختلف ابواب سے مناسبت کی وجہ سے مزید افادیت کی خاطر ایک سے زائد مقامات پر درج کئے گئے ہیں۔

جمعہ کے باب سے لے کر جنائز تک (صلوٰۃ الخوف مستثنیٰ) مولوی شعیب عبد الرحمن مانڈ لیکر اور کتاب الفرائض (میراث کا بیان) مفتی محمد عمر یوسف امبیر کر ان حضرات کے درخشاں قلم اور عرق ریزی کا نتیجہ ہیں۔

اسلام کی رہنمائی کسی ایک باب اور شعبہ تک محدود نہیں، بلکہ وہ ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک تمام لمحات اور شعبوں پر حاوی اور مسائل میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ یہی اسلام ایک کامل مذہب اور دین فطرت ہے، اور اس کا مطالبہ ہے کہ ایک مسلمان اللہ و رسول کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کرے۔ عقائد یا عبادات ہوں، یا معاملات اور معاشرتی مسائل حدود و سزا کے ابواب ہوں یا عدالت و سیاست کے مسائل، تمام امور میں اسلام کی درخشاں تعلیمات موجود ہیں۔ اور ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ ان تمام امور میں اسلامی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرے، تاہم عدالت و سیاست اور حدود وغیرہ کا تعلق چونکہ ایک اجتماعی اسلامی نظام سے ہے، جو فی الوقت ان علاقوں میں ناپید ہے۔ جس کی وجہ سے انفرادی حیثیت سے اس پر عملی موقع فراہم ہونے کا سوال نہیں، اور اس کتاب کا مقصد چونکہ عام حضرات کو فی الحال پیش آنے والے مسائل کی تفصیلات سے آگاہ کرنا ہے۔ اس لئے سر دست ان ابواب کو داخل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ لیکن بعض احباب کے اصرار و مشورہ کی وجہ سے مختصراً ان ابواب کو بھی داخل کیا جارہا ہے تاکہ کتاب ان مسائل سے تشنہ نہ رہے اور فی الجملہ ان مسائل سے بھی آگہی حاصل ہو جائے۔

تحریک و تائید، مشورہ، ہمت افزائی، جانچ واصلاح اور کتاب کی ترتیب و تالیف اور طباعت کی تکمیل تک مختلف خیر خواہ احباب کا تعاون شاملِ حال رہا، جسے اللہ کی علیم و خبیر ذات بخوبی جانتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ان تمام معاونین کو اجر جزیل و ثواب عظیم عطا فرمائے، اور دارین کی خیر و برکات سے ان کا دامن بھر دے (اٰمین)۔ (ان احباب کے اسماء کی تصریح شاید ان کی مخلصانہ طبیعت گوارا نہ کرے، اس لئے صراحت سے گریز کر رہا ہوں)

اللہ تعالیٰ کا کروڑہا کروڑ، بلکہ بے انتہا شکر ادا کرتا ہوں کہ محض اپنے فضل و کرم اور دستگیری سے اس خدمت کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے خوب خوب قبول فرمائے، لغزشوں اور خطاؤں سے درگزر کرے، نفع عام و تام فرمائے اور دارین کی فلاح و کامرانی کا سبب بنائے (اٰمین)

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمَ (آمین)

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مولانا محمد ابراہیم بن علی خطیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف الامام عالم العصر ناصر الحدیث فقیہ الملت ابو عبد اللہ القریشی ثم المطلبی الشافعی المکی۔

امام شافعی کے نسب میں جو مطلب بن عبد مناف ہیں، وہ آپ ﷺ کے پردادا ہاشم کے بھائی ہیں، تو گویا عبد مناف پر جاکر آپ ﷺ کے ساتھ مل جاتے ہیں امام شافعی مطلبی سادات میں سے ہیں۔

پیدائش: امام شافعیؒ کی ولادت باسعادت ۱۵۰ھ میں بمقام غزّہ (فلسطین) ہوئی۔ ان کے والد ادریس نوجوانی میں ہی انتقال کر گئے، لہٰذا امام صاحب نے اپنی والدہ کے گود میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ والدہ دو سال کی عمر میں انھیں لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائیں، اور یہیں وہ پروان چڑھے، تیر اندازی کی طرف توجہ دی۔ اور تمام ہم عصروں پر اس فن میں فوقیت لے گئے، پھر عربی زبان واشعار کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں بلند مقام حاصل کیا۔

پھر ان کا دل فقہ کی طرف مائل ہوا، اور اس میں تمام ہم عصروں پر تفوق حاصل کی۔

تحصیل علم اور اساتذہ: مکہ مکرمہ میں مسلم بن خالد زنجی (مفتی مکہ)، داود بن عبد الرحمان عطار، محمد بن علی شافع، سفیان بن عیینہ، عبد الرحمان بن ابی بکر الملیکی، سعید بن سالم، فضیل بن عیاض اور دیگر کئی علماء سے علم حاصل کیا۔

جب امام شافعیؒ کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر ہوئی، تو مدینہ منورہ کی طرف رختِ سفر باندھا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ان کے روبرو حفظاً مؤطا سنا کر اس کی سند حاصل کی، نیز ابراہیم بن ابی یحییٰ، عبد العزیز الدراوردی، عطاف بن خالد، اسمٰعیل بن جعفر اور ابراہیم بن سعد وغیرہ حضرات سے کسبِ فیض فرمایا۔

یمن میں حضرات مُطرّف بن مازن، ہشام بن یوسف القاضی اور دیگر علماء سے تحصیل علم کیا۔ اور بغداد میں امام محمد بن حسن، عبد الوہاب ثقفی اور دیگر کئی افراد سے علم حاصل کیا۔ امام صاحب نے طلب علم میں مکہ مدینہ کے بعد کوفہ، بغداد، فارس اور اطراف کے عجمی علاقے پھر ربیعہ ومصر کے علاقے، شمالِ عراق پھر جنوب روم پھر حران پھر فلسطین اور دیگر علاقوں کا سفر اختیار کیا۔

امام شافعی نے بکثرت کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور علم کو مدون کیا۔ اور احادیث کی اتباع کرتے ہوئے دیگر حضرات کا رد کیا۔ نیز اصول فقہ اور فروع فقہ پر کتابیں تحریر کیں۔ اور حضرت کی کافی شہرت ومقبولیت ہوئی۔ اور بکثرت طلبہ خدمت میں تحصیل علم کے لئے حاضری دینے لگے۔

شاگرد: درج ذیل علماء کرام نے امام شافعی سے احادیث روایت فرمائی ہے۔

حمیدی، ابوعبید قاسم بن سلام، احمد بن حنبل، سلیمان بن داود، ہاشمی، ابو یعقوب بویطی، ابو ثور، حرملہ، موسیٰ بن ابی الجارود مکی،

عبد العزیز مکی، حسین بن علی کرابیسی، ابراہیم بن المنذر، حسن بن محمد زعفرانی، احمد بن محمد ازرقی، احمد بن سعید ہمدانی، احمد بن ابی شریح الرازی، احمد بن یحییٰ مصری، احمد بن عبد الرحمن وہبی، ابراہیم بن محمد شافعی، اسحاق بن راہویہ، اسحاق بن بہلول، ابو عبد الرحمن احمد بن یحییٰ شافعی، حارث ابن سریج، حامد بن یحییٰ بلخی، سلیمان بن داود، ھھری، عبد العزیز بن عمران، علی بن معبد، علی بن سلمہ، عمرو بن سواد، ابو حنیفہ قحزم بن عبد اللہ، محمد بن یحییٰ، سعود بن سہل، ہارون ابن سعید، احمد بن سنان، احمد بن عمرو، یونس بن عبد الاعلی، ربیع بن سلیمان مرادی، ربیع بن سلیمان جیزی، محمد بن عبد اللہ بن الحکیم، بحر بن نصر خولانی، اور ان کے سوا ایک جم غفیر۔

امام دار قطنی نے امام شافعی سے روایت کرنے والوں کے متعلق دو جزو میں ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ قدیم وجدید اکابر علماء نے اس امام کی شان اور مناقب میں کتابیں لکھی ہیں۔

مناقب: امام ابو عبید نے فرمایا! "میں نے امام شافعی سے بڑھ کر عقلمند کسی کو نہیں دیکھا"

جب امام صاحب کی عمر پندرہ سال ہوئی تو امام مسلم بن خالد زنجی (مفتی مکہ) نے انھیں فتوی دینے کی اجازت دی۔

مامون نے کہا: میں نے ہر چیز میں امام شافعی کا امتحان لیا تو انھیں کامل پایا۔

امام سفیان بن عیینہ کے پاس تفسیر یا فتوی سے متعلق کوئی سوال آتا تو امام شافعی کی طرف متوجہ ہو کر ان سے پوچھنے کا حکم دیتے۔

فرمودات

امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: قرآن وحدیث کی روشنی میں کلام کرنے والا برحق ہے اس کے علاوہ سب بکواس ہے، نیز فرمایا: اصل کے متعلق کیوں اور کیسا سوال نہیں اٹھایا جائیگا۔

فرمایا: اصل قرآن یا حدیث ہے۔ ورنہ پھر ان دونوں پر قیاس، حدیث اگر صحیح ہو تو وہ سنت ہے۔ اور اجماع تنہا حدیث سے بڑھ کر ہے۔ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہو گی، اگر کسی حدیث میں کئی مفہوم کا احتمال ہو، تو جو ظاہر کے زیادہ مشابہ ہو، وہ مراد لیں گے، منقطع حدیث کا کوئی اعتبار نہیں۔ بجز ابن المسیب کی منقطع روایت کے۔

فرمایا: حدیث کا پڑھنا نفل نماز سے بہتر ہے، نیز فرمایا: تحصیل علم نفلی نماز سے افضل ہے، فرمایا: میں نے ہر کسی سے محض خیر خواہی کی نیت سے مناظرہ کیا ہے۔

فرمایا: اگر تم میرے کتاب میں آپ ﷺ کی سنت کے خلاف کچھ پاؤ۔ تو سنت کو اختیار کرو اور میرا قول چھوڑ دو۔

فرمایا: اگر حدیث صحیح ہو، تو وہی میرا مذہب ہے، اور جب حدیث صحیح ہو، تو میری بات کو دیوار پر دے مارو۔

امام شافعی کا ارشاد ہے۔ "جب میں آپ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث روایت کروں، اور اس پر میرا عمل نہ ہو تو تم کو اس بات پر گواہ رکھتا ہوں کی میری عقل ماری گئی ہے"

نیز ارشاد ہے: کون آسمان مجھ پر سایہ فگن ہو گا، اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی۔ جبکہ آپ ﷺ کی کوئی حدیث روایت کروں، لیکن اسے اختیار نہ کروں۔

عبادت: امام شافعیؒ نے رات کے تین حصہ کئے تھے، پہلی تہائی میں لکھتے، دوسری میں نماز پڑھتے اور تیسری میں سو جاتے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ نیت کی وجہ سے تینوں اعمال عبادت ہیں۔

امام شافعیؒ ماہِ رمضان میں نماز میں ساٹھ قرآن ختم فرماتے۔

زہد وتقوی: امام شافعی نے فرمایا: ۱۶/ سال کی مدت سے میں صرف ایک مرتبہ شکم سیر ہوا ہوں، اس وقت ہاتھ ڈال کر اسے قئی کر دیا، کیونکہ شکم پُری بدن کو ثقیل و گراں اور دل کو سخت کرتی ہے۔ ذہانت کا ازالہ کرتی ہے، نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور عبادت میں کوتاہی ہوتی ہے اپنے شاگرد امام ربیع سے فرمایا! ”زہد اختیار کرو، کیونکہ زاہد کے لئے زہد ایک نوعمر دوشیزہ کے بدن پر زیورات سے بڑھ کر حسین وخوبصورت ہے۔“

اپنے جوشِ سخاوت کی وجہ سے کم ہی کوئی چیز ان کے پاس رہتی تھی۔

بعض زرین اقوال

امام شافعی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ھے: بندوں پر ظلم وزیادتی آخرت کے لئے بدترین توشہ ہے۔

ارشاد ہے۔ علم تو وہ ہے جو نفع دے، نہ کہ جو حفظ کر لیا جائے۔

فرمایا: جسے تقوی عزت نہ بخشے تو اس کی کوئی عزت نہیں۔

بکثرت اپنے ہاتھ میں لاٹھی رکھنے کا سبب بتلایا! تاکہ یہ یاد رہے کہ میں ایک مسافر ہوں۔

فرمایا: جو شہوتوں کا پابند ہوگا اسے دنیا پرستوں کی غلامی لازم ہوگی۔

فرمایا: بھلائی پانچ باتوں میں ہے۔ نفس کی بے نیازی، کسی کو تکلیف نہ دینا، حلال کمانا۔ تقوی۔ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔

فرمایا: بہترین ذخیرہ تقوی اور بدترین ظلم وزیادتی ہے۔

ارشاد ھے: گناہوں سے پرہیز اور بے مقصد امور کا ترک دل کو منور کرتا ہے۔ تم تنہائی اور کم کھانے کی عادت اختیار کرو، بیوقوفوں اور ناانصافوں کی صحبت سے دور رہو جب تم فضول وبے مقصد معاملہ میں بات کروگے، تو وہ بات تمہاری مالک بن جائیگی۔ تم اس کے مالک نہ رہوگے۔

فرمایا: عاقل وہ ہے جس کی عقل اسے ہر مذموم سے روکے۔

ارشاد ھے: مروّت کے چار ارکان ہیں۔ خوش اخلاقی، سخاوت، تواضع، اور عبادت

فرمایا: دوست کی علامت یہ ہے کہ اپنے دوست کے دوست کا بھی دوست ہو۔

فرمایا: جو تمھارے پاس چغلی کرے، وہ تمھاری بھی چغلی کرے گا۔

فرمایا: تواضع شریفوں کی عادت ہے، اور تکبر کمینوں کی خصلت ہے، تواضع محبت پیدا کرتی ہے اور قناعت راحت کا باعث ہے۔

فرمایا: لوگوں میں قدر ومنزلت اور فضیلت میں وہ شخص سب سے بڑھکر ہے جو خود اپنی کوئی قدر ومنزلت نہ سمجھے۔

ارشاد ھے: کسی شخص کی غلطی پر لوگ ہنسے، تو اس کی صحیح صورت اس کے دل میں جم جاتی ہے۔

امام صاحب کے متعلق کلمات ائمہ

امام عبدالرحمن بن مھدی: میں جب بھی نماز پڑھتا ہوں، امام شافعی کے لئے دعا کرتا ہوں۔

امام مالک: میرے پاس امام شافعی سے بڑھ کر کوئی فہیم قریشی نہیں آیا۔

امام احمد: میں بوقتِ سحر چھے حضرات کے لئے دعا کرتا ہوں، جن میں ایک امام شافعیؒ ہیں،... امام شافعیؒ دنیا کیلئے سورج کی طرح اور لوگوں کے لئے عافیت کی طرح تھے۔

امام قتیبہ: شافعی امام ہیں۔

امام ابوثور: میں نے امام شافعیؒ کے مثل نہیں دیکھا۔ اور نہ خود انھوں نے اپنے مثل دیکھا ہے۔

امام احمد بن حنبل: اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آخر میں ایک ایسی شخصیت کو لوگوں کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں، جو انھیں آپ ﷺ کی سنتوں کی تعلیم دے، اور آپ ﷺ کی طرف منسوب جھوٹ اور غلط باتوں کی تردید کرے، پس ہم نے دیکھا تو پہلی صدی میں حضرت عمر بن عبد العزیز اور دوسری صدی میں حضرت امام شافعیؒ اس رتبہ پر فائز ہیں۔

امام حرمله: میں نے امام شافعیؒ سے سنا مجھے بغداد میں ناصر الحدیث (حدیث کی نصرت کرنے والے) کے خطاب سے نوازا گیا۔

امام احمد: امام شافعیؒ سب سے زیادہ فصیح تھے، علم فقہ مقفل تھا، جسے امام شافعیؒ نے کھول دیا۔

امام ابوزرعة رازی: امام شافعیؒ کے پاس کوئی غلط حدیث نہیں ہے۔

امام ابوداود: مجھے امام شافعیؒ کی کسی حدیث میں خطا کا علم نہیں ہے۔

ابن هشام لغوی: امام شافعی کے ساتھ ہماری طویل مصاحبت رہی، لیکن کبھی بھی ایک لحنہ (لغت کی غلطی) نہیں ہوئی۔

امام علی بن المدینی: امام شافعیؒ کی کتابوں کو لازم پکڑو۔

امام صاحب کی تصانیف: امام شافعی کی کئی مشہور و معروف اور قیمتی مقبول تصانیف یادگار ہیں، جن میں سے کافی طبع ہو چکی ہیں، امام مروزی فرماتے ہیں کہ بقولِ بعض: امام شافعیؒ نے تفسیر، فقہ اور ادب وغیرہ فنون میں ۱۱۳/ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۱۔المسند فی الحدیث ۲۔السنن فی الحدیث ۳۔ احکام القرآن ۴۔الفقه الاکبر ۵۔الام (جو کافی مشہور و معروف کتاب ہے) ۶۔اختلاف الحدیث ۷۔ الاسماء والقبائل فی اختلاف العراقیین ۸۔ اثبات النبوة والرد علی البراهمة ۹۔ المسبوط فی الفقه ۱۰۔ المسبوط (ایک دوسری کتاب) ۱۱۔ کتاب الجدید ۱۲۔ کتاب القدیم ۱۳۔ الامالی الکبیر فی الفقه ۱۴۔ الاملاء الصغیر ۱۵ تعظیم قدر الصلاة ۱۶۔ التنقیح فی علم القیافة ۱۷۔ الحجة العراقی ۱۸۔ رساله فی بیان الناسخ والمنسوخ من القرآن والسنه ۱۹۔ مختصر البویطی ۲۰۔ مختصر الربیع ۲۱۔ مختصر المزنی ۲۲۔ مدافع القرآن

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مختلف فضائل و محاسن اور کمالات میں اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا۔ نسبی اعتبار سے وہ قریشی اور مطّلبی سادات میں سے ہیں، جائے ولادت ارض مقدسہ ہے، پرورش مکہ مکرمہ میں ہوئی، مختلف مکتبِ فکر کے کتابوں کی تصنیف و تالیف اور احکام کی تقریر و تنقیح کے بعد ان کا زمانہ ہے، لہٰذا متقدمین کے مذاہب میں غور و تامل فرمایا۔ ماہر و فائق اساتذہ سے تحصیل علم و کمال حاصل کیا، حاذق و پختہ ائمہ سے علمی بحث و مناظرہ کیا، ان کے مذاہب و طریقہ کار میں غور و فکر اور صبر و تحقیق اور اس سے صحیح آگہی کے بعد ان سب کی روشنی میں اپنا ایک معتدل فقہی اصول و مسلک ترتیب دیا جو قرآن و حدیث اور اجماع و قیاس کو جامع ہے۔ اور اپنی کمالِ قوت، بلندئی ہمت اور تمام علوم و فنون میں براعت و تفوق اور پختگی و گہرائی کے ساتھ اختیار و ترجیح اور تکمیل و تنقیح کیلئے اپنے آپ کو فارغ کیا۔ اور اس طرح ایک معتدل، جامع اور بہترین فقہی مسلک کی دولت سے امت کو روشناس کرایا۔

وفات: امام شافعیؒ کا وصال ماہِ رجب کی آخری تاریخ کو ۲۰۴ھ میں ہوا،

(امام شافعی علیہ الرحمۃ کے حالات کیلئے دیکھے۔ سیرا علام البلاء للذہبی۔ حلیۃ الأولیاء- ۹/۶۳۔۱۶۲، الانتقاء-۶۵۔۱۲۱ تاریخ بغداد -۲/۵۶۔۷۳، صفة الصفوة ۹۵۱۲ تہذیب الاسماء ۱/۴۴۔۶۷، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۶۱۔۳۶۳، مقدمۃ الحاوی الکبیر، تہذیب ۹/۲۵، تہذیب الکمال ، مقدمۃ المجموع للنووی علیہ الرحمۃ، مقدمۃ معرفۃ السنن)

شریعت اسلامیہ کے مصادر

اللہ تبارک تعالیٰ نے بندوں کو اپنی عبادت وتوحید کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے "**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن**" (الذاریات آیت ۵۶) ترجمہ: "اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی، سو اپنی بندگی کو"

اور اللہ تعالیٰ نے ہر فعل وعمل کا ایک حکم مشروع فرمایا ہے۔ یعنی واجب، حرام، مکروہ مستحب، صحیح، فاسد وغیرہ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان اصولوں کی حفاظت کا ذمہ لے کر جن سے احکام شرعیہ کا استنباط ہوگا، امت کے لئے اس دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

فرمان باری ہے۔ "**اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ**" (الحجر ۹) ترجمہ: "ہم نے آپ پر اتاری ہے یہ نصیحت (قرآن مجید) اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں"

شریعت کے چار اہم مأخذ ومصدر ہیں: قرآن، حدیث، قیاس اور اجماع

(۱) **قرآن (کتاب اللہ):** قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جس کی تلاوت بھی عبادت ہے، اور چھوٹی سی سورت بھی معجزہ ہے، جو سورۃ الفاتحہ سے شروع ہو کر سورۃ الناس پر مکمل ہوتی ہے اور یہ تواتر وصحت کے ساتھ ثابت اور نقل در نقل ہوتا آرہا ہے۔ اس میں کسی باطل اور تحریف کا قطعاً امکان وگذر نہیں ہے۔

بالاجماع قرآن شریف تشریع کا اوّل مصدر، اور شریعت کا کلیہ وبنیاد ہے، اور دین کی حقیقت اور شریعت کے اصول تک رسائی حاصل کرنے کے لئے یہ کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ اور دیگر تمام دلائل کا انحصار اسی پر ہے۔

حدیث (سنتِ رسول): یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک فرامین نورانی، اعمال وافعال آپ کے اخلاق حسنہ، آپ کا سراپا، آپ کی سیرت ومغازی اور بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اخبار،

قرآن کی طرح اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت کی بھی وحی فرمائی، یہ بھی دین کا اہم اصل وبنیاد ہے، جس کی اتباع واجب، اور مخالفت حرام ہے، اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے نیز آیات قرآنی بھی اس کی مؤید ہیں کہ شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، جو اس کا انکار کرے، اس نے مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ پس حدیث قرآن کے بعد شریعت واحکام کا دوسرا مصدر ہے۔

بکثرت آیات حدیث کی حجیت واہمیت اور واجب الاتباع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ فرمانِ ربانی ہے۔ "**وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**" (الحشر آیت ۷) ترجمہ: "اور تم کو رسول جو دے، سو لے لو، اور جس سے منع کرے، سو چھوڑ دو" (یعنی مال وجائداد وغیرہ جس طرح پیغمبر اللہ کے حکم سے تقسیم کرے، اُسے بخوشی ورغبت قبول کرو، جو ملے لے لو، اور جس سے روکا جائے رُک جاؤ اور اسی طرح اس کے تمام احکام اور اوامر ونواہی کی پابندی رکھو)

ایک جگہ ارشاد ہے ”فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ“(النور، ۶۳)ترجمہ:”سوڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے(یعنی رسول کے)حکم کا،اس سے کہ آپڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب دردناک“

(مزید آیات کے لئے دیکھئے،سورۂ نساء آیت نمبر،۸۰۔۶۵۔۵۹۔احزاب آیت نمبر،۲۱۔۳۶۔سورۂ ال عمران آیت نمبر،۳۱، نمل آیت نمبر،۴۴)

احادیث میں آپ ﷺ نے آپ کے فرامین کو سن کر یاد کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی بڑی فضیلت بتلائی ہے۔اور اس کا حکم دیا ہے۔جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس تک حدیث پہنچے تو وہ دلیل وحجت ہوگی،نیز سنن وغیرہ کی روایات میں آپ ﷺ کے فرامین سے منہ موڑ کر صرف قرآن پر اکتفاء واقتصاء کرنے کے دعوی کی سخت مذمت وتردید وارد ہے امام بیہقی نے معرفۃ السنن کے مقدمہ میں امام شافعی سے حدیث کی حجیت اور واجب العمل ہونے کے متعلق کافی روایات ودلائل کو نقل فرمایا ہے۔

قرآن وحدیث کا تعلق اور رشتہ: امام ابن قیمؒ نے فرمایا کہ آپ ﷺ سے ایک بھی صحیح حدیث ایسی وارد نہیں ہے،جو قرآن کے منافی ومخالف ہو،اگر بظاہر مخالفت نظر آئے،تو یہ مجتہد پر مخفی ہونے کی وجہ سے ہے۔قرآنی احکام کے متعلق احادیث کا انداز درج ذیل مختلف وجوہ پر ہے۔

(۱)بطور تاکید قرآن کے موافق(۲)قرآن کے کسی حکم کی وضاحت،یعنی کسی اجمال کی تفصیل،یا مطلق کی تقیید،عام کی تخصیص یا کسی شکل کی توضیح(۳)کسی ایسے حکم پر دلالت جس کے متعلق قرآن ساکت ہو،

اجماع: یعنی آپ ﷺ کے بعد کسی بھی دور میں امت مسلمہ کے تمام مجتہدینِ کرام کا کسی شرعی مسئلہ کے حکم پر اتفاق واجماع کرنا،اگر اکثر مجتہدین متفق ہوں تو اس سے اجماع ثابت نہ ہوگا۔

تمام شرائط کے ساتھ کسی مسئلہ میں اجماع پایا جائے تو یہ واجب العمل شرعی قانون ہوگا جس کی مخالفت جائز نہیں ہے اجماع کے حجت ہونے پر قرآن وحدیث کے درج ذیل نصوص دلیل ہیں۔ارشاد باری ہے۔”وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا“(آل عمران نمبر ۱۰۳)ترجمہ:”اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو“

اور فرمایا:”وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ“(الشوری، ۱۰)ترجمہ:”اور جس بات میں اختلاف کرتے ہو،تم لوگ کوئی چیز ہو،تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔“اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس پر تمہارا اتفاق ہو،وہ برحق ہے،نیز ارشاد ہے۔”وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا“(النساء نمبر ۱۱۵)(اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے،جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ،اور چلے سبمسلمانوں کے راستہ کے خلاف،تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی،اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا)

آپ ﷺ نے فرمایا:”میری امت ہرگز گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔(طبرانی)یہی مفہوم ابوادوٗد کی ایک حدیث سے بھی ثابت ہے۔ایک اور حدیث میں ہے۔میری امت گمراہیہ پر مجتمع ومتفق نہ ہوگی،اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے،جو شذوذ اختیار کرے(جماعت سے کٹ کر جدا ہو)اسے الگ تھلگ جہنم میں ڈال دیا جائیگا“(ترمذی)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے!میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہیگا“(صحیحین)نیز ارشاد ہے”جو جماعت سے بالشت بھر بھی

جدا ہوا۔ تو اس نے اپنے گلے سے اسلام کا حلقہ اتار دیا" (احمد۔ ابو داؤد۔ حاکم)

قیاس: نصوص محدود، اور پیش آنے والے مسائل بکثرت، جو کسی حد پر ٹھہرنے والے نہیں، لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ قیاس سے کام لیا جائے، سو، صحابہ کرام کے دور سے جمہور علماء کرام نے شریعت کے عام مقاصد اور قواعدِ کلیہ کی روشنی میں ان مسائل کا حل پیش کیا، جو صراحتاً قرآن وحدیث میں موجود نہیں، جس مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہو، دوسرے کسی معلوم الحکم مسئلہ کے اور اس کے درمیان علت کے اشتراک کی وجہ سے وہی حکم یہاں بھی لگانا قیاس کہلاتا ہے۔ حضرات، صدیق اکبرؓ، عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ اور معاذؓ بن جبلؓ وغیرہ اکابر صحابہ کرام نے مختلف مسائل میں قیاس کی روشنی میں جواب دیا۔ قیاس کی حجیت پر قرآن وحدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ ہر دور میں جمہور امت کا طبقہ مشرق ومغرب میں قیاس پر عمل کرتا رہا ہے، جو مشہور ومعروف ہے۔ شاذونادر متأخرین کے علاوہ کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ یہ قیاس کے حجت پر قوی ترین دلیل ہے۔

امام شافعی کا طریقۂ استنباط: امام شافعیؒ نے مختلف فقہی مکاتبِ فکر سے استفادہ کے بعد ایک معتدل فقہی طریقہ ومسلک کو اپنایا، اور اس سلسلہ میں اپنے طریقۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اصل قرآن یا سنت ہے، ورنہ پھر ان دونوں پر قیاس، اگر آپ ﷺ کی کوئی حدیث بسند صحیح موصول ہو، تو اسی کو اختیار کیا جائیگا، تنہا حدیث سے اجماع بڑھ کر ہے۔ حدیث کو اپنے ظاہر پہ رکھا جائیگا۔ اگر اس میں کئی مفہوم کا احتمال ہو، تو جو ظاہر کے زیادہ مشابہ ہو گا وہ مقدم ہو گا، ایک سے زائد احادیث ہو تو جو صحت میں فائق ہو، وہ مقدم ہو گا، منقطع حدیث کا کوئی اعتبار نہیں۔ سوائے حضرت ابن المسیب کے منقطع حدیث کے، کسی اصل کو دوسرے اصل پر قیاس نہیں کیا جائیگا، اور کسی اصل کے متعلق یہ سوال نہ ہو گا کہ کیوں اور کیسے؟ کیوں کا سوال تو فرع کے متعلق ہو گا اگر اس فرع کا صحیح طریقہ سے اصل پر قیاس ہو تو، وہ صحیح ہے، اور وہ حجت بنے گی۔"

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے اصول قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس ہیں۔ امام شافعیؒ نے قیاس کے متعلق ایک معتدل راہ اختیار کی، نہ تو اس میں تشدد سے کام لیا اور نہ زیادہ توسع اختیار فرمایا۔

مسائل میں صحابہؓ وتابعین کے اختلاف کے اسباب

واضح رہے کہ آپ ﷺ کے دورِ مسعود میں نہ تو احکام فقہ جمع ہوئے تھے اور نہ اس وقت مسائل میں ایسی بحثیں ہوئی تھیں، جیسی یہ فقہا کرتے ہیں کہ نہایت کوشش سے ارکان وشروط اور ہر شئی کے آداب ایک دوسرے سے جدا جدا مع دلائل کے بیان کرتے ہیں، اور صورتیں فرض کر کے ان مفروضہ صورتوں میں گفتگو کرتے ہیں... آپ ﷺ کے عہد میں آپ وضو کرتے تھے اور صحابہ کرام اسے دیکھ کر اس پر عمل کرتے تھے، بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کے کہ یہ رکن ہے اور وہ مستحب ہے اسی طرح آپ ﷺ کی نماز اور حج وغیرہ کو دیکھ کر اسی طرح صحابہ کرام ان اعمال کو انجام دیتے، عام طور پر فرائض وسنن کی فقہی انداز میں حد بندی نہ ہوتی۔

نبی کریم ﷺ کے پاس قضایا آتے تھے، تو آپ فیصلے کر دیا کرتے تھے، لوگوں کو اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تو تعریف کرتے اور برائی دیکھتے تو منع فرماتے، یہ تمام امور مجلسوں میں انجام پاتے تھے، یہی حالت شیخین یعنی حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تھی، ان حضرات کو کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا تھا، تو لوگوں سے آپ ﷺ کی حدیث دریافت کرتے تھے۔ مثلاً حضرت ابو بکرؓ نے جَدّہ (دادی، نانی) کے میراث کے متعلق حدیث کی تحقیق کی، حضرت عمرؓ نے وبا کے متعلق حضرت عبد الرحمٰنؓ کی حدیث کو اختیار کیا۔ اور حضرت ابو موسیٰؓ سلام

کے بعد حضرت عمرؓ کے گھر میں داخلہ کی اجازت چاہتے ہیں، اجازت نہ ملی، تو لوٹ گئے، اس پر حضرت عمرؓ نے باز پرس کی تو انھیں حدیث کا حوالہ دیا، جس کی حضرت ابو سعیدؓ خدری نے تصدیق کی اس طرح کے بے شمار واقعات صحیحین اور سنن وغیرہ کی احادیث میں موجود ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ آنحضرت ﷺ کی عادت حمیدہ یہی تھی کہ ہر صحابی نے، جس قدر اس کو توفیق الٰہی ہوئی آپ کی عبادت، فتاویٰ و فیصلوں کو دیکھا، سمجھ لیا اور خوب حفظ کر لیا، اور ان امارات اور قرائن کی وجہ سے جو اس صحابی کو معلوم تھے، بعض امور کو اباحت پر اور بعض کو نسخ پر محمول کیا۔

آپ ﷺ کے مبارک دور کے بعد صحابہ کرام تمام علاقوں میں پھیل گئے، اور ہر شخص ایک ایک علاقہ کا مقتدیٰ اور رہبر ہو گیا، اب واقعات زیادہ پیش آتے گئے، اور لوگوں نے مسائل دریافت کرنا شروع کئے، ہر صحابی نے اپنی یادداشت اور استنباط کے موافق جواب دیا، ضرورت پڑی تو اپنی رائے سے اجتہاد کر کے جواب دیا، اس وقت ان کے درمیان اختلاف کے چند پہلو ہو گئے، جو حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) ایک صحابی نے کسی معاملہ میں کوئی حکم یا فتویٰ سن لیا، دوسرے نے نہیں سنا، جسکی وجہ سے اپنی رائے سے اس میں اجتہاد کیا، پھر کبھی تو اجتہاد حدیث کے موافق ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک عورت کے لئے مہر مثل کا فتویٰ دیا، جس کا مہر مقرر نہ تھا اور شوہر انتقال کر گیا، نیز اس پر عدت لازم ہے۔ اور اسے ورثہ ملے گا، تو حضرت معقلؓ نے گواہی دی کہ آپ ﷺ نے بھی ایک عورت کے حق میں ایسا ہی فیصلہ دیا تھا۔ (نسائی وغیرہ)

(۲) اور کبھی یہ اجتہاد حدیث کے موافق نہ ہوتا، پھر اس صحابی کو معتبر طریقہ سے حدیث ملتی تو اس کی طرف رجوع کرتے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ یہ تھا کہ جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی ہو، اس کا روزہ نہیں ہے، لیکن جب بعض ازواجِ مطہرات نے اس کے خلاف حدیث بیان کی، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس فتویٰ سے رجوع فرمایا۔

(۳) صحابی کو حدیث تو پہنچے، لیکن اس طرح سے ظاہر نہ ہو، جس سے اس کے حدیث ہونے کا ظنِ غالب ہو، اس واسطے وہ صحابی اپنے اجتہاد کو ترک نہ کرے، مثلاً: حضرت عمرؓ و عائشہؓ کا مطلقہ ثلثہ کے لئے عدم سکنی کے متعلق حضرت فاطمہ بنتِ قیس کی حدیث کو قبول نہ کرنا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس عورت کے قول سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا، اسی طرح صحیحین میں ہے کہ حضرت عمرؓ جنبی کے لئے تیمم کے قائل نہ تھے، تب حضرت عمارؓ نے اس کے جواز میں خود اپنا واقعہ مرفوعاً پیش کیا، لیکن حضرت عمرؓ نے تسلیم نہ کیا، اور ایک مخفی سبب کی وجہ سے انھوں نے اس حدیث کو حجت قرار نہ دیا، لیکن دوسرے طبقہ میں مختلف طرق سے اس حدیث کی شہرت ہو گئی، اور ضعف کا سبب مضمحل ہو گیا۔ لہٰذا تمام علماء نے اس پر عمل کیا۔

(۴) صحابی کو حدیث پہنچی ہی نہیں، مثلاً! مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ عورتوں کو غسل کے وقت بالوں کو کھولنے کا حکم دیتے تھے، حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس پر تعجب کا اظہار فرمایا۔ اور آپ ﷺ کے روبرو اپنا عمل یہ بتایا کہ اپنے سر پر تین بار پانی بہایا کرتی تھی۔

(۵) صحابہ نے آنحضرت ﷺ کو کوئی فعل کرتے دیکھا، پس بعضوں نے اسے عبادت پر اور بعضوں نے اباحت پر محمول کیا، مثلاً حج کے بعد مقام ابطح میں آپ ﷺ کے قیام کو حضرات، ابو ہریرہ و ابن عمر رضی اللہ عنہم نے عبادت پر محمول کیا اور اسے سننِ حج میں شمار کیا جبکہ حضرات عائشہؓ و ابن عباسؓ نے اسے محض اتفاقی امر شمار کیا، اور سنن حج میں داخل نہیں کیا۔ اسی طرح جمہور کے نزدیک طواف میں رمل کرنا مستقل سنت ہے۔ جبکہ حضرت ابن عباسؓ کا خیال یہ ہے کہ ایک وقتی سبب کی وجہ سے عارضی عمل تھا، جو آئندہ مطلوب

وسنت نہیں ہے۔

(۶) سہو ونسیان اور بھول کی وجہ سے بھی صحابہ میں اختلاف ہوا، مثلاً حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عمرہ رجب میں کیا تھا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا کہ وہ بھول گئے، آپ ﷺ کا کوئی بھی عمرہ رجب میں نہ تھا۔

(۷) اختلاف ضبط کی وجہ سے بھی صحابہ کرام میں اختلاف ہوا۔ مثلاً: حضرت عمر وابن عمرؓ سے حدیث مروی ہے۔ کہ گھر والوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک یہودیہ کے جنازہ کے پاس سے گذرے، اس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، "یہ لوگ اس عورت پر رو رہے ہیں حالانکہ اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے" پس بقول عائشہؓ ان لوگوں نے رونے کی عذابِ قبر کی علت سمجھ کر اس حکم کو ہر میت کے لئے عام کیا۔

(۸) صحابہ کا کسی حکم کی علت میں اختلاف ہو جانا، مثلاً جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا، بعضوں نے کہا کہ یہ قیام فرشتوں کی تعظیم کے لئے ہے، اس لئے مومن وکافر دونوں کے جنازہ کو شامل ہے اور بعض نے کہا کہ یہ قیام موت کے خوف کی وجہ سے ہے، تب بھی دونوں کو شامل ہے، اور حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی کا جنازہ آپ ﷺ کے پاس سے گذرا، اور آپ ﷺ کھڑے ہوئے، اس کراہت کی وجہ سے کہ اس کا جنازہ آپ ﷺ کے سر کے اوپر سے گذرے، پس یہ حکم صرف کافر کے ساتھ خاص ہے۔

(۹) دو مختلف امور کے جمع کرنے میں صحابہ کرام کا اختلاف، مثلاً: آپ ﷺ نے بول وبراز کے وقت قبلہ کی طرف رُخ یا پشت کرنے کی ممانعت فرمائی، اور حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کو وصال سے ایک سال قبل قبلہ رو پیشاب کرتے دیکھا، اور حضرت ابن عمرؓ نے آپ ﷺ کو قبلہ کی طرف پشت کئے قضاء حاجت فرماتے دیکھا، تو بعضوں نے آپ ﷺ کے ممانعت کو ترجیح دی اور ہر حال میں اسے ممنوع سمجھا، بعضوں نے حضرت جابر کی حدیث سے اس ممانعت کو منسوخ قرار دیا، اور بعض حضرات نے تمام روایات میں تطبیق وجمع پر عمل کیا، اور ممانعت کو کھلی جگہ کے ساتھ مخصوص قرار دیا، پائخانوں میں اس کی اجازت دی۔

تابعین وغیرہ: خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا اسباب سے صحابہ کے مذاہب مختلف ہوئے اسی طرح تابعین نے توفیق خداوندی وسہولت کے مطابق احادیث اور صحابہ کرام کے مسلک کو حاصل کیا، اسے یاد کیا اور سمجھنے کی کوشش کی، اور حتی الامکان مختلف امور کو جمع کیا، اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور بعض کو اپنی نظر میں ضعیف سمجھا، اس طرح تابعین میں سے ہر ایک عالم کا ایک مذہب قائم ہو گیا، اور ہر شہر میں ایک (یا زائد) امام قائم ہو گئے، جیسے مدینہ میں سعید بن المسیب اور سالم بن عبد اللہ ابن عمر، ان کے بعد امام زہری وغیرہ، مکہ میں عطاء بن ابی رباح، کوفہ میں ابراہیم نخعی وشعبی، بصرہ میں حسن بصری، یمن میں طاؤس اور شام میں مکحول، پس خدا نے بہت سے قلوب کو ان کے علوم کا گرویدہ کر دیا، اور لوگوں نے نہایت رغبت سے ان سے حدیث صحابہ کرام کے فتوی، اور خود ان کے مذاہب وتحقیقات کو حاصل کیا، اور ان سے مسائل کا استفسار کیا، ان میں مسائل کا خوب تذکرہ رہا اور تمام معاملات کے وہ مرجع رہے۔

سعید بن المسیب اور ابراہیم اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں نے تمام ابواب فقہ کو مرتب کر دیا تھا، اور ہر بات کے متعلق ان کے پاس اصول وقواعد مرتب تھے، جن کو انھوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا، سعید بن المسیب اور ان کے اصحاب اس کے قائل تھے کہ فقہ میں حرمین میں علماء سب سے پختہ ہیں، اور ان کے مسلک کی بنیاد حضرات عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ وابن عباسؓ کے فتوے اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں ان سب علوم کو انہوں نے بقدر استطاعت جمع کیا اور ان میں غور وفکر کیا اور بنظر تفتیش اس کا مطالعہ کیا، جن مسائل پر علماء مدینہ کا اتفاق دیکھا ان کو خوب مستحکم طور پر اختیار کیا، اور جو مسائل ان کے نزدیک اختلافی تھے، ان میں سے قوی اور راجح کو

اختیار کیا۔ جب انھیں اس جمع شدہ علمی ذخیرہ میں کسی مسئلہ کا جواب نہ ملا، تو اس کو ان کے کلام سے حاصل کیا، اور قرآن وحدیث کے ایماو اقتضاء کا تتبع کیا، اور اس طرح ہر باب میں ان کو بکثرت مسائل حاصل ہو گئے۔

ابراہیم اور ان کے شاگردوں نے حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کو فقہ میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد سمجھا، اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کی اصل عبد اللہ بن مسعودؓ کے فتوے، حضرت علیؓ کے فیصلے وفتوے اور قاضی شریح اور دیگر قضاۃِ کوفہ کے فیصلے ہیں، انھوں نے بقدرِ امکان مسائل فقہیہ کو جمع کیا، اور اہلِ کوفہ کے آثار سے مسائل کی تخریج کی، اور اس طرح ہر باب کے متعلق فقہی مسائل مرتب ہو گئے۔

فقہاء کے مذاہب: آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''بعد والے نسل میں سے عادل لوگ اس دین کو حاصل کریں گے۔'' اس فرمان اور پیشن گوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تابعین کے بعد حاملینِ علم کی ایک جماعت کو پیدا کیا، انھوں نے احادیثِ مبارکہ، کثیر الوقوع احکام اور مختلف شہروں کے قاضیوں کے فیصلے اور مفتیوں کے فتوے سن کر جمع کیا، اور تمام امور میں انتہائی جانفشانی اور عرق ریزی کا ثبوت دیا، اس طرح وہ مسلمانوں کے مقتداء اور تمام مذہبی امور کے مرجع بن گئے، کسی مسئلہ میں صحابہ وتابعین کے اقوال مختلف ہوتے تھے، تو ہر عالم کے نزدیک اپنے مشائخ کا مذہب پسندیدہ ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کے صحیح وسقیم اقوال کو وہ خوب جان سکتا ہے، اور ان اقوال کے مناسب اصول کو خوب یاد رکھ سکتا ہے۔ اور ان کے فضل وتبحّر کی جانب اس کا قلبی میلان زیادہ ہوتا ہے۔

پھر جب ان علماء کو اپنی یاداشت میں کسی مسئلہ کا جواب نہ ملتا تھا، تو ایماء اور اقتضاء کا تتبع کر کے قدماء کے ہی کلام سے مسئلہ کا جواب حاصل کرتے تھے، اسی زمانہ میں علماء کو تدوین وتالیف کا الہام ہوا، پس مدینہ میں امام مالک اور ابن ابی ذئب، مکہ میں ابن جرِیج وابن عُیینہَ، کوفہ میں سفیان ثَوری، بصرہ میں ربیع بن صبیح نے تصنیف کرنا شروع کیا، اور سب نے تصنیف میں مذکورہ طرز اختیار کیا۔

علماء مدینہ میں اپنے وقت میں امام مالک علم وحدیث میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تھے، حضرات صحابہ مثلاً عمرؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ اور ان کے اصحاب فقہاء سبعہ کے اقوال کو امام مالک سب سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے، ان سے اور انہی جیسے علماء کی وجہ سے روایت اور فتویٰ کا علم قائم ہوا ہے، امام مالک کے شاگردوں نے ان کی روایات اور پسندیدہ اقوال کو جمع کیا، اور ملخص کر کے لکھا، ان کی شرح کی اور ان سے مسائل کا اخراج کیا، اور اقوال کے اصول اور دلائل میں گفتگو کی اور ان کے شاگرد مغربی ممالک اور اطراف عالم میں پھیل گئے۔

امام ابوحنیفہ، ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کے زیادہ پابند تھے، اور ابراہیم نخعی کے مذہب سے بہت کم تجاوز کرتے تھے، اور انکے مذہب کے موافق مسائل کی تخریج کرنے میں عظیم الشان، تخریجات کی وجوہ دریافت کرنے میں دقیق النظر اور فروعات کی جانب نہایت درجہ متوجہ تھے، امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد امام ابویوسف اور امام محمد کے ذریعہ ان کا مسلک مختلف علاقوں میں معمول بہ ہوا۔

مالکی اور حنفی مسلک کے ظہور کے ابتداء میں امام شافعیؒ کی نشو ونما ہوا، جب انھوں نے متقدمین کی روش میں غور کیا، تو انھوں نے بہت سے ایسے امور کو پایا جن کی وجہ سے وہ متقدمین کے طریق کی (من وعن) پیروی نہ کر سکے، امام شافعی نے ان امور کو اپنی کتاب الام کے اول میں ذکر کیا ہے۔

مثلاً: متقدمین مرسل ومنقطع حدیث پر عمل کرتے تھے، حالانکہ یہ خلل سے محفوظ نہ تھیں، کیونکہ جب حدیث کے تمام طرق وسند جمع کئے جائے، تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ بہت سی مرسل احادیث بالکل بے اصل ہیں، اور بہت سی مرسل احادیث مسند احادیث کے مخالف تھیں، اس واسطے امام شافعیؒ نے مرسل حدیث پر عمل کے لئے بعض شرائط کو ضروری قرار دیا: جو کہ اصول کی کتابوں میں مذکور

ہیں۔ اسی طرح متقدمین کے دور میں مختلف احادیث کے درمیان جمع وتوفیق اور تطبیق کے قواعد منضبط نہ تھے، لہٰذا ان کے اجتہادی مسائل میں بعض مرتبہ خلل رہا کرتا، اسے دور کرنے کے لئے امام شافعیؒ نے اصول مقرر کئے اور ان کو ایک کتاب میں جمع کردیا، اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف یہی کتاب ہے۔

ایک امر یہ تھا کہ بعض صحیح احادیث علماء تابعین کے مفتیوں کو نہ پہنچیں، اس لئے ان کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا، انھوں نے عام الفاظ کا لحاظ کیا، یا انھوں نے گذشتہ صحابہ کی پیروی کی اور اسی کے موافق فتوی دے دیا، لیکن تیسرے طبقہ میں یہ احادیث مشہور ہوگئیں، تو انھوں نے ان احادیث پر عمل نہ کیا، یہ سمجھ کر کہ یہ احادیث ان کے علماء شہر کے عمل کے خلاف ہیں، اور اس طریقہ کے خلاف ہیں جس پر وہ سب متفق ہیں، اور یہ بات ان احادیث میں طعن کی وجہ بن گئی، اور ان احادیث کے غیر معتبر ہونے کی علت ہوگئی، یا وہ احادیث تیسرے طبقہ میں مشہور نہیں ہوئی تھیں، بلکہ اس کے بعد ان کی شہرت ہوگئی، جبکہ محدثین نے احادیث کے تمام طرق کو جمع کیا، اور مختلف علاقوں کا سفر کرکے علماء حدیث سے ان کی تفتیش کی، پس اکثر احادیث ایسی ظاہر ہوتی گئیں، جن کی روایت صحابہ میں سے ایک یا دو اشخاص نے کی تھی اور ان صحابہ سے بھی صرف ایک یا دو راویوں نے ان کی روایت کی تھی وھلم جرّاً، حکم پس بہت سی احادیث فقہاء کرام کی نظر سے مخفی رہیں اور ان حفاظِ حدیث کے زمانہ میں مشہور ہوئیں، جنھوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا، مثلاً بہت سی احادیث کو اہلِ بصرہ نے روایت کیا، اور دیگر علاقے ان احادیث سے بے خبر رہے، پس امام شافعیؒ نے اس بات کو واضح کردیا کہ علماء صحابہ اور تابعین کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں حدیث کے متلاشی رہتے تھے، جب کوئی حدیث ان کو نہ ملتی تھی تو وہ کوئی اور استدلال اختیار کرتے تھے، لیکن اس کے بعد جب کوئی حدیث ان پر ظاہر ہوجاتی تھی تو وہ حدیث کی طرف رجوع کرلیا کرتے تھے، پس جب ان کی ایسی حالت تھی تو ان کا کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس کیلئے قادح نہیں ہوسکتا، تاہم وہ کوئی علت قادحہ بیان کردیں تو اس وقت قادح ہوسکتا ہے۔

اس کی مثال حدیث قلتین ہے، یہ حدیث صحیح ہے جو کئی طریقوں سے مروی ہے، تاہم یہ حدیث امام سعید ابن المسیب وامام زہری کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی اور اس پر مالکیہ وحنفیہ نے عمل نہ کیا، اور امام شافعیؒ نے اس پر عمل کرلیا۔ اسی طرح خیار مجلس کی حدیث ہے، جو صحیح اور کئی طرق سے مروی ہے، اور صحابہ میں ابن عمرؓ وابوہریرۃؓ نے اس پر عمل کیا تھا، لیکن فقہاء سبعہ اور ان کے معاصرین میں اس کی شہرت نہ ہوئی پس وہ اس حدیث کے قائل نہ تھے، لہٰذا امام مالک وامام ابو حنیفہ نے اس امر کو مذکورہ حدیث میں علت قادحہ سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا، البتہ امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔

مذکورہ امور اور دیگر اسباب کی وجہ سے امام شافعیؒ نے فقہ کو از سر نو مرتب کیا، اس کے اصول کو ترتیب دیا، اور ان پر فروع کو متفرع کیا، عمدہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا، فقہا ان کی خدمت میں جمع ہوگئے، ان کی کتابوں کا اختصار کیا، ان پر شروح لکھیں، دلائل بیان کئے اور مسائل کی تخریج کی اور پھر یہ لوگ تمام شہروں میں پھیل گئے، اس طریقہ کا نام شافعیؒ مذہب ہوگیا، واللہ اعلم۔

(تلخیص از حجۃ اللہ البالغہ)

ائمہ کرام کا اختلاف: امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ کے مقبول ومعروف ائمہ کرام میں سے کوئی بھی دانستہ کسی چھوٹی یا بڑی بات میں آپ ﷺ کی مخالفت نہ کرے گا، کیونکہ یہ تمام حضرات یقیناً اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی اتباع واجب ہے، نیز یہ کہ ہر کسی کی بات کو اختیار اور ترک کیا جاسکتا ہے سوائے آپ ﷺ کے (کہ آپ کی تمام باتوں کو اختیار کرنا لازم ہے) تاہم ان میں سے کسی کا قول، کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو، تو حدیث کے ترک کرنے میں ضرور اس کے پاس کچھ عذر ہوگا۔ جس کی تفصیل حسبِ

ذیل ہے۔

(۱) وہ حدیث اس امام کو نہ ملی ہو، اور جسے حدیث نہ ملی ہو اس کے مطابق حکم کے علم کا مکلف نہیں، ایسی صورت میں وہ کسی آیت یا دوسری حدیث کے ظاہر کے مطابق، یا قیاس وغیرہ کی روشنی میں فتوے دے گا۔ جو کبھی تو اس حدیث کے موافق ہو گا، اور کبھی مخالف اسلاف سے حدیث کے خلاف مروی اقوال کا غالب سبب یہی ہے، کیونکہ تمام احادیث کا احاطہ کسی امام کو حاصل نہ تھا، جو خود خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بعض درپیش مسائل سے متعلق احادیث کا انھیں علم نہ ہوتا۔ پھر دریافت کرنے پر دیگر صحابہ کے ذریعہ علم ہوتا، تو اس پر عمل فرماتے، مثلاً: صدیق اکبر کو دادی کی میراث کا علم نہ تھا، حضرت عمرؓ کو استئذان (گھر میں داخل کی اجازت)، شوہر کی دیت میں بیوی کی وراثت، مجوس سے جزیہ لینا، طاعون کے علاقوں میں داخل ہونا، اور نماز کی رکعت میں شک کی صورت کا حکم معلوم نہ تھا، دیگر صحابہ کے ذریعہ معلوم ہوا، توان حضرات نے اس پر عمل کیا۔

(۲) حدیث تو ملے لیکن اس کے نزدیک وہ ثابت نہ ہو، مثلاً راوی مجہول، متہم یا ضعیف الحفظ وغیرہ ہو، اسی لئے ائمہ کرام بعض مرتبہ یہ فرماتے ہیں، اگر فلاں حدیث صحیح طریقہ سے ملے، تو میں اس پر فتوی دونگا۔

(۳) اپنے اجتہاد کے اعتبار سے حدیث کو ضعیف سمجھے، جس میں دوسروں کو اس سے اختلاف ہو، خواہ بات اس کی صحیح ہو یا دوسرے کی۔

(۴) عادل کے خبر واحد میں بعض شرائط کو ضروری قرار دے، جس سے دوسروں کو اختلاف ہو، مثلاً بعضوں کی یہ شرط کہ حدیث قیاس اصول کے مخالف ہو تو راوی فقیہ ہو، یا بعضوں کا عموم بلوی کے مسائل میں حدیث کے انتشار و ظہور کی شرط لگانا۔

(۵) حدیث تو پہنچی ہو لیکن بھول جائے، جیسے تیمم کا ایک واقعہ حضرت عمارؓ نقل کرتے ہیں، جسمیں خود حضرت عمر بھی شریک تھے لیکن انھیں یاد نہ رہا (صحاح ستہ) اسی طرح حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن آپ ﷺ کی ایک وصیت حضرت زبیرؓ کو یاد دلائی، اور انھیں یاد آگئی، جس کی وجہ سے وہ میدان سے ہٹ گئے۔ (ابو یعلی۔ بیہقی۔ عبدالرزاق۔ البدایۃ والنہایہ لابن کثیر ۷/۲۴۰)

(۶) حدیث کی دلالت سے ناواقفیت، کیونکہ حدیث میں کبھی غریب لفظ ہو گا، جیسے مزابنہ، مخابرہ، محاقلہ، ملامسہ، منابذہ، اور غرر وغیرہ جیسے الفاظ، جن کی تشریح میں علماء کا اختلاف ہوجاتا ہے، نیز جیسے یہ حدیث: ''اغلاق میں طلاق وآزادی (معتبر) نہیں'' (احمد۔ ابوداؤد۔ حاکم۔ ابن حبان)

کیونکہ علماء نے اغلاق کا مفہوم اکراہ (زبردستی) بیان کیا ہے۔ اور جو اس مسئلہ سے اختلاف کرتے ہین وہ اس تشریح کو نہیں جانتے۔ اور کبھی اس امام کی لغت اور عرف میں آپ ﷺ کی لغت کے علاوہ دوسرا مطلب و مفہوم اس لفظ کا ہو گا اور وہ اپنی لغتکے مفہوم پر اسے محمول کرے گا، اسی طرح بعض اوقات لفظ مشترک، مجمل یا حقیقت و مجاز کے درمیان متردد ہو گا، اور وہ اپنے اعتبار سے اقرب صورت پر اسے محمول کریگا۔ گو اس سے دوسرا مفہوم مراد ہو، جیساکہ ابتداءً بعض صحابہ کرام نے خیط الابیض اور خیط اسود کو رسیّ پر محمول کیا، اور بعضوں نے تیمم میں ہاتھ کے مسح کو بغل تک مسح پر محمول کیا۔

(۷) یہ نظریہ کہ حدیث میں اس مسئلہ پر دلالت نہیں ہے۔ مثلاً: اس لئے کہ عام مخصوص حجت نہیں ہے، یا مفہوم حجت نہیں ہے۔ یا کسی سبب سے وارد عموم کو سبب تک محدود رکھیں گے، یا امر مجرد وجوب کو مقتضی نہیں، یا فوراً ادائیگی کو مستلزم نہیں یا معروف باللام میں عموم نہیں، یا منفی افعال سے اس کے ذات اور تمام احکام کی نفی نہیں کرتی، وغیرہ۔

(۸) یہ نظریہ کہ حدیث سے آپ جو دلالت لے رہے ہیں۔ اس کے معارض دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دلالت مراد نہیں ہے۔ مثلاً: عام کا خاص سے یا مطلق کا مقید سے معارض ہونا، یا امر مطلق کے معارض وجوب کی نفی کرنے والی دلیل، یا حقیقت کے معارض مجاز کی دلیل وغیرہ۔

(۹) یہ نظریہ کہ حدیث کے معارض ایسی دلیل ہے جو حدیث کے ضعف یا نسخ یا تاویل پر دلالت کر رہی ہے۔ مثلاً اس کے معارض کوئی آیت، یا دوسری حدیث یا اجماع۔

(۱۰) حدیث کے معارض ایسی دلیل جو اس کے ضعف، یا نسخ یا تاویل پر دلالت کرے، اور دوسرا عالم اس دلیل کا قائل نہ ہو۔ مثلاً کئی اہلِ کوفہ کا یہ نظریہ کہ قرآن کا ظاہر یعنی عموم وغیرہ نصِ حدیث پر مقدم ہوگا یا بعض اہل مدینہ کا علماء مدینہ کے عمل اور اجماع کو صحیح حدیث پر مقدم کرنا۔

کئی صحیح احادیث کے متعلق کسی عالم کے عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ اور دلیل اس کے پاس ہوگی، جس کا ہمیں علم نہ ہو سکا۔ کیونکہ یہ وسیع میدان ہے، اور علماء کے تمام مافی الضمیر کا ہمیں علم نہیں۔ ایک عالم کبھی اپنی حجت ظاہر کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا ظاہر کرنے کے بعد کبھی وہ ہم تک پہنچتی ہے اور کبھی نہیں پہنچتی اگر اس کی حجت ہم تک پہنچ بھی جائے، تو ضروری نہیں کہ اس کے انداز احتجاج تک ہمارے فہم کی رسائی ہو جائے، خواہ اس کا احتجاج فی نفسہ صحیح ہو یا نہ ہو۔

کسی امام کا کسی حدیث کے ترک کے اسباب کے متعلق مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی حدیث میں کسی حلال یا حرام وغیرہ کا حکم ہو، اور کسی عالم کا اس پر عمل نہ ہو تو اس کی خلاف ورزی کی وجہ سے وہ گنہ گار نہ ہوگا، اپنے اجتہاد کی وجہ سے اس سے مستحق ثواب ہوگا، قرآن مجید نے حضرت داؤدؑ علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک فیصلہ کے متعلق فرمایا۔

آیت: ”وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ، وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ، وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا“ (الانبیاء: ۷۸-۷۹)

ترجمہ: ”اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کے قضیہ) کا تذکرہ کیجئے، جبکہ دونوں (حضرات) کسی کھیت کے بارہ میں (جس میں غلہ تھا یا انگور کے درخت تھے) فیصلہ کرنے لگے، جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں (اور اس کو چر گئیں) اور ہم اس فیصلہ کو جو (مقدمہ والے) لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے فیصلہ (کی آسان صورت) کی سمجھ سلیمان کو دیدی اور (یوں) ہم نے دونوں (ہی) کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا“

(”یعنی داود علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا) تو سلیمان علیہ السلام کو فہم کے ساتھ مختص فرمایا“ لیکن دونوں کے حکمت وعلم کی تعریف فرمائی۔

صحیحین کی ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ جب حاکم اجتہاد کرے اور صحت تک پہنچے تو اسے دوہرا اجر ہوگا۔ اور اگر اجتہاد میں غلطی ہو جائے تو ایک اجر ملے گا۔ تو واضح ہوا کہ مجتہد کو باوجود غلطی کے ایک ثواب ملے گا، یہ ثواب اس کے اجتہاد و کوشش کے عوض ہے۔ اور غلطی معاف ہوگی، کیونکہ تمام احکام میں ہو بہو صحت تک رسائی متعذر یا کافی دشوار ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ“ (الحج: ۷۸) (تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی) نیز ارشاد ہے: ”يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ“ (البقرہ: ۱۸۵) (اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے۔ اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں...)

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے غزوۂ خندق کے سال صحابہ کرام سے فرمایا کہ کوئی بھی بنو قریظہ پہنچنے سے قبل ہر گز عصر کی نماز نہ پڑھے، اب راستہ ہی میں عصر کا وقت ہو گیا۔ تو بعضوں نے کہا ہم تو بنی قریظہ میں جا کر ہی عصر ادا کریں گے، اور بعضوں نے کہا: اصل مقصود یہ نہ تھا (بلکہ جلد بنو قریظہ چلے جانا مقصود تھا)، تو انھوں نے راستہ ہی میں نماز پڑھ لی، پس کسی گروہ پر گرفت نہ ہوئی۔ پہلے گروہ نے عموم خطاب کو اختیار کیا۔ اور نماز کے قضاء کی صورت کو بھی اس عموم میں داخل کیا۔ اور دوسرے گروہ کے ہاتھ ایسی دلیل تھی، جس کی وجہ سے یہ صورت اس عموم سے خارج و مستثنیٰ تھی۔ کیونکہ اصل مقصد یہود بنو قریظہ کی طرف مبادرت و مسارعت تھی۔

اسی طرح حضرت بلالؓ نے دو صاع کھجور ایک صاع کے عوض فروخت کیا تو آپ ﷺ نے اسے لوٹانے کا حکم دیا، (متفق علیہ) لیکن اس پر سود کھانے کا حکم یعنی فسق اور لعنت وغیرہ مرتب نہ فرمایا۔ کیونکہ وہ حرمت سے ناواقف تھے۔ اسی طرح حضرت عدی بن حاتم اور بعض صحابہ نے سحری کے اختتام کے متعلق قرآن کے لفظ خیط ابیض وخیط اسود (دیکھئے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۸۷) کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے اپنے تکیہ کے نیچے سفید اور سیاہ رسی رکھی، اور دونوں ایک دوسرے سے نمایاں ہونے تک سحری کرتے رہے۔ تو آپ ﷺ نے عدی سے فرمایا "تب تو تمہارا تکیہ کافی چوڑا ہو گیا۔ اس سے تو دن کا اجالا اور رات کی تاریکی مراد ہے۔ (متفق علیہ)" پس آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ کلام کا صحیح مفہوم تم سمجھ نہ سکے، تاہم اس پر رمضان میں عمداً روزہ توڑنے اور نہ رکھنے کی مذمت کا مرتب نہ ہوا "ہوا" جو بہت بڑا گناہ ہے۔

اس کے برعکس ایک زخمی شخص کو بعضوں نے سخت ٹھنڈی میں غسل کے وجوب کا فتوی دیا اور غسل کی وجہ سے وہ مر گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو قتل کر دے۔ جب معلوم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟ جو خود عاجز ہو، اس کا علاج یہی ہے کہ (اہل علم سے) سوال کرے" (ابوداؤد، دارقطنی۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ ابن خزیمہ۔ ابن حنبل) کیونکہ یہ اہل علم نہ تھے اس لئے بلا اجتہاد خطا کر گئے۔ اسی طرح حضرت اسامہ نے ایک غزوہ میں کلمہ پڑھ لینے کے باوجود ایک شخص کو قتل کیا۔ تو ان پر قَوَد (قصاص)، دیت یا کفارہ واجب نہیں کیا، کیونکہ ان کے خیال میں اس کا اسلام صحیح نہ تھا۔ اور قتل کرنا جائز تھا۔ حالانکہ اس کا قتل حرام تھا۔ (تلخیص از رفع الملام عن الائمۃ الاعلام لشیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ)

سببِ اختلاف: اجتہادی مسائل میں علماء کرام کے اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے علام مناوی فرماتے ہیں۔ اس اختلاف کے مختلف اسباب ہیں۔ بعض درج ذیل ہیں۔ جس سے بقیہ پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) **لغت میں کسی کلمہ کے مدلول میں اختلاف:-** مثلاً یہ اختلاف کہ قرائن کی عدم موجودگی میں امر وجوب کے لئے ہوگا۔ یا استحباب کے لئے ہوگا۔ یا قدر مشترک کے لئے ہوگا۔ یا کسی اور کے لئے، یا لفظ کے دو مدلول میں سے کسی ایک پر محمول کرنے کے متعلق اختلاف، جیسے عدت کے متعلق قرآن نے "ثلاثۃ قروء" (البقرہ: ۲۲۸) (یعنی تین قروء) کا لفظ استعمال کیا۔ جو طہر اور حیض دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ اسے طہر پر اور حنفیہ حیض پر محمول کرتے ہیں۔ یا مثلاً محاربین کی مختلف سزاؤں کو قرآن نے (اوْ) (یعنی یا) کے ساتھ بیان کیا۔ (دیکھئے سورۂ مائدہ: ۳۳) تو امام مالک وغیرہ بعض علماء نے اسے حاکم کے اختیار پر محمول کیا۔ اور شوافع وحنفیہ وغیرہ نے تفصیل و تبعیض پر محمول کیا۔

(۲) **ناسخ ومنسوخ میں اختلاف:** ایک حکم کو بعض اہل علم ناسخ اور دوسرے منسوخ سمجھتے ہیں

(۳) **راوی کی تعدیل وتجریح:** حدیث کے کسی راوی کو بعض علماء عادل اور معتبر قرار دیتے ہیں۔ لیکن بعض دیگر علماء کی

تحقیق میں وہ مجروح وضیعف شمار ہوگا۔ مثلاً ابراہیم بن یحی کو امام شافعیؒ نے معتمد قرار دیا اور ان کی روایت کو قبول کیا لیکن دیگر حضرات انھیں مجروح سمجھ کر ان سے مروی احادیث کو رد کرتے ہیں۔

(۴) **تعارض کے وقت مرجحات میں اختلاف:** بعض حضرات دو متعارض میں سے ایک کو اختیار کر کے دوسرے کے مقابلہ میں بہتر سمجھتے ہیں۔ جبکہ دوسرے علماء اس کے برعکس ترجیح دیتے ہیں، مثلاً: اہل مدینہ کے عمل اور خبر واحد میں تعارض ہو، تو مالکی حضرات اہل مدینہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ والسلام کے عمل کو مقدم رکھتے ہیں۔ جبکہ دیگر حضرات اس کے برعکس خبر واحد کو مقدم رکھتے ہیں۔ جیسا کہ شوافع کا خیار مجلس کی روایت کو جو صحیحین میں سے اہل مدینہ کے عمل پر مقدم رکھنا، اسی طرح حقیقت مرجوح اور مجاز راجح میں تعارض وغیرہ۔

اختلاف کا ایک عام سبب ان دلائل کے متعلق اختلاف ہے۔ جن سے احکام کی تحصیل ہوتی ہے۔ مثلاً: عموم کو اختیار کرنا یا نہ کرنا۔ صفت وشرط وغیرہ کے مفہومِ مخالف کا اعتبار کرنا یا نہ کرنا۔ متفق جملوں کے بعد استثناء کا تعلق تمام سے ہونا۔ یا صرف آخری جملہ سے ہونا۔ استثناء کے بعد بقیہ کا خارج کے مقابلہ میں زیادہ ہونا ضروری ہے یا اس سے کم بھی جائز ہے۔ اسی طرح یہ اختلاف کہ اصل میں حکم کی علت کیا ہے۔ لہٰذا ہر فریق جس علت کو صحیح سمجھتا ہے۔ اس کے مطابق اس حکم کو متعدی کرے گا... یا فقہاء کا ایک شائبہ کے دوسرے پر غلبہ کے متعلق اختلاف مثلاً حوالہ کے متعلق اختلاف کہ اس میں۔ استیفاء کا شائبہ غالب ہے یا معاوضہ کا۔ اور نقطہ اکتساب (کمانا) ہے یا امانت اور ولایت۔

اسی طرح علماء کا سبب کے مانع کی تاثیر میں اختلاف، مثلاً صاحب نصاب پر قرض، بعضوں کے نزدیک یہ مانع ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے در حقیقت مالداری باقی نہیں رہتی۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ زکات واجب نہ ہو بعض اسے مانع نہیں سمجھتے۔ پس نصاب کی ملکیت کی وجہ سے زکات کو واجب قرار دیتے ہیں۔

یا جیسا کہ اجماع سکوتی کے متعلق اختلاف: بعض ساکت کی طرف کسی قول کو منسوب نہیں کرتے۔ تو یہ ان کے نزدیک اجماع نہ ہوگا۔ اور بعضوں کے نزدیک سکوت موافقت پر دلالت کرتا ہے۔ پس وہ اسے اجماع شمار کریں گے۔

اسی طرح آپ ﷺ سے (بظاہر) دو متعارض (متضاد) روایات مروی ہوں، اور تاریخ کا علم نہ ہو، اور ایک حکم نسبتاً سخت اور دوسرا آسان وخفیف ہو تو کس پر عمل کیا جائے؟ نیز یہ اختلاف کہ عموم کی تخصیص کن امور سے جائز ہے؟ اور عموم بلوی کے مسائل میں خبر واحد پر عمل کیا جائیگا یا نہیں۔

یہ ایک مختصر سا خاکہ ائمہ کرام کے اختلاف کے اسباب کے متعلق تھا، اصل مقصد بہر حال اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ تاکہ ایک مکلف اوامر ونواہی میں اس کی فرمانبرداری کرے اور اصحاب حقوق تک ان کے حقوق پہنچائے، واللہ اعلم (تلخیص از فرائد الفوائد ص ۱۰۰۔ص ۱۰۳)

تقلید واتباع

دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اس لئے واجب ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے قول وفعل سے احکام الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے تمام معاملات میں خالصتاً اللہ اور رسول کی اطاعت کرنی ہے۔

اور جو شخص رسول ﷺ کے بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو، وہ یقینا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

قرآن وحدیث میں بعض احکام تو وہ ہے۔ جنہیں ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ ان میں کوئی اجمال، ابہام یا تعارض نہیں۔ مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ''لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً'' (تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے) یا آپ ﷺ کا فرمان: ''لَافَضْلَ لِعَرَبِي عَلٰى عَجَمِي'' (کسی عربی کو عجمی میں فضیلت نہیں)

اس کے بر عکس بہت سے احکام وہ ہیں جن میں کوئی ابہام یا اجمال ہے۔ بظاہر آپس میں تعارض ہے۔ مثلاً: قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ'' (اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی وہ تین ''قروء'' گذرنے تک انتظار کریگی) اس میں مطلقہ کی عدت تین ''قروء'' بتلائی گئی ہے۔ اور یہ لفظ عربی زبان میں حیض اور طہر دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا ''سفر میں روزہ رکھنا کوئی خوبی نہیں'' (مشکوٰۃ کتاب الصوم) اور ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: ''بحالتِ سفر جی چاہے روزہ رکھ لو، جی چاہے افطار کر لو'' (مشکوٰۃ)

نماز کی رکعات میں شک کی صورت میں ایک حدیث میں استیناف (از سر نو لوٹانا) کا حکم دیا، اور دوسری حدیث میں تحری (اٹکل لگانا) کا اور دوسری ایک روایت میں شک کو نظر انداز کر کے یقین (یعنی اقل) کا حکم دیا (مشکوٰۃ) صحیحین کی ایک حدیث میں قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرنے کی ممانعت ہے۔ اور صحیحین ہی میں آپ ﷺ کا قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت فرمانا موجود ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ قرآن وحدیث سے مسائل واحکام کے استنباط میں اس طرح الجھن اور دشواری پیش آتی ہے۔ اب ایک صورت یہ ہے کہ ہم اپنی فہم وبصیرت پر اعتماد کر کے خود ہی کوئی فیصلہ کرلیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ جلیل القدر اسلاف اور ماہرین کی فہم وبصیرت پر اعتماد کر کے ان کی سمجھ کے مطابق عمل کریں۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یہ واضح رہے کہ پہلی صورت خامی خطرناک ہے اور دوسری حد درجہ محتاط وبہتر، کیونکہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ علم وفہم ذکاوت وحافظہ، امانت ودیانت، اور تقویٰ وپرہیز گاری ہر اعتبار سے ہم اس قدر تہی دست ہیں کہ قرون اولیٰ کے علماء سے ہماری کوئی نسبت نہیں پھر جس مبارک ماحول میں قرآن کریم نازل ہوا تھا اسلاف علماء اس سے بھی قریب ہیں اور اس قرب کی بناء پر ان کے لئے قران وحدیث کی مراد کو سمجھنا زیادہ آسان ہے۔ اس کے بر خلاف ہم عہد رسالت سے اتنی دور جا پڑے ہیں کہ ہمارے لئے اس زمانے کے طرز معاشرت وگفتگو وغیرہ کا ہو بہو اور بعینہ تصور بڑا مشکل ہے۔ حالانکہ کسی شخص کی بات کو سمجھنے کے لئے اس کے پورے پس منظر کا سامنے ہونا بے حد ضروری ہے۔

ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے، اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کے بجائے مختلف التعبیر پیچیدہ معاملات میں اس مطلب کو درست قرار دیں، جو ہمارے اسلاف میں سے کسی عالم نے سمجھا ہے، تو کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں عالم کی تقلید کی ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ کسی امام ومجتہد کی تقلید واتباع صرف اس موقع پر کی جاتی ہے جہاں قرآن وسنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں اجمال واتباع وابہام یا تعارض وغیرہ کی وجہ سے کوئی الجھن یا دشواری ہو، اور جس حکم میں ایسی کوئی پیچیدگی نہ ہو۔ وہاں کسی کی تقلید کی کوئی ضرورت نہیں۔

نیز یہ بھی واضح ہوا کہ کسی کی تقلید کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اس کے حکم کو شارع کی حیثیت سے مانا گیا ہے۔ بلکہ پیروی تو قرآن وحدیث کی ہے۔ لیکن صحیح مطلب اور مراد سمجھنے کے لئے ایک شارع کی حیثیت سے ان کی تعبیر وتشریح پر اعتماد کیا گیا ہے۔ بنظر انصاف

غور فرمائیں تو اس میں کوئی ایسا پہلو نہیں۔ جسے گناہ یا شرک کہا جاسکے، تاہم کوئی شخص کسی امام کو شارع (شریعت پیش کرنے والا) کا درجہ دے کر اسے واجب الاتباع قرار دیتا ہو، تو بلاشبہ اسے مشرک کہا جاسکتا ہے۔ لیکن کسی کو شارع قانون قرار دے کر اپنے مقابلہ میں اس کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرنا تو علمی افلاس کے اس دور میں اس قدر ناگزیر ہے کہ اس سے کوئی مفر نہیں۔

تقلید کی دوصورتیں: تقلید کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی خاص امام و مجتہد کو معین نہ کیا جائے بلکہ اگر اس مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک اختیار کیا ہے تو دوسرے میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کرلی جائے۔ اسے تقلید مطلق کہا جاتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد کو متعین کر لیا جائے، اور تمام مسائل میں اسی کی رائے اِختیار کی جائے۔ اسے تقلید شخصی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں قِسموں کی حقیقت یہی ہے۔ کہ جو براہِ راست قران و حدیث سے احکام مستنبط کرنے (یعنی کسی حکم کلی سے جزئیات نکلنے) کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ جسے قرآن و حدیث کا ماہر سمجھتا ہے، اس کے فہم و بصیرت اور تفقہ پر اعتماد اور اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے، جس کا جواز بلکہ وجوب قران و حدیث کے بہت سے دلائل سے ثابِت ہے:

دلائل

۱) ارشاد باری ہے۔ ''فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو)

۲) نیز ارشاد ہے۔ ''وَلَوْ رُدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ'' (اور اگر یہ لوگ اس امر کو رسول ﷺ کے اور اولی الامر کے حوالے کرے تو جو لوگ استنباط کے اہل ہیں وہ اسے جانتے) (اور بعض بتلادیتے) اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خود استنباط کی اہلیت نہیں رکھتے۔ انھیں چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی تقلید کریں جو اجتہاد و استنباط کے اہل ہیں۔

۳) ایک جگہ ارشاد ہے۔ ''فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ'' (ان کے ہر فرقہ میں ایک چھوٹی سی جماعت اس مقصد کے لئے کیوں نہ ہو کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کرے اور واپس آکر اپنی قوم کو بیدار کرے تاکہ وہ لوگ (اللہ کی نافرمانی سے بچیں) اس آیت سے واضح ہے کہ علم دین حاصل کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی قوم میں واپس پہنچ کر انھیں دین و شریعت کے احکام بتلائیں اور ان کی قوم پر واجب ہے کہ وہ ان کی باتوں پر اعتماد کرکے اس پر عمل کریں، اس کا نام تقلید ہے۔

۴) ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ ''اِتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ'' (اس شخص کے راستے کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کیے ہوئے ہے) اس میں یہ نہیں فرمایا کہ ''میرے راستے کی پیروی کرو'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے راستے کو ٹھیک اور بعینہ سمجھنا ہر شخص کے بس میں نہیں۔ اس لئے اس کا یہ طریقہ بتلادیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف دل و جان سے راغب ہے اور اللہ کی پسند و ناپسند کے لئے اپنی زندگی وقف کردی ہے، اس کی اِتباع کرنے سے اللہ کی اطاعت ہوجائے گی۔

۵) ایک آیت میں فرمایا۔ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ'' (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ اور اولو الامر کی اطاعت کرو) اولو الامر میں ائمہ مجتہدین بھی داخل ہیں۔

۶) ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہیں کب تک تم لوگوں میں زندہ رہوں لہٰذا میرے بعد ان دو شخصوں یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرنا، (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف ۵۶۰) اس حدیث میں اقتدا کا لفظ

استعمال کیا گیا ہے۔ جو انتظامی امور میں اطاعت کرنے کے معنی میں ہر گز استعمال نہیں ہوتا اس کا مفہوم بعینہٖ وہ ہے جو تقلید کے ضمن میں گذر چکا۔

۷) ایک حدیث میں علماء کو انبیاء کرام کا وارث قرار دیا ہے (احمد، ابو داود، ترمذی، مشکوٰۃ شریف ۳۴ھ) پس جس طرح انبیاء کی اتباع فرض ولازم ہے، اسی طرح علماء کی اتباع بھی لازم ہے۔ کیونکہ وہ علم وشریعت کے وارث اور حامل ہیں۔

عہد صحابہ:۔ عہد صحابہ میں تقلید مطلق کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں سے جو فقیہ نہ تھے، وہ فقہاء صحابہ سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے تھے۔ اور دلیل کی تحقیق ضروری نہ سمجھتے تھے۔ بطور نمونہ ایک واقعہ پیش خدمت ہے:۔

عبید کہتے ہیں کہ میں نے دار نخلہ والوں کے ہاتھ کچھ گیہوں فروخت کئے اور قیمت کے لئے ایک میعاد مقرر کی، پھر میں نے کوفہ جانا چاہا تو لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کو کچھ دام چھوڑ دوں اور وہ لوگ مجھے نقد قیمت ادا کر دیں۔ میں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کیا انھوں نے فرمایا کہ نہ میں اس فعل کی تم کو اجازت دیتا ہوں نہ کھانا کھلانے کی۔ (مؤطا امام مالک)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ”صحابہ کرام سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک یہی دستور اور رواج رہا کہ کوئی عالم مجتہد مل جاتا تو اسی کی تقلید کر لیتے تھے، کسی بھی معتبر ومستند شخصیت نے اس پر نکیر نہیں کی، اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات اس پر ضرور نکیر فرماتے“ (عقدالجید ص ۲۹ مترجم)

بقول ابن خلدوں تمام صحابہ کرام مجتہد (اہل فتوی) نہ تھے، بلا جماع ان کے علمی معیار میں تفاوت تھا، بعض مفتی و مجتہد تھے، جو نسبتاً قلیل تھے، دیگر حضرات مستفتی ومقلد تھے۔ اور مفتی صحابی حکم کے ساتھ دلیل کی وضاحت وبیان کا التزام نہ رکھتا تھا۔ آپ ﷺ کسی ایک صحابی کو ایسے علاقہ میں روانہ کرتے جہاں کے لوگ صرف اسلامی ارکان و عقائد سے واقف ہوتے۔ پھر وہ حضرات عبادات ومعاملات اور حلال وحرام کے تمام مسائل میں اسی صحابی کی اتباع کرتے۔ اگر کسی مسئلہ کا جواب اسے قران وحدیث سے صراحۃً نہ ملتا تو وہ اپنی اجتہاد کے بل بوتے پر جواب دیتا۔ اور وہ حضرات اس کی تقلید کرتے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع تھا۔ وہ عوام کو فتوی دینے اور کسی کو درجہ اجتہاد کے تحصیل کا حکم نہ دیتے۔ یہ بات ان کے علماء وعوام کے تواتر سے یقیناً معلوم وواضح ہے۔ (المستصفی ۲/۳۸۵)

امام آمدی کا فرمان ھے:”صحابہ وتابعین کے دور سے عوام مجتہدین سے مسئلہ پوچھ کر احکام شرعیہ میں ان کی متابعت کرتے رہے ہیں، اور وہ علماء دلیل کے تذکرہ کے بغیر ان کو مسئلہ بتادیتے“ ان کو کبھی اس سے منع نہیں کیا تو گویا کہ مطلقاً ایک عامی کے لئے مجتہد کے اتباع کے جواز پر اجماع تھا۔ (الاحکام الآمدی ۳/۱۷۱)

اس سلسلہ میں ایک واضح عقلی دلیل یہ ہے کہ جو اجتہاد کا اہل نہ ہو، اسے کوئی فرعی مسئلہ درپیش ہو تو یا تو اس کے لئے اس میں کوئی شرعی حکم نہ ہو جو کہ اجماع کے خلاف ہے۔ اور اگر شرعی حکم کی پابندی کا تعلق ہے۔ تو ایک صورت یہ ہوگی کہ خود اس حکم کے متعلق دلائل میں غور وفکر کرتے اور دوسری صورت یہ ہوگی کہ کسی مجتہد کی تقلید کرے، پہلی صورت ممتنع ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اور دیگر تمام بندگانِ خدا کو دلائل کی تحقیق میں لگ کر تمام معاشی اور صنعت وحرفت کے مشاغل سے دستبردار ہو کر تمام دنیوی امور کو ویران ومعطل کر دینا پڑے گا۔ اور تقلید کی نفی ہی اس کا سبب ہوگا۔ پس دوسری ہی صورت پر عمل کرنا لازم ہوگا یعنی کسی مجتہد کی تقلید واتباع کی جائے۔

عہد صحابہ میں تقلید شخصی: اس کی بعض امثلہ درج ذیل ہیں۔

۱) اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہو گئی ہو۔(کہ وہ طواف وداع کے لئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا اس سے ساقط ہو جائے گا اور بغیر طواف کئے واپس آنا جائز ہوگا) ابن عباس نے فرمایا وہ جا سکتی ہے! اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کا قول اختیار نہ کریں گے اور حضرت زید کا قول نہ چھوڑیں گے۔(بخاری شریف۔کتاب الحج)

فتح الباری میں اس واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "آپ فتویٰ دے یا نہ دیں حضرت زید بن ثابت تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف کے) واپس نہیں جا سکتی۔

اور مسند ابو داود طیالسی نے یہ نقل فرمایا ہے: "انصار نے کہا کہ ہم زید بن ثابت کے خلاف قول میں آپ کی اتباع نہ کریں گے۔ ابن عباس نے فرمایا کہ آپ لوگ ام سلیم سے دریافت کریں کہ جو جواب میں نے دیا ہے وہ درست ہی" (فتح الباری ۳/۴۶۳)

اس واقعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اہل مدینہ زید بن ثابت کی تقلید شخصی کیا کرتے تھے۔ ان کے قول کے مخالف کسی قول پر عمل نہیں کرتے تھے۔ نیز حضرت ابن عباس نے بھی ان حضرات پر یہ اعتراض نہیں فرمایا کہ تم تقلید کے لئے ایک شخص کو معین کر کے گناہ، یا شرک کے مرتکب ہو رہے ہو۔ بلکہ حضرت ام سلیم سے مسئلہ کی تحقیق کا حکم دیا۔ لہٰذا انہوں نے ام سلیم سے واقعہ کی تحقیق کر کے دوبارہ حضرت زید کی طرف مراجعت کی، جس کے نتیجے میں حضرت زید نے مکرر حدیث کی تحقیق فرما کر اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع فرما لیا۔(فتح الباری ۳/۴۶۴)

۲) صحیح بخاری، مسلم، ابو داود اور ترمذی میں حضرت ہزیل بن شرحبیل سے ایک طویل واقعہ مروی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ سے کچھ لوگوں نے مسئلہ پوچھا، پھر وہی مسئلہ حضرت ابن مسعود سے پوچھا اور ان کے سامنے حضرت ابو موسیٰ کی رائے بھی ذکر کر دی گئی۔ ابن مسعود کا فتویٰ ابو موسیٰ کے فتویٰ سے مختلف تھا۔ جب ابو موسیٰ کے سامنے یہ بات آئی تو فرمایا: جب تک یہ متبحر عالم (یعنی حضرت ابن مسعود) تم میں موجود ہیں، تم مجھ سے مت پوچھا کرو" (مشکواۃ ص ۲۶۴)

حضرت ابو موسیٰ کے اس ارشاد سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انھوں نے ہر مسئلہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ اور یہی تقلید شخصی ہے۔

۳) آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا تو یہ پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آئے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ دونگا۔ فرمایا کہ اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو، عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت (حدیث) سے فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اِس میں بھی نہ ملے تو؟ عرض کیا اس وقت اجتہاد و استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کرونگا اور کوئی کوتاہی نہ کرونگا، آپ ﷺ نے اِس پر (فرط مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اِس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔(ترمذی، ابوداود، مشکوٰۃ ۳۲۴)

یہ واقعہ تقلید و اجتہاد کے مسئلے میں ایک ایسی شمع ہدایت ہے کہ اس پر جتنا غور کیا جائے اس مسئلہ کی گتھیاں سلجھتی چلی جاتی ہیں، یہاں خاص توجہ طلب بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے فقہاء صحابہ میں سے اہل یمن کے لئے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا، اور انھیں حاکم و قاضی، معلم و مجتہد بنا کر اہل یمن پر لازم کر دیا کہ وہ اُن کی اتباع کریں انھیں صرف قرآن وحدیث ہی نہیں بلکہ قیاس واجتہاد کے مطابق فتویٰ صادر کرنے کی اجازت عطا فرمائی اس کا مطلب اِس کے سوا اور کیا ہے کہ آپ نے اہل یمن کو اِن کی تقلید شخصی کی اجازت دی، بلکہ اس کو اِن کے لئے لازم فرما دیا۔

غرض مندرجہ بالا روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ تقلید کی دونوں قسموں پر صحابہ کرام کے عہد مبارک سے عمل ہوتا رہا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جو شخص قرآن وحدیث سے براہِ راست احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اصل کے اعتبار سے اس کے لئے تقلید کی دونوں قسمیں جائز تھیں۔

لیکن بعد کے ادوار کے اعتبار سے فقہاء کرام نے جو اپنے اپنے زمانے کے نبض شناس تھے یہ محسوس فرمایا کے دیانت اور احتیاط وتقوی کا معیار روز بروز گھٹتا جارہا ہے ایسی صورت میں تقلید مطلق کا دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا تو بہت سے جان بوجھ کر اور بہت سے غیر شعوری طور پر خواہش پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ مثلاً: سردی میں وضو کے بعد خون نکل آئے تو امام شافعی کا مسلک اختیار کرے گا یعنی وضو نہیں ٹوٹا، پھر کسی عورت کو چھولیا تو امام ابو حنیفہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے وضو باقی سمجھے گا، غرض اسی طرح جس قول میں اسے فائدہ نظر آئے گا اختیار کرے گا، اور جس میں کوئی تکلیف کا پہلو ہو گا اُسے چھوڑ دیگا، اور ایسا بھی ہو گا کہ اِس کا نفس اِس کو اسی قول کے صحت کی دلیلیں سمجھائیگا جو اس کے لئے زیادہ آسان ہیں اور حاصل یہ نکلے گا کہ احکام شرعیہ نفسانی خواہشات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائیں گے، اور یہ وہ چیز ہے جس کے حرام قطعی ہونے میں آج تک کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہوا۔ علامہ ابن تیمیہؒ اسی چیز کی خرابیوں کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "یہ لوگ ایک وقت اُس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور دوسرے وقت میں اُس کی جو اِسے درست قرار دیتا ہے اور اس طرح کا عمل باتفاق امت ناجائز ہے۔"

آگے اس طرح کی چند مثالیں اور لکھ کر فرماتے ہیں... یہ باجماع مسلمین ناجائز ہے... کیوں کہ یہ دین کو ایک کھلونا بنانے کا دروازہ کھولتا ہے اور اس بات کا سبب بنتا ہے کہ حرام وحلال کا مدار محض خواہشات پر ہو کر رہ جائے" (فتاوی ابن تیمیہ ۲/ ۲۴۰ - ۲۴۱)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں "یاد رکھئے کہ پہلی اور دوسری صدی میں تقلید شخصی کا (عام) رواج نہ تھا پھر دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی پر عمل شروع ہوا اور اس وقت بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو کسی متعین مجتہد کے مذہب پر عمل نہ کرتے ہوں اور اس زمانے میں یہی چیز واجب تھی۔"

اگر کسی کو شبہ ہو کہ ایک چیز صحابہ اور تابعین میں ضروری نہ تھی، تو بعد میں کیسے ضروری قرار پائی، تو اس اعتراض وشبہ کا تسلّی بخش جواب دیتے ہوئے شاہ صاحب نے بڑی اچھی بات فرمائی: "اصل میں تو اس شخص کی تقلید کرنا ضروری ہے جو فرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جانتا ہو، اس پر اہل حق کا اجماع ہے، پھر واجب ادا کرنے کے کئی راستے ہوں، تب تو انسان اس میں سے کوئی بھی اختیار کرلے واجب ادا ہو جائے گا، ان راستوں میں سے کسی ایک کو متعین کرنا واجب ہو گا لیکن اگر واجب کو ادا کرنے کا صرف ایک راستہ ہو تو وہی راستہ واجب ہو جائے گا، مثال کے طور پر ہمارے اسلاف حدیثوں کو لکھتے نہیں تھے۔ مگر ہمارے زمانہ میں حدیث کا لکھنا واجب ہو گیا، کیونکہ روایت حدیث کی اس کے سوا کوئی اور سبیل نہیں رہی کہ انہی کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے، اسی طرح ہمارے اسلاف صرف ونحو اور لغت کے علم حاصل کرنے میں مشغول نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ ان کی عربی زبان مادری زبان تھی، لیکن ہمارے زمانے میں ان علوم کی تحصیل واجب ہو گئی ہے لہٰذا اگر کوئی جاہل انسان ہندوستان یا ماوراء النہر کے کسی ایسے علاقے میں ہو جہاں نہ تو کوئی شافعی ومالکی یا حنبلی عالم ہے اور نہ ان مذاہب کی کتابیں پائی جاتی ہیں (بلکہ صرف حنفی مسلک کا عالم یا کتابیں ہیں) تو اس کے لئے امام ابو حنیفہ کی تقلید ہی واجب ہو جائیگی اور ان کے مذاہب سے خروج اس کے لئے حرام ہو گا (کیونکہ دیگر مذاہب کے احکام معلوم کرنے کی اس کے پاس کوئی شکل نہیں ہے) اس کے برخلاف کوئی شخص حرمین میں ہو تو ان مذاہب میں سے کسی کی تقلید کرلینا کافی ہو گا کیونکہ وہاں ہر

مذہب کی معلومات حاصل کی جاسکتی ہے(الانصاف ص۵۹)

حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ چار مذاہب جو مدون ہو کر تحریری شکل مین موجود ہیں، ان کی تقلید کے جائز ہونے پر تمام اُمت کا اجماع ہے اور اس میں جو مصلحتیں ہیں وہ پوشیدہ نہیں رہ سکتیں، بالخصوص اس زمانے میں جبکہ ہمتیں پست ہوچکی ہیں، خواہش پرستی لوگوں کی گھٹی میں پڑ گئی ہے، اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر گھمنڈ کرنے لگا ہے۔“

سات حروف: بخاری وغیرہ کی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ابتداً لوگوں کی سہولت کے خاطر قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا(سات حروف سے یہاں کیا مراد ہے اس کے متعلق شروحات میں بڑی تفصیل ہے)پھر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلام کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا اور مختلف لوگ مختلف طریقے سے پڑھنے لگے اور یہ ان میں آپس میں اختلاف کا سبب بننے لگا، تو بعض صحابہ کرام کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ نے صدیق اکبرؓ کے وقت یکجا مرتب مصحف شریف کی مختلف نقول بنا کر اہم اسلامی شہروں میں روانہ فرمایا اور تمام کو اس کا پابند بنایا کہ اس مصحف کے مطابق تلاوت کرے، اور اس کے علاوہ کسی کے پاس کچھ ہو تو اسے جلا دے، حالانکہ تلاوت کے دیگر طریقے اور حروف بھی منزل من اللہ تھے، لیکن حالات و مصلحت کے تقاضے کے تحت حضرت عثمانؓ نے تمام کو ایک طریقہ کا پابند بنایا، اور آئندہ امت کا اس درجہ اتفاق واجماع ہوا کہ آج دیگر حروف سے کوئی واقف ہی نہیں، بلکہ اس کی تشریح میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

اس واقعہ سے حالات کے پیش نظر مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پابندی کی اہمیت پر روشنی واضح طور پر پڑتی ہے اور وقت کی مصلحت کے مطابق نبض شناس علماء کے اس فیصلہ کی حقانیت نکھر کر سامنے آتی ہے۔

مختلف قرأت: علامہ محمد سعید رمضان بوطی فرماتے ہیں: آپ ﷺ سے دس قراءات متواتر ہیں، جن کے مطابق تلاوت کی جاتی ہے، ان میں سے ہر ایک قرأت کی خدمت کیلئے ایک امام نے اپنے آپ کو فارغ کر لیا، اور مختلف اعتبار سے اس کی خدمت انجام دی، اور بالاتفاق ایک مسلمان ان میں سے کسی بھی ایک قرأت کے مطابق تلاوت کر سکتا ہے جیسا کہ اجتہاد سے عاجز ایک مسلمان ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کر سکتا ہے، کیا ایک مسلمان پر یہ لازم ہے کہ روز الگ الگ قرأت کے مطابق تلاوت کرے، اور کیا ایک ہی قرأت کی پابندی اس پر حرام ہے؟ کیا قریب وبعید زمانہ میں کسی بھی مسلمان نے یہ بات کہیہے؟ فروعی اور جزئی مسائل میں کسی ایک امام کی اتباع اور قرأت میں کسی ایک امام کی اتباع دونوں میں کیا فرق ہے کہ اوّل ناجائز ہو جائے اور دوّم جائز قرار پائے؟

صحابہ وتابعین کا دور اور بعد میں ائمہ اربعہ کا دور گذر گیا، لیکن ہم نے کسی بھی دور کے کسی امام کے متعلق یہ نہیں سنا کہ اس نے کسی مقلد کو اس بات سے منع کیا ہو کہ وہ ایک عالم کی اتباع وتقلید کرے، اور وقتاً فوقتاً اپنا مسلک بدلتا رہے۔(اللامذہبیہ ملخصاً ص۷۸)

تقلید پر کچھ شبہات اور ان کے جواب: تقلید پر وارد عام طور پر شبہات وجواب درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم میں ارشاد ہے:”**وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ**“ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی پیروی کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے، جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) بھلا ان کے باپ دادے عقل وہدایت نہ رکھتے ہوں تب بھی“

جواب: اللہ تعالیٰ نے باپ داداوں کی تقلید پر مذمت کے دو سبب فرما دیئے ہیں، ایک یہ کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکام کو برملا رد

کرتے انھیں نہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں، اور صاف کہتے ہیں کہ ہم اس کے بجائے اپنے باپ دادوں کی بات مانیں گے، دوسرے یہ کہ اُن کے بزرگ عقل وہدایت سے کورے تھے۔

ہم جس تقلید پر گفتگو کر رہے ہیں اس میں یہ دونوں سبب مفقود ہیں، کوئی مقلد اللہ ورسول کے احکام کو رد کر کے کسی بزرگ کی بات نہیں مانتا، بلکہ وہ اپنے بزرگ کو شارِح قرآن وحدیث سمجھتا ہے، نیز دوسرے سبب کا تو کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے کوئی اہل حق انکار نہیں کر سکتا کہ جن ائمہ مجتہدین کی تقلید کی جاتی ہے، ان سے کتنا ہی اختلاف رائے کیوں نہ ہو، مگر ہر اعتبار سے ان کی جلالتِ قدر ہر ایک کو مسلم ہے، اس لئے اس تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کرنا بڑے ظلم کی بات ہے۔

(۲) ارشاد ربانی ہے: "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَ هُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" ترجمہ: "انھوں نے اپنے علماء اور تارک الدنیا زاہدوں کو اللہ کے بجائے اپنا پرودگار بنا رکھا ہے۔"

لیکن گذشتہ تفاصیل سے یہ معلوم ہو چکا کہ کسی مجتہد کی تقلید اسے شارع یا قانون ساز سمجھ کر نہیں کی جاتی، بلکہ اِسے شارحِ قانون قرار دے کر کی جاتی ہے، اسے اپنے ذات کے اعتبار سے واجب الاتباع قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ خود اللہ ورسول کے کلام اور ان کے مراد واحکام کے سمجھنے کے لئے اُن کی تشریحات پر اعتماد کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کافروں کی تقلید سے کوئی تعلق ومناسبت ہی نہیں۔

(۳) بعض حضرات کے ذہن میں یہ خلش رہتی ہے کہ ائمہ مجتہدین نے خود فرمایا ہے کہ ہمارے قول پر اسوقت تک عمل نہ کرو جب تک اس کی دلیل معلوم نہ ہو جائے، لیکن ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ اس ارشاد کے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں جو اجتہاد کی صلاحیت سے محروم ہیں، ورنہ ان کا یہ ارشاد خود ان کے دوسرے اقوال سے معارض ہوگا کیونکہ ان کی سوانح حیات اس قسم کے واقعات سے پُر ہیں کہ لوگ ان سے مسئلہ پوچھتے تھے اور وہ دلیل بیان کئے بغیر جواب دیتے تھے، اگر یہ چیز ان کے نزدیک جائز نہ ہوتی، تو وہ خود اس کا سبب کیوں بنتے۔

(۴) بعض حضرات کا یہ اعتراض ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں تقلید کا رواج نہ تھا اس لئے یہ بدعت ہے، لیکن گذشتہ صفحات میں یہ ثابت ہو چکا کہ تقلید کی دونوں قسمیں عہد صحابہ میں پائی جاتی تھیں اور قرآن وحدیث دونوں سے اس کا جواز بلکہ وجوب معلوم ہوتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ تقلید شخصی آئندہ ضروری کیسے ہوگی؟ تو اس کا جواب بھی گذر چکا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث بہت آسان ہے، لہٰذا ان سے احکام کو سمجھنے میں کسی کے واسطے کی ضرورت نہیں، قرآن کریم کا خود ارشاد ہے: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ" (سورہ قمر) (ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان بنایا ہے) لیکن خود اس آیت کے الفاظ پر غور فرمایئے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کریم کی وہ آیات آسان ہیں، جو وعظ وتذکیر اور نصیحت وعبرت کے مضامین پر مشتمل ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "الذکر" کا لفظ استعمال فرمایا، یعنی قرآن نصیحت کے لئے آسان کیا گیا ہے۔

رہیں وہ آیات جو احکام پر مشتمل ہیں، سو ان کا دقیق ہونا بالکل ظاہر ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہے، اور ایک باطنی اور ہر حد کیلئے اطلاع کا طریقہ جداگانہ ہے" (یعنی ظاہری کیلئے عربی زبان اور باطنی کیلئے قوت فہم)

تقلید میں جمود: جس طرح تقلید کا انکار درست نہیں، اسی طرح اسے حد اعتدال سے بڑھا دینا بھی غلط اور خطرناک ہے مثلاً تقلید میں کوئی اس حد تک پہنچ جائے کہ فقہاء مجتہدین کو خدا کی طرح واجب الاطاعت والاتباع سمجھنے لگے تو وہ بھی انتہائی قابل مذمت ہے اور خطرہ ہے کہ یہ چیز شرک سے مل نہ جائے۔

یا کسی متجر عالم کو جو قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھتا ہو، اور اس سے متعلق تمام علوم کا ماہر ہو، اپنے امام مجتہد کا قول واضح طور سے کسی صحیح حدیث کے خلاف نظر آئے، وہ صحیح حدیث واضح بھی ہو، اس کے معارض کوئی حدیث نہ ہو، تو اسے چاہیئے کہ امام مجتہد کا قول ترک کرکے صحیح حدیث پر عمل کرے، اور مجتہد کی شان میں گستاخی نہ کرے، اس کے بجائے کوئی شخص اگر مجتہد کے قول کو چھوڑنے پر راضی نہ ہو، تو یہ تقلید میں غلو ہے اور اس کا یہ عمل ہر لحاظ سے غلط ہے۔ چنانچہ تمام فقہی مذاہب میں کئی مسائل ایسے ہیں جن پر اسی مذہب کے متجر علماء نے ان کی نظر میں ان کے مسائل کے بظاہر حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے فتوی نہیں دیا۔

لیکن حدیث کے مخالف ہونے کا فیصلہ کرنے کیلئے تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ایک تو یہ کہ فیصلہ کرنے والا متبحر عالم ہو، اور اسے قرآن وحدیث کے علوم سے پوری واقفیت ہو۔ دوسرے یہ کہ جو حدیث اس کے مخالف پڑ رہی ہے وہ واضح المعنی ہو، تیسرے یہ کہ اس حدیث کے معارض کوئی مقبول حدیث نہ ہو اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو نہ حدیث کی مخالفت کا فیصلہ درست ہوگا، اور نہ اس کی بنا پر امام کے قول کو چھوڑنا۔

امام نوویؒ المجموع میں فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے ان کے فتویٰ کے خلاف صحیح حدیث ملنے پر حدیث پر عمل کی کو وصیت فرمائی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی بھی شخص کسی صحیح حدیث کو دیکھ کر اسے امام شافعیؒ کا مذہب قرار دے اور اس کے ظاہر پر عمل کرے، بلکہ اس کا حق اسی کو ہے جو (علمی صلاحیت میں کمال کی وجہ سے) اجتہاد فی المذہب کے رتبہ تک یا اس کے قریب پہنچ چکا ہو، نیز یہ بھی شرط ہے کہ اس کا غالب گمان یہ ہو کہ امام شافعیؒ کو اس حدیث کا یا اس کی صحت کا علم نہ تھا، اور یہ بات امام شافعیؒ کی تمام کتابیں اور ان کے شاگردوں کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہی حاصل ہوگی اور یہ شرط کافی مشکل ہے، اور کم ہی کوئی ان شرائط سے متصف ہوگا، علماء نے یہ شرط اس لئے لگائی ہے کہ امام شافعیؒ نے کافی روایات سے واقفیت کے باوجود ان کے ظاہر پر عمل کو ترک کیا، کیونکہ ان کی تحقیق میں اس میں کوئی طعن، نسخ، تخصیص یا تاویل وغیرہ کا ثبوت تھا (جس کی وجہ سے اس ظاہر پر عمل درست نہ تھا) (المجموع للنووی ۱/۶۴)

بہر حال تقلید کے متعلق افراط و تفریط اور غلو و جمود کے بجائے اعتدال کا راستہ اپنانا ہی برحق اور درست ہے۔

(تقلید کے موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ان مآخذ کے طرف رجوع کریں، **تقلید کیا ھے** (مفتی تقی عثمانی صاحب) **الاعتقاد فی التقلید والاجتهاد** ''للتھانویؒ'' **حجة الله البالغه، وعقد الجید والانصاف** للشاہ ولی اللہ دہلوی، ''**تقلید شرعی کی ضرورت**، مفتی عبد الرحیم لاجپوری صاحب، **اللامذهبية** دکتور محمد سعید بوطی **اجتهاد اور تقلید** قاری طیب صاحب)

(اس مضمون سے مقصود نزاع وجدال ہرگز نہیں، بلکہ دور حاضر میں ایسے موضوعات پر نزاع دین کے بلند بالا مقاصد کے لئے انتہائی مضر ہے اسلام کو مختلف خطرات اور چیلنج اپنے نرغہ میں لئے ہوئے ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ فروعی مسائل کو نزع واختلاف کا موضوع بنانے کے بجائے تمام امتِ مسلمہ اتحاد و یکجہتی کے ساتھ ان درپیش خطرات اور مخالف قوتوں سے ٹکرلے کر انھیں پاش پاش کرے۔)

بعض فوائد: (۱) جو مکلف مجتہد مطلق نہ ہو، اس پر اجتہادی فروعات میں ائمہ اربعہ کے مذاہب میں سے کسی امام کی تقلید لازم ہے۔ جو خود مجتہد ہو، اسے جن مسائل میں اجتہاد کی قدرت ہے ان میں کسی امام کی تقلید حرام ہے، لیکن تمام شرائط کے ساتھ مجتہد مستقل کا وجود کافی صدیوں سے (تقریباً ۷۰۰ سال سے،) مفقود ہے، فقہی مسالک چار ہی میں محدود نہیں، کیونکہ اس امت کے مجتہدین کی کثرت کی انتہا نہیں، قدیم زمانے میں گیارہ مسلک زیادہ مشہور اور ان کی کتابیں مدون تھیں، نیز ان کے مقلدین پائے جاتے تھے، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مسالک، نیز سفیان ثوری، ابن عُیَینَہ، لیث، اسحاق بن راھویہ، ابن جریر، داؤد اور اوزاعی کے مسالک ان حضرات کے متبعین

ان کے اقوال کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے، پانچویں صدی ہجری کے بعد ابتدائی مشہور چار مسلک کے علاوہ بقیہ مسلک ختم ہوگئے۔ اور علماء نے ان چار مسالک کے علاوہ دیگر کی تقلید سے منع فرمایا، کیونکہ معتبر سند کے نہ ہونے کی وجہ سے ان مسائل کی متعلقہ ائمہ کی طرف نسبت پر پورا اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس کے برعکس رائج چاروں مسلک کے علماء نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ ائمہ کے اقوال کو ضبط کر کے اس کی تشریح و تفصیل فرمائی، اور صحیح وضعیف کی وضاحت کی، لہٰذا یہ مسالک تغیر و تحریف سے محفوظ ہوگئے۔

جو شخص کسی ایک مسلک کا پیرو ہو، بعض مسائل میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی یا دیگر کسی امام کی تقلید کر سکتا ہے، جس کا مذہب و مسلک اس مسئلہ میں محفوظ ہو، اور وہ مسئلہ مدون ہو، حتیٰ کہ اس کے تمام شرائط وغیرہ بھی معروف ہوں، پس کئی علماء نے صحابہ کی تقلید سے منع کیا ہے، وہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ اس کی صحیح نسبت کا علم نہ ہو یا اُن کے نزدیک اس کے دیگر شرائط کا علم نہ ہو،

کسی قول کو ترجیح دینے یا اختیار کرنے کی جن میں صلاحیت ہے مثلاً امام نووی، ابن منذر اور سیوطی ان کے اختیارات وترجیح پر عمل کرنا جائز ہے۔

ایک مسلک سے کسی دوسرے مدون مسلک کی طرف منتقل ہونا جائز ہے، خواہ مستقل منتقل ہو، یا بعض حادثہ ومسائل میں، جبکہ اس کی وجہ سے تلفیق لازم نہ آئے۔ بشرطیکہ رخصتوں کو تلاش نہ کرے یعنی ہر مسلک میں سے آسان آسان مسئلوں پر عمل کرے ورنہ فاسق قرار پائے گا، بعض علماء نے فرمایا کہ جو وساوس میں مبتلا ہو اسے آسان مسائل ورخصتوں پر عمل کی گنجائش ہوگی تاکہ وساوس بڑھ کر شریعت کے دائرہ سے نہ نکل جائے اور جو اس کے برعکس ہو وہ مشکل (محتاط) صورت کو اختیار کرے۔

کسی حاجت یا عام مصلحت کی وجہ سے مرجوح قول پر فیصلہ وفتوی دینا جائز ہے، جو عام شخص کسی مسلک کا پیرو ہو، اسے اس مسلک کے راجح اقوال کے متعلق علماء سے پوچھ کر عمل کرنا چاہیئے، ایسے شخص کو بلا حاجت ومصلحت مرجوح قول پر فتوی دینا جائز نہیں ہے اپنے مسلک کے دو معتبر و قابل عالم ہوں۔ تو کسی سے بھی پوچھ کر عمل کرے، اگر دونوں کا جواب الگ الگ ہو تو جس پر چاہے عمل کرے، جبکہ اس کی نظر میں دونوں مساوی درجہ کے ہوں جو عام شخص کسی مسلک کا پابند نہ ہو، مثلاً کوئی نو مسلم جو ابھی ان تفاصیل سے ناواقف ہے، اس پر لازم ہے کہ جو بھی معتبر عالم میسر ہو، اس کے فتوی پر عمل کرے، اگر دو مختلف مسلک کے عالم موجود ہوں تو جس سے چاہے رجوع کرے۔

ائمہ کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ اختلافی مسائل میں جو امام کسی مسئلہ کی حلت کا قائل ہو، اس کی تقلید کے بغیر اسے اختیار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ابن حجر وغیرہ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے خواہ یہ اختلاف ایک مسلک میں ہو یا مختلف مسالک میں، نیز مسئلہ عبادات کا ہو یا دوسرے کسی اور باب کا تاہم وہ شخص اس وقت گنہگار ہوگا، جبکہ باوجود امکان کے اس پر لازم مسائل کے سیکھنے میں کوتاہی برتے، یا مسئلہ مشہور ومعروف ہو کہ جس سے ناواقفیت میں کوئی بھی معذور شمار نہ ہو۔

(۲) کتب شافعیہ میں ترجیح وترتیب: علامہ ابن حجر مکی وغیرہ متاخرین شافعی علماء نے فرمایا کہ محققین کا اس پر اجماع کہ شافعی مسلک کے شیخین یعنی امام رافعی اور امام نووی سے قبل تصنیف شدہ کتابوں کے مسائل کا اسی وقت اعتبار ہوگا، جبکہ مکمل بحث وتحقیق کے بعد شافعی مسلک میں اس کے راجح ہونے کا ظن غالب ہو جائے، اور یہ حکم ان مسائل کا ہے، جن سے شیخین یا کسی ایک نے تعرض نہ کیا ہو، اگر کسی مسئلہ پر شیخین کا اتفاق ہو، تو تمام محققین کے نزدیک وہی معتمد ہوگا، اگر ان دونوں کا اختلاف ہو تو امام نووی کا قول معتمد ہوگا، امام نووی سے کچھ منقول نہ ہو تو امام رافعی کا قول معتمد ہوگا۔

اگر امام نووی کی کتابوں میں اختلاف ہو، معتمد قول کے متعلق غالباً یہ ترتیب ہوگی پہلے تحقیق پھر تنقیح پھر روضہ اور منہاج اور ان

کے فتاویٰ پھر شرح مسلم پھر تصحیح التنبیہ اور نکت التنبیہ۔

اگر متاخرین کا اتفاق ہو کہ شیخین کا قول سہو (بھول) پر مبنی ہے تو اس صورت میں ان کا قول معتمد نہ ہو گا، لیکن ایسا شاذونادر ہی ہوا ہے۔

صاحب اعانہ نے فرمایا کہ امام نوویؒ کے کتابوں میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، تو متبحر شخص کسی کتاب کا پابند نہیں، (بلکہ تبحر علمی کی بنیاد پر ترجیح دیگا)

دیگر حضرات ان میں سے بعد والی کتاب پر اعتماد کریں۔ جس میں اصحاب شافعی کے کلام کا تتبع زیادہ ہو جیسے مجموع پھر تحقیق، پھر تنقیح پھر روضہ پھر منہاج۔ ان کتابوں میں سے جس (مسئلہ) پر اکثر کا اتفاق ہو وہ اقل کے مقابلہ میں مقدم ہو گا۔ اور جو اسی باب میں بیان ہوا ہو دوسرے باب میں بیان شدہ مسئلہ کے مقابلہ میں غالباً مقدم ہو گا جیسا کہ ابن حجر وابن علان وغیرہ نے فرمایا۔

اگر شیخین سے ترجیح منقول نہ ہو اور مفتی ترجیح کا اہل نہ ہو، جیسا کہ دور حاضر کا حال ہے، تو شیخ محمد الرملی کی نہایۃ المحتاج اور علامہ ابن حجر مکی کی تحفۃ المحتاج پر اعتماد کیا جائے گا۔ پھر ابن حجر کی فتح الجواد پھر امداد پھر شرح العباب اور ان کے فتاوے کا اعتبار ہو گا تاہم شرح بافضل ان دونوں پر مقدم ہو گی۔ بعضوں نے فرمایا کہ نہایہ اور تحفہ کے خلاف فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، جن مسائل سے اِن دونوں نے تعرض نہ فرمایا ہو، ان میں ترتیب ملحوظ رکھی جائے۔ پہلے شیخ الاسلام زکریا انصاری کے کلام پر فتویٰ دیا جائے، پہلے ان کے نہجہ کی شرح صغیر اور پھر فتح الوھاب لیکن اس میں بعض مسائل ضعیف سے ہیں (ان میں سے کوئی نہ ہو تو) پھر 'خطیب' پھر 'حاشیہ الزیادی' پھر 'ابن قاسم' پھر 'عمیرہ' پھر 'شبر املسی' پھر 'حلبی' پھر 'شوبری' پھر 'عنانی' کا کلام معتمد ہو گا، جبکہ یہ حضرات اصول مذہب کی مخالفت نہ کریں۔

اگر تحفہ اور نہایہ میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، اور مفتی میں ترجیح کی اہلیت نہ ہو، تو اسے اختیار ہے کہ جس پر چاہے فتویٰ دے، ان دونوں کتابوں کے مخالف ان کی دیگر کتابیں یا دیگر علماء کے کتابوں کے موافق فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

اگر ابن حجر اور رملی کا اختلاف ہو، تو بعض علماء کا خیال کہ مسئلہ پوچھنے والا دین میں پختہ، محتاط اور عزائم پر عمل پیرا ہو تو اُسے سخت حکم بتائے اور وہ دین میں کمزور ہو اور صرف سخت حکم بتانے کی صورت میں اُسے ٹالنے والا ہو، تو اُسے آسان وخفیف حکم بتائے، البتہ بدنیتی یا شرعی احکام میں لاپرواہی کے طور پر نہیں، بلکہ اس پر شفقت اور ترس کھاتے ہوئے، تاکہ وہ بالکل دین کی مخالفت کر کے تباہ وبرباد نہ ہو جائے۔

تنبیہ: مذکورہ بالا کتابوں میں، بلکہ خود تحفہ ونہایہ میں بھی بعض غلط یا کافی ضعیف مسائل آگئے ہیں، پس ان پر مطلقاً فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

تلفیق: مسئلہ گذر چکا کہ بعض مسائل میں دوسرے مسلک کی اتباع جائز ہے، بشرطیکہ تلفیق نہ ہو، تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی باب کے دو مسئلوں میں الگ الگ امام کی پیروی کرے، اور اِس سے مرکب صورت جو سامنے آئے، اِس کا کوئی دونوں میں سے کوئی بھی قائل نہ ہو، پس کسی مسلک میں ایک امام کی پیروی کرے، تو اِبن حجر مکی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ سے متعلق تمام مسائل میں اِسی امام کی تقلید لازم ہے، لہٰذا جو شخص حنفی مسلک کی تقلید کرتے ہوئے عین کعبہ سے ہٹ کر صرف جہت کعبہ کی طرف نماز پڑھے تو اس پر لازم ہے کہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح کرے، اور وضو کے بعد اس کے بدن سے خون نہ بہے، (کیونکہ یہ دونوں حنفی مسلک میں ضروری ہیں) ورنہ اس کی نماز دونوں مسلک کے مطابق باطل قرار پائے گی، اس اصول کی ابن دقیق العید، سبکی، عراقی اور قاضی حسین وغیرہ کئی

محققین نے صراحت فرمائی ہے۔

امام ابن زیاد اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں کہ علماء کرام کی مثالوں سے اس مسئلہ میں جو بات ہمارے سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ دو مسلک کی ترکیب اسی وقت مانع ہوگی جبکہ کے ایک ہی قضیہ میں ہو، مثلاً: وضو کے بعد امام ابو حنیفہ کی تقلید میں بیوی کو چھوئے اور امام شافعی کی تقلید میں پچھنے لگوائے، پھر نماز پڑھے تو یہ نماز باطل ہے، کیونکہ دونوں امام کے نزدیک یہ وضو باطل ہے، امام ابو حنیفہ کی نزدیک پچھنے کی وجہ سے اور امام شافعی کے نزدیک بیوی کو چھونے کی وجہ سے۔

اس کے برعکس دو مختلف قضیوں میں ایسی ترکیب پیش آئے تو وہ تقلید سے مانع نہ ہوگی، مثلاً کوئی شافعی وضو میں چوتھائی سر سے کم کا مسح کرے پھر حنفی مسلک کی اتباع میں قبلہ کی جہت پر نماز پڑھے تو یہ نماز بظاہر صحیح ہوگی، کیونکہ وضو کے بطلان پر دونوں متفق نہیں ہیں، اور نماز دوسرا قضیہ ہے یہی بات امام بلقینی کے فتاوی میں موجود ہے (خلاصہ یہ ہے کہ گو وضو نماز کیلئے شرط ہے لیکن دونوں جدا جدا قضیہ ہیں لہٰذا وضو ایک مسلک کے مطابق اور نماز دوسرے مسلک کے مطابق ہو تو صحیح ہے)

(۴) **احتیاط:** حتی الامکان علماء کے نزدیک اتفاقی شکل پر عمل کرنا اور ان کے اختلاف سے بچ نکلنے کی کوشش کرنا مطلوب وہ بہتر ہے، تاہم ہمیشہ یہ ممکن نہ ہوگا، نیز بعض اوقات دوسرے کے دلیل کی واضح کمزوری کی وجہ سے یا کسی فضیلت کے چھوٹ جانے کی وجہ سے اختلاف کی رعایت نہ کی جائیگی۔

مثلاً: (۱) کسی چیز کے جائز یا حرام ہونے میں اختلاف ہو تو اسے ترک کرنا افضل ہے۔

(۲) کسی عمل کے واجب یا مستحب ہونے میں اختلاف ہو تو اس کو کرنا افضل ہے۔

(۳) کسی عمل کے ترک کرنے یا کرنے کی مشروعیت میں اختلاف ہو تو اسے کرنا افضل ہے۔ جیسے سورہ فاتحہ میں بسم اللہ کا پڑھنا، کیونکہ یہ امام شافعی کے نزدیک واجب اور امام مالک کے نزدیک (فرض نماز میں) مکروہ ہے، لیکن کئی مالکی حضرات نے احتیاطاً بسم اللہ کے پڑھنے کو اختیار فرمایا ہے۔

(۴) صحیح حدیث سے کوئی حکم ثابت ہو اور مخالف قیاس خفی کی وجہ سے اس سے اختلاف کرے، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائیگا جیسے گھوڑے کے گوشت کی حلت، ماں کے ذبح کی وجہ سے جنین کی حلت اور گوہ کی حلت۔

(۵) تقلید کا مطلب ہے دوسرے کے قول کو اس کی تفصیلی دلیل کی معرفت کے بغیر قبول کرنا، پس اپنے عمل کی حد تک ضعیف قول کی تقلید جائز ہے مثلاً اصح، معتمد، اوجہ اور متجہ کے بالمقابل قول، نہ کہ صحیح کے بالمقابل، کیونکہ وہ غالباً فاسد ہوتا ہے۔

ایک غیر مجتہد عدمِ تقلید کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے، تاہم اس کا عمل کسی معتبر مسلک کے مطابق ہو، تو کئی علماء کے نزدیک اس کی عبادت اور معاملات مطلقاً صحیح ہوں گے اور بعضوں نے مطلقاً عدمِ صحت کو اختیار کیا، اور بعضوں کا خیال ہے کہ معاملات تو صحیح ہوں گے، نہ کہ عبادات، کیونکہ اس میں بالجزم (حتمی) نیت نہ ہوگی۔

ائمہ کے کلام و عمل سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ ایک عام شخص شرعی حکم سمجھ کر کسی مسئلہ پر عمل کرے اور یہ کسی معتبر مسلک کے موافق ہو، گرچہ وہ متعین طور پر اس قائل سے واقف نہ ہو، تب بھی وہ عمل صحیح ہوگا، جبکہ بوقت عمل کسی دوسرے کا صحیح مقلد نہ ہو۔

امام سیوطیؒ نے کئی علماء کرام کے متعلق نقل فرمایا کہ وہ عوام جو کسی مسلک کے پابند نہ ہوں، اور اس کے نصوص و قواعد سے واقف نہ ہوں، چاروں مسلک کے مطابق ان کو فتویٰ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا عمل کسی عالم کے فتویٰ کے مطابق ہو، تو کافی ہے تاہم علامہ

کروی فرماتے ہیں کہ اپنے مسلک کے ضعیف قول یا وجہ کی تقلید اس کی شرط کے ساتھ دوسرے مسلک کی تقلید سے بہتر ہے، کیونکہ اس کے لئے مطلوبہ تمام شرائط کا وجود کافی دشوار ہے۔(قلائد ۲/ ۴۴۷۔ ترشیح المستفدین ۳-۷، فتح المعین مع الاعانہ ۴/۷ ۲۱- ۲۲۰، ۱/ ۱۹

بعض فقھی مبادیات

فقہ کی تعریف: لغت میں فقہ فہم اور سمجھ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں تفصیلی دلائل کی روشنی میں عملی احکامِ شرعیہ کے متعلق حاصل کردہ علم کو فقہ کہا جاتا ہے۔

استمداد: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالانا اور ممنوعات سے بچنا

موضوع: طاری ہونے والے احکام کے اعتبار سے مکلفین کے افعال

حکم: وجوب عینی یا کفائی

سائل: قضایا، مثلاً نیت واجب ہے، وضو نماز کی صحت کے لئے شرط ہے، دخولِ وقت، نماز کا سبب ہے۔

واضح: ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ۔(اعانۃ ۱/ ۱۴)

واللہ اعلم باالصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی عقائد

۱۔ آیات قرآنی

۱۔ ’’شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًام بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ‘‘(آل عمران آیت نمبر ۱۸) گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ بجز اس ذات (پاک) کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور (دوسرے) اہل علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان سے ہیں کہ (ہر چیز کا) اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں (اور پھر کہا جاتا ہے کہ) ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

۲۔ ’’فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ‘‘(سورہ محمد آیت ۱۹)۔۔۔ تو آپ اس کا (بہ اکمل وجوہ) یقین کیجئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں۔

۳۔ ’’وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ‘‘(الانبیاء ۲۵)(اور یہ توحید کوئی نئی بات نہیں جس سے توحش ہو بلکہ شرع قدیم ہے چنانچہ) ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں پس میری (ہی) عبادت کیا کرو۔

معلوم ہوا کہ توحید تمام انبیاء ورسل کا دین اور تمام اولین وآخرین اہل صدق ویقین کی راہ ہے

۴۔ ’’لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ‘‘(الانبیاء ۲۲) زمین (میں) اور آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود (واجب الوجود) ہوتا تو دونوں (کبھی کے درہم برہم ہو جاتے کیونکہ عادۃً دونوں کے ارادوں اور افعال میں تزاحم ہوتا لہٰذا اس کے لئے فساد لازم ہے لیکن فساد واقع نہیں ہے اس لئے تعدد الٰہ بھی منفی ہے) سو (ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔

۵۔ ’’هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ‘‘(زمر۔۴) وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے۔

۶۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران۔۱۹) بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

۷۔ ’’اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ‘‘(البقرۃ ۲۸۵) اعتقاد رکھتے ہیں رسول ﷺ اس چیز (کے حق ہونے) کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور (دوسرے) مومنین بھی (اس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ آگے قرآن پر اعتقاد رکھنے کی تفصیل ہے کہ کس چیز کے عقیدہ رکھنے کو قرآن پر اعتقاد رکھنا کہا جاوے گا) سب کے سب (رسول بھی اور دوسرے مومنین بھی) عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ (کہ وہ موجود ہے اور واحد ہے اور ذات وصفات میں کامل ہے) اور اس کے فرشتوں کے ساتھ۔ کہ وہ موجود ہیں اور گناہوں سے پاک ہیں اور مختلف کاموں پر مقرر ہیں) اور اس کی کتابوں کے ساتھ (کہ اصل میں سب سچی ہیں) اور اس کے سب پیغمبروں کے ساتھ (کہ وہ پیغمبر ہیں اور سچے ہیں اور پیغمبروں پر عقیدہ رکھنا ان کا اس طور پر ہے کہ یہ کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں (عقیدہ رکھنے میں) تفریق نہیں کرتے (کہ کسی کو پیغمبر سمجھیں کسی کو نہ سمجھیں)

حدیث جبریل علیہ السلام

جبریل امین کا سوال: ایمان کیا ہے آپ ﷺ کا جواب: "ایمان (شرعی) یہ ہے کہ تم اللہ تعالے پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی ملاقات پر (یعنی اس دار فانی سے کوچ کر جانا یا دیدار الٰہی) اور اس کے رسولوں (پیغمبروں) پر (بعض روایات میں "نبیوں پر اور کتابوں پر ایمان" کے الفاظ ہیں) اور قیامت پر ایمان لاؤ (بخاری مسلم ابو داود وغیرہ) بعض روایات میں مزید یہ بھی ہے "اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا"

جبریل امین کا سوال: اسلام کیا ہے؟

آپ ﷺ کا جواب: "اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (یعنی کلمہ شہادت کا اقرار) اور (پنجوقتہ فرض) نمازوں کی پابندی کرو اور فرض زکات ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو "بعض روایات میں ہے بصورتِ استطاعت بیت اللہ کا حج کرو۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان:

(۱) اس کی گواہی کہ اللہ تعالے کے سوا کوئی معبود برحق (عبادت کے لائق) نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) (پنج وقتہ فرض) نمازوں کی اقامت (یعنی صحیح ادائیگی اور پابندی) (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) حج کرنا۔ (بخاری۔مسلم)

"اسلام" اس لفظ کے لغوی معنی پر روشنی ڈالتے ہوئے مشہور عالم ابن الانباری (متوفی ۳۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو کلی طور پر اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت وعبادت کے لئے وقف کر دے۔ عربی میں مسلم کے معنی ہیں کسی چیز کا کلیۃً (مکمل) کسی کا ہو جانا اسی طرح اسلام کے معنی یہ ہیں کہ انسان کا دین اور عقائد مکمل طور پر خدائے واحد کی ملکیت بن جائیں۔ آپ ﷺ نے اسلام کی تشریح میں فرمایا 'مسلم یعنی اسلام کی راہ پر چلنے والا وہ ہے جو اللہ پر دل وجان سے یقین رکھے اور اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں" (مسند احمد)

'ایمان' آپ ﷺ جو کچھ اللہ کی طرف سے لے آئے ہیں اس کی تصدیق کرنا (فتح الباری)

ایمان جب معتبر اور صحیح ہوتا ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کو سب باتوں میں سچا سمجھے اور ان سب کو مان لے، اللہ ورسول کی کسی بات میں شک کرنا اس کو جھٹلانا یا اس میں عیب لگانا یا اس کے ساتھ مذاق اڑانا ان سب سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ اس کارخانۂ قدرت (ساری کائنات) کا ایک قدیم صانع اور پیدا کرنے والا ہے جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا، اس کا وجود حتمی اور اس کا معدوم ہونا محال ہے، وہ تمام صفات کمال سے متصف اور تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے۔ تمام معلومات اس کے علم میں ہیں، تمام ممکنات پر وہ قادر ہے اور تمام کائنات اسی کے ارادہ سے ہے، وہ حیات سے متصف ہے سمیع (سننے والا) ہے بصیر (دیکھنے والا) ہے۔ اس کا کوئی شبیہہ ونظیر اور مثل نہیں، نہ اس کا کوئی مقابل اور ہمسر، وہ بے مثل ہے اس کا کوئی مددگار نہیں، واجب الوجود ہونے اور عبادت کے مستحق ہونے اور تمام مخلوقات کی پیدائش اور پوری کائنات کے انتظام وانصرام میں اس کا کوئی شریک ومعین نہیں۔ وہ جو چاہے کرتا ہے، کوئی اس کو روک ٹوک کرنے والا نہیں، عبادت (یعنی غایت تعظیم وتقدیس) کا صرف وہی مستحق ہے۔ صرف وہی ہے جو مریض کو شفا دیتا، مخلوق کو رزق عنایت فرماتا، اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے، اس کی شان ہے۔

”اِنَّمَآ اَمۡرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ“ (سورہ یٰس ۸۲) (اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے۔)

اللہ تعالیٰ حلول و اتحاد سے پاک ہے (وہ نہ کسی دوسرے کے قالب میں اتر جاتا ہے نہ کسی سے متحد ہوتا ہے) اس کی ذات وصفات حدوث سے مبرّا ہیں (یعنی ذات وصفات قدیم ہیں) وہ نہ جوہر ہے نہ عرض نہ جسم (جوہر وہ چیز ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو اور کسی چیز میں ہو اور عرض وہ چیز ہے جو کسی ایسے محل کا محتاج ہو جس پر وہ قائم ہو سکے) وہ کسی جگہ اور سمت میں محدود نہیں وہ عرش کے اوپر ہے (مستوی علی العرش ہے) قیامت کے دن مومنوں کو اس کا دیدار ہوگا، جو وہ چاہتا ہے سو ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، وہ غنی ہے کسی چیز کا محتاج نہیں اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا اس سے پوچھا نہیں جاسکتا کہ وہ کیا کر رہا ہے (بر خلاف مخلوق کے کہ اس سے پوچھا جاسکتا ہے) کسی کے واجب کرنے سے کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہوتی، حکمت اس کی صفت ہے، اس کا ہر فعل حکیمانہ ہے، اس کے علاوہ کوئی حاکم (حقیقی) نہیں۔

تقدیر اچھی ہو یا بری اللہ کی طرف سے ہے (صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس وقت تک کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ تقدیر پر (اچھی ہو یا بری) ایمان نہ لائے اور جب تک یہ جان نہ لے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ اس سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا اور جس سے بچ کر نکل گیا وہ اس تک پہونچ نہیں سکتا تھا (ترمذی شریف)

عالم (جہاں و دنیا) میں جو کچھ ہوتا ہے بھلا ہو یا برا سب کو اللہ تعالیٰ اس کے ہونے سے پہلے ہمیشہ سے جانتا ہے اور اپنے جاننے کے موافق اس کو پیدا کرتا ہے تقدیر اسی کا نام ہے۔ اور بری چیزوں کو پیدا کرنے میں بہت سے بھید ہیں، جن کو ہر ایک نہیں جانتا مخلوق کی صفتوں سے وہ پاک ہے، اور قرآن وحدیث میں بعض جگہ جو ایسی باتوں کی خبر دی گئی ہے (مثلاً پنڈلی، ہاتھ، استواء علی العرش، آسمانِ دنیا پر نزول فرمانا وغیرہ) تو ان کے معنی اللہ کے حوالے کریں کہ وہی اس کی حقیقت جانتا ہے اور ہم کھود کرید کے بغیر اس طرح ایمان لاتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ اس کا مطلب ہے وہ ٹھیک اور برحق ہے۔

اس کا ازلی وذاتی علم ہر اس واقعہ کو جو وجود میں آچکا ہے یا آئے گا محیط ہے۔ وہی واقعات کو ان کے وجود سے پہلے قابل وجود بناتا ہے۔ اس کے بلند مرتبہ اور مقرب فرشتے ہیں اور دوسرے وہ فرشتے ہیں جن کو بندوں کے اعمال لکھنے اور مصیبتوں اور آفتوں سے ان کی حفاظت کرنے اور خیر کی طرف بلانے پر مامور کیا گیا ہے، وہ بندہ کیلئے خیر کا سبب بنتے ہیں۔ فرشتے کبھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اور اس کی مخلوقات میں سے جنات بھی ہیں۔

قرآن اللہ کا کلام ہے اس کے الفاظ و معانی سب اللہ کی طرف سے ہیں وہ مکمل ہے تحریف (نقص واضافہ اور تبدیلی) سے محفوظ ہے جو اس میں تحریف یا کمی زیادتی کا قائل ہو وہ مسلمان نہیں۔ قرآن وحدیث کے کھلے کھلے مطلب کو نہ ماننا اور اینچ پینچ کر کے اپنا مطلب بنانے معنی گھڑنا بد دینی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صفات میں انحراف وتحریف یعنی جو صفت نازیبا ہے اس سے اس کو موصوف کرنا اس کی صفات کی ایسی تاویل کرنا جو اس کے شایان شان نہیں، جائز نہیں اور اس بارے میں صرف شریعت کا فیصلہ معتبر ہے، اس دنیا میں جاگتے ہوئے ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہ کسی نے دیکھا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔

معاد جسمانی برحق ہے (یعنی آخرت میں جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جائے گا) (آخرت میں) جزا و سزا اور (اعمال کا) حساب برحق ہے، پلِ صراط قرآن وسنت سے ثابت ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، وہ (دونوں) پیدا کی جاچکی ہیں۔

کبائر (کبیرہ گناہوں) کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، شفاعت (سفارش) ان کے حق میں برحق ہے جن کے بارے میں اللہ اجازت دے، کبائر کے مرتکب امتیوں کیلئے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت برحق ہے، آپ کی شفاعت قبول کی جائیگی۔ فاسق کے لئے عذابِ قبر اور مومن کے لئے قبر کا آرام وراحت حق ہے، (قبر میں) منکر ونکیر کا سوال کرنا برحق ہے۔

مخلوق کی طرف انبیاء کرام علیہم الصلوۃ السلام کی بعثت برحق ہے اور انبیائے کرام کی زبان اور ان کے واسطہ سے اللہ تعالے کا اپنے بندوں کو امر ونہی کا مکلف قرار دینا برحق ہے انبیاء کرام مجموعی طور پر کچھ ایسی امتیازی صفات سے متصف ہوتے ہیں جو دوسرے انسانوں میں نہیں پائی جاتیں، اور وہ ان کے نبوت کی دلیل ہوتی ہیں۔ جن میں خوارق عادات (عام عادت کے خلاف امور کا ظہور جیسے شق القمر، انگلیوں سے پانی نکلنا وغیرہ) جن کو معجزات (آیات) کہا جاتا ہے، سلامتی فطرت اور مثالی اخلاق وغیرہ صفات ہیں انبیاء اکرام کفر، کبائر کے عمداً ارتکاب اور ان پر قائم رہنے سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں ان میں اول سیدنا آدم علیہ السلام اور آخری حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ باقی درمیان میں جو ہوئے ان کے بارے میں یوں عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ہم ایمان لاتے ہیں جو معلوم ہیں ان پر بھی اور جو ہم کو نہیں معلوم ان پر بھی، اللہ تعالیٰ نے بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں آسمان سے جبریل علیہ السلام کی معرفت بہت سے پیغمبروں پر اتاریں، جن میں چار بہت مشہور ہیں: توریت، حضرت موسی علیہ السلام پر، زبور، حضرت داوٗد علیہ السلام پر، انجیل، حضرت عیسی علیہ السلام پر، اور قرآن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، قرآن آخری کتاب ہے اب کوئی کتاب آسمان سے نہ آئے گی، قیامت تک قرآن مجید کا ہی حکم چلتا رہے گا۔ دوسری کتابوں کو گمراہ لوگوں نے بہت کچھ بدل ڈالا ہے۔ مگر قرآن مجید کی نگہبانی کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اس کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

سیدنا محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ آپ کی دعوت ساری دنیا تمام انسانوں اور جنات کے لئے ہے۔ اس امتیازی خصوصیت میں اور اسکے علاوہ اس جیسی دوسری خصوصیات میں وہ سب نبیوں میں افضل ہیں۔ آپ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر ایمان معتبر نہیں۔ اسلام ہی واحد دین حق ہے، اس کے سوا کوئی دین اللہ کے یہاں مقبول اور آخرت میں ذریعہ نجات نہیں۔ معراج برحق ہے آپ کو بحالت بیداری رات میں بیت المقدس اور وہاں سے جہاں اللہ نے چاہا لے جایا گیا۔

اولیائے عظام کی (اللہ کے وہ مومن بندے جو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے عارف اور اپنے ایمان میں مقام احسان تک پہنچے ہوئے ہیں) کرامات حق ہیں جس کو اللہ چاہتا ہے ان سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت خاصہ سے سرفراز فرماتا ہے تکلیفِ شرعی (یعنی اوامر ونواہی خداوندی کا مخاطب اور شرعی فرائض کا مکلف ہونا اور ان کے نتیجہ میں آخرت میں جزاوسزا کا مستحق ہونا) کسی سے ساقط نہیں ہوتی، خواہ وہ ولایت، مجاہدہ اور جہاد کے کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو وہ فرائض کا ہمیشہ مکلف رہے گا۔ کوئی حرام چیز یا معصیت جب تک آدمی صحیح الحواس اور عاقل ہے اس کے لئے جائز نہ ہوگی، نبوت ولایت سے مطلقاً افضل ہے کوئی ولی خواہ کتنا ہی بڑا ہو کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتا، خواہ وہ صحابی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ ہو، صحابہ کرام کی اولیاء عظام پر فضیلت ثواب کی کثرت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی عظمت پر ہے نہ کہ کثرت عمل پر (صحیح حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دے تو وہ ان میں سے کسی کے مدّ اور آدھے مد برابر بھی نہ ہوگا۔) آپ ﷺ کو جس مسلمان نے دیکھا ہے یا آپ ﷺ کی ملاقات کی ہو ان کو صحابی کہتے ہیں ان کی بڑی بزرگی اور مناقب وارد ہیں ان سے محبت اور اچھا گمان رکھنا چاہئے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد بہترین مخلوق اور بہترین مومنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ عشرہ مبشرہ (جن دس صحابہ کو ایک ہی حدیث میں جنت کی بشارت دی گئی ہے) کیلئے جنت اور خیر کی ہم شہادت دیتے ہیں، اہل بیت اور

ازاواج مطہرات کی (جو امہات المومنین ہیں) عظمت و توقیر کرتے ہیں۔ ان سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اسلام میں ان کے بلند مقام کے معترف ہیں۔ اسی طرح اہل بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کے مقام کے معترف ہیں اہل سنت تمام صحابہ کرام کی عدالت کے قائل ہیں۔ ان کی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ اور ان کے نزاعات اور اختلافات کے بارے میں کف لسان (زبان بند رکھتے ہیں) اور احتیاط سے کام لیتے ہیں ان کی کوئی برائی نہیں کرتے۔

آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام و خلیفہ برحق تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر خلافت علی منہاج النبوۃ ختم ہوگئی۔ حضرت ابو بکر وحضرت عمر امت محمدیہ ﷺ میں علی الترتیب سب سے افضل ہیں ہم صحابہ کرام کا صرف ذکر خیر ہی کرتے ہیں وہ ہمارے دینی قائد ورہنما ہیں۔ ان کو برا کہنا حرام ہے اور ان کی تعظیم واجب ہے۔

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے (متکلمین کی اصطلاح میں "اہل قبلہ" وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین پر یعنی وہ امور جن کا ثبوت کتاب وسنت واجماع سے قطعی طریقہ پر ہو چکا ہے ایمان رکھتے ہیں۔ اگر کوئی محض ضروریات دین میں سے کسی چیز کا مثلاً عالم کے حدوث، قبروں سے اٹھائے جانے، اللہ کے تمام جزئیات سے واقف ہونے، نماز، روزہ کی فرضیت وغیرہ کسی امر کا منکر ہو تو اہل قبلہ میں شمار نہیں کیا جائے گا خواہ وہ کتنے ہی مجاہدات وریاضات کرتا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی انکار کی علامتوں مثلاً بت کے سامنے سجدہ کسی حکم شرعی کا مذاق وتمسخر جیسی کوئی حرکت کرتا ہے تو وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اس کائنات کے خالق اور قادر ومختار ہونے کا انکار کرے یا غیر اللہ کی عبادت کرے یا آخرت یا (کسی بھی) نبی کا انکار کرے یا ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ کافر ہے ضروریات دین یعنی وہ امور جن کا ثبوت دین میں معلوم ومشہور ہے دین کے وہ حقائق واحکام جو قرآن سنت متواتر اور صریح اجماع کی بنیاد پر دلیل قطعی ویقینی سے ثابت ہوں۔) معصیت کو جائز سمجھنا (بشرطیکہ اس کا معصیت ہونا ثابت ہو) کفر ہے شریعت کا مذاق اڑانا اور اس کے احکام کے ساتھ تمسخر کفر ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا) بشرطیکہ فتنہ کا سبب نہ ہو۔ اور بات مان لینے کا گمان غالب ہو واجب ہے۔ ہم تمام انبیاء ورُسل اور ان پر نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور انبیاء میں باہم تفریق نہیں کرتے ایمان زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق کا نام ہے۔ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے "خلق" اور بندوں کے "کسب" سے ہیں۔ علامات قیامت پر جیسا کہ حدیث میں وارد ہے ہم یقین رکھتے ہیں اجتماعیت اور اتحاد کو ہم حق اور ثواب کی چیز اور انتشار وافتراق کو گمراہی وکج روی اور عذاب کا سبب سمجھتے ہیں۔

مذکورہ عقائد سے متعلق بعض آیات۔

۱۔ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" (الشوریٰ-۱۱) کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔

۲۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا" (فاطر ۴۴) اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرادے، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں، وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔

۳۔ "وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ" (الحدید ۱-۳) اور وہ زبردست، حکمت والا ہے، اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، وہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے۔

۴۔"وَاِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ"(الحج۷)اور قیامت آنے والی ہے اس میں ذراشبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا۔

۵۔"لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا"(الفرقان-۲)اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں، اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

۶۔"قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ"(الاعراف۱۵۸) آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے۔ سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمّی پر (بھی ایمان لاؤ) جو کہ اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (نبی) کا اتباع کرو تاکہ تم راہ (راست) پر آجاؤ۔

۷۔"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا" (الاحزاب-۴۰) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن (ہاں ایک دوسری ابوۃ روحانی بیشک حاصل ہے چنانچہ) آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (اور رسول روحانی مربیّ ہونے سے روحانی باپ ہوتا ہے) اور (اس ابوۃ روحانیہ میں اس درجہ کامل ہیں کہ سب رسولوں سے اکمل وافضل ہیں چنانچہ آپ) سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔

۸۔"وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ"(القیمة ۲۲/۲۳) بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

۹۔"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"(سورہ اخلاص) آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کے اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

توحید، دین خالص اور شرک کی حقیقت

عبودیت کی بنیاد عقائد اور ایمان کی تصحیح پر ہے۔ جس کے عقائد میں خلل اور ایمان میں بگاڑ ہو اس کی نہ کوئی عبادت مقبول، نہ اس کا کوئی عمل صحیح مانا جائے گا۔ اور جس کا عقیدہ درست اور ایمان صحیح ہوا اس کا تھوڑا عمل بہت ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی پوری کوشش کرنا چاہئے کہ اس کا ایمان وعقیدہ صحیح ہو اور صحیح ایمان وعقیدہ کے حصول اور اس پر اطمینان اس کا مقصودِ عمل اور منتہائے آرزو ہو اس کو ناگزیر اور بے بدل سمجھے اور اس میں ایک لمحہ بھی تاخیر سے کام نہ لے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ توحید کے چار درجات ہیں۔

۱- صرف اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود قرار دنیا لہٰذا کوئی اور واجب الوجود نہیں۔

۲- عرش آسمان، زمین اور تمام قائم بالذات اشیاء کا خالق صرف اللہ کو سمجھنا (اسی کو توحید الربوبیۃ کہا جاتا ہے) یہ دو درجے وہ ہیں۔ جن سے آسمانی کتابوں نے بحث کی ضرورت نہیں سمجھی اور نہ مشرکین عرب اور یہود ونصاریٰ کو ان کے بارے میں اختلاف وانکار تھا بلکہ قرآن کریم اس کی صراحت کرتا ہے کہ یہ دونوں مرتبے ان کے نزدیک مسلمات میں سے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) "وَلَئِنْ

سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ "(الزخرف-۹) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے۔)

۳۔ آسمان وزمین کے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کے انتظام وانصرام کو صرف خدا تعالے کے ساتھ خاص سمجھنا۔

۴۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی کو مستحق عبادت نہ گردانا (اس کو توحید الوہیت کہا جاتا ہے) یہ دونوں درجے طبعی ربط کی وجہ سے باہم دیگر پیوست اور لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں انھیں دونوں درجوں یا قسموں سے قرآن عظیم نے بحث کی ہے اور کافروں کے شکوک وشبہات کا شافی ووافی جواب دیا ہے (ح حجۃاللہ البالغہ ۱/۵۹-۶۰ باختصار)

اس سے معلوم ہوا کہ شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کو اللہ تعالے کا ہم مرتبہ وہم سر قرار دیا جائے بلکہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا وہ معاملہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند وبالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ اور جس کو "عبودیت" بندگی کا شعار بنایا ہے جیسے کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا، کسی کے نام پر قربانی کرنا، یا نذریں ماننا، مصیبت وتنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے، اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنا یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے، خواہ اس کا یہ اعتقاد ہی کیوں نہ ہو کے یہ انسان، فرشتہ یا جن جس کے سامنے وہ سجدہ ریز ہو رہا ہے، یا جس کے نام پر قربانی کر رہا ہے نذریں مان رہا ہے۔ اور جس سے مدد مانگ رہا ہے اللہ تعالیٰ سے بہت کم مرتبہ اور پست مقام ہے اور چاہے یہ مانتا ہو کہ اللہ ہی خالق ہے اور یہ اس کا بندہ اور مخلوق ہے۔

شرک کے مظاہر واعمال اور جاهلی رسم ورواج: ہمہ گیر علم، ارادۂ مطلقہ، اور آزاد وغیر محدود تصرف اور قدرتِ کاملہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے، اور عبادت کے اعمال اور شعائر جیسے سجدہ یا رکوع کسی کے سامنے کرنا، کسی کے نام پر اور اس کی خوشنودی کیلئے روزہ رکھنا، دور دور سے اہتمام کے ساتھ کسی جگہ کے لئے شدرحال (طول طویل سفر کر کے جانا) اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو بیت اللہ کو زیبا ہے۔ اور وہاں قربانی کے جانور لے جانا، نذریں اور منتیں ماننا شرک کے کام اور شرک کے مظاہر ہیں۔ تعظیم کے وہ طریقے اور علامتیں جو عبودیت اور غایت ذلت کی مظہر ہوں، صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ علم غیب صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور انسانی قدرت سے باہر ہے دلوں کے بھیدوں اور خیالات اور نیتوں کا علم ہر وقت کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے اور اہل وجاہت اور بااثر واقتدار لوگوں کو راضی وخوش کرنے میں دنیا کے بادشاہوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ ایسی ہر چھوٹی اور بڑی بات میں (ان کے بجائے) اللہ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ شاہان دنیا کی طرح کائنات کے انتظام اور درباریوں اور وزراءواعوان سے مدد لینا اللہ کے شایان شان نہیں ہے۔ کسی قسم کا سجدہ سوائے اللہ کے کسی کے لئے جائز نہیں۔ حج کے مناسک واعمال۔ غایت درجہ کی تعظیم کے مظاہر اور محبت وفنائیت کے تمام شعائر بیت اللہ اور حرم محترم کے ساتھ خاص ہیں۔ صالحین اور اولیاء کے ساتھ جانوروں کی تخصیص، ان کا احترام کرنا ان کی نذریں چڑھانا، اور ان کی قربانی کے ذریعہ ان سے تقرب حاصل کرنا، حرام ہے۔ عاجزی وانکساری کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ تقرب وتعظیم کے جذبہ سے قربانی کرنا صرف اللہ کا حق ہے۔ کائنات میں آسمانی برجوں (نچھتروں) سیاروں کی تاثیر پر اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں پر اعتماد کرنا کفر ہے۔ کفر کو پسند کرنا کفر کی باتوں کو اچھا جاننا کسی دوسرے سے کفر کی کوئی بات کرانا کسی نبی یا فرشتے کی حقارت کرنا ان کو عیب لگانا اللہ کے سوا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی۔ کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا کسی سے مرادیں مانگنا یا روزی یا اولاد مانگنا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، جن یا بھوت پریت وغیرہ کے چھوڑ دینے کے لئے ان کی بھینٹ دینا، بکرا وغیرہ ذبح کرنا کسی جگہ کا کعبہ کے برابر ادب وتعظیم کرنا، کسی کے نام پر بچے کے کان ناک چھیدنا، وغیرہ کسی کے نام کا بازو پر پیسہ باندھنا، یا گلے

میں ناڑا ڈالنا، کسی جانور پر کسی بزرگ کا نام لے کر اس کا ادب کرنا، کسی مہینہ یا تاریخ کو منحوس سمجھنا، کسی بزرگ کا نام بطور وظیفہ جپنا، کسی کے نام یا سر کی قسم کھانا، کسی بزرگ وغیرہ کی تصویر برکت کے لئے رکھنا، اور اس کی تعظیم کرنا، یہ سب کفر اور شرک کی باتیں ہیں۔

نام رکھنے میں مسلمانوں کو توحید کے شعار کا اظہار کرنا چاہیے۔ غلط فہمی پیدا کرنے والے اور جس سے مشرکانہ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ کے علاوہ کسی کی قسم کھانا شرک ہے۔ غیر اللہ کی نذریں ماننا حرام ہے۔ اسی طرح کسی ایسے مقام پر قربانی کرنا جہاں کوئی بت تھا، یا جاہلیت کا کوئی جشن منایا جاتا تھا ناجائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں افراط و تفریط اور نصاریٰ کے اپنے نبی کے بارے میں غلو و مبالغہ کی تقلید، اور اولیاء و صالحین کی تصویروں اور شبیہوں کی تعظیم کرنے سے پرہیز اور مکمل احتیاط کرنا چاہیے۔

نبوت کا بنیادی مقصد

اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ اور عبد اور معبود کے باہمی تعلق کی تصحیح اور صرف ایک کی بندگی کی دعوت ہر زمانہ میں اور ہر ماحول میں انبیائے کرام علیہم السلام کی پہلی دعوت اور ان کی بعثت کا اولین اور اہم ترین مقصد رہا ہے ہمیشہ ان کی تعلیم یہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور صرف وہی عبادت، دعاء، توجہ اور قربانی کا مستحق ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں بالکل واضح ہے کہ شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی اُن سے جنگ کرنا نبوت کا بنیادی مقصد تھا قرآن کبھی تو ان کے بارے میں اجمالاً کہتا ہے۔

"وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ"(سورۃ انبیاء ۲۵)

"(اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرو)"

اور کبھی تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس کی دعوت کی ابتداء اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی۔ سورہ اعراف میں حضراتِ نوح، ہود، صالح، شعیب، علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نام لے لے کر ان کی اس دعوت توحید کا ان الفاظ کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ "قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ" اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں"(الاعراف ۵۹)(دیکھئے سورۃ اعراف از رکوع ۸ تا رکوع ۱۲ نیز سورہ ہود رکوع ۳ تا رکوع ۸)

یہ ہرگز جائز نہیں کہ نئے اصلاحی دعوتی تقاضوں اور زمانہ کی نئی ضرورتوں کے اثر سے "شرک جلی" کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور دعوت و تبلیغ کے بنیادی اصولوں میں اس کو ضمنی حیثیت دی جائے یا "سیاسی اطاعت" اور انسانوں کے وضع کئے ہوئے کسی نظام و قانون کے قبول کرنے کو اور غیر اللہ کی عبادت کو ایک درجہ میں رکھا جائے، اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے۔ (شرک جلی یعنی واضح اور کھلا ہوا شرک، اور ریاکاری جیسے امر کو شرک خفی کہیں گے، جو حقیقی شرک نہیں ہے)

بدعت

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ رسول نے دین میں شامل نہیں کیا اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا، اس کا ایک جزء بنا دینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا، اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا، جس طرح ایک حکم شرعی کی پابندی کی جاتی ہے، بدعت ہے۔ بدعت اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی، امام مالکؒ نے خوب فرمایا: جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کر دی، اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے، وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے (نعوذ باللہ) پیغام پہنچانے میں خیانت کی،

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا“ پس جو بات عہد رسالت میں دین نہیں وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔ (روایت ابن الماجشون عن الامام مالکؒ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شریعت کی خصوصیت، اس کی سہولت، اور اس کا ہر ایک کے لئے ہر زمانہ میں قابل عمل ہونا ہے۔ اس لئے کہ جو دین کا شارع ہے وہ انسان کا خالق بھی ہے۔

”اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَا للَّطِیْفُ الْخَبِیْرِ“ (الملک۔ ۱۴) ”(اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین اور پورا باخبر ہے۔“

آپ ﷺ نے بدعت سے بچنے اور سنت کی حفاظت کی تاکید بلیغ فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَالَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ“ (متفق علیہ) جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مسترد (مردود وغیر مقبول) ہے“ ”اِیَّاکُمْ وَالْبِدْعَۃَ“ ”فَاِنَّ کُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَ کُلُّ ضَلَالَۃٍ فِیْ النَّارِ“ (مشکوۃ المصابیح/بروایت ابوداود واحمد) ”بدعت سے ہمیشہ بچو، اس لئے کہ بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔“

اور یہ حکیمانہ پیشگوئی بھی فرمائی، ”مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃٌ اِلَّا رُفِعَ بِھَا مِثْلُھَا مِنَ السُّنَّۃِ“ (مسند احمد) ”جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں تو اس کے بقدر کوئی سنت ضرور اٹھ جاتی ہے“ صحابہ کرام اور ان کے بعد ائمہ وفقہائے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجددین و مصلحین اور علمائے ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے ممانعت کی اور اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول ورواج پذیر ہونے سے روکنے کی جان توڑ کوشش کی۔

بعض بدعتوں اور بری رسموں کا بیان

قبروں پر دھوم دھام سے میلہ کرنا، چراغ جلانا، چادریں ڈالنا، پختہ قبریں بنانا، بزرگوں کے راضی کرنے کو قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم کرنا، تعزیہ کو چومنا، چاٹنا، خاک ملنا، طواف یا سجدہ کرنا، قبروں کی طرف نماز پڑھنا، مٹھائی وغیرہ چڑھانا، تعزیہ یا عَلم وغیرہ رکھنا، کسی چیز کو اچھوتی سمجھنا، محرم کے مہینہ میں سوگ کی صورتیں، تیجا، چالیسواں وغیرہ کو ضروری سمجھ کر کرنا، عورت کے دوسرے نکاح کو معیوب سمجھنا۔ نکاح، ختنہ اور بسم اللہ وغیرہ میں وسعت نہ ہونے کے باوجود ساری خاندانی رسمیں کرنا، ہولی دیوالی کی رسمیں کرنا، سلام کی جگہ بندگی وغیرہ کہنا، یا صرف سر پر ہاتھ رکھ کر جھک جانا، دیور، جیٹھ، پھوپھی زاد، خالہ زاد بھائی کے سامنے بے حجابانہ یا کسی اور نامحرم کے سامنے آنا، راگ باجا، گانا سننا، ناچ دیکھنا، نسب پر فخر کرنا، کسی بزرگ سے منسوب ہونے کو نجات کیلئے کافی سمجھنا، کسی کے نسب میں کسر ہو اس پر طعن کرنا، پیشہ کو ذلیل سمجھنا، حد سے زیادہ کسی کی تعریف کرنا، شادیوں میں فضول خرچی اور خرافات کے کام کرنا، ہندوؤں کی رسمیں کرنا، دولہا کو خلاف شرع پوشاک پہنانا، کنگنا، سہرا باندھنا، مہندی لگانا، آتشبازی (پٹاخے) وغیرہ کا سامان کرنا، فضول آرائش کرنا، گھر کے اندر عورتوں کے درمیان دولھا کو بلانا، شیخی سے (بڑائی میں) مہر زیادہ مقرر کرنا، غمی میں چلا کر رونا، منہ اور سینہ پیٹنا، محاسن بیان کر کے رونا، جو کپڑے اس کے بدن سے لگیں سب کو دھلوانا، برس روز تک یا کچھ زیادہ اس گھر میں اچار نہ پڑنا، کوئی خوشی کی تقریب نہ کرنا، مخصوص تاریخوں میں پھر غم کا تازہ کرنا، حد سے زیادہ زیب وزینت میں مشغول ہونا، سادی وضع معیوب سمجھنا، مکان میں تصویریں لگانا، بہت باریک کپڑا پہننا۔ بجتا زیور پہننا، عورتوں کا مردوں کی وضع اختیار کرنا، اور اس کے برعکس، بدن گودوانا، وغیرہ۔

(عقائد کا اکثر حصہ دستور حیات سید ابوالحسن علی الندوی اور بہشتی زیور سے ماخوذ ہے بعض دیگر کتب سے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین سیدنا محمدنِ النبنی الامی و علی اٰل محمدو صحبہ اجمعین امابعد

کتاب الطہارۃ (پاکی وصفائی کابیان)

باب۔ پاک پانی

ارشاد خداوندی ہے ”وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْراً“ (الفرقان ۴۸) ترجمہ:-”اور ہم نے آسمان سے پاکی حاصل کرنے کا پانی اتارا“

حدیث: آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت ہے“ (رواہ احمد عن جابر مشکوۃ ج/۱، ص ۳۹)

اسی طرح صحیح مسلم شریف کی ایک طویل روایت میں آپ ﷺ نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔

لفظ ”طہارت“ عربی لغت میں نظافت کیلئے اور حسی میل اور معنوی عیب سے صاف ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً نجاست، تھوک، بلغم، حسد، کبر، بغض وغیرہ سے پاک وصاف ہونا اور شرعاً وضو غسل، تیمّم، اور نجاست کے ازالہ کے لئے اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں (بشری ۱۴/۱) وضو، غسل اور نجاست کے ازالہ کے لئے مطلق پانی (ماء مطلق) کا ہونا ضروری ہے وہ پانی جس میں کوئی لازمی قید نہ ہو اسے مطلق پانی کہیں گے۔

(اگر لازمی قید آجائے، مثلاً گلاب کا پانی۔ شکر کا پانی وغیرہ تو یہ مطلق نہ ہونے کی وجہ سے طہارت میں استعمال نہیں ہو سکتا، گلاب کے پانی کو آپ صرف پانی نہیں کہہ سکتے، لہٰذا اس قید کو قید لازم کہیں گے البتہ کنویں یا ندی یا بارش کے پانی کو آپ بغیر قید کے صرف پانی بھی کہہ دیں گے، معلوم ہوا یہ قید لازمی نہیں اور اسی کو مطلق پانی کہا جائے گا۔)

مستعمل پانی: رفع حدث کے لئے (یعنی وضو یا غسل کے فرض میں) جو پانی استعمال ہو وہ طاہر (یعنی پاک تو) ہے لیکن طہور نہیں (یعنی پاک کرنے والا نہیں لہٰذا ایسے پانی کو پھر وضو وغیرہ کے لئے استعمال نہیں کرسکتے) جو پانی نفل طہارت میں استعمال ہو وہ طہور بھی ہے مثلاً تجدید وضو (باوضو ہوتے ہوئے پھر وضو کرنا) سنت غسل، وضو یا غسل میں دوسری یا تیسری مرتبہ اعضاء کا دھونا، مضمضہ (کلی) کا پانی۔

نفل نماز پڑھنے کے لئے کئے گئے وضو کا پانی اور نابالغ کے وضو کا پانی بھی طہور نہیں ہے۔

جو مستعمل پانی رفع حدث میں استعمال نہیں کرسکتے، اس سے نجاست کا ازالہ بھی نہیں ہوگا (اس پانی سے کسی نجس کپڑے کو اچھی طرح دھویا جائے تب بھی وہ کپڑا شرعاً ناپاک ہی رہے گا، جب تک اس پر طہور پانی نہ بہایا جائے، پاکی حاصل نہیں ہوگی) اگر مستعمل پانی جمع کرنے کے بعد وہ قلتین کی مقدار کو پہنچ جائے تو پھر وہ طہور شمار ہوگا۔

قلتین کی مقدار ص ۱۵ پر آرہی ہے (تقریباً ۱۹۳ کلو پانی) قلتین پانی میں کوئی جنبی (جس کو غسل کی ضرورت ہو) اتر کر غسل کرے تو وہ پانی طہور ہی رہے گا۔ قلتین سے کم پانی میں کوئی جنبی اتر جائے، یہاں تک کہ مکمل بدن پانی میں ہو پھر غسل کی نیّت کرے تو اس کا غسل صحیح ہوا۔ لیکن اب وہ پانی دوسرے کے حق میں مستعمل بن چکا۔ اگر قلتین سے کم پانی میں دو جنبی اشخاص پورے طور پر ڈوب جائیں، پھر

دونوں بہ یک وقت (ایک ہی وقت میں) غسل کی نیّت کریں تو دونوں کا غسل صحیح ہو گا۔

جنبی کا بعض بدن پانی میں اور بعض پانی سے باہر ہو، اور وہ غسل کی نیت کرے، تو داخل حصہ تو پاک ہوا، اسی حال میں اگر بقیہ حصہ کو بھی پانی میں داخل کرے تو مکمل غسل ہو جائیگا، لیکن غسل مکمل کرنے سے پہلے پانی سے الگ ہوا تو وہ پانی مستعمل شمار ہو گا، لہذا بقیہ غسل اس سے حاصل نہیں ہو گا۔

دو جنبی قلیل پانی میں غوطہ لگائیں اور ان میں سے ایک نے پہلے نیت کی تو اس کا غسل تو صحیح ہوا، لیکن دوسرے کے حق میں وہ پانی مستعمل شمار ہو گا۔

دو جنبی کے بدن کا کچھ حصہ پانی میں اور کچھ خارج میں تھا اور دونوں نے ساتھ میں نیت کی تو داخل حصّہ دونوں کا پاک ہوا البتہ خارجی اعضاء کے لئے وہ پانی مستعمل ہو جانے کی وجہ سے کام نہیں دے گا۔

پانی جب تک کسی عضو پر ہی رہے (ابھی جدا نہیں ہوا) تو وہ مستعمل نہیں کہلائے گا (اگر وضو کرنے والا چلو میں پانی لے تاکہ کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھوئے اور چلو سے اسے کہینوں کی طرف بہائے تو اگرچہ ہتھیلی اور آگے کے حصّے کی طہارت حاصل ہو رہی ہے، لیکن ابھی وہ پانی مستعمل نہیں سمجھا جائے گا اور کہنیوں تک دھونے کے لئے کام دے گا۔ یہی پانی نیچے گرنے کے بعد اسے لیکر آپ ہاتھ کا بقیہ حصّہ دھونا چاہیں تو صحیح نہیں ہے۔)

اگر پانی متوضی (وضو کرنے والا) کے ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف بہے تو وہ مستعمل کہلائے گا، یہاں تک کہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف منتقل ہو تو وہ مستعمل ہو چکا۔ مکمل چہرہ دھونے سے پہلے متوضی پانی میں ہاتھ ڈبوئے تو وہ مستعمل نہیں ہو گا، چہرہ مکمل دھونے کے بعد رفع حدث کی نیت سے ہاتھ قلیل پانی میں ڈالے تو وہ مستعمل ہو جائیگا۔ (یعنی ہاتھ کے حدث کو دور کرنے کی نیت سے جب پانی میں ہاتھ ڈالا تو اتنا ہاتھ پاک ہو چکا۔ اور اس استعمال سے وہ پانی مستعمل ہو گیا۔ وضو کے بقیہ اعمال کو اس پانی سے انجام نہیں دے سکتے، البتہ ہاتھ اگر ابھی پانی سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔ تو ان کو کہنیوں تک اندر داخل کرے تو ہاتھ کی طہارت کے لئے یہ کافی ہو گا، اس لئے کہ استعمال کا حکم عضو سے جدائی کے بعد لگے گا اسی طرح ایک مرتبہ چہرہ دھونے کے بعد دوسری یا تیسری مرتبہ بھی دھونے کے ارادے سے ہاتھ پانی میں داخل کرے تو وہ مستعمل نہیں ہو گا)

لیکن مذکورہ صورت میں چلو میں پانی لینے کی نیت سے (تاکہ ہاتھ باہر دھوئے) ہاتھ اندر داخل کیا ہے تو وہ پانی مستعمل نہیں ہو گا۔

اور اگر بغیر کسی نیت کے داخل کیا ہے تو صحیح یہ ہیکہ مستعمل ہو جائے گا لیکن امام بغویؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مستعمل نہیں ہو گا۔

امام شاشیؒ، امام غزالیؒ، امام ابن عبد السلامؒ، ابو عجیلؒ، ابو شکیلؒ اور تعیبیؒ وغیرہ حضرات نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ بلا نیت ہاتھ ڈبونے سے وہ پانی مستعمل نہ ہو گا۔ (ترشیح المستفیدین ص ۱۴)

جنبی جب غسل کی نیت کرے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو محدث (بے وضو) کا چہرہ دھونے کے بعد ہے۔ (یعنی فرض غسل کی نیت کے بعد قلیل پانی میں چلو سے پانی نکالنے کی نیت سے ہاتھ داخل کرے تو صحیح ہے ورنہ پانی مستعمل ہو جائے گا۔)

جو آدمی وضو کی نیت کو فرض نہیں مانتا ہو مثلاً کوئی حنفی، اس کے وضو کا پانی بھی مستعمل ہو گا۔

کسی نے سر کا مسح کرنے کی بجائے سر دھو دیا تو وہ پانی بھی مستعمل ہے، کوئی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرے تب بھی سارا پانی

مستعمل قرار پائے گا۔

فصل: پانی میں کسی دوسری چیز کا گرنا اور شامل ہونا

اس سلسلہ میں ایک عام ضابطہ اور اصول یہ ہے کہ جن چیزوں کے شامل ہونے کے بعد پانی کو صرف پانی (یعنی ماء مطلق) نہیں کہہ سکتے، ایسے پانی سے طہارت ممنوع ہے، ورنہ صحیح ہے۔

جن چیزوں سے پانی کو بچانا آسان ہو (اور عام حالات میں ان چیزوں کے خود بخود پانی میں شامل ہونے کی نوبت نہ آتی ہو،) ایسی چیزوں کے پانی میں گرنے کی وجہ سے پانی میں ہلکا سا تغیر (تبدیلی) آجائے، تو وہ پانی طہور ہی ہے۔ (جبکہ وہ چیز پاک ہو۔)

جو چیز پانی میں شکر، نمک وغیرہ کی طرح گھلتی نہ ہو، بلکہ اپنی حالت پر باقی رہتی ہو، اس کو "مُجاوِر" (پڑوس میں رہنے والا) کہیں گے جیسے لکڑی پتھر وغیرہ۔

تو کسی مجاور کی وجہ سے جو کہ پانی میں مختلط (گھلتا) نہ ہو، زیادہ تغیر آجائے تب بھی وہ طہور ہی رہے گا جیسے لکڑی، تیل، موم وغیرہ کی وجہ سے، کافور کی دو قسم ہیں۔ ایک پانی میں گھلتا ہے۔ دوسرا نہیں گھلتا۔ پہلی قسم کے کافور کی وجہ سے زیادہ تغیر آجائے تو طہارت کے قابل نہیں رہیگا، لیکن دوسری قسم کا کافور لکڑی وغیرہ کے حکم میں ہے۔ جن اشیاء سے پانی کو محفوظ رکھنا عام مدتّ میں ممکن نہ ہو، جیسے پانی کے بہنے یا رکنے کی جگہ میں موجود مٹی، کائی، گندھک، نورہ، (چونے کا پتھر) ھڑ تال وغیرہ، ان اشیاء کی وجہ سے زیادہ تغیر بھی آجائے تو حرج نہیں، پانی طہور ہے۔

پانی میں پیدا ہونے والی مٹی کی وجہ سے تغیر بھی طہارت سے مانع نہیں۔

اسی طرح مدت دراز تک ایک ہی جگہ رکے رہنے سے پانی میں جو تغیر پیدا ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں، گرم کیا ہوا پانی بھی طہور ہے۔

مذکورہ متغیر پانی، سمندری پانی، زم زم کا پانی اور گرم پانی اگر چہ کسی نجس چیز کو جلا کر گرم کیا گیا ہو، کو استعمال کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔

زیادہ گرم یا زیادہ سرد پانی استعمال کرنا مکروہ ہے۔

ماء مشمس: حوض اور تالاب کا پانی سورج کی تپش سے گرم ہو تو بالاتفاق اس کا استعمال مکروہ نہیں ہے۔ البتہ کسی برتن کا پانی سورج کی تپش اور دھوپ سے گرم ہو تو ان شرائط کے ساتھ مکروہ تنزیہہ ہے (سورج کی تپش سے گرم ہونے والے پانی کو مشّمس پانی کہیں گے۔)

(۱) علاقہ گرم ہو (۲)۔ برتن کا مادہ ایسا ہو جسے ڈھال کر بنایا جاسکتا ہو جیسے تانبا (ہتھوڑے وغیرہ سے کوٹ کر جس کو پھیلا سکتے ہو عموماً دھات اس میں آجائے گی) لیکن سونا چاندی اس سے مستثنٰی ہیں۔ (۳)۔ بدن میں استعمال کیا جائے (کپڑا وغیرہ دھونے میں استعمال کرنا مکروہ نہیں) یہی پانی ٹھنڈا ہونے کے بعد اس کی کراہت ختم ہو جائے گی۔

(دلیل کے اعتبار سے امام نوویؒ نے عدم کراہت کو زیادہ ترجیح دی ہے، مگر شافعی مسلک کے اعتبار سے کراہت کا قول راجح ہے، کیونکہ امام شافعی اور دار قطنی وغیرہ نے بسند صحیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس پانی سے غسل کی کراہت کو روایت کیا ہے)

متفرق: مذکورہ بالا صورت میں دھوپ کی شدت کی وجہ سے برتن سے ذرات جدا ہو کر پانی میں شامل ہوتے ہیں، جو گرمی کی حالت میں بدن سے چھو جائے تو چمٹ کر برص (سفید داغ) کی بیماری کا سبب بن سکتا ہے اور یہی سبب کراہت ہے۔ اگر کسی کو عادل طبیب (ڈاکٹر) کے کہنے سے مشمس پانی کے استعمال کی وجہ سے برص ہونے کا غالب گمان ہو، تو پھر اُسے اس پانی کا استعمال حرام ہے۔

مٹی کے پکے ہوئے برتن میں، سرد یا معتدل علاقہ میں، بدن کے علاوہ کپڑے زمین یا کھانے وغیرہ میں اور اسی طرح ٹھنڈا ہونے کے بعد مشمس پانی کا استعمال مکروہ نہیں ہے (فتح الوہاب مع الجمل ۱/۳۶)

جن اشیاء کے پانی میں شامل ہونے کی نوبت عموماً نہیں آتی مثلاً زعفران ایسے اشیا کی وجہ سے پانی میں اتنا تغیر آجائے کہ اب وہ ماء مطلق نہیں کہلائے گا، تو وہ طہور نہیں ہے۔

اگر کسی نے پانی نہ پینے کی قسم کھالی ہو تو اس حد تک متغیر پانی کے پینے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

پانی کے مزہ، رنگ، یا بو میں سے کسی ایک وصف کا بدل جانا کافی ہے۔ قصداً مٹی پانی میں پھینکنے سے تغیر آیا ہو تب بھی وہ طہور ہے۔

پانی سے بننے والے نمک کی وجہ سے اگر تغیر پیدا ہو تو حرج نہیں، دیگر نمک مضر ہوں گے۔ درختوں کے پتے پانی میں گر کر تغیر پیدا کریں، چاہے ریزہ ریزہ ہوں یا نہ ہوں تو وہ طہور ہے۔ اور قصداً پتے پانی میں پھینکے گئے اور اس کی وجہ سے تغیر پیدا ہو تو یہ مضر ہے۔

سیال کی آمیزش (تقدیری تغیّر)

قلیل یا کثیر پانی میں ایسا پاک مائع (بہنے والی چیز، سیال) شامل ہو جائے، جو صفات میں پانی کی موافق ہو، (پانی سے الگ اس میں کوئی رنگ یا مزہ یا بو نہ ہو) جیسے گلاب کا پانی جس کی خوشبو ختم ہو چکی ہو، درخت کا پانی، مستعمل پانی وغیرہ تو مذکورہ مائع کی مقدار اتنی ہو کہ اگر اس کا مزہ یا رنگ یا بو پانی کے مخالف ہوتا، تو پانی میں موئثر تغیر پیدا کرتا۔ (یعنی ایسا تغیر جو سابقہ تفصیلات کی روشنی میں طہوریت کو ختم کرنے والا ہو) تو اس پانی کی طہوریت ختم ہو جائے گی۔ (اس تغیر کو تقدیری تغیر کہیں گے۔)

(مذکورہ مائع کو اوسط درجہ میں پانی کے مخالف اوصاف والا سمجھ کر چلیں گے اور اگر نجس چیز شامل ہو رہی ہے تو اشد درجہ میں پانی کا مخالف تصور کریں گے۔) اور پانی کے مقابلہ میں اس مائع کی مقدار اتنی ہو کہ اوصاف میں مخالف تصور کرنے کے باوجود تغیر موئثر پیدا نہیں کرے گا، تو پانی طہور ہے اور اس صورت میں مکمل پانی طہارت میں استعمال کر سکتے ہیں، مائع کی مقدار کو آخر میں باقی رکھنے کی ضرورت نہیں۔

کسی کے پاس اتنا پانی ہو کہ طہارت کیلئے ناکافی ہو اور تھوڑا سا مائع ملا لینے کی صورت میں کافی ہو جاتا ہو تو ملا لینا لازم ہے، لیکن اگر مائع کی قیمت طہارت کیلئے درکار پانی کی قیمت سے زیادہ ہو تو ملانا ضروری نہیں، اس فصل میں مذکورہ مسائل میں پانی کے قلتین سے کم زیادہ ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔ (سارے ہی صورتوں کا یہی حکم ہوگا) پانی کو جوش دینے کی وجہ سے بخارات (بھاپ) بلند ہو اور پھر وہ پانی میں تبدیل ہو تو وہ پانی بھی طہور ہے۔ لیکن اگر کسی دوسرے مائع کے بخارات سے ٹپکا ہوا پانی ہو تو طہور نہیں ہے جیسا کہ پسینہ طہور نہیں ہے۔

باب۔ نجاستوں اور نجس پانی کے بیان میں

نجاست لغت میں ہر گندگی کو کہا جائیگا، شریعت میں نجاست سے ایسی گندگی مراد ہے جس کی موجودگی میں عام حالات میں نماز صحیح نہیں ہوتی۔

نجاست کی دو قسمیں ھیں: (۱) نجاست حکمی جو اپنے محل سے آگے بڑھ جائے جیسے جنابت۔ (۲) نجاست عینیہ جو اپنے محل سے تجاوز نہ کرے (پیشاب وغیرہ) جس نجاست عینیہ کا کوئی اثر باقی نہ ہو۔ (جیسے پیشاب کپڑے پر لگ جائے جس میں نہ بدبو ہے نہ مزہ نہ رنگ) اس کو بھی نجاست حکمیہ کہتے ہیں (جمل ۱/۱۶۸)

ساری اشیاء کی ہم دو تقسیم کر سکتے ہیں ۱۔ جماد ۲۔ حیوان

جماد کا مطلب جو نہ حیوان ہو نہ حیوان تھا نہ کسی حیوان کا جزء ہے نہ کسی حیوان سے نکلا ہے۔

شراب اور نشہ لانے والی نبیذ کے علاوہ سارے جَمادات پاک ہیں۔ حیوانات میں کُتا، خنزیر (سور) اور ان دونوں سے کسی ایک کے بھی دوسرے جانور سے ملاپ کی وجہ سے جو پیدا ہو نجس ہیں۔ اس کے علاوہ سارے جاندار اپنی زندگی میں پاک ہیں۔ مردار میں پیدا ہونے والے کیڑے بھی پاک ہیں۔ جن حیوانات کو شرعی طریقے سے (ذبح شکار وغیرہ کے ذریعے) حلال نہ کیا گیا ہو اور روح نکل چکی ہو تو اس کو مردہ (مَیْتَۃْ) کہا جائیگا۔ (جمل ۱/۱۷۳)

مردار میں صرف مچھلی، ٹڈی اور انسان پاک ہیں کسی جانور کو ذبح کرنے کے بعد پیٹ سے مردہ جنین برآمد ہو، تو وہ بھی پاک ہے۔

(خلقت مکمل ہونے کے بعد برآمد ہونے والے جنین کو اپنے ماں کے تابع سمجھتے ہوئے کھانا جائز ہے لیکن علقہ اور مضغہ کا کھانا ناجائز ہے) (جمل ۱/۱۷۳)

شرعی طریقہ سے شکار کئے ہوئے جاندار کو ذبح کرنے کا موقع نہ ملے اور مر جائے، تب بھی وہ پاک ہے۔ (اور اس کا کھانا حلال ہے۔)

اس کے علاوہ سارے مردار نجس ہیں۔ مردار کے تمام اجزاء (ہڈی بال، اون وغیرہ) نجس ہیں۔ کیونکہ ان سب میں زندگی ہوتی ہے (مغنی المحتاج، ج ۱/۷۸)

وہ جاندار جن کو اگر زندگی میں کاٹا جائے تو ان کے بدن سے خون نہ بہے (یا تو خون نہ ہونے کی وجہ سے یا اس لئے کہ معمولی سا ہے، بہنے جیسا نہیں) جیسے مکھی وغیرہ، ان کا مردہ بھی نجس ہی ہے، لیکن یہ پانی یا دوسری سیال چیز میں گر جائے (اور اس میں کوئی تغیر اس مردار کی وجہ سے پیدا نہ ہو) تو وہ سیال چیز نجس نہیں ہو گی۔ البتہ کسی نے اس طرح کے مردہ کو پانی وغیرہ میں ڈال دیا تو وہ نجس ہو جائے گا۔ اگر اس طرح کے مردوں کی کثرت کی وجہ سے تغیر پیدا ہو تو پھر وہ پانی یا مائع نجس ہو جائیگا۔ (مغنی المحتاج ۱/۷۸) حدیث: "اگر کسی کے برتن میں مکھی گرے تو اسے مکمل ڈبو کر پھر نکال دو، کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے، اور دوسرے میں شفا ہے" (بخاری) بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے: "وہ اپنے بچاؤ کے لئے بیماری والا پر آگے کرتا ہے۔" (ابوداؤد، ابن خزیمہ، ابن حبان، تلخیص ۱/۳۷)

سرکہ یا سیب وغیرہ پھل میں جو کیڑے پڑتے ہیں ان کا مردار بھی نجس ہے۔

البتہ اس کی وجہ سے وہ چیز نجس نہ ہو گی، کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے، نیز ان اشیاء کو ان کیڑوں سمیت کھانا جائز ہے کیونکہ اسے جدا کرنا کافی دشوار ہے۔ جن جانوروں کو کھانا حرام ہے انھیں ذبح کیا جائے تب بھی وہ نجس ہیں (مغنی المحتاج ۱/۷۸)

حیوان کے اجزاء کا حکم

ایک عام اصول یہ ہے کہ کسی بھی زندہ حیوان سے جو حصّہ جدا ہو وہ نجس ہے، حدیث: "زندہ (جانوروں کے بدن) سے جو (حصہ) جدا کیا جائے وہ مردہ (کے حکم میں) ہے (احمد، ترمذی، حاکم وغیرہ۔ تلخیص ۱/۳۹) البتہ مندرجہ ذیل اشیاء اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱)۔ "ماکُول اللّحم" (جن جانوروں کا گوشت کھانا جائز ہے۔) حیوانات کے بال، اون اور پرَ جو زندگی میں کاٹ لئے گئے ہوں یا خود بخود جھڑے ہوں۔ (۲)۔ انسان کے بال (۳)۔ انسان، مچھلی اور ٹڈی کے بدن کا کوئی بھی حصّہ ۴۔ انسان کا مشیمہ (وہ جھلی جس میں بچہ ہوتا ہے۔)

حیوان کے باطن سے نکلنے والی اشیاء کا حکم

لعاب (تھوک) آنسو، پسینہ اور بلغم کا وہی حکم ہو گا جو اس حیوان کا ہے۔ اگر حیوان نجس ہو تو مذکورہ اشیاء بھی نجس، ورنہ طاہر (کتّے اور سور کا تھوک وغیرہ بھی نجس ہے، مویشیوں وغیرہ کا تھوک، پسینہ سب پاک ہے۔)

خون، پیشاب، پاخانہ، بیٹ اور قئ جیسی چیزیں تمام حیوانات کی نجس ہیں۔ آپ ﷺ کے بدن اطہر سے نکلے ہوئے ان فضلات کو بھی جمہور نے نجس کہا ہے۔

لیکن امام بغوی قاضی، سبکی، بارزی، زرکشی، ابن الرفعہ، بلقینی، حافظ ابن حجر اور رملی وغیرہ حضرات نے اس کے برعکس طہارت کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (حاشیہ الجمل ۱/۱۷۴)

مچھلی اور ٹڈی کا خون اور بیٹ، ایسے جانداروں کا پاخانہ جن میں بہنے والا خون نہ ہو، اور تلی اور جگر سے ٹپکنے والا خون نجس ہے۔

"ما کول اللحم" (جن کا گوشت جائز ہے۔) جانوروں کا دودھ پاک ہے۔ اور "ماکول اللحم" (جن کا گوشت جائز نہیں) ان جانوروں کا دودھ نجس ہے۔

کتّے اور سّور اور ان کے فرع کی منی ناپاک ہے۔ انسانوں سمیت بقیہ سارے جانداروں کی منی پاک ہے۔

انڈے پاک ہیں، چاہے "غیر ماکول اللحم" پرندے کے ہوں۔

مشک پاک ہے، مشک کا نافہ اگر ہرنی کی زندگی میں جدا ہوا ہو تو پاک ہے ورنہ نجس ہے۔ جو کھیتی اور پودے نجاست پر اُگے ہیں نجس العین نہیں، لیکن نجاست کے لگنے سے نجس ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا دھونے سے پاک ہو جائیں گے۔ ان پودوں کی بالیوں میں تیار ہونے والے دانے پاک ہیں۔

پیپ نجس ہے، اسی طرح زخموں کا پانی اگر متغیّر ہو تو نجس ہے، ورنہ نہیں۔ نجاست کا دھواں بھی نجس ہے۔

عورت کے فرج (اگلی شرمگاہ) کی رطوبت (تری) علقہ (جما ہوا خون) اور مضغہ پاک ہیں۔ صفراء اور جگالی نجس ہیں۔

نیند کی حالت میں منہ سے بہنے والی رال حلق کے کوے سے نکلے تو پاک ہے اور معدے سے نکلے تو نجس ہے۔ طویل نیند کی صورت میں رال بہنا بند ہو تو وہ کوّے سے نکلنے والا سمجھا جائے گا، اگر شک ہو تو نجس نہیں سمجھیں گے، البتہ احتیاطاً دھو دینا بہتر ہے۔

جس شخص کو ہمیشہ نیند کی حالت میں کثرت سے رال کی شکایت ہو، باوجود نجس ہونے کے اس کے حق میں اسے معاف رکھا جائے گا۔

دانہ کسی جانور کے کھانے کے بعد پاخانہ میں صحیح سالم نکل آئے اور اس کی سختی اس حد تک باقی ہو کہ بونے کی صورت میں اُگ سکتا ہے تو وہ دانہ پاک ہے۔ صرف اوپری حصّہ دھو دینا ضروری ہے۔

لیکن اب دوبارہ اُگنے کے قابل نہیں رہا تو نجس العین ہو چکا۔

فصل: ٹھہرا ہوا پانی

اگر کسی جگہ ٹھہرا اور رکا ہوا پانی (خواہ برتن میں ہو یا حوض میں و تالاب اور گڑھے وغیرہ میں) قلتین (دو قلہ) یا اس سے زائد ہو تو اسے کثیر کہیں گے اور دو قلہ سے کم ہو تو اسے قلیل کہا جائے گا۔

قلتین (دو قلہ) کی مقدار = قلتین ۵۰۰ رطل بغدادی کے مساوی ہوتا ہے۔ اگر کسی مکعب کے ہر ضلع کے لمبائی ۶۰، سینٹی میٹر ہو تو یہ

قلتین کے مساوی ہو گا (ضمیمہ عمدۃ السالک) لمبائی، چوڑائی اور گہرائی سوا ذراع (ایک ہاتھ اور پاؤ ہاتھ) ہو تو یہ قلتین کی مقدار ہے (ایک ذراع=۴۸ سینٹی میٹر) کلو گرام کے اعتبار سے قلتین (۱۹۲ء۸۵۷) کلو گرام ہو گا (الفقہ المنہجی ۱/۳۴)

حدیث: اگر پانی قلتین (کی مقدار) ہو تو وہ نجس نہ ہو گا۔ (الشافعی، احمد سننِ اربعہ ابن خزیمہ، بیہقی، ابن حبان، حاکم، دار قطنی تلخیص ۱/۲۸)

قلیل اور کثیر پانی کی یہ حد صرف تقریبی ہے لہٰذا قلتین میں اگر ایک دو رطل کی کمی بھی ہو تو اس پر قلتین اور کثیر کا حکم لگایا جائے گا۔ کسی پانی میں نجاست گرے اور اسکے دو قلہ ہونے میں شک ہو تو پانی نجس نہیں ہو گا، بلکہ اپنی طہارت پر باقی رہے گا۔

نجاست موثرہ (اثر کرنے والی یعنی جو معاف نہ ہو) اگر قلیل پانی میں مل جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا، چاہے نجاست کی وجہ سے پانی میں کوئی تغیر نہ پیدا ہوا ہو۔ غیر موثرہ نجاست کی وجہ سے پانی نجس نہیں ہو گا، جیسے وہ مردار جس میں بہنے والا خون نہ ہو اور ایسی نجاست جو عام نظروں سے دکھائی نہ دے۔ اور بلی کا منہ نجس ہونے کے بعد وہ ہماری نظروں سے اوجھل رہی ہو پھر آکر پانی میں منہ ڈال دے اور اس مدت میں اس کے منہ کی طہارت کا احتمال بھی ہو (تو اس کے منہ ڈالنے سے پانی نجس نہ ہو گا) کثیر پانی میں نجاست گرنے سے تغیر پیدا ہو جائے تو بالا جماع پانی نجس ہو جائے گا۔ تغیر کم ہو یا زیادہ۔ مزہ، رنگ، بو میں سے کوئی بھی وصف متغیر ہو۔ چاہے گرنے والی نجاست مخالط (گھلنے والی) ہو یا مجاوِر (جو پانی میں نہ گھلے) (ہر حال میں وہ پانی نجس ہو جائے گا) نہر کے کنارے پانی سے جدا مردہ پڑا ہوا ہو اور اس کی وجہ سے پانی میں بدبو محسوس ہو تو وہ پانی نجس نہیں ہے اس لئے کہ نجاست پانی سے جدا ہے۔

نجاست کے باوجود کثیر پانی میں تغیر نہ ہو، نجاست کی مقدار کم ہونے اور پانی میں فنا و نابود ہونے کی وجہ سے، تو وہ پانی نجس نہیں ہو گا۔ اور سارا پانی استعمال کرنا صحیح ہے۔ (یعنی قلتین میں ایک لیٹر پیشاب شامل ہو گیا اور پھر بھی کوئی تغیر نہ آیا تو اب مکمل پانی کا استعمال کرنا درست ہے آخر میں ایک لیٹر باقی رکھنے کی ضرورت نہیں جو کہ شامل ہونے والے پیشاب کی مقدار ہے۔) نجاست کے اوصاف پانی ہی کی طرح ہونے کی وجہ سے تغیر نہیں پیدا ہو رہا ہے، تو اس نجاست کو پانی کے مخالف اوصاف کا تصور کر کے اندازہ لگانا ضروری ہے۔

(اس اندازے کی تفصیل صفحہ ۸۶ پر تقدیری تغیر کے نام سے گذر چکی ہے) پانی میں نجاست کے گرنے کی وجہ سے کچھ پانی متغیر ہوا اور کچھ نہ ہوا تو ایسی صورت میں اگر غیر متغیر پانی کی مقدار کم از کم قلتین ہے تو اتنا حصہ پاک ہی رہے گا۔ نجاست کی وجہ سے متغیر ہونے والے کثیر پانی کا تغیر اگر بذات خود (بغیر کسی چیز کے ملائے) زائل (ختم) ہو جائے تو پھر وہ پانی پاک ہو جائے گا۔

پانی میں مشک ملانے کی وجہ سے نجاست کی بدبو ختم ہو جائے یا سرکہ ملانے سے نجاست کا مزہ ختم ہو جائے یا زعفران ملانے سے نجاست کا رنگ زائل ہو جائے تو ان صورتوں میں پانی پاک نہیں ہو گا۔

اسی طرح مٹی اور گچ وغیرہ کی وجہ سے تغیر کا زوال بھی کافی نہیں۔ نجاست اتنی قلیل مقدار میں ہو کہ معتدل بینائی سے نظر نہ آئے تو پانی اور کپڑے دونوں میں معاف ہے، جیسے پیشاب کا باریک قطرہ، مکھی کا نجاست پر بیٹھنے کے بعد اڑ کر پانی یا کپڑے سے چھونا۔ نجس قلیل پانی میں پانی کے علاوہ کسی اور چیز کے ملانے سے وہ قلتین تک پہنچ جائے تب بھی پاک نہیں ہو گا بلکہ قلتین سے کم پاک پانی میں گلاب کا پانی ڈال کر قلتین تک پہنچایا جائے پھر اس میں کوئی نجاست گر جائے تو بھلے ہی پانی میں تغیر نہ آئے پانی نجس ہو جائے گا۔ صرف پانی کی مقدار اگر قلتین ہے تو پھر بغیر تغیر کے نجاست اس پر اثر انداز نہیں ہو گی۔

قلتین سے کم نجس پانی میں دوسرا پانی چاہے وہ مستعمل ہو یا غیر مستعمل پاک ہو یا نجس۔ شامل کر کے قلتین کی مقدار ہو جائے اور پانی میں کوئی تغیر نہیں ہے۔ تو یہ پانی اب مطہر ہو گیا۔ (وضو، غسل وغیرہ میں اسے استعمال کر سکتے ہیں۔) اگر نجاست کی وجہ سے تغیر ابھی باقی ہو، یا ابھی تک قلتین سے کم ہی مقدار ہو، تو پھر سارا پانی نجس ہی رہے گا۔

مذکورہ جن صورتوں میں قلتین تک پہنچنے کے بعد پانی طہور ہو جاتا ہے،، بعد میں تقسیم یا استعمال کی وجہ سے مقدار قلتین سے کم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، بلکہ پانی طہور ہی رہے گا۔

ٹھہرے ہوئے کثیر پانی میں جامد نجاست (ٹھوس نجاست جو پانی میں گھلے نہیں جیسے مردہ) گرے تو اس پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ نجاست اور طہارت کے مسائل میں کنویں کے پانی کا حکم بھی دوسرے پانی کی طرح ہے۔ لہٰذا کنویں کا قلیل پانی نجس ہو جائے تو پانی بڑھکر جب قلتین تک پہنچ جائے اور نجاست کا اثر نہ ہو تو طہور ہو گا۔ چاہے پانی کنویں سے ہی نکلے یا باہر سے ڈالا جائے۔ اور اگر کثیر پانی تغیر سے نجس ہو جائے تو خود بخود یا مزید پانی کے ملانے سے تغیر ختم ہو جائے تو طہور ہو گا، اسی طرح پانی کے گھٹانے سے تغیر ختم ہو اور بقیہ پانی قلتین سے کم نہ ہو تو طہور ہو جائے گا۔

پانی کے علاوہ دیگر مائع اور سیال اشیا میں نجاست کے گرنے سے وہ نجس ہو جائے گا، چاہے قلیل ہو یا کثیر، پانی میں ہی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی قوت کی وجہ سے کثیر ہونے کی صورت میں وہ نجس نہیں ہوتا۔

کسی کنویں سے وضوء کرتا رہا پھر اس میں پھولی ہوئی مرغی ملی، تو جو نمازیں بالیقین کنویں کا پانی نجس ہونے کے بعد اس سے وضو کر کے پڑھی ہیں، صرف انہیں کا اعادہ کافی ہے۔

نجاست کا ازالہ (نجاست دور کرنا)

نجس کی دو قسمیں ھیں۔ (۱) نجس العین (۲) غیر نجس العین

(نجس العین سے مراد وہ اشیاء ہیں جو بذات خود ہی نجس ہوں۔ کسی نجاست کے لگنے سے نجس نہیں ہوئیں۔ جیسے پیشاب، پاخانہ، خون وغیرہ، اور غیر نجس العین سے مراد وہ نجس اشیاء ہیں جو اپنے اصل کے اعتبار سے تو پاک ہیں، لیکن نجاست کے لگنے کی وجہ سے نجس ہوئی ہیں۔ جیسے۔ کپڑا جس پر پیشاب لگا ہو۔)

نجس العین میں سے صرف دو ہی چیزیں پاک ہو سکتی ہیں۔

۱) شراب جبکہ سرکہ بن جائے۔

۲) مردار کا چمڑا جبکہ اسے دباغت دیجائے۔

غیر نجس العین کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نجاست حکمیہ (۲) نجاست عینیہ

(۱) جس نجاست کا ہونا یقینی ہے، لیکن کسی طرح محسوس نہیں ہوتی، اسے نجاست حکمیہ کہیں گے۔ جیسے کپڑے پر پیشاب لگ کر خشک ہو چکی ہو۔ اور اس کی بدبو یا کوئی اور اثر باقی نہیں ہے، ایسی نجاست کے اوپر ایک مرتبہ پانی بہانا کافی ہے۔ وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی پانی بہانا سنت ہے۔

(۲) جس نجاست کا اثر باقی ہو، اسے نجاست عینیہ کہا جائے گا۔

اس کے رنگ اور بو اور مزہ میں سے جو بھی اثرات موجود ہوں، اس کے مکمل ازالہ کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ باوجود کوشش کے نجاست کا مزہ باقی ہو تو ابھی جگہ پاک نہیں ہوگی۔ اچھی طرح دھونے کے باوجود رنگ یا بو میں سے کوئی ایک وصف باقی ہو تو حرج نہیں ہے، جگہ پاک ہو جائے گی، البتہ دونوں باقی ہوں تو وہ جگہ پاک نہ ہوگی۔

(اگر صرف پانی سے نجاست کے اثرات کا ازالہ ہو جاتا ہو تو دوسرے اشیاء کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن صابون وغیرہ کے بغیر ازالہ ناممکن ہو تو پھر اس کا استعمال بھی ضروری ہوگا۔) (جمل ۱/۱۹۲)

اچھی طرح دھو کر جب عین کا ازالہ ہو جائے (یعنی نجاست کے سارے اثرات حسب بالا ختم ہو جائیں) تو دوسری اور تیسری مرتبہ دھونا سنت ہے۔

طہارت کے حصول کیلئے دھونے کے بعد کپڑے وغیرہ کو نچوڑنا ضروری نہیں ہے۔

ازالہ کی کیفیت۔ قلیل پانی کا نجس مقام پر ڈالنا و بہانا اور گرانا (یا خود بخود گرنا) ضروری ہے۔ اسکے برعکس نجس چیز کو قلیل پانی میں ڈال دیا تو طہارت حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ وہ پانی بھی نجس ہو جائے گا۔

(مثلاً ڈول میں قلتین سے کم پانی ہے اور نجس کپڑا اس ڈول میں ڈبو دیا تو پانی بھی نجس اور کپڑا بھی پورا نجس، لیکن ڈول کے پانی کو کپڑے پر گرا کر دھویا تو پاکی حاصل ہو جائے گی۔) (کثیر پانی میں نجس چیز کو ڈبو کر بھی دھویا جائے تو پاکی حاصل ہو جائے گی، لیکن پانی میں تغیر کا پیدا نہ ہونا ضروری ہے۔)

متفرق مسائل: زمین پر پیشاب ہو تو اس پر اچھی طرح پانی بہاوے، جو کہ اس پر غالب آئے اور اسے ڈھانک لے تو طہارت حاصل ہوگی۔

چکنی چیز جیسے تلوار، چھری، آئینہ وغیرہ پر نجاست لگ جائے تو صرف پونچھنے سے وہ پاک نہ ہوگی، بلکہ دھونا ضروری ہے۔

نجس پانی میں پکایا ہوا گوشت ظاہراً اور باطناً نجس ہو جائے گا۔ گوشت کو اوپر سے اچھی طرح دھونے سے اندر بھی پاک ہو جائیگا۔

چھری کو خوب گرم کر کے نجس پانی اس پر ڈال دیا گیا اور اس نے اس کو جذب کر لیا تو چھری نجس ہو گئی، بعد میں اوپر سے اچھی طرح پاک پانی سے دھو دینے سے وہ پاک ہو جائے گی۔ بدن پر لگی ہوئی نجاست کو جلد از جلد دور کرنا مستحب ہے۔ نماز وغیرہ کی ادائیگی کے ارادہ کے وقت واجب ہے، نجاست کے بدن پر لگانے میں اگر وہ گنہگار ہے، تو پھر فوراً اس کا ازالہ ضروری ہے۔

امام متولی وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب پانی نجاست پر وارد ہوتا ہے (واقع ہوتا ہے) تو اس میں قوت ہوتی ہے لہٰذا نجاست پر لگنے کے بعد بھی نجس نہیں ہوگا، بلکہ مطہر ہی رہے گا۔ لہٰذا اگر پانی کو کپڑے کے نجس حصہ پر گرا دیا جائے جس کی وجہ سے رطوبت (تری۔ گیلا پن) پھیل جائے تو وہ جگہ نجس نہ ہوگی۔

پانی کو کسی نجس برتن میں ڈال دیا اور نجاست سے وہ متغیر نہ ہو تو وہ طہور ہی رہے گا۔ بعد میں برتن میں چاروں طرف پانی کو پھرائے تو سب پاک ہو جائے گا۔

نجاست کی وجہ سے کپڑا دھو کر نچوڑنے کے بعد اس پر دوبارہ نجاست گرے تو صرف اتنی جگہ کا دھونا کافی ہے مکمل کپڑا دھونے کی ضرورت نہیں۔

نجاست کے ازالہ اور دور کرنے کیلئے غسل یعنی دھونا اور محل نجاست پر پانی کا بہانا ضروری ہے۔ (صرف مسح یا چھڑکاؤ کافی نہیں ہے۔)

لیکن وہ لڑکا جس کی عمر دو سال سے کم ہو، اور غذا کے طور پر دودھ کے علاوہ کوئی اور چیز کھاتا پیتا نہ ہو، اسکے پیشاب پر اتنا پانی چھڑکنا کہ پیشاب کے سارے محل کو گھیرے اور اس پر غالب ہو جائے کافی ہے، جگہ پاک ہو جائے گی۔ اتنا پانی ڈالنا کہ بہنے لگے ضروری نہیں۔(فتح الوہاب مع الجمل ۱/۱۸۸)

لڑکی کے پیشاب کو دوسری نجاستوں کی طرح دھونا ہی ضروری ہے۔

احادیث: (۱) حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا اپنے ایک چھوٹے بیٹے کو جس نے ابھی کھانا شروع نہ کیا تھا، آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں تو آپ ﷺ نے اسے اپنے گود میں بٹھایا تو اس نے پیشاب کر دیا، تو آپ ﷺ نے پانی منگوا کر اس پر چھڑک دیا اور اسے دھویا نہیں۔(بخاری و مسلم)

(۲) آپ ﷺ نے فرمایا" لڑکی کا پیشاب لگ جائے تو دھویا جائے گا، اور لڑکے کے پیشاب کی وجہ سے پانی چھڑک دیا جائے گا"(ترمذی و حسنہ والحاکم و صححہ۔الفتح مع الجمل ۱/۱۸۹۔شرح التنبیہ للسیوطی ۱/۸۷)

کتے اور خنزیر کی نجاست دور کرنے کا طریقہ

حدیث: "کُتا کسی کے برتن سے پیئے تو اسے سات مرتبہ دھوڈالے"(متفق علیہ) مسلم کی روایت میں مزید ہے،،"اس میں پہلی مرتبہ مٹی سے"(تلخیص)،"کتے نے کسی چیز میں منہ ڈالا، یا اس کے خون یا پیشاب یا پسینہ یا بال یا کسی اور جز اور فضلہ کی وجہ سے کوئی چیز نجس ہو جائے تو طہارت کے لئے سات مرتبہ دھونا ضروری ہے جس میں ایک مرتبہ پاک مٹی کا ہونا ضروری ہے۔ خنزیر کا حکم بھی کتے ہی کی طرح ہے۔ مٹی کی جگہ صابون یا کوئی اور چیز استعمال کرنا کافی نہیں۔ یا صرف پانی سے آٹھ مرتبہ دھوڈالے تو کافی نہیں ہے۔ ان نجاستوں سے آلودہ کپڑے اور برتن کو صرف ماء کثیر میں ڈبونا کافی نہیں ہے۔ اسی طرح نجس یا مستعمل مٹی کا استعمال کرنا بھی کافی نہیں ہے۔ مٹی کو پانی میں گھول کر اس پانی کو نجس مقام پر بہائے۔ صرف مٹی کو نجس مقام پر رکھنا کافی نہیں ہے۔(بلکہ رکھنے کے بعد اس پر پانی کا بہانا ضروری ہے) ایک ہی برتن میں کتّے نے کئی مرتبہ منہ ڈالا، یا کئی کتوں نے منہ ڈالا، تب بھی سب کی طرف سے سات مرتبہ مذکورہ طریقہ سے دھونا کافی ہے۔ کتے کی نجاست کے ساتھ کوئی اور نجاست بھی لگی ہو تو سات ہی مرتبہ دھونا کافی ہے۔(اس نجاست کی وجہ سے الگ سے ایک مرتبہ دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔) اگر کتے کی نجاست عینی ہو، جیسے اس کا خون یا پاخانہ تو اس عین کے ازالہ کیلئے جتنی مرتبہ بھی دھونا پڑے گا، وہ ایک شمار ہو گا۔

(مثلاً خون کا رنگ وغیرہ دور کرنے کیلئے پانچ چھ مرتبہ دھونا پڑا تو یہ سب مل کر ایک شمار ہو گا۔ دوبارہ مستقل چھ مرتبہ اور دھونا پڑے گا۔)

مستحب یہ ہے کہ مٹی آخری مرتبہ استعمال نہ کرے، بہتر یہ ہے کہ پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ دھوئے۔(گویا سب سے بہتر پہلی مرتبہ مٹی کا استعمال ہے ورنہ پھر آخری مرتبہ سے پہلے کسی بھی مرتبہ)

مسلم کی حدیث میں پہلی مرتبہ، ابوداود کی روایت میں آخری مرتبہ اور دار قطنی کی روایت میں کسی ایک مرتبہ مٹی کے استعمال کا حکم ہے، لہٰذا کسی بھی مرتبہ میں مٹی شامل کرنا کافی قرار دیا گیا۔(شرح التنبیہ للسیوطی ۱/۸۶) ایسی زمین میں جس پر مٹی ہو، مذکورہ نجاست لگ جائے تو وہاں پھر مٹی استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔

کتے نے ایسے پانی میں منہ ڈالا، جو اسکے پینے کے باوجود دو قلے سے کم نہیں ہوا تو وہ پانی طہور ہی رہے گا اس برتن کو بھی دھونا

ضروری نہیں۔

کتے کی نجاست سے نجس ہونے والی چیز اگر کسی دوسرے مقام پر لگ جائے تو اس مقام کو بھی اسی طرح سات مرتبہ دھونا ضروری ہوگا۔ (جیسے کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے پانی نجس ہوگیا۔ اب وہ پانی کسی کے کپڑے کو لگ جائے تو اس کپڑے کو بھی اسی ترتیب سے سات مرتبہ دھونا پڑے گا۔)

کسی جامد چیز میں کتّا منہ لگائے۔ (جیسے کھانا) تو جن حصوں پر اس کا منہ لگا ہے، الگ کر دینے سے بقیہ چیز اپنی طہارت پر باقی رہے گی۔

جس برتن میں کتے نے منہ ڈالا ہو فی الحال اسے استعمال کرنے کا ارادہ نہ ہو تو فوراً اس نجس پانی کو بہانا کوئی ضروری نہیں ہے۔

نجاست کی وجہ سے متغیر ماء کثیر میں کتے نے منہ ڈالا پھر وہ پانی کپڑے کو لگ گیا تو اسے سات مرتبہ دھونا، جس میں ایک مرتبہ مٹی بھی استعمال کرنا ضروری ہے۔ بلی کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نجس نہیں ہے۔ وہ تمہارے گھر میں چکر لگاتی رہتی ہے۔ (مالک، احمد، سننِ اربعہ) بلی کے جھوٹے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔ اور جس جگہ سے بلی نے ہریسہ (ایک قسم کا کھانا جو گوشت اور کوٹے ہوئے گیہوں کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے) کھایا تھا، اس جگہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی کھایا۔ (ابوداود، مشکوٰۃ ۱/۵۱) ایک حدیث میں بلی کو گھر کے افراد کی طرح قرار دیا۔ (ابن خزیمہ، حاکم-تلخیص ۱/۳۵)

بلّی: بلی کا جسم چونکہ پاک ہے اس لئے اسکا جھوٹا بھی پاک ہے اس میں کوئی کراہت بھی نہیں بلی کا منہ نجس ہونے کے بعد وہ ہماری نظروں سے اوجھل رہی پھر آکر قلیل پانی یا کسی دوسری چیز میں اس نے منہ ڈبویا تو اس صورت میں اگر وہ اتنی دیر غائب رہی ہے کہ کسی اور جگہ پانی میں منہ داخل کر کے اس کے منہ کی پاکی کا امکان ہے تو مذکورہ پانی وغیرہ نجس نہ ہوگا، ورنہ نجس ہو جائیگا۔

نجاست کا دھون (غُسالہ)

(نجاست کے دھلنے میں نکلنے والے پانی کا حکم)

نجاست کو دھو کر پاک کرتے وقت جو پانی نکلے گا۔ اگر نجاست کے اثر سے وہ متغیر ہو تو نجس ہے اگر اس کی مقدار قلتین ہے اور کوئی تغیر بھی نہیں تو وہ پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی ہے۔ قلتین سے کم ہو تو دھونے کے بعد اس نجس جگہ کا جو حکم ہوگا وہی اس غسالہ (دھون) کا بھی حکم ہوگا۔ (دھونے کے بعد جگہ پاک ہو چکی ہے، تو غسالہ بھی پاک ہے، ابھی پاکی حاصل نہیں ہوئی، تو غسالہ بھی نجس ہے۔)

غسالہ میں تغیر تو نہ ہو لیکن نجاست کی وجہ سے اسکا وزن بڑھ چکا ہو تو وہ نجس ہوگا۔

ظروف (برتن)

ظروف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)۔ **کھال سے بنے ہوئے:** کھال دو صورتوں میں پاک ہوتا ہے۔ (الف) "ماکول اللحم" (وہ جانور جنکا گوشت حلال ہے) جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کے گوشت کی طرح کھال بھی پاک ہے۔ غیر ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت حرام ہے) کو ذبح کرنے کے باوجود کھال اور گوشت دونوں نجس ہوں گے۔

جزئیہ: اپاہج گدھے یا کسی اور غیر ماکول اللحم جانور کو اس کے کھال کی دباغت کیلئے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

(ب) مردار کے کھال کو دباغت دی جائے، کتے اور سور اور ان میں سے کسی کی اولاد کے علاوہ تمام مردہ جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم (ان کا گوشت حلال ہو یا حرام) دباغت میں کھال کے فاسد مادے مثلاً گوشت اور خون وغیرہ کو اچھی طرح دور کر کے ایسی حالت میں لانا ضروری ہے کہ بعد میں اگر پانی میں ڈالا جائے تو اس میں بگاڑ اور بدبو نہ پیدا ہو۔

دباغت: دباغت تیز اشیاء جیسے مازو، انار کا چھلکا، درخت سلم کے پتے سے ہونی چاہئے۔ صرف مٹی یا سورج کی دھوپ سے دباغت حاصل نہیں ہوتی۔ دباغت کے دوران پانی کا استعمال ضروری نہیں ہے۔ نجس اشیا جیسے کبوتر کی بیٹ سے بھی دباغت حاصل ہو گی۔ دباغت کے بعد یہ کھال نجس کپڑے کی مانند ہے۔ اب اسے پانی سے دھونے پر وہ پاک ہو جائے گا۔

دباغت سے کھال کا ظاہر و باطن پاک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی خرید و فروخت، تر چیزوں کیلئے استعمال کرنا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ دباغت سے مردار کی کھال پاک تو ہو جائے گی، لیکن اس کا کھانا حرام ہے۔ مردار کی کھال دباغت سے پہلے ہی کراہت کے ساتھ خشک اشیاء کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اس کا ہبہ کرنا اور وصیت کرنا بھی جائز ہے۔

(۲) **بال اور ھڈی:** بال، اون، پر اور ہڈی موت کی وجہ سے نجس ہو جاتے ہیں۔ انسان کے بال موت یا بدن سے جدائی کے بعد بھی نجس نہ ہوں گے۔ نجس بال عرفاً قلیل ہوں تو پانی اور نمازی کے کپڑے میں وہ معاف ہے۔ کھال پر بال ہوں تو دباغت سے وہ بال پاک نہ ہوں گے، لیکن قلیل مقدار میں ہو تو معاف ہے۔

"**ما کول اللحم**" کو شرعی طریقے سے حلال کرنے سے اس کی ہڈیاں بھی پاک ہوں گی ان ہڈیوں سے بنے برتن کا استعمال جائز ہے۔ نجس ہڈیوں کے برتن کو کراہت کے ساتھ خشک اشیاء کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔ (لیکن پانی یا کوئی اور تر چیز ان برتنوں میں ڈالتے ہی نجس ہوں گے۔)

آپ ﷺ نے (حجۃ الوداع میں) سر کا دایاں جانب نائی کے سامنے کیا اور وہ بال حضرت ابو طلحہؓ کو عنایت فرمائے، پھر بایاں سامنے کیا اور اس نے مونڈھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے لوگوں میں تقسیم کرو۔ (متفق علیہ) (خلاصۃ البدر ۱/۲۴)

مردار کی ہڈیوں کو جلانا جائز ہے۔ اگر بال نظر آئے لیکن پاک ہے یا نجس معلوم نہیں تو یہ دیکھئے کہ ماکول اللحم کا ہے یا غیر ماکول اللحم کا، ماکول اللحم کا ہے تو پاک، ورنہ ناپاک ہے۔ یہی اندازہ نہ ہو کہ ماکول اللحم کا ہے یا نہیں تو وہ پاک ہے۔ مردار کی کھال پر دباغت کے بعد بال ہوں تب بھی اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ کا گذر ایک مردہ بکری کے پاس سے ہوا تو فرمایا "اس کی کھال کو دباغت دے کر اس سے نفع کیوں نہ اٹھایا" (متفق علیہ)

(۲) کھال کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم)

(۳) جس کھال کو بھی دباغت دی جائے تو وہ پاک ہے۔ (رواہ الشافعی والترمذی وقال حسن صحیح) (خلاصۃ البدر ۱/۲۳)

(۳) **سونے اور چاندی کے برتن:** سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال مرد و عورت دونوں پر حرام ہے، ان برتنوں سے کھانا پینا وضو کرنا، چاندی کے چمچے سے کھانا، چاندی کی بوتل سے گلاب پانی کی خوشبو کا استعمال اور چاندی کی انگیٹھی (عود سوز) سے دھونی لینا سب حرام ہے۔ دور سے خوشبو آ رہی ہو تو حرج نہیں۔

حدیث: "سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا منع ہے" (متفق علیہ) (خلاصۃ البدر ۱/۲۵)

مذکورہ برتنوں کے استعمال کے بغیر صرف ان کا بنانا اور رکھنا بھی حرام ہے۔ لہٰذا ان کا بنانے والا اُجرت کا مستحق بھی نہیں۔ اور کوئی اس طرح کے برتن کو توڑ ڈالے تو اس پر کوئی تاوان بھی نہیں آئے گا۔ اور ان سے گھر وغیرہ کو مزین کرنا بھی حرام ہے۔ چھوٹا اور معمولی سا برتن مثلاً سرمہ دانی، عطر دانی وغیرہ بھی سونے چاندی کا حرام ہے۔

فیروز، یاقوت اور زبرجد جیسے نفیس جواہرات سے بنے برتن حرام نہیں، البتہ مکروہ ہیں۔ اسی طرح کاریگری اور صناعی کی باریکی کے اعتبار سے نفیس اور قیمتی برتن بھی حرام نہیں۔

سونے یا چاندی کا طلا (پانی چڑھانا): کسی چیز پر سونے یا چاندی کا طلا مطلقاً حرام ہے، کم ہو یا زیادہ، عورت کا زیور ہو یا کوئی اور شئ۔

اس طرح طلا شدہ چیز کے استعمال کا حکم یہ ہے کہ اگر آگ پر تپانے سے سونا چاندی بالکل حاصل نہیں ہو سکتا تو جائز ہے۔ اور طلائی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے آگ پر تپانے سے سونا چاندی حاصل ہو سکتی ہے، تو عورتوں کے زیورات کی حد تک ان کو استعمال کی اجازت ہے۔ بقیہ چیزوں میں ایسی صورت میں استعمال بھی حرام ہے۔ آگ کے علاوہ کسی کیمیائی مادّے سے سونے یا چاندی کو جدا کرنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

سونے یا چاندی پر طلا: چاندی یا سونے پر کسی اور دھات کا طلا کیا گیا اور طلا کی مقدار اتنی کم ہے کہ آگ سے اسے جدا کر کے حاصل نہیں کر سکتے تو اس کا استعمال حرام ہے۔ ورنہ جائز ہے سونے یا چاندی کو تنہا یا کسی اور شی میں ملا کر بطور دوائی اور علاج کے استعمال کرنے میں حرج نہیں۔ (کانچ کے گلاس وغیرہ پر بھی سونے یا چاندی کا پانی چڑھانا جائز نہیں ہے۔ اور استعمال کے متعلق مندرجہ بالا تفصیل کو مد نظر رکھے۔)

تضبیب (برتن میں پیوند لگانا)

کسی برتن میں سوراخ وغیرہ کی وجہ سے یا اس کے بغیر کسی دھات کا ٹکڑا چپکا دینا تضبیب (پیوند کاری) کہلاتا ہے۔ اگر چاندی کے ذریعے تضبیب ہو تو اس کا حکم حسب ذیل ہے۔

(۱) چاندی قلیل مقدار میں بقدر حاجت استعمال ہوئی ہو تو اس برتن کے استعمال میں کوئی حرمت یا کراہت نہیں ہے۔

(۲) چاندی زیادہ مقدار میں اور حاجت سے زائد ہو تو استعمال حرام ہے۔

(۳) چاندی کم لیکن حاجت سے زیادہ ہو تو مکروہ ہے۔

(۴) چاندی زیادہ لیکن بقدر حاجت ہو تو مکروہ ہے۔

یہاں حاجت سے ٹوٹے ہوئے حصے کی اصلاح اور درستگی مراد ہے۔ چاندی کے کم یا زیادہ ہونے کا فیصلہ عرف کے اعتبار سے کیا جائے گا۔

تضبیب کیلئے سونے کا ٹکڑا استعمال کرنا مطلقاً حرام ہے۔ کوئی اپنے چلّو سے پانی پئے اور اس کی انگلی میں انگوٹھی ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔ سونے چاندی کے برتن فروخت کرے تو بیع صحیح ہو گی (اگر چہ جائز نہیں ہے) اسی طرح ان برتنوں سے وضو کرے تو ہو

جائے گا، لیکن اس حرکت کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔ ان برتنوں میں کھانا پینا تو حرام ہے۔ لیکن جو چیز (مثلاً غذا یا پانی) اس میں رکھی ہو تو وہ حلال ہی رہے گی۔

صفة الوضو (وضو کے مسائل اور تفصیلات)

آیت: ”يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ‌ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا‌ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ‌ مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰـكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ“۔(سورہ مائدہ۔آیت ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے (ملامسہ کیا ہو) قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو، اس زمین پر سے، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں، لیکن اللہ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک وصاف رکھے اور یہ کہ تم پر انعام فرماوے تاکہ تم شکریہ ادا کرو۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے بہترین طرز پر وضو کیا، اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکے ناخن کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں (متفق علیہ، عن عثمان، مشکوۃ ۳۸/۱)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضوء کے وقت دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی بہایا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالکر اسے صاف کیا، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا پھر دایاں ہاتھ کہنیوں سمیت تین مرتبہ دھویا، پھر بایاں ہاتھ کہنیوں سمیت تین مرتبہ دھویا، پھر سر کا مسح کیا پھر دایاں قدم تین مرتبہ پھر بایاں قدم تین مرتبہ دھویا، اور اسکے بعد فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جو میرے اس وضوء کی طرح وضوء کرے، پھر دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ پوری نماز میں اپنے جی میں کسی طرح وسوسہ نہ لائے، تو اس کے گذشتہ سارے گناہ بخشے جائیں گے۔“ (متفق علیہ، مشکوۃ ۳۹/۱)

تشریح: اس حدیث کے ضمن میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ خود بخود کوئی وسوسہ آئے اور فوراً اس سے اعراض کرے تو بھی یہ فضلیت ان شاء اللہ حاصل ہو جائے گی۔ جن روایتوں میں وضو نماز یا دیگر عبادتوں کی وجہ سے گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے، علماء نے اسے دلائل کی روشنی میں صغیرہ گناہوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ کبیرہ گناہوں کی بخشش کیلئے اصولاً صحیح توبہ ضروری ہے۔

(۳) ”آپ ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جو مسلمان بہترین اور کامل وضو کر کے ظاہراً و باطناً پوری توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے یقیناً اس کے لئے جنت واجب ہو چکی۔“ (مسلم عن عقبہ، مشکوۃ ۳۹/۱)

لفظ وضوء، وَضَاءَۃ سے مشتق ہے، جس کا مطلب لغت میں پاکیزہ اور خوبصورت ہونا ہے۔ شرعاًنیت سے شروع کرتے ہوئے بعض مخصوص اعضاء میں پانی کے استعمال کو وضو کہتے ہیں، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔ چونکہ اس کی برکت سے گناہوں کی تاریکی چھٹ کر نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اسے وضو سے تعبیر کیا گیا۔ صحیح احادیث سے ثابت ہیکہ سابقہ شریعتوں میں بھی وضو مشروع تھا۔

اس لئے معراج کے واقعہ سے قبل بھی مسلمان باوضوہی نماز ادا کیا کرتے تھے، لیکن بطور استحباب یا نظافت کے، ہجرت سے کچھ قبل شب معراج میں نماز کے ساتھ ساتھ وضو بھی فرض کیا گیا۔ مخصوص کیفیات کے ساتھ، یا اعضاء وضو کا قیامت کے دن پر نور ہونا امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی خصوصیت میں داخل ہے۔

اعضاء اربعہ کی حکمت۔(وضو میں صرف چار اعضاء کے پاکی کی حکمت) سارے بدن کو دھونے کا حکم باعث مشقت ہوتا اس لئے شریعت نے تخفیفاً وضو میں صرف چار اعضاء کو مشروع کیا، اور اس لئے بھی کہ خیر و شر کا صدور انہیں اعضاء سے ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ حور عین سے صحبت کی خاطر استنجاء کو مشروع کیا گیا، جنت کے دستر خوان سے تناول کیلئے ہاتھ دھونا، رب العالمین سے کلام کیلئے کلی کرنا، جنت کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونے کیلئے ناک میں پانی لینا، دیدار الٰہی کی دولت سے سرفراز ہونے کیلئے چہرہ کا دھونا، کنگن سے مزیّن ہونے کے لئے کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا، تاج پہننے کیلئے سر کا مسح، اللہ رب العزت کے کلام سے محظوظ ہونے کیلئے کان کا مسح اور جنت کی سیر کیلئے قدموں کا دھونا مشروع کیا گیا۔(حاشیہ الجمل ۱/۱۰۰)

وضو میں کچھ فرائض اور کچھ سنتیں ھیں۔

وضو کے فرائض: وضو کے فرائض چھ (۶) ہیں۔(۱) نیت

حدیث: ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔'' (صحاح ستہ)

شرعاً کسی فعل کے ابتداء میں متصلاً اس فعل کے قصد و ارادہ کو نیت کہتے ہیں۔

نیت کا اصل مقام دل ہے، لہٰذا جہاں بھی نیت کو فرض کہا جائے گا۔ تو اس سے قلبی اور دلی نیت مراد ہے، زباں سے ادائیگی مراد نہیں ہے۔

نیت وضو و غسل میں ضروری ہے۔ نجاست کے دور کرنے کیلئے نیت کی ضرورت نہیں۔ کافر کا وضو و غسل صحیح نہیں ہے۔ وضو یا غسل کرنے کے بعد کوئی مسلم مرتد ہو جائے (اسلام چھوڑ بیٹھے) تو اس کا وضو اور غسل باطل نہ ہو گا۔ لیکن تیمم کے بعد کوئی مرتد ہو جائے تو تیمم باطل ہو گا۔

نیت کا وقت: چہرہ کا کچھ حصہ دھلنے کے بعد نیت کافی نہیں، ایسی صورت میں نیت سے پہلے جتنا دھلا اسکا اعتبار نہ ہو گا، اس کا دوبارہ دھونا ضروری ہے۔ چہرہ دھونا شروع کرتے وقت نیت پائی جائے، نہ اس سے پہلے نیت تھی اور نہ بعد میں رہی تو وضوء صحیح ہو گا۔ لیکن چہرہ سے پہلے وضو کی سنتوں کا ثواب نہیں ملے گا۔ وضو کے ابتداء سے نیت ہو اور چہرہ دھونا شروع کرنے تک وہ نیت موجود رہے تو صحیح ہے۔ اور سنتوں کا بھی ثواب ملے گا۔ وضو کے ابتدائی سنتوں میں سے کسی سنت کے ساتھ نیت پائی گئی (جیسے بسم اللہ پڑھنا، مسواک، ہتھیلیوں کا دھونا، کلی، ناک میں پانی لینا) پھر چہرہ دھونے سے پہلے نیت غائب ہو جائے، دل میں موجود نہ ہو تو وضوء صحیح نہ ہو گا۔ کلی یا ناک میں پانی لیتے وقت وضو کی نیت ہو اور چہرہ کا بھی کچھ حصہ ساتھ میں دھل جائے۔ تو بعد میں نیت غائب ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

چہرہ کا وہ حصہ دھلتے وقت چہرہ کی نیت تھی تو اسے دوبارہ دھونا ضروری نہیں ہے۔ ورنہ ضروری ہے۔

نیت کی کیفیت: جو دائم الحدث نہیں ہے، اس کے لئے حدث دور ہونے کی یا حدث سے پاکی کی یا اداء وضو یا فرض وضو کی نیت کرنا کافی ہے جیسے نَوَیْتُ فَرْضَ الْوُضُوْءِ اسی طرح ہر وہ فعل جو وضو کے بغیر ناجائز ہو، اسے مباح اور جائز کرنے کی نیت کرتا ہوا وضو شروع کرے تو بھی صحیح ہے، جیسے نماز جائز ہونے کیلئے سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر یا طواف کعبہ مباح اور جائز ہونے کیلئے۔ لہٰذا عربی میں یوں

کہیں گے ”نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةَ الصَّلٰوةِ یا نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةَ سَجْدَةِ التِلَّاوَةِ یا نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةَ الطَّوَافِ“ کسی نے وضو کے وقت تلاوت قرآن یا حدیث یا سلام یا بازار کا دخول جائز ہونے کی نیت کی تو وضو صحیح نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مذکورہ امور کیلئے وضو ضروری نہیں ہے (فتح الوہاب وغیرہ) حدث کے شک کی وجہ سے احتیاطاً وضو کرنے کے بعد حدث کا یقین ہوا تو یہ وضو کافی نہیں، اس لئے کہ تردد کے ساتھ کیا تھا۔ اب یقین حاصل ہوا تو دوبارہ وضو ضروری ہے۔ حدث کا یقین ہو اور طہارت میں شک ہو، پھر وضو کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بے وضو ہی تھا، تو یہ وضو کافی ہے۔

دائم الحدث: جس کو بار بار ریح خارج ہونے (گیس نکلنے) یا پیشاب کے قطرے ٹپکنے کی شکایت ہو یا کوئی اور مرض جس کی وجہ سے وضو بالکل ٹھہرتا نہ ہو، اسے دائم الحدث کہیں گے۔ دائم الحدث کیلئے صرف حدث دور کرنے یا فرض وضو وغیرہ کی نیت کافی نہیں، اس کے لئے استباحۃ الصّلٰوۃ کی نیت ضروری ہے، اس کے ساتھ رفع حدث یا فرض وضو کی نیت کا بھی ملالینا افضل ہے۔

دونیتیں: وضو یا غسل کی معتبر نیت کے ساتھ کسی ایسی چیز کا بھی قصد کرے جو بغیر قصد کے بھی حاصل ہوتی ہو، تو وضو صحیح ہو گا۔ جیسے وضو کے ساتھ ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت کرے۔ جنبی شخص جمعہ کے دن جنابت اور جمعہ دونوں کی نیت سے ایک غسل کرے تو دونوں غسل حاصل ہو جائیں گے۔ صرف جنابت کی نیت کرے تو جمعہ کا غسل حاصل نہ ہوگا مسجد میں داخل ہونے کے بعد فرض نماز کے ساتھ تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرلے تو دونوں حاصل ہو جائیں گے۔

متفرق: تین تین مرتبہ وضو کر رہا تھا، پہلی مرتبہ کسی عضو کے دھونے میں تھوڑا حصہ خشک رہ گیا، پھر دوسری یا تیسری مرتبہ جب بطور نفل دھو رہا تھا تو وہ حصہ دھل گیا تو یہ کافی ہے۔ وضو کرتے وقت کوئی حصہ خشک رہے، بعد میں تجدید کی نیت سے پھر وضو کرے اور اس وقت وہ خشک حصہ دھل جائے تو یہ کافی نہیں (تجدید کا مطلب ہے باوضو ہونے کے باوجود دوبارہ وضو کرنا۔) لیکن اس صورت میں مذکورہ شخص اگر اپنے اس وضو کو بھول کر رفع حدث وغیرہ کی نیت سے از سر نو وضو کرتا ہے تو اس کا وضو صحیح ہے۔ وضو کی نیت کو اعضاء وضو پر تقسیم کر دے، یعنی ابتداءً مکمل وضو کی نیت نہ کرتے ہوئے ہر عضو کے دھونے کے وقت صرف اس عضو کے حدث کو دور کرنے کی نیت کرے تو وضو صحیح ہو جائے گا۔ (مثلاً چہرہ دھوتے وقت چہرہ کے رفع حدث کی ہاتھ دھوتے وقت ہاتھ کے رفع حدث کی نیت کرے) شوافع علماء کا قول یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں سے نیت کرنا مستحب ہے۔ اگر صرف دل میں نیت ہو تو کافی ہے، لیکن صرف زبان سے الفاظ ادا کرلے، لیکن دل میں نیت نہیں، تو یہ ناکافی ہے۔ دل اور زبان کی نیت میں فرق ہو تو دل کی نیت کا اعتبار ہو گا۔ کوئی صرف طہارت کی نیت کرے (حدث سے طہارت کی نیت نہ کرے) تو یہ کافی نہیں۔ عورت حیض سے پاکی کے غسل میں شوہر کے لئے وطی (صحبت) کے جواز کی نیت کرے تو غسل صحیح ہے۔ وطی کے ساتھ نماز وغیرہ بھی جائز ہوں گے۔ کسی کو زبردستی نہر میں ڈال دیا گیا اور اس نے نہر میں وضو کی نیت کرلی تو وضو ہو گیا۔ وضو کرنے والا پیروں کے علاوہ سارے اعضاء دھونے کے بعد نہر میں گر جائے اور دونوں پیر دھل جائے تب اس کے ذہن میں وضو کی نیت حاضر ہو تو وضو صحیح ہو گیا، ورنہ پیروں کا دھونا ابھی باقی رہے گا۔ نماز اور قرض خواہ کو ٹالنے، دونوں نیت سے نماز شروع کی تو صحیح ہے۔ وضو کے بعد وضو کے توڑنے کی نیت کر لینے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) **چہرہ دھونا:** مکمل چہرہ دھونا ضروری ہے۔ چہرہ کے حدود۔ لمبائی میں پیشانی کے آخری سرے پر عموماً بال اگنے کے مقام سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک، کان چہرہ میں داخل نہیں ہے۔ پیشانی کے دونوں طرف اوپری حصے میں سر کا کچھ حصہ عموماً بالوں سے عاری (خالی) ہوتا ہے۔ وہ چہرہ میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح سر کے آگے کے بال جھڑ جائیں

تو وہ چہرہ کے حد میں نہیں سمجھا جائے گا، لیکن ان دونوں کا دھونا مستحب ہے۔ کنپٹی کا حصہ بھی داخلِ چہرہ نہیں ہے۔ اگر پیشانی پر بال اُگ آئیں تب بھی وہ چہرہ کے حد میں داخل ہے۔ اور اس کا دھونا فرض ہے۔ چہرہ کے حد میں اگنے والے وہ بال جو عموماً ہلکے ہوتے ہیں، زیادہ گھنے اور گنجان نہیں ہوتے جیسے ابرو، پلک، مونچھ اور رخسار پر کان کے مقابل بال، ان کا ظاہر و باطن مع اندرونی کھال کے دھونا ضروری ہے گرچہ یہ بال کسی کے گنجان ہوں۔ داڑھی اور رخسار کے بال اگر خفیف اور ہلکے ہیں تو اندرونی کھال سمیت ظاہر و باطن کا دھونا ضروری ہے اور اگر کثیف اور گنجان ہوں تو صرف ان بالوں کے ظاہر کا دھونا واجب ہے۔ اگر کچھ حصہ خفیف اور کچھ کثیف ہو تو دونوں کا اپنا حکم ہو گا۔ یعنی کثیف کے صرف ظاہر کو دھونا اور خفیف کو کھال سمیت مکمل دھونا ضروری ہے۔

خفیف و کثیف کا فرق: گفتگو کے وقت اندرونی کھال نظر آئے تو بال خفیف، اور نظر نہ آئے تو کثیف۔

عورت کے داڑھی اُگ آئے اور کثیف ہو تب بھی اسکے باطن و کھال کا دھونا ضروری ہے، اس لئے کہ یہ ایک نادر صورت ہے۔ ریش بچہ (داڑھی بچہ) کثیف ہونے کے باوجود باطن و کھال کا دھونا ضروری ہو گا۔ داڑھی، رخسار، مونچھ یا رخسار پر کان کے مقابل بال بڑھ کر چہرہ کے حد سے باہر نکل جائیں تو ان کے ظاہر کا دھونا ضروری ہے۔ چہرہ دھوتے وقت سر، گردن اور ٹھوڑی کے نیچے کا کچھ حصہ بھی دھونا ضروری ہے۔ تاکہ بالیقین مکمل چہرہ دھل جائے۔ کسی کی ناک یا ہونٹ کٹا ہو، تو کٹنے کے بعد جو حصہ کھل چکا ہے، وضو اور غسل میں اس کا دھونا ضروری ہے۔ چہرہ میں پھوڑا یا رسولی نکلے اور بڑھ کر چہرہ کے حد سے نیچے چلا جائے تو اسے مکمل دھونا ضروری ہے۔ ہونٹوں کی ظاہری سرخی کو دھونا ضروری ہے۔ ہر کسی کے دو چہرے ہوں تو دونوں کا دھونا ضروری ہے۔ چہرہ دھونے کیلئے دونوں ہاتھ سے پانی لینا مستحب ہے۔

(۳) دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا: کہنی کے اوپر سے ہاتھ کٹا ہوا ہو تو دھونا فرض نہیں ہے، لیکن باقی بازو کا دھونا مستحب ہے، تاکہ وہ عضو طہارت سے خالی نہ رہے۔ اگر کہنیوں سے نیچے کٹا ہو، تو بقیہ حصہ کا دھونا واجب ہے اگر کہنی کے جوڑ سے کٹا ہو تو بقیہ ہڈی کے کنارے کا دھونا واجب ہے۔ کسی کو ایک ہی جانب دو ہاتھ ہوں، اور اصلی ہاتھ اور زائد ہاتھ واضح ہو تو ایسی صورت میں زائد ہاتھ اگر اصلی ہاتھ کے محل فرض (یعنی وہ حصہ جس کا وضو میں دھونا فرض ہے۔ جیسے بازو یا کہنی) سے نکلا ہے تو اصلی سمیت اس کا دھونا بھی واجب ہے۔ اس کی لمبائی اصلی سے کم ہو یا زائد جیسے کہ زائد انگلی یا رسولی کا دھونا واجب ہے۔ زائد ہاتھ اگر محل فرض سے بھی اوپر نکلے (جیسے کاندھے سے) اور محل فرض کی محاذات اور سیدھ میں نہ ہو تو اسے بالکل دھونے کی ضرورت نہیں اگر محل فرض کی سیدھ میں ہو تو جتنا حصہ سیدھ میں ہے اس کا دھونا واجب۔ زائد اور اصلی میں فرق نہیں کر سکتے تو ہر حال میں دونوں کا دھونا واجب ہے۔ ایک ہاتھ کا کافی چھوٹا ہونا (جبکہ دوسرا معتدل ہو۔) یا اس کی انگلیاں کم ہونا یا قوت گرفت (کسی چیز کو پکڑنے کی قوت) بالکل نہ ہونا یا کم ہونا اس ہاتھ کے زائد ہونے کی علامتوں میں سے ہے، ناخن کافی لمبے ہو کر انگلیوں کے سروں سے آگے نکل جائیں تو ان کا دھونا واجب ہے۔ بازو یا پیر پر گھنے بال ہوں تب بھی اس کے ظاہر و باطن اور کھال کا دھونا واجب ہے۔ وضو کے بعد ہاتھ یا پیر کٹے یا سر مونڈے، تو کھلے ہوئے حصہ کو دوبارہ دھونا لازم نہیں ہے۔ دوبارہ وضو کرتے وقت ان حصوں کا دھونا ضروری ہے۔ اگر کسی کے ہاتھ میں سوراخ یا چھید ہو، تو اسکے اندر بھی دھونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی ظاہر ہو چکا۔ ہاتھ کٹا ہوا شخص یا مریض خود وضو کرنے پر قادر نہ ہو، تو کسی ایسے شخص کا سہارا حاصل کرنا ضروری ہے، جو اسے وضو کرائے جبکہ ایسا سہارا مفت مل رہا ہو یا مناسب اجرت (مزدوری) پر اور مذکورہ شخص اجرت بھی دے سکتا ہو۔ اگر وضو کرانے والا کوئی سہارا ہی نہیں۔ یا وہ اجرت مانگ رہا ہو اور یہ دے نہیں سکتا یا دے تو سکتا ہے لیکن وہ زیادہ اجرت مانگ رہا ہے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ لیکن چونکہ اس طرح کا عذر نادر ہے (کبھی کبھار ہی پیش آتا ہے) اس لئے بعد میں اس نماز کا اعادہ

(لوٹانا)ضروری ہے۔ اگر تیمم بھی نہیں کر سکتا تو اسی حال پر نماز پڑھ لے اور آئندہ اس نماز کو دوھرائے۔

(۴)**سر کا مسح کرنا:** صرف اتنا مسح کرنا جسکو مسح کہا جاسکے کافی ہے، اگرچہ ایک بال کے کچھ حصہ کا یا اسکے بقدر سر کی کھال کا مسح ہی ہو، سر پر مکمل بال ہوں اور صرف کھال کا مسح کرے تب بھی کافی ہے۔ صرف انھیں بالوں پر مسح معتبر ہو گا جو کھینچے جانے کی صورت میں سر کے حد سے باہر نہ نکل جائیں۔ مسح کرنے کے بجائے کسی نے سر دھو دیا، یا پانی کا ایک قطرہ ٹپکا دیا، یا تر ہاتھ سر پر صرف رکھا، پھیرا نہیں، تو بھی کافی ہو گا۔ مسح کے بجائے سر دھونا نہ تو مستحب ہے اور نہ مکروہ ہے۔ مسح ہاتھ سے ہی ہونا ضروری نہیں، بلکہ صرف انگلی، لکڑی یا کپڑے کے ٹکڑے وغیرہ سے مسح کرنا بھی جائز ہے کسی اور نے سر پر مسح کیا تو یہ بھی کافی ہے۔ مسح میں عورت کا حکم بھی مرد ہی کی طرح ہے۔ کسی کو دو سر ہوں تو کسی ایک پر مسح کافی ہے۔

(۵)**دونوں قدم ٹخنوں سمیت دھونا:** زائد پیر کا وہی حکم ہے جو زائد ہاتھ کا۔

جس پر حدث اصغر اور اکبر دونوں ہوں، (یعنی وضو اور غسل دونوں ضروری ہوں) تو صرف غسل کی نیت سے سارا بدن دھونا کافی ہے، ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں (غسل کے ضمن میں وضو بھی حاصل ہو جائے گا جدا وضو کرنا ضروری نہیں) پیر کے علاوہ سارا بدن دھونے کے بعد وضو توڑنے والا کوئی سبب پایا جائے، تو اسے پیروں کو جنابت کی طرف سے دھونا اور بقیہ اعضاء وضو کو حدث اصغر کی طرف سے دھونا ضروری ہے۔ مذکورہ صورت میں ابتدائی تینوں اعضاء میں ترتیب ضروری ہے، لیکن پیر کبھی بھی دھو سکتا ہے۔

(۶)ترتیب: جیسے بتایا گیا اسی ترتیب سے وضو کرنا ضروری ہے، یعنی پہلے نیت کرنا، پھر چہرہ دھونا، پھر ہاتھ، پھر سر کا مسح اور آخر میں پیر دھونا۔ بھول کر یا عمداً ترتیب کی خلاف ورزی ہو، تو وضو صحیح نہ ہو گا۔ البتہ چہرہ کا دھونا معتبر ہو گا اور اس کے بعد ترتیب سے جو ادا کرے وہ بھی معتبر ہو گا چار اشخاص نے کسی کے چاروں اعضاء وضو کو اس کی اجازت سے بیک وقت دھو دیا تو صرف چہرہ کا دھونا شمار ہو گا۔ کسی نے پانی میں غوطہ لگا کر وضو کی نیت کر لی تو کافی ہے، ترتیب کے تحقق کیلئے تھوڑی دیر پانی میں ٹھہرنا ضروری نہیں ہے۔

منی یا مذی میں تردد: کسی کی شرمگاہ سے ایسی تری نکلے جس کے منی یا مذی ہونے میں اشتباہ و شک ہو تو اسے اختیار ہے کہ اسے منی سمجھتے ہوئے غسل کر لے، یا مذی سمجھتے ہوئے جہاں جہاں وہ لگا ہو اسے دھو ڈالے اور وضو کر لے۔

وضو کی سنتیں

(۱)**مسواک کرنا:** لکڑی جیسی چیز سے دانتوں کو اور اطراف کے مقامات کو رگڑ کر صاف کرنے کو مسواک کرنا کہتے ہیں۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۱۱۶)

احادیث:

(۱) آپ ﷺ نے فرمایا "اگر میری امت کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انھیں عشاء کو تاخیر سے پڑھنے کا اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" (متفق علیہ۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مشکوۃ ۱/۴۴)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آپ ﷺ رات جب تہجد کیلئے بیدار ہوتے تو مسواک سے دندان مبارک کو اچھی طرح رگڑ کر دھوتے۔ (متفق علیہ۔ مشکوۃ ۱/۴۴)

(۳) آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "مسواک منہ کی پاکی کا سبب اور رضائے الٰہی کے حصول کا باعث ہے۔" (رواہ الشافعی۔

واحمد۔ والنسائی عن عائشہ۔ ورواہ البخاری معلقاً مشکوۃ ۱/۴۴)

(۴) آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "مسواک کر کے پڑھی جانے والی نماز بغیر مسواک کے نماز پر ستر درجہ فوقیت رکھتی ہے" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن عائشہ۔ مشکوۃ ۱/۴۵)

صرف روزہ دار کیلئے زوال کے بعد سے غروب تک مسواک کرنا مکروہ ہے، بقیہ تمام اوقات میں مسواک کرنا مستحب ہے، بعض خاص مواقع میں مسواک کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، جو درج ذیل ہیں۔ نماز کے وقت اگرچہ منھ میں بدبو نہ ہو، وضو کے وقت، اگرچہ اس وقت نماز نہ پڑھے۔ قرآن کی تلاوت کیلئے۔ دانتوں میں زردی آجائے تو، چاہے منہ میں بدبو نہ ہو۔ نیند۔ طویل خاموشی۔ کچھ نہ کھانے یا کسی بدبودار چیز کے کھانے سے یا کسی اور سبب سے منہ میں بو پیدا ہو جائے۔ گھر میں داخل ہوتے وقت اور نیند سے بیدار ہونے پر بھی مسواک کی تاکید ہے ان مواقع میں بھی مسواک کی تاکید ہے۔ سجدہ تلاوت کیلئے تلاوت کے بعد اور سجدہ سے قبل، کوئی شخص دو دو رکعت نماز پڑھ رہا ہو تب بھی ہر نماز کیلئے مسواک مطلوب ہے۔ اگر نماز سے پہلے مسواک کرنا بھول جائے اور دوران نماز یاد آجائے تو خفیف حرکت کے ساتھ تلافی کرے۔ (کثیر حرکت کی صورت میں نماز باطل ہو گی۔) فاقد الطہورین (جو وضو اور تیمم دونوں نہ کر سکے) اور تیمم کر کے نماز پڑھنے والے کیلئے بھی مسواک سنت ہے۔ نماز جنازہ کیلئے۔ سجدہ شکر کیلئے۔ ذکر کیلئے۔ تعلیم و تعلم (سکھانا اور سیکھنا) اور حدیث و دیگر شرعی علوم سننے کیلئے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت۔ سوتے وقت۔ بھوک و پیاس کے وقت۔ کھانے کے بعد۔ سحری کے وقت۔ وتر کے بعد۔ سفر کیلئے۔ سفر سے واپسی پر۔ سکرات کے وقت تاکہ روح کے نکلنے میں آسانی ہو۔ جماع کے وقت۔ مذکورہ تمام اوقات کی پابندی دشوار ہو تو جتنا ممکن ہو انجام دے۔ وضو کے ابتداء میں مسواک بھول جائے تو دوران وضو یاد آنے پر اس کی تلافی کرے۔ (حاشیہ الجمل ۱/۱۲۱)

مسواک کپڑے کے ایک ٹکڑے اور ہر کھردری چیز سے حاصل ہو گا۔ (لہٰذا برش سے بھی مسواک کی اصل سنت حاصل ہو گی) لیکن لکڑی افضل ہے۔ اَرَاک (پیلو) کی لکڑی سے زیادہ بہتر ہے۔ پیلو کی خشک لکڑی جو پانی سے تر شدہ ہو، اولیٰ ہے۔ کھردری انگلی سے مسواک کی فضیلت حاصل نہ ہو گی۔ دوسرے کی کھردری انگلی سے مسواک کی فضیلت حاصل ہو گی، امام رویانیؒ وغیرہ کے نزدیک اپنی انگلی سے بھی حاصل ہو گی۔ اسی قول کو مجموع میں امام نوویؒ نے ترجیح دی ہے۔ (فتح الوہاب مع حاشیۃ الجمل۔ ۱/۱۱۹) مستحب ہے کہ مسواک دانتوں کے عرض میں کرے، طول میں کرنا مکروہ ہے، لیکن زبان پر طول میں کرے۔ منہ کے دائیں جانب سے مسواک کی ابتداء کرے، چھوٹے بچوں کو بھی مسواک کی عادت ڈالے۔ دوسرے کی اجازت سے اس کا مسواک استعمال کر سکتے ہیں۔ حلق کے اوپر کی طرف نرمی سے مسواک پھیرنا مستحب ہے۔ مسواک کے وقت سنت کی ادائیگی کی نیت رہے۔

روزہ دار کیلئے زوال کے بعد سے لے کر غروب تک مسواک کرنا مکروہ ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ کی روایتوں میں روزہ دار کے خلوف (خلوف یعنی معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے زوال کے بعد سے منہ میں پیدا ہونے والی بو) کو عند اللہ مشک سے بھی بہتر بتایا گیا ہے، اور مسواک کرنے سے اس محمود بو کا ازالہ ہو جائے گا، اس لئے اسے مکروہ قرار دیا گیا۔ زوال کے بعد سونے کی وجہ سے منہ میں بدبو پیدا ہو تو اس کے دور کرنے کیلئے مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۱۱۹۔ ترشیح المستفیدین ص ۲۰)

(دلیل کے اعتبار سے امام مزنی، ابو شامۃ، ابن عبد السلام اور امام نوویؒ جیسے شافعی علماء نے زوال کے بعد بھی عدم کراہت کو ترجیح دی ہے۔ لیکن شافعی مسلک میں کراہت کا قول راجح ہے۔)

مسواک کے دیگر آداب: مسواک کے وقت پہلی مرتبہ تھوک نگل لے، یہ بیماریوں کو دور کرتا ہے، بعد میں نہ نگلے، ورنہ

وسوسہ کا سبب بنے گا۔ مسواک کو نہ چوسے، ورنہ بینائی کو نقصان پہنچائے گا۔ مسواک کو کھڑا رکھے نہ کہ لٹا کر۔ لکڑی کے دونوں طرف سے مسواک نہ کرے۔ بغیر اجازت اور رضا مندی کے دوسرے کا مسواک استعمال کرنا حرام ہے۔ دوسرے کا مسواک اجازت کے بعد بھی استعمال کرنا نسیان کا باعث ہے۔ بطور تبرک استعمال کرے تو کوئی حرج نہیں۔ استعمال کے بعد مسواک دھو کر رکھنا چاہئے۔ چھنگلیا کے برابر موٹی اور تقریباً ایک بالشت لمبی ہو۔ مسواک دائیں ہاتھ سے کرے، مسواک کرتے وقت انگوٹھا اور چھنگلیا نیچے اور بقیہ تمام انگلیاں اس کے اوپر ہوں۔

نقصان دہ لکڑیوں سے مسواک کرنا مکروہ ہے۔ مسواک سے قبل یا بعد کھانے کے ذرات کو خلال کے ذریعے دور کرنا بہتر ہے۔ دانت نہ ہوں تب بھی مسواک کرنا سنت ہے۔ (ترشیح ص ۲۰ وغیرہ)

مسواک کے بعض فوائد: منہ پاک وصاف ہوتا ہے، رب کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ دانت سفید ہوتے ہیں، اور منہ کی بو بہتر ہوتی ہے مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے، صحت و ذکاوت کا سبب ہے، رطوبتوں کو ختم، نگاہوں کو تیز، بڑھاپے کو مؤخر، پشت کو مضبوط ،ثواب کو دوچند، اور سکرات کی تکلیف کو آسان کرتا ہے، اور موت کے وقت کلمہ شہادت کو یاد دلاتا ہے۔ کشادگی اور مالداری کا باعث ہے۔ سر درد اور سر کے رگوں کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔ دانتوں کے درد اور زردی کو ختم کرتا ہے۔ معدہ کو درست اور قوی، فصاحت و عقل کو تیز، دل کو پاک، بدن کو قوی، اور مال واولاد کو بڑھاتا ہے۔ (بغیہ ص ۱۹)

(۲) **تسمیہ:** وضو کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھے۔ اگر بھول جائے تو وضو مکمل ہونے سے پہلے جب بھی یاد آئے پڑھ لے۔ عمداً بھی چھوڑ دے تو وضو کی تکمیل سے پہلے پڑھ کر تلافی کرلے۔

حدیث: آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ جو وضو کے وقت اللہ کا نام نہ لے، اس کا وضو نہیں (رواہ الترمذی۔ وابن ماجہ۔ عن سعید بن زید و۔ رواہ احمد وابوداود۔ عن ابی ہریرۃؓ۔ (وفی سندہ ضعف۔ مشکوۃ۔ ۱/۴۶)

علماء کے نزدیک دیگر روایات کی روشنی میں اس حدیث میں وضو کی نفی سے صرف کمال کی نفی مراد ہے۔ یعنی بغیر تسمیہ کے وضو تو ہو جائے گا، لیکن کامل نہ ہو گا۔ (اور سند کے اعتبار سے اس روایت میں کچھ ضعف ہے) صرف بسم اللہ پڑھنے سے سنت ادا ہو جائیگی، لیکن "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھنا اکمل اور بہتر ہے۔ جب وضو کے ابتداء میں ہتھیلیاں دھونا شروع کرے، اس وقت بسم اللہ پڑھے۔ تسمیہ سے پہلے تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پڑھنا سنت ہے۔ وضو کے علاوہ دیگر تمام اہم امور کے ابتداء میں بھی تسمیہ سنت ہے، عبادت ہو یا غیر عبادت۔ جیسے غسل، تیمم، تلاوت، جماع، ذبح، گھر سے نکلنا، وغیرہ۔ نماز حج اور اذکار سے پہلے سنت نہیں ہے۔ مکروہ کام کیلئے بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے اور حرام کام کیلئے حرام ہے۔ (حاشیۃ الجمل۔ ۱/۱۲۲)

(۳) **ہتھیلی دھونا:** چہرہ سے قبل دونوں ہتھیلیوں کا دھونا سنت ہے۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ کے نجاست میں شک ہو اور ہاتھ پانی میں ڈبونا ہو یا ایسی کوئی بات نہ ہو، بہر حال دونوں ہتھیلیوں کا دھونا سنت ہے۔ لیکن ہاتھ کی پاکی یقینی نہ ہو تو دھونے سے پہلے پانی میں ڈبونا مکروہ ہے۔ اور تین مرتبہ دھونے سے پہلے یہ کراہت ختم نہ ہو گی۔ بخاری و مسلم میں آپ ﷺ سے نیند سے بیدار ہونے کے بعد تین مرتبہ دھونے سے پہلے ہاتھوں کو پانی کے برتن میں داخل کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اور اگر ہاتھ بالیقین پاک ہوں تو ڈبونا مکروہ نہیں۔

پانی کسی بڑے برتن میں ہو کہ اس سے ہاتھ پر نہیں ڈال سکتے اور نکالنے کیلئے کوئی چھوٹا برتن، جگ وغیرہ بھی نہیں، تو دوسرے سے

مد دلے یا منہ یا صاف کپڑے کے کنارے وغیرہ سے پانی نکالے۔

(۴)**مضمضہ اور استنشاق:** (مضمضہ یعنی کلی کرنا اور استنشاق یعنی ناک میں پانی لینا) منہ اور ناک میں صرف پانی پہنچانے سے اصل سنت حاصل ہو جائے گی۔ صحیحین وغیرہ کی روایات کی روشنی میں ہر چلو سے پہلے کلی پھر بقیہ پانی سے استنشاق اس طرح تین مرتبہ کرنا زیادہ افضل طریقہ ہے۔ (گویا تین چلو پانی لیا جائے گا اور ہر چلو سے کلی کرنے کے بعد باقی پانی کو ناک میں داخل کریں گے) پہلے تین چلو سے تین مرتبہ کلی بعد میں تین چلو سے تین مرتبہ استنشاق کرے تو یہ بھی صحیح ہے۔ ایک چلو سے تین مرتبہ کلی اور دوسرے چلو سے تین مرتبہ استنشاق کرنا بھی کافی ہے۔ مضمضہ کا استنشاق سے پہلے ہونا ضروری ہے (بعد میں ہو تو سنت ادا نہ ہو گی۔)

(۵)**مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ:** کلی کے پانی کو تالو کے آخری سرے اور دانتوں کے کنارے تک پہنچائے، دانتوں پر انگلی پھیرے، استنشاق میں سانس کے ذریعہ پانی ناک کی جڑ تک کھینچے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا (چھوٹی انگلی) سے گندگی صاف کرے۔ روزہ دار مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ نہ کرے۔ پانی صرف منہ میں رکھا، پھیرا نہیں تب بھی کلی کی سنت ادا ہو جائے گی۔

(۶)**تثلیث (تین تین مرتبہ کرنا):** وضو کے افعال کو ایک ایک مرتبہ کرنا فرض ہے، دوسری مرتبہ کرنا بہتر ہے اور تین تین مرتبہ کرنا سنت ہے۔ دھونا اور مسح کرنا اور وضو کے دوسرے افعال، خواہ فرض ہوں یا سنت تین تین مرتبہ کرنا سنت ہے۔ کتنی مرتبہ دھویا اس میں شک ہو، تو کم تعداد پر عمل کریں گے۔ (وضو میں چہرہ دھوتے وقت کسی کو شک ہو جائے کہ ایک مرتبہ دھویا یا دو مرتبہ تو ایک شمار کریں گے۔ اسی طرح دو یا تین میں شک ہو تو دو شمار کرتے ہوئے ایک مرتبہ اور دھو دیں گے۔) تین مرتبہ سے زائد کرنا مکروہ ہے۔

موقوفہ پانی کو تین سے زائد مرتبہ استعمال کرنا حرام ہے صحیحین وغیرہ کی روایات میں آپ ﷺ سے وضو کے افعال کو ایک مرتبہ سے تین مرتبہ تک ادا کرنا مروی ہے۔ لہٰذا ایک مرتبہ ادا کرنا ضروری، اور دوسری اور تیسری مرتبہ سنت ہوا۔ (حاشیۃ الجمل۔ ۱/۱۲۷)

(۷)**تخلیل:** چہرہ کے جن بالوں کے جڑ میں پانی پہنچانا ضروری نہیں، انگلیوں سے ان کا خلال کرنا سنت ہے۔

مثلاً: مرد کی گھنی داڑھی جیسا کہ ترمذی، ابو داود اور ابن ماجہ کی روایت سے ثابت ہے دائیں چلو میں پانی لیکر انگلیوں کو کشادہ کر کے داڑھی کے نیچے کی جانب سے اندر داخل کرے۔

(۸)**دائیں کو بائیں پر مقدم رکھنا:** ہاتھ اور پیر دھوتے وقت پہلے دایاں پھر بایاں دھونا سنت ہے۔ (صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ طہارت کنگھی کرنا، اور جوتے پہننا سارے ہی امور میں حتی الامکان دائیں کو مقدم کرنا پسند فرماتے تھے۔) دونوں کان اور سر کا مسح اور رخسار اور ہتھیلی کا دھونا ایک ساتھ انجام دیں گے، اگر ایک ہاتھ سے معذور ہونے کی وجہ سے بیک وقت انجام نہیں دے سکتا، تو ان اعضاء میں بھی دائیں کو بائیں پر مقدم رکھیں گے۔

(۹)**فرض سے زائد مقدار کا دھونا:** چہرہ کے ساتھ سر کے اگلے حصہ اور گردن کے کنارے کا دھونا، ہاتھ دھوتے وقت کہنیوں سے اوپر بازو کا کچھ حصہ دھونا، اور قدم دھوتے وقت پنڈلی کا کچھ حصہ بھی دھونا سنت ہے۔ مکمل بازو کاندھے کے قریب تک اور مکمل پنڈلی کا دھونا زیادہ بہتر ہے۔

صحیحین وغیرہ کی روایتوں میں اس کا حکم موجود ہے، اس لئے کہ اعضاء وضو قیامت کے دن منور ہونگے۔ صحیح مسلم میں آپ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک مومن کے زیورات (زینت اور نورانیت) پہنچیں گے۔

(۱۰)**پورے سر کا مسح کرنا:** پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے، جیسا کہ صحیحین کی روایت سے ثابت ہے۔ دونوں شہادت کی

انگلی کو ایک دوسرے سے ملا کر سر کے اگلے حصے پر اور دونوں انگوٹھے کو کنپٹی پر رکھے پھر دونوں ہاتھ گدی تک لے جائے پھر واپس آگے تک لائے، یہ ایک مرتبہ مسح ہوا۔ گدی سے واپس لوٹانا اس شخص کیلئے مستحب ہے جس کے سر پر ایسے بال ہوں، جو لوٹاتے وقت پلٹیں اور ان کے نچلے حصہ کا مسح ہو جائے، اگر بال ہی نہ ہوں یا کافی چھوٹے یا بڑے ہونے کی وجہ سے پلٹنے کا سوال ہی نہ ہو، تو ایسا شخص مسح کرتے ہوئے ہاتھوں کو صرف گدی تک لے جائے، واپس نہ لائے۔ اگر واپس لائے تو یہ دوسرا مسح شمار نہ ہو گا، اگر سر پر عمامہ (دستار۔ پگڑی) وغیرہ ہو، جسے نکالنے کا ارادہ نہ ہو تو واجب مقدار سر کا مسح کرنے کے بعد بقیہ مسح اس عمامہ کے اوپر مکمل کرنا سنت ہے۔

اگر عمامہ پر مسح کی تکمیل سے پہلے ہاتھ سر سے اٹھائے تو نیا پانی لینا شرط ہے، نیز سر کی واجب مقدار کا مسح عمامہ سے قبل ہونا بھی شرط ہے، (ترشیح) (افضل یہ ہے کہ ناصیہ (سر کے اگلے حصے) سے کم پر اکتفاء نہ کرے) سر کا مسح نہ کرتے ہوئے صرف عمامہ کے اوپر مسح کر لینا کافی نہیں ہے۔

(۱۱) **کان کا مسح کرنا:** نئے پانی سے دونوں کان کے ظاہر و باطن کا مسح کرنا سنت ہے۔ جیسا کہ بیہقی اور حاکم کی روایت میں موجود ہے۔ (یعنی سر کا مسح سے بچی ہوئی تری سے کان کا مسح کرنا کافی نہیں ہے) انگلیوں کو سر کے مسح کیلئے تر کرنے کے بعد سر کے مسح کے وقت بعض انگلیوں کو جدا رکھا (یعنی ان انگلیوں سے سر کا مسح نہیں کیا) پھر اس جدا انگلی کی تری سے کان کا مسح کر لیا تو کافی ہے۔ کان کے سوراخ کا مسح کرنا بھی سنت ہے۔

مسح کا طریقہ: مسح کا سنت طریقہ یہ ہے کہ شہادت کی دونوں انگلی کو دونوں کان کے سوراخ میں داخل کرکے اس کو کان کے اندرونی شکنوں پر پھیرتے ہوئے اس کا مسح کر لے اور دونوں انگوٹھے سے بیرونی حصے کا مسح کر لے۔ مسح کی مکمل ادائیگی کے لئے اس کے بعد دونوں تر ہتھیلی کو کان سے چپکا دے۔ (فتح الوہاب وغیرہ)

چہرہ کے ساتھ کانوں کا دھونا اور سر کے وقت بھی اسکا مسح کر لینا سنت ہے۔ (جمل ۱ / ۱۲۹) گردن کا مسح نہیں کیا جائے گا۔ (بعض شافعی علماء کی رائے میں سر یا کان کے مسح کے بعد اسی تری سے گردن کا مسح بھی مندوب ہے۔ ترشیح المستفیدین ص ۲۱)

(۱۲) **ہاتھ اور پیر کی انگلیوں کا خلال کرنا:** ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں آپ ﷺ نے وضو میں انگلیوں کے خلال کا حکم دیا ہے۔ اچھی طرح انگلیوں کے درمیان پانی پہنچانے کا اہتمام کرنے سے خلال کی فضیلت حاصل ہو گی۔ لیکن ہاتھ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے خلال کرے۔ اور پیر میں بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پیر کے نیچے کی طرف سے خلال کرے۔ دائیں پیر کی چھنگلیاں سے شروع کر کے بالترتیب بائیں پیر کی چھنگلیا پر ختم کر لے۔ اگر انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں اور بغیر خلال کے درمیان میں پانی نہ پہنچے تو تخلیل کر کے پانی پہنچانا ضروری ہے، لیکن اگر ایک دوسرے سے جڑی اور چپکی ہوئی ہوں تو ان کو چیرنا پھاڑنا جائز نہیں ہے۔

(۱۳) **ترک استعانت:** وضو کرتے وقت کسی سے مدد نہ لینا سنت ہے، اگر پانی ڈالنے یا لانے کیلئے مدد لے تو اس میں کراہت نہیں۔ (اسے بھی بعض علماء نے خلاف اولیٰ قرار دیا ہے) اعضاء کے دھونے کا کام دوسرے سے کرانا مکروہ ہے، اگر معقول عذر ہو تو کسی طرح کی مدد لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۱۴) اگر کوئی عذر نہ ہو تو وضو کے پانی کو نہ پونچھنا مستحب ہے۔ شرح مسلم میں امام نوویؒ نے اس کے اباحت کو ترجیح دی ہے۔

(۱۵) وضو کے پانی کو نہ جھاڑے: جھاڑنے کو امام نوویؒ نے تحقیق، شرح مسلم، اور شرح وسیط میں خلاف اولیٰ قرار دیا ہے، لیکن روضہ اور مجموع میں مباح قرار دیا ہے، کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔

(۱۶) دیگر مستحبات: تسمیہ کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْمَاءَ طَھُوْرًا" (حمد اس اللہ کی جس نے پانی کو طہور بنایا) پڑھنا، وضو کے سارے افعال میں نیت کو موجود رکھنا، دل کے ساتھ زبان سے بھی نیت کرنا، آنکھ کے کنارے اہتمام سے پانی پہنچانا، انگوٹھی کو حرکت دینا جہاں پانی جلد نہ پہنچے وہاں احتیاط کے ساتھ پہنچانا، چہرہ دھوتے وقت اوپر کی طرف سے شروع کرنا، سر کا مسح آگے سے شروع کرنا، ہاتھ اور پیر کو انگلیوں کی طرف سے دھونا شروع کرے، جبکہ خود ہی پانی لے، کوئی دوسرا پانی ڈالے تو کہنی اور ٹخنے کی طرف سے شروع کرے۔ (علامہ ابن حجرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں انگلیوں کی طرف سے شروع کرے۔ ترشیح)

وضو کا پانی ایک مد سے کم نہ ہو (تقریباً ۵۲۵ گرام) پانی کے استعمال میں اسراف وفضول خرچی نہ کرے، کسی فعل کو تین سے زیادہ نہ کرے، دوران وضو بلا حاجت کلام (بات چیت) نہ کرے، پانی چہرہ پر نہ مارے، ایسی جگہ وضو نہ کرے کہ چھینٹے اڑیں۔

اگر آنکھوں میں کیچڑ ہو، اور پانی کنارے نہ پہنچے تو اسے دور کرکے پانی پہنچانا واجب ہے۔ آنکھوں کا اندرونی حصہ دھونا سنت نہیں ہے۔ بلکہ نقصان کے پیش نظر بعضوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ نجاست کا معاملہ نسبتاً سخت ہے، اس لئے اندر نجاست لگے تو دھونا ضروری ہے۔ وضو کے بعد بقیہ پانی تھوڑا سا تہبند پر (محل استنجا کے مقابل) چھڑکنا مسنون ہے۔ کسی جگہ پینے کے لئے جو پانی رکھا گیا ہو، اسے وہاں سے لے جانا یا اس سے وضو کرنا حرام ہے۔ مکمل وضو کرنے کی صورت میں (وقت کی تنگی کی وجہ سے) پوری نماز وقت میں نہ ملے، تو وضو میں صرف فرائض پر اکتفاء کرنا واجب ہے، تثلیث اور دیگر مستحبات کی ادائیگی جائز نہیں، جماعت کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو، تو صرف فرائض پر اکتفاء مندوب ہے۔ (فتح المعین) بخاری شریف کی روایت سے بوقت غسل آپ ﷺ کا حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرنا ثابت ہے، اس لئے امام نوویؒ وغیرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ وضو اور غسل کے وقت گفتگو مکروہ نہیں ہے، لیکن نہ کرنا اولیٰ ہے۔ علماء کے کلام میں عریاں و غیر عریاں دونوں اس میں شامل ہیں۔ (قلائد۔ ۱/۲۶)

اعضاء کو ہاتھ سے رگڑ کر دھوئے، وضو کے افعال کو پیاپے (پے درپے مسلسل) ادا کرے، تمام حالات میں پہلا عضو خشک ہو جانے سے پہلے دوسرے عضوء کو دھوئے، قبلہ رو ہو کر وضو کرے، وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے کچھ پی لے، وضو سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

دعا: "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ" صحیح مسلم میں آپ ﷺ سے مروی ہے کہ ""جو اچھی طرح وضو کرنے کے بعد اس دعا کو پڑھ لے، اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جائیں گے، جس دروازے سے جی چاہے داخل ہو" ترمذی کی روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی وارد ہیں۔ (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ) پھر یہ دعا بھی پڑھے۔ "سُبْحَانَکَ اَللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ" (النسائی فی عمل الیوم واللیلۃ، والحاکم فی المستدرک۔ تلخیص ۱/۱۱۲) ترجمہ (اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں، اور بہت پاک رہنے والوں میں شامل فرما، اے اللہ تو پاک ہے اور میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی معبود ہے۔ اور میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔)

اس کے بعد درود شریف اور تین مرتبہ سورہ "انا انزلنا" اور یہ دعا پڑھنا سنت ہے۔ "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ

دَارِی وَ بَارِكْ لِي فِي رِزْقِي وَ لَا تَفْتِنِّي بِمَا زَوَيْتَ عَنِّي" (حاشیۃ الجمل ۱/۱۳۴) (اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے گھر میں کشادگی عطا فرما، اور میرے رزق میں برکت دے اور جس سے محروم ہوں اس کے فتنہ میں نہ ڈال) مذکورہ تمام اذکار و دعا قبلہ رو ہو کر نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر دونوں ہاتھ اٹھا کر پڑھے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۱۳۵) مستغفری کی ایک حسن روایت کی وجہ سے بعضوں نے ہر عضو کے وقت کلمہ شہادت کو مستحب قرار دیا ہے۔ (ترشیح) بعض کتابوں میں ہر عضو کے لئے الگ الگ دعائیں ہیں ثبوت کے اعتبار سے امام نووی اور بعض دیگر علماء اسے کافی ضعیف سمجھتے ہیں، اور اس کے پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، لیکن بعض دیگر حضرات اسکا پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ بطور دعا پڑھنا اچھا ہے لیکن سنت نہ سمجھے (ترشیح)۔

واللہ اعلم بالصواب

وضو سے متعلق متفرق مسائل

وضو میں آنکھوں کے اندر پانی نہ ڈالے، اگر کسی کے ہاتھ میں کہنیاپیر میں ٹخنہ نہ ہو تو مقدار کا اندازہ لگایا جائے گا۔ پیر پھٹنے کی وجہ سے اس میں موم یا مہندی بھر دے تو وضو کیلئے اس کا دور کرنا ضروری ہے، مہندی کا رنگ باقی ہو تو حرج نہیں، اگر عضو پر سیال تیل ہو جس کی وجہ سے پانی فوراً بہہ جائے اور عضو پر ٹھہرے نہیں تو وضو صحیح ہے۔ ناخن کے اندر ایسا میل ہو جس کی وجہ سے وہاں پانی نہیں پہنچتا تو وضو صحیح نہ ہو گا۔ دوران وضو کسی عضو کے دھونے میں شک ہو جائے تو اس کا دوبارہ دھونا ضروری ہے۔ وضو ہونے کے بعد کسی عضو کے دھونے میں شک آئے تو حرج نہیں۔ مضمضہ اور استنشاق کے بعد ہتھیلی دھوئے تو یہ دھونا شمار نہ ہو گا۔ جن اعضا کو دھونے کا حکم ہے ان پر پانی کا بہانا ضروری ہے (صرف تری کا لگنا اور مسح کرنا کافی نہیں ہے) کسی بھی وقت وضو کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنا مستحب ہے۔ دوران وضو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا ضروری ہے، لیکن غسل کرنے والے کو سلام نہ کرے، ہمیشہ باوضو رہنا مستحب ہے۔ (حاشیۃ الجمل وغیرہ ۱/۱۳۵)

تجدید وضو: (باوضو شخص کا پھر سے وضو کرنا) وضو کر لینے کے بعد کوئی سی نماز پڑھ چکا ہو، چاہے ایک ہی رکعت یا نماز جنازہ یا تحیۃ المسجد پڑھے تو تجدید وضو سنت ہے۔ اس سے پہلے تجدید وضو مکروہ ہے۔ بلکہ مستقل عبادت سمجھ کر کرے تو بعض علماء نے حرام قرار دیا ہے۔ صرف سجدۂ تلاوت یا سجدہ شکر کے بعد تجدید وضو مستحب نہیں ہے۔ ابوداود وغیرہ کی حدیث میں تجدید وضو پر دس نیکیاں لکھے جانے کا وعدہ مروی ہے (جمل ۱/۱۶۵)

استنجاء کا بیان

شرمگاہ سے نکلنے والی نجاست کو پانی یا پتھر (ڈھیلا) سے دور کرنے کو استنجاء کہتے ہیں، استنجاء کرنا واجب ہے۔

قضاء حاجت (بول و براز) کے آداب: اوروں کی نگاہ سے عورت (بدن کا وہ حصہ جو دوسروں سے چھپانا ضروری ہے، ستر) کو کسی بھی آڑ سے چھپالے، اگر کھلی جگہ بیٹھا ہے تو آڑ اس سے تین ہاتھ یا اس سے کم فاصلہ پر ہونا چاہئے۔ اگر جانور کے ذریعے آڑ کرے یا کسی گڑھے میں بیٹھ گیا، یا خود اپنے دامن کو لٹکا کر آڑ کر لیا تو یہ بھی کافی ہے۔ کھلے میدان میں ہو یا عمارت میں، سورج اور چاند کی طرف رخ یا پشت نہ کرے، اس لئے کہ یہ مکروہ ہے۔ کھلے میدان میں بغیر آڑ کے قبلے کی طرف رخ یا پشت کر کے قضاء حاجت کرنا حرام ہے۔ بیت الخلاء کے اندر یا کھلے میدان میں آڑ کے ساتھ اس طرح قضاء حاجت حرام نہیں ہے۔

کھلے میدان میں جب قبلہ رویا پشت بیٹھے تو اس کے اور قبلہ کے درمیان ایسا آڑ ہونا ضروری ہے جو کم از کم دو تہائی ۲/۳ ہاتھ اونچا ہو اور اس سے تین ہاتھ سے زیادہ دور نہ ہو۔ اگر اپنے دامن سے آڑ کر لیا تب بھی حرمت ختم ہو جائے گی۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

صحیحین ہی کی روایت میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا حضرت حفصہؓ کے مکان میں شام کی طرف رخ اور کعبہ کی طرف پشت کرکے قضاء حاجت کرنا مروی ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ کی ایک حسن حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے یہ تذکرہ ہوا کہ بعض لوگ اپنی شرمگاہ کو قبلہ رو کرنا ناپسند کرتے ہیں۔ تو آپ نے اس کا انکار فرماتے ہوئے اپنے قضاء حاجت کی نشست اور بیٹھک کو قبلہ رو کرنے کا حکم دیا۔ ان مختلف روایات کو سامنے رکھ کر علماء نے وہ تفصیل بیان کی جو اوپر آپ کے سامنے آچکی۔ (فتح الوہاب ص۹ وغیرہ) جس جگہ بیٹھ کر لوگ گفتگو کرتے ہوں قضاء حاجت نہ کرے، صحیح مسلم میں اس کی ممانعت وارد ہے۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب پاخانہ نہ کرے، قلیل پانی میں کرنا اور سخت ہے، رات کے وقت زیادہ برا ہے۔ کسی بل یا سوراخ میں پیشاب نہ کرے، پھل آور درخت کے نیچے پیشاب پاخانہ نہ کرے، ہوا کے رخ پر بیٹھ کر پیشاب نہ کرے، (ورنہ ہوا کی وجہ سے پیشاب بدن پر اڑے گا) اپنے بائیں پیر پر زور دے کر بیٹھے (اور دائیں کے صرف پنجے کو زمین پر رکھ کر بقیہ حصہ الگ رکھے) استنجاء کے ڈھیلے پہلے ہی تیار رکھے۔

ڈھیلے سے استنجاء کے لئے قضاء حاجت کی جگہ سے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرنے والے کو پانی سے استنجاء کرنے کے لئے وہاں سے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ دوسری جگہ ہو تو ہٹنا بہتر ہے۔ تاکہ چھینٹیں نہ اڑیں۔ ایسی کوئی چیز قضاء حاجت کے وقت اپنے ساتھ نہ رکھے، جس میں قرآن یا اللہ ورسول کا کچھ ذکر موجود ہو، جیسے انگوٹھی وغیرہ اگر رکھے تو مکروہ ہے۔ کوئی ایسی انگوٹھی پہلے نکالنا بھول جائے۔ تو اب اپنی ہتھیلی سے اسے چھپائے رکھے۔ (کسی کا نام محمد ہو مثلاً، اور اپنے نام کے طور پر اسے انگوٹھی پر نقش کرے تو اسے قضاء حاجت کے وقت لے جانا مکروہ نہیں ہے۔ (قلائد) انگوٹھی پر اللہ کا نام ہو اور استنجاء کے وقت اس پر نجاست لگتی ہو تو یہ حرام ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۸۲)

بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پیر اندر رکھے اور باہر نکلتے وقت پہلے دایاں پیر باہر نکالے، میدان میں قضاء حاجت کی صورت میں جس جگہ بیٹھنا ہو، وہاں پہلے بایاں پیر رکھے اور اٹھنے کے بعد دایاں پیر ہٹائے۔ پیشاب کے بعد کھنکھار کر اور ذکر (مرد کی اگلی شرمگاہ) پر انگلی پھیر کر قطرات سے اچھی طرح صفائی حاصل کرے۔ بول و براز کے وقت بیت المقدس کی طرف رخ یا پشت کرنا مکروہ ہے، حرام نہیں ہے کسی بھی جگہ میں قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرکے جماع (صحبت) کرنا مکروہ نہیں ہے۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا: ترمذی کی روایت میں ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنے سے انسانوں کی شرمگاہ کا جنات کے نگاہوں سے پردہ ہو جاتا ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت (یعنی داخل ہونے سے پہلے) یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ“ (اے اللہ مذکر و مونث شیاطین سے تیری پناہ چاہتا ہوں) لہٰذا پہلے ”بسم اللہ“ پھر اس دعا کا پڑھنا مستحب ہے۔ ابن السنی اور طبرانی کی کتاب الدعا میں یہ الفاظ مروی ہیں ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ وَالْخَبِیْثِ الْمُخْبِثِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم“ (الاذکار صفحہ ۲۷۔۲۸) داخل ہوتے وقت دعا بھول جائے تو اندر دل میں ہی پڑھ لے۔ (قلائد ۱/۲۶)

بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد کی دعا: سنن ابوداود اور ترمذی کی صحیح روایت میں آپ ﷺ سے "غفرانك" کہنا مروی ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ میں یہ دعا موجود ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ" ابن السنی اور طبرانی کی روایت میں آپ ﷺ سے یہ دعا پڑھنا منقول ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَذَاقَنِیْ لَذَّتَهٗ وَ اَبْقٰی فِیَّ قُوَّتَهٗ وَ دَفَعَ عَنِّی اَذَاهُ" (الاذکار ص ۲۷-۲۸)

بیت الخلاء اور میدان دونوں جگہ ان دعاؤں کو پڑھے۔ بیٹھتے وقت زمین سے قریب ہونے سے پہلے ہی اپنا کپڑا نہ اٹھائے، اسی طرح اٹھ کر کھڑا ہونے سے پہلے ہی کپڑا درست کرے۔ بغیر کسی مجبوری کے وہاں سے نکلنے سے پہلے ذکر یا بات کرنا مکروہ ہے۔ اگر قضاء حاجت کے وقت چھینک آئے تو دل میں "الحمد للہ" پڑھ لے، زبان سے ادا نہ کرے۔ جماع کے وقت چھینک آئے تو یہی حکم ہے۔

سنت یہ ہے کہ قضاء حاجت کیلئے لوگوں سے دور نکل جائے (بیت الخلاء اس سے مستثنیٰ ہے) اور نرم زمین پر پیشاب کرے، تاکہ چھینٹے بدن پر نہ اڑیں۔ سڑک پر اور قبروں کے قریب پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ قبروں کے اوپر اور مسجد میں پیشاب کرنا حرام ہے۔ مستحب ہے کہ ننگے پیر اور ننگے سر بیت الخلانہ جائے اور نہ نکلنے والی نجاستوں کو دیکھے، اور نہ اپنی شرمگاہ کو، اور نہ آسمان کی طرف، ہاتھوں سے بے کار حرکتیں نہ کرے، کسی برتن میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں۔ بغیر عذر کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ بیت الخلاء میں زیادہ دیر بیٹھے رہنا مکروہ ہے۔

قضاء حاجت کے وقت کھانے پینے مسواک کرنے اور پیشاب میں تھوکنے سے احتراز کرے (جمل ۱/۹۲)

فصل: استنجاء کن چیزوں سے کیا جائے گا۔

جس نجاست کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس میں پتھر اور ڈھیلے سے استنجاء کافی نہیں ہے (لہٰذا زخم سے پیپ خون وغیرہ نکلے تو ڈھیلے کے ذریعہ اس سے پاکی حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ پانی ہی استعمال کرنا پڑے گا) اگر ریح (گیس، ہوا) خارج ہو تو استنجاء کی ضرورت نہیں۔ سبیلین (اگلی اور پچھلی شرمگاہ) سے نکلنے والی چیز ایسی ہو کہ جگہ بالکل تر اور نجاست سے ملوث نہ ہو تو استنجاء کرنا واجب نہیں ہے، لیکن سنت ہے جیسے کیڑا یا کنکر بغیر رطوبت کے نکلے یا مینگنی بالکل خشک نکلے۔ (اگر خروج ریح کے وقت وہ جگہ تر ہو تو استنجاء مسنون ہے، ورنہ مکروہ ہے۔) (قلائد ۱/۲۵)

سبیلین سے نکلنے والی چیز اس مقام کو نجس کرے تو پتھر یا پانی سے استنجاء کرنا واجب ہے۔

صرف پتھر (ڈھیلے) سے استنجاء کے شرائط۔ (۱) نجاست شرمگاہ سے نکلے، کسی اور جگہ سے نکلے تو پتھر کافی نہیں۔ (۲) نجاست خشک نہ ہو جائے، خشک ہونے کے بعد پانی استعمال کرنا ضروری ہے۔ (۳) کھڑے ہونے کی حالت میں دونوں سرین کا جو حصہ ایک دوسرے سے مل جاتا ہے۔ پاخانہ اس حصہ سے آگے نہ بڑھ چکا ہو، اور پیشاب ختنہ کے مقام سے آگے نہ پھیلا ہو، ورنہ پورا پانی سے دھونا ہو گا۔ (۴) مذکورہ بالا حد کے اندر بھی اگر نجاست الگ الگ ہو جائے۔ (یعنی ایک دوسرے سے ملی ہوئی نہ ہو۔) تو جو نجاست اصل جگہ سے جدا ہے، اس میں پانی ضروری ہے (۵) نکلنے کے بعد نجاست جس جگہ ٹھہر چکی پھر وہاں سے آگے نہ بڑھے ورنہ پانی ضروری ہو گا (۶) اس نجاست میں باہر سے کوئی نجس یا پاک چیز شامل نہ ہوئی ہو ورنہ پانی استعمال کرنا ہو گا۔ (۷) تین مرتبہ محل نجاست کو صاف کرے، یا تو تین پتھر استعمال کرے، یا ایک ہی بڑے پتھر کے تین کناروں سے تین مرتبہ مسح کرے۔ صحیح مسلم کی روایت میں آپ ﷺ نے تین سے کم پتھر سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور تین الگ الگ کناروں سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اصل مطلوب

تین مرتبہ مسح کرنا اور پونچھنا ہے۔(۸) تینوں مرتبہ پورے محل نجاست پر مسح کرے۔(۹) جگہ اچھی طرح صاف ہو جائے۔

اگر تین مرتبہ مسح کرنے سے اچھی طرح صاف نہ ہو تو صاف ہونے تک مزید پتھر استعمال کرنا ضروری ہے نجاست کا صرف اتنا اثر باقی رہے کہ پانی یا باریک ٹھیکریوں کے بغیر جدا نہ ہو تو اس میں حرج نہیں۔

سنتیں: (۱) اچھی طرح صفائی کیلئے تین سے زیادہ مسح کرنا پڑے تو طاق عدد پر ختم کرے۔(مثلاً ۴ رڈھیلوں میں صفائی حاصل ہو جائے تو طاق عدد کی رعایت کیلئے پانچواں بھی استعمال کرنا سنت ہے۔)

صحیحین میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ فرمان موجود ہے کہ تم میں سے کوئی استنجاء کیلئے ڈھیلے استعمال کرے تو طاق تعداد میں استعمال کرے۔

(۲) دبر (پچھلی شرمگاہ) کیلئے پہلے ڈھیلے کو دائیں کنارے سے آگے کی طرف نجاست کے بالکل قریب رکھ کر آہستہ آہستہ پھراتے ہوئے اسی جگہ لے آئے پھر دوسرے ڈھیلے کو بائیں طرف سے اسی طرح استعمال کرے۔ دونوں ڈھیلے پورے محل نجاست سے گذرنا ضروری ہے۔ تیسرے ڈھیلے کو دونوں کنارے اور درمیان سے گذارے۔ ذکر (اگلی شرمگاہ) کی پاکی میں اسے ڈھیلے کے تین الگ الگ مقام پر مسح کرنا کافی ہے۔ ایک ہی مقام پر دو مرتبہ ذکر سے مسح کرے تو اب پانی ضروری ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے والا اگلی شرمگاہ کو مقدم، اور ڈھیلے سے استنجاء کرنے والا دبر کو مقدم رکھے۔

(۳) بائیں ہاتھ سے استنجاء کرے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے، مسلم کی روایت میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے روکا ہے، لہٰذا یہ مکروہ ہے۔ استنجاء کرتے وقت درمیانی انگلی پر زور دے۔ استنجاء کے بعد ہاتھوں کو زمین وغیرہ پر رگڑ کر دھونا اور شرمگاہ اور تہبند پر پانی چھڑکنا سنت ہے۔ استنجاء کے بعد ہاتھ میں بدبو محسوس ہو تو اسے دھونا ضروری ہے۔ لیکن دبر پر نجاست کا حکم نہیں لگے گا۔

(۴) پہلے ڈھیلا پھر پانی دونوں استعمال کرے، تاکہ ڈھیلے سے نجاست دور ہو جائے، اور ہاتھوں کو نجاست سے ملوث کئے بغیر پانی سے نجاست کا اثر دور ہو جائے۔ اس صورت میں ڈھیلے کا پاک ہونا یا تین مرتبہ ہی استعمال کرنا ضروری نہیں (اس لئے کہ بعد میں پانی استعمال کر ہی رہا ہے، لیکن کامل فضیلت کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے) صرف ایک پر اکتفاء کرنا ہو تو پانی افضل ہے۔

استنجاء سے فارغ ہونے کے بعد احیاء العلوم میں یہ دعا درج ہے۔ "اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ حَصِّنْ فَرْجِیْ مِنَ الْفَوَاحِشِ" (اے اللہ میرے قلب کو نفاق سے اور شرمگاہ کو حرام کاریوں سے پاک صاف کرنا۔) (فتح الوہاب مع حاشیۃ الجمل جلد ۱ ص ۹۷ تا ۱۰۰)

فصل۔ پانی کے علاوہ کس چیز سے استنجاء کیا جائے

عموماً ہم پتھر یا ڈھیلے کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن دوسری جامد (ٹھوس) چیزوں سے بھی استنجاء جائز ہے۔ مائع سے جائز نہیں۔ لہٰذا اس فصل میں اسی کے شرائط بیان کئے جا رہے ہیں۔

(۱) وہ چیز پاک ہو۔ اگر نجس چیز کو استنجاء کیلئے استعمال کیا تو بعد میں پانی ہی استعمال کرنا ضروری ہے۔ (۲) نجاست کو پونچھ کر اچھی طرح صاف کرنے والی ہو۔ لہٰذا شیشہ (کانچ)، بانس، چکنا لوہا، نرم کوئلہ اور جھڑنے والی مٹی وغیرہ کافی نہیں، کوئلے اور مٹی کا ڈھیلا سخت ہو تو کافی ہے۔

پتھر، دباغت دی گئی کھال، گھاس، ٹھیکری، اینٹ، ایسے اوراق جس میں کوئی محترم علم یا محترم نام نہ ہو، جیسے فلسفہ وغیرہ کے اوراق،

یہ اشیاء استنجاء کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔ پتھر وغیرہ کا تر نہ ہونا ضروری ہے۔(جمل وغیرہ)

(۳) محترم نہ ہو، مطعوم (کھائی جانے والی چیز جیسے روٹی اور ہڈی) سے استنجاء جائز نہیں، جس چیز پر حدیث وفقہ وغیرہ کا علم لکھا ہو، اس سے بھی استنجاء جائز نہیں۔ حیوانات سے متصل اجزاء (جیسے بکری وغیرہ کا پیر یا دم) سے استنجاء جائز نہیں، حیوانات سے جدا اور پاک اجزاء سے استنجاء کر سکتے ہیں جیسے بال اور پر۔ سونے چاندی کا ٹکڑا یا کسی دوسرے قیمتی جواہرات کا ٹکڑا جس میں کھردرا پن ہو، اور ریشم کا کپڑا بھی جائز ہے۔

محترم چیز سے استنجاء کرنے سے پاکی حاصل نہ ہوگی اور گنہگار بھی ہوگا۔ لیکن نجاست دوسری جگہ منتقل نہ ہوئی ہو تو اس کے بعد ڈھیلا استعمال کرنا کافی ہے۔ پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد اس پتھر کو دھو کر خشک ہونے کے بعد پھر استعمال کر سکتے ہیں۔ ایک ہی پتھر سے نجاست اچھی طرح دور ہوگئی، پھر دوسرا اور تیسرا پتھر استعمال کیا جن پر کچھ گندگی نہیں لگی تو ان دونوں پتھروں کو بغیر دھوئے بھی دوبارہ استعمال کر سکتے ہیں۔

وضو اور تیمم سے پہلے ہی استنجاء کر لینا چاہئے، استنجاء سے پہلے وضو کر لیا تو صحیح ہوگا، لیکن تیمم صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح تیمم کے وقت ہاتھ پر نجاست ہو تو تیمم صحیح نہ ہوگا۔ نکلنے والی نجاست بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر اسی جگہ جا کر لگ جائے تو پانی ہی استعمال کرنا چاہئے۔ استنجاء کیلئے اتنا پانی استعمال کرے کہ نجاست کے ازالہ کا غالب گمان حاصل ہو جائے۔ اندرونی حصے کو دھونے کی کوشش نہ کرے۔

حدث (بے وضو ہونا) کے احکام ومسائل

لغت میں حدث نئی چیز کو کہتے ہیں، شرعاً جن اسباب سے طہارت ختم ہوتی ہے۔ اسے حدث کہتے ہیں (فتح الوہاب ۱/۷) اگر وضو ٹوٹ جائے تو اسے حدث اصغر (چھوٹا حدث۔ چھوٹی ناپاکی) کہیں گے۔ اور ایسے اسباب پائے جائیں جن سے غسل واجب ہو جائے تو اُسے حدث اکبر (بڑا حدث۔ بڑی ناپاکی) کہیں گے۔ صرف حدث کہنے میں دونوں آگئے، لیکن عموماً صرف حدث کا لفظ بے وضو ہونے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ آیت: ”وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ“ (سورہ المائدہ ۶) ترجمہ: اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو اس زمین پر سے، شافعی مسلک میں سبیلین (اگلی اور پچھلی شرمگاہ) کے علاوہ بدن کے کسی اور حصے سے کسی بھی چیز کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح نماز میں قہقہہ لگانے۔ (ٹھٹھا مار کر ہنسنے) اونٹ کا گوشت کھانے اور آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا (بعض دیگر ائمہ کرام کے نزدیک ان اسباب سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔)

چار اسباب میں سے کسی ایک کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۱) **سبیلین سے کسی بھی چیز کا نکلنا:** عورت یا مرد کے اگلے یا پچھلے شرمگاہ سے ہوا، پیشاب، پاخانہ، خون، کیڑا، سنگریزہ وغیرہ پاک یا ناپاک، عموماً نکلنے والی یا نادر (کبھی کبھار بیماری یا کسی عذر سے نکلنے والی) کسی بھی طرح کی چیز نکلے، وضو ختم ہو جائے گا۔ لیکن صرف منی نکلنے سے وضو ختم نہ ہوگا۔ (مثلاً بیداری میں غلط خیالات ذہن میں آنے سے یا سرین کو زمین سے ٹکا کر بیٹھ کر سونے میں کسی کی منی نکل جائے تو اس سے غسل تو واجب ہوگا لیکن وضو نہ ٹوٹے گا۔) کسی چیز کے داخل ہونے سے وضو پر اثر نہ ہوگا لہٰذا شرمگاہ

سے کوئی دوا وغیرہ اندر داخل کی گئی تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ اس کی کچھ مقدار باہر نکل آئے تو ٹوٹ جائے گا(ترشیح المستفیدین ۲۶)عام شرمگاہ کا راستہ بند ہو جائے اور معدہ سے نیچے کوئی دوسرا سوراخ اور راستہ کھل جائے۔ تو اس راستے سے کسی چیز کے نکلنے سے وضو ختم ہو گا، لیکن عام شرمگاہ کا راستہ بھی کھلا ہو تو پھر اس نئے راستے سے کسی چیز کے نکلنے سے وضو نہیں جائے گا۔ معدہ سے اوپر سوراخ ہو تو اس میں سے کسی بھی چیز کے نکلنے سے وضو نہیں جائے گا، چاہے پیشاب، پاخانہ نکلے یا اور کوئی چیز، اصلی شرمگاہ کا راستہ جاری ہو یا بند، یہ اس وقت ہے جبکہ اصلی راستہ عارضی طور پر بند ہو۔ اگر پیدائشی طور پر ہی اصلی راستہ بند ہو تو پھر نیا راستہ معدہ سے اوپر ہو تب بھی اس میں سے کسی چیز کے نکلنے سے وضو ختم ہو جائے گا، اور دیگر سارے احکام میں وہ اصلی ہی کی طرح ہو گا۔(فتح الوہاب مع الجمل ۱/۶۵)

اگر سوراخ ناف سے نیچے کی طرف ہے تو اسے معدہ سے نیچے سمجھیں گے اور ناف کے سیدھ میں یا اس سے اوپر ہے تو اُسے معدہ سے اوپر سمجھا جائے گا۔ عارضی راستے سے نکلنے میں جن صورتوں میں وضو ٹوٹتا ہے، صرف ڈھیلے سے استنجاء ناکافی ہے۔ اس جگہ کو چھونے سے وضو نہ ٹوٹے گا۔ اور اس راستے میں صحبت کرنے سے صحبت کے احکام ثابت نہ ہوں گے۔ کیڑا شرمگاہ سے باہر سر نکالنے کے بعد اندر جائے تب بھی وضو ختم ہو گا۔

(۲) **عقل کا زائل ھونا**(ختم ہونا) یعنی عقل کی قوت تمیز و پہچان کا ختم ہونا۔ جنون (پاگل پن) بے ہوشی اور نشہ کی وجہ سے ہر حال میں وضو ٹوٹے گا۔ نشہ سے وہ کیفیت مراد ہے جس میں شعور ختم ہو جائے، صرف مستی کی ابتدائی کیفیت مراد نہیں۔ ایسی نیند جس میں بدن ڈھیلا پڑ جائے، پاس والے کا کلام سمجھ نہ سکے اور شعور ختم ہو جائے وضو کو ختم کر دے گا۔ اونگھ اور وساوس سے وضو ختم نہ ہو گا۔ اپنے دونوں سرین کو نیچے کی طرف اچھی طرح جما کر سونے سے وضو نہیں جائے گا۔ چاہے کسی چیز سے اس طور پر ٹیک لگا کر سویا ہے کہ اگر وہ چیز ہٹ گئی تو گر جائے گا۔(فتح المعین مع ترشح ص ۲۷) لیٹ کر سونے سے جماؤ حاصل نہیں ہو سکتا، لہٰذا لیٹ کر کسی بھی طرح سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ شافعی مسلک میں کم یا زیادہ سونے میں کچھ فرق نہیں ہے، جن صورتوں میں وضو ٹوٹتا ہے زیادہ سونے سے بھی ٹوٹتا ہے، اور کم سونے سے بھی۔ اسی طرح جن صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹتا، کم سوئے یا زیادہ، نہیں ٹوٹے گا۔ گوٹ مار کر جماؤ کے ساتھ سو جائے تو وضو باقی رہے گا۔(سرین اور قدم زمین پر رکھ کر پنڈلیوں کو کھڑا رکھے اور دونوں ہاتھوں سے اسے تھام لے یا کسی کپڑے سے پشت کے پیچھے سے باندھ دے تو ایسی بیٹھک کو گوٹ مار کر بیٹھنا کہتے ہیں۔)

سرین کے جماؤ کے ساتھ سویا ہوا تھا، لیکن بیداری سے پہلے ایک سرین ہٹ گئی تو وضو ختم ہو گیا۔ بیدار ہونے کے بعد یا بیداری کے ساتھ ہٹے یا شک ہو کہ پہلے ہٹی یا بعد میں تو ان صورتوں میں وضو باقی رہے گا۔ اگر شک پیدا ہو کہ سویا تھا یا صرف اونگھا تھا یا سرین جما کر سویا تھا یا نہیں تو وضو باقی رہے گا۔ کوئی پیٹھ کے بل لیٹ کر سرین کو اچھی طرح زمین سے جما کر سوئے تب بھی وضو نہ رہے گا، چاہے لنگوٹ وغیرہ کس کر باندھا ہو، امام شافعیؒ اور دیگر علماء شوافع کا کہنا ہے کہ نیند کی جن صورتوں میں ہمارے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، وضو کر لینا مستحب ہے، اس لئے کہ بعض دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک تمام صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ان کے اختلاف سے بچنا بہتر ہے۔

(۳) **مذکر و مونث (مرد و عورت) کی چمڑی کا آپس میں مس ھونا، چھو جانا**: ایسی صورت میں دونوں کا وضو ختم ہو گا۔ حدث کے سلسلہ میں اس فصل کی ابتداء میں سورہ مائدہ کی آیت ۶ پیش کی گی ہے۔ اس میں ایک سبب **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ** (یعنی عورتوں سے ملامسہ) بھی گزر چکا۔ لمس کے حقیقی معنی چھونا ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں بھی یہ لفظ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ نیز حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ”جو شخص عورت کا بوسہ لے یا اسے ہاتھ سے چھوئے، اس پر وضو لازم ہے“ (مالک،

شافعی) حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے: "بوسہ لینا بھی لمس میں داخل ہے، اور اس سے وضو لازم ہے، لمس سے مراد جماع سے کمتر امور ہیں۔ (بیہقی) اس طرح حضرت عمرؓ نے بھی بوسہ کو لمس کے مفہوم میں داخل کیا ہے۔ (دیکھئے تلخیص ۱/۱۹۸) دونوں کی عمر اتنی ہونا ضروری ہے کہ عرفاً ایک سلیم الفطرت کو انہیں دیکھ کر غالباً شہوت آسکتی ہو (اس کے جذبات ابھر سکتے ہیں) بال، دانت، ناخن اور بدن سے جدا اعضو کو چھونے سے وضو ختم نہ ہو گا۔ یا دونوں میں سے ایک بھی کم سن (کم عمر) ہو، حد شہوت کو نہ پہنچا ہو تو ایسی صورت میں وضو نہ جائے گا۔ نسبی۔ رضاعی (دودھ کا رشتہ) یا سسرالی اعتبار سے آپس میں محرمیت کا رشتہ ہو (ایسا رشتہ جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے ہمیشہ کیلئے نکاح حرام ہو۔ جیسے بیٹی، بہن، رضاعی ماں، ساس وغیرہ) تو ایک دوسرے کے چھونے سے وضو ختم نہ ہو گا۔ کسی مردہ یا بالکل بڑھیا یا شل (خشک۔ لنجا) یا زائد عضو (جیسے چھٹی انگلی یا تیسرا ہاتھ) کو مس کرے یا بغیر شہوت کے یا بغیر قصد وارادہ کے مس کرے تو ان تمام صورتوں میں وضو ختم ہو جائے گا۔ ارادہ کے بغیر بھی آپس میں چمڑی چھو جانے سے وضو ختم ہو تا ہے۔ قریب البلوغ یا خصی یا نامرد کے چھونے سے دونوں کا وضو ختم ہو گا۔ کوئی شخص کسی خوبصورت امرد (ابھی جس کو داڑھی نہ آئی ہو) کو شہوت سے چھوئے تو وضو ختم نہ ہو گا (اگرچہ یہ فعل معصیت ہے) شک ہو کہ محرم عورت کو مس کیا یا غیر محرم کو تو وضو ختم نہ ہو گا۔ محرم کو کسی نے شہوت سے بھی مس کیا تو وضو باقی رہیگا۔ زبان اور دانت کے قریب کا گوشت چمڑی کے حکم میں ہے۔ ان کو چھونے سے وضو ختم ہو گا۔

(۴) **انسان کی شرمگاہ کو چھونا: حدیث** (۱) جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے اسے وضو کرنا چاہئے (مالک، الشافعی، احمد، سنن اربعہ وصححہ احمد وابن معین والبخاری والترمذی)

(۲) تم میں سے کوئی بغیر آڑ اور پردہ (حائل کے اپنے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وہ وضو کرلے۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ، تلخیص ۱/۱۸۴)

ہتھیلی کے بطن (پیٹ۔ اندرونی حصہ) سے اپنے یا کسی دوسرے مرد یا عورت، چھوٹا یا بڑا زندہ یا مردہ کی اگلی یا پچھلی شرمگاہ کو چھونے سے وضو ختم ہو جائے گا۔ پچھلی شرمگاہ سے مراد پچھلے راستے کے دونوں کناروں کے ملنے کی جگہ ہے۔ (لہٰذا ران اور سرین کے بقیہ حصے کو چھونے سے وضو ختم نہ ہو گا) شرمگاہ کٹ کر جدا ہو چکی ہو، (لیکن اتنا حصہ کٹا ہو کہ اسے شرمگاہ کہا جا سکے) یا شل ہو، یا شل ہاتھ سے مس کیا ہو، یا بھول کر مس کیا ہو، تب بھی وضو ختم ہو گا زائد انگلی دیگر انگلیوں کے سیدھ میں ہو تو اس سے بھی وضو ٹوٹے گا۔ کسی اور جگہ ہو تو نہیں ٹوٹے گا۔ ایک ہاتھ میں دو ہتھیلی ہوں اور دونوں یکساں کام دیتے ہوں تو دونوں سے وضو ٹوٹے گا، اور ایک زائد ہو تو صرف اصلی سے ٹوٹے گا، زائد سے نہیں۔

کسی جانور کے شرمگاہ کو چھونے سے وضو ختم نہ ہو گا۔ مذکورہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ ہتھیلی کے باطن سے چھوئے، انگلیوں کے سرے سے یا دو انگلیوں کے درمیانی حصے سے، یا انگلی کے کنارے کی طرف سے، یا ہتھیلی کے کنارے کی طرف سے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ دونوں ہتھیلیوں کو ایک دوسرے پر ہلکے دباؤ کے ساتھ رکھنے پر جتنا حصہ اندر چلا جاتا ہے، اس سے چھونا وضو کو ختم کرے گا۔ جو حصہ باہر رہے اس سے وضو ختم نہ ہو گا۔

کسی دوسرے کی شرمگاہ کو چھونے کی صورت میں صرف چھونے والے کا وضو ٹوٹے گا۔ سامنے والے کا وضو باقی رہے گا۔

وضو کا استحباب: شرمگاہ کے اطراف کے بال، سرین کا قریبی حصہ، ران کا اوپری سرا، کمسن لڑکی، امرد، برص کا مریض اور یہودی کو چھونے کے بعد وضو کر لینا مستحب ہے۔ اسی طرح فصد، (نشتر سے رگ کھولنا) کسی کی طرف شہوت سے دیکھنا، گناہ کی بات

زبان سے نکالنا، غصہ، میت کو اٹھانا اور چھونا، ناخن تراشنا، مونچھ تراشنا اور سر مونڈنے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے۔

مندرجہ ذیل اوقات میں بھی وضو مستحب ھے: قرآن کی تلاوت، قرآن سننا، حدیث سننا، حدیث پڑھنا، حدیث سننا، حدیث روایت کرنا، کسی شرعی علم کا پڑھنا یا پڑھانا، تفسیر وحدیث اور فقہ کی کتاب کو اٹھانا، یا لکھنا، ذکر، ذکر کی مجلس میں حاضری، اذان، اقامت، مسجد میں داخل ہونا، مسجد میں بیٹھنا، جمعہ کے علاوہ دوسرے خطبے دینا، وقوف عرفہ سعی، کسی بھی نبی کے قبر کی زیارت، سونے سے پہلے بیداری کے بعد، قے کے بعد، اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد، نماز میں قہقہہ لگانا، ایک مرتبہ صحبت کے بعد غسل کرنے سے پہلے دوبارہ صحبت کرنا ہو، غیبت، چغلی، بہتان تراشی، فحش وگندی باتیں، جھوٹ، اور کوئی بھی قبیح بات زبان سے نکالنے کے بعد (الفتح مع الترشیح ص ۲۷ حاشیۃ الجمل ۱/۱۳۵)

ایک اهم قاعده اور اصول

یقینی حکم کو باقی سمجھا جائے گا، اور شک کو نظر انداز کیا جائے گا، لہٰذا کسی کو پاکی کا یقین ہے، بعد میں حدث ہونیکے متعلق صرف شک یا گمان ہے تو یقین کو لیتے ہوئے وہ پاک ہے۔ اس کے برعکس حدث کا یقین ہے، بعد میں پاکی حاصل کیا یا نہیں شک ہے، تو وہ ابھی مُحدث (بغیر پاکی کے) ہے وضو کے بعد کسی مرد نے عورت کو چھوا، لیکن جلد یا بال میں شک ہے تو وضو باقی ہے۔ کسی کو اچھی طرح یاد ہے کہ سورج نکلنے کے بعد اس نے وضو بھی کیا ہے اور پیشاب بھی، لیکن پہلے کیا انجام دیا یاد نہیں تو ایسی صورت میں سورج نکلنے سے پہلے وہ بے وضو تھا تو اب باوضو ہے اور اگر پہلے باوضو تھا اور تجدید وضو کا عادی تھا تو اب بے وضو ہے اور تجدید وضو کا عادی نہیں تھا تو باوضو ہے سورج نکلنے سے پہلے کی حالت یاد نہیں تو بے وضو ہے۔

خنثیٰ مشکل (ھجڑا) کا بیان

(کسی کو مرد وعورت دونوں کے اعضاء مخصوصہ ہوں تو وہ خنثیٰ ہے۔ مرد یا عورت کے فیصلے کیلئے کوئی واضح علامت نہ ہو تو خنثیٰ مشکل ہے) خنثیٰ مشکل کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ درج ذیل تفصیل کی روشنی میں کیا جائے گا۔ صرف مرد کی شرمگاہ سے پیشاب نکلے تو وہ مرد ہے۔ صرف عورت کی شرمگاہ سے پیشاب نکلے تو وہ عورت ہے۔ دونوں شرمگاہ سے نکلے اور دونوں کا سلسلہ ایک ساتھ ختم ہو، تو جس شرمگاہ سے پہلے نکلنا شروع ہو، اس کا اعتبار ہوگا۔ دونوں کا سلسلہ ساتھ شروع ہوتا ہو لیکن آگے پیچھے ختم ہوتا ہو تو جس شرمگاہ سے بعد میں ختم ہو اس کا اعتبار ہوگا۔ ایک سے شروع پہلے ہو، اور دوسرے سے ختم بعد میں ہو تو پہلے شروع ہونے والی شرمگاہ پر حکم لگے گا۔ دونوں کی ابتداء وانتہا ساتھ ہو تو پیشاب سے استدلال نہیں کرسکتے۔ بلوغ کی عمر کے بعد صرف مرد کی شرمگاہ سے منی نکلے تو وہ مرد ہے، صرف عورت کی شرمگاہ سے منی نکلے یا حیض آئے تو وہ عورت ہے، جبکہ بار بار اسطرح ہو دونوں سے منی خارج ہو تو اس کی صفت کے مطابق حکم لگے گا۔ اگر مرد کی منی کے صفات ہیں تو مرد، اور عورت کی منی کے صفات ہیں تو عورت۔

ایک راستے سے مرد کی صفت پر اور دوسرے راستے سے عورت کی صفت پر خارج ہو تو منی سے استدلال ممکن نہیں۔ کسی خنثیٰ کو بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اس کا عورت ہونا بالکل قطعی ہے اور اس علامت کو دیگر تمام علامات پر مقدم رکھیں گے۔ پیشاب اور حیض یا منی میں تعارض ہو تو ان کی روشنی میں فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ داڑھی اُگنے، پستان ابھرنے، اور پسلیوں کے تعداد کی کمی بیشی سے فیصلہ نہیں کرسکتے۔ اوپر بیان کردہ علامتوں سے فیصلہ نہ ہوپائے تو عقل کی حالت میں بالغ ہونے کے بعد اگر اپنا میلان اور رجحان عورتوں کی طرف بتاتا ہے تو

وہ مرد ہے اور مردوں کی طرف میلان بتاتا ہے تو وہ عورت ہے۔

چند جزئیات: بالغ ہونے کے بعد کسی ایک صنف کی طرف میلان ہو تو فوراً اس سے آگاہ کرنا چاہئے۔ اگر اس نے تاخیر کی تو گنہگار ہو گا۔ (۲) من چاہی خبر دینا حرام ہے، جیسا میلان ہو وہی بتائے (۳) اگر کہتا ہے کہ دونوں کی طرف میلان ہے یا کسی کی طرف بھی نہیں، تو اشکال باقی رہے گا (۴) ایک مرتبہ کسی ایک جانب میلان کی خبر دینے کے بعد اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ البتہ مرد ہونے کی خبر کے بعد بچہ جننے یا حمل ٹھہرنے سے اس کا قول باطل ہو جائے گا۔ جیسے کہ دیگر ظاہری علامتوں کی روشنی میں مرد کا فیصلہ دینے کے بعد حمل ظاہر ہو، تو یہ فیصلہ غلط قرار پائے گا۔ (۵) اس کے خبر کے مطابق فیصلہ کے بعد اس کے خلاف کوئی علامت ظاہر ہو۔ (حمل کی علامت کے علاوہ) تو ان کا اعتبار نہ ہو گا۔ اس کے خبر ہی کو معتبر سمجھیں گے۔ اپنے میلان کی خبر کے مطابق عورت یا مرد ہونا طے پایا تو پھر سارے مسائل میں اس کے ساتھ اسی فیصلہ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ (محض تہمت کی وجہ سے اس کے خبر کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں۔)

وہ امور جو بے وضو حرام ھیں (محدث کے لئے حرام امور):

محدث (بے وضو) پر یہ امور حرام ھیں: ہر قسم کی نماز، سجدہ تلاوت، سجدہ شکر، طواف، قرآن پاک کو چھونا یا اٹھانا، اور لے جانا، قرآن کے کنارے یا سطروں کے درمیانی حصہ میں ہاتھ لگانا، کسی لٹکا نیکی چیز سے قرآن کو اٹھانا، قرآن پاک کی جلد کو چھونا، کسی جزدان، صندوق و بکس یا تھیلی میں قرآن ہو تو اس جزدان وغیرہ کو چھونا۔

کسی لکڑی وغیرہ سے قرآن کے صفحات کو الٹنا جائز ہے۔ اپنی آستین کو ہاتھ پر لپیٹ کر اس سے صفحات کا پلٹنا حرام ہے۔ مختلف اسباب (سازوسامان) کے درمیان قرآن بھی ہو تو ان اسباب کا قرآن سمیت اٹھانا حرام نہیں ہے، لیکن مکروہ ہے۔ کاغذ وغیرہ کو سامنے رکھ کر بغیر چھوئے اور اٹھائے اس پر قرآن پاک لکھنا جائز ہے۔ تورات وانجیل اور قرآن کی ان آیتوں کو جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، بے وضو چھونا اور اٹھانا جائز ہے (البتہ مکروہ ہے)۔ آپ ﷺ کی حدیث کو چھونا اور اٹھانا جائز ہے لیکن وضو کر لینا اولیٰ (بہتر) ہے۔

پڑھنے پڑھانے کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے کسی چیز پر قرآن کی آیت تحریر کی گئی جیسے سکہ، کپڑا، عمامہ، کھانا، اور دیوار وغیرہ پر، تو اس کا چھونا اور اٹھانا حرام نہیں ہے۔ فقہ واصول کی کتابوں میں قرآنی آیات موجود ہونے کے باوجود ان کا چھونا اور اٹھانا حرام نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر میں تفسیر کے الفاظ قرآن کے الفاظ سے زائد ہوں تو کراہت کے ساتھ چھونا وغیرہ جائز ہے۔ اگر دونوں الفاظ برابر ہوں یا قرآن کے الفاظ زائد ہوں تو حرام ہے۔ جس تختی وغیرہ پر سیکھنے کیلئے قرآن کی آیت لکھی گئی ہو، کسی بالغ کیلئے اس کا چھونا اور لے جانا حرام ہے۔ کسی باشعور بچے کے سرپرست یا استاد پر اسے سیکھنے کے لئے (بے وضو) قرآن کے چھونے اور اٹھانے سے روکنا واجب نہیں، البتہ سنت ہے۔ جس روٹی وغیرہ پہ قرآن پاک لکھا ہو، اسے کھانا حرام نہیں۔ قرآن لکھی ہوئی دیوار کو گرانا حرام نہیں ہے۔ جس لکڑی پر قرآن کندہ ہو اسے جلانا مکروہ ہے۔ مسجد یا کسی دوسرے دیوار پر اور کپڑوں پر قرآن کا لکھنا مکروہ ہے کسی نجس چیز سے قرآن پاک، حدیث یا دیگر شرعی علوم کا لکھنا حرام ہے۔ بدن کے کسی حصہ پر نجاست لگی ہو تو صرف اس حصے سے قرآن کو چھونا حرام ہے۔ دوسرے اعضاء سے چھونا جائز ہے۔ کسی کو پانی اور مٹی دونوں میسر نہ ہوں (یعنی نہ وضو کر سکتا ہے اور نہ تیمم) تو اس کو وقت کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے فرض نماز کو ویسے ہی پڑھنا چاہئے، لیکن قرآن کو چھونا وغیرہ حرام ہو گا۔ قرآن مجید کے ڈوبنے، جلنے، اس پر نجاست کے لگنے یا کافر کے قبضہ میں چلے جانے کا خطرہ ہو، اور جلدی سے وضو کر کے بچا نہیں سکتا، تو اس مجبوری کی وجہ سے بے وضو

اٹھالینے کی اجازت ہو گی۔ بے شعور بچہ جو قرآن کے احترام کو نہیں سمجھتا اسے قرآن دینا جائز نہیں ہے۔ اگر اس عمر میں وہ قرآن سیکھ سکتا ہے تو استاد یا سرپرست کی موجودگی میں سیکھنے کیلئے اسے قرآن دینے کی بعض علماء نے گنجائش دی ہے۔ اس لئے کہ ان کی موجودگی میں بے حرمتی ہونے سے وہ روکیں گے۔ اگر قرآن پاک کفار کے ہاتھ لگنے کا اندیشہ ہو تو قرآن لے کر ان کے علاقہ میں جانا حرام ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید لے کر دشمن کے علاقہ کی طرف سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔(بخاری شریف)

قرآن پاک کو بطور تکیہ سر کے نیچے رکھ لینا، اس کے صفحات کو ایک دوسرے سے چپکا دینا، کسی چیز کے حفاظت کے لئے استعمال کرنا۔ (چاہے علمی کتاب کی حفاظت کیلئے ہو۔) کھانے کی چیز اس پر رکھنا، بغیر چبائے اسے کھا جانا (یعنی ہر وہ چیز جس پر قرآن تحریر ہو) سکّے وغیرہ اس میں رکھنا اور نجس جگہ اسے رکھنا حرام ہے۔ قرآن بوسیدہ ہونے کے بعد بے حرمتی سے بچانے کے لئے اسے جلانے میں حرج نہیں۔ قرآن پر نجاست لگ جائے تو دھو کر صاف کرنا ضروری ہے۔ چاہے اس کی وجہ سے قرآن تلف ہو جائے۔ قرآن سے فال نکالنا مکروہ ہے۔ قرآن کے علاوہ شرعی علوم کی دیگر کتابوں کو بے وضو چھونا واٹھانا حرام نہیں ہے۔ بقیہ احکام میں یہ کتابیں بھی قرآن کی طرح ہیں اس لئے کہ ان میں ان کتابوں کی توہین معلوم ہوتی ہے۔

قرآن لکھی چیز کو چبا کر کھانا یا دھو کر پینا جائز ہے، اس لئے کہ اندر پہنچنے تک قرآن کی تحریر باقی نہیں رہتی۔ لیکن نگلنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اسی حال میں اندر پہنچ کر وہاں کی نجاست اس پر لگے گی۔(حاشیۃ الجمل ۱/۷۸)

باب: غسل کے احکام (نہانا)

آیت: ''وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا'' (سورہ المائدہ۔ آیت۶) ''اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو'' لغت میں کسی بھی چیز پر پانی کے بہنے کو غسل کہتے ہیں۔ شریعت میں نیت کے ساتھ پورے بدن پر پانی کے بہنے کو غسل کہتے ہیں۔(حاشیۃ الجمل ۱/۱۴۱)

چار اسباب سے غسل واجب ہوتا ہے

(۱) **موت**، اس کی تفصیل جنازہ کے باب میں آئے گی۔ (۲) **حیض** عورت کو حیض کا خون آنے کی وجہ سے خون کا سلسلہ بند ہونے کے بعد غسل کرنا واجب ہے۔ حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا! ''جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو، اور ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو'' (متفق علیہ عن عائشہ) غسل اور اکثر احکام میں نفاس (ولادت کے بعد کا خون) بھی حیض کی طرح ہے۔ (۳) **ولادت**، حاملہ عورت کے بدن سے بچہ، علقہ یا مضغہ باہر آجائے اور خون نہ آئے تب بھی غسل کرنا ضروری ہے۔ (۴) جنابت۔ جنابت دو وجہ سے ہو گی۔ (الف) جماع (صحبت) (ب) انزال۔ (منی کا نکلنا)

(الف) **جماع**: حشفہ (عضو تناسل کی سپاری) کے بقدر مرد کی اگلی شرمگاہ کسی بھی فرج میں داخل کرنے کو جماع کہیں گے۔ عورت، مرد، جانور، زندہ، مردہ، عمر میں کم ہو یا زیادہ، ان میں سے کسی کے بھی اگلی یا پچھلی شرمگاہ میں داخل کرے، جنبی (بڑی ناپاکی والا) کہلائے گا۔ عورت کی شرمگاہ میں کسی بھی عضو تناسل کے داخل ہونے سے اس پر غسل واجب ہو گا۔ اگرچہ جانور، مردہ یا بچہ کا عضو تناسل داخل ہو۔ اور اس مرد پر بھی غسل واجب ہے جس کے دبر میں عضو تناسل داخل ہو۔ اگر میت کے ساتھ جماع کیا ہے۔ تو میت کو

اس کی وجہ سے دوبارہ غسل دیناواجب نہیں (صرف جماع کرنے والے پر غسل واجب ہے) کم سن یاپاگل جماع کرے یاان سے کوئی جماع کرے تو یہ بھی جنبی کہلائیں گے۔ اگر بچہ ممیز (باشعور) ہو تو اس کا غسل صحیح ہو گا۔ بالغ ہونے کے بعد دوبارہ غسل واجب نہیں ہے۔ جس طرح ممیز بچے کے سرپرست پر اس کو وضو کا حکم دیناضروری ہے، اسی طرح جنابت کی صورت میں غسل کا حکم دینا بھی ضروری ہے۔ بچہ بالغ ہو جائے یاپاگل کا جنون ختم ہو جائے اور ابھی جنابت کا غسل نہیں لیا، تو غسل لیناواجب ہے۔

حدیث: آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ !مرد عورت کے شعب اربعہ کے درمیان بیٹھے اور دونوں کے ختنہ کی جگہ ایک دوسرے کو چھو جائے (یعنی مرد عورت سے جماع کرے) تو غسل واجب ہو گیا" (مسلم۔ الشافعی۔ ترمذی۔ ابن حبان وغیرہ) یہ ساری تفصیلات اس وقت ہیں جبکہ حشفہ کے بقدر داخل کیاجائے، اگر اس سے کم حصہ داخل کرے تو غسل واجب نہیں ہے۔ عضو تناسل پر کپڑا وغیرہ لپیٹ کر اندر داخل کیاتب بھی غسل واجب ہے، اسی طرح دیگر احکام میں بھی اسے جماع سمجھاجائے گا۔

(ب) **منی کے انزال کی وجہ سے جنابت۔** حدیث: (۱) پانی پانی کی وجہ سے ہے۔ (مسلم۔ ابوداود۔ نسائی۔ ابی خزیمہ ابن حبان وغیرہ) مفہوم: منی نکلنے کی وجہ سے غسل کرناواجب ہے۔ (۲) حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے سوال پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! عورت کو پانی (منی) نظر آئے، (یعنی نیند میں انزال ہو جائے) تو غسل واجب ہو گا (متفق علیہ) منی عام راستے سے نکلے یاپشت یا خصیہ کے سوراخ سے، آدمی جنبی ہو جائے گا۔ مرد کی پشت یاعورت کی پسلیوں کے نیچے سے منی نکلنے سے جنابت حاصل ہو گی، جبکہ اصل راستہ بند ہو۔ (فتح الوہاب، السراج۔ ص ۲۰)

منی کے کچھ خواص ہیں (۱) اگر منی تر ہے تو اس کی بو گوندھے ہوئے آٹے اور کھجور کے شگوفہ کی طرح ہو گی اور خشک ہے تو انڈے کی سفیدی کی طرح (۲) اچھل کر نکلنا (۳) نکلنے سے لذت کا حاصل ہونا اور نکلنے کے بعد عضو مخصوص کاسست اور شہوت ماند پڑجانا۔ سارے خواص کا پایا جاناضروری نہیں۔ کوئی ایک خاصیت بھی موجود ہے تو وہ منی ہے۔ منی کے دیگر بھی صفات ہیں۔ جیسے کہ اعتدال کی حالت میں مرد کی منی کاسفید اور گاڑھاہونا اور عورت کی منی کا پتلا اور زرد ہونا۔

لیکن یہ صفات خواص میں داخل نہیں، لہٰذا ان کے نہ ہونے سے منی نہ ہونا یاان کے ہونے سے منی ہی ہوناضروری نہیں۔ کسی مرض کی وجہ سے گاڑھاپن اور سفیدی ختم ہو جائے، یا کثرت جماع کی وجہ سے خون کی رنگت پر نکلے، تب بھی بعض خواص پر اعتماد کرتے ہوئے غسل واجب ہو گا۔ انزال کی وجہ سے غسل کرنے کے بعد بقیہ منی نکلے تو دوبارہ غسل کرناضروری ہے۔ چاہے پیشاب سے پہلے نکلے یابعد میں، عورت کی منی نکلے تو اس پر بھی غسل واجب ہے، صحیحین میں ام سُلَیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عورتوں کے احتلام کے متعلق پوچھاتو آپ ﷺ نے جواب دیاکہ! اگر منی نظر آئے تو اسے غسل کرناضروری ہے۔

امام الحرمین اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی منی صرف تلذذ سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ (یعنی دیگر خواص اس میں نہیں ہوتے) دیگر اکثر حضرات کے نزدیک اس کی منی بھی خواص میں مرد کی طرح ہے۔ جماع کی وجہ سے غسل کرنے کے بعد عورت کے بدن سے مرد کی منی نکلے تو ان دوشرطوں کے ساتھ اس پر غسل واجب ہے۔

(۱) عورت بالغہ ہو، کمسن نہ ہو۔ (۲) مذکورہ جماع میں اس کی بھی شہوت پوری ہو چکی ہو (اس صورت میں اس میں عورت کی منی کا بھی امکان ہے۔) اگر ایک شرط بھی نہ ہو تو غسل واجب نہیں (اس لئے کہ وہ صرف مرد کی منی ہو گی) عورت نے کسی کی منی کو اپنے فرج میں داخل کیا (بغیر صحبت کے) تو اس پر غسل لازم نہیں ہے۔

متفرق: میت کو غسل دینے کے بعد اور جنون و بے ہوشی ختم ہونے کے بعد غسل کرنا واجب نہیں ہے۔ اپنے کپڑے یا بستر میں، جس کو دوسرا کوئی استعمال نہیں کرتا، منی نظر آئے اور احتلام یاد نہیں تب بھی اس پر غسل واجب ہے۔ اور ہر وہ نماز جس کے بعد اس منی کے نکلنے کا احتمال نہیں لوٹانا ضروری ہے اور جن نمازوں سے پہلے نکلنے کا احتمال ہے ان کا لوٹانا مستحب ہے۔ (جیسے کسی نے جمعہ کو کپڑے پہنے پھر اتوار کی شام منی نظر آئے تو اتوار کی فجر ظہر اور عصر کو لوٹانا ضروری ہے۔ سنیچر کی فجر سے عشاء تک کی نماز لوٹانا مستحب ہے۔) اگر اس بستر میں کوئی اور بھی سوتا ہو اور اس کی منی ہونے کا بھی احتمال ہو تو اس پر غسل واجب نہیں، البتہ مستحب ہے کہ دونوں بھی غسل کر لیں۔ منی اپنے مقام سے نکلنے اور انزال کے قریب ہونے کا احساس ہوتے ہی عضو مخصوص کو مضبوطی سے پکڑ لیا جس کی وجہ سے منی فی الحال باہر نہیں آئی۔ اور نہ بعد میں آنے کا علم ہوا تو غسل واجب نہیں۔

فصل: جنبی پر حرام امور: جو امور محدث (بے وضو) کے لئے حرام ہیں جنبی کے لئے بھی حرام ہیں۔ جنبی کیلئے مزید قرآن پاک کی تلاوت اور مسجد میں رکنا بھی حرام ہے۔ قرآن کی آیت کا ایک حصہ بھی قرآن کے قصد سے پڑھنا حرام ہے۔ کسی جنبی کو پانی اور مٹی دونوں میسر نہ ہوں، (جو وضو اور تیمم نہ کر سکے) وہ فرض نماز میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے گا۔

حدیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا: جنبی اور حائضہ قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی)

(۲) حضرت علی کا فرمان ہے: جنابت کے علاوہ کوئی چیز آپ ﷺ کو قرآن (کی تلاوت) سے نہ روکتی تھی،، (احمد، اصحاب السنن، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، بزار، دارقطنی، بیہقی وصححہ الترمذی وغیرہ)

(۳) آپ ﷺ نے فرمایا: حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد (میں رکنا) حلال نہیں۔ (ابوداود، ابن ماجہ، طبرانی، صححہ ابن خزیمہ وحسنہ ابن القطان، تلخیص ۱/۱۴۸)

قرآن کے ارادہ کے بغیر قرآن میں سے کچھ پڑھے تو جائز ہے۔ جیسے ''بِسْمِ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' یا سواری کے دعا کے طور پر ''سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ'' آیت پڑھے، تلاوت و ذکر کی نیت کے بغیر یہ آیت اس کی زبان سے جاری ہو تو جائز ہے۔ جنبی کی طرح حیض و نفاس والی عورت پر بھی تلاوت حرام ہے۔ کسی پاک آدمی کا منہ نجس ہو تو اسے تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ حمام میں تلاوت مکروہ نہیں ہے۔ تلاوت کی نیت کے بغیر وعظ و نصیحت، بیان یا (شیاطین وغیرہ کے شر سے) حفاظت کی خاطر قرآن پڑھنا حرام نہیں ہے۔ (ترشیح ص ۳۰/) مسجد میں ٹھہرنا اور رکنا تو جنبی پر حرام ہے، لیکن مسجد سے گذر جانا حرام نہیں ہے۔ البتہ بغیر کسی ضرورت کے یہ مکروہ ہے۔ جنبی مسجد میں ٹہلتا رہے یہ بھی حرام ہے۔ مجبوری کی وجہ سے رکنے کی اجازت ہے، جیسے کوئی مسجد میں سو گیا اور احتلام ہو گیا، بعد میں دروازہ مقفّل (بند) ہونے یا کسی خوف کی وجہ سے باہر نکلنا ممکن نہیں، ایسی صورت میں اگر ممکن ہو تو تیمم کر لینا چاہئے۔ (مسجد میں کنواں وغیرہ ہو تو اندر ہی غسل کرنا ضروری ہے، مسجد کا فرش یا دیوار مٹی کی ہے تو اسے تیمم میں استعمال کرنا جائز نہیں) امام شافعیؒ نے الأم (اُم امام شافعیؒ کی شہرہ آفاق کتاب ہے) میں اور دیگر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جنبی اور حائضہ (حیض والی عورت) کے علاوہ دوسرے حضرات مسجد میں سو سکتے ہیں۔ (جبکہ نمازیوں کیلئے تنگی و تشویش کا باعث نہ ہو) بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ، حضرت علیؓ اور ایک خاتون کا آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں سونا مروی ہے۔ ایسی مسجد میں احتلام ہو، جس میں دو دروازے ہوں، ایک اس سے قریب اور دوسرا دور تو قریبی دروازہ سے نکلنا اولیٰ ہے۔

جنبی اور حائضہ کے غسل سے بچا ہوا پانی طہور ہے، اس کے استعمال میں کوئی کراہت نہیں، صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی

ہے کہ آپ ﷺ اور وہ ایک ہی برتن سے جنابت کا غسل کیا کرتے تھے۔ جنبی کیلئے (غسل سے پہلے) جماع کرنا، سونا، اور کھانا پینا جائز ہے، لیکن سنت ہے کہ شرمگاہ کو دھونے اور وضو کرنے سے پہلے یہ امور انجام نہ دے۔ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں حضرات عائشہ رضی اللہ عنہا، جابر رضی اللہ عنہ، ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جنبی کیلئے کھانے یا سونے کا ارادہ ہو تو درمیان میں وضو کر لینے کا حکم مروی ہے۔ صحیح مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جماعت (صحبت) کے بعد دوبارہ جماع کا ارادہ ہو، تو درمیان میں وضو کر لینے کا حکم دیا ہے۔ (تلخیص ۱/۱۴۹۔۱۴۸) حیض و نفاس کا خون جاری ہو تو اس کے لئے مذکورہ وضو سنت نہیں ہے، جب خون بند ہو جائے (اور ابھی غسل نہیں کیا) تو وہ بھی جنبی کی طرح ہے (یعنی سونے اور کھانے پینے کیلئے وضو کرلے۔)

غسل کی کیفیت

غسل کا ادنی درجہ: غسل کے دو فرض ہیں۔(۱) نیت۔ نیت سے متعلق جزئیات وضو کے بیان میں گذر چکے، کسی فرض حصے کے دھونے کے بعد نیت کافی نہیں۔ اس کے ساتھ متصل ہو تو کافی ہے۔ لیکن اس سے پہلے ادا کی جانے والی غسل کی سنتوں کا ثواب نہیں ملے گا۔ فرض حصہ دھونا شروع کرنے سے پہلے نیت کرلی اور شروع کرنے تک نیت حاضر ہے تو کافی ہے ورنہ کافی نہیں (جیسا کہ وضو میں تفصیل گزرچکی)

اگر رفع جنابت (جنابت دور کرنا) یا سارے بدن سے رفع حدث یا حائضہ نے حدثِ حیض کے دور کرنے کی نیت کی تو غسل صحیح ہے۔ صرف رفع حدث کی نیت کی، جنابت وغیرہ سے تعرض نہ کیا، تو غسل ہو جائے گا۔ اگر عمداً حدث اصغر کے دور کرنے کی نیت کی تو غسل صحیح نہ ہو گا اور غلطی سے اپنے حدث کو حدث اصغر خیال کرتے ہوئے یہ نیت کی تھی تو صرف چہرہ، ہاتھ اور پیر (سر کے علاوہ تینوں اعضاء وضو) کی جنابت دور ہو گی، بقیہ بدن کی دور نہ ہو گی۔ ایسا فعل جائز قرار دینے کی نیت کرے جو بغیر غسل کے جائز نہیں جیسے نماز ۔طواف۔ تلاوت قرآن تو کافی ہے، حائضہ وطی (صحبت) جائز قرار دینے کی نیت کرے تو غسل صحیح ہو گا۔

جن امور کے لئے غسل واجب نہیں (مستحب ہو یا نہ ہو) جیسے اذان۔ مسجد سے گذرنا وغیرہ۔ ایسے امور کے جواز کی نیت سے غسل صحیح نہ ہو گا۔ فرض غسل یا غسل کے فریضہ کو انجام دینے کی نیت کرے تو کافی ہے۔

(۲) **پورے بدن پر پانی بہانا:** کان کے سوراخ میں سے جو حصہ ظاہر ہے، بدن کی شکنیں اور سلوٹیں، غیر مختون کے ختنہ میں کٹنے والی کھال کے نیچے کا حصہ، کسی کی ناک کٹنے کی وجہ سے جو حصہ کھل چکا ہو، قضاء حاجت کیلئے بیٹھتے وقت ثیبہ کے فرج کا جتنا حصہ ظاہر ہوتا ہے، ان تمام اعضاء پر پانی بہانا ضروری ہے۔ کلی اور استنشاق ضروری نہیں، کھال پر اگنے والے تمام بالوں اور اس کی جڑوں میں چاہے گھنے ہوں، پانی پہنچانا ضروری ہے۔ آنکھ کے اندر اگے بال کو دھونا ضروری نہیں، بلکہ حدث کی وجہ سے آنکھ کے اندر پانی پہنچانا سنت بھی نہیں ہے، لیکن نجاست لگی ہو تو دھونا ضروری ہے۔ ناک کے اندورنی بال چاہے لمبے ہوں، دھونا ضروری نہیں۔ (بشری ۱/۳۸) بالوں میں گرہ پڑی ہو تو اس کے اندر پانی کا نہ پہنچنا معاف ہے۔ (البتہ کسی نے گرہ لگائی ہو تو تھوڑی مقدار میں معاف ہے زیادہ ہو تو معاف نہیں) چوٹیوں کے اندر بغیر کھولے پانی نہ پہنچے، تو ان کا کھولنا ضروری ہے، ورنہ ضروری نہیں۔

اکمل غسل کا طریقہ: (۱) اگر نجاست لگی ہو تو غسل سے پہلے اس کا دھونا واجب نہیں ہے، غسل کی نیت سے ایک مرتبہ دھو دیا تو نجاست کا ازالہ اور غسل دونوں حاصل ہونگے، لیکن بدن پر لگی گندگی جیسے منی وغیرہ کو پہلے دور کرنا بہتر ہے۔

(۲) پھر نماز کی طرح وضو کرے، جیسا کے بخاری شریف میں حدیث مروی ہے، مکمل وضو کر لینا بہتر ہے، اگر قدموں کو باقی رکھے اور غسل سے فارغ ہونے کے بعد دھولے تب بھی کافی ہے۔

اگر صرف جنبی ہے (بے وضو نہیں ہے) تو اس وضو میں سنت غسل کی نیت کرلے، اور بے وضو بھی ہے تو حدث اصغر کے دور کرنے کی نیت کرلے۔ باوضو شخص اگر عضو مخصوص پر کپڑا لپیٹ کر جماع کرے اور بدن عورت کے بدن سے بالکل مس نہ ہو، یا نظر و فکر کی وجہ سے انزال ہو تو ان صورتوں میں جنبی تو ہو گا، لیکن وضو نہ ٹوٹے گا (۳) موڑ اور پیچ والے مقامات مثلاً کان، پیٹ کی شکنیں، بالوں کی جڑ وغیرہ کا خصوصی خیال رکھے۔ پانی بہانے سے پہلے بال کی جڑوں کا پانی سے خلال کرے۔

(۴) پانی پہلے سر پر ڈالے، پھر دائیں طرف پھر بائیں طرف، اس کیفیت کو بخاری شریف و مسلم نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے مرفوعاً پیش کیا ہے، وضو کی طرح تین مرتبہ پورے بدن پر پانی بہانا، پہلے سر پر تین مرتبہ، پھر دائیں طرف تین مرتبہ، پھر بائیں طرف تین مرتبہ نہر وغیرہ میں غسل کر رہا ہو تو تین غوطے لگائے۔ ہر مرتبہ جہاں تک ہاتھ پہنچتا ہو بدن کو اچھی طرح رگڑے۔ غسل کی تجدید (بغیر سبب کے دوبارہ غسل کرنا) مستحب نہیں ہے۔ (۵) حیض یا نفاس کا غسل ہو تو غسل کے بعد خوشبو کو روئی جیسی چیز میں لیکر اپنے فرج میں داخل کرے۔ (فرج کا وہ حصہ مراد ہے جس کا غسل میں دھلنا ضروری ہے) مشک استعمال کرنا بہتر ہے، ورنہ دوسری کوئی خوشبو۔ خوشبو میسر نہ ہو تو مٹی، ورنہ صرف پانی بھی کافی ہے (خوشبو کا یہ حکم شوہر کی وفات پر سوگ منانے والی عورت، روزہ دار اور محرم کیلئے نہیں ہے۔) ایک صحابیہ نے آپ ﷺ سے غسل حیض کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے مشک کے استعمال کی طرف رہنمائی فرمائی۔ (متفق علیہ)

(۶) وضو اور غسل کیلئے پانی کی مقدار متعین نہیں ہے، البتہ ایک معتدل بدن والے کیلئے مستحب یہ ہے کہ وضو کا پانی تقریباً ایک مد اور غسل کا پانی تقریباً ایک صاع سے کم نہ ہو، جیسا کہ حضرت سفینہ سے صحیح مسلم کی حدیث میں اور حضرت انس سے صحیحین میں مروی ہے۔

(۷) غسل مکمل ہونے تک نیت کا باقی رکھنا مستحب ہے، رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے غسل سے فارغ ہونے کے بعد یہ پڑھے "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ"

وضو کے باب میں بیان کردہ کئی سنتیں یہاں بھی جاری ہوں گی۔ وضو و غسل کے وقت گفتگو مکروہ نہیں، البتہ گفتگو نہ کرنا اولیٰ ہے۔ (قلائد ۱/ ۲۶) دوسروں کے سامنے غسل کرتے وقت ستر کا کھلا رکھنا جائز نہیں ہے (میاں بیوی ایک دوسرے کے حق میں مستثنیٰ ہیں) تنہائی میں عریاں (ننگا) نہانا جائز ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق مروی ہے، لیکن افضلیت کے خلاف ہے۔ غسل کرنے والے کا مضمضہ، استنشاق یا وضو کو چھوڑنا بُری بات ہے، اس کی تلافی کرے، غسل میں ترتیب واجب نہیں ہے۔ لیکن پہلے وضو کے اعضاء کو پھر سر اور بدن کے اوپر کے حصہ پر پانی بہانا مستحب ہے۔ انزال منی کی وجہ سے پیشاب کرنے سے پہلے غسل کر لینا جائز ہے۔ البتہ پیشاب کے بعد غسل کرنا افضل ہے، تاکہ غسل کے بعد پھر منی نہ نکلے ایک ہی غسل سے فرض اور سنت (جیسے جنابت اور جمعہ کا غسل) کی نیت کرے تو دونوں حاصل ہونگے۔ ایک ہی کی نیت کی تو ایک ہی غسل حاصل ہو گا۔ کسی پر حیض و جنابت دونوں کا غسل ہو تو کسی ایک کی نیت سے غسل کر لینے سے دونوں غسل ادا ہونگے۔ عید، جمعہ۔ سورج گہن وغیرہ کے سب غسل جمع ہو جائیں اور سب کی نیت سے غسل کرے تو سب حاصل ہونگے، بلکہ کسی ایک کی نیت سے بھی دیگر غسل حاصل ہو جائیں گے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۱۶۶) جو شخص جنبی اور بے وضو دونوں ہو، صرف غسل کر لینے سے اس کو دونوں پاکی حاصل ہوں گے، خواہ وضو کی نیت نہ کرے اور اعضاء وضو میں ترتیب کا خیال نہ رکھے۔ (حاشیۃ الجمل ۱۶۷ا)

کتاب التیمم

تیمم کا مطلب عربی زبان میں قصد ہے، اور شرعاً چہرہ اور ہاتھ پر مخصوص شرائط کے ساتھ وضو اور غسل یا کسی ایک عضو کے بدلہ میں مٹی پہنچانے کو تیمم کہتے ہیں(حاشیۃالروضہ)

آیت:"وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ "(سورۃالنساءآیت ۴۳)ترجمہ:اور اگر تم بیمار ہو، یا حالت سفر میں ہو ، یا تم میں سے کوئی شخص استنجا سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے، تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو، یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔

پهلا باب تیمم کے اسباب

پانی استعمال نہیں کر سکتے تو تیمم کرنا جائز ہو گا۔اس مجبوری کے درج ذیل سات اسباب ہیں۔

(۱)**پانی موجود نہ ھونا:** اس سلسلہ میں مسافر کی چار حالتیں ہو نگی۔(الف) اپنے اطراف پانی نہ ہونا یقینی ہو، ایسی صورت میں پانی کی تلاش کے بغیر بھی تیمم کر سکتا ہے۔(ب) اطراف میں پانی ہونے کا امکان ہو، اس صورت میں نماز کا وقت ہونے کے بعد پانی کی تلاش ضروری ہے، خود تلاش کرے یا کسی اور معتبر شخص سے کروائے۔اپنے طور پر کسی دوسرے شخص کا تلاش کرنا کافی نہیں۔پہلے اپنی قیام گاہ میں تلاش کرے پھر دائیں بائیں۔اور آگے پیچھے دور تک نگاہ دوڑائے جبکہ مسطح زمین ہو(ٹیلے وغیرہ نہ ہوں) سرسبز مقامات او رجہاں پرندے موجود ہوں، وہاں خصوصاً توجہ دے اور اگر زمین مسطح نہ ہو(ٹیلے اور گڑھے وغیرہ ہوں) لیکن پانی کی تلاش میں آگے نکل جانے کی صورت میں اپنے جان یا مال کا خطرہ ہو تو جانا واجب نہیں ہے۔اور ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے تو چاروں طرف اتنی دور تک پانی کی تلاش میں جانا ضروری ہے کہ وہاں سے کسی ضرورت سے اپنے ساتھیوں کو آواز دے اور وہ اپنے کام اور گفتگو میں مصروف ہوں تو اس کی آواز پر مدد کو پہنچ سکیں۔زمین کے نشیب و فراز(اونچ نیچ) کے اعتبار سے اس مسافت(دوری) میں فرق آئے گا۔

اسی مسافت کو'منہاج' میں یوں بتلایا کہ مسطح زمین پر جہاں تک نظر جاتی ہے وہاں تک جانا ضروری ہے اور شرح صغیر میں اس کو تیر کی انتہا سے تعبیر کیا ہے، یعنی ایک تیر زیادہ سے زیادہ جتنی دور جاتا ہو۔بعض حضرات نے کہا کہ یہ مسافت ۳۰۰ سے ۴۰۰ ہاتھ تک ہوتی ہے(۱۲۰ تا ۱۶۰ میٹر) اس مسافت کو اصطلاح فقہ میں حد غوث کہتے ہیں۔(حاشیۃالجمل مع الفتح ۱/۱۹۹)

سفر میں ساتھی ہوں، تو تمام ساتھیوں سے بھی پانی کے متعلق دریافت کرے۔اتنی بلند آواز سے جو ساتھیوں تک پہنچے یہ اعلان کرے کہ کسی کے پاس پانی ہے جو بطور ہبہ یا قیمت سے مجھے دیدے، ہر ساتھی سے فرداً فرداً پوچھنا ضروری نہیں۔تمام ساتھی مل کر کسی ایک آدمی کو پانی تلاش کرنے روانہ کریں تو کافی ہے۔یہ تفصیلات اس وقت ہیں جبکہ اس سے پہلے تلاش اور تیمم نہ کر چکا ہو۔اس سے پہلے پانی تلاش کر کے نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر چکا ہو اور اس کے بعد کوئی ایسی بات پائی جائے جس کی وجہ سے پانی کا احتمال ہو جیسے اس جگہ سے ہٹ چکا ہو، یا نیا قافلہ نظر آئے یا بادل چھا جائے تو پھر تلاش کرنا ضروری ہے۔لیکن ہر وہ مقام جہاں ایک مرتبہ تلاش کے بعد پانی نہ ہونا یقینی ہو چکا اور بعد میں پانی کی موجودگی کا کوئی احتمال بھی نہیں تو وہاں دوبارہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

اگر پانی کے احتمال کا سبب پایا نہ جائے اور پانی کے نہ ہونے کا گمان ہو (یقین نہ ہو) تو تلاش کرنا ضروری ہے، لیکن پہلی مرتبہ کے

مقابلہ میں کمتر درجہ میں۔

مذکورہ بالا مسائل میں دونوں تیمم کے درمیان مدت طویل ہو یا کم، یا بغیر مدت کے معاملہ پیش آئے نوعیت یہی رہے گی۔

(ج) اطراف میں پانی کا ہونا یقینی ہو۔ پانی اتنی دوری پر ہو جہاں تک کسی جگہ پڑاؤ ڈالنے والے مسافر ایندھن اور گھاس چارہ کیلئے جاتے ہوں۔ تو پانی تک (جانے میں نماز قضاء نہ ہو تو) جاکر وضو کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے، تیمم کرنا جائز نہیں۔ یہ مسافت سابقہ حد غوث سے زائد ہے۔ اس مسافت کا نام حد قرب ہے جو تقریباً نصف فرسخ (ڈیڑھ میل ہاشمی، ۳کلو میٹر سے کچھ کم) ہوتا ہے۔

حد قرب کی مقدار ۶۰۰۰ (چھ ہزار) قدم ہے۔ (مقدمہ الحضرمیہ) اس صورت میں پانی تک پہنچنے میں نماز کا وقت نکل جاتا ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے لیکن کسی کے پاس پانی ہو اور وقت اتنا تنگ ہو چکا ہو کہ وضو کرنے تک نماز قضاء ہوتی ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، وضو ہی کرنا ضروری ہے۔ اگر پانی مذکورہ حد قرب سے بھی دور ہو تو پانی تک جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اس مسافت کو حد بعد کہیں گے۔ (فتح الوہاب ۱/۲۲) مقیم شخص کو پانی تک پہنچنے میں وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تب بھی تیمم کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس کو تو قضاء لازم ہے۔

جن صورتوں میں مسافر کو تیمم کی اجازت ہے، اگر اسے قضاء ہونے سے پہلے پانی ملنے کا یقین ہو، تو نماز کو مؤخر کرنا، تاکہ وضو کر کے پڑھ لے افضل ہے۔ پانی کا یقین نہ ہو صرف امید ہو تو تیمم کر کے اوّل وقت پڑھ لینا افضل ہے۔ اس صورت میں بعد میں پانی مل جائے تو وضو کر کے پھر پڑھ لینا بڑی اچھی بات ہے۔ اگر پانی نہ ہونے کا گمان ہو یا دونوں کا یکساں احتمال ہو، تو اوّل وقت تیمم کر کے پڑھ لینا افضل ہے۔

اوّل وقت میں تنہا نماز پڑھنی پڑتی ہو اور تاخیر کی صورت میں جماعت ملتی ہو، تو سب سے بہتر یہ ہے کہ اوّل وقت میں تنہا نماز پڑھ کر بعد میں جماعت سے دوبارہ پڑھ لے۔ جیسا کہ صحیحین وغیرہ کی احادیث میں آئندہ ائمہ کے نماز مؤخر کرنے کی صورت میں آپ ﷺ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ اصل وقت (اوّل وقت) میں اپنی نماز پڑھ لی جائے، پھر جماعت کے ساتھ بھی (بطور نفل) ادا کرے۔ اگر ایک ہی نماز پڑھنا ہو تو تاخیر زیادہ نہ ہوتی ہو، تو جماعت کے ساتھ پڑھنا ورنہ اوّل وقت پڑھنا افضل ہے۔

(د) کسی ایسے کنویں پر سارے مسافروں کا اژدہام ہو جائے جس سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی پانی لے سکتا ہے (جگہ کی تنگی یا ایک ہی ڈول ہونے کی وجہ سے) اور نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اپنی باری آنے کی توقع ہو، تو تیمم کرنا جائز نہیں اور اگر یہ یقین ہو کہ اپنی باری وقت کے بعد ہی آئے گی تو وقت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر اعادہ کی ضرورت نہیں۔ کئی لوگ عریاں (ننگے) ہوں اور ان کے پاس ایک ہی کپڑا ہو جس کو باری باری پہن کر نماز پڑھ رہے ہوں اور اپنی باری تک وقت نکل جاتا ہو تو عریاں ہی وقت کے اندر نماز ادا کر لے پھر اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح کئی آدمی ایسی تنگ جگہ ہوں، جہاں کھڑے ہو کر صرف ایک ہی آدمی نماز پڑھ سکتا ہو اور اپنی باری وقت کے بعد آئے گی تو وقت کے اندر بیٹھ کر نماز پڑھ لے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

پانی کی قلت: جنبی یا محدث کو اتنا پانی ملے جو اس کی طہارت کے لئے ناکافی ہے، تو پہلے وہ پانی استعمال کرے پھر بقیہ اعضاء کے لئے تیمم کرے۔ لہٰذا محدث پہلے چہرہ پھر ہاتھ اس طرح جتنا ہو سکے ترتیب سے دھوتا جائے اور جنبی بدن کے جس حصے کو چاہے دھولے (اس لئے کہ غسل میں ترتیب ضروری نہیں ہے) لیکن پہلے اعضاء وضو کو دھونا اولیٰ ہے۔ کوئی محدث اور جنبی دونوں ہو، تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (یعنی اعضاء وضو کو مقدم کرنا ضروری نہیں ہے۔) محدث کو برف یا اولہ ملے جسے پگھلا نہیں سکتا، تو اس کا استعمال ضروری

نہیں ہے، جبکہ تیمم کے لئے مٹی موجود ہو، ورنہ اس کا استعمال واجب ہے۔ مٹی پورے تیمم کو ناکافی ہو، تو جتنی ہے استعمال کرنا واجب ہے۔ صحیحین میں آپ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ میں تم کو کسی بات کا حکم دوں، تو جتنا تم سے ہو سکے اس پر عمل کرو" برف کی صورت میں اگر اتنا پانی ہو کہ چہرہ اور ہاتھ دھل سکتے ہیں تو اس برف سے سر کا مسح لازم ہے، اور پانی نہ ہو تو مسح کی بھی ضرورت نہیں (حاشیۃ الجمل ۱/۲۰۲) تیمم کے بعد پانی نظر آئے تو تیمم باطل ہو جائے گا۔ کسی کے بدن پر کئی نجاستیں ہوں، اور اتنا پانی میسر ہو کہ اس میں سے کچھ ہی دھل سکتا ہے، تو اتنا دھونا ضروری ہے۔ کوئی جنبی یا محدث یا حائضہ ہو اور بدن پر نجاست بھی ہو اور پانی صرف کسی ایک کو کافی ہو تو اس سے نجاست دور کرنا ضروری ہے، نجاست کو اس سے دھو کر پھر تیمم کرے۔

فصل: کسی کے پاس طہارت کیلئے کافی پانی تھا، اس پانی کو نماز کے وقت سے پہلے یا بعد میں کسی حاجت کی وجہ سے یا بغیر حاجت کے ختم کر دیا، یا وہ پانی نجس ہو گیا، تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے، لیکن وقت کے بعد بغیر غرض کے پانی تلف کرنے سے گنہگار ہو گا۔

(۱) نماز کے وقت میں پانی کے پاس سے گذرا لیکن وضو نہیں کیا، پانی سے کافی دور نکل جانے کے بعد تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو اعادہ کی ضرورت نہیں، وقت ہونے کے بعد بغیر حاجت (پیاس وغیرہ) کے کسی کو پانی ہبہ یا فروخت کرنا صحیح نہیں جبکہ فروخت کرنے والے کو قیمت کی ضرورت نہ ہو۔ لہٰذا جب تک پانی مشتری (خریدار) یا موہوب لہ، (جس کو ہبہ کیا) کے پاس باقی ہو، تیمم صحیح نہ ہو گا بلکہ پانی واپس لے لے، اگر نہیں لے سکتا تو قضا واجب ہے۔ وقت میں تیمم سے پڑھنا صحیح نہیں بلکہ پانی ملنے تک یا ایسی حالت جس میں تیمم سے فرض ساقط ہو جاتا ہو، آنے تک نماز کو مؤخر کر دے۔ جس صورت میں ہبہ صحیح نہیں، موہوب لہ کے پاس وہ پانی تلف ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان (تاوان) نہ آئے گا۔

(۲) اپنے جان یا مال پر خوف وخطرہ ہو: اگر قریب ایسا درندہ یا دشمن ہو جو اس کی جان لے گا، یا کسی عضو کو نقصان پہنچائے گا، یا اپنے مال پر غاصب یا چور حملہ آور ہو گا یا کشتی میں ہو اور سمندر سے پانی لینے میں خطرہ ہو تو ان صورتوں میں تیمم کر سکتا ہے۔ اگر پانی تک جانے میں سفر کے ساتھی چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر لے۔ خادم کو پانی ہبہ کیا تو قبول کرنا ضروری ہے۔ پانی نکالنے کیلئے کوئی ڈول اور رسی عاریتاً دے تو قبول کرنا واجب ہے۔ کوئی پانی قرض دے تو لینا واجب ہے، اگر کوئی پانی یا ڈول وغیرہ کی قیمت ہبہ کرے تو قبول کرنا واجب نہیں۔ کسی تنگدست کو یا ایسے مالدار کو جس کا مال غائب ہے (پاس موجود نہیں) کوئی پانی کی قیمت قرض دے رہا ہو تو قبول کرنا واجب نہیں۔ کسی تنگدست کو پانی ادھار قیمت پر مل رہا ہو تو خریدنا ضروری نہیں، لیکن مالدار کو ضروری ہے، جبکہ قیمت کی ادائیگی کے لئے اتنی مہلت رکھی گئی ہو جس میں وہ اپنے مال تک پہنچ سکتا ہے۔

پانی کی قیمت پاس ہے لیکن قرض کی ادائیگی، ساتھ موجود حیوان محترم کا نفقہ، یا سفر کی آمد ورفت کے خرچ کے لئے اس کی ضرورت ہے، تو اس سے پانی خریدنا واجب نہیں۔ (حیوان محترم سے وہ جاندار مراد ہیں۔ شرعاً جن کے مارنے کی اجازت نہیں۔ انسان ہو یا جانور۔ مرتد حربی وغیرہ غیر محترم ہیں۔ ان کی رعایت کی اجازت نہیں) مذکورہ بالا ضروریات سے زائد رقم ہو اور ثمن مثل (مناسب قیمت) پر پانی مل جاتا ہو، تو خریدنا واجب ہے۔ موقع محل اور وقت کے اعتبار سے مناسب قیمت سے زائد قیمت پر ملتا ہو تو خریدنا واجب نہیں، چاہے زیادتی کی مقدار کم ہی ہو۔ اگر ادھار خریدنے کی وجہ سے مدت کے مناسب قیمت بڑھ جاتی ہو، تو یہ بھی ثمن مثل ہی ہے موقع محل اور وقت کے اعتبار سے مناسب قیمت کو ثمن مثل کہیں گے۔ اگر پانی نکالنے کا آلہ (ڈول وغیرہ) ثمن مثل یا اجرت مثل (مناسب کرایہ) پر مل جاتا ہو تو لینا واجب ہے۔ صرف ایک کپڑا موجود ہے۔ اسے ڈول سے باندھ کر پانی حاصل کر سکتا ہے، تو کرنا لازم

ہے، ڈول نہیں ہے اور کپڑے ہی کو پانی میں لٹکا کر بھگونے کے بعد نچوڑ کر وضو کر سکتا ہے، تو ایسا کرنا واجب ہے۔

اگر کپڑا پانی تک نہیں پہنچتا، لیکن چاک (پھاڑ) کر کے جوڑنے سے پہنچ سکتا ہے تو اس طرح کرنا ضروری ہے۔ لیکن مذکورہ امور اس وقت واجب ہیں جبکہ ان کی وجہ سے پانی کی قیمت یا (ڈول کی) رسی کی اجرت سے زیادہ کپڑے کا نقصان نہ ہو۔

(اگر وضو کے پانی کا ثمن مثل پانچ روپئے ہے اور مذکورہ کسی طریقے سے کپڑے کے استعمال سے کپڑے کا پانچ روپئے تک کا نقصان ہوتا ہو، تب بھی واجب ہے، اس سے زائد نقصان ہوتا ہو تو واجب نہیں)

(۳) **پیاس جیسے امور کے لئے پانی کی ضرورت ہو:** اس میں کئی مسائل ہیں (الف) پانی ہو لیکن اپنے یا ساتھی یا کسی حیوان محترم کے پیاس کیلئے فی الحال یا آئندہ اس کی ضرورت ہو تو تیمم جائز ہے مذکورہ صورت میں پانی دوسرے کو بغیر عوض کے دے یا عوض سے (لیکن جو شخص سفر کی وجہ سے گنہگار ہو، اسے توبہ کرنے تک تیمم جائز نہیں، جب توبہ کرے تو پانی پینا اور تیمم کر لینا جائز ہے۔ (حاشیۃ الروضہ) پیاس کے باوجود کوئی پانی نہ دے تو جبراً اور زبردستی لینا جائز ہے (غیر محترم حیوان یعنی حربی، مرتد، سوّر، کاٹ کھانے والا کتا۔ چوہا۔ کوا، چیل، بچھو اور ان جیسے جاندار)

پانی سے وضو کر کے مستعمل پانی کو جمع کر کے پینا ضروری نہیں، بلکہ تیمم کرنا کافی ہے۔ کسی کے پاس پاک اور نجس پانی ہو تو پاک پانی پینے کیلئے استعمال کرے اور تیمم کرے۔ آئندہ کل پانی ملنے کا امکان ہو، لیکن یقین نہ ہو، تو پانی کل (پینے) کیلئے رکھ کر تیمم کرنا جائز ہے۔

(ب) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کوئی انسان انتقال کر جائے اور اس کے ساتھ پیاسے ہوں تو اس میت کے پانی کو خود پینے کے لئے استعمال کر کے میت کو تیمم کرایا جائے اور پانی کی قیمت اس کی میراث میں داخل کی جائے۔

(ج) کسی نے وصیت کی یا کسی کو وکیل بنایا کہ پانی اس آدمی پر صرف کیا جائے جو پانی کا زیادہ حقدار ہو۔ اور میت، جنبی، حائضہ، جس کے بدن پر نجاست ہو اور محدث جمع ہو جائیں تو میت زیادہ حقدار ہے۔ میت کے مستحق ہونے کے لئے وارث کی طرف سے اس وصیت کو قبول کرنا شرط نہیں ہے، جیسا کہ کوئی تطوعاً (بغیر عوض کے) اسے کفن دے۔ دو آدمی آگے پیچھے انتقال کر جائیں، اور ان کے انتقال سے پہلے ہی صرف اتنا پانی میسر ہے جو ایک کو کافی ہو تو پہلے انتقال کرنے والا اس کا زیادہ مستحق ہے۔ دونوں ایک ساتھ انتقال کر جائیں یا انتقال کے بعد پانی ملے تو دونوں میں جو افضل ہو، وہ مستحق ہے، فضیلت میں دونوں برابر ہوں تو قرعہ اندازی سے فیصلہ ہو گا۔

مذکورہ وصیت و توکیل کی صورت میں جنبی اور حائض جمع ہوں تو حائضہ زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر جنبی اور محدث جمع ہوں اور پانی صرف وضو کے لئے کافی ہو، غسل کے لئے ناکافی ہو، تو محدث زیادہ مستحق ہے، دونوں کو ناکافی ہو تو جنبی زیادہ مستحق ہے، پانی کے ضرورت مند مذکورہ افراد کسی مباح پانی پر پہنچ کر ایک ساتھ اپنے قبضہ میں لے لیں، تو سب برابر برابر اس پانی کے مالک بن گئے، اور کسی کیلئے اپنا حصہ دوسرے کو دینا، چاہے وہ زیادہ ضرورت مند ہو، یا پانی ناقص ہو جائز نہیں ہے۔

(۴) **پانی کے متعلق لاعلمی کی وجہ سے پانی استعمال نہ کر سکنا:** اس کی مختلف صورتیں ہوں گی۔

(الف) اپنے سامان سفر میں موجود پانی بھول جائے، یا قیام گاہ کے قریب کنویں کا علم تھا، لیکن اس وقت بھول گیا، لہٰذا تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ اس صورت میں یاد آنے پر وضو کر کے نماز کا اعادہ ضروری ہے جیسے کوئی طہارت میں کوئی عضو بھول جائے یا کپڑا پہننا بھول جائے، پانی کی قیمت پاس تھی لیکن بھول گیا تو یہی حکم ہے۔

(ب) سامان سفر میں پانی بھی رکھ دیا گیا تھا، جس کا اسے علم نہیں تھا، اس لئے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر معلوم ہوا یا تیمم کرنے کے

بعد قریب میں ایسے کنویں کی موجودگی کا علم ہوا جو پہلے معلوم نہیں تھا، تو اس صورت میں اعادہ کی ضرورت نہیں (البتہ شرح مہذب میں امام نوویؒ نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر کنواں واضح تھا تو اعادہ ضروری اور مخفی تھا تو ضروری نہیں ہے۔حاشیۃ الروضہ)

ج) پانی اپنے اسباب سفر میں کھو گیا، اور تلاش کے باوجود نہ ملنے پر تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی مل گیا، تو اعادہ واجب ہے۔(اور نہ ملے تو واجب نہیں کمافی الحاشیۃ)

(د) اپنا اسباب سفر ہی دیگر مسافروں کے اسباب میں گم ہو جائے، اس صورت میں خوب مبالغہ کے ساتھ تلاش کیا تھا تو اعادہ کی ضرورت نہیں، اور سرسری تلاش کیا تھا تو اعادہ واجب ہے۔

(۵) مرض (بیماری): اس کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) مرض ایسا ہو کہ وضو کرنے کی وجہ سے وفات پانے کا، یا کسی عضو کے فوت ہونے کا، یا کسی عضو کے منفعت کے فوت ہونے کا ڈر ہو، تو تیمم کرے گا۔ خوفناک مرض کا اندیشہ ہو تو بھی تیمم کر لے۔

(ب) وضو کی وجہ سے درد کی زیادتی، شفا اور صحت میں تاخیر، دائمی مرض جو اسے لنجا بنادے یا چہرہ جیسے ظاہری اعضا جو کام کاج کے وقت کھلے رہتے ہیں، اس پر بدنما (مثلاً سیاہ داغ وغیرہ) عیب کا اندیشہ اور خطرہ ہو، تو تیمم جائز ہے۔

(ج) وضو کی وجہ سے معمولی عیب کا خطرہ ہو جیسے چیچک کا داغ، معمولی سی سیاہی، یا ظاہری اعضاء کے علاوہ بدنما عیب کا اندیشہ ہو، یا ایسا مرض ہو کہ پانی کی وجہ سے کسی خطرناک نتیجہ کا اندیشہ نہیں۔ بھلے ہی فی الحال زخم یا ٹھنڈک یا گرمی کی وجہ سے پانی استعمال کرنے میں تکلیف ہوتی ہو، تو ان تمام صورتوں میں تیمم کی اجازت نہیں (بعض علماء نے بدنما عیب کی وجہ سے مطلقاً تیمم کی اجازت دی ہے، ظاہر وباطن کی قید کے بغیر۔کمافی الحاشیۃ)

مرض کا فیصلہ: مریض خود طب سے واقف ہو تو اپنی واقفیت کی بنیاد پر مرض کے سبب تیمم ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اسی طرح ماہر طبیب (حکیم، ڈاکٹر) کی بات پر بھی اعتماد کر سکتا ہے۔ جبکہ وہ مسلمان بالغ اور عادل (جو کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور صغائر پر اصرار نہ کرے) شخص ہو، عورت یا غلام ہونے میں حرج نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک صرف اپنے تجربہ کی بنیاد پر فیصلہ کافی نہیں۔ امام اسنوی اور ابن حجر وغیرہ بعض علماء اسے کافی سمجھتے ہیں، یہی زیادہ مناسب ہے۔ طبیب کے نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو ان نمازوں کا اعادہ ضروری ہے گرچہ بعد میں طبیب ملے اور تیمم کے جواز کا فیصلہ دے۔(حاشیۃ اجمل ١/٢٠٨)

اگر بیماری تمام اعضاء طہارت کو گھیرے تو صرف تیمم کافی ہے۔ بعض اعضاء بیمار ہیں، تو تندرست اعضاء کو دھونا واجب ہے اور بیمار اعضاء کا مسئلہ زخمی کے مسئلہ کی طرح ہے امام نووی ابو علی السنجیؒ کا فتویٰ نقل کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق کوئی طبیب نہ ملے، تو تیمم کی اجازت نہیں (فتاوی بغوی میں تیمم کی اجازت ہے اور روضہ کے محشی اسی کو ترجیح دے رہے ہیں۔) مرض کے سبب تیمم کرنے میں مقیم و مسافر اور حدث اصغر واکبر میں کوئی فرق نہیں، اور بعد میں اعادہ کی ضرورت بھی نہیں

(۶) جبیرہ باندھنا: (جبیرہ یعنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی۔پلاسٹر) جبیرہ ہڈی کے ٹوٹنے یا جگہ سے ہٹنے اور اکھڑنے کی وجہ سے لگایا جاتا ہے۔ کبھی تو جبیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نہیں، ضرورت کے سلسلے میں مرض میں گذری ہوئی تفصیلات کا اعتبار کیا جائے گا۔

پہلی حالت: ضرورت کی وجہ سے جبیرہ باندھنا۔ اب یا تو طہارت کے وقت مرض کے بیان میں گذرے ہوئے تکلیف اور

ضرر کے بغیر اسے نکال سکیں گے یا نہیں، نہیں ہٹا سکتے تو ہٹانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن طہارت میں کئی باتوں کا خیال رکھنا ہو گا۔(۱) عضو کے تندرست حصہ کا دھونا واجب ہے۔ یہاں تک کہ جبیرہ کے نیچے کے تندرست حصے کو بھی حتی الامکان دھوئے۔ جیسے کپڑے کا تر ٹکڑا اس پر رکھ کر نچوڑے تاکہ قطرات سے وہ حصے دھل جائیں۔

(۲) جبیرہ پر پانی سے مسح کرنا واجب ہے، اگر جنبی ہے تو جب چاہے مسح کرے اور محدث (بے وضو) ہے تو جب جبیرہ والے عضو کے دھونے کی باری آئے گی مسح کرے۔ پورے جبیرہ پر مسح کرنا ضروری ہے۔

(۳) چہرہ اور ہاتھ کا تیمم کرنا واجب ہے۔ جبیرہ عضو تیمم (یعنی چہرہ یا ہاتھ) پر ہے تو جبیرہ پر مٹی سے مسح کرنا واجب نہیں۔ اب اگر یہ جنبی ہے تو تیمم سے پہلے تندرست اعضاء کو دھوئے یا بعد میں اسے اختیار ہے۔(بعد میں دھونا مستحب ہے تاکہ مٹی کا اثر ختم ہو جائے۔) (حاشیۃ الروضہ) اور محدث ہے تو ایک عضو کی طہارت پوری ہونے سے پہلے آگے نہیں بڑھ سکتا، لہٰذا اگر جبیرہ چہرہ پر ہے تو ہاتھ دھونے سے پہلے تیمم واجب ہے۔ اب چاہے چہرہ کے تندرست حصے کو پہلے دھوئے پھر بیمار حصے کی طرف سے تیمم کرے، یا اس کے برعکس اگر جبیرہ ہاتھ پر ہے تو سر کے مسح سے پہلے اور چہرہ دھونے کے بعد تیمم واجب ہے۔ جبیرہ دو یا تین اعضاء پر ہو تو اتنے ہی تیمم بھی واجب ہیں۔ کسی کے چہرہ اور ہاتھ پر جبیرہ ہے تو چہرہ کے تندرست حصے کو دھوئے اور بیمار حصے کی طرف سے تیمم کرے پھر ہاتھ میں بھی اسی طرح دھوئے اور تیمم کرے۔(جہاں بھی تیمم کا لفظ آئے تو اس سے چہرہ اور ہاتھ کا تیمم مراد ہے۔ بیمار عضو پر مٹی پھیرنا مراد نہیں ہے)

وضو کے چاروں اعضاء مکمل زخمی ہوں (کسی حصے میں بھی پانی استعمال نہیں کرسکتے) تو چاروں کی طرف سے ایک تیمم کافی ہے۔ اس لئے کہ دھونا ساقط ہونے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو گئی۔ اگر سر پورا زخمی ہو اور بقیہ تینوں اعضاء کا بعض حصہ، تو اعضاء کے تندرست حصوں کو دھونا، اور چار تیمم کرنا ضروری ہے۔

دونوں ہاتھ میں زخم ہو تو مستحب ہے کہ ہر ہاتھ کو ایک عضو سمجھے، لہٰذا چہرہ دھونے کے بعد دائیں ہاتھ کا تندرست حصہ دھوئے اور بیمار حصے کے بدلے تیمم کرے، پھر اسی طرح بائیں کو دھوئے اور تیمم کرے۔ اسی طرح دونوں پیروں کی صورت میں کرے، یہ بہتر شکل ہے۔ اس لئے کہ طہارت میں دائیں کو مقدم رکھنا سنت ہے، اور صرف ایک ہی تیمم (دونوں ہاتھ کیلئے) کرنے میں دونوں بیک وقت پاک ہوئے۔(اگرچہ یہ صورت بھی کافی ہے) جبیرہ کی صورت میں مذکورہ تینوں اُمور درج ذیل دو شرائط کے ساتھ کافی ہونگے۔(۱) جبیرہ کے نیچے تندرست حصہ صرف اتنا آیا ہو جو جبیرہ کے باندھنے میں لابدی اور ضروری ہے۔(۲) جبیرہ پاکی کی حالت میں (باوضو) باندھا ہو۔ اگر پاکی میں نہیں باندھا اور نکالنا ممکن ہو تو نکال کر پاکی کے بعد باندھے۔ ممکن نہ ہو تو رہنے دے، لیکن صحت کے بعد نمازوں کی قضاء واجب ہے۔ اگر پاکی میں باندھا ہو تو بعد میں قضاء کی ضرورت نہیں۔ مذکورہ ساری تفصیل اس وقت ہے جبکہ پاکی کیلئے جبیرہ نہ ہٹا سکے۔ اگر بغیر ضرر کے ہٹا سکتا ہے تو ہٹانا واجب ہے۔ اب ممکن ہو تو تندرست حصہ دھوئے۔ اگر دھو نہیں سکتے اور عضو تیمم میں ہے۔ تو تیمم کے طور پر مسح کرے۔

دوسری حالت۔ جبیرہ کی ضرورت نہ ہو وہ اور پانی لگنے میں خطرہ ہو۔ اس صورت میں تندرست حصے کو ممکنہ حد تک دھوئے۔ یہ ترکیب اپنائے۔ کہ کپڑے کا تر ٹکڑا رکھ کر اس پر زور دے تاکہ نکلنے والے قطرات سے تندرست حصہ دھل جائے خود یہ عمل کرنا یا اجرت دے کر کروانا اس پر لازم ہے۔ اور تیمم کرنا بھی واجب ہے تاکہ ٹوٹا ہوا حصہ بغیر طہارت کے نہ رہے۔ اگر مرض مذکور عضو تیمم میں ہے، تو اس پر مٹی پھیرے، اسی طرح زخم کے منہ کھلے ہوں اور اس پر مٹی پھیر سکتے ہیں، تو پھیرنا واجب ہے۔

(۷) **زخم**: زخم پر کبھی مرہم یا پٹی چپکانے کی ضرورت پڑے گی۔ اس وقت اس کا حکم بھی جبیرہ کی گذشتہ تفصیلات کے مطابق

ہو گا۔ اور کبھی مرہم وغیرہ کی ضرورت نہیں ہو گی۔ اس صورت میں تندرست حصہ دھوئے اور زخم کے بدلے تیمم کرے۔ زخم پر پانی سے مسح کرنا واجب نہیں اور نہ تو زخم پر مرہم یا جبیرہ لگا رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ اس پر مسح کرے۔

تندرست حصہ دھوئے، اور مرض یا ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے تیمم کرے اور حائل پر یا براہ راست مسح کرے، اور اس طہارت سے ایک فریضہ ادا کرے، تو نوافل جتنی چاہے پڑھ سکتا ہے۔ دوسرا فرض ادا کرنا ہو تو تیمم کا اعادہ ضروری ہے لیکن وضو یا غسل کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جنبی کے زخم اعضاء وضو پر نہ ہوں، اور تندرست اعضاء کو دھو کر زخم کیلئے تیمم کرنے کے بعد فرض نماز پڑھنے سے پہلے وضو ٹوٹے تو صرف وضو کرنا لازم ہے۔ تیمم لازم نہیں، اس لئے کہ اس کا تیمم اعضاء وضو کی طرف سے نہیں ہے، لہٰذا حدث کی وجہ سے اس پر اثر نہیں پڑے گا۔ فرض نماز پڑھنے کے بعد وضو ٹوٹے تو اب نفل نمازوں کیلئے صرف وضو کرے تیمم کی ضرورت نہیں۔ (لیکن دوسرا فرض پڑھنے کیلئے تیمم بھی کرنا ہو گا۔) (حاشیۃ الجمل)

مذکورہ تفصیل کے مطابق کسی مریض نے طہارت حاصل کی، بعد میں وہ تندرست ہوا، اور طہارت ابھی باقی ہے، تو (جنبی ہو یا محدث) محل عذر کو دھوئے اور محدث محل عذر کے بعد کے اعضاء کو بھی دھوئے (اس لئے کہ وضو میں ترتیب ضروری ہے۔ لہٰذا عذر ہاتھ میں تھا تو اب ہاتھ دھونے کے بعد سر کا مسح اور پیر کا دھونا ضروری ہے۔) طہارت کے بعد معلوم ہوا کہ عذر ختم ہو چکا تھا تو تیمم باطل ہوا اور محل عذر کا دھونا واجب ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ زخم مندمل (اچھا) ہو چکا ہو گا۔ مرہم نکالا تو معلوم ہوا کہ ابھی مندمل نہیں ہوا تو تیمم باطل نہیں ہو گا۔ اس کے برعکس پانی نہ ہونے سے تیمم کرنے کے بعد پانی ہونے کا وہم گذرے، تو تیمم باطل ہو گا۔

دوسرا باب۔ تیمم کی کیفیت

تیمم کے سات ارکان ھیں۔

(۱) مٹی (بعض علماء نے مٹی کو تیمم کے رکن میں شمار نہیں کیا۔ کمافی الحاشیۃ) مٹی پاک، خالص، اور غیر مستعمل ہونا شرط ہے۔ مٹی ہو نا بالکل متعین ہے۔ سرخ، سیاہ، زرد، خاکستری، ارمنی مٹی، جو بطور دوا کھائی جاتی ہے، نالہ کی مٹی، شور زمین کی مٹی، جس پر کچھ اُگے نہیں یہ ساری انواع اس میں داخل ہیں۔ کپڑے یا دیوار وغیرہ پر ہاتھ مارنے سے گرد اڑتی ہو تو یہ کافی ہے۔ مٹی کے ڈھیلے سے دیمک جو مٹی نکالتی ہے۔ اس سے تیمم جائز ہے۔ جیسا کہ سرکہ سے گندھی ہوئی مٹی خشک ہونے کے بعد اس سے تیمم جائز ہے۔

چونے کا پتھر، گچ، ہڑتال، دیگر معدنیات، ذریرہ (ایک قسم کی خوشبو) اور پسے ہوئے پتھر جیسے اشیاء سے تیمم صحیح نہ ہو گا۔۔ مٹی کو جلا کر راکھ کر دیا، یا ٹھیکری کو کوٹ کر ملائم کر دیا، تو اس سے تیمم جائز نہیں۔

گارے کو بھون کر کوٹا یا مٹی آگ سے سیاہ ہوئی، جلی نہیں تو اس سے تیمم جائز ہے۔ ریت اگر سخت ہو، اسمیں گرد نہ ہو، تو تیمم کیلئے اس پر ہاتھ مارنا کافی نہیں، ہاتھ مارنے سے گرد اٹھے تو کافی ہے۔ مٹی پاک ہونا لازم ہے، نجس مٹی سے تیمم صحیح نہ ہو گا۔ اگر کتے کی پشت پر مٹی ہو جو اس کے بدن پر کی کسی رطوبت مثلاً پانی یا پسینہ وغیرہ سے ملی ہوئی۔ ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں، ورنہ جائز ہے۔ رطوبت سے ملی ہے یا نہیں معلوم نہ ہو تب بھی تیمم جائز ہے۔ مٹی خالص ہونا لازم ہے۔ زعفران آٹا وغیرہ اس میں شامل ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں۔ قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں۔ مٹی غیر مستعمل ہونا بھی ضروری ہے۔ تیمم کے وقت عضو سے چپکی ہوئی اور جھڑنے والی مٹی مستعمل ہے۔

(۲) مٹی کا قصد کرنا ضروری ہے۔ کوئی ہوا کے رخ پر کھڑا ہو جائے اور ہوا مٹی اڑا کر اس کے بدن پر ڈال دے پھر یہ تیمم کی نیت

سے ہاتھ پھیرے تو یہ کافی نہیں چاہے مٹی ہی کی نیت سے ہوا میں کھڑا ہو۔
کسی دوسرے نے بغیر اجازت کے تیمم کرایا، تو صحیح نہ ہو گا۔ اجازت سے کرایا ہے تو صحیح ہے، کوئی عذر ہو یا نہ ہو۔
(۳) جس مٹی سے مسح کرنا ہے، اسے عضو کی طرف منتقل کرنا۔ چہرہ پر مٹی تھی، تیمم کی نیت سے اسے ہی پھیر دیا تو یہ کافی نہیں۔ اگر چہرہ سے ہاتھ کی طرف یا ہاتھ سے چہرہ کی طرف منتقل کیا، چہرہ سے مٹی لے کر پھر چہرہ پر پھیر دیا، یا کسی بھی عضو پر کی مٹی کو لے کر چہرہ یا ہاتھ پر پھیر دیا۔ یا ہوا نے آستین پر مٹی ڈال دی اور اس سے چہرہ کا مسح کر لیا، یا ہوا میں اڑ کر آنے والی مٹی کو لے کر پھر استعمال کیا، تو ان تمام صورتوں میں تیمم صحیح ہے۔ عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے زمین پر لوٹ پوٹ ہوا تو جائز ہے۔
(۴) نیت واجب ہے، رفع حدث کی یا جنبی نے رفع جنابت کی نیت کی تو تیمم صحیح نہ ہو گا۔ اگر ''اِسْتِبَاحَۃُ الصَّلٰوۃِ'' (نماز مباح اور جائز ہونے) کی نیت کی ہے۔ تو اس کی چار صورتیں ہوں گی۔
(الف) فرض اور نفل دونوں نمازوں کے استباحت کی نیت کرے۔ اس صورت میں دونوں جائز ہوں گے۔ فرض سے پہلے اور بعد میں وقت کے اندر اور بعد میں جب چاہے نفل پڑھ سکتا ہے۔
فرض کے تعین کی ضرورت نہیں (یعنی ظہر کی نماز یا عصر کی نماز کے استباحت کی نیت) صرف فرض کی نیت کی تو کوئی بھی فرض پڑھ سکتا ہے۔ معین فرض کی نیت کی ہے تو اس تیمم سے دوسری فرض نماز پڑھ سکتا ہے (معین ہی پڑھنا ضروری نہیں)
(ب) پنجوقتہ نماز یا منذورہ نماز میں سے کسی فرض نماز کے استباحت کی نیت کی، نفل نماز سے تعرض نہیں کیا، تب بھی فرض کے ساتھ نفل، پہلے یا بعد، وقت میں یا وقت گذرنے کے بعد، پڑھنا جائز ہے۔
دو قضاء نماز یا دو منذورہ نماز کی نیت سے تیمم کیا تو ایک نماز پڑھنا جائز ہے۔ قضاء نماز کیلئے تیمم کیا۔ لیکن اس کے ذمہ قضاء نہیں تھی یا ظہر کی قضاء کیلئے تیمم کیا اور عصر کی قضاء ذمہ تھی تو تیمم صحیح نہیں ہو گا۔
اپنے اوپر قضاء نماز کا گمان تھا، جس کے لئے تیمم کیا۔ پھر قضاء یاد آئی (یعنی تیمم کے بعد گمان یقین سے بدل گیا۔) تو یہ تیمم صحیح نہیں ہے۔
(ج) نفل کی نیت سے تیمم کرے، اس تیمم سے فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، نفل جائز ہے۔ مس مصحف، یا سجدۂ تلاوت، یا شکر کی نیت سے، یا جنبی اعتکاف، یا تلاوت کی نیت سے تیمم کرے، تو یہ نفل کی نیت کی طرح ہے، فرض نماز اس سے جائز نہیں جس کی نیت کی وہ جائز ہے۔ نماز جنازہ کی نیت سے تیمم کیا تو یہ نفل کی نیت کی طرح ہے۔
حیض کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد عورت وطی (صحبت) مباح ہونے کی نیت سے تیمم کرے تو صحیح ہو گا، اور نفل کے تیمم کی طرح ہو گا۔
(د) صرف نماز کی نیت کرے (یعنی فرض و نفل کی صراحت نہ کرے) اس کا حکم نفل کی نیت کی طرح ہے خلاصہ یہ کہ فرض نماز کی نیت کی ہو تو تمام امور جائز، نفل یا نماز یا نماز جنازہ یا خطبۂ جمعہ کی نیت ہو تو فرض عین نماز کے علاوہ سب جائز، اور نماز کے علاوہ کسی چیز کی نیت سے نماز جائز نہ ہو گی، بقیہ امور جائز ہونگے۔ (حاشیۃالجمل ۱/۲۲۰)
اگر تیمم کی یا فرض تیمم، کی ادائیگی کی نیّت کرے تو صحیح نہ ہو گا۔ استباحت نماز کی نیت سے تیمم کیا، یہ گمان کرتے ہوئے کہ حدث اصغر ہے، حالانکہ حدث اکبر تھا، یا اس کے برعکس، تو تیمم صحیح ہو گا عمداً اس طرح کرنے سے صحیح نہ ہو گا۔
سفر میں جنبی ہوا اور بھول گیا، پھر بعض نمازوں کو تیمم سے اور بعض کو وضو سے ادا کیا تو یاد آنے پر صرف وضو سے پڑھی گئی نمازوں

کا اعادہ کرے گا۔ (اس لئے کہ جنابت وحدث کی صورت میں تیمم میں کوئی فرق نہیں)

تیمم کے پہلے فرض سے نیت کا مؤخر ہونا جائز نہیں ہے، اور تیمم کا پہلا فرض مٹی منتقل کرنا ہے۔ (لہٰذا مٹی منتقل کرتے وقت ہی نیت ہونی چاہیئے۔) مٹی منتقل کرتے وقت نیت تھی لیکن چہرہ کا مسح شروع کرنے سے پہلے ہی غائب ہوئی۔ تو یہ کافی نہیں (بلکہ مٹی کے منتقل کرنے سے چہرہ کا مسح شروع ہونے تک نیت کا موجود رہنا ضروری ہے۔ فتح الوہاب وغیرہ) اوّل فرض سے پہلے ہی نیت کر لی تو وہی تفصیل ہے جو وضو میں گذر چکی۔

(۵) **چہرہ کا مسح کرنا:** پورے چہرہ کا مسح ضروری ہے وضو میں جن بالوں کی جڑ میں پانی پہنچانا ضروری ہے، تیمم میں مٹی کا وہاں پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ البتہ داڑھی کے لٹکتے بالوں کے ظاہر پر مٹی کا مسح ضروری ہے۔

ہونٹ کے اوپر ناک کے اگلے حصے پر بھی مسح ضروری ہے۔ ناخن کے نیچے مٹی پہنچانا واجب نہیں ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/ ۲۲۰)

(۶) **دونوں ہاتھ کا مسح کرنا:** دونوں ہاتھ کا کہنیوں سمیت مکمل مسح کرنا واجب ہے۔

تیمم کیلئے دو ضرب واجب ہیں۔ (یعنی دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنا) حقیقتاً ضرب کا پایا جانا واجب نہیں ہے، بلکہ نرم مٹی پر صرف ہاتھ رکھ دیا اور اس پر غبار لگ گیا تو یہ کافی ہے۔

حدیث: ”اَلتَّیممُ ضرْبتانِ، ضَربَۃ“ للْوجْہِ وَضَربَۃ“ للیَدینِ اِلی المِرْفقینِ“

ترجمہ: تیمم کیلئے دو ضرب ہیں، ایک ضرب چہرہ کیلئے، اور ایک ضرب کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ کیلئے (رواہ الدارقطنی، والحاکم والبیہقی)

اصل مقصود یہ ہے کہ دو مرتبہ مٹی منتقل کرنا پایا جائے، ایک ہی مرتبہ منتقل کر کے مکمل تیمم کر لینا کافی نہیں۔ دو سے زیادہ مرتبہ منتقل کرنا مکروہ ہے۔ چہرہ کا مسح اوپر کی طرف سے شروع کرنا مستحب ہے۔

ہاتھ کے مسح کی کیفیت: بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے علاوہ دیگر انگلیوں کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے علاوہ دیگر انگلیوں کے پشت پر اس طرح رکھے، کہ دائیں انگلیوں کے پورے بائیں کے شہادت کی انگلی سے آگے نہ نکلیں پھر ہتھیلی کے پشت پر بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے مسح کرتے ہوئے آگے بڑھے، جب ہتھیلی کے کنارے پر پہنچے تو انگلیوں کے کناروں کو بازو کے کنارے سے ملائے اور اس طرح کہنی تک پھیرتا چلا جائے پھر ہتھیلی کو بازو کے باطن کی طرف پھرا کر واپس گٹے تک لائے، انگوٹھا جدا ہی رہے، گٹے تک آنے کے بعد بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے بطن سے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے پشت پر مسح کرے، پھر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اسی طرح بائیں ہاتھ کا مسح کرے، اس کیفیت کے ساتھ مسح کرنا واجب نہیں، مستحب ہے۔

دونوں ضرب کی ابتداء میں انگلیوں کو کشادہ رکھنا مستحب ہے۔ دونوں میں یا دوسری ضرب میں کشادہ رکھا تو ہاتھ کے مسح کے بعد انگلیوں کا خلال مستحب ہے، ورنہ واجب ہے۔ پھر ایک ہتھیلی کا دوسرے پر پھیرنا مستحب ہے۔ اصل واجب مٹی کا چہرہ اور ہاتھ تک پہنچانا ہے، ہاتھ سے، کپڑے سے، یا لکڑی سے، کسی بھی طرح پہنچائے، ہاتھ کا عضو پر پھیرنا ہی کوئی شرط نہیں۔ مسح کے دوران ہاتھ اٹھا لیا پھر واپس رکھ کر مسح مکمل کیا تو کافی ہے، نئی مٹی لینا واجب نہیں۔

(۷) **ترتیب:** چہرہ کا مسح ہاتھ سے قبل کرنا واجب ہے۔ اگر بھول سے بھی اس کے برعکس ہوا تو تیمم صحیح نہیں ہو گا۔ مٹی کے لینے میں ترتیب واجب نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دائیں سے پورے چہرے کا مسح کر پائے اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کا مسح کر

لے تو جائز ہے۔

مٹی لینے کے بعد چہرہ کے مسح سے قبل حدث (وضو توڑنے والا کوئی سبب) واقع ہوا، تو یہ مٹی لینا باطل ہوا، دوبارہ مٹی لینا ضروری ہے۔ تیمم کیلئے ایسی عورت کے بدن پر ہاتھ مارے جس کی کھال کو مس ہونے سے وضو ختم ہو گا، اور اس کے بدن پر مٹی اتنی زیادہ لگی ہوئی ہے کہ دونوں کی کھال مس نہیں ہو گی، تو تیمم صحیح ہے، اور مٹی کی کمی کی وجہ سے کھال کو مس ہو تو تیمم صحیح نہیں ہے۔

تیمم کی سنتیں

بعض سنتوں کا ذکر چہرہ اور ہاتھ کے مسح کی کیفیت میں گذر چکا۔ دیگر سنن درج ذیل ہیں۔

تیمم کے ابتداء میں ''بسم اللہ'' پڑھنا، دائیں کو بائیں پر مقدم رکھنا، کہنیوں سے اوپر بازو کے بقیہ حصہ کا بھی مٹی سے مسح کرنا، موالات۔ (تیمم کے افعال کو پے درپے کرنا) لی ہوئی مٹی زیادہ ہو تو جھاڑ کر کم کرنا۔

ایک سے زیادہ مرتبہ مسح نہ کرنا، (مسح میں تکرار مکروہ ہے) مسح مکمل ہونے سے پہلے عضو پر سے ہاتھ نہ اٹھانا۔ پہلی مرتبہ ہاتھ مارتے وقت انگشتری ہو تو اُتارنا۔ دوسری مرتبہ ہاتھ مارنے کے وقت انگشتری اتارنا واجب ہے۔ صرف اسے حرکت دینا کافی نہیں۔ اس لئے کہ اس سے مٹی اندر داخل ہونے والی نہیں، (بخلاف وضو کے، وضو میں انگشتری کو صرف حرکت دینے سے پانی اندر چلا جائے گا اس لئے وہ کافی ہے) درحقیقت مقصود دوسری مرتبہ مسح کے وقت انگوٹھی کا نہ ہونا ہے، تاکہ مکمل ہاتھ کا مسح ہو سکے۔ مٹی منتقل کرتے وقت انگوٹھی ہو اور مسح سے پہلے اتار دے تو کافی ہے۔ انگلی میں ہی کچھ آگے کر کے اس حصے تک مٹی پہنچا دینا بھی کافی ہے۔ انگوٹھی کافی چوڑی ہو کہ حرکت دینے سے مٹی اندر پہنچ جائے۔ تو اتارنا واجب نہیں۔ (حاشیہ الجمل ۱/۲۲۶)

دیگر سنتیں: استقبال قبلہ، تیمم کے بعد شہادتین کا پڑھنا، تیمم سے قبل مسواک کرنا، وضوٗ کے بعد کے اذکار پڑھنا، تیمم کے بعد دو رکعت پڑھنا، تیمم میں اور نماز میں زیادہ فاصلہ نہ ہو، ابتداء میں ''بسم اللہ'' پڑھنا اگر بھولے، تو دوران تیمم یاد آنے پر پڑھ لے، بہتر یہ ہے کہ تیمم کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک مٹی کے اثرات کو اعضاء سے صاف نہ کرے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۲۲۱)

تیمم کی صحت کیلئے بدن پر کسی نجاست کا نہ ہونا شرط ہے، بدن پر نجاست ہوتے ہوئے یا استنجاء سے قبل تیمم کرے تو صحیح نہ ہو گا۔ تیمم کرنے کے بعد بدن پر نجاست لگنے سے تیمم باطل نہ ہو گا۔

کپڑے پہننے پر قادر ہوتے ہوئے پہننے سے قبل تیمم کر لے، تو صحیح ہو گا۔ قبلہ کی تعین کیلئے اجتہاد کرنے سے پہلے تیمم کرے تو صحیح ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۲۲۰)

تیسرا باب۔ تیمم کے احکام

(۱) **جن اسباب سے وضو ٹوٹتا ھے تیمم بھی ٹوٹتا ھے۔** پھر تیمم کی دو قسمیں ہے۔ (الف) وہ تیمم جو پانی کی موجودگی میں بھی جائز ہے۔ جیسے مریض کا تیمم (ب) صرف پانی کی غیر موجودگی، یا اس کی تحصیل میں خطرہ، یا پانی کی ضرورت، جیسی صورتوں میں جائز ہے۔ پہلی قسم میں پانی نظر آنے سے تیمم پر کوئی اثر نہ ہو گا۔ دوسری قسم میں نماز شروع کرنے سے پہلے پانی پر قدرت کا وہم بھی حاصل ہو، تو تیمم باطل ہو گا۔ جیسے کوئی سراب (ریگستانی ریت جو دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی کی وجہ سے پانی جیسا نظر آتا ہے) دیکھ کر پانی سمجھے، یا اطراف میں بادل گھر جائیں، یا چند لوگ نمودار ہوں جن کے پاس پانی ہونے کا امکان ہو لیکن پانی کے وہم کے

ساتھ اس کے استعمال سے کوئی امر مانع (رکاوٹ) ہو، تو تیمم باطل نہ ہوگا، جیسے پانی نظر آئے لیکن پیاس کیلئے اس کی ضرورت ہے یا پانی کی تحصیل میں کسی درندہ یا دشمن کی وجہ سے رکاوٹ ہے یا کنویں کی گہرائی کی وجہ سے پانی نظر آتے وقت ہی اس کا حصول متعذر ہونا معلوم ہو۔ یا کسی کو یہ اعلان کرتے سنا کہ فلاں شخص نے بطور ودیعت (امانت) میرے پاس پانی رکھا ہے۔ اور یہ اس فلاں کے وہاں موجود نہ ہونے سے واقف ہو اور اس طرح کی دیگر رکاوٹیں۔

ایسی نماز میں پانی نظر آئے۔ جس کا بعد میں قضاء کرنا ضروری ہے تو تیمم باطل ہوگا، جیسے مقیم کا تیمم سے نماز پڑھنا۔ اور بعد میں قضاء کی ضرورت نہیں جیسے مسافر کی نماز، تو پانی نظر آنے کی وجہ سے نماز اور تیمم باطل نہ ہونگے (جبکہ تکبیر تحریمہ کی راء کے بعد نظر آئے، تکبیر تحریمہ کے دوران بھی نظر آئے تو تیمم باطل ہوگا۔(حاشیۃ الجمل)

پانی ملنے کے بعد دوران نماز اِقامت کی نیت کرلی یا قصر کی نیت سے نماز پڑھتے وقت پانی ملا، پھر پوری نماز کی نیت کی، تو دونوں صورتوں میں نماز باطل ہوگی۔ جن صورتوں میں نماز میں پانی ملنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگر پانی ملے تو نماز کو توڑ کر وضو کر کے از سر نو اِس فرض کو ادا کرنا افضل ہے، جبکہ وقت کے اندر مکمل نماز باوضو ادا کرسکے۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے وضوء کر کے از سر نو پڑھنے میں مکمل نماز وقت کے اندر نہیں ہوسکتی، تو پھر نماز کو توڑنا حرام ہے۔ (تیمم کر کے جماعت سے نماز پڑھ رہا تھا، اب توڑ کر وضو سے پڑھنے کی صورت میں جماعت نہیں ملے گی، اکیلے پڑھنی ہوگی، تو اس صورت میں نہ توڑ کر تیمم ہی سے جماعت کے ساتھ نماز مکمل کرنا بہتر ہے۔ حاشیۃ الجمل ۱/۲۲۵) تیمم سے فرض نماز مکمل کرے، اور سلام پھیرنے تک وہ پانی موجود ہے تو اب تیمم باطل ہوگیا۔ اس تیمم سے نفل نہیں پڑھ سکتا، بلکہ سلام سے پہلے ہی وہ پانی ختم ہوجائے، تب بھی اس تیمم سے نفل نہیں پڑھ سکتا (تیمم باطل ہوگیا۔)

سلام پھیرنے کے بعد نماز کا کوئی چھوٹا ہوا رکن یاد آئے تو اس کی تلافی کرے گا، لیکن سجدہ سہو یاد آئے تو اس کے لئے واپس نماز میں نہیں لوٹے گا۔(حاشیۃ الجمل ۱/۲۲۴) نفل نماز میں پانی نظر آئے اور نفل کی متعین رکعات کی نیت تھی، تو ان رکعتوں کو مکمل کرے، اس سے زائد نہ پڑھے اور نیت میں رکعات کی تعیین نہیں کی تھی، تو صرف دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے۔ (لیکن دو کے بعد کسی رکعت میں پانی نظر آئے، تو اس رکعت کو مکمل کر کے سلام پھیرے (فتح الوھاب)

(۲) تیمم سے جائز ہونے والے امور: ایک تیمم سے صرف ایک ہی فرض ادا کرسکتا ہے، ایک سے زائد کی گنجائش نہیں، متفق ہوں یا مختلف (ایک ہی قسم کے فرض ہوں یا الگ الگ) جیسے، دو فرض نمازیں، دو فرض طواف، فرض نماز اور طواف، دو ظہر کی قضاء، مکتوبہ اور منذورہ یا دو منذورہ، کو ایک تیمم سے ادا کرنا جائز نہیں، کم سن بھی اس حکم میں بالغ کی طرح ہے (حضرت علی، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہر نماز کے لئے تیمم مروی ہے) ایک ہی تیمم سے ایک فرض اور کئی سنتوں کو ادا کرسکتا ہے طواف کے بعد کی دو رکعت نماز سنت ہے، اس لئے ایک تیمم سے طواف اور اس نماز کو ادا کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے خطبہ اور نماز کو ایک تیمم سے نہیں ادا کرسکتے۔ ایک تیمم سے کسی فرض کے ساتھ نماز جنازہ ادا کرسکتے ہیں۔

کسی نماز کو بھول جائے جیسے ہفتہ میں کسی دن کی ظہر، تو تیمم کر کے ایک ظہر پڑھ لے۔ پنجوقتہ نماز میں سے ایک نماز قضاء ہو اور کونسی ہے۔ یاد نہیں، تو پانچوں نماز پڑھنا واجب ہے۔ ان پانچوں کیلئے ایک ہی تیمم کافی ہے۔

پنج وقتہ میں سے دو مختلف نمازیں قضاء ہوں، اور کون کون سی ہیں یاد نہیں، تو بہتر یہ ہے کہ دو تیمم کرے۔ ایک تیمم کر کے فجر، ظہر، عصر، مغرب، پڑھے پھر دوسرا تیمم کر کے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء پڑھ لے۔ اگر پانچ تیمم سے پانچ نماز پڑھ لے تب بھی کافی ہے۔ دو

متفق قضاء نمازوں کو بھول جائے (جیسے کسی کی دو دن ظہر قضاء ہوئی، پھر یاد نہیں رہا کہ کونسی نماز قضاء ہوئی تھی۔) تو پانچوں نمازوں کو دو مرتبہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایک تیمم کر کے پانچ نمازیں، پھر دوسرے تیمم سے پانچ نمازیں ادا کرے۔ اگر یہ یاد نہ ہو کہ دو قضا نمازیں متفق ہیں یا مختلف تو احتیاطاً متفق سمجھتے ہوئے اسی کیفیت کے ساتھ ادا کرنا لازم ہے۔ ایک فرض نماز یا کوئی فرض طواف چھوٹنے کے درمیان اشتباہ واقع ہو، تو ایک تیمم کر کے ایک طواف اور پانچوں نمازیں پڑھ لے۔ تیمم کر کے تنہا نماز پڑھ لی، پھر اسی تیمم سے اس نماز کو جماعت کے ساتھ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ تیمم سے کسی فرض کو ایسے طور پر پڑھے کہ پھر اعادہ لازم ہے تو اسی تیمم سے اعادہ کرنا جائز ہے۔ (مثلاً کوئی بندھا ہوا تھا۔ تیمم کر کے اسی حال میں نماز ادا کی پھر چھوٹ گیا تو اسی تیمم سے صحیح طریقے سے نماز ادا کر سکتا ہے۔ جمل)

فرض کیلئے تیمم کا وقت: کسی فرض کیلئے وقت سے پہلے تیمم جائز نہیں ہے۔ اگر کیا تو فرض یا نفل کیلئے یہ تیمم صحیح نہیں ہے۔ جمع بین الصلاتین (مسافر کا ظہر و عصر یا مغرب و عشاء کو ایک وقت پڑھنا) میں پہلی نماز کے وقت دوسری بھی تیمم سے پڑھ لینا صحیح ہے۔ اس لئے کہ پہلی کا وقت ہی اس صورت میں دوسری کا بھی وقت ہے۔ تیمم کر کے ظہر پڑھ لی پھر عصر کو جمع کر کے پڑھنے کیلئے تیمم کرنے کے بعد عصر کا وقت شروع ہو گیا تو جمع اور تیمم باطل ہو گئے۔ (اب پھر تیمم کر کے عصر پڑھ لے۔) قضاء نماز کا وقت یاد آنے پر ہے۔

کسی ادا نماز کیلئے اوّل وقت میں تیمم کر کے آخری وقت میں نماز پڑھی تو جائز ہے۔ کسی قضاء نماز کیلئے چاشت کے وقت تیمم کیا، پھر اس کے پڑھنے سے پہلے ظہر کا وقت شروع ہو جائے تو اس تیمم سے ظہر کی نماز ادا کر سکتا ہے۔ ظہر کیلئے تیمم کرنے کے بعد کوئی قضاء نماز یاد آئے تو اس تیمم سے پڑھ سکتا ہے۔

سنتوں کیلئے تیمم کا وقت: سنتیں مؤقت ہونگی یا غیر مؤقت (وقت متعین ہے تو مؤقت ورنہ غیر مؤقت کہیں گے) فرائض کے ساتھ پڑھی جانے والی رواتب سنتیں، نماز عید، سورج گہن یا چاند گہن کی نماز مؤقت نمازیں ہیں، جن کے اوقات معروف ہیں۔ استسقاء کی نماز کا وقت اس کے لئے میدان میں جمع ہونا ہے، جنازہ کی نماز کا وقت میت کے غسل سے فارغ ہونا ہے، ان مؤقتہ سنت نمازوں کیلئے وقت سے پہلے تیمم کیا تو صحیح نہ ہو گا۔

غیر مؤقت نمازوں کیلئے (جو کسی بھی وقت پڑھ سکتے ہیں) مکروہ اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت تیمم کرنا صحیح ہے، مکروہ وقت میں کیا تو صحیح نہ ہو گا (مکروہ اوقات کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) مکروہ وقت سے پہلے تیمم کرنے کے بعد مکروہ وقت شروع ہونے سے یہ تیمم باطل نہ ہو گا، مکروہ وقت ختم ہونے کے بعد اس تیمم سے مذکورہ سنت نماز پڑھ سکتے ہیں۔

فرض نماز کے وقت سے پہلے مٹی ہاتھ میں لی، پھر وقت ہونے کے بعد اس سے چہرہ کا مسح کیا تو صحیح نہ ہو گا، اس لئے کہ مٹی لینا بھی تیمم کے واجبات میں داخل ہے، لہٰذا وقت سے پہلے صحیح نہ ہو گا۔ وقت شروع ہونے میں شک ہو اور تیمم کرے، تو حقیقتاً وقت میں تیمم واقع ہوا ہو، تب بھی صحیح نہ ہو گا۔ اسی طرح وقت ہونے میں شک ہوتے ہوئے پانی کی تلاش کافی نہیں، چاہے حقیقتاً وقت میں تلاش واقع ہو۔

(۳) **نماز کی قضاء:** عذر یا تو عام ہو گا یا نادر (کبھی کبھار پیش آنے والا)

عام عذر: عام عذر کی صورت میں نماز کی قضاء نہیں ہے، جیسے محدث یا جنبی مسافر کا وضوء یا غسل کیلئے پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھنا، جبکہ گناہ کا سفر نہ ہو۔ گناہ کے سفر میں تیمم اور قضاء دونوں واجب ہیں۔

گناہ کے سفر میں پانی ہوتے ہوئے پیاس یا مرض کی وجہ سے تیمم کرے، تو صحیح نہیں ہے، بلکہ پہلے اس گناہ سے توبہ کرے پھر تیمم کرے گا۔ اور حقیقتاً پانی ہے ہی نہیں تو تیمم صحیح ہو گا، لیکن بعد میں قضاء واجب ہے۔ (حاشیۃ الروضہ والجمل ۱/۲۳۳) طویل و قصیر

(مختصر) سفر کا ایک ہی حکم ہے۔

اسی طرح مریض کا تیمم کر کے یا بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنا، اور شدت خوف کے وقت اشارہ سے نماز پڑھنا عام اعذار میں داخل ہیں۔

نادر عذر: یہ دو طرح کے ہیں۔(۱) جو غالبا دائم رہتا ہے (۲) جو دائم نہیں رہتا۔ دائم عذر کی صورت میں قضاء کی ضرورت نہیں، جیسے استحاضہ، سلسل البول، سلس المذی، ایسا زخم جس سے مسلسل خون بہتا ہو، ہمیشہ ریح خارج ہوتی رہے، چاہے اس کا کچھ بدل ہو یا نہ ہو۔ غیر دائم عذر کی دو قسمیں ہیں۔(۱) جس میں بدل ہو (۲) جس میں بدل نہ ہو۔ جس غیر دائم عذر میں بدل نہیں قضاء واجب ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) پانی اور مٹی دونوں نہ ملے۔ تو فرض نماز پڑھنا اور بعد میں قضا کرنا دونوں واجب ہیں۔ لیکن قرآن کو چھونا۔ جنبی یا حائضہ کا تلاوت کرنا، حائضہ سے (حیض کے بعد) وطی کرنا نا جائز ہے۔ نماز میں پانی یا مٹی ملے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

(۲) کسی ستون سے بندھا ہو یا زمین سے مضبوط بندھا ہوا ہو، ایسا شخص اشارہ سے نماز پڑھے۔ اور بعد میں اعادہ کرے، اسی طرح سمندر میں کسی تختے کے سہارے ڈوبنے سے بچنے والا اشارہ سے نماز پڑھے، بعد میں دوہرائے۔

(۳) کسی کے زخم میں نجاست ہو جس کے دھونے سے تلف ہونے کا خطرہ ہو یا کوئی نجس جگہ مقید ہو تو یہ دونوں اسی حال میں نماز پڑھ کر بعد میں اعادہ کریں گے۔

جس غیر دائم عذر میں بدل ہے اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) مقیم پانی نہ ہونے کے سبب تیمم کرلے تو اس پر اعادہ واجب ہے۔ اس لئے کہ حالت اقامت میں پانی نہ ملنا نادر ہے۔ مسافر پر اس صورت میں اس لئے قضاء نہیں ہے کہ سفر میں پانی نہ ملنا عام عذر ہے۔ یہ ضابطہ علماء عموماً پیش کرتے ہیں حالانکہ دراصل سفر واقامت کی تخصیص نہیں، لہٰذا کوئی بے آب بیابان یا کسی اور جگہ جہاں غالباً پانی نہیں ملتا قیام کرے، اور طویل مدت تک وہاں مقیم رہ کے تیمم سے نماز پڑھتا رہا، تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر مسافر دوران سفر کسی بستی میں داخل ہوا اور پانی نہ ہونیکی وجہ سے تیمم سے نماز پڑھی تو اعادہ واجب ہے، حالانکہ سفر کا حکم باقی ہے۔ لیکن چونکہ اقامت میں غالباً پانی میسر اور سفر میں اس کے برعکس ہوتا ہے، اس لئے علماء یوں تعبیر کر دیتے ہیں۔

(۲) بعض اعضاء میں عذر کی وجہ سے تیمم کرنا، اگر اس عضو پر جبیرہ یا مرہم وغیرہ ساتر نہ ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں، اور اگر ساتر ہو جسے پاکی کی حالت میں رکھا گیا ہے، تو اعادہ واجب نہیں، ورنہ واجب ہے۔ لیکن یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ جبیرہ تیمم کی جگہ میں نہ ہو۔ اگر تیمم کے عضو پر جبیرہ ہو تو ہر حال میں بعد میں اعادہ واجب ہے۔

(۳) سخت سردی کی وجہ سے تیمم کرنا، اس صورت میں بعد میں اعادہ واجب ہے۔

جبیرہ کی وجہ سے نماز کا اعادہ: اگر جبیرہ اعضاء تیمم (چہرہ یا ہاتھ) میں ہو، تو ہر حال میں اعادہ واجب ہے بدل اور مبدل منہ (تیمم اور وضو) دونوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے۔ اعضاء تیمم کے علاوہ میں ہو، اور جبیرہ کے باندھنے کیلئے تندرست حصہ جتنا ناگزیر تھا اس سے زائد جبیرہ کے نیچے چلا گیا ہے تو اعادہ واجب ہے، چاہے جبیرہ حدث کی حالت میں باندھا ہو یا طہارت کی حالت میں، اسی طرح صرف بقدر ضرورت تندرست حصہ نیچے چلا گیا ہے۔ لیکن جبیرہ حدث کی حالت میں باندھا ہے تو اعادہ واجب ہے، اور طہارت کی

حالت میں باندھا ہے تو اعادہ واجب نہیں ہے۔ اور تندرست حصہ بالکل ہی جبیرہ کے نیچے نہ آیا ہو تو اعادہ واجب نہیں، حدث کی حالت میں باندھا ہو یا طہر کی حالت میں ،اوپر کے جملوں میں طہر (طہارت) سے ، اگر جبیرہ اعضاء وضو میں ہے تو حدث اصغر اور اکبر دونوں سے طہارت مراد ہے، اعضاء وضو کے علاوہ میں ہے تو حدث اکبر سے طہارت مراد ہے (ترشیح المستفیدین ۲۵)

جو ستر چھپانے سے عاجز ہو وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے، اور رکوع وسجدہ کو مکمل ادا کرے (صرف اشارہ نہ کرے) سفر میں ہو یا حضر میں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ کپڑا نجس ہو تو عریاں (ننگے) نماز پڑھے اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔ کپڑا پاک ہے لیکن نماز کی جگہ نجس ہے تو کپڑے کو بچھا کر اس پر عریاں نماز پڑھ لے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مریض کو کوئی ایسا شخص نہ ملے جو اس کو (نماز کیلئے) قبلہ رو کرے تو جس رخ پر ہے نماز پڑھ لے بعد میں اعادہ واجب ہے۔ امام الحرمین وغیرہ کا ارشاد ہے کہ جن اعذار کے دائم ہونے کی وجہ سے ہم نے فرض کو ساقط کیا تھا، اگر جلد ختم ہو جائیں تب بھی دائم ہی کے حکم میں ہیں۔ اور جن کے متعلق غیر دائم کا فیصلہ تھا، کسی کے حق میں دائم بن جائیں، تب بھی غیر دائم کے حکم میں ہوں گے۔

جن نمازوں کا وقت میں پڑھنا اور بعد میں اعادہ کرنا دونوں واجب ہیں، حقیقتاً فرض دوسری نماز ہے۔ بعض علماء کے نزدیک دونوں بھی فرض ہیں۔ ہاتھ کٹا ہو تو تیمم میں بھی اس کا حکم وضو کی طرح ہے یہاں تک کہ کسی کا ہاتھ کہنی کے اوپر سے کٹا ہو تو بازو کے بقیہ حصے کا مسح کرنا مستحب ہے۔ راستے میں گھڑے میں مسافروں کو پینے کیلئے پانی رکھا ہو، تو اس سے وضو جائز نہیں، بلکہ تیمم کرے۔ کسی مرنے والے کے پاس اتنا پانی ہو جو اس کے غسل کو ناکافی ہو، تو اسے غسل میں استعمال کریں گے (بقیہ بدن کی طرف سے بعد میں تیمم کریں گے) مرض کی وجہ سے تیمم کرکے نماز پڑھ رہا تھا، دورانِ نماز شفایاب ہو گیا، تو مسافر کو دوران نماز پانی نظر آنے کی طرح ہے۔ (جس کی تفصیل ص۱۲۹ پر گذر چکی)

جنابت یا حیض کی وجہ سے تیمم کیا پھر وضو ٹوٹا تو محدث پر جو امور حرام ہیں، وہ سب حرام ہونگے۔ تلاوت قرآن اور مسجد میں ٹھہرنا حرام نہیں۔

جنبی نے (پانی نہ ہونے کے سبب) تیمم کیا، پھر پانی نظر آیا، تو تلاوت اور دیگر جو امور حرام تھے غسل کر لینے تک حرام رہیں گے۔ امام جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ صرف ان تین صورتوں میں فرض کا پڑھنا صحیح ہے اور نفل منع ہے (دیگر صورتوں میں فرض صحیح ہے تو نفل بدرجہ اولی صحیح ہے) (۱) فاقد الطہورین (جسے وضو کیلئے پانی اور تیمم کیلئے مٹی میسر نہ ہو) (۲) پاک ستر موجود نہ ہو (۳) بدن پر ایسی نجاست ہو جسے دور کرنے سے عاجز ہو۔

باب: موزوں پر مسح کرنا

حدیث: حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کی پھر وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا۔" (متفق علیہ)

موزوں پر مسح دو شرط کے ساتھ جائز ھے: (۱) موزے کامل طہارت کی حالت میں پہنے ہوں۔ ایک پیر دھو کر اس میں موزہ پہن لیا پھر دوسرا دھویا تو مسح جائز نہیں ہے۔ اگر پہلا موزہ اتار کر پہن لیا تو اب مسح کر سکتے ہیں۔ دھونے سے پہلے پیروں کو موزے کی پنڈلی میں داخل تو کیا، (یعنی اس حصے میں جو پوری طرح موزہ پہننے پر پنڈلی پر آتا ہے) پھر دھونے کے بعد پوری طرح اندر

داخل کیا تو یہ پہننا صحیح ہے اور مسح کرنا جائز ہے۔

طہارت کی حالت میں موزہ پہننا شروع کیا، لیکن موزے کے قدم تک پیروں کے پہنچنے سے قبل ہی وضو ختم ہو گیا، تو مسح کرنا جائز نہیں۔

شرائط کے ساتھ موزے کا مسح کرنے کے بعد پیر کو موزے سے نکالنا شروع کیا لیکن ابھی محل فرض (پیر کا وہ حصہ جو وضو میں دھونا فرض ہے) میں سے کچھ ظاہر نہیں ہوا تو مسح کرنا جائز ہے۔

مستحاضہ (وہ عورت جسے بیماری کی وجہ سے شرمگاہ سے خون آتا ہو) نے اپنی وضو کے بعد موزے پہنے پھر استحاضہ کے علاوہ کوئی وضو توڑنے والا سبب پایا گیا تو وہ بھی موزے پر مسح کر سکتی ہے، لیکن اس کے خون کا سلسلہ بند ہو جائے اور مسح سے پہلے ہی یہ بیماری ختم ہو جائے تو اب مسح کی اجازت نہیں ہے۔ مستحاضہ موزے پر مسح کر کے نوافل جتنی چاہے پڑھ سکتی ہے، جس وضو کے بعد موزے پہنے، اس وضو سے مستحاضہ نے فرض نماز نہیں پڑھی تھی۔ مثلاً وضو کے بعد موزہ پہن لیا۔ اور فرض نماز کی ادائیگی سے قبل ہی وضو ختم ہو گیا تو اب وضو میں موزے پر مسح کر کے ایک فرض نماز ادا کر سکتی ہے۔ اور فرض نماز کی ادائیگی کے بعد وضو ختم ہوا تو مسح کر کے نوافل تو پڑھ سکتی ہے۔ لیکن کسی بھی فرض نماز کی گنجائش نہیں۔ فرض نماز پڑھنا ہو تو موزے نکال کر طہارت کی حالت میں دوبارہ پہننے ہونگے۔

مستحاضہ ہی کے مثل سلس البول، دائم الحدث، اور زخم وغیرہ کی وجہ سے وضو کے ساتھ تیمم بھی کرنے کی صورتوں کا حکم ہے۔ صرف تیمم کرے وضو نہ کرے اور اس کا سبب پانی کی عدم موجودگی کے علاوہ کچھ ہو تو اس کا حکم بھی مستحاضہ کے مثل ہے۔ اور پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہو تو اس کو مسح کی بالکل گنجائش نہیں۔

(۲) **موزہ مسح کی صلاحیت رکھتا ہو:** (مسح کے قابل ہو) جس کیلئے درج ذیل شرائط ہیں۔ (۱) پیر کے محل فرض کو چھپانے والا ہو۔ (یعنی دونوں پیر ٹخنوں سمیت موزے کے اندر چھپ جائیں) تھوڑا بھی حصہ کھلا رہتا ہو تو مسح جائز نہیں، موزے پھٹنے کی وجہ سے پیر کے محل فرض کا تھوڑا سا حصہ بھی کھل جائے تو مسح جائز نہیں صرف استر یا ابرا (موزہ کی اندرونی تہہ یا بیرونی تہہ) پھٹ جائے اور بقیہ گف (موٹا، گاڑھا) ہو، تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح استر کچھ پھٹے اور دوسری طرف ابرا پھٹے (دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل نہ ہوں کہ پیر کھل جائے۔) اور دونوں گف (موٹے) ہوں تو مسح جائز ہے۔

موزے کے پھٹے ہوئے کناروں کو ملا کر باندھ دیا جائے اور پیر بالکل ظاہر نہ ہو، تو مسح جائز ہے، پیر کا کچھ حصہ نظر آئے تو مسح نہیں کر سکتا۔

(۲) موزے قوی اور مضبوط ہوں کہ مسافر اترنے اور سوار ہونے کے وقت بقدر احتیاج (بغیر چپل کے) اس کو پہن کر مسلسل چل سکے۔ لہٰذا صرف اون اور بال سے بنے پائتابے پر مسح ناکافی ہے (آج کل عموماً جوتے چپل میں پہنے جانے والے موزوں میں بھی یہ شرط نہیں پائی جاتی اس لئے اس پر مسح کی گنجائش نہیں ہے۔) موزہ بہت زیادہ کشادہ یا تنگ ہونے کی وجہ سے اسے پہنکر چلنا متعذر ہو تو اس پر مسح جائز نہیں۔ اسی طرح موزے کے موٹاپے یا وزن کی وجہ سے چلنا دشوار ہو جیسے لکڑے یا لوہے کا موزہ تو مسح جائز نہیں۔

لکڑے یا لوہے سے باریک موزہ بنائے جس میں چلنا ممکن ہو تو مسح جائز ہے۔ جس کو موزہ نہ کہا جا سکے جیسے چمڑے کے ایک ٹکڑے کو لپیٹ کر باندھ دینا اس پر مسح جائز نہیں۔

(۳) مغصوبہ یا چوری کا موزہ اور سونے چاندی کے موزے پر مسح صحیح ہے۔ کتے کی کھال، یا دباغت سے پہلے مردار کی کھال کے موزے پر مسح صحیح نہیں ہے، نہ مس قرآن کیلئے نہ کسی اور مقصد کیلئے۔ موزے میں دیگر شرائط ہوں لیکن پانی اندر سرایت کرتا ہو تو اس

پر مسح جائز نہیں ہے۔ موزے کا اوپری سرا اتنا کشادہ ہو کہ اندر قدم نظر آتے ہوں یا موزہ کانچ کا ہو، لیکن اسے پہن کر چل پھر سکتے ہوں تو ایسے موزوں پر مسح جائز ہے۔

جُرمُوق: غالباً ٹھنڈی کی شدت کی وجہ سے موزے کے اوپر پہنے جانے والے موزے کو جر موق کہا جاتا ہے۔ اس کی چار صورتیں ہیں (۱) اوپر کے موزے میں مسح کے شرائط ہوں، اندر کے موزے میں نہ ہوں، کمزور یا پھٹے ہونے کی وجہ سے، اس صورت میں صرف اوپر کے موزے پر مسح صحیح ہے۔

(۲) پہلے کے برعکس صورت ہو تو صرف اندرونی موزہ پر مسح صحیح ہے۔ اوپری موزہ پر صرف اسی پر مسح کے ارادہ سے مسح کرلے تو مسح صحیح نہیں، خواہ تری اندرونی موزہ تک پہنچے، لیکن دونوں کے قصد سے یا اندرونی موزہ کے قصد سے مسح کرے اور تری اندرونی موزہ تک پہنچے تو کافی ہے۔ اسی طرح کسی موزہ کے قصد کے بغیر فی الجملہ مسح کے ارادہ سے مسح کرے تب بھی کافی ہے۔

(۳) دونوں میں سے ایک میں بھی مسح کے شرائط نہ ہوں، تو مسح ممکن نہیں۔

(۴) دونوں میں مسح کے شرائط موجود ہوں تو صرف اوپری موزہ کا مسح ناکافی ہے۔ دونوں کے درمیان ہاتھ داخل کر کے اندرونی موزہ کا مسح کرلیا تو یہ جائز ہے۔ جبیرہ کے اوپر موزہ پہن لے تو اس پر مسح کافی نہیں۔

فصل۔ مسح کی کیفیت

کم سے کم جسے مسح کہا جائے وہ ضروری ہے۔ پیر کے تلوے کنارے اور ایڑی کا حصہ چھوڑ کر وضو کے محل فرض پر کہیں مسح ہونا ضروری ہے۔ ابوداود و ترمذی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے موزوں کے اوپر کی طرف مسح کرنا مروی ہے۔ اوپری حصہ اور تلوا دونوں طرف مسح کرنا اکمل ہے۔ جیسا کہ مسند احمد، ابوداود اور ترمذی وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مروی ہے۔ لیکن پورے موزے کا مکمل مسح سنت نہیں ہے۔ ایڑی کی طرف بھی مسح کرلینا سنت ہے۔ مسح کے وقت موزے کے نیچے نجاست ہو تو یہ مسح کافی نہیں ہے۔ مسح کے بجائے موزے کو دھو دیا تو کافی ہے، لیکن مکروہ ہے، اسی طرح ایک سے زائد بار مسح کرنا بھی مکروہ ہے۔ ہاتھ سے ہی مسح کرنا ضروری نہیں ہے، کپڑے یا لکڑی وغیرہ سے بھی کرنا جائز ہے۔ صرف تر ہاتھ موزے پر رکھ دیا، مسح نہیں کیا یا پانی ٹپکا دیا تو یہ کافی ہے، جیسا کہ سر کے مسح میں گذرا۔

فصل۔ مسح کا حکم

نماز اور دیگر وہ امور جن کیلئے وضو ضروری ہے، موزہ پر مسح جائز ہے۔ مسح کی چار مدتیں ہیں۔ (۱) مقیم کیلئے ایک دن رات گذرنا، اور مسافر کیلئے تین دن اور تین رات۔ موزہ پہننے کے بعد حدث (وضو ٹوٹنا) سے مدت شمار کریں گے۔ مقیم اگر جمع نہ کرے تو زیادہ سے زیادہ چھ ادا نمازیں پڑھ سکتا ہے، بارش کی وجہ سے جمع کیا تو سات نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ مسافر بغیر جمع کے سولہ /۱۶ اور جمع کے ساتھ سترہ /۱۷ نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ قضاء نمازوں کی کوئی تحدید نہیں۔ مسافر کو تین دن کی رخصت اس وقت ملے گی جبکہ اس کا سفر طویل ہو اور گناہ کا نہ ہو۔ اگر سفر قصیر ہے یا گناہ کا ہے تو صرف ایک دن رات مسح کرے گا۔

حدیث: آپ ﷺ نے اگر طہارت کے ساتھ موزے پہنے ہوں تو مسافر کے لئے تین شب و روز اور مقیم کے لئے ایک شب و روز اس پر مسح کرنے کی رخصت دی ہے۔ (ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود، الشافعی، ابن ابی شیبہ دارقطنی، بیہقی

وصححه الخطابی، تلخیص)حالت اقامت میں موزے پہننے کے بعد سفر شروع ہو اور سفر میں مسح کیا تو مسافر کی مدت پوری کرے گا، حدث اقامت میں ہوا ہو یا سفر میں، حدث اور نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد سفر شروع کیا یا قبل۔

اقامت میں مسح کرنے کے بعد سفر شروع کیا تو مقیم کی مدت پوری کرے۔ ایک موزہ پر اقامت میں مسح کے بعد سفر شروع کیا اور سفر میں دوسرے پر مسح کیا تو یہ مقیم کی مدت تک ہی مسح کر سکتا ہے، اس لئے کہ مسح کی ابتداء اقامت میں ہو چکی تھی۔

سفر میں مسح کرنے کے بعد مقیم ہو جائے اور ایک دن رات یا اس سے زائد مدت گذر چکی ہو، تو مسح کی مدت ختم ہو چکی۔ اور سابقہ نمازیں صحیح ہیں۔ ایک دن رات مکمل ہونے سے پہلے مقیم ہو جائے، تو اس کے مکمل ہونے تک مسح کر سکتا ہے۔ سفر یا اقامت میں مسح کرنے والے کو مدت کے ختم ہونے کے متعلق شک ہو تو مدت کو ختم سمجھے گا۔

مسافر کو شک ہو کہ مسح اقامت میں شروع کیا تھا، یا سفر میں، تو اقامت پر عمل کرتے ہوئے ایک شب و روز ہی مسح کریگا۔

باجود شک کے دوسرے دن بھی مسح کر کے نماز پڑھے، پھر تیسرے دن یہ معلوم ہو جائے کہ مسح سفر میں شروع کیا تھا، تو دوسرے دن کی نمازیں قضاء کرنا لازم ہے۔ تیسرے دن مسح کر سکتا ہے۔ پہلے دن مسح کرنے کے بعد دوسرے دن بھی وہ طہارت بر قرار ہو اور حدث نہ ہو تو تیسرے دن اس مسح سے نماز پڑھ سکتا ہے، کیونکہ وہ صحیح ہے۔ دوسرے دن حدث ہو اور شک کے ساتھ مسح کرے اور وہ طہارت باقی ہو تو مسح صحیح نہ ہو گا۔ لہٰذا مسح کا اعادہ واجب ہے۔

(۲) **دونوں یا ایک موزہ اتارنا:** اس صورت میں مسح کی طہارت باقی ہو تو پیروں کا دھونا لازم ہے از سر نو وضو لازم نہیں ہے۔ موزہ میں کمزوری یا پھٹن وغیرہ کی وجہ سے مسح کی صلاحیت باقی نہ رہے تو یہ موزہ اتارنے کے حکم میں ہے۔ (لہٰذا پیر دھونا واجب ہے) نماز کے دوران مسح کی مدت ختم ہو جائے یا پیر ظاہر ہو جائے تو نماز باطل ہو گی۔

صرف ایک رکعت کے بقدر مدت باقی ہو اور دو رکعت کی نیت سے نماز شروع کرے تو نماز منعقد ہو گی۔ (اور دوران نماز مدت ختم ہو جائے تو باطل ہو جائے گی)

(۳) مسح کرنے والے پر جنابت یا حیض یا نفاس کا غسل واجب ہو، تو غسل کے بعد از سر نو موزے پہننا لازم ہے۔ (۴) موزہ میں پیر نجس ہو جائے اور موزے کے اندر اسے دھونا ممکن نہ ہو تو موزے اتار کر دھونا واجب ہے۔ اسی میں دھونا ممکن ہو اور دھو لیا تو مسح باطل نہ ہو گا۔

جس کے دونوں قدم صحیح سالم ہوں، ایک ہی میں موزہ پہنے تو اس پر مسح صحیح نہیں ہے۔ اگر کسی کو ایک ہی پیر ہو، تو اس پیر کے موزے پر مسح صحیح ہے۔ دوسرے قدم کا کچھ حصہ بھی موجود ہو تو جب تک اس حصّے کو کسی ایسی چیز سے جو مسح کے شرط کے مطابق ہو، نہ چھپائے، مسح جائز نہ ہو گا دو پیروں میں ایک ایسا بیمار ہو کہ اسکا دھونا واجب نہیں اور دوسرے میں موزہ پہن لے تو اس پر مسح صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیمار پیر کی جانب سے تیمم واجب ہے، لہٰذا وہ بھی صحیح کی طرح ہے۔

کتاب الحیض: (حیض کا بیان)

آیت: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ، قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ، فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ الله (البقرہ۔ ۲۲۲) ترجمہ: اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ (حیض) گندی چیز ہے تو (حالت) حیض میں تم عورتوں (کے ساتھ صحبت کرنے) سے علیٰحدہ رہا کرو۔ اور (اس حالت میں) ان سے

قربت مت کیا کرو، جب تک کہ وہ (حیض سے) پاک نہ ہو جائیں، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جاویں تو ان کے پاس آؤ جاؤ (یعنی ان سے صحبت کرو) جس جگہ سے اللہ نے تم کو اجازت دی ہے۔

عربی میں حیض کا لفظ بہنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے دس نام ہیں حیض، طمث، ضحک، اِکبار، اعصار، دراس، عراک، فراک، طمس اور نفاس۔ اور شریعت میں عورت کے رحم کے اندرونی حصّے سے فطری طور پر مخصوص اوقات میں (فرج کے راستے) نکلنے والے خون کو حیض کہا جاتا ہے۔ رحم کے اندر ایک رگ سے جس کا نام عاذل ہے، بیماری کی وجہ سے نکلنے والے خون کو استحاضہ کہتے ہیں۔ اور ولادت کے بعد نکلنے والے خون کو نفاس کہا جاتا ہے (حاشیۃ الروضہ)

عورت پر حیض اور دیگر ضروری مسائل کا سیکھنا واجب ہے، اگر شوہر وغیرہ عالم ہے تو اس کو سکھانا لازم ہے ورنہ کسی سے پوچھ کر اسے مسئلہ بتادے۔ ان واجب کے سیکھنے کے لئے عورت گھر سے باہر جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کام کیلئے (جیسے ذکر کی مجلس کی شرکت) شوہر کے اجازت کے بغیر نہیں نکل سکتی، بستی سے باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو محرم کا بھی ساتھ ہونا ضروری ہے۔ (الانوار السنیہ ۷۵) اس کتاب میں پانچ ابواب ہیں۔

باب (۱) حیض اور استحاضہ کا حکم۔ حیض کی کم سے کم عمر ۹/ سال قمری ہے۔ اس عمر سے پہلے عورت کے فرج سے خون نکلے تو وہ دم فساد (فساد کا خون۔ بیماری کا خون) ہے اگر خون کے نظر آنے اور ۹ سال مکمل ہونے کے درمیان اتنی مدت ہو، جس میں ایک حیض اور طہر نہیں آسکتا۔ (یعنی ۱۵/ دن یا اس سے کم) تو وہ خون حیض ہے، ورنہ نہیں۔

تشریح: خون کے اور ۹ سال مکمل ہونے کے درمیان اتنی مدت ہو جس میں ایک حیض اور طہر آسکتا ہو۔ (۱۶ دن یا اس سے زیادہ) تو وہ دم فساد ہے۔ حیض کی کم سے کم عمر میں گرم ممالک وسرد ممالک کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

حیض کی اقل واکثر مدت۔ حیض کی اقل مدت ایک دن رات ہے۔

تشریح: ایک عورت کو کم سے کم ۲۴ گھنٹے حیض آئے گا حیض کا خون اس سے کم نہیں ہو سکتا۔

حیض کی اکثر مدت ۱۵ شب وروز ہیں۔

تشریح۔ ایک مرتبہ جب حیض شروع ہو تو اسکا سلسلہ مکمل ۱۵ روز سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اور حیض کی غالب مدت ۶ یا ۷ دن میں (یعنی عموماً اکثر عورتوں کو ۷۔۶ دن حیض آتا ہے)

اقل طہر۔ دو حیض کے درمیان طہر (پاکی) کی کم سے کم مدت ۱۵ دن ہیں اور غالب مدت حیض کے بعد ماہ کے بچے ہوئے ایام۔

تشریح: عموماً ایک ماہ میں ایک مرتبہ حیض آتا ہے۔ لہٰذا حیض کے بعد بقیہ سارے ایام طہر کے رہتے ہیں، جیسے کسی کو ۶ دن حیض ہو تو تقریباً ۲۴ دن اس کے طہر کے ہوتے ہیں۔

طہر کی اکثر مدت۔ طہر کی اکثر مدت کی کوئی حد نہیں ہے۔ (ممکن ہے کہ کسی کو مہینوں اور سالوں حیض نہ آئے ایسی صورت میں یہ ساری مدت طہر ہی کہلائے گی۔)

اگر کسی عورت کو مستقل ایک دن سے کم یا ۱۵ دن سے زیادہ حیض آئے یا ۱۵ دن سے کم طہر ہو، تب بھی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(فصل) حائضہ کیلئے حرام امور:

حدیث: ایک روایت میں آپ ﷺ نے عورت کے دینی نقصان کی وضاحت میں فرمایا! کیا وہ حیض میں نماز و روزہ ترک

نہیں کرتی۔(متفق علیہ)

جو امور جنبی کیلئے حرام ہیں، حائضہ کے حق میں بھی حرام ہیں۔عورت حیض کے ایام کی نمازوں کی قضاء نہیں کرے گی۔جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔حائضہ کے مسجد میں سے گذرنے کی صورت میں مسجد میں گندگی لگنے کا اندیشہ ہو تو گذرنا حرام ہے۔

اسی طرح مستحاضہ، سلس البول، اور زخم سے خون بہنے والا شخص مسجد سے گذرنے کی صورت میں مسجد میں نجاست لگنے کا خطرہ ہو تو ان لوگوں کو بھی مسجد سے گذرنا حرام ہے۔حائضہ اور دیگر مذکورہ افراد کے گذرنے سے اس طرح نجاست و گندگی کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو مسجد سے گذرنا جائز ہے۔حیض کے ایام میں روزہ رکھنا حرام ہے۔لیکن بعد میں ان روزوں کی قضاء کرے گی۔جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

حائضہ سے استمتاع (زن و شوئی تعلقات) کی دو نوعتیں ہیں۔

(۱) فرج میں جماع کرنا (صحبت کرنا): یہ حرام ہے۔حیض کا سلسلہ ختم ہو کر غسل یا بصورت عذر تیمم کرنے تک یہ حرمت باقی رہے گی، جیسا کہ آیت میں علیٰحدگی کا اور عدم قربت کا حکم دیا گیا، نیز مسلم وغیرہ کی حدیث میں بھی جماع کی ممانعت موجود ہے۔پانی اور مٹی دونوں میسر نہ ہو تو صرف فرض نماز پڑھ لے گی، لیکن اس سے جماع حرام ہے۔

حیض کی حالت میں جماع کا حرام ہونا معلوم ہوتے ہوئے عمداً کوئی جماع کرے تو کوئی مالی تاوان اور کفارہ واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار کرے، لیکن حیض کے ابتدائی ایام میں جماع کی صورت میں ایک دینار (تقریباً سوا چار گرام سونے کے برابر) صدقہ کرنا مستحب ہے۔آخری ایام میں جماع کیا ہو تو نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔یہ مقدار فقراء و مساکین کو دے، ایک ہی فقیر کو دینا بھی کافی ہے۔صدقہ کا حکم دار قطنی، بیہقی، احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔(تلخیص/۱۷۵)

(۲) جماع کے بغیر استمتاع: اس کی دو صورتیں ہیں۔(۱) حائضہ کے ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے سے استمتاع کرنا حرام ہے ابو داود وغیرہ میں تہبند سے اوپر استمتاع کی اجازت مروی ہے۔(۲) بقیہ حصے سے استمتاع جائز ہے۔

حیض کے دیگر احکام۔ حیض کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد غسل واجب ہے، جب تک خون جاری ہو طہارت حاصل نہ ہو گی، لیکن وہ تمام مشروع غسل، جن کے لئے طہارت کی قید نہیں، حیض میں بھی مستحب ہیں، جیسے احرام کا غسل، وقوف عرفہ کا غسل، حیض آتے ہی عورت بالغہ شمار ہو گی، حیض سے عدت اور استبراء کا تعلق ہے۔بلوغ، عدت، اور استبراء کے علاوہ دیگر تمام احکام میں نفاس بھی حیض کی طرح ہے۔

حیض کی حالت میں طلاق بدعی ہے۔(مکہ سے نکلتے وقت) حیض جاری ہو تو اس پر طواف وداع واجب نہیں ہے۔کفارہ کے روزہ کا تتابع حیض کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتا۔حیض ختم ہونے کے بعد غسل کرنے سے پہلے ہی روزہ اور طلاق کی حرمت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح اب نماز چھوٹی تو قضاء ضروری ہے، البتہ استمتاع (جماع وغیرہ) اور دیگر وہ سارے امور جن کے لئے طہارت ضروری ہے، بغیر غسل کے جائز نہ ہوں گے۔

فصل استحاضہ کا بیان

استحاضہ دو طرح ہے۔کبھی تو حیض و نفاس کے علاوہ آنے والے ہر خون کو استحاضہ کہتے ہیں۔حیض کے بعد متصل ہو یا نہ ہو، جیسے

سات سال میں خون آئے، اور کبھی صرف حیض سے متصل مزید خون کو استحاضہ کہتے ہیں، اس صورت میں دوسرے خون کو دم فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہر حال ساری صورتوں کے احکام یکساں ہیں۔ استحاضہ سلس البول کی طرح دائمی حدث ہے۔ لہٰذا اس حال میں روزہ نماز سے کوئی رکاوٹ نہیں، اور وطی (صحبت) کرنا جائز ہے۔ دائمی حدث کی وجہ سے طہارت اور ازالہ نجاست میں خاص احتیاط ضروری ہے۔ وضو یا تیمم سے پہلے مستحاضہ (وہ عورت جس کو استحاضہ کی شکایت ہو) اپنی اگلی شرمگاہ کو دھو کر اس جگہ کپاس یا کپڑے کا ٹکڑا رکھ دے، تاکہ نجاست رکے اور کم ہو۔ اس سے خون رکے تو یہ کافی ہے، ورنہ ایک ٹکڑا کمر میں باندھ کر دوسرے ٹکڑے کو لنگوٹ کی طرح کس کر باندھ دے یہ سب کرنا اس کے لئے واجب ہے۔ کس کر باندھنے میں تکلیف ہو تو نہ باندھے، روزے کی حالت میں شرمگاہ میں کپاس وغیرہ نہ رکھے صرف باندھنے پر اکتفاء کرے۔ سلس البول (جس کو ہمیشہ پیشاب کا قطرہ آتا ہو) اپنے عضو مخصوص کے سوراخ میں روئی داخل کرے، اس سے قطرے نہ رکیں تو سرے کو باندھ بھی دے۔

مذکورہ احتیاطی تدابیر کے بعد مستحاضہ وضو کرے، اس احتیاط کا وضو سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ اور ہر فرض نماز کیلئے وضو واجب ہے، نوافل جتنی چاہے پڑھ سکتی ہے۔ مستحاضہ کا طہارت نماز کا وقت ہونے کے بعد ہی ہونا چاہئے۔ طہارت کے بعد اسے جلد ہی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ اوّل وقت طہارت حاصل کر کے آخری وقت یا اس کے بعد نماز پڑھے، اور اس تاخیر کا سبب نماز ہی کا کوئی سبب ہو، جیسے اذان، قبلہ کیلئے اجتہاد، کپڑے پہننا، جمعہ اور جماعت کا انتظار وغیرہ تو حرج نہیں، ورنہ ممنوع ہے۔ ہر فرض نماز کیلئے از سر نو شرمگاہ کا دھونا، روئی رکھنا اور باندھنا، وضو کرنا ضروری ہے، چاہے پٹی اپنی جگہ سے زیادہ کھسک گئی ہو یا اس کے اطراف خون نظر آئے، یا ایسی کوئی بات پیش نہ آئی ہو۔ باندھنے کے بعد خون کے غلبہ کی وجہ سے خون نکل پڑے، تو اسکا وضو باطل نہ ہو گا۔ اگر باندھنے میں کمی کی وجہ سے نکل پڑا تو وضو باطل ہو گا۔

اسی طرح پٹی ٹھیک نہ باندھنے سے اپنی جگہ سے سرک جائے اور اس کی وجہ سے خون کا نکلنا بڑھ جائے، تو وضو ختم ہو گا۔ اگر نماز میں ایسا اتفاق ہو تو نماز باطل ہو گی۔ اگر فرض کے بعد ہو تو اب نفل پڑھنا حرام ہو گیا۔

مستحاضہ کی شفاء: مستحاضہ کی بیماری ختم ہو جائے، تو اس کی طہارت باطل ہو گی۔ نماز میں شفاء ہو جائے، تو نماز باطل ہو گی۔ کسی مستحاضہ کا خون طہارت کے بعد رک جائے اور اسکو اس طرح خون رکنے اور پھر دوبارہ شروع ہونے کی عادت ہو، یا عادت تو نہیں تھی لیکن کسی معتبر واقف شخص نے یہ بتا دیا کہ پھر شروع ہو گا، تو ان دونوں صورتوں میں اگر خون رکنے کی مدت اتنی کم ہو، کہ اسمیں طہارت اور جس نماز کیلئے طہارت حاصل کی ہے نہیں ہو سکتی تو وہ (دوبارہ طہارت کئے بغیر) نماز شروع کر سکتی ہے۔ لیکن خون رکا ہی رہا تو معلوم ہوا کہ طہارت باطل تھی۔ اور نماز قضاء پڑھنی ہو گی۔ اور رکنے کی مدت میں طہارت اور متعلقہ نماز کی گنجائش رہتی ہے۔ تو خون رکنے کے بعد وضو لازم ہے۔ خلاف عادت اتنی مدت سے پہلے ہی پھر خون جاری ہو تو وضو کا اعادہ واجب نہیں، لیکن خون رکنے کے بعد نماز شروع کر چکی اور وضو کا اعادہ نہیں کیا اور نماز ہونے سے پہلے ہی پھر خون شروع ہو تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ البتہ خون رکے اور رکنے لوٹنے کی اسے عادت نہ ہو اور کسی معتبر شخص نے لوٹنے کی خبر بھی نہ دی، تو وضو کا اعادہ لازم ہے۔ لیکن وضو اور نماز کے امکان سے قبل ہی پھر خون شروع ہو تو سابقہ وضو باقی سمجھا جائے گا۔

مذکورہ بالا اعادۂ وضو کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خون رکنے کے بعد وضو کے اعادہ کے بغیر نماز شروع کرے، تو نماز صحیح نہیں، خون لوٹے یا نہ لوٹے، نیز طہارت و نماز کے امکان کے بعد لوٹے یا اس سے قبل۔ مستحاضہ اپنی طہارت سے مستقل نوافل بھی پڑھ

سکتی ہے، فرض کے تابع بھی، وقت کے اندر بھی، اور بعد میں بھی، مستحاضہ (اور دیگر دائمی حدث والے افراد) کی طہارت سے نماز جائز ہو جاتی ہے لیکن یہ طہارت حقیقتاً حدث (ناپاکی) دور نہیں کرتی۔

کسی کو کبھی خون آتا ہے اور کبھی رکتا ہے۔ تو خون کے بہاؤ کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں، بلکہ جس وقت رکے وضو و نماز ادا کرنی چاہئے۔ تاہم اسے نماز کے قضا ہونے کا خطرہ ہو، تو بہاؤ کے وقت ہی وضو کر کے نماز پڑھ لیں۔

سلس البول کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو پیشاب ٹپکتا ہے اور بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں رک جاتا ہے تو طہارت کی خاطر بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔ اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔

باب۔۲ مستحاضہ کی مختلف قسمیں

ان کی چار قسمیں ھیں۔

(۱) **اَلْمُبْتَدَاۃُ الْمُمِیْزَہ** (جس کو پہلی مرتبہ ہی خون ۱۵ دن سے زائد آئے اور قوی و ضعیف خون میں تفریق کر سکے) اس کو مختلف رنگ کا خون آتا ہے، جس میں ایک رنگ قوی ہو تو اُسے تمیز پر عمل کرنا ہے۔ یعنی قوی خون کے ایام میں حائضہ ہو گی۔ اور ضعیف خون کے ایام میں مستحاضہ، تمیز پر عمل کیلئے درج ذیل تین شرائط ضروری ہیں۔

(۱) قوی خون ۱۵/ دن سے بڑھ نہ جائے (۲) ایک شب و روز سے کم نہ ہو تا کہ اسے حیض شمار کر سکیں۔ (۳) ضعیف خون ۱۵/ دن سے کم نہ ہو تا کہ اسے دو حیض کا درمیانی طہر قرار دیا جا سکے اور یہ ۱۵/ دن (یا اس سے زائد) مسلسل ہونا ضروری ہے، لہٰذا ایک دن سیاہ اور دو دن سرخ اس ترتیب سے سارا ماہ گذر جائے تو ضعیف خون کی مجموعی مدت ۱۵ دن سے بھی بڑھ گئی (۲۰ دن ہو چکی) لیکن یہ تمیز نہیں ہے کیونکہ اتصال نہیں پایا گیا۔ قوت کیلئے ان تین صفات میں سے کسی صفت کا اعتبار کیا جائے گا۔ رنگ، بو، گاڑھا پن، سیاہ رنگ، اشقر (سرخ و زردی مائل) سے قوی ہے۔ اور اشقر زرد اور اکدر (گدلے) سے قوی ہے۔ بدبو دار خون غیر بدبو دار خون سے قوی ہے۔ اسی طرح گاڑھا خون پتلے سے قوی ہے۔

لہٰذا بعض خون میں قوت کے تینوں صفات ہوں۔ اور بعض تینوں سے خالی تو قوت کے صفات کا خون قوی ہو گا (اور دوسرا ضعیف)

بعض میں ایک صفت اور بعض میں دو صفتیں ہوں، تو دو صفات والا قوی ہے، بعض میں دو اور بعض میں تین صفت ہوں، تو تین صفات والا قوی ہے۔

تشریح: کسی کو پہلے دس دن سیاہ، خون آئے پھر ۲۰/ دن زرد، تو پہلے دس دن حیض ہے، دس دن بدبو دار اور ۲۰ دن غیر بدبو دار تو ۱۰ دن حیض اور ۲۰ دن استحاضہ ہے۔ ۵ دن گاڑھا اور ۲۵ دن پتلا خون آئے تو ۵ دن حیض اور ۲۵ دن استحاضہ ہے۔ ۱۰ دن سیاہ اور بدبو دار ہو اور ۲۰ دن پتلا خون ہو تو ۱۰ دن حیض اور بقیہ استحاضہ اسی طرح دیگر مختلف صورتوں کو سمجھ لیجئے۔

تمیز کی صورت میں کبھی پہلے قوی خون آئے گا اور کبھی پہلے ضعیف، قوی مقدم ہو اور بعد میں ایک قسم کا ضعیف خون آتا رہے جیسے ۱۵ دن تک سیاہ خون پھر سرخ مسلسل تو اس کا حیض سیاہ خون ہے اور سرخ طہر ہے، چاہے کافی مدت تک آتا رہے۔

اگر قوی کے بعد دو ضعیف خون (یکے بعد دیگرے) آئے اور اس میں سے پہلے ضعیف کو قوی کے ساتھ ملا کر حیض قرار دے سکتے ہیں تو ایسا ہی کریں گے۔

جیسے ۵ دن سیاہ خون آیا پھر ۵ دن سرخ، پھر زرد مسلسل آتا رہا،(تو سیاہ اور زرد دونوں ملا کر ۱۰ دن حیض)(حاشیہ الروضہ) لیکن ان دونوں کو ملا کر حیض نہیں قرار دے سکتے تو صرف قوی حیض ہو گا۔ جیسے ۵ دن سیاہ، پھر ۱۱ دن سرخ، پھر زرد کا سلسلہ،(تو صرف ۵ دن حیض ہے)

کسی کو ضعیف پہلے آئے، جیسے ۵ دن سرخ، پھر ۵ دن سیاہ، پھر سرخ کا سلسلہ تو اس کا حیض صرف سیاہ خون کے پانچ دن ہیں، قبل و بعد کے ایام طہر ہیں۔

اگر سیاہ خون ۱۶ دن آئے تو پھر یہ ''فاقِدۃُ التمیز''(جس کے خون سے تمیز کر کے حیض و نفاس کا حکم نہ لگا سکیں) کہلائے گی۔

کسی مبتداۃ کو پہلی مرتبہ ۱۵ دن سرخ پھر ۱۵ دن سیاہ خون نظر آئے تو مکمل ماہ نماز روزہ ترک کرے گی۔

تشریح: پہلی مرتبہ کسی رنگ کا خون آئے تو حیض شمار کرے گی، جب ۱۵ سے آگے بڑھا اور بعد میں ۱۵ دن تک قوی ہے تو معلوم ہوا کہ پہلے پندرہ دن استحاضہ تھا، اور اب یہ پندرہ دن حیض ہے، تو گویا بعد میں پندرہ دن کے نمازوں کی قضاء لازم ہو گی۔ مذکورہ صورت میں سیاہ خون ۱۵ دن سے بھی آگے بڑھ جائے تو اب اس کی تمیز کا اعتبار نہیں، لہٰذا صرف ایک دن رات حیض شمار ہو گا، تو اس ایک صورت میں مستحاضہ ۳۱ دن تک نماز نہیں پڑھے گی۔

پهلی مرتبه خون۔ حیض کی عمر ہونے کے بعد محض خون نظر آتے ہی نماز روزہ اور جماع سے رکنا ضروری ہے۔ اب مکمل ایک دن سے پہلے ہی رک جائے تو معلوم ہوا کہ حیض نہیں تھا، لہٰذا نماز قضا کرے گی۔

مبتداۃ ممیزہ کا خون قوت سے ضعف کی طرف پلٹے تو وہ نماز روزہ شروع نہیں کرے گی، ہو سکتا ہے کہ خون پندرہ دن سے آگے نہ بڑھے، تو ایسی صورت میں سارا حیض ہو گا۔ لہٰذا پندرہ دن ہونے تک رکی رہے گی۔ پندرہ کے بعد بھی خون جاری رہا، تو اب معلوم ہوا کہ وہ مستحاضہ ہے، اب اسے قوی خون کے بعد کے ایام کی نماز قضاء کرنی ضروری ہے۔ یہ حکم پہلی ماہ کا ہے،(جب پہلی ماہ اس کا مستحاضہ ہونا ثابت ہوا تو) دوسرے ماہ سے قوی خون ختم ہوتے ہی غسل کر کے نماز روزہ شروع کرے گی، بعد میں کسی ماہ شفاء ہوئی اور ۱۵ دن کے اندر خون رک گیا تو اس ماہ قوی اور ضعیف دونوں خون حیض ہے۔

امام الحرمینؒ کی تصریح اور دیگر علماء کے کلام سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب مکمل ضعیف خون آنا شروع ہو تو اسے ضعیف شمار کریں گے یہاں تک کہ کچھ سیاہ دھاریاں اور کچھ سرخ آنا شروع ہو، تب بھی حیض کا حکم ختم نہ ہو گا جب سیاہی بالکل نہ رہے تو حیض کا حکم ختم ہو گا۔(اور ضعیف کا سلسلہ جاری ہو گا جو استحاضہ شمار ہو گا۔)

(۲) وہ مبتدأۃ جس کو تمیز حاصل نہ ہو: کسی کو ایک ہی صفت کا خون مسلسل آئے، یا قوی و ضعیف آئے، لیکن تمیز کے شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اس کا حکم اس قسم میں بیان ہو رہا ہے۔

اگر ایسی عورت کو اپنے خون کی ابتدا کب سے ہوئی معلوم نہیں تو اس کا حکم متحیرہ کی طرح ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی اور ابتداء معلوم ہے تو پہلا ایک دن رات حیض ہے اور بقیہ ۲۹ دن استحاضہ ہے۔

پہلی مرتبہ ۱۵/ ایام تک روزہ نماز کے ترک میں غیر ممیزہ بھی ممیزہ کی طرح ہے۔ ۱۵ دن سے آگے بڑھا، تو استحاضہ ہونا معلوم ہوا، لہٰذا ۱۴ دن کے نمازوں کی قضاء کرے گی۔ دوسرے ماہ اور اس کے بعد سابقہ شرائط کے مطابق تمیز موجود ہو تو اب مبتداۃ ممیزہ ہو گی، بعد میں بھی تمیز نہ ہو تو مدت گذرنے پر غسل اور صوم و صلوۃ واجب ہے۔

کسی ماہ اسے ۱۵ دن گذرنے سے قبل شفاء ہو جائے، تو اس ماہ میں وہ مستحاضہ نہیں ہے، بلکہ سارے ایام حیض ہیں۔ لہٰذا ان ایام میں رکھے گئے روزوں کی قضاء کرے اور اس سے پہلے کیا ہوا غسل بھی صحیح نہیں ہے۔ مدت کے بعد صوم وصلوۃ اور وطی پر گناہ نہ ہو گا گرچہ حقیقتاً حیض میں ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ لاعلمی سے یوں ہوا ہے۔

(۳) معتادہ غیر ممیزہ: (جس کو حیض کی پہلے سے ایک عادت بندھی ہو اور خون کے رنگ میں فرق نہ ہو) ایسی عورت حیض و طہر کے سلسلہ میں اپنی سابقہ عادت پر عمل کرے گی۔ اس کی دو حالتیں ہوں گی (۱) اس کی عادت میں اختلاف نہ ہو۔ کئی مرتبہ حیض وطہر کی عادت گذر چکی ہو تو حیض وطہر کی مقدار اور مدت میں اسی عادت پر عمل کرے گی، چاہے مہینے میں چند روز حیض آتا ہو، یا سال میں یا اس سے زائد مدت میں، صرف ایک مرتبہ ہی پہلے حیض وطہر آچکا ہے، تو اس کو بھی عادت شمار کرکے اس پر عمل کرے گی۔

کسی کو پانچ دن حیض آتا تھا۔ کسی ماہ ٦ / دن آیا، اس کے بعد والے ماہ میں استحاضہ شرع ہوا تو ٦ دن حیض کی عادت شمار کریں گے۔

پہلی مرتبہ خون عادت سے آگے بڑھے، تو مبتداہ کی طرح روزہ نماز سے رکی رہے، ہو سکتا ہے ۱۵ سے آگے نہ بڑھے (ایسی صورت میں پورا حیض ہی ہو گا) اب اگر ۱۵ سے بھی آگے بڑھے تو عادت سے زائد ایام کے نماز کی قضاء کرے آئندہ مہینوں میں عادت ختم ہوتے ہی غسل کرکے نماز روزہ شروع کرے۔

(۲) دوسری حالت یہ کہ عادت مختلف ہو۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

مختلف عادتیں ترتیب کے ساتھ جاری ہوں۔ جیسے ایک ماہ تین دن حیض پھر ۵ دن پھرے دن پھر چوتھے ماہ ۳ دن۔ پھر ۵ دن پھر سات دن۔ پھر اسی طرح ہمیشہ۔ اب استحاضہ شروع ہو تو اسی عادت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ صرف ایک مرتبہ اس ترتیب سے حیض آنے سے عادت ثابت نہیں ہو گی۔ کم از کم دو مرتبہ یہ ترتیب پیش آنا چاہئیے۔ لہٰذا مذکورہ مثال میں کم از کم چھ ماہ میں عادت ثابت ہو گی۔ اب تین دن حیض والے ماہ کے بعد استحاضہ شروع ہو جائے تو استحاضہ کے پہلے ماہ ۵ روز اور دوسرے ماہ ۷ روز اور تیسرے ماہ ۳ دن حیض شمار ہونگے۔ ۵ دن حیض والے ماہ کے بعد استحاضہ شروع ہو جائے تو پہلے ماہ ۷ روز، پھر تین روز، پھر ۵ روز، حیض شمار ہونگے۔ ۷ روز حیض کے بعد دوسرے ماہ سے استحاضہ شروع ہو تو پہلے ماہ ۳ دن، دوسرے ماہ ۵ دن اور تیسرے ماہ ۷ دن حیض ہونگے۔ اس صورت میں ایک عادت اور اکثر عادت کے درمیانی ایّام میں احتیاط واجب نہیں ہے۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ سابقہ عادت اسے یاد ہو۔ اگر بھول جائے تو ہر ماہ ۳ دن حیض گذار کر غسل کرکے نماز روزہ شروع کرے، پھر ۵ روز مکمل ہونے پر غسل کرے، پھر سات روز مکمل ہونے پر غسل کرے، اس دوران ہر فرض نماز کیلئے وضو کرے۔

حیض وطہر کا سلسلہ مکرر آچکا لیکن ترتیب و نظم کے بغیر، اس صورت میں آخری حیض کی مدت یاد نہیں تو کم سے کم جو حیض گذر چکا ہو اس پر عمل کرے گی اور زائد میں احتیاط پر عمل کرے گی۔ اور آخری حیض کی مدت یاد ہے تو اسی پر عمل کریگی۔ اور اس سے زائد مدت ہو تو اس میں احتیاط پر عمل کرے گی۔ مثلاً مذکورہ مثال میں استحاضہ سے قبل آخری حیض تین دن تھا۔ (تو ہر ماہ تین دن حیض شمار کرے گی۔ البتہ ۵ دن اور ۷ دن ہونے پر غسل دہرائے گی لیکن آخری حیض ۷ دن تھا تو ہر ماہ ۷ دن حیض شمار کرے گی، اس سے زائد اس کیلئے کبھی رہا نہیں، اس لئے احتیاط کا سوال ہی نہیں۔) حیض وطہر کا اختلافی سلسلہ مکرر آیا ہی نہیں، مثلاً ایک ماہ تین، پھر پانچ، پھر سات دن حیض آیا پھر چوتھے ماہ استحاضہ شروع ہو گیا اور آخری مدت بھول چکی تو کم سے کم مدت (مذکورہ مثال میں تین دن) حیض شمار کرے اور زائد میں احتیاط کرے، اور آخری مدت یاد ہے تو ہر ماہ وہی مدت حیض شمار کرے، کم ہو یا زیادہ، اس صورت میں احتیاط کی ضرورت نہیں۔ (بعض

علماء نے اس صورت میں بھی احتیاط کو واجب قرار دیا ہے)(حاشیۃ الجمل علی فتح الوہاب ۱/۲۵۱)

(۴) **ایسی معتادہ ممیزہ جس کو عادت یاد ہو:** اگر عادت اور تمیز متفق ہوں، جیسے ہر ماہ کے ابتداء میں پانچ ایام حیض آتا تھا اور باقی طہر، اب کسی ماہ استحاضہ شروع ہو گیا، اور ابتدائی پانچ ایام سیاہ خون اور بقیہ ماہ سرخ خون آئے، تو وہی پانچ ایام حیض کے ہیں۔

اگر عادت اور تمیز متفق نہ ہوں، اور عادت اور تمیز کے درمیان اقل طہر (۱۵ دن) کا فاصلہ نہ ہو تو تمیز پر عمل کرے گی۔ جیسے پانچ روز حیض آتا تھا پھر کسی ماہ دس روز سیاہ خون اور بقیہ ایام سرخ خون جاری رہا تو اس کا حیض دس روز ہو گا (سیاہ خون کے ایام)

اور اگر عادت و تمیز کے درمیان اقل طہر کا فاصلہ ہو، تو عادت کی مقدار بھی حیض ہے، اور قوی خون بھی حیض ہے، اس لئے کہ دونوں کے درمیان کامل طہر کی مدت مل جاتی ہے، جیسے ۲۰ یا زائد دن ضعیف خون آئے پھر پانچ دن قوی پھر ضعیف اور اس کی قدیم عادت ۵ روز کی ہے تو پہلے پانچ دن عادت کی وجہ سے حیض، اور قوی خون کے ۵ دن تمیز کی وجہ سے حیض ہے۔

(۵) **تمیز سے عادت کا فیصلہ:** معتادہ کو جس عادت پر عمل کرنا ہے، وہ بغیر استحاضہ کے صحیح حیض اور طہر ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور کبھی تمیز کی روشنی میں بھی عادت کا فیصلہ ہوتا ہے جیسے مبتداء کو ۵ دن سیاہ پھر ۲۵ دن سرخ خون آئے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے پھر کسی ماہ صرف سیاہ یا سرخ خون مسلسل جاری رہے تو سابقہ تمیز کی بنیاد پر ہر ماہ ابتدائی ۵ دن حیض اور بقیہ استحاضہ ہے۔ مذکورہ صورت میں کسی ماہ دس روز سیاہ خون آئے بقیہ سرخ اور بعد کے ماہ مسلسل سیاہ کا سلسلہ جاری رہا تو حیض ۱۰ دن ہیں۔ کسی کو پانچ دن سیاہ خون کی عادت تھی، پھر خون مستمر رہا اور کسی ماہ ۱۰ روز سیاہ خون آیا تو اس ماہ دس روز حیض ہے۔

فصل: زرد اور مٹیالے رنگ کا خون

عادت کے ایام میں زرد یا مٹیالے رنگ کا خون آئے تو یہ بھی حیض شمار ہو گا، دیگر ایام میں اسکا حکم سیاہ خون کا حکم ہے۔

باب ۳- مستحاضہ معتادہ جو اپنی عادت بھول چکی ہو:

اس کی دو صورتیں ہو گی۔ ممیزہ۔ غیر ممیزہ

ممیزہ تمیز پر عمل کرے گی (قوی خون کو حیض اور ضعیف کو استحاضہ شمار کرے گی) غیر ممیزہ کی کئی حالتیں ہو نگی۔

(۱) غفلت یا جنون وغیرہ کی وجہ سے اپنی عادت کے مقدار اور وقت کو بھولے، ایسی عورت کو مُتَحَیِّرَہ اور مُحَیِّرَہ کہتے ہیں۔ (اس لئے کہ خود بھی احکام کے متعلق تحیّر کا شکار اور دوسرے کو بھی تحیر میں ڈالنے کا سبب) محیرہ کو چھ اشیاء میں احتیاط لازم ہے۔

(۱) اس سے جماع کرنا ہمیشہ حرام ہے (یعنی جب تک استحاضہ کی وجہ سے وہ متحیرہ ہے) دیگر استمتاع کے متعلق متحیرہ حائضہ کے حکم میں ہے۔

(۲) اس پر قرآن چھونا اور نماز کے باہر تلاوت کرنا حرام ہے، نمازوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورۃ پڑھنا حرام نہیں ہے، دخول مسجد میں حائضہ کی طرح ہے۔

(۳) پنج وقتہ نمازیں ہمیشہ (ہر روز) واجب ہیں نوافل پڑھنا حرام نہیں ہے۔ نفل روزے اور طواف بھی حرام نہیں، ہر فرض نماز کے لئے غسل واجب ہے، جبکہ حیض کا خون رکنے کا وقت معلوم نہ ہو۔ غسل نماز کے وقت میں ہونا شرط ہے۔ غسل کے بعد فوراً نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

اگر اتنایاد ہو کہ فلاں وقت حیض رک جاتا تھا۔ مثلاً غروب کے وقت تو ہر دن رات صرف ایک مرتبہ غروب کے وقت غسل لازم ہے اور اس سے مغرب پڑھ لے اور بقیہ فرائض کیلئے صرف وضو کرے۔ مستحاضہ کو درمیان میں خون رکتا رہتا ہو تو ظاہر ہے کہ ان اوقات میں غسل کی ضرورت نہیں ہے۔(فتح الوہاب ۱/ ۸۲)

نمازوں کو بعد میں قضا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) ماہ رمضان کے مکمل روزے رکھنا واجب ہے ۳۰ کا مہینہ ہو تو اس کے ۱۴ روزے شمار ہونگے اور ۲۹ کا ہو تو ۱۳ روزے شمار ہونگے (دونوں صورت میں ۱۶ روزوں کی قضاء لازم ہے)

بعد میں مکمل ایک ماہ(۳۰ دن) مسلسل روزہ رکھے۔ اب اس پر دو روزے باقی رہیں گے، جبکہ رات میں خون رکنے کی عادت نہ تھی (یعنی دن میں رکنے کی عادت تھی یا شک ہے کہ رات میں رکتا تھا یا دن میں) لہٰذا ان دو روزوں کے قضاء کی یہ صورت ہوگی کہ ۱۸ دن میں سے ابتداء میں تین دن اور آخر میں تین دن روزہ رکھے۔ یا ۱۸ دن میں سے ابتداء میں چار دن اور آخر میں دو دن روزہ رکھے۔ یا اس کے برعکس یا دو دن ابتداء میں دو آخر میں اور دو درمیان میں رکھے۔ یا ان دو کی قضاء میں ۵ روزے رکھے۔ پہلا۔ تیسرا۔ پانچواں۔ سترھواں۔ اور انیسواں۔ اگر رات میں حیض رکتا تھا تو اس پر کوئی قضاء باقی نہیں۔(فتح الوہاب ۱/ ۲۸)

(۵) ایک دن کا روزہ قضاء رکھنا ہو تو کم از کم تین روزے رکھنے ہونگے۔

ایک دن روزہ رکھے گی پھر ایک دن افطار پھر تیسرے دن روزہ پھر سترھویں دن روزہ رکھے گی۔ دوسرا روزہ تیسرے دن اور تیسرا روزہ سترھویں دن ہی لازم نہیں ہے۔ بلکہ وہ تیسرے دن کے بجائے اس کے بعد پندرھویں دن تک کسی بھی روز روزہ رکھ سکتی ہے اور سترھویں کی بجائے اس کے بعد انتیسویں کے آخری دن تک کسی بھی دن روزہ رکھ سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ پندرہ کے بعد(سولہ سے) تیسرے روزے کا فاصلہ پہلے اور دوسرے روزے کے درمیان فاصلہ کے برابر یا اس سے کم ہو۔

لہٰذا اگر پہلا اور تیسرا اور اٹھارواں روزہ رکھے تو کافی نہیں اس لئے کہ پندرہ کے بعد دو دن کا فاصلہ ہے۔ اور ابتدائی دونوں روزے میں صرف ایک دن کا فاصلہ ہے۔ اگر پہلے دن۔ چوتھے دن۔ اور اٹھارویں یا سترھویں دن روزہ رکھے تو جائز ہے۔ اگر پہلے دن اور پندرھویں دن روزہ رکھے تو دونوں روزوں میں ۱۳ دن کا فاصلہ ہوا۔ لہٰذا وہ ۲۹/ انتیسواں یا اس سے قبل ۱۶ کے علاوہ کسی دن روزہ رکھے تو کافی ہے۔

ایک دن سے زائد قضا رکھنا ہو تو قضا روزوں کی تعداد کو دوگنا کرکے اس میں دو جمع کریں گے، جو حاصل ہوگا اس کے نصف تعداد روزے کبھی بھی پے درپے(مسلسل) رکھے گی، اور بقیہ نصف روزے سولھویں دن سے شروع کرے گی۔ لہٰذا دو روزے رکھنا ہو تو تین روزے مسلسل کبھی بھی رکھے پھر چوتھے دن سے پندرہ تک روزہ ترک کرے پھر ۱۶۔ ۱۷۔ اور ۱۸ کو روزہ رکھے۔

اگر تین روزے رکھنا ہیں تو پہلے چار روزے رکھے پھر ۱۶/ سولھویں دن سے چار روزے اور رکھے۔

اگر ۱۴ روزے رکھنا ہو تو مکمل ماہ روزہ رکھے۔

اگر کسی نے سارے روزوں کو بغیر زیادتی کے مسلسل کسی بھی وقت رکھا پھر سترھویں دن سے دوبارہ سارے روزے رکھے اور ان دونوں کے درمیان دو روزے ایک ساتھ یا الگ الگ پہلے سلسلے یا دوسرے سلسلے کے ساتھ متصل یا غیر متصل رکھے تب بھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگی۔

یہ تمام تفصیل ان روزوں کے قضاء میں تھی جس میں تتابع (مسلسل ہونا) ضروری نہیں تھا۔ اگر نذر وغیرہ سے تتابع ضروری ہو اور ایک ماہ میں ہو سکتے ہوں تو ان روزوں کو مسلسل رکھے۔ پھر دوبارہ سترھویں سے رکھے۔

مثال: کسی پر دو روزے مسلسل ہیں تو دو روزے رکھے اور ۱۷ اور ۱۸ کو رکھے اور درمیان میں دو مسلسل رکھے۔ اگر مسلسل دو ماہ کے رکھنا ہیں تو اسے مسلسل ۱۴۰ دن روزے رکھنا ہوں گے۔

(۶) **متحیرہ کی عدت:** متحیرہ فی الحال ۳ ماہ کے اعتبار سے عدت گذارے گی (سن یاس تک انتظار کی ضرورت نہیں)

بعض متفرق مسائل

کسی پر دو روزے ہوں تو سابقہ ترتیب کے علاوہ یہ ترتیب بھی صحیح ہے کہ پہلے۔ تیسرے۔ ۱۷/ سترھویں اور ۱۹/ انیسویں دن روزہ رکھے۔ چوتھے اور سولہویں روز روزہ نہ رکھے۔ درمیان میں ۱۱/ ایام باقی رہے۔ ان میں سے کسی بھی ایک دن روزہ رکھے۔ متحیرہ کے شوہر پر اس کا نفقہ (خرچ) ضروری ہے، متحیرہ ہونے کی بنیاد پر شوہر نکاح فسخ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ آئندہ جماع متوقع ہے بخلاف رتقاء کے (رتقاء یعنی گوشت بڑھنے سے جس کا فرج بند ہو چکا ہو اور اس سے صحبت ممکن نہ ہو) متحیرہ کی اقتداء میں کسی دوسرے متحیرہ یا غیر متحیرہ کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

دودھ پلانے کے عذر سے یہ اگر روزہ نہ رکھے تو اس پر فدیہ ضروری نہیں ہے۔ سفر یا بارش کے عذر کی وجہ سے پہلی نماز کے وقت دو نمازوں کے درمیان جمع نہیں کر سکتی (جمع تقدیم نہیں کر سکتی)

ایک دن روزہ واجب ہونے کی صورت میں سابقہ تفصیل کے مطابق روزہ رکھنا شروع کیا اور ایک روزہ رکھنے کے بعد نیت کی تھی یا نہیں، شک ہوا تو حرج نہیں، وہ روزہ صحیح ہے۔

(۲) حیض کا وقت یاد ہے لیکن مدت اور مقدار بھول چکی ہے۔ اس صورت میں اصول یہ ہے کہ جو حیض کا مدت ہونا یقینی ہے اس میں حیض کے سارے احکام ثابت ہونگے۔ اور جو مدت بالیقین طہر ہے اس میں طہر کے احکام ثابت ہونگے لیکن دائم الحدث شمار ہوگی۔

اور وہ مدت جس میں حیض و طہر دونوں کا احتمال ہو، اس مدت میں استمتاع کے اعتبار سے حائضہ شمار ہوگی اور عبادات لازم ہونے کے اعتبار سے طاہرہ (غیر حائضہ) شمار ہوگی۔ اب اس مدت میں حیض کے انقطاع کا احتمال ہو تو ہر فرض کیلئے غسل واجب ہے، اور مناسب حال احتیاط ضروری ہے۔

اگر عورت تیس دن کی تعین کرے اور کہے کہ ابتداء میں حیض شروع ہوتا تھا اس طرح بعد کے ہر تیس دن میں تو تیس دن کا پہلا دن اور رات بالیقین حیض ہے اس کے بعد ۱۵ دن مکمل ہونے تک حیض و طہر اور انقطاع کا احتمال ہے اس کے بعد ماہ کے آخر تک بالیقین طہر ہے، اسی طرح ہر تیس روز کا حکم ہوگا، یہاں ماہ سے قمری ماہ مراد نہیں، بلکہ عورت ہی ایام کی تعین کرے، اگر عورت تیس ایام کی تعین کر کے کہے کہ اتنا مجھے یاد ہے کہ ہر ماہ کے آخر میں حیض کا سلسلہ ختم ہوتا تھا تو ان تیس ایام کے ابتدائی ۱۵ روز بالیقین طہر ہے آخری دن اور رات بالیقین حیض ہے درمیانی ۱۴ ایام میں حیض اور طہر دونوں کا احتمال ہے نہ کہ انقطاع کا، اگر عورت کہے کہ میں ہر ماہ کے آخر اور دوسرے ماہ کے ابتداء میں حائضہ رہتی تھی تو ہر ماہ کا ابتدائی لحظہ اور آخری لحظہ بالیقین حیض ہے، ۱۵ کا آخری لحظہ اور ۱۶ کی شب کا ابتدائی لحظہ بالیقین طہر ہے ابتدائی لحظہ اور ۱۵ کے آخری لحظہ کا درمیانی وقت حیض طہر اور انقطاع کا احتمال رکھتا ہے۔

۱۶ر کے ابتدائی لحظہ اور ماہ کے آخری لحظہ کا درمیانی وقت حیض وطہر دونوں کا احتمال رکھتا ہے نہ کہ انقطاع کا، اگر عورت کہے کہ ایک ماہ کا آخر اور دوسرے کا ابتداء طہر رہا کرتا تھا تو اس کے لئے یقینی حیض نہیں۔ ہر ماہ کا ابتدائی و آخری لحظہ بالیقین طہر ہے ان دو لحظوں کے بعد اقل حیض کی مقدار میں انقطاع کا احتمال نہیں اس کے بعد احتمال ہے۔(۳) حیض کے مقدار کی عادت یاد رہے، یہ تحیر سے اسی وقت نکلے گی جبکہ دور کی مقدار ابتداء اور حیض کی مقدار اسے یاد ہو۔

اگر وہ کہے کہ میرا حیض پانچ دن ہے اور میرے دور میں اسے گم کر چکی۔(یعنی کون سے ایام تھے پتہ نہیں) اور اس کے علاوہ کچھ مجھے پتہ نہیں تو اس سے کوئی فائدہ نہیں کہ ہر وقت حیض۔ طہر اور انقطاع کا احتمال موجود ہے، اسی طرح اگر کہے کہ میرا حیض ۵ روز، اور دور تیس ایام ہیں جس کی ابتداء میں نہیں جانتی (تو یہی حکم ہے)

باب۔۵ نفاس کا بیان

عورت کو ولادت کے بعد جو خون آتا ہے، اسے نفاس کہتے ہیں۔ نفاس کی اکثر مدت ۶۰ دن ہیں(یعنی زیادہ سے زیادہ کسی عورت کو ۶۰ دن نفاس آسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں)

اور نفاس کی غالب مدت ۴۰ دن ہیں۔(یعنی عام طور پر عورتوں کو ۴۰ دن تک خون آتا ہے) اور نفاس کی اقل(کم سے کم) مقدار کی کوئی حد نہیں جتنی دیر بھی نکلے خواہ بالکل کم ہو نفاس ہو گا۔

بچہ مکمل پیدا ہو یا ناقص، زندہ ہو، یا مردہ، اس کے بعد جاری ہونے والا خون نفاس ہے۔ اگر کسی عورت کے بطن سے علقہ(خون کا لوتھڑہ) یا مضغہ(بوٹی) نکلے اور دایہ، یہ بتادے کہ یہ انسانی خلقت کی ابتداء ہے تو اس کے بعد نکلنے والا خون نفاس ہے۔

فصل: حاملہ کو حیض کے مطابق خون آئے تو وہ حیض ہے، حمل کی حرکت سے قبل ہو یا، بعد اور اس کی وجہ سے نماز روزہ کی حرمت اور حیض کے دیگر احکام جاری ہونگے، لیکن اس حیض میں طلاق دینا حرام نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے عورت کی عدت ختم نہ ہو گی(لیکن صاحب حمل کے علاوہ دوسرے کسی کی عدت عورت پر واجب ہو جائے تو ایسی صورت میں دوسری عدت اس حیض سے ختم ہو گی۔ (حاشیۃالروضہ)

خون کے نکلنے کے بعد پندرہ روز سے، یا اس سے قبل یا خون سے متصل ہی ولادت ہو تو ان تمام صورتوں میں وہ حیض ہے۔ زچگی کے وقت ولادت سے پہلے نکلنے والا خون نہ نفاس ہے اور نہ حیض اسی طرح عین ولادت کے وقت کا خون بھی نفاس و حیض نہیں ہے، ولادت کے بعد نکلنے والا خون نفاس ہو گا جب بچے کے ساتھ ساتھ نکلنے والا خون نفاس نہیں ہے، تو اس خون کی وجہ سے نہ غسل واجب ہو گا اور نہ روزہ باطل ہو گا۔ ان مسائل سے معلوم ہوا کہ بچہ ماں سے جدا ہونے کے بعد سے نفاس کے خون کی ابتداء شمار کی جائیگی۔

دو جڑواں بچوں کے درمیان(ایک کی ولادت کے بعد دوسرے کی ولادت سے پہلے) نظر آنے والا خون نفاس نہیں۔

فصل: نفساء کا خون ۶۰ دن سے آگے بڑھ جائے، تو اس کا نفاس استحاضہ سے مل گیا، اب نفاس و استحاضہ کے فرق کیلئے حیض و استحاضہ کی سابقہ تفصیل کو مد نظر رکھا جائے گا۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں مستحاضہ کی ۵ قسمیں ہونگی۔

(۱)**معتادہ**(جس کی اس سے قبل نفاس کی متعین عادت رہی ہو) مثلاً کسی کی عادت اس سے قبل ۴۰ دن نفاس کی تھی تو اب اس کا نفاس ۴۰ دن شمار ہو گا۔ حیض کے اعتبار سے اس کی دو صورتیں ہونگی یا تو معتادہ ہو گی، اس صورت میں ۴۰ دن کے بعد طہر کی سابقہ

عادت کی مدت تک طہر اور حیض کی مدت میں حیض شمار ہو گا، یا پھر وہ مبتداء ہو گی، لہٰذا ۴۰ دن کے بعد مبتداء کی طہر، کی مقدار تک اس کا طہر ہو گا، اوراس کے بعد حیض کی مدت حیض ہو گی۔ عادت و تمیز دونوں ہو، تو حیض کی سابقہ تفصیل کی روشنی میں فیصلہ ہو گا۔

کئی مرتبہ ولادت کے بعد خون نہ نکلا پھر ایک مرتبہ استحاضہ شروع ہو جائے تو خُون نہ نکلنے کو عادت سمجھتے ہوئے بالکل نفاس کی نفی نہیں کریں گے بلکہ پہلی ولادت کی طرح اسے مبتداء سمجھیں گے۔

(۲)**اور** (۳)**مبتداء ممیزہ اور غیر ممیزہ۔** غیر ممیزہ کا صرف ایک لحظہ نفاس ہو گا۔ اب یہ نفساء حیض کے سلسلہ میں معتادہ تھی۔ تو نفاس کے بعد حیض وطہر کے مطابق سابقہ عادت پر عمل کرے گی اور مبتداء ہے تو مبتداء کے طہر اور حیض کا حکم یہاں بھی جاری ہو گا۔ اور اگر ممیزہ ہے تو تمیز کے شرائط کی موجودگی میں تمیز پر عمل کرے گی، جیسا کہ حائضہ کے متعلق گذر چکا۔

نفساء کی تمیز کی شرط یہ ہے کہ قوی خون ۶۰ دن سے زائد نہ ہو قوی اور ضعیف کے اقل کا کوئی ضابطہ نہیں۔

(۴)**معتادہ ممیزہ۔** معتادہ میں اسکا حکم بیان ہو چکا۔

(۵) اپنے نفاس کی سابقہ عادت کو بھولنے والی، اس کا حکم حیض کی عادت کو بھولنے والی کی طرح ہے، اب اگر یہ حیض میں مبتداء ہے یا حیض کی عادت کو بھول چکی ہے تو ہمیشہ احتیاط لازم ہے اور اگر حیض کی عادت یاد ہے تو اس کا حکم حیض کے وقت کو بھولنے والی اور مقدار کو یاد رکھنے والی کی طرح ہے، جس کا بیان گذر چکا ہے۔

نفاس کا خون درمیان میں رکے تو اس کی دو صورتیں ہو نگی۔ (۱) کل مدت ۶۰ دن سے زائد نہ ہو، اس صورت میں دو خون کے درمیان انقطاع (خون نہ نکلنے) کی مدت اقل طہر (۱۵ دن رات) سے کم ہو، جیسے ایک دن خون آئے اور ایک دن رکے تو مکمل (خون نکلنے اور نہ نکلنے کی مدت) نفاس ہے۔

اور درمیانی انقطاع اقل طہر کے برابر ہو مثلاً ولادت کے بعد کئی روز خون آئے پھر ۱۵ دن یا اُس سے زائد رک جائے، پھر دوبارہ شروع ہو جائے، تو یہ حیض کا خون ہے۔ (اور درمیانی انقطاع کی مدت طہر ہے) ولادت کے بعد ۱۵ دن یا اس سے زائد خون نہ آئے پھر آنا شروع ہو جائے تو یہ حیض ہے گویا اسے نفاس آیا ہی نہیں۔ اس صورت میں بعد میں آنے والا خون اقل حیض (ایک شب و روز) سے کم ہو تو وہ دمِ فساد ہے، اور آنے والا خون اکثر حیض (۱۵ دن رات) سے زائد ہو جائے تو پھر یہ مستحاضہ ہے جس کا تفصیلی حکم گذر چکا ہے۔

(۲) کل مدت ۶۰ دن سے آگے بڑھ جائے، اس صورت میں ۶۰ دن کے دوران انقطاع کی مدت ۱۵ دن رہی اور پھر آنے والا خون ۶۰ دن سے آگے بڑھ جائے تو یہ حیض ہے اور ۱۵ دن کی مدت سے کم رہی اور یہ عورت مبتداء ممیزہ ہے تو تمیز پر عمل کرے ممیزہ نہیں ہے تو مبتداء کے سابقہ حکم پر چلے۔ معتادہ ہے تو عادت کی طرف رجوع کرے۔

ولادت کے بعد صفرۃ و کدرۃ (زرد یا مٹیالے) رنگ کا خون ہو تو وہ بھی نفاس ہی ہے۔ نفساء خون رکنے کے بعد غسل یا تیمم (جہاں تیمم کی گنجائش ہو) کرلے تو شوہر کیلئے فی الحال بغیر کراہت کے اس سے وطی (صحبت) کرنا جائز ہے۔

ولادت کے بعد صرف ایک گھڑی خون نظر آئے اور رک جائے تو اسے غسل کرنا لازم ہے اور اس سے وطی (صحبت) حلال ہے، لیکن پھر خون شروع ہونے کا اندیشہ ہے تو وطی سے توقف (رکنا) مستحب ہے۔

کتاب الصلوٰۃ (نماز کا بیان)

صلوٰۃ لغت میں دُعا کو کہتے ہیں۔

اور شرع میں نیت کے ساتھ تکبیر سے شروع کر کے سلام کے ساتھ مکمل کی جانے والی چند اقوال و افعال کے مجموعہ کا نام صلوٰۃ ہے۔ جس میں مخصوص شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

اس میں سات ابواب ہیں۔

باب (۱) نماز کے اوقات کا ذکر

آیت: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ وَقُرْآنَ الفَجْرِ (بنی اسرائیل ۷۸)

ترجمہ: آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے (اس میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء آگئیں) اور صبح کی نماز بھی (ادا کیا کیجئے)

ظہر: ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے۔

زوال: استواء شمس (سورج کا آسمان میں ٹھیک درمیان میں پہنچنا) کے بعد سایہ کا بڑھنا، یا استواء کے وقت سایہ نہ ہو تو بعد میں سایہ پیدا ہونا۔ استواء کے وقت بالکل سایہ کا نہ ہونا سال کے سب سے طویل دن بعض علاقوں میں ہوتا ہے جیسے مکہ، صنعاء یمن۔

زوال کے وقت سایہ ہو تو اس سایہ کے علاوہ کسی کا سایہ اسی کے برابر ہوتے ہی ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ مثال۔ زوال کے وقت کسی ۵ فٹ طویل شخص کا سایہ ایک فٹ ہے تو جب سایہ ۶ فٹ (۵+۱) ہو جائے گا تو ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ زوال کے وقت بالکل سایہ نہ ہو تو ۵ فٹ سایہ ہوتے ہی وقت ختم ہو گا۔ مذکورہ ابتدائی اور انتہائی وقت کا درمیانی وقت وقتِ اختیاری ہے۔

عصر: ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو گا۔ اور سورج غروب ہونے تک باقی رہے گا۔ عصر کے چار اوقات ہیں۔ (۱) وقت فضیلت: اوّل وقت۔ (۲) اختیاری وقت دو مثل (دوگنا) سایہ ہونے تک (زوال کا سایہ چھوڑ کر) (۳) وقتِ جواز بلا کراہت، اختیاری وقت کے بعد سے سورج میں زردی آنے تک (۴) وقت کراہت۔ اصفرار (زردی) سے غروب تک۔

شرح مسلم اور تحقیق میں عصر کا پانچواں وقت بھی بیان کیا ہے۔ اور وہ ہے وقت عذر یعنی سفر یا بارش کی وجہ سے جمع تقدیم کر کے ظہر کے ساتھ پڑھ لینا۔ (حاشیۃ الروضہ ۲۹)

مغرب: سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اصل سورج کی ٹکیہ کا غروب ہو جانا ہے جو کہ کھلے میدانوں میں نظر آئے گا۔ بستی اور پہاڑ کی چوٹی میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ کہ سورج کی شعاعیں دیواروں پر نظر نہ آئے اور مشرق کی جانب سے تاریکی چھانا شروع ہو جائے۔ شفق احمر کے غائب ہونے تک مغرب کا وقت رہے گا۔ (شفق احمر یعنی غروب کے بعد مغرب کی سمت جو سرخی نظر آتی ہے)

حدیث: شفق کے غائب ہونے تک مغرب کا وقت ہے۔ (مسلم عن عبداللہ بن عمر)

عشاء: شفق احمر کے غائب ہوتے ہی عشاء کا وقت شروع ہو گا۔ جس علاقہ میں رات مختصر ہونے کی وجہ سے شفق غائب نہیں ہوتی وہاں سے قریب ترین علاقہ کے شفق کے غائب ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ عشاء کا اختیاری وقت تہائی رات تک ہے۔ (شرح مسلم میں امام

نووی ؒ نے نصف رات تک لکھا ہے) اور جواز کا وقت صبح صادق تک ہے (یعنی صبح صادق سے پہلے کسی بھی وقت پڑھنا جائز ہے۔)

فجر: صبح صادق ہوتے ہی فجر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اِسفار (روشنی پھیلنے) تک وقت اختیاری ہے اور سورج طلوع ہونے تک وقت جواز ہے۔ فجر کے چار اوقات ہونگے۔ (۱) وقتِ فضیلت اول وقت (۲) وقتِ اختیاری۔ اِسفار تک (۳) وقتِ جواز بلا کراہت: سرخی آنے تک (۴) وقتِ کراہت۔ سرخی سے سورج طلوع ہونے تک، جبکہ عذر نہ ہو۔

فجر کی نماز دن کی نمازوں میں شمار ہے۔ مغرب کی نماز کو عشاء اور عشاء کی نماز کو عَتَمَہ کہنا مکروہ ہے (کیونکہ اول کو بخاری شریف میں اور دوم کو مسلم شریف میں منع فرمایا ہے۔ مغنی المحتاج) فجر کی نماز کیلئے صبح یا فجر کا لفظ استعمال کرنا بہتر ہے۔ "صَلٰوۃُ الْغَدَاۃِ" کہنے کے مقابلہ یہ دونوں الفاظ اولیٰ ہیں۔ بغیر عذر کے عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد گفتگو کرنا مکروہ ہے (کیونکہ یہ دونوں آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے۔ (متفق علیہ) نیکی کی بات (جیسے قرآن و حدیث پڑھنا پڑھانا وغیرہ) مکروہ نہیں ہے۔ (جیسا کہ حاکم کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔)

اگر وقت کے اندر جاگنے کا گمان نہ ہو تو سونا حرام ہے، وقت ہونے سے قبل سونا حرام نہیں، خواہ وقت میں نہ جاگنے کا گمان غالب ہو، کیونکہ یہ ابھی اس نماز کا مخاطب نہیں، وقت کے بعد نیند کے غلبہ سے بالکل مجبور ہو جائے اور ادائیگی کا پختہ ارادہ ہو تو (سونے میں) کوئی حرمت اور کراہت نہیں ہے۔

نیند کے اقسام (۱) غفلت کی نیند: ذکر کی مجلس میں سونا (۲) بد بختی کی نیند: نماز کے وقت سونا (۳) لعنت کی نیند: صبح کے وقت سونا (۴) عقوبت کی نیند: فجر بعد سونا (۵) راحت کی نیند: ظہر سے قبل سونا (۶) رحمت کی نیند: عشاء کے بعد سونا (۷) حسرت کی نیند: شب جمعہ سونا۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۲۷۴)

صَلٰوۃ الوسطیٰ: قرآن پاک میں جس صلوۃ الوسطیٰ کا خصوصی ذکر آیا ہے صحیح احادیث سے یہ عیاں ہے کہ اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔

احادیث: (۱) حدیثِ امامتِ جبرئیل علیہ السلام: آپ ﷺ نے فرمایا! حضرت جبرئیل نے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ (دو دن) میری امامت فرمائی (معراج سے تشریف آوری کے بعد) پس میرے ساتھ زوال کے وقت ظہر ادا کی جبکہ سایہ تسمے کے برابر تھا اور عصر کی نماز اس وقت ادا کی جبکہ ہر شئی کا سایہ اس کے برابر ہوا، اور مغرب پڑھائی جبکہ روزہ دار نے افطار کیا، (افطار کے وقت) اور عشاء شفق غائب ہونے کے بعد پڑھائی، اور فجر اس وقت پڑھائی جبکہ روزہ دار پر کھانا حرام ہو جائے (یعنی صبح صادق ہوتے ہی) پھر دوسرے دن سایہ مثل پر ظہر ادا فرمائی، اور دو مثل سایہ ہونے پر عصر پڑھائی، مغرب (کل کی طرح) افطار کے وقت پڑھائی اور عشاء تہائی رات تک (مؤخر کرکے) ادا کی اور فجر کو اِسفار (روشنی اور اجالے) کے وقت ادا فرمایا، پھر میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا اے محمد ﷺ یہ آپ سے قبل انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا وقت ہے۔ اور وقت ان دونوں کے درمیان ہے (یعنی پہلے اور دوسرے دن کے اوقات کا درمیانی وقت) (ابو داود۔ ترمذی)

(۲) جسے غروب سے قبل عصر کی ایک رکعت مل جائے وہ اپنی نماز مکمل کرلے اور طلوع سے قبل فجر کی ایک رکعت ملے تو وہ اپنی نماز مکمل کرلے (بخاری شریف)۔ (۳) فجر کی نماز کا وقت طلوع فجر (صبح صادق) سے طلوع آفتاب تک ہے۔ (مسلم)

فصل: نماز کا وقت شروع ہوتے ہی نماز واجب ہو جاتی ہے لیکن فوراً ادا کرنا ضروری نہیں، وقت ختم ہونے سے پہلے کبھی بھی ادا کر

ناکافی ہے، (ایسے واجب کو واجب مُوَسَّع کہتے ہیں) وقت کے اندر مؤخر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، بغیر عذر کے بھی مؤخر کرے اور دوران وقت مر جائے، تو اس تاخیر کی وجہ سے گنہگار نہ ہو گا (البتہ شرح مہذب اور تحقیق میں مؤخر کرنے کی صورت میں ادائیگی کے عزم اور ارادہ کو ضروری قرار دیا ہے۔ (کمافی حاشیۃ الروضہ)

بعض نماز وقت میں اور بعض خارج میں ہو تو اسکا حکم

وقت کے اندر ایک رکعت یا زائد ادا ہو تو پوری نماز ادا شمار ہو گی، البتہ بغیر عذر کے اتنا مؤخر کرنا کہ نماز کا کچھ حصہ وقت سے باہر جائے جائز نہیں۔ اور ایک رکعت سے بھی کم وقت کے اندر ادا ہو تو پوری نماز قضاء شمار ہو گی۔

حدیث: جسے نماز کی ایک رکعت ملی اسے وہ نماز ملی (یعنی مکمل ادا شمار ہو گی اب بقیہ رکعتوں کو ادا کرے) (صحیحین)

ایسے وقت نماز شروع کرے کہ مکمل نماز وقت کے اندر ادا ہو سکتی ہے، لیکن طویل تلاوت کی وجہ سے وقت نکل گیا تو نہ گنہگار ہو گا اور نہ اس میں کراہت ہے (لیکن بعض فقہاء نے اس سے منع فرمایا ہے)

فصل۔ اوّل وقت کی فضیلت

آیت: "سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (حدید ۲۱) ترجمہ: "تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو۔"

اول وقت نماز ادا کرنا افضل ہے۔ نماز کا وقت ہوتے ہی نماز کے اسباب میں مصروف ہو جائے، جیسے طہارت اذان وغیرہ، پھر نماز پڑھ لے تو اس سے اوّل وقت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اس فضیلت کیلئے ستر عورت کو وقت سے پہلے انجام دینا ضروری نہیں ہے۔ چند لقمے کھانا اور کچھ گفتگو کرنا وغیرہ جیسے معمولی اشغال سے یہ فضیلت فوت نہ ہو گی۔ عام عادت کے بر خلاف ان امور کو جلد اور عجلت کے ساتھ انجام دینے کی ضرورت نہیں۔

تشریح: مقصود یہ بتانا ہے کہ اول وقت کی فضیلت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ساری تیاریاں پہلے ہی مکمل کر کے نماز کا وقت ہوتے ہی فوراً نماز شروع کرے، بلکہ متوسط طور پر مذکورہ امور وقت ہونے کے بعد انجام دے کر نماز ادا کرے تو بھی اسے اول وقت ہی سمجھیں گے۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ ظہر کی نماز سخت گرمی میں (اول وقت) ادا کرتے اور عصر اس وقت ادا کرتے کہ سورج زندہ ہوتا (یعنی پوری طرح ضیا پاش رہتا) اور مغرب جبکہ سورج غروب ہو جاتا اور عشاء کی نماز لوگ کثیر ہوتے تو جلد پڑھاتے اور کم ہوتے تو تاخیر فرماتے اور فجر کی نماز غَلَس میں (یعنی اول وقت میں جبکہ رات کی تاریکی کا اثر باقی ہو) ادا کرتے۔ (متفق علیہ)

(۲) حضرت رافع بن خَدِیج کا ارشاد ہے۔ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر لوٹتے تو اپنے تیر کے گرنے کی جگہ نظر آتی تھی۔ (یعنی ابھی کافی روشنی باقی رہتی) (متفق علیہ)

(۳) آپ ﷺ کی سحری اور نماز میں تقریباً ۵۰ آیتوں کی تلاوت کے بقدر فاصلہ ہوتا۔ (بخاری شریف)

(۴) حضرت رافع کا ارشاد ہے ہم آپ ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد اونٹ ذبح کرتے، پھر اس کے دس حصے کرتے پھر اسے پکا کر غروب آفتاب سے قبل کھاتے۔" (متفق علیہ)

پانچوں نمازوں کو اول وقت پڑھنا افضل ہے، البتہ نماز ایسی مسجد (یا کسی اور جگہ) با جماعت ادا ہو جہاں لوگ دور سے چل کر آتے

ہوں، تو گرمی کی شدت میں ظہر کی نماز میں ابراد سنت ہے۔

(ابراد کا مطلب کچھ تاخیر کر کے گرمی کی شدت کم ہونے کے بعد پڑھنا) اتنی تاخیر کرلے کہ دیواروں کے سایہ میں نمازی چل کر مسجد پہنچ سکے، نصف اول سے زیادہ موئخر نہ کرے، اگر جماعت میں شریک ہونے والے نمازیوں کے مکانات مسجد سے قریب ہوں یا کچھ حضرات کسی جگہ جمع ہیں، جہاں کوئی اور جماعت کیلئے نہیں آئے گا تو ابراد سنت نہیں ہے۔ اسی طرح مسجد میں پہنچنے کے لئے سایہ موجود ہو، یا گھر ہی میں نماز پڑھتا ہو، تو ابراد سنت نہیں ہے۔ صرف گرم علاقوں میں ابراد کیا جائے گا۔ جمعہ کی نماز میں ابراد نہیں کیا جائے گا۔

حدیث: جب شدید گرمی ہو تو (ظہر کی) نماز میں ابراد کرو (اسے نسبتاً ٹھنڈے وقت ادا کرو) (متفق علیہ)

فصل۔ وقت میں اشتباہ

بادل یا تاریکی میں قید ہونے یا اس طرح دیگر اسباب کی وجہ سے نماز کا وقت مشتبہ ہو تو اس کے لئے اجتہاد سے کام لے تدریس، اعمال اور وظیفہ جیسے امور سے صحیح اندازلگانے کی کوشش کرے۔

تشریح: کسی کو یہ اندازہ ہے کہ مغرب کے بعد بارہ رکعت پڑھنے تک شفق رہتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے تو اب کسی دن بادل کی وجہ سے شفق کا اندازہ نہ ہو تو وہ عادت کے مطابق بارہ رکعت پڑھ لینے کے بعد عشاء کے وقت کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح دیگر اعمال سے اندازہ کر کے وقت کی تعین کرے گا۔ اگر مرغ صحیح وقت پر اذان دینے کا عادی ہے، تو اس کی اذان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ کئی مؤذن اذان دیں اور ان کی کثرت کی وجہ سے گمان غالب ہو کہ وقت کی تعین میں غلطی نہیں کریں گے، تو ان کی اذان کا اعتبار کیا جائے گا۔ نابینا بھی بینا کی طرح اجتہاد سے کام لے۔ مذکورہ اجتہاد اس وقت کیا جائے گا جبکہ مشاہدہ کی روشنی میں وقت کی اطلاع دینے والا کوئی معتبر آدمی نہ ہو۔ اگر کوئی معتبر آدمی کہے کہ میں نے طلوع فجر ہوتے، یا شفق غروب ہوتے دیکھا ہے، تو اجتہاد کی گنجائش نہیں، بلکہ اس کی بات پر عمل کرینگے۔ لیکن اجتہاد سے بتائے، تو اس بینا شخص کو جو خود اجتہاد کر سکتا ہے اس کی تقلید جائز نہیں (یعنی وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے، دوسرے کے اجتہاد کی پیروی جائز نہیں ہے) البتہ نابینا کیلئے جائز ہے۔ نماز کے اوقات سے واقف مؤذن کی اذان کا اعتبار کیا جائیگا۔ جن صورتوں میں وقت کیلئے اجتہاد کرنا لازم ہے بغیر اجتہاد کے نماز پڑھے، اور وقت میں ادا ہو، تب بھی اس کا اعادہ لازم ہے۔ کوئی علامت اور دلالت وقت کے متعلق نہ ہو یا ہونے کے باوجود غلبہ ظن حاصل نہ ہو، تو دل میں وقت ہونے کا غلبہ حاصل ہونے تک انتظار کرے۔ احتیاط یہ ہے کہ اتنا تاخیر کرے کہ اس سے زیادہ تاخیر کی صورت میں نماز قضاء ہو جانے کا گمان غالب ہو۔

دخول وقت کا یقین حاصل ہونے کا امکان ہونے کے باوجود اجتہاد کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ مُنَجِّم اپنے حساب سے دخول وقت کو جانتا ہے تو اپنی حد تک اس پر عمل کر سکتا ہے دوسرا اس کی پیروی نہیں کرے گا۔

جن صورتوں میں اجتہاد جائز ہے، اجتہاد کے ذریعے نماز پڑھنے کے بعد کچھ پتہ نہ چلا (کہ نماز وقت میں ہوئی تھی یا آگے پیچھے) تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ (نماز دہرانے وغیرہ کی ضرورت نہیں) بعد میں معلوم ہو کہ نماز وقت کے اندر یا وقت کے بعد واقع ہوئی تھی تو قضاء کی ضرورت نہیں ہے، لیکن بعد میں واقع ہوئی ہے تو وہ قضا شمار ہو گی۔

لیکن وقت سے پہلے نماز ادا ہو چکی ہو تو اسکا اعادہ لازم ہے، خواہ وقت کے اندر معلوم ہو یا بعد میں، کسی نے اسے مشاہدہ اور علم کی بنیاد پر وقت سے پہلے نماز ہونے کی خبر دی تو اعادہ واجب ہے، اور اجتہاد کے ذریعے خبر دی ہے، تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فصل۔ نماز کے وجوب سے مانع اسباب

درج ذیل اسباب ہوں تو نماز واجب نہ ہو گی۔

بچپن (نابالغ ہونا) کفر، جنوں، بے ہوشی، حیض، نفاس، ان کو مانع کہتے ہیں۔

احادیث: (۱) ایک حدیث کے ضمن میں آپ ﷺ نے عورتوں کے دینی نقصان کی وضاحت یوں فرمائی: کیا وہ حیض کی حالت میں نماز روزہ نہیں چھوڑتی۔ (متفق علیہ)

(۲) حضرت عائشہ کا ارشاد ہے: ہم کو (ایام حیض کے) روزوں کی قضاء کا حکم تھا، نماز کی قضاء کا حکم نہیں تھا (متفق علیہ)

(۳) تین لوگ مرفوع القلم ہیں (یعنی غیر مکلف ہیں ان پر گناہ لکھا نہ جائیگا) بچہ، بالغ، ہونے تک، سونے والا بیدار ہونے تک، اور پاگل، پاگل پن ختم ہونے تک (احمد ابو داود نسائی، ابن ماجہ)

ان اسباب کی تین حالتیں ہوں گی۔ (۱) وقت کے ابتداء میں سبب پایا جائے، اور آخر میں نہ پایا جائے، جیسے کوئی عورت نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے اس صورت میں اتنا وقت بھی باقی ہو جس میں صرف تکبیر تحریمہ کہہ سکے، تو یہ نماز اس پر فرض ہو جائے گی۔ لیکن یہ شرط ہے کہ مانع اتنی دیر تک دوبارہ نہ پایا جائے جس میں طہارت حاصل کر کے وہ نماز پڑھی جاسکے۔ اتنی مدت سے پہلے ہی مانع لوٹ آئے تو نماز واجب نہ ہو گی۔

مثال: عصر کی نماز کے آخری وقت کوئی بچہ بالغ ہوا، پھر پاگل ہوا یا پاگل اچھا ہوا، پھر دوبارہ پاگل پن کا دورہ پڑا، یا عورت پاک ہوئی پھر پاگل ہوئی، یا پاگل عورت اچھی ہوئی، پھر حیض شروع ہوا تو درمیانی سلامتی کی مدت اتنی ہو کہ اسمیں طہارت اور چار رکعات ادا ہو سکتے ہیں تو عصر کی نماز واجب ہو گی ورنہ نہیں۔

فجر، ظہر یا عشاء میں یہ صورت پیش آئے تو صرف وہی نماز واجب ہو گی۔ اگر عصر کے وقت یہ صورت پیش آئے تو عصر کے ساتھ ظہر بھی اور عشاء میں پیش آئے تو عشاء کے ساتھ مغرب بھی واجب ہو گی۔

حدیث: حائضہ عورت طلوع فجر سے ایک رکعت (کی ادائیگی کے بقدر) پہلے پاک ہو جائے تو اس پر مغرب اور عشاء دونوں لازم ہیں اور غروب آفتاب سے قبل پاک ہو جائے تو ظہر اور عصر دونوں پڑھے گی (اثرم، بیہقی فی المعرفہ) (تلخیص ۱/۲۰۳)

بچہ فرض نماز پڑھنے کے بعد وقت ختم ہونے سے پہلے بالغ ہو جائے تو دوبارہ اس نماز کو پڑھنا مستحب ہے۔ نماز کے دوران عمر کے اعتبار سے بالغ ہو جائے تو اس نماز کو مکمل کرنا واجب ہے، اور اعادہ مستحب ہے۔

(۲) اول وقت اعذار مذکورہ نہ ہوں، پھر حیض، نفاس، جنون اور بے ہوشی میں سے کوئی عذر طاری ہو جائے تو اس صورت میں اگر وقت ہونے کے بعد مختصر ترین انداز میں متعلقہ نماز کی ادائیگی کے بقدر وقت گذرنے کے بعد حیض (یا دیگر کوئی مائع) شروع ہو جائے تو پاک ہونے کے بعد اس نماز کی قضاء واجب ہے۔

کسی نے طویل نماز شروع کی اور نماز پوری ہونے سے پہلے حیض شروع ہو گیا اور اتنا وقت نماز کا گذر چکا ہے کہ مختصر پڑھنے کی صورت میں مکمل نماز مل جاتی تو اس نماز کی قضاء واجب ہے۔

مسافر پر قصر والی نماز کے دو رکعت کی مقدار وقت گذرنے کے بعد جنون یا بے ہوشی طاری ہو تو اس نماز کی قضاء ضروری ہے۔

تشریح: ظہر، عصر یا عشاء میں اوپر کی صورت میں مسافر کے حق میں ۴ رکعات کا لحاظ نہیں کریں گے، چونکہ وہ قصر کر کے دو رکعت پڑھ سکتا ہے، اس لئے ابتداء میں مختصر دو رکعت کا وقت بھی مل جائے تو قضاء لازم ہے۔

جن لوگوں کو وقت ہونے کے بعد طہارت حاصل کرنا ضروری ہے، جیسے تیمم کرنے والا، مستحاضہ وغیرہ ان کے حق میں طہارت کا وقت بھی ملنا ضروری ہے۔ (صرف بقدر نماز وقت ملنے سے ان پر قضاء لازم نہ ہوگی۔) دیگر حضرات کے حق میں طہارت کے وقت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ابتداء میں مختصراً اس نماز کو ادا کرنے کی مدت سے بھی پہلے مانع آجائے تو قضاء لازم نہیں۔

ظہر کا وقت ملنے سے عصر، اور مغرب کا وقت ملنے سے عشاء کی نماز واجب نہیں ہے۔ مذکورہ نماز کے وجوب کا حکم صرف ابتداء کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ درمیان میں کسی بھی وقت اتنی مہلت مل جائے کہ وہ نماز ادا ہو سکتی تھی تو وہ لازم ہو جائے گی، جیسے پاگل کو وقت کے دوران افاقہ ہوا اور پھر وقت میں پاگل پن لوٹ آئے، یا بچہ بالغ ہو جائے، اور پھر مجنون ہو جائے، یا مجنونہ کو افاقہ ہو اور پھر حیض شروع ہو جائے (ان صورتوں میں درمیانی سلامتی کی مدت میں مختصراً نماز کی ادائیگی کی گنجائش تھی اور ادا نہ کی گئی تو بعد میں عذر ختم ہونے کے بعد اس کی قضاء لازم ہے۔)

جس طرح عصر کا آخری وقت ملنے سے ظہر بھی فرض ہو جاتی ہے اسی طرح عصر کا ابتدائی وقت ملنے سے بھی ظہر فرض ہوگی۔ جیسے کوئی بے ہوش، عصر کا اتنا وقت جس میں ظہر اور عصر کے ادائیگی کی گنجائش ہو گذرنے کے بعد افاقہ پائے۔

(۳) مکمل وقت سبب پایا جائے۔

حیض و نفاس کی وجہ سے نہ نماز واجب ہوگی اور نہ جائز ہے۔ بعد میں قضاء بھی نہیں کی جائے گی۔ کافر اصلی۔ (جو ابتداء سے کافر ہو کبھی مسلمان نہ رہا ہو) نماز اور دیگر شرعی فروعات کا مکلف ہے، لیکن اسلام لے آئے تو ایام کفر کے نماز وغیرہ کی قضاء اس پر واجب نہیں ہے۔

تشریح: جس طرح کافر پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح نماز، روزہ وغیرہ فرائض بھی لازم ہیں، لیکن بغیر اسلام لائے ان کی ادائیگی معتبر نہ ہوگی۔ اب کوئی کافر ہی مرتا ہے تو اس کو کفر کے ساتھ نماز روزہ وغیرہ کے ترک پر بھی عذاب ہوگا اور مرنے سے قبل کبھی بھی اسلام لے آئے تو قرآن و حدیث کی رو سے سابقہ سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں، کفر کے ایام کی نمازوں وغیرہ کو قضاء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مرتد (جو اسلام سے پھر جائے اس) پر ردّت کے ایام کے نمازوں کی قضاء واجب ہے۔

نابالغ بچہ پر نہ نماز ادا کرنا واجب ہے اور نہ اس کی قضاء۔ جن لوگوں پر نماز فرض نہیں، ان کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، سوائے نابالغ لڑکے اور لڑکی کے، بچہ جب سات سال کا ہو جائے اور باشعور ہو تو اسے نماز کا حکم دیا جائے گا، اور دس سال کا ہونے کے بعد نماز کی پابندی نہ کرے تو اسے مار لگائی جائے گی۔

حدیث: بچوں کی عمر سات سال ہو جائے تو ان کو نماز کا حکم دو، اور دس سال ہو جائے تو نماز (کے چھوڑنے) پر ان کو مار لگاؤ۔ (ابوداود وصححہ فی المجموع، ترمذی، حاکم، دارقطنی۔ تلخیص ۱/ ۹۵)

مذکورہ تنبیہ اور مار سرپرست (باپ، دادا، یا وصی۔) پر واجب ہے (فتح الوھاب ۱/ ۳۲) علماء کرام نے کہا ہے کہ والدین پر بچہ سات سال کا ہونے کے بعد اسے طہارت، نماز اور دیگر شرعی باتوں کی تعلیم دینا واجب ہے اور دس سال کا ہونے کے بعد کوتاہی کی صورت میں مارنا واجب ہے، اگر روزہ کی طاقت ہے تو اس کا حکم بھی نماز کی طرح ہے۔

تشریح: سات سال کی عمر میں روزہ کی طاقت ہے تو رکھنے کا حکم دیں گے۔ دس سال ہونے پر باوجود طاقت کے نہ رکھے تو سزا دیں گے۔

اگر بچہ کا اپنا مال ہے (وراثت یا ہبہ وغیرہ طریقے سے ملا ہوا) تو فرائض اور دیگر شرعی تعلیم کی اجرت اسی مال سے دی جائے گی۔(یعنی والدین کو اپنے جیب سے دینا ضروری نہیں، خوشی سے دیں تو کوئی حرج بھی نہیں) بچہ کا اپنا کچھ مال نہ ہو (جیسے عموماً ہوتا ہے) تو والد کے ذمہ ہے، وہ نہ ہو تو پھر والدہ کے ذمہ اجرت ہوگی۔

جنون کی وجہ سے کسی کی عقل زائل ہو جائے یا بے ہوش ہو اور نماز کا وقت اس میں گذر جائے تو اس پر نماز واجب نہ ہوگی اور نہ بعد میں قضاء واجب ہوگی۔ کسی حرام سبب سے عقل زائل ہو، جیسے شراب پینا یا عقل کو زائل کرنے والی کوئی دوا استعمال کرنا تو قضاء واجب ہے، جبکہ بغیر حاجت کے دوا استعمال کرے اور یہ جانتا ہو کہ وہ دوا عقل کو زائل کرے گی اور شراب جان بوجھ کر پی ہو۔ اگر حاجت کی وجہ سے، یا لاعلمی میں اس طرح ہو جائے تو قضاء واجب نہیں ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب اور نشہ لانے والی چیز ہے لیکن جتنی مقدار استعمال کر رہا ہے اس کے متعلق یہ گمان ہے کہ اس سے نشہ نہ آئے گا، لیکن آگیا تو نماز کی قضاء واجب ہے۔ اس لئے کہ یہ اس کی صریح غلطی ہے۔

کہیں سے کسی ضرورت سے کود پڑا، جس سے عقل زائل ہوئی، تو نماز کی قضاء لازم نہیں، لیکن یہ حرکت فضول اور بلاوجہ کی تھی تو قضاء واجب ہے۔

مرتد ہونے کے بعد پاگل ہو جائے، پھر اچھا ہونے کے بعد دوبارہ اسلام لے آئے تو اس صورت میں پاگل پن کے نمازوں کی بھی قضاء لازم ہے، اس کے ارتداد کی وجہ سے یہ سخت حکم اس پر لگایا جائے گا۔ شراب پی کے نشہ آنیکے بعد پاگل ہو جائے تو پاگل پن کے نماز کی قضاء لازم نہیں ہے اس کے علاوہ نشہ کی مدت کی قضاء لازم ہے۔ عورت پر ارتداد یا نشہ کے ایام میں حیض کی نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے۔

کسی دوا کے استعمال سے حیض آئے یا بچہ ساقط ہو جائے اور نفاس آئے، تو ان ایام کے نمازوں کی قضاء واجب نہیں ہے، اس لئے کہ حیض و نفاس میں نماز ترک کرنا عزیمت ہے۔(رخصت نہیں ہے۔)

مکروہ اوقات کا بیان

مکروہ اوقات پانچ ھیں۔

پانچ کا عدد اصلی اوقات کے اعتبار سے ہے ورنہ اقامتِ جماعت کے وقت اور خطیب کے خطبہ کیلئے چڑھنے کے وقت بھی نفل مکروہ ہے۔(حاشیۃ الروضہ)

(۱) سورج طلوع ہوتے وقت یہاں تک کہ ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے (یعنی ظاہری نظر میں تقریباً ۲ ہاتھ کی مقدار بلند ہونے تک)

(۲) استواء شمس کے وقت (سورج کے آسمان میں ٹھیک درمیان میں پہنچنے کے وقت)

(۳) شام کو سورج میں زردی آنے کے وقت سے مکمل غروب ہونے تک۔

(۴) فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک۔

(۵) عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا کہ فجر (کی نماز) کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز نہیں اور عصر کے بعد غروب تک نماز نہیں۔(متفق علیہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ)

آخری دونوں وقت میں اگر فجر اور عصر کو اول وقت ادا کرے تو کراہت کی مدت بڑھ جائے گی، اور مؤخر کرے تو کم ہو جائے گی۔

مذکورہ اوقات میں صرف وہ نماز مکروہ ہے، جس کا کوئی سبب نہ ہو، جیسے نفل مطلق۔ جس نماز کا سبب پہلے یا مقارن (نماز کے ساتھ ساتھ) پایا جائے، وہ ان اوقات میں مکروہ نہیں ہے۔ (کیونکہ آپ ﷺ کی ظہر کی دو رکعت سنت فوت ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے عصر بعد پڑھی۔ (بخاری شریف و مسلم) سبب والی نمازوں میں قضاء نماز داخل ہے۔ ان اوقات میں فرائض و سنن اور وہ نفل جن کو بطور وظیفہ پابندی سے پڑھتا ہو ان کی قضاء جائز ہے۔ (ایک صحابی نے سنت فجر کو فجر کے بعد ادا فرمایا تو آپ ﷺ نے اس کی تصویب فرمائی۔ ترمذی، ابوداود)

اسی طرح نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، سجدۂ شکر، طواف کی سنت اور سورج گہن کی نماز ان اوقات میں جائز ہے۔ ان اوقات میں وضو کرلے تو سنت وضو کی دو رکعت پڑھ سکتا ہے۔ اِستسقاء کی نماز ان اوقات میں پڑھ سکتا ہے۔ احرام کی دو رکعت سنت ان اوقات میں مکروہ ہے، اعتکاف، درس، انتظار نماز وغیرہ کسی سبب سے کوئی ان اوقات میں مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد مکروہ نہیں ہے۔ دوسرے کسی حاجت کے بغیر صرف تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کے ارادے سے مکروہ اوقات میں مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ کسی قضاء نماز کو عمداً ان اوقات میں قضاء کرنے کیلئے مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ کسی سنت کو ان اوقات میں قضاء کر لیا تو بعد میں ہمیشہ اس سنت کو ان اوقات میں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

تشریح: مثلاً ظہر کی سنت چھوٹ گئی جسے عصر کے بعد قضاء کر لیا تو اب روزانہ عصر کے بعد چار رکعات پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ آئندہ بھی اگر اس طرح قضاء ہو تو اس کی تلافی میں کوئی حرج نہیں، بغیر قضاء ہوئے آئندہ کیلئے مستقل عادت بنانا ممنوع بتایا جارہا ہے۔

مذکورہ مکروہ اوقات میں بعض وقت اور مقام کے اعتبار سے کچھ استثناء بھی ہے۔

وقت: جمعہ کے دن استواء کے وقت کسی کیلئے بھی نفل مکروہ نہیں ہے۔

دلیل: آپ ﷺ نے نصف النہار کے وقت نماز سے منع فرمایا بجز یوم جمعہ کے (الشافعی، بیہقی) امام شافعیؒ نے ثعلبہ سے روایت پیش کی ہے کہ صحابہ کرام عموماً بروز جمعہ نصف النہار کے وقت نماز پڑھا کرتے۔ بخاری وغیرہ کی روایت میں امام کے خطبہ تک نماز میں مشغول رہنے کا ذکر ہے ابوداود کی ایک مرسل روایت میں جمعہ کے استثناء کا یہ سبب بتایا کہ اس روز استواء کے وقت جہنم بھڑکائی نہیں جاتی۔ (تلخیص الحبیر ۱/۲۰۰)

مقام: مکہ مکرمہ اور اس کے حرم میں کسی بھی وقت کوئی نماز مکروہ نہیں، طواف کی نماز ہو یا کوئی اور نماز۔

حدیث: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے بنی عبد مناف! تم میں سے کوئی لوگوں کے کسی بھی معاملہ کا ذمہ دار بنے تو ہرگز کسی کو دن رات کی کسی بھی گھڑی میں کعبہ کے طواف اور (وہاں) نماز سے نہ روکے۔ (رواہ الشافعی، والاربعہ قال الترمذی حسن صحیح رواہ ابن حبان والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)

کراہت کے باوجود کوئی نماز شروع کرے تو منعقد ہی نہ ہوگی۔ جیسے عید کے دن روزہ، ان اوقات میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو نذر منعقد ہی نہ ہوگی۔ مطلق نماز کی نذر مانی (ان اوقات میں پڑھنے کی نہیں) تو ایسی منذورہ نماز کو ان اوقات میں پڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ

سبب (یعنی نذر) پایا گیا۔ ان اوقات میں جو کراہت ہے وہ تحریمی کراہت ہے۔

حدیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی تحرّی (جستجو) کر کے (قصداً) طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز نہ پڑھے۔ (بخاری و مسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

(۲) فجر کی نماز کے بعد سورج بلند ہونے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز (پڑھنی) نہیں ہے۔ (متفق علیہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ) (مسلم، مالک، الشافعی، وغیرہ کی روایات میں استواء کے وقت بھی ممانعت مروی ہے۔)

باب (۲) اذان

احادیث۔ (۱) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان اور صف اول میں کیا (فضیلت اور ثواب) ہے پھر بغیر قرعہ اندازی کے اسے حاصل نہ کر سکیں، تو قرعہ اندازی کریں" (رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

(۲) ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ اذان دی جاتی ہے 'تو شیطان گوز مارتا ہوا (ہوا چھوڑتا ہوا) بھاگ جاتا ہے تاکہ اسے اذان سنائی نہ دے۔ (رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

(۳) آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "قیامت کے دن مؤذن کی گردن سب سے اونچی ہوگی"۔ (رواہ مسلم عن معاویہؓ)

(۴) آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مؤذن کی آواز جس جن یا انسان یا چیز تک پہنچتی ہے، وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے کر رہے گا" (رواہ البخاری عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ) (من الاذکار ص ۳۵)

اذان اور اقامت سنت ہیں پنج وقتہ فرائض میں سے کسی بھی نماز کی مردوں کی پہلی جماعت کیلئے اذان بالاتفاق مشروع ہے۔ بستی میں یا جنگل میں منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والا) کیلئے اذان و اقامت سنت ہے۔

کسی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ کر نمازیوں کے جانے کے بعد کسی کو نماز پڑھنی ہو تو بلند آواز سے اذان نہ دے تاکہ اوروں کو غلط فہمی نہ ہو، ورنہ بلند آواز سے دے سکتا ہے۔

جماعت ثانیہ: کسی مسجد میں جماعت ہونے کے بعد چند لوگ آئیں اور اس مسجد میں کوئی امام راتب (پابندی کے ساتھ امامت کیلئے متعین شخص) نہ ہو، تو ان حضرات کو جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر امام راتب موجود ہے۔ تو بعد میں پھر جماعت کرنا مکروہ ہے، جبکہ غیر مطروق مسجد ہو، اگر مسجد مطروق ہو تو مکروہ نہیں۔ (حاشیۃ الروضہ) (مسجد مطروق یعنی جہاں لوگوں کی آمد و رفت اور نماز کا سلسلہ جاری رہتا ہو۔)

مسجد میں دوبارہ مکروہ، یا غیر مکروہ جماعت ہو، تو اس کے لئے اذان مسنون ہے، لیکن بلند آواز سے نہیں دیں گے، تاکہ اوروں کو اشتباہ نہ ہو، چاہے مسجد مطروق ہو یا غیر مطروق، اگر بلند آواز سے دے تو خلاف اولیٰ ہے۔

تنہا عورت کیلئے اور عورتوں کی جماعت کیلئے صرف اقامت مستحب ہے، اذان مستحب نہیں ہے، اگر عورت ذکر کی نیت سے عورتوں کی جماعت کیلئے اتنی آواز سے اذان دے کہ صرف عورتیں سن سکیں، تو یہ مکروہ نہیں ہے، اور نہ مستحب ہے اگر شرعی اذان کی نیت سے دے یا بلند آواز سے دے تو حرام ہے۔ (جمل ۱/ ۲۹۹)

نومولود کے کان میں عورت کا اذان دینا کافی ہے (بغیۃ ص ۳۷) پنجوقتہ فرائض کے علاوہ کسی بھی نماز کیلئے اذان اور اقامت

مشروع نہیں ہے۔ منذورہ ہو یا سنت، جماعت سے پڑھی جانے والی نماز ہو جیسے عیدین، کسوفین اور استسقاء، یا بغیر جماعت کے جیسے ضحیٰ (چاشت)، البتہ عید، کسوف (سورج گہن) اور استسقاء (پانی مانگنے) کی نماز کیلئے "الصّلاۃ جامعۃ" کہہ کر آواز دیں گے۔ (کسوف کیلئے اس طرح اعلان صحیحین کی حدیث میں موجود ہے۔) اسی طرح تراویح کی نماز جماعت سے ہو رہی ہو تو اس کے لئے بھی **الصّلاۃ جامعۃ** کہہ کر پکارا جائے گا۔ لیکن جنازہ کی نماز کیلئے اس طرح پکارنا مستحب نہیں ہے۔ فرض نماز کی قضاء کیلئے بھی اذان واقامت مستحب ہے۔

مسلسل کئی قضاء نمازیں پڑھے، تو صرف پہلی نماز کیلئے اذان کہے اور اقامت ہر نماز کیلئے پڑھے۔

پہلے ادا نماز اور اس کے بعد قضاء پڑھے تو اذان صرف ادا کیلئے دے اقامت دونوں میں کہے گا۔ اس کے برعکس پہلے قضا اور پھر ادا پڑھے تو قضاء کیلئے اذان واقامت دے، ادا کیلئے اذان نہ دے، صرف اقامت کہے لیکن دونوں میں زیادہ فاصلہ ہو جائے تو ادا کیلئے بھی اذان دے۔

سفر یا بارش کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کرے تو جمع تقدیم ہو یا تاخیر پہلی نماز کیلئے اذان اور دونوں کیلئے اقامت کہے۔

شیخین کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مزدلفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغرب وعشاء کو ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔

قضاء نماز کی اذان کے بعد ادا کا وقت شروع ہو تو ادا کیلئے بھی اذان دے گا۔ ایک ادا نماز کو بالکل آخری وقت پڑھے، پھر دوسری نماز کو اول وقت پڑھے تو دوسری نماز کیلئے بھی اذان مستحب ہے۔

فصل: اذان کی صفت

(۱) اذان کے اکثر کلمات دوہرے اور اقامت کے اکہرے ہیں۔ اذان کے ابتداء میں تکبیر چار مرتبہ اور آخر میں " لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "ایک مرتبہ ہے۔ اقامت میں اول وآخر تکبیر، اور اقامت کے الفاظ (قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃ) دو دو مرتبہ ہیں۔

(۲) اذان کو ٹھہر ٹھہر کر واضح انداز میں ادا کرنا مستحب ہے۔ اقامت کو بغیر فاصلہ کے جلد پڑھنا مستحب ہے۔

(۳) **ترجیع**۔ اذان میں ترجیع سنت ہے۔ (مسلم، ابوداود اور ترمذی وغیرہ میں اسکا ثبوت ہے۔) یعنی ابتداء میں چار مرتبہ تکبیر کہنے کے بعد پہلے دو مرتبہ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ" پھر دو مرتبہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پست آواز میں کہے (پست آواز سے مراد یہ ہے کہ اس کے قریب والے سن سکیں یا متوسط رقبہ کی مسجد ہو اور مسجد میں اذان دے تو اہل مسجد سن سکیں۔ (جمل ۱/۳۰۵) پھر دوبارہ" اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ" دو مرتبہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ" دو مرتبہ بلند آواز سے دیگر کلمات کی طرح ادا کرے، پھر آگے بڑھے۔ (خلاصہ یہ کہ پہلے شھادتین کو دو دو مرتبہ پست آواز سے پھر اسی طرح بلند آواز سے ادا کرے۔) ترجیع کے بغیر بھی اذان درست ہے۔ اگر پہلے پست آواز میں شہادتین کو ادا نہ کرے، تو بلند آواز سے ادا کرنے کے بعد ادا کرے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۳۰۴)

(۴) **تثویب**: تثویب سنت ہے (ابوداود وغیرہ میں اچھی سند سے مروی ہے) یعنی فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ "اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ "(نماز نیند سے بہتر ہے) کہنا، فجر میں دو اذان کہے تو دونوں میں تثویب مسنون ہے۔ تثویب کے بغیر بھی اذان ہو جائے گی۔

(۵) اذان و اقامت قبلہ رو کھڑے ہو کر دینا سنت ہے، بغیر عذر کے اس کی خلاف ورزی کرے تو اذان و اقامت صحیح ہے، لیکن مکروہ ہے، مسافر سواری پر اذان دے تو کوئی حرج نہیں۔ لیٹ کر اذان دینا بیٹھ کر دینے سے بھی شدید مکروہ ہے۔

(۶) **حَیْعَلَتَیْنِ** (حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ) میں سر پھیرنا سنت ہے۔ "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ" کہنے کے بعد دائیں طرف سر پھیر کر دو مرتبہ حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ کہے، پھر بائیں طرف پھیر کر دو مرتبہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہے، سینہ کو قبلہ کے رخ سے نہ ہٹائے، اور قدموں کو بھی اپنی جگہ رکھے۔ اقامت میں بھی حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ کے وقت دائیں طرف اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے وقت بائیں طرف رخ کرنا سنت ہے۔

(۷) بہتر یہ ہے کہ بغیر زیادہ مشقت کے ممکنہ حد تک بلند آواز سے اذان دے، صرف اپنی نماز کیلئے اذان دے رہا ہے تو اتنی آہستہ آواز میں دینا بھی کافی ہے، کہ صرف خود سن سکے اور جماعت کیلئے اذان دے رہا ہے تو آہستہ دینا کافی نہیں ہے اسی طرح اقامت بھی بالکل آہستہ ناکافی ہے۔ البتہ اذان کے مقابلے میں اقامت میں آواز کچھ پست رکھے۔

(۸) اذان کے الفاظ میں ترتیب شرط ہے اس کے بغیر اذان صحیح نہ ہو گی، لیکن ترتیب والے کلمات پر بناء کر سکتا ہے۔

تشریح: کسی نے پہلے "اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کو ادا کیا پھر تکبیر کو تو تکبیر کا تو اعتبار ہو گا، شھادت کا نہیں اب تکبیر کے آگے کے کلمات کو ترتیب سے ادا کرے۔

اذان کے دوران کچھ الفاظ چھوٹ جائیں تو ان الفاظ کو ادا کر کے بعد کے الفاظ کا پھر اعادہ کرے۔

تشریح: مثلاً کسی نے اذان دی اور "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ" چھوٹ گیا تو "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ" ادا کر کے آگے کے بھی سارے الفاظ لوٹانے پڑیں گے۔

(۹) اذان کے الفاظ کے درمیان تسلسل ہونا چاہیے۔ دوران اذان تھوڑی دیر چپ رہا یا معمولی کلام کر لیا تو اذان باطل نہ ہو گی۔ زیادہ دیر چپ رہا یا زیادہ بات کی تو اذان باطل ہو گی۔ اذان کے دوران نیند یا بے ہوشی طاری ہو اور جلد ہی ختم ہو جائے تو حرج نہیں (لیکن از سر نو اعادہ بہتر ہے۔ اعانۃ) اور زیادہ دیر طاری رہے، تو اس اذان کا اعتبار نہیں۔

مؤذن کو اذان کے دوران بالکل ہی کچھ نہ کہنا مستحب ہے، اگر چھینک آئے تو دل میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" پڑھ لے، اگر اذان کے دوران مؤذن کو کسی نے سلام کیا تو مستحب یہ ہے کہ اذان مکمل ہونے تک جواب نہ دے اسی طرح کسی نے چھینک کر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہا تو اذان مکمل ہونے تک اس کو "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ" نہ کہے۔ لیکن کسی نے جواب دیا یا کسی مصلحت سے بات کی تو مکروہ نہیں ہے استحباب کے خلاف ہے۔

کسی نابینا کے کنویں میں گرنے کا اندیشہ ہو (یا اس طرح کی کوئی اور ضروری بات ہو) تو اذان میں ہی اسے متنبہ کرنا واجب ہے۔

اذان دینے کے بعد کوئی اسلام سے پھرے، پھر اسلام لا کر اقامت کہے تو جائز ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ اس کی اذان و اقامت سے نماز نہ پڑھے۔ بلکہ دوسرا کوئی اذان و اقامت کو دوہرائے، اس لئے کہ اس کی ردت اس کے متعلق شبہ پیدا کرتی ہے۔ دوران اذان کوئی مرتد ہو، تو وہ اس پر بناء نہیں کر سکتا۔ اگر پھر اسلام لے آئے، اور زیادہ فاصلہ نہ ہوا ہو، تو بناء کی گنجائش ہے۔

فصل مؤذن کی صفت

مؤذن کا مسلمان، عاقل اور مذکر ہونا شرط ہے۔ کوئی (کافر) اذان میں شہادتین کو ادا کرے تو اسے مسلمان سمجھیں گے (اب یہ شخص دوبارہ اذان دے تو اس اذان کا اعتبار ہو گا۔) (مغنی) لیکن عیسویہ فرقہ کا ہو تو اس سے اس کے اسلام کا فیصلہ نہیں دیا جائیگا۔ (عیسویہ یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، جو ابو عیسیٰ اسحٰق بن یعقوب اصبھانی کی طرف منسوب ہے جس کا یہ اعتقاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ (مغنی) جو نشہ میں ہو اس کی اذان درست نہیں ہے، نشہ کی ابتدائی کیفیت میں اذان درست ہے۔ مردوں کیلئے عورت اور خنثیٰ کی اذان معتبر نہ ہو گی۔ ممیز بچہ کی اذان صحیح ہے۔ البتہ نابالغ اور فاسق کی اذان مکروہ ہے۔

آداب

مستحب ہے کہ باوضو اذان دے۔ (ترمذی، دارقطنی، بیہقی) اگر بے وضو یا جنبی نے اذان دی تو مکروہ ہے، جنابت کی صورت میں کراہت شدید ہے اور اقامت میں اذان سے بھی بڑھ کر کراہت ہے۔ مستحب ہے کہ مؤذن بلند اور شیریں آواز ہو۔ منارہ یا چھت جیسی کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر اذان دے، اور دونوں شہادت کی انگلی کا سرا دونوں کان کے سوراخ میں داخل کرے۔ مؤذن عادل اور معتبر شخص ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی صحابی نے جن کو مؤذن کا رتبہ دیا ان کی اولاد میں جو عادل اور مؤذن کیلئے مناسب ہوں، ان کو ترجیح دی جائے، موذن اور اذان سننے والے، اذان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود پاک بھیجیں، پھر یہ دعا پڑھیں۔ ''اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ ن الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَحْمُوْداَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ''

(اے اللہ: اس پوری پکار کے رب اور قائم ہونے والی نماز کے رب، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما اور ان کو فضیلت عطا فرما۔ اور ان کو مقام محمود پر پہنچا، جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔) (بخاری۔ مسلم)

سنت ہے کہ اذان سننے والا ہر شخص اذان کا جواب دے (مسلم شریف) جنبی یا حائضہ ہی کیوں نہ ہو۔ پوری اذان اور اقامت میں جیسے مؤذن کہتا ہے خود بھی کہے، لیکن حیعلتین (حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح) کے جواب میں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ'' کہے (مسلم) ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃِ'' کے جواب میں ''اَقَامَھا اللّٰہُ وَ اَدَامَھَا وَ جَعَلَنِی مِن صَالِحِیْ اَھْلِھا'' کہے (ابوداود) ''اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَ بَرِرْتَ'' کہے۔ مؤذن کے ہر جملہ سے فارغ ہونے کے بعد اس کا جواب دے۔ اگر کوئی تلاوت یا ذکر میں ہو تو اذان کا جواب دینے کیلئے اس سے رکنا مستحب ہے۔ نماز میں ہو تو فارغ ہونے تک جواب نہ دے۔ نماز میں جواب دینا مکروہ ہے، نماز باطل نہ ہو گی۔ لیکن ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ یا اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' یا ''صَدَقْتَ وَ بَرِرْتَ'' کہا تو نماز باطل ہو گی، کیونکہ یہ کلام میں داخل ہے۔ اگر کوئی حنفی شخص اقامت کے کلمات دوہرے ادا کرے، تو جواب میں بھی دو دو مرتبہ کہے۔ (عباب المحیط ۱/۱۷۵)

نماز میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کے دوران اذان کا جواب دیا ہے، تو سورہ فاتحہ کو از سر نو پڑھنا واجب ہے کیونکہ نماز میں جواب پسندیدہ نہیں ہے۔ مغرب کی اذان سننے کے بعد یہ پڑھنا مستحب ہے۔ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِكَ وَاِدْبَارُ نَھَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْ لِیْ'' (اخرجہ ابوداود والترمذی وصححہ الحاکم واقرہ الذہبی) (اے اللہ یہ تیری رات کے آنے اور تیرے دن کے جانے کا وقت ہے اور تیرے پکارنے والوں کی آوازیں ہیں، سو تو مجھے بخش دے۔)

اذان اور اقامت کے درمیان دعا مستحب ہے۔(ترمذی) مؤذن کو اقامت کیلئے جگہ بدلنا مستحب ہے۔

اذان کی افضلیت: اذان اور امامت دونوں میں بڑی فضیلت ہے۔ لیکن اذان زیادہ افضل ہے کیونکہ مؤذنوں کے حق میں آپ ﷺ نے "اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْن" (اے اللہ مؤذنوں کو بخش دے) کہہ کر دعا دی ہے اور امام ضامن ہونے کی وجہ سے اس پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، امام رافعیؒ وغیرہ نے امامت کو ترجیح دی ہے۔ امام نوویؒ نے ترمذی شریف کی ایک روایت کی وجہ سے ایک ہی شخص کے اذان وامامت کی ذمہ داری ادا کرنے کو مستحب قرار دیا ہے (رواہ الترمذی من حدیث ابی ہریرہ، احمد فی المسند وابو داود وابن حبان)

معاوضہ: مؤذن کیلئے مستحب ہے کہ بغیر معاوضہ کے اذان دے، اگر ایسا مؤذن نہ ملے تو امام مصالح کے مال سے اسے رزق دے۔ اگر فاسق مؤذن بغیر معاوضے کے اور امین مؤذن معاوضہ کے ساتھ اذان دے، تو امین کو مؤذن رکھ سکتے ہیں۔ ایک مؤذن امین بغیر عوض کے اذان دے اور دوسرا امین اس سے بہتر آواز والا عوض کے ساتھ اذان دے، تو مصلحت کے پیش نظر بہتر آواز والے کو مقرر کیا جاسکتا ہے، ایک بستی میں کئی مساجد ہوں، اور تمام نمازی ایک ہی مسجد میں جمع ہوسکتے ہوں تب بھی ساری مساجد میں مؤذن مقرر کر کے ان کو تنخواہ دے، تاکہ مسجد معطل نہ رہ جائیں۔ بیت المال میں تنخواہ کی گنجائش نہ ہو۔ (یا بیت المال کا نظام ہی نہ ہو) تو ذمہ دار یا رعایا میں سے کوئی تنخواہ دے سکتا ہے، اس صورت میں مقدار وغیرہ دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔ ایک مسجد میں دو مؤذن ہونا مستحب ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ایک صبح صادق سے پہلے فجر کی اول اذان دے گا اور دوسرا صبح صادق کے بعد دوسری اذان دے گا۔ مصلحت کے مطابق دو سے زائد مؤذن رکھ سکتے ہیں۔ ایک سے زائد مؤذن ہوں تو یکے بعد دیگرے اذان دیں گے۔ ابتداء میں اختلاف ہو تو قرعہ اندازی سے فیصلہ کریں گے وقت تنگ ہو اور مسجد بڑی ہو تو الگ الگ کونے میں اذان دیں، اور مسجد چھوٹی ہو تو ایک ہی ساتھ کھڑے ہو کر اذان دیں۔ لیکن اس طرح ایک ساتھ اذان اس وقت دیں گے جبکہ انکے آواز کے اختلاف سے تھویش (اضطراب، گڈ مڈ ہونا) نہ پیدا ہو، ورنہ ایک ہی مؤذن اذان دے تعیین میں اختلاف ہو تو قرعہ اندازی کی جائیگی۔ اقامت کیلئے ان مؤذنوں میں سے کوئی مقرر ہے تو وہی اولیٰ ہے ورنہ بالترتیب اذان کی صورت میں پہلے اذان دینے والا اقامت کیلئے اولیٰ ہے۔ جس کا حق تھا اس کے علاوہ نے اقامت دی تو اس کا بھی اعتبار ہوگا (پھر اقامت دوہرانے کی ضرورت نہیں) ایک ساتھ اذان دینے کی صورت میں کوئی ایک اقامت کہے۔ اختلاف ہو تو قرعہ اندازی کریں۔ ایک مسجد میں ایک ہی شخص اقامت دے (مسجد بہت بڑی ہونے کی وجہ سے ضرورت ہو تو ایک سے زائد کی بھی گنجائش ہے۔) اذان کے وقت کا تعلق مؤذن سے ہے۔ اس سلسلہ میں امام سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اقامت کا تعلق امام سے ہے اس کے اشارے سے ہی موذن اقامت دے۔

فجر کی اذان وقت سے پہلے دے سکتے ہیں: نصف شب گذرنے کے بعد کبھی بھی فجر کی اذان دی جاسکتی ہے۔ البتہ اقامت صبح صادق سے قبل نہیں دے سکتے۔ فجر کے لئے دو اذان سنت ہیں۔ ایک صبح صادق سے قبل اور دوسری صبح صادق کے بعد، صرف ایک اذان بھی جائز ہے۔ صبح صادق سے قبل دے یا بعد، یا کچھ الفاظ صبح صادق سے قبل اور کچھ بعد، ایک ہی اذان دینا ہو تو بہتر یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد دے۔ فجر کے علاوہ دیگر اذانوں میں تثویب مکروہ ہے۔ اذان میں کسی ذکر کے بڑھانے یا اس کے مقدار کو بڑھانے سے اذان فاسد نہ ہوگی۔

مستحب ہے کہ موذن دو تکبیر (اللہ اکبر) کو ایک سانس میں ادا کرے (پہلی تکبیر کے بعد معمولی سا سکتہ کرے، اگر سکتہ نہ کرے تو

پہلے 'اکبر' کے راء پر پیش پڑھے (اور اسے لام کے ساتھ ملالے) (جمل ۱ / ۳۰۴) بقیہ ہر جملہ کو ایک ایک سانس میں ادا کرے۔

بارش کی رات یا تاریک ہو اداررات ہو تو اذان کے بعد۔ ''اَلَا صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ''(اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو) کہنا مستحب ہے۔(یااَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ یا اَلَا صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ کہے، بعضوں نے اذان مکمل ہونے کے بعد اس اضافہ کو بہتر کہا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ جماعت کے ترک کے کسی بھی عذر کی صورت میں یہ اضافہ مطلوب ہے شربنی کی رائے میں حیعلتین کو ترک کر کے اس کی جگہ اسے پڑھنا کافی ہے۔(بشری الکریم ص ۶۲) ان الفاظ کو حی علی الفلاح کے بعد کہنا زیادہ بہتر ہے۔(اس کے جواب میں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' پڑھے۔(فتح الوہاب مع الجمل ۱ / ۳۰۱)

کسی نابینا کا تنہا موذن ہونا مکروہ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی بینا ہو (جو اسے وقت سے آگاہ کرے) تو مکروہ نہیں۔ اذان مسجد سے قریب دینا سنت ہے۔ اذان میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ (نیک کام کی طرف آؤ) کہنا مکروہ ہے۔ کسی کے کہنے پر اذان کے الفاظ دوہرائے جائیں تو اذان صحیح ہوگی۔ عربی میں اذان دینے والے کی موجودگی میں غیر عربی میں اذان صحیح نہ ہوگی۔ کوئی بھی عربی میں دینے پر قادر نہ ہو تو دوسری زبان میں بھی صحیح ہوگی۔ اللہ اکبر کی جگہ اللہ الا کبر کہے تو اذان صحیح ہوگی۔ حضر میں سفر کے مقابلہ میں اذان کی زیادہ اہمیت ہے۔ عورت کے مقابلے میں مرد کے حق میں اقامت زیادہ اہم ہے۔

باب ۳۔ استقبال قبلہ (کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنا)

فرض نماز صحیح ہونے کیلئے قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھنا شرط ہے۔ مباح قتال یا کسی اور سبب سے شدت خوف ہو تو یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح مباح سفر اور شدت خوف کے علاوہ صورتوں میں نفل نماز صحیح ہونے کیلئے استقبال قبلہ شرط ہے۔ جو استقبال قبلہ سے مجبور ہو جیسے کوئی مریض جسے قبلہ کی طرف کرنے کیلئے کوئی موجود نہ ہو یا وہ شخص جس کو باندھ دیا گیا ہو اپنے رخ پر نماز پڑھ لیں گے۔ بغیر مجبوری کے فرض نماز کو سواری پر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر فرض نماز کیلئے زمین پر اترنے کی صورت میں ساتھیوں سے پیچھے رہنے کا خوف ہو یا جان ومال کا کچھ خطرہ ہو تو سواری پر ہی پڑھ لے لیکن بعد میں اس نماز کا اعادہ کرے۔ منذورہ اور جنازہ کی نماز بھی سواری پر جائز نہیں ہے۔

فرض نماز میں استقبال

فرض نماز کو ٹھہر کر اور رک کر پڑھنا ضروری ہے۔ لہٰذا پیدل قبلہ کی طرف رخ کر کے اور سوار ہو کر قیام یا استقبال کے بغیر صحیح نہ ہوگی۔ اگر قبلہ کی طرف رخ کر کے سارے ارکان کو مکمل ادا کرے اور سواری رکی ہوئی ہو تو فرض نماز صحیح ہوگی۔ جیسے اونٹ پر ہودج میں یا تختہ پر باقاعدہ نماز پڑھے۔ اگر جانور چل رہا ہو تو اس کی پشت پر فرض نماز صحیح نہ ہوگی اس جہاز یا کشتی میں جو جاری ہو یا ساحل سے بندھی ہو اور اس تختہ پر جسکو لوگوں نے کاندھے پر اٹھار کھا ہو اور رسی سے بندھے ہوئے جھولے میں فرض نماز صحیح ہے۔

نفل نماز میں استقبال

طویل یا قصیر سفر میں نفل نماز پیدل اور سواری پر اپنے سفر کے رخ پر پڑھنا جائز ہے البتہ حضر (اقامت) میں جائز نہیں ہے۔ حضر میں قیام کے علاوہ بقیہ تمام مسائل میں نفل نماز بھی فرض کی طرح ہے۔ جہاز میں چونکہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ممکن ہے، اس

لئے اس کے بغیر نفل کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ ملاح اپنی ذمہ داری کی وجہ سے جہاز کے رخ پر نفل پڑھ سکتا ہے۔ جانور پر ہودج وغیرہ میں قبلہ رو نماز پڑھ سکتا ہو تو اس کے بغیر نفل کی اجازت نہیں ہے۔

سوار شخص نفل نماز با قاعدہ نہیں ادا کر سکتا ہو تو بصورت سہولت تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا واجب ہے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ بقیہ نماز کو قبلہ کی طرف نہ ادا کرے، تو سفر کے رُخ پر ادا کرنا ضروری ہے۔ کسی اور طرف رخ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جو بے مقصد ادھر ادھر گھومتا ہے، کسی متعین منزل کے سفر کا ارادہ نہیں ہے۔ اس کو بغیر قبلہ رو نفل ادا کرنے کی رخصت نہیں ہے۔ (ایسا مسافر سفر کے دیگر رخصتوں پر بھی عمل نہیں کر سکتا۔) (حاشیۃ الروضہ)

زمین پر نماز پڑھنے والا شخص عمداً قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو نماز باطل ہو گی۔ اگر بھول کر قبلہ کی طرف سے پھر جائے اور جلد ہی دوبارہ قبلہ رو ہو جائے تو نماز باطل نہ ہو گی۔ اگر زیادہ دیر گذری تو نماز باطل ہو گی۔ کسی نے زبردستی اسے قبلہ کی طرف سے موڑ دیا تو جلد یا بدیر دوبارہ قبلہ رو ہونے کے باوجود نماز باطل ہو گی، کیونکہ یہ ایک نادر صورت ہے جیسا کہ زبردستی بات چیت پر مجبور کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے۔

پیدل یا سواری پر نفل پڑھنے والا اپنا رخ سفر کی جہت سے قبلہ کی طرف موڑ دے تو حرج نہیں، کسی اور طرف عمداً موڑے تو نماز باطل ہو گی۔ بھول کر یا غلطی سے یہ حرکت سرزد ہو، اور جلد تلافی کرے تو نماز باطل نہ ہو گی اور سجدہ سہو کرنا مشروع نہیں ہے۔ زیادہ دیر اسی حالت پر گذری تو نماز باطل ہو گی۔ جانور کے اڑیل پن کی وجہ سے رخ مڑ جائے تو زیادہ دیر گذرنے کی صورت میں نماز باطل ہو گی، جلد رخ درست کرے تو باطل نہ ہو گی۔ اور اس صورت میں سجدہ سہو کرنا مشروع ہے۔ سواری پر نماز پڑھنے کی صورت میں سجدہ کیلئے سواری پر پیشانی ٹیکنے کی ضرورت نہیں بلکہ رکوع اور سجدہ کو آگے کی طرف جھک کر ادا کرے گا۔ سجدہ میں رکوع کے کے مقابلے میں کچھ زیادہ جھکے گا۔ دونوں کے جھکاؤ میں کچھ فرق ہونا ضروری ہے۔ آخری ممکنہ حد تک جھکنا واجب نہیں ہے۔ دیگر ارکان کی کیفیت واضح ہے۔

جہاز یا کسی ایسی چیز میں سوار جو استقبال اور دیگر ارکان کو مکمل ادا کر سکتا ہو، اس پر با قاعدہ قبلہ رو ہو کر تمام ارکان کی ادائیگی واجب ہے۔ پیدل نماز پڑھنے کی صورت میں تکبیر تحریمہ، رکوع اور سجدہ میں قبلہ رو ہونا واجب ہے۔ سلام میں واجب نہیں ہے۔ رکوع اور سجدہ با قاعدہ ادا کرے، تشہد کو چلتے ہوئے پڑھنا کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ پیدل نماز پڑھنے والا چار ارکان میں استقبال کرے، تکبیر تحریمہ، رکوع سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان کی بیٹھک، اور چار ارکان میں چلتا رہے۔ قیام، اعتدال، تشھد اور سلام (باجوری ۱/۱۴۹ جمل ۱/۳۱۹)

سواری کا جو حصہ نمازی کے بدن یا کپڑے سے چھوئے اسکا پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر جانور پیشاب کرے یا نجاست پر چلے یا زین پر نجاست ہو اور اس پر کچھ بچھا کر نماز پڑھے تو حرج نہیں۔ سوار خود جانور کو نجاست پر چلائے تب بھی حرج نہیں۔ پیدل نماز پڑھنے والا عمداً نجاست پر چلے تو اس کی نماز باطل ہو گی۔ پیدل نمازی لاعلمی میں خشک نجاست پر چلے اور فوراً وہاں سے ہٹ جائے تو نماز درست ہو گی، تر نجاست پر چلنے سے مطلقاً نماز باطل ہو گی۔ (بشری الکریم ۱/۱۹۰)

سوار یا پیدل نفل کے جواز کیلئے نماز مکمل ہونے تک سفر جاری رہنا شرط ہے۔ دوران نماز اپنی منزل پر پہنچ جائے تو قبلہ رو ہو کر با قاعدہ بقیہ نماز کو مکمل کرنا ضروری ہے اگر سوار ہے اور سواری پر با قاعدہ تمام ارکان نہیں ادا کر سکتا تو اس سے اترنا ضروری ہے۔ سفر میں کسی بستی سے ہو کر گذرے۔ (وہاں اترنے اور قیام کرنے کا ارادہ نہ ہو) تو سواری پر ہی نماز مکمل کر سکتا ہے۔ ایسے افعال سے پرہیز واجب

ہے، جن کی ضرورت نہیں۔ اگر حاجت کی وجہ سے جانور کو ایڑ لگائے تو حرج نہیں۔ بغیر عذر کے جانور کو چلائے، یا پیدل نمازی بغیر عذر کے دوڑے تو نماز باطل ہو گی۔

فصل۔ زمین پر نمازی کا قبلہ رو ہونا

آیت: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ، وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَه۔ (سورۃ البقرۃ ۱۴۴)

ترجمہ: پھر اب سے اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ (پیغمبر بھی، امتی بھی) جہاں کہیں موجود ہو (ہر جگہ نماز کے اندر) اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔

اس کی کئی حالتیں ہیں: (۱) **(کعبہ کے اندر نماز پڑھنا)** کعبہ کے اندر فرض اور نفل دونوں صحیح ہیں۔ صحیحین میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ کے اندر نماز پڑھنا مروی ہے۔ باہر نفل پڑھنے کے مقابلے میں کعبہ کے اندر پڑھنا افضل ہے۔ باہر فرض نماز پڑھنے میں جماعت ملتی ہو تو باہر پڑھنا افضل ہے۔ ورنہ کعبہ کے اندر فرض پڑھنا افضل ہے۔ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی صورت میں کسی بھی دیوار کی طرف رخ کر سکتا ہے۔ دروازہ کی طرف رخ کر کے بھی نماز پڑھ سکتا ہے، جبکہ دروازہ بند ہو یا کھلا ہو تو اس کی چوکھٹ تقریباً دو تہائی (۲/۳) ہاتھ بلند ہو۔

(۲) **کعبۃ اللہ منہدم ہو جائے** (والعیاذ باللہ): اور وہ جگہ بغیر عمارت کے کھلی پڑی ہو تو باہر اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے تو جائز ہے۔ اگر اندر نماز پڑھے تو اس کا حکم کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ (جو تیسری حالت میں واضح ہے)

(۳) **کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا:** اس صورت میں سامنے کوئی ابھری ہوئی چیز نہ ہو تو نماز صحیح نہ ہو گی۔ اگر کعبہ کا ہی کچھ حصہ سامنے ابھرا ہوا ہو، جو دو تہائی ذراع ہو تو جائز ہے، اس سے کم ہو تو جائز نہیں۔ سامنے کچھ سامان رکھ کر اس کی طرف رخ کرنا کافی نہیں ہے۔ دیوار کے بقیہ حصے کی طرف یا کسی درخت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے تو جائز ہے۔ اگر اسی میدان کی مٹی جمع کر کے اس کی طرف رخ کرے یا گڑھا کھود کر اس میں نماز کیلئے کھڑا ہو جائے، یا چھت یا میدان کے آخری کنارے پر کھڑے ہو کر دوسرے کنارے کی طرف رخ کرے اور دوسرا کنارہ اس کے قیام کی جگہ سے اونچا ہو تو جائز ہے۔

اگر اس پر اگی ہوئی گھاس پھوس کی طرف یا ایسی لکڑی یا لاٹھی کی طرف رخ کرے جسے میخ سے مضبوط نہ کیا ہو، تو کافی نہیں، اگر میخ سے مضبوط کر دیا ہے تو اس کی طرف رخ کرنا کافی ہے۔

(۴) **رکن کعبہ کے کنارے:** اس طرح نماز پڑھنا کہ بدن کا کچھ حصہ اس کے محاذات سے نکل جائے، اس صورت میں نماز صحیح نہ ہو گی امام کعبہ کے قریب مقام ابراہیم کے پاس یا کسی اور جگہ کھڑا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے بیت اللہ کے چاروں طرف کھڑے ہوں تو جائز ہے۔ امام کے قریب کھڑے ہونے والے مقتدیوں کی صف طویل ہو تو جو کعبہ کی محاذات سے خارج ہوں ان کی نماز باطل ہے۔

(۵) **مکہ میں مسجد حرام سے باہر کہیں نماز پڑھے:** اگر کعبہ نظر آرہا ہو جیسے جبل ابی قبیس (مکہ کے ایک پہاڑ کا نام) پر نماز پڑھنے والا تو کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھے کعبہ کو دیکھ کر محراب بنایا ہے تو ہمیشہ اس کے مطابق نماز پڑھے گا۔ ہر نماز کیلئے کعبہ کا دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح جو مکہ میں پرورش پائے اور کعبہ کے رخ کا اسے یقین ہو، گرچہ نماز کے وقت کعبہ نظر نہ آرہا ہو، تو وہ اس رخ پر نماز پڑھے گا۔ اگر نظر نہ آرہا ہو اور یقین بھی نہیں تو دلائل پر اعتماد کرنا اور اجتہاد پر عمل کرنا جائز ہے جب کہ کعبہ کے اور

اس کے درمیان کچھ حائل ہو، کیونکہ اس صورت میں مشاہدہ کا مکلف بنانا باعث مشقت ہے۔

(۶) مدینہ میں نماز پڑھے: اس صورت میں آپ ﷺ جس مقام پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے وہ کعبہ کے قائم مقام ہے، جس کو وہ مقام نظر آرہا ہو اس کے مطابق اپنے محراب اور نماز کے رخ کی تعیین کرے گا، اجتہاد کی بنیاد پر اس سے عدول جائز نہیں ہے۔

ہر وہ مقام جہاں آپ ﷺ نے نماز ادا کی ہے، اور آپ ﷺ کا رخ معلوم ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے اسی طرح مسلمانوں کے علاقوں کے محراب اور انکے راستوں کے محراب پر بھی اعتماد کیا جائے گا اور اجتہاد کی گنجائش نہ ہو گی۔ علامت ایسے راستوں میں ہو جہاں سے لوگ بہت کم گذرتے ہوں یا مسلمان و کفار دونوں یکساں طور پر گذرتے ہوں، یا کسی ویران بستی میں ہو، جسے مسلمانوں نے بسایا تھا یا کفار نے کچھ پتہ نہیں، تو ایسی علامت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اجتہاد کریگا آپ ﷺ نے جہاں جس رخ پر نماز ادا کی ہے وہاں اجتہاد کر کے ذرا بھی دائیں یا بائیں جانب مڑنا جائز نہیں ہے، قبلہ کی معرفت کا ماہر اگر اس طرح کا خیال کرے تو اس کا خیال باطل ہے۔ دیگر شہروں میں اصل جہت سے کچھ دائیں یا بائیں جانب کی حد تک اجتہاد جائز ہے۔

(۷) ایسی جگہ ہو جہاں قبلہ کے رخ کا کوئی یقین نہیں:

جو قبلہ کے رخ کو یقینی طور پر معلوم کر سکتا ہو اسے اجتہاد کی اجازت نہیں۔ کعبہ کی طرف رخ کرنے کے امکان کے باوجود حجر (حطیم) کی طرف رخ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا بیت اللہ کا حصہ ہونا قطعی نہیں ہے، بلکہ مظنون ہے۔ اسی طرح یقین کے امکان کی صورت میں کسی اور کے قول پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے، لیکن جو یقین پر قادر نہ ہو، اور کوئی اسے علم کی بنیاد پر قبلہ کی اطلاع دے، تو اس پر اعتماد کرے، اجتہاد نہ کرے جبکہ خبر دینے والا عادل ہو، مرد ہو یا عورت۔ کافر، فاسق، بچے اور ممیز کی بات کا اعتبار نہ ہو گا۔

خبر پر عمل کرنے میں اہل اجتہاد اور دیگر حضرات برابر ہیں۔ قبلہ کے متعلق صحیح اطلاع دینے والا کوئی نہ ہو تو اجتہاد سے جو رخ متعین ہو اس پر عمل کرے۔ قبلہ کے دلائل کی روشنی میں اجتہاد کرنا ضروری ہے۔ جو خود اجتہاد کر سکتا ہو اسے دوسرے کی تقلید کی اجازت نہیں ہے، وقت میں گنجائش ہو یا نہ ہو، اگر دوسرے کی تقلید کی تو نماز کی قضاء واجب ہے۔ لیکن وقت تنگ ہو تو کسی طرف نماز پڑھ لے پھر اعادہ واجب ہے۔ بادل یا تاریکی یا دلائل کے تعارض کی وجہ سے مجتہد پر دلائل مخفی ہوں تب بھی دوسرے کی تقلید نہ کرے۔ (بلکہ جس طرف چاہے نماز پڑھ لے اور بعد میں اعادہ کرے۔) (جمل) جو اجتہاد پر قادر نہ ہو اور دلائل کے سیکھنے سے عاجز ہو، جیسے نابینا یا وہ بینا جو دلائل سے ناواقف ہو اور اس میں سیکھنے کی قابلیت بھی نہیں، تو ان پر کسی مکلف عادل مسلم کی تقلید واجب ہے جو دلائل سے واقف ہو، اس کے قول کو جو کہ اجتہاد پر مبنی ہو قبول کرنے کو تقلید کہیں گے۔ اگر کوئی کہے کہ میں نے مسلمانوں کے جم غفیر کو اس رخ پر نماز پڑھتے دیکھا ہے تو اس قول پر عمل کرنا خبر کو قبول کرنا ہے نہ کہ تقلید۔

دو مجتہد کا اجتہاد الگ الگ ہو تو کسی بھی ایک کی تقلید کرے، زیادہ معتبر اور عالم کی تقلید بہتر ہے، قبلہ کے دلائل سیکھنے پر قادر شخص اگر سفر کا ارادہ رکھتا ہے، تو اس پر ان دلائل کا سیکھنا فرض عین ہے، کیونکہ مسافر کو اس کی عموماً ضرورت پیش آتی ہے، اور بڑی آسانی سے رخ کی تعیین ہر جگہ نہیں ہو پاتی، ورنہ ان دلائل کا سیکھنا فرض کفایہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ اور اسلاف نے نماز کے ارکان و شروط کی طرح ہر کسی کو ان دلائل کے سیکھنے کا پابند نہیں بنایا۔

اجتہاد سے نماز پڑھنے کے بعد غلطی سامنے آئے تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) نماز شروع کرنے سے پہلے ہی غلطی ظاہر ہو، اگر غلطی یقینی ہو تو اس سے اعراض کر کے بعد میں جو رخ سامنے آیا ہے اس پر عمل کرے۔ اگر غلطی یقینی نہ ہو صرف ظن ہو کہ صحیح رخ دوسرا ہے، تو دوسرے اجتہاد کی دلیل اس کے نزدیک پہلے کے بالمقابل زیادہ واضح

ہو، تو دوسرے اجتہاد پر اعتماد کرے، اور پہلے کی دلیل زیادہ واضح ہے تو اس پر عمل کرے، اور دونوں یکساں درجہ میں ہے تو اسے اختیار ہے (دونوں میں سے کسی بھی رُخ پر پڑھ لے)

(۲) نماز مکمل ہونے کے بعد غلطی ظاہر ہو: اگر غلطی یقینی ہے تو اعادہ واجب ہے۔ غلطی یقینی نہیں صرف ظن ہے تو اعادہ واجب نہیں۔ اجتہاد کر کے چار نمازوں کو چار الگ الگ رخ پر ادا کرے تب بھی کسی کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

دوران نماز غلطی ظاہر ہو: اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) غلطی ظاہر ہوتے وقت صحیح رخ بھی ظاہر ہو، اب اگر غلطی یقینی ہے تو نماز باطل ہو گی۔ اگر غلطی یقینی نہیں ہے صرف مظنون ہے تو جو رخ ابھی ظاہر ہوا ہے، اس طرف مڑ کر اسی نماز کو مکمل کر لے (توڑنے کی ضرورت نہیں) اس صورت میں کسی نے اگر اجتہاد کر کے چار رکعات چار الگ الگ سمت پڑھی تب بھی اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(ب) غلطی کے ساتھ صحیح سمت ظاہر نہ ہو، اجتہاد کر کے جلد صحیح سمت کا فیصلہ نہ کر سکا تو نماز باطل ہو گی اگر فیصلہ کر سکا تب بھی از سر نو اس سمت میں نماز پڑھے گا۔

اجتهاد سے کیا مطلوب ہے؟

اجتہاد سے عین کعبہ مطلوب ہے (یعنی اصل مقصود یہ ہو کہ کعبہ کی طرف رخ ہو جس سمت میں کعبہ ہے صرف اس سمت رخ ہونا تھوڑا دائیں یا بائیں مڑ کر کافی نہیں۔)

نماز کے بعد کعبہ سے کچھ دائیں یا بائیں ہونا اجتہاد سے ظاہر ہو، تو کوئی حرج نہیں۔ دورانِ نماز ظاہر ہو تو اس طرف مڑ کر بقیہ نماز پوری کرے۔

اجتہاد سے سمت کی تعیین کر کے نماز پڑھ لے، پھر دوسری کوئی فرض نماز ادا ہو یا قضاء (یا منذورہ یا جنازہ کی نماز) پڑھنے کا ارادہ ہو تو پھر اجتہاد کرنا واجب ہے۔ نفل نماز کیلئے اجتہاد کے اعادہ کی ضرورت نہیں، دو اشخاص کا اجتہاد الگ الگ سمت ہو تو ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرے۔ اور دوسرے کی اقتداء نہ کرے۔ کئی لوگوں کا اجتہاد یکساں ہو اور ان میں سے ایک امامت کرے پھر کسی مقتدی کا اجتہاد بدل جائے تو اُسے امام سے جدا ہونا واجب ہے۔ اور وہ دوسری طرف رخ کرے گا۔ اگر امام کا اجتہاد بدل جائے تو وہ دوسری طرف رخ کرے اور مقتدی حضرات اس سے جدا ہو جائیں۔ (دل میں اس کے اقتداء سے نکلنے کی نیت کر کے تنہا اپنی نماز مکمل کر لیں۔)

باب ۴۔ نماز کی صفت

شرط: نماز کیلئے جو امور واجب ہیں لیکن نماز کی ماہیت میں داخل نہیں، انھیں شرط کہتے ہیں۔

رکن: جو امور نماز کے اندر واجب ہیں، اور نماز کی ماہیت میں داخل ہیں، انھیں رکن کہتے ہیں۔

سنت: جو امور نماز میں مطلوب اور باعثِ ثواب ہیں، لیکن واجب نہیں، اسے سنت اور مندوب کہیں گے۔ جس سنت کی تلافی سجدہ سہو کے ذریعے ہوتی ہے، اسے سنتِ بَعض کہیں گے اور جس سنت کے ترک پر سجدہ سہو مشروع نہیں ہے اسے سنت ہیئت کہا جاتا ہے نماز کا رکن سر کی طرح، شرط زندگی کی طرح، سنن ابعاض اعضاء کی طرح، اور سنن ہیئات بالوں کی طرح ہیں۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۳۲۸)

نماز کے سترہ ارکان ہیں: نیت، تکبیر تحریمہ، قیام، قرأت،(تلاوت) رکوع، رکوع میں طمانینت(ٹھہراؤ) اعتدال، اعتدال میں طمانیت، سجود، سجود میں طمانینت، دوسجدوں کے درمیان بیٹھنا اس میں طمانینت، نماز کے آخر میں بیٹھنا، اس بیٹھنے میں تشہد پڑھنا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں درود بھیجنا، سلام پھیرنا، مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا۔

نماز میں چھ سنن ابعاض ہیں: (۱) فجر کی نماز میں اور رمضان کی آخری نصف ماہ کی وتر میں دعائے قنوت پڑھنا (۲) قنوت کیلئے کھڑے رہنا۔ (۳) پہلا تشہد (۴) پہلے تشہد میں بیٹھنا (۵) تشہد اول میں آپ ﷺ پر درود بھیجنا (۶) آخری تشہد میں آپ ﷺ کے آل پر درود بھیجنا، انکے علاوہ جو سنن ہیں وہ ابعاض نہیں ہیں۔ (بلکہ ہیئات سنتوں میں شمار ہیں)

فصل۔ نیّت کے متعلق

نیّت تکبیر تحریمہ سے مقارن (ساتھ پائی جانا) اور تکبیر مکمل ہونے تک اس کو برقرار رکھنا واجب ہے۔ نیّت قصد کو کہیں گے، لہٰذا نمازی اپنے ذہن میں نماز اور وہ صفات جن کو مد نظر رکھنا ضروری ہے، جیسے ظہر کی نماز اس کی فرضیت وغیرہ کو حاضر رکھے۔ ان امور کا قصد تکبیر کے ابتداء سے پایا جائے۔ کئی علماء کے نزدیک عوام کے حق میں عرفی مقارنت کافی ہے۔ یعنی اسے نماز کا فی الجملہ استحضار ہو۔(حاشیۃالروضہ)

تکبیر کے بعد نیّت کا باقاعدہ برقرار رکھنا واجب نہیں ہے، لیکن یہ شرط ہے کہ نیّت کے منافی کوئی بات پائی نہ جائے، لہٰذا کسی نے نماز کے دوران نماز سے نکلنے کی نیّت کی تو نماز باطل ہوگی۔ نماز سے نکلنے اور نہ نکلنے میں تردد کرے، تب بھی نماز باطل ہوگی، وسوسہ کے درجہ میں پائے جانے والے تردد کا کوئی اعتبار نہیں۔

پہلی رکعت میں یہ نیّت کرے کہ میں دوسری رکعت میں نماز سے نکل جاؤنگا، یا نماز سے نکلنے کو کسی ایسی چیز پر معلق کرے جس کا نماز میں پایا جانا یقینی یا محتمل ہو، تو فوراً ہی نماز باطل ہوگی (اس چیز کا پایا جانا ضروری نہیں بلکہ نیّت کرتے ہی نماز باطل ہوگی) کسی فرض یا سنّت راتبہ کی نیّت سے نماز شروع کی، پھر نماز میں کسی اور فرض یا سنّت کی نیّت کی، تو وہ نماز باطل ہوگی، اور جس دوسری نماز کی نیّت کی ہے وہ بھی حاصل نہ ہوگی۔

روزہ دار روزہ چھوڑنے کے متعلق تردد کرے، یا کسی چیز پر معلق کرے، یا چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرے، تو ان صورتوں میں روزہ نہ ٹوٹے گا۔ یہی مسئلہ حج کی صورت میں بھی ہوگا۔

نماز میں شک پیدا ہو کہ مکمل نیّت کی یا نہیں یا نیّت کے کسی شرط کو ترک کیا ہے، پھر جلد ہی شک کی حالت میں کسی رکن کو ادا کرنے سے پہلے یاد آجائے کہ نیّت مکمل طور پر کر چکا ہے، تو نماز باطل نہ ہوگی، شک کی حالت میں کافی دیر گذر جائے، یا کسی فعلی رکن (جیسے رکوع۔ سجدہ) یا قولی رکن (جیسے قرأت۔ تشہد) کے ادا کرنے کے بعد یاد آجائے تو نماز باطل ہوگی۔ یہ شک پیدا ہو کہ ظہر کی نیّت کی تھی، یا عصر کی، تو دونوں میں سے کوئی بھی شمار نہ ہوگی۔ اگر یاد آجائے کہ کونسی نیّت کی تھی، تو مندرجہ بالا تفصیل یہاں بھی جاری ہوگی۔

نیّت کی کیفیت

فرض نماز میں ان امور کا قصد واجب ھے۔ (۱) نماز پڑھنا (۲) جو نماز پڑھ رہا ہے اس کی تعیین، صرف یہ نیّت کافی نہیں کہ اس وقت کی فرض نماز پڑھ رہا ہوں، کیونکہ کوئی قضاء نماز اس وقت یاد آجائے تو یہ اس قضاء کا بھی وقت ہے، ظہر کی نیّت سے جمعہ یا

جمعہ کی نیّت سے ظہر کی نماز صحیح نہ ہو گی۔(۳) فرضیت کی نیّت، چاہے بالغ ہو یا نابالغ، نماز ادا ہو یا قضاء، اللہ کی طرف منسوب کرنا، یعنی یہ کہنا کہ میں اللہ کیلئے نماز ادا کر رہا ہوں ضروری نہیں ہے۔ استقبال قبلہ اور رکعات کی تعداد سے تعرض واجب نہیں ہے۔ لیکن مثلاً ظہر میں تین یا پانچ رکعات کی نیّت کی تو نماز منعقد نہ ہو گی۔ قضاء نماز میں ادا کی یا ادا میں قضاء کی نیّت کرے اور اس کے حقیقی معنی کا قصد نہ ہو تو نماز صحیح ہو گی ورنہ ایک طرح کا مذاق ہونے کی وجہ سے نماز صحیح نہ ہو گی۔ بادل وغیرہ کے سبب وقت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے ادا یا قضاء کی نیّت میں غلطی ہو، تو نماز صحیح ہو گی۔ یعنی وقت باقی سمجھ کر ادا کی نیّت سے نماز پڑھی، حالانکہ وقت نکل چکا تھا، تو یہ نماز صحیح ہے یا یہ سمجھ کر کہ وقت نکل چکا، قضاء کی نیّت سے پڑھی، حالانکہ وقت ابھی باقی تھا تو یہ نماز بھی درست ہے۔

ادا: کسی عبادت کیلئے شریعت نے جو وقت متعین کیا ہے اس وقت میں اس عبادت کو مکمل یا بعض انجام دینا، اوراس سے پہلے کسی خلل کے ساتھ وہ عبادت انجام نہ دی گئی ہو۔

قضاء: متعینہ وقت کے بعد عبادت کو انجام دینا۔(حاشیۃ الروضہ)

نفل کی دو قسمیں ہیں

(۱) وہ نفل جس کے لئے وقت یا سبب ہو۔ ایسے نفل کیلئے نماز پڑھنے کی نیّت اور نفل کی تعیین واجب ہے۔ لہٰذا استسقاء، عید الفطر، عید الاضحیٰ، ضحی (چاشت) وغیرہ کی نیّت کرے۔

رواتب: (وہ سنّتیں جو پنجوقتہ فرائض سے قبل یا بعد پڑھی جاتی ہیں) میں فرض نماز کی طرف منسوب کر کے تعیین کرے گا جیسے سنّت فجر، سنّت ظہر، یا سنّت عشاء وغیرہ وتر کی نماز میں سنّت وتر کی نیّت کرے اسے عشاء کی طرف منسوب نہ کرے، کیونکہ وہ مستقل نماز ہے۔(عشاء کے تابع نہیں ہے)

وتر کی نماز ایک رکعت سے زائد پڑھے تو ساری رکعتوں کیلئے وتر کی نیّت کرے جیسا کہ تراویح میں۔

دیگر امور میں وہی تفصیل ہے جو فرض کے سلسلے میں گذر چکی، البتہ نفلیت کی نیّت ضروری نہیں ہے۔

(۲) **نفل مطلق**: (وہ نفل نماز جو وقت و سبب کی قید کے بغیر، ثواب کیلئے انسان اپنی مرضی سے ادا کرتا ہے) ایسی نفل نماز کیلئے صرف نماز کی ادائیگی کی نیّت کافی ہے۔

محل نیّت: تمام عبادات میں نیّت کے سلسلے میں دل کا اعتبار کیا جائے گا۔ دل کی غفلت کے ساتھ محض زبان سے ادائیگی کافی نہیں ہے۔ زبان سے دل کی نیّت کے خلاف لفظ نکل جائے تو حرج نہیں جیسے ظہر کی نماز کیلئے دل میں ظہر کا قصد کرے لیکن زبان سے عصر کا لفظ نکلے، تو ظہر کی نماز منعقد ہو گی۔ نیّت کے بعد دل یا زبان سے انشاء اللہ ادا کرے اور تبرک کا قصد ہو، یا یہ کہ سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہی ہوتا ہے، تو حرج نہیں۔ اگر شک کے ارادے سے ان الفاظ کو ادا کرے تو نماز صحیح نہ ہو گی۔

فرض نماز کے ابتداء میں یا دوران میں ایسا کام کرے جو فرضیت کے منافی ہو، نفلیت کے منافی نہ ہو، تو فرض باطل ہو گا، بطور نفل شمار ہونے میں یہ تفصیل ہے۔

(۱) زوال سے پہلے عمداً (جان بوجھ کر) ظہر کی نیّت سے نماز شروع کرے تو بالکل باطل ہے۔ اگر غلطی سے یوں ہوا ہے تو نفل شمار ہو گی۔

(۲) مسبوق نے امام کو رکوع میں پایا اور اپنی تکبیر تحریمہ کا کچھ حصہ رکوع میں ادا کیا تو فرض منعقد نہ ہو گا۔ جانتے ہوئے یوں کیا ہے تو بالکل باطل ہو گی، ورنہ بطور نفل منعقد ہو گی۔

(۳) کسی فرض نماز کو تنہا شروع کرنے کے بعد جماعت کھڑی ہوئی تو اسے پانے کیلئے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ نفل شمار ہو گی۔

(۴) کسی مرض کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز میں طبیعت کچھ ٹھیک ہو گئی پھر بھی کھڑا نہ ہوا، یا جو کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے، وہ فرض نماز بیٹھ کر شروع کرے، یا فرض نماز پڑھنے والا بغیر سبب کے اسے نفل سے بدل دے تو ان تینوں صورتوں میں نماز باطل ہو گی۔

فصل۔ تَکْبِیْرَۃُ الْاِحْرَام۔ (تکبیر تحریمہ)

حدیث: (۱) آپ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے۔ (بخاری عن ابن عمر، ترمذی عن علی)

حدیث: (۲) ایک طویل حدیث میں نماز کی کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا! پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر کہو۔ (مسلم عن ابی ہریرہ)

حدیث: (۳) ایک حدیث کے ضمن میں آپ ﷺ نے فرمایا "نماز کی تحریمہ تکبیر ہے" (شافعی، احمد، ابوداود ترمذی، ابن ماجہ و صححہ الحاکم)

جو تکبیر کے کلمہ کو ادا کر سکتا ہو (اللہ اکبر کہہ سکتا ہو) اس پر وہی واجب ہے، اس سے ملے جلے دیگر الفاظ کافی نہیں، جیسے "الرَّحْمٰنُ اَجَلّ۔ الرَّبُّ اَعْظَمُ۔ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اَکْبَرُ"۔ اگر "اَللّٰہُ الْاَکْبَرُ یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ اَجَلُّ وَ اَعْظَمُ یا اَللّٰہُ الْجَلِیْلُ اَکْبَرُ" کہے تو کافی ہے۔

اسی طرح اللہ اور اکبر کے درمیان اللہ کے صفات میں سے کوئی صفت مختصر لفظ کے ساتھ داخل کرے تو تکبیر صحیح ہو گی۔ جیسے "اَللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ اَکْبَرُ" اگر الفاظ بڑھ جائیں تو تکبیر صحیح نہ ہو گی جیسے "اَللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ اَکْبَرُ" کیونکہ طوالت کی وجہ سے اسے تکبیر نہ کہا جائے گا۔ اگر "اَکْبَرُ اللّٰہُ" یا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" اللہ کہے تو نماز منعقد نہ ہو گی۔ تکبیر کے الفاظ میں دونوں کلمہ (اللہ اور اکبر) کے درمیان وقفہ نہ کرنا ضروری ہے۔ ایسی زیادتی سے پرہیز واجب ہے، جس سے معنی میں خلل واقع ہو۔ جیسے "آللّٰہُ اَکبر" (اللہ کے ہمزہ کو مد کے ساتھ ادا کرنا، کیونکہ اس صورت میں ترجمہ ہو گا، کیا اللہ سب سے بڑے ہیں) یا آللّٰہُ اکبار یا دونوں کے درمیان واو کا بڑھانا۔

تکبیر کو ایسے ادا کرنا کہ خود سن سکے واجب ہے جن نمازوں میں قیام واجب ہے، مکمل تکبیر قیام کی حالت میں ادا کرنا واجب ہے۔ عربی میں تکبیر ادا کر سکتا ہو تو کسی اور زبان میں اس کا ترجمہ ادا کرنا کافی نہیں ہے۔

جو عربی میں پوری تکبیر ادا نہ کر سکتا ہو اس کی دو حالتیں ہونگی۔

(۱) **ادا کرنے کی قدرت حاصل ہی نہیں کر سکتا۔** گونگا ہونے کی وجہ سے ایسا ہے تو اپنے زبان ہونٹ اور کوے کو تکبیر کیلئے بقدر امکان حرکت دے گا۔ بات چیت کر سکتا ہے لیکن باوجود کوشش کے تکبیر کیلئے زبان ساتھ نہیں دیتی تو تکبیر کا ترجمہ کرے۔ کسی اور ذکر کو اس کی جگہ اختیار نہ کرے۔ ترجمہ کسی بھی زبان میں ادا کر سکتا ہے۔ بعد میں ان نمازوں کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

(۲) **سیکھ کر تکبیر کی صحیح ادائیگی کی قدرت حاصل کر سکتا ہے،** تو اس پر سیکھنا لازم ہے۔ کسی

جنگل یا ایسی جگہ ہے جہاں سکھانے والا کوئی نہیں تو سیکھنے کیلئے سفر کرنا لازم ہے۔جو نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے سیکھ سکتا ہو، اس کے لئے اول وقت میں ترجمہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

ذہن کی کمزوری یا وقت کی تنگی کی وجہ سے ترجمہ کے ذریعے نماز پڑھ لی، تو بعد میں اعادہ لازم نہیں ہے۔باوجود امکان کے سیکھنے میں تاخیر کی اور وقت تنگ ہوا تو ترجمہ سے نماز پڑھ لے، لیکن بعد میں اعادہ واجب ہے۔نماز شروع کرنے کی نیّت سے ایک سے زائد تکبیر کہے اور دو تکبیروں کے درمیان نماز سے نکلنے کی نیّت نہ کرے تو طاق عدد سے نماز میں داخل ہو گا، اور جفت سے نماز باطل ہو گی، لہٰذا پہلی تکبیر سے نماز شروع ہو گی دوسری تکبیر سے باطل پھر تیسری تکبیر کہے، تو نماز میں داخل ہو گا اور چوتھی تکبیر سے نکل جائے گا اور اسی ترتیب سے آگے کی تکبیرات کا حکم ہو گا۔پہلی تکبیر کے بعد والی تکبیروں سے نماز شروع کرنے یا توڑنے کی نیّت نہ کرے تو پہلی تکبیر سے نماز شروع ہو گی۔بقیہ تکبیرات ذکر شمار ہو گی، اس سے نماز باطل نہ ہو گی۔

رفع یدین۔(دونوں ہاتھ اٹھانا)

حدیث:(۱) آپ ﷺ نماز کی ابتداء میں دونوں دست مبارک کاندھوں تک اٹھایا کرتے، اور جب رکوع کی تکبیر کہتے، "اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے" (متفق علیہ، عن ابن عمر) بیہقی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے "وفات تک آپ ﷺ کے نماز کی یہی کیفیت رہی" اور بخاری کی روایت میں مزید یہ بھی ہے "سجدے میں جاتے وقت اور سجدے سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہ کرتے۔"

(۲) آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے وقت کاندھا کے بالمقابل ہاتھوں کو بلند کیا۔(شافعی، احمد)

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا سنّت ہے۔ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ انگلیوں کے سرے کان کے اوپری کنارے کے بالمقابل، دونوں انگوٹھے کان کی لو کے بالمقابل، اور ہتھیلی کاندھے کے بالمقابل آجائے۔رفع یدین کے وقت دونوں ہتھیلی قبلہ کی طرف ہو۔اگر دونوں یا ایک ہتھیلی کٹی ہوئی ہو تو بازو کو اٹھائے، کہنیوں سے ہاتھ کٹا ہو تو بقیہ حصّے کو اٹھائے۔

اگر کسی عذر سے مذکورہ حد کی پابندی نہیں کر سکتا، بلکہ کچھ کم یا زیادہ ہی اٹھانا پڑتا ہے، تو جیسا ممکن ہو عمل کرے۔کم اور زیادہ دونوں ممکن ہو تو زیادہ پر عمل کرے۔

رفع یدین ہر نمازی کیلئے سنّت ہے۔کھڑے ہو کر نماز پڑھے یا بیٹھ کر (یا لیٹ کر۔جمل)، فرض نماز ہو یا نفل، امام ہو یا مقتدی، افضل صورت یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا شروع کرتے وقت تکبیر کہنا بھی شروع کرے (اور بہتر ہے کہ ہاتھ مذکورہ حد تک پہنچتے ہی تکبیر بھی مکمل ہو چکی ہو۔(حاشیۃ الروضہ)

تکبیر شروع کرے اور رفع یدین نہ کرے تو تکبیر مکمل ہونے سے پہلے رفع یدین کرے۔اگر تکبیر مکمل ہو چکی تو اب رفع یدین نہ کرے۔(کیونکہ اس کا محل فوت ہو چکا)

مستحب ہے کہ رفع یدین کے وقت دونوں ہاتھ کھلے ہوں (چادر وغیرہ میں چھپے نہ ہوں) اور انگلیوں کو متوسط درجہ میں جدا اور کشادہ رکھے۔تکبیر اتنی جلدی نہ ادا کرے کہ سمجھ میں نہ آئے اور نہ زیادہ مد کرے۔(کھینچے)

رفع یدین کی حکمت: غیر اللہ سے کبریائی کی نفی، تاکہ گونگا یا جس آدمی تک آواز نہ پہنچے وہ دیکھے (اور سمجھ لے کہ نماز

شروع ہوچکی) دنیا کو پسِ پشت ڈال کر ہمہ تن عبادت کی طرف توجہ کی طرف اشارہ، مکمل قیام کا اشارہ، کامل اطاعت و انقیاد کی طرف اشارہ، نماز کی عظمت کی طرف اشارہ، بندہ اور معبود کے درمیان پردہ کے ہٹنے کی طرف اشارہ، تاکہ مکمل بدن سے استقبالِ قبلہ حاصل ہو، امام شافعیؒ نے فرمایا: اللہ کی تعظیم اور اس کے نبی کی اتباع کے لئے، ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رفع یدین نماز کی زینت ہے، ہر مرتبہ اٹھانے پر دس نیکیاں ملیں گی، ہر انگلی پر ایک نیکی، توجیہ کی طرف اشارہ (ملخص من فتح الباری والجمل)

ہاتھ باندھنا

حدیث: (۱) آپ ﷺ نے تکبیر کے بعد دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا۔ (مسلم) (۲) آپ ﷺ قیام میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے (نسائی) (۳) بعض روایات میں ہاتھ باندھنے کو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنّتوں میں شمار کیا (دار قطنی۔ بیہقی۔ طبرانی) تکبیر کے بعد اب ہاتھوں کو سینے کے نیچے تک لاکر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے نچلا حصہ کچھ گٹا اور بازو کو پکڑے۔ پھر سینے کے نیچے اور ناف سے اوپر رکھے۔

فصل۔ قیام (نماز میں کھڑے ہونا)

حدیث: بخاری شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، یہ نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھو، یہ نہ ہو سکے تو کروٹ کے بل (لیٹ کر) پڑھو" نسائی کی روایت میں آگے یہ بھی ہیکہ" یہ نہ ہو سکے تو چت لیٹ کر پڑھو، ہر کسی کو اللہ اس کی حیثیت کے مطابق ہی مکلف بناتا ہے۔ (مغنی المحتاج ۱/ ۱۵۳) قیام نماز کا رکن ہے۔ نفل نماز میں بیٹھنا قیام کے قائم مقام ہے۔ مجبوری کی صورت میں فرض نماز میں بھی بیٹھنا قیام کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ استقلال کے ساتھ بغیر سہارے کے کھڑے رہنا شرط نہیں ہے۔ کسی دیوار یا انسان سے ایسے ٹیک لگا کر کھڑا ہو کہ اس کے ہٹائے جانے کی صورت میں وہ گر جائے گا تو نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہو گی۔ (کراہت اس وقت ہے جبکہ کوئی مجبوری نہ ہو۔ جمل) اگر بغیر ٹیک اور سہارے کے کھڑا نہیں رہ سکتا تو سہارے سے کھڑا رہنا واجب ہے۔ صرف سر جھکانے سے قیام میں خلل نہ ہو گا۔ اصل اعتبار ریڑھ کی ہڈی کو کھڑے رکھنے کا کیا جائیگا۔ لہٰذا جو صحیح قیام کر سکتا ہو اسے قیام کی ہیئت سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب جھکنے کی یا آگے کی طرف رکوع کی حد تک جھکنے کی اجازت نہ ہو گی۔ آگے اتنا جھکے کہ رکوع کی حد تک نہ پہنچے، لیکن کھڑے ہونے کے مقابلے میں رکوع سے قریب ہو تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

بغیر کسی کی مدد کے کھڑے نہیں ہو سکتا، لیکن کھڑے ہونے کے بعد زیادہ تکلیف نہیں ہوتی، تو کسی کی مدد سے کھڑے ہو جانا لازم ہے۔ اگر مفت میں کوئی اس طرح تعاون نہ کرے اور اس کے پاس مناسب اجرت موجود ہے تو اجرت دے کر مدد لینا لازم ہے۔ مذکورہ تفصیلات اس کیلئے ہے جو اس پر قادر ہو۔ کوئی مجبور ہو مثلاً اپاہج پن یا بڑھاپے کی وجہ سے کسی کی کمر اتنی جھک چکی ہے کہ رکوع کے حد تک پہنچتی ہے تو وہ اسی حال پر قیام کرے گا، جب رکوع کا وقت آئے اور مزید جھک سکتا ہے، تو رکوع کیلئے مزید جھکے۔ قیام تو کر سکتا ہے لیکن پشت میں کسی تکلیف کی وجہ سے رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے تو اس پر قیام لازم ہے اور رکوع اور سجدہ کو حسب گنجائش ادا کرے۔ ممکنہ حد تک پشت کو جھکائے اس کی گنجائش نہ ہو تو سر اور گردن کو جھکائے اس کے لئے کسی چیز پر ٹیک لگانے یا پہلو کی طرف جھکنے کی ضرورت پڑے تو یہ لازم ہے بالکل ہی جھکا نہیں سکتا تو رکوع سجدہ کی طرف اشارہ کرے قیام اور لیٹنا ممکن ہو لیکن بیٹھ نہ سکتا ہو تو بیٹھنے کی جگہ قیام کرے گا۔ بغیر عذر کے صرف ایک پیر پر کھڑے ہونا صحیح ہے لیکن مکروہ ہے۔ دونوں پیروں کو آپس میں ملا کر رکھنا (یا آگے پیچھے رکھنا)

مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ دونوں میں (تقریباً ایک بالشت کا) فاصلہ ہو۔ رکوع سجدہ کو طویل کرنے کے مقابلے میں قیام کو طویل کرنا افضل ہے۔ اور رکوع کے مقابلہ میں سجدہ کو طویل کرنا افضل ہے۔

جو قیام سے عاجز ہو

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا! ’’نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر اس کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر (پڑھو) ورنہ پھر پہلو کے بل (پڑھو) (بخاری شریف) نسائی میں آگے یہ بھی فرمایا ورنہ چت لیٹ کر۔ (تلخیص۔ ۱/۲۴۰)

فرض نماز میں قیام سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، اور اس سے ثواب میں کمی نہ ہو گی، کیونکہ وہ معذور ہے، عاجز ہونے سے یہ مراد نہیں کہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ قیام سے ہلاکت کا خوف ہو، مریض کو شدید مشقت پیش آئے، سمندری سفر میں غرق ہونے کا خطرہ ہو، یا سر گھومنے اور چکرانے لگے، تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں دشمن کا خطرہ ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھے، لیکن بعد میں اعادہ واجب ہے، کیونکہ یہ نادر عذر ہے بیٹھ کر نماز پڑھنے کیلئے کسی خاص طرز اور ہیئت پر بیٹھنا متعین نہیں ہے، کسی بھی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنا کافی ہے۔ لیکن اقعاء کا انداز اختیار کرنا نماز میں مکروہ ہے۔

اقعاء: دونوں سرین پر بیٹھ کر ران اور گھٹنے کو کھڑا رکھنا۔

اقعاء کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس میں کتے اور بندر سے مشابہت پائی جاتی ہے، جیسا کہ بعض روایات میں صراحت ہے (حاشیۃ الجمل ۱/۳۴۲) افضل یہ ہے کہ افتراش کی ہیئت میں بیٹھے (یعنی جیسے تشہد اول میں بیٹھتے ہیں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کیلئے کم از کم اتنا جھکے کہ چہرہ (یا صرف پیشانی) گھٹنے سے آگے کی جگہ کے بالمقابل آجائے۔ اکمل رکوع کے لئے اتنا جھکے کہ پیشانی سجدہ کی جگہ کے مقابل آجائے۔ سجدہ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی طرح ہی سجدہ کرے گا۔ مذکورہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ اس پر قادر ہو، کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس طرح رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو جتنا ممکن ہو جھکے، اگر سجدہ نہیں کر سکتا صرف رکوع کر سکتا ہے، تو سجدہ کے وقت بھی رکوع کی طرح جھکے۔ سجدہ نہیں کر سکتا لیکن کامل رکوع سے کچھ زیادہ جھک سکتا ہے تو رکوع کیلئے کامل طریقے سے زیادہ نہ جھکنا واجب ہے۔ اور سجدہ کیلئے جتنا زیادہ جھک سکتا ہو، جھکنا واجب ہے۔ حتی کہ اگر کنپٹی یا پیشانی سے اوپر سر کی ہڈی کے بل سجدہ کر سکتا ہو، اور اس طرح کرنے سے پیشانی زمین سے زیادہ قریب ہوتی ہو تو اس طرح کرنا لازم ہے۔

کوئی شخص تنہا مکمل نماز کھڑا ہو کر پڑھ سکتا ہو (مختصراً پڑھنے کی وجہ سے) لیکن باجماعت پڑھنے کی صورت میں نماز کا کچھ حصہ بیٹھ کر پڑھنے کی نوبت آتی ہو تو اسے تنہا پڑھنا افضل ہے۔ باجماعت کچھ بیٹھ کر پڑھے تب بھی نماز صحیح ہو گی۔ اگر کسی کی حالت ایسی ہو کہ صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کی صورت میں قیام ممکن ہو اور دوسری سورت ملالینے کی صورت میں بیٹھنا پڑتا ہو، تو صرف سورہ فاتحہ سے نماز پڑھ لے۔ اگر سورت بھی شروع کر دی پھر عاجز ہوا تو بیٹھ جائے۔ رکوع کی خاطر سورت چھوڑنا لازم نہیں ہے۔

جو بیٹھنے سے عاجز ہو

عاجز ہونے سے مراد بیٹھنا مشکل ہو یا بیٹھنے میں شدید مشقت ہوتی ہو جیسا کہ قیام کے سلسلہ میں گذرا۔ جو بیٹھ کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو دائیں کروٹ پر چہرہ اور بدن کے اگلے حصہ کو قبلہ رو کر کے لیٹے جیسا کہ میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے (بغیر عذر کے) بائیں کروٹ پر لیٹے تو نماز صحیح ہو گی لیکن سنّت کے خلاف ہو گا اگر کروٹ کے بل نہیں لیٹ سکتا تو پیر کے تلووں کو قبلہ رو کر کے چت لیٹے اور سر کے نیچے تکیہ

وغیرہ رکھ دے تاکہ چہرہ قبلہ رو ہو جائے اور نماز ادا کرے۔(مغنی المحتاج۔ ۱/۱۵۵)

رکوع سجدہ کر سکتا ہو تو کرے ورنہ آگے کی طرف جھک کر جتنا ممکن ہو پیشانی کو زمین کے قریب کر کے اشارے سے ادا کرے۔ سجدہ کو رکوع کے مقابلہ میں زیادہ پست رکھے۔ سر سے اشارہ نہ کر سکتا ہو تو آنکھ اور پلک کے اشارے سے ادا کرے اس سے بھی عاجز ہو تو نماز کے افعال اپنے دل پر جاری کرے (دل میں رکوع سجدہ وغیرہ کا تصور کرے)

اگر زبان بند ہو جائے تو قرآن اور دیگر اذکار کو دل پر جاری کرے بہر حال جب تک ہوش باقی ہے نماز ساقط نہ ہو گی۔ قیام پر قادر شخص آشوب چشم میں مبتلا ہو اور کوئی معتبر طبیب یہ کہے کہ بیٹھ کر یا چت یا کروٹ لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں علاج ہو سکتا ہے، ورنہ نابینا ہونے کا خطرہ ہے تو اس کے مشورہ پر عمل کرنا جائز ہے۔

دوران نماز قیام سے عاجز ہو جائے تو بیٹھ کر بقیہ نماز مکمل کرے۔ (عذر کی وجہ سے) بیٹھ کر نماز پڑھنے کے دوران قیام پر قادر ہو اتو بقیہ نماز کھڑا ہو کر مکمل کرے گا۔ اسی طرح لیٹ کر نماز پڑھنے کے دوران بیٹھنے یا کھڑا ہونے پر قادر ہو جائے تو بقیہ نماز بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر پوری کرے (یعنی ساری صورتوں میں بقیہ نماز کو قدرت کے مطابق ادا کرنا کافی ہے۔ از سر نو دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔) اگر حالت نقص سے کمال کی طرف بدل جائے مثلاً بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے مرض کے افاقہ کی وجہ سے قیام کی قدرت حاصل ہو جائے اور قرأت سے پہلے ہی ایسا ہو جائے تو کھڑا ہونے کے بعد قرأت کریگا۔ اگر دوران قرأت ایسا ہو تو بقیہ سورہ فاتحہ کھڑا ہونے کے بعد پڑھے گا۔ کھڑے ہوتے ہوئے پڑھنا منع ہے، اگر پڑھ لیا تو مکمل کھڑا ہونے کے بعد اس کو دوہرانا واجب ہے۔

سورہ فاتحہ مکمل ہونے اور رکوع کرنے سے قبل قیام پر قادر ہو جائے تو اب قیام واجب ہے تاکہ قیام سے رکوع کیلئے جھکے۔ لیکن اس قیام میں طمانینت لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اصل مقصود قیام نہیں ہے۔ (بلکہ قیام سے رکوع میں جانا مقصود ہے۔ لہٰذا کھڑا ہو کر فوراً ہی رکوع میں جانا کافی ہے) مذکورہ صورتوں میں قیام میں پوری سورہ فاتحہ پڑھ لینا مستحب ہے، تاکہ کمال کی حالت میں قرأت حاصل ہو۔ بیٹھ کر رکوع میں جانے کے بعد طمانینت سے پہلے طبیعت میں افاقہ ہو تو قیام سے رکوع میں جانے کی حد تک اٹھ جانا واجب ہے۔

تشریح: اتنا اٹھ جائے کہ قیام سے رکوع میں جانے کی صورت میں جو کیفیت اور ہیئت ہوتی ہے وہ حاصل ہو جائے، سیدھے کھڑے ہو کر پھر رکوع میں جانا جائز نہیں ہے تاکہ ایک رکوع زائد نہ ہو اگر ایسا کیا تو نماز باطل ہو گی۔ اور بیٹھ کر رکوع میں جانے اور طمانینت حاصل ہونے کے بعد طبیعت میں افاقہ ہو تو رکوع مکمل ہو چکا، لہٰذا سابقہ طرز پر رکوع کیلئے کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں اعتدال میں آنے کے بعد افاقہ ہوا اور ابھی طمانینت حاصل نہ ہوئی ہو تو کھڑا ہونا لازم ہے، تاکہ اعتدال اور طمانینت حاصل ہو۔ اگر طمانینت کے بھی بعد افاقہ ہو تو قیام لازم نہیں ہے، تاکہ اعتدال طویل نہ ہو جائے حالانکہ وہ قصیر (مختصر) رکن ہے۔ فجر کی دوسری رکعت میں اس طرح کا اتفاق ہو (یعنی اعتدال وطمانینت کے بعد افاقہ ہو) تو قنوت بیٹھ کر نہ پڑھے ورنہ نماز باطل ہو گی۔ بلکہ کھڑا ہو جائے اور قنوت پڑھ لے۔ اگر نماز کے دوران کمال سے نقص کی طرف لوٹنا پڑے، یعنی نماز میں کوئی مجبوری پیش آجائے (بیمار ہونا وغیرہ) تو جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے۔

تشریح: باقاعدہ قیام وغیرہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز میں کسی بیماری کی وجہ سے قیام سے عاجز ہو گیا تو بیٹھ جائے، بیٹھنے سے بھی عاجز ہو تو بقیہ نماز لیٹ کر پوری کرے۔ اسی طرح رکوع سجدہ وغیرہ کا بھی حکم ہے سورۂ فاتحہ کے دوران عاجز ہو تو بیٹھتے بیٹھتے قرأت کا جاری رکھنا واجب ہے۔

بیٹھ کر نفل پڑھنا

حدیث: آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”کھڑے ہو کر نماز پڑھنا افضل ہے، اور جو بیٹھ کر پڑھے اسے کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ملے گا، اور جو لیٹ کر پڑھے اسے بیٹھنے والے سے نصف ثواب ملے گا۔“ (بخاری شریف) قیام پر قادر ہونے کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں قیام کے مقابلے میں نصف ثواب حاصل ہو گا۔ قیام اور بیٹھنا ممکن ہوتے ہوئے لیٹ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن قدرت ہو تو رکوع و سجدہ کیلئے بیٹھنا لازم ہے، صرف اشارہ کافی نہ ہو گا، اسی طرح کروٹ لیٹنا ممکن ہو تو چت لیٹ کر پڑھنا صحیح نہیں ہے، ورنہ صحیح ہے۔ (مغنیالمحتاج ۱/۱۵۵) ان مسائل میں سارے نوافل کا یہی حکم ہے سنن راتبہ، عید، کسوف اور استسقاء وغیرہ کی نماز ہو یا کوئی اور نفل۔

فصل۔ دعاء استفتاح

تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی کو دعائے استفتاح پڑھنا سنّت ہے۔ درج ذیل صورتوں میں دعائے استفتاح پڑھنا سنّت نہیں ہے۔

(۱) دعائے استفتاح پڑھنے کی صورت میں امام کے پیچھے پوری سورۂ فاتحہ نہ ملنے کا اندیشہ ہو۔

(۲) نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

(۳) قیام کے علاوہ کسی اور رکن میں آکر امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ البتہ امام کے آخری تشہد میں کوئی آکر شامل ہو جائے، اور اس کے بیٹھنے سے پہلے امام سلام پھیر دے، یا تشہد اول میں شامل ہو جائے اور بیٹھنے سے قبل ہی امام اٹھ جائے، یا امام کی موافقت کرنے سے قبل ہی حدث وغیرہ کی وجہ سے وہ نماز سے نکل جائے تو ان صورتوں میں دعائے استفتاح پڑھنا مسنون ہے۔

(۴) نماز جنازہ میں دعائے استفتاح سنّت نہیں ہے۔ (مغنی ۱/۱۵۶، حاشیۃالروضہ)

دعائے استفتاح: ”وَجَّھْتُ وَ جْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ حَنِیفاً مُسلِماً وَّ مآاَنَا مِنَ الْمُشرِکِیْن اِنَّ صَلاَتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لاَ شَرِ یكَ لَهُ وَ بِذَالِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِین“

(ترجمہ: میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا سارے باطل ادیان سے منہ موڑ کر صرف اس کی طرف مائل ہوتے ہوئے، مسلمان بن کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، یقیناً میری نماز و عبادت اور جینا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو تمام عالم کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔) امام اس سے زیادہ نہ پڑھے، اگر مقتدی اس سے زائد پڑھنے کی اجازت دیں یا کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس دعا کے بعد مزید یہ پڑھنا بھی مستحب ہے۔

”اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَاعَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِی وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِی فَاغْفِرْ لِی ذُنُوْبِی جَمِیْعًا اِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلاَّ اَنْتَ وَاھْدِنِی لِاَحْسَنِ الْاَخْلاقِ لَا یَھْدِی لِاَحْسَنِھَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّی سَیِّئَھَا لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلاّ اَنْتَ لبَّیكَ وَ سَعْدَیْكَ وَ الْخَیْرُ کُلُّهُ فِی یَدَیْكَ وَ الشَّرُ لَیْسَ اِلَیْكَ اَنَا بِكَ وَاِلَیْكَ تَبارَکْتَ وَ تعَالَیتَ اسْتَغفِرُ كَ وَ اَتُوبُ اِلَیْكَ“ (صحیح مسلم-الام ۱/۱۰۲)

ترجمہ: یا اللہ تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تسبیح اور حمد تیرے ہی لئے ہے، تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے، پس میرے تمام گناہ بخش دے یقیناً تیرے علاوہ کوئی گناہ نہیں بخش سکتا، اور مجھے

بہترین اخلاق کی ہدایت فرما، جو تو ہی، فرما سکتا ہے۔ اور برے اخلاق کو مجھ سے ٹال دے جسے تو ہی ٹال سکتا ہے۔ میں تیری اطاعت و فرمانبرداری پر ہمیشہ قائم ہوں اور تمام خیر تیرے ہاتھ ہے، اور شر تیری طرف منسوب نہیں، تو ہی توفیق بخشنے والا ہے اور تجھی سے التجاء ہے تو بابرکت اور اعلی ہے تجھ سے مغفرت کا طالب اور تیری بارگاہ میں تائب ہوں۔

تنہا نماز پڑھنے والے کیلئے اور اس امام کیلئے جس کے مقتدی محدود و متعین اور تطویل سے راضی ہوں اور دیگر مقتدیوں کا آ کے شامل ہونے کا امکان نہ ہو، مندرجہ بالا دعا کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل دعاء پڑھنا بھی مستحب ہے۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قرأت کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

"اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ" (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: یا اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان مشرق و مغرب کی طرح دوری فرما، یا اللہ مجھے گناہوں سے ایسا پاک وصاف فرما جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ یا اللہ میرے گناہوں کو پانی اور برف اور اولے سے دھو دے۔

استفتاح کے متعلق دیگر روایات بھی مروی ہیں، ان میں سے کسی بھی دعا کو پڑھ لینے سے استفتاح کی سنّت حاصل ہو گی۔ لیکن شوافع کے نزدیک افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (یعنی **وَجَّھْتُ** الخ) اور اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (**اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ** الخ) ہے۔ (شرح مہذب ۳/۳۱۹۔۳۲۱)

امام نووی رحمہ اللہ نے "الاذکار" میں استفتاح کے متعلق وارد تمام روایات کو جمع کیا ہے اور لکھا ہے۔ کہ منفرد یا، وہ امام جس کے مقتدی تطویل کی اجازت دیں، ان تمام دعائوں کو پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ (الاذکار ص ۴۲ تا ص ۴۴) کسی نے عمداً یا بھول کر دعا استفتاح چھوڑ دی اور تعوذ (اعوذ باللہ) شروع کر دی تو اب دعا استفتاح نہ پڑھے، اور نہ کسی اور رکعت میں اس کی تلافی کرے۔

مسبوق (بعد میں آ کر امام کے ساتھ شامل ہونے والا مقتدی) آخری تشہد میں امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو اور تکبیر کہہ کے بیٹھ جائے اور بیٹھتے ہی امام سلام پھیر دے تو کھڑا ہو لیکن اب دعا استفتاح نہ پڑھے۔ کیونکہ اس کا محل فوت ہو چکا۔ اگر بیٹھنے سے قبل امام سلام پھیر دے تو نہ بیٹھے اس صورت میں دعا پڑھ لے۔ دعا استفتاح فرض نماز اور تمام نفل نمازوں میں پڑھنا سنّت ہے۔ (صرف جنازہ کی نماز میں سنّت نہیں ہے) مسبوق کے نماز میں داخل ہوتے ہی امام آمین کہے تو یہ بھی امام کے ساتھ آمین کہے، پھر دعا استفتاح پڑھے۔

فصل۔ تَعَوُّذْ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

آیت: "**فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ**" (النحل۔ ۹۸)

ترجمہ: تو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔"

دعا استفتاح کے بعد "**اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ**" کہنا مستحب ہے۔ تمام نمازوں میں تعوذ سراً (آہستہ) ادا کرے۔ تعوذ ہر رکعت میں مستحب ہے۔ لیکن پہلی رکعت میں اس کی زیادہ تاکید ہے۔

حدیث: مسند احمد، اصحاب سنن، حاکم ابن حبان، دار قطنی اور بیہقی وغیرہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعوذ پڑھنا

وارد ہے۔(تلخیص الجبیر۔ا ص۔۲۴۵۰۲۴۴)

فصل (قرأت (تلاوت)

تعوذ کے بعد قرأت کرے نمازی یاتو سورہ فاتحہ کی قرأت پر قادر ہو گا یا نہیں۔ جو سورہ فاتحہ کی تلاوت کر سکتا ہو اسے قیام یا قیام کے بدل (بیٹھنے یا لیٹنے) میں سورہ فاتحہ ہی کی تلاوت لازم ہے۔ ترجمہ یا سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن میں سے کچھ اور پڑھ لینا کافی نہ ہو گا۔

امام، مقتدی اور منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) سب پر سورہ فاتحہ کی تلاوت متعین ہے، چاہے سری نماز ہو، یا جہری، جہری نماز میں بھی مقتدی آہستہ اس طرح تلاوت کرے کہ خود اس کا نفس سن سکے۔ امام کو جہری نماز میں اپنی فاتحہ کے بعد اتنی دیر چپ رہنا مستحب ہے جس میں مقتدی فاتحہ پڑھ سکے۔ (جیسا کہ آئندہ ۹ نمبر کے اثر میں وارد ہے)

سورہ فاتحہ کی فرضیت کی دلیل

حدیث: (۱) آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو سورہ فاتحہ کی تلاوت نہ کرے اس کی نماز (درست) نہیں'' (صحاح ستہ عن عبادۃ بن الصامت) امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث آپ ﷺ سے تواتراً منقول ہے۔ (جزء القرأۃ)

(۲) وہ نماز کافی نہیں جس میں سورہ فاتحہ کی تلاوت نہ ہو'' (ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم باسناد صحیح)

(۳) ایک صحابی کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا......... ''پھر سورہ فاتحہ پڑھو.........'' (ابوداؤد، احمد ابن حبان) مکمل نماز سکھلانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر رکعت میں اسی طرح کرو۔ (بخاری، ترمذی، بیہقی)، (تحفۃ الاحوذی جلددوّم)

مقتدی پر سورہ فاتحہ کے وجوب کے دلائل

احادیث: (۱) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''آپ ﷺ نے فجر کی نماز ادا کی تو آپ ﷺ پر قرأت گراں ہوئی، نماز کے بعد فرمایا!'' میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے (اقتدامیں) قرأت کرتے ہو؟'' ہم نے کہا۔ یارسول اللہ باللہ ہم تلاوت کرتے ہیں'' تو فرمایا ''سورہ فاتحہ کے علاوہ تلاوت نہ کرو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز (درست) ہی نہیں'' (احمد، بخاری فی جزء القراء۔ وصححہ ابوداود۔ والترمذی والدارقطنی وابن حبان والحاکم والبیہقی)

امام خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس مسئلہ پر بالکل صریح دلالت کرتی ہے کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت مقتدی پر واجب ہے، خواہ امام جہراً تلاوت کرے یا سراً۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ''جو ایسی نماز پڑھے جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ ناقص وناتمام ہے'' تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں (تو اس وقت کیا کریں) تو فرمایا: اپنے جی میں (آہستہ) پڑھو۔ (مسلم)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے یہ پوچھا کہ تم لوگ امام کی تلاوت کے دوران تلاوت کرتے ہو؟ پھر صحابہ نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا ''یوں نہ کرو، اور تم اپنے جی میں سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو'' (بخاری

فی جزء القرأۃ۔بیہقی فی کتاب القرأۃ، ابن حبان، طبرانی فی الاوسط)

بیہقی نے کتاب القراۃ میں حضرت ابو قتادہ اور عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے بھی اس طرح کی حدیث نقل فرمائی ہے۔

آثار: (۱) یزید بن شریک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مقتدی کے لئے تلاوت کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا: ”سورہ فاتحہ پڑھو“ پوچھا گرچہ آپ امام ہو؟ فرمایا: گو میں ہوں، پوچھا: اگرچہ آپ جہراً تلاوت کریں (بلند آواز سے پڑھیں)، فرمایا: جی، گو جہراً پڑھوں۔ (دارقطنی۔باسناد صحیح)

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ”ظہر، عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھو اور آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھو“ (دارقطنی، حاکم، بیہقی باسناد صحیح)

(۳) ابو نعیم جہراً تلاوت کر رہے تھے اور پیچھے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ پڑھ رہے تھے، استفسار کرنے پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ جہری نماز میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ مت پڑھو۔ (دارقطنی وحسنہ)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ”ہم لوگ امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری ایک سورت اور آخری دو رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔“ (ابن ماجہ بسند صحیح)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ خود بھی امام کے پیچھے سورہ کی تلاوت فرماتے اور شاگردوں کو بھی اس کا حکم فرماتے۔ (بیہقی فی کتاب القرأۃ)

(۶) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا فتویٰ دیا۔ (بیہقی بسند حسن)

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”امام کے پیچھے (سورہ فاتحہ کی) تلاوت کرو، نماز جہری ہو یا نہ ہو“۔ (بیہقی بسند صحیح)

(۸) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی مقتدی وغیر مقتدی کو سورہ فاتحہ کی تلاوت کا حکم دیا۔ (بیہقی)

(۹) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ سلف امامت کی صورت میں مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا موقع دیتے تھے۔ (کتاب القراء للبخاری) حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کافی صحابہ کرام اور اکابر تابعین کا زمانہ پایا ہے۔

(۱۰) حضرت عروہ بن زبیرؒ (تابعی) کا فرمان ہے: ”امام کے سکتہ میں تلاوت کرو“ کیونکہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز مکمل نہ ہوگی“ (بیہقی)

جن احادیث میں مقتدی کے لئے تلاوت کی ممانعت ہے۔ امام بیہقی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اسے سورہ فاتحہ کے علاوہ دوسرے سورت کی تلاوت یا جہراً تلاوت پر محمول کریں گے جیسا کہ مفصل روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

(اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ۲/ ۲۲۶ - ۲۵۳، تحقیق الکلام (اردو) مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، ابکار المنن، تلخیص الحبیر، کتاب القرأۃ خلف الامام للبخاری جزء القرأۃ للبیہقی، امام الکلام عبدالحی لکھنوی، مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ لعبید اللہ مبارکپوری وغیرہ)

فاتحہ ہر رکعت میں واجب ہے، لیکن امام کے رکوع کے وقت جو مسبوق آکر نماز میں شامل ہو اس پر واجب نہیں ہے۔ بغیر سورہ فاتحہ پڑھے امام کے ساتھ رکوع ملنے کی صورت میں وہ رکعت مقتدی کے حق میں اسی وقت شمار ہوگی، جبکہ امام کیلئے شمار ہو۔ اگر امام بے

وضو تھا یا غلطی سے پانچویں رکعت پڑھ رہا تھا تو صرف رکوع میں شامل ہونے سے وہ رکعت شمار نہ ہوگی۔

مقتدی کے تلاوت کی رفتار سست ہو، یا وہ اپنے نماز میں ہونے کو بھول جائے، یا بھیڑ کی وجہ سے وقت پر سجدہ نہ کرپائے، یا امام کے رکوع کے بعد فاتحہ پڑھنے میں شک ہوا، اور اس کے لئے پیچھے رہا، اور ان تمام صورتوں میں امام سے تین طویل رکن پیچھے رہا اور عذر ختم ہونے تک امام دوسری رکعت کے رکوع میں پہنچ چکا ہے تو ان صورتوں میں بھی یہ مقتدی (اپنے سجدے سے اٹھنے کے بعد) امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوگا اور اسے یہ رکعت مل جائیگی۔ کوئی امام کے ساتھ قیام میں آکر شامل ہو اور سورہ فاتحہ شروع کرے لیکن مکمل ہونے سے پہلے امام رکوع میں جائے تو بقیہ فاتحہ کو مکمل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اور یہ رکعت بھی شمار ہوگی۔ (حاشیۃالروضہ، الجمل ۱/۳۴۵، المغنی ۱/۱۵۷)

بَسمله: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ کے ابتداء میں ایک مکمل آیت ہے۔ اسی طرح سورہ برأت (توبہ) کے علاوہ بقیہ تمام سورتوں کے ابتداء میں بھی مکمل آیت ہے۔ آپ ﷺ نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو سورہ فاتحہ کی ایک آیت شمار کیا۔ (رواہ ابن خزیمہ، والحاکم، جمل ۱/۳۴۵)

خطیب، ابن حجر۔ اور ابن عبد الحق نے فرمایا کہ سورہ برأت کے ابتداء میں بسم اللہ کی تلاوت حرام اور درمیان میں مکروہ ہے۔ اور رملیؒ کے نزدیک ابتداء میں مکروہ اور درمیان سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں مستحب ہے۔ (جمل ۱/۳۴۵) جہری نماز میں سورہ فاتحہ اور بعد والی سورت کے ابتداء میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو بھی جہراً ادا کرنا سنّت ہے۔ سورہ فاتحہ کو تمام حروف اور تشدیدات کی رعایت کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔ کسی حرف یا تشدید کو چھوڑ دیا یا ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا تو قرأت صحیح نہ ہوگی۔ چاہے حرف ضاد کو بدلے یا کسی اور حرف کو، قرأت میں ایسا لحن (غلطی) کرے جس سے معنی بدل جائے جیسے اَنْعَمْتُ تا کے پیش یا زیر کے ساتھ پڑھے یا اِیّاکِ کاف کے زیر کے ساتھ پڑھے تو صحیح نہیں ہے۔ اگر عمداً اس طرح پڑھے تو نماز باطل ہوگی اور عمداً نہیں پڑھا تو دوبارہ صحیح قرأت کرنا واجب ہے۔ قرأت سبعہ (سات قرأتوں) میں سے کسی بھی قرأت کو اختیار کرسکتے ہیں۔

سورہ فاتحہ کی تلاوت میں ترتیب واجب ہے۔ اگر عمداً آگے پیچھے پڑھا تو قرأت باطل ہوگی۔ دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ غلطی سے اس طرح ہوا تو ابتدائی مرتب آیات کا اعتبار ہوگا۔ اس پر بنا کرکے بعد والی آیات کو پھر پڑھے لیکن زیادہ دیر گذری ہو تو مکمل فاتحہ از سر نو پڑھے۔

تشریح: مثلاً کسی نے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" سے آخر تک پہلے پڑھا پھر "بِسْمِ اللّٰہِ" سے "مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" تک پڑھا اور عمداً اس طرح کیا ہے تو نئے سرے سے مکمل سورت ترتیب سے پڑھ لے۔ غلطی سے اس طرح ہوا تو بعد میں "بِسْمِ اللّٰہِ" سے "مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" تک پڑھنا معتبر ہے، اب اس کے آگے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" سے آخر تک ترتیب سے پڑھ لینا کافی ہے۔ کسی نے "بِسْمِ اللّٰہِ" مکمل پڑھی پھر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" چھوڑ کر بقیہ آیتوں کو پڑھتا رہا اور کافی دیر ہوئی تو اب "بِسْمِ اللّٰہِ" کے بعد سے پڑھنا کافی نہیں، بلکہ "بِسْمِ اللّٰہِ" سے شروع کرنا واجب ہے۔

اگر عمداً تشہد کی ترتیب کو ایسا بگاڑ دے کہ معنی غلط ہو جائے تو نماز باطل ہوگی (اور عمداً نہیں ہے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن اس کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ تشہد کو صحیح دوہرانا واجب ہے) اور معنی نہ بگڑے تو اس طرح پڑھنا کافی ہو جائے گا۔

تشریح: کسی نے تشہد کو "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ" سے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْل" تک پڑھا پھر "اَلتَّحِیَّاتُ" سے "لِلّٰہِ" تک پڑھا تو چونکہ

اس سے مفہوم نہیں بگڑا، اس لئے نماز درست ہو گی۔ لیکن کسی نے "اَلتَّحِیَاتُ الْمُبَارَکَاتُ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللہِ عَلیٰ عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ" وغیرہ پڑھ دیا تو مفہوم بگڑ جائے گا۔ اسلئے عمداً ہے تو نماز باطل ہو گی ورنہ پورے تشہد کو از سر نو صحیح پڑھے۔

سورہ فاتحہ کی ترتیب میں عمداً ایسی تبدیلی کرے جس سے مفہوم بدل جائے تو نماز باطل ہو گی۔

تسلسل: سورہ فاتحہ کی آیتوں کے درمیان میں موالات و تسلسل (پے درپے پڑھنا) واجب ہے۔ اگر عمداً دوران فاتحہ زیادہ دیر چپ رہا، جیسے تلاوت کا سلسلہ ختم کر رہا ہو، یا کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تلاوت کی طرف سے اعراض و پہلو تہی برت رہا ہو تو تلاوت باطل ہو گی اور از سر نو تلاوت لازم ہو گی۔ دوران تلاوت تھوڑی دیر چپ رہنے میں حرج نہیں۔ تلاوت ختم کرنے کی نیّت کرے لیکن چپ نہ رہے تو تلاوت باطل نہ ہو گی۔ لیکن ختم کرنے کی نیّت کے بعد تھوڑی دیر بھی چپ رہے تو تلاوت باطل ہو گی۔

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے دوران تسبیح یا تہلیل "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" پڑھے یا کوئی آیت پڑھے تو قرأت باطل ہو گی۔ کم پڑھے یا زیادہ، یہ اس وقت ہے جبکہ نمازی کو ان کے پڑھنے کا حکم نہ ہو۔ البتہ جس چیز کے پڑھنے کا نماز میں حکم ہو، اور اس کا تعلق نماز ہی کی مصلحت سے ہو، اس سے قرأت باطل نہ ہو گی، جیسے امام کے ساتھ آمین کہنا، امام کے ساتھ سجدہ تلاوت کرنا، امام کو لقمہ دینا، امام رحمت کی آیت پڑھے تو اللہ سے رحمت کی دعا کرنا، عذاب کی آیت پر عذاب سے پناہ مانگنا۔ لہٰذا یہ امور اگر مقتدی کی سورہ فاتحہ کے دوران پیش آئیں تو موالات باطل نہ ہو گی (بعد میں آگے کی آیتوں کا پڑھنا کافی ہے)

نماز میں چھینک آنے پر "الحمد للہ" کہے تو موالات ختم ہو گی۔ اگر بھول کر دورانِ فاتحہ زیادہ دیر چپ رہا تو موالات ختم نہ ہو گی۔ بعد میں صرف آگے کی آیتوں کا پڑھ لینا کافی ہے۔

جو سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا۔

جو سورہ فاتحہ پر قادر نہ ہو اسے سیکھنا یا قران کا حاصل کرنا تاکہ اس میں دیکھ کر پڑھ سکے لازم ہے۔ تاریکی کی وجہ سے دیکھ کر پڑھنے کیلئے چراغ اور روشنی کی ضرورت ہو، اور اس کا انتظام اس کے بس میں ہو، تو یہ بھی واجب ہے، اس کے بس میں ہوتے ہوئے بغیر سورہ فاتحہ کے نماز پڑھے، تو ان تمام نمازوں کا اعادہ واجب ہے۔ اگر سورہ فاتحہ پڑھنے سے عاجز ہو، مثلاً وقت کی تنگی، یا ذہنی کمزوری کی وجہ سے سیکھ نہیں سکتا، یا کوئی سکھلانے والا نہیں ہے، یا قرآن موجود نہیں، وغیرہ صورتیں۔ تو ایسی صورت میں سورہ فاتحہ کا ترجمہ پڑھنا جائز نہیں ہے اگر کہیں اور سے قرآن پڑھ سکتا ہو تو سات آیتیں پڑھے گا، سات سے کم کافی نہ ہو گے اگرچہ طویل ہوں ان سات آیتوں کے حروف کی مجموعی تعداد سورہ فاتحہ کے حروف سے کم نہ ہونا شرط ہے۔

دو آیتوں کو سورہ فاتحہ کی ایک آیت کے جگہ پڑھنے میں حرج نہیں۔

"بسم اللہ" سمیت سورہ فاتحہ کے حروف کی تعداد ۱۵۶ ہے جبکہ مالک کو (الف) کے ساتھ پڑھیں۔ (فتح الوہاب۔ ۱/ ۴۰)

مذکورہ شرط کے مطابق مسلسل سات آیات تلاوت کر سکتا ہو، تب بھی متفرق آیات کا پڑھنا کافی ہے۔ اگر سات آیات سے کم پڑھ سکتا ہو جیسے ایک دو آیتیں تو اتنا پڑھ لے اور بقیہ کی طرف سے ذکر پڑھے۔ جو قرآن میں سے کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا ہو اسے تسبیح و تہلیل وغیرہ ذکر پڑھنا واجب ہے، کسی خاص ذکر کی تعیین نہیں البتہ یہ شرط ہے کہ اس کے حروف کی تعداد سورہ فاتحہ کے حروف سے کم نہ ہو اور سات انواع کے ذکر ہوں تاکہ ہر نوع ایک آیت کے قائم مقام ہو اسی طرح آخرت سے متعلق دعائیہ کلمات کا ادا کرنا بھی کافی ہے، ان

اذکار یا دعا سے سورہ فاتحہ کے بدل کی نیّت ضروری نہیں ہے، البتہ یہ لازم ہے کہ ان سے کسی اور چیز کی نیّت نہ کرے، جیسے دعا استفتاح کو استفتاح کی سنّت حاصل ہونے کی نیت سے یا تعوذ کی نیّت سے پڑھے، تو اس سے سورہ فاتحہ کا بدل نہ ہوگا۔

حدیث: ایک شخص قرآن پڑھنے سے عاجز تھا لہٰذا آپ ﷺ نے اسے نماز میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھنے کا حکم دیا۔ (رواہ ابوداود، احمد، النسائی وغیرہم۔ تلخیص ۱/۲۵۱) جو کسی ذکر اور دعا کے پڑھنے سے بھی عاجز ہو (وہ ذکر و دعا کا ترجمہ پڑھے ورنہ) اسے سورہ فاتحہ کی مقدار کھڑا رہنا واجب ہے، پھر رکوع میں جائیگا جس کو سورہ فاتحہ کچھ یاد ہو، اور دوسرا کچھ یاد نہ ہو تو جتنا یاد ہے اسے بار بار پڑھ لے کہ سورہ فاتحہ کے برابر ہو جائے۔ اگر دوسرا بھی کچھ یاد ہے تو جتنی سورہ فاتحہ یاد ہے پڑھ کر بقیہ کی طرف سے بدل کو پڑھے۔ اس صورت میں اگر کسی کو سورہ فاتحہ آخری نصف یاد ہے، ابتدائی نصف یاد نہیں، تو ابتدائی نصف کی طرف سے بدل (ذکر وغیرہ) کو ادا کرنے کے بعد آخری نصف کی تلاوت کرے اس کے برعکس کرے تو کافی نہیں، اور صرف نصف اول یاد ہے تو پہلے اسے ادا کر کے بعد میں بدل کو ادا کرے۔ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے کہ جبکہ نماز کے آخر تک وہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے عاجز ہو۔

اگر دوران نماز کسی کے کہلوانے یا قرآن مل جانے وغیرہ کی وجہ سے سورہ فاتحہ پر قادر ہو جائے اور ابھی بدل سے فارغ نہیں ہوا یا بدل کو شروع ہی نہیں کیا۔ تو سورہ فاتحہ کی تلاوت لازم ہے۔

رکوع کے بعد اس طرح قدرت حاصل ہوتی ہے، تو یہ رکعت صحیح ہو چکی۔ رکوع سے سورہ فاتحہ پڑھنے کیلئے لوٹنا جائز نہیں ہے۔ رکوع سے قبل اور بدل سے فارغ ہونے کے بعد قدرت حاصل ہوئی ہے تو سورہ فاتحہ کا پڑھنا لازم نہیں ہے۔

آمین: سورہ فاتحہ پڑھنے والے ہر شخص کو، چاہے نماز کے اندر پڑھے یا خارج نماز سورہ فاتحہ کے بعد آمین (قبول کر) کہنا سنّت ہے۔ "ولا الضآلین" اور "آمین" کے درمیان معمولی سا سکتہ مستحب ہے تا کہ اس میں اور قرآن میں فرق معلوم ہو۔

امام، مقتدی اور منفرد (تنہا نمازی) ہر ایک کیلئے آمین کہنا مستحب ہے، یہ تینوں بھی جہری نماز میں آمین کو جہراً ادا کریں۔ مقتدی کی آمین امام کے آمین کے ساتھ ہونا مستحب ہے، نہ کہ اس سے آگے پیچھے۔ اگر ساتھ فوت ہو جائے تو اس کے بعد کہہ لے۔ کسی نے آمین کو ترک کر دیا اور دوسری چیز (مثلاً سورت کی تلاوت) میں مشغول ہو گیا تو آمین فوت ہو چکی اب لوٹ کر اسے ادا نہ کرے۔

احادیث: آپ ﷺ "امُّ القُرآن" (سورہ فاتحہ) کی تلاوت سے فارغ ہونے پر بلند آواز سے آمین کہتے تھے (قال الدارقطنی۔ اسنادہ حسن والحاکم صحیح علی شرطہما۔)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی جب "ولا الضالین" پر پہنچے تو آمین کہا پھر (نماز کے بعد) فرمایا کہ تم سب سے بڑھ کر میری نماز آپ ﷺ کی نماز سے مشابہ ہے۔ (رواہ النسائی وعلقہ البخاری)

(۳) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے نماز میں "ولا الضالین" کے بعد بلند آواز سے آمین کہی" (رواہ ابوداود، والدارقطنی، وابن حبان)

(۴) آپ ﷺ کا ارشاد ہے جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ اس لئے کہ ملائکہ آمین کہتے ہیں، لہٰذا جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو (اسی وقت ادا ہو) اس کے سابقہ گناہ معاف ہونگے۔ (متفق علیہ۔ تلخیص ۲۵۲۔۲۵۴) امام مطلوبہ وقت پر آمین نہ کہے تو مقتدی آمین کہہ لے (فتح الوہاب)

سورہ فاتحہ کے بعد تلاوت

فجر کی نماز اور دیگر نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں امام اور منفرد کیلئے سورہ فاتحہ کے بعد کچھ اور تلاوت کرنا سنّت ہے۔ نفل نماز دو رکعت سے زائد ادا کرے، اور دو رکعت پر تشہد نہ پڑھے، تو بقیہ رکعتوں میں بھی فاتحہ کے بعد تلاوت کرے۔ (حاشیۃ الجمل۔ شرح مھذب ۳۸۷/۳) سورت کی تلاوت سنّت ہے، لہٰذا نہ پڑھے تو نماز صحیح ہوگی، اور سجدہ سہو بھی نہیں کرے گا۔ نماز جنازہ میں سورت کی تلاوت مستحب نہیں ہے۔ (الاذکار ص ۴۶)

کسی سورت کا کچھ حصہ پڑھ لینے سے بھی اصل استحباب حاصل ہو جائے گا۔ لیکن مکمل سورت پڑھنا افضل ہے، حتیٰ کہ کسی چھوٹی سورت کا مکمل پڑھ لینا اس کے بقدر بڑی سورت میں سے چند آیات پڑھ لینے سے اولیٰ (بہتر) ہے۔ سنّت ہیکہ پہلی رکعت کی قرأت دوسری رکعت کی قرأت سے طویل ہو۔ (جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت سے ثابت ہے۔ فتح الوھاب)

فجر کی نماز میں طِوالِ مفصل (جیسے سورہ حجرات) کی تلاوت، ظہر میں فجر کے قریب، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کی تلاوت مستحب ہے۔ مذکورہ ترتیب نسائی وغیرہ میں موجود ہے۔ (محلی ۱۵۴/۱ فتح الوھاب)

تلاوت کی مذکورہ ترتیب منفرد اور اس امام کیلئے مستحب ہے جس کے مقتدی متعین و محدود اور تطویل سے راضی ہوں، عام ائمہ تخفیف پر عمل کریں۔ (حاشیۃ القلیوبی وغیرہ)

سورہ حجرات سے سورہ عم یتساء لون تک طِوالِ مفصل، وہاں سے سورہ والضحیٰ تک اَوْساط مفصل، پھر آخر تک (سورہ ناس تک) قِصار مفصل ہے۔ (شرح علی ۱۵۴/۱۔ تحفہ المحتاج۔ ۵۵/۲)

صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ قاف اور مرسلات جیسی سورتیں طوال مفصل، جمعہ جیسی سورتیں اوساط مفصل، اور والعصر جیسی سورتیں قصار مفصل ہیں۔ صاحب مغنی فرماتے ہیں۔ کہ حجرات، اقتربت، الرحمن، جیسی سورتیں طوال، مفصل، والشمس وضحاھا، اور واللّیل اذا یغشی، جیسی سورتیں اوساط مفصل، اور والعصر، اور اخلاص، جیسی سورتیں قصار مفصل ہیں۔ (حاشیۃ الشروانی۔ علی التحفہ ۵۵/۲)

جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الٓمّٓ تَنْزِیْل (سورہ سجدہ) اور دوسری رکعت میں "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ" (سورہ دہر) مکمل پڑھنا سنّت ہے۔

مذکورہ دونوں سورتوں کا پڑھنا شیخین کی روایت سے ثابت ہے (محلی ۱۵۴/۱) اگر پہلی رکعت میں سورہ دہر کی تلاوت کی تو دوسری رکعت میں سورہ سجدہ کی تلاوت کرے۔ پہلی رکعت میں کسی اور سورت کو پڑھ لیا تو دوسری رکعت میں دونوں سورتوں کو پڑھ لے۔ اگر یہ دونوں سورتیں نہ پڑھے تو اس کے بدلہ میں "سَبِّحِ اسْمَ اور هَلْ اَتٰىكَ" پڑھ لے، ورنہ سورہ کافرون اور اخلاص پڑھ لے (حاشیۃ القلیوبی ۱۵۴/۱)

جن نمازوں میں بعض سورت (یعنی کسی سورت کے کچھ حصہ) کا پڑھنا ثابت ہے، وہاں وہی افضل ہے جیسے فجر کی سنّت میں سورہ بقرہ اور آل عمران کی ایک ایک آیت، اور تراویح کی نماز، اسلئے کہ ماہ رمضان میں تراویح میں مکمل قرآن کی تلاوت مطلوب ہے، البتہ کہیں قرآن مکمل نہ پڑھا جائے تو مکمل سورت کا پڑھنا افضل ہوگا (حاشیۃ القلیوبی علی المحلی ۱۵۴/۱۔ حاشیۃ الجمل۔ ۳۵۹/۱)

جہری نماز میں امام کی تلاوت کی آواز سنائی دے رہی ہو تو مقتدی سورت کی تلاوت نہ کرے بلکہ امام کی تلاوت کو بغور سنے۔ سری نماز میں اور جہری نماز میں جبکہ دوری یا بہرہ پن کی وجہ سے امام کی آواز سنائی نہ دے تو مقتدی کو بھی سورت کی تلاوت مسنون ہے۔ سورت کو سورہ فاتحہ سے قبل پڑھ لیا تو اس کا اعتبار نہ ہو گا (اس سے سورت کی سنّت حاصل نہ ہو گی)

جس جگہ غیر محرم (اجنبی) مرد تک آواز پہنچتی ہو، عورت جہراً تلاوت نہ کرے، اگر تنہا ہو یا صرف عورتیں ہوں، یا محرم مرد ہوں، تو جہر کر سکتی ہے۔

دن کی مطلق نفل نمازوں میں سراً تلاوت کی جائے۔ رات کی نفل نمازوں میں جہر اور سر کے بین بین (درمیان) تلاوت کی جائے البتہ قریب میں کسی نمازی یا سونے والے کو تلاوت کی آواز سے تکلیف ہو تو سراً تلاوت کرے۔ لیکن تراویح مستثنٰی ہے اس میں جہراً تلاوت ہو گی۔

تلاوت کے مستحبات: قرآن پڑھنے والے کیلئے چاہے نماز میں پڑھے یا خارج نماز، یہ امور مستحب ہیں: جب آیت رحمت پڑھے تو رحمت کی دعا کرے، جب آیت عذاب پڑھے تو اس سے پناہ چاہے، تسبیح کی آیت پڑھے تو تسبیح پڑھے، جس آیت میں مثال ہو اس پر غور کرے جب "اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الحَاكِمِيْنَ" (سورہ والتین) پڑھے "تو بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰالِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ" پڑھے "فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْن" (المرسلات) پڑھے تو "آمَنَّا بِاللّٰهِ" کہے امام کی تلاوت پر مقتدی بھی ان امور کو انجام دے۔

تلاوت کے متعلق بعض مسائل: امام اور منفرد کے لئے فجر، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں، جمعہ، عید، خسوف، قمر، (چاند گہن) استسقاء، تراویح، رمضان کی وتر، اور طواف کی دو رکعت میں (جبکہ اسے رات یا فجر کے وقت ادا کیا جائے) جہراً تلاوت کرنا سنّت ہے۔ دیگر تمام نمازوں میں سراً تلاوت سنّت ہے۔ البتہ رات کی نفل مطلق میں درمیانی صورت اختیار کرے۔ (فتح الوہاب مع جمل ۱/۳۶۰)

سورت کی تلاوت میں مصحف کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا مستحب ہے۔ لہٰذا دوسری رکعت میں پہلی رکعت کی سورت سے (متصل) بعد والی سورت پڑھے (جس نماز میں مستقل سورتیں وارد ہیں۔ وہ اس سے مستثنٰی ہے) اگر اس کی خلاف ورزی کی تو جائز ہے (لیکن خلاف اولیٰ ہے) (الاذکار ص ۴۶)

جمعہ کی فجر کی پہلی رکعت میں مکمل "الٓمٓ تَنْزِيْلُ السَّجدَه" اور دوسری رکعت میں مکمل "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ" (سورہ دہر) کی تلاوت سنّت ہے۔ بعض عوام کا دونوں سورت کا صرف کچھ حصہ پڑھ لینا خلاف سنّت ہے۔ (عام جماعت کے امام کیلئے بھی مذکورہ سورتوں کا پڑھنا سنّت ہے۔) عید اور استسقاء کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ق، اور دوسری رکعت میں سورہ "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَة" سنّت ہے، یا پھر پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" اور دسری رکعت میں "هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَة" پڑھے، دونوں بھی سنّت ہے۔ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ "منافقون" سنّت ہے، یا پھر پہلی میں سبح اسم اور دوسری میں "هل اتاك" دونوں بھی سنّت ہے۔ ان مقامات میں مذکورہ سورت کے بعض حصہ پر اکتفاء نہ کرنی چاہیے، اگر تخفیف (ہلکی نماز) کا ارادہ ہے تو تلاوت کی رفتار کچھ اعتدال کے ساتھ تیز کرے۔ فجر کی سنّت کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد "قُوْلُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ

مُوۡسیٰ وَ عِیۡسیٰ وَ مَا اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّھِمۡ لَانُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِنۡھُمۡ وَ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ" (سورہ بقرہ آیت ۱۳۶) اور دوسری رکعت میں "قُلۡ یٰٓاَھۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍۢ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللہَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَیۡئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللہِ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡھَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ" (سورہ آل عمران آیت ۶۴) پڑھنا سنّت ہے یا پہلی رکعت میں "قُلۡ یٰٓاَیُّھَا الۡکٰفِرُوۡن" اور دوسری رکعت میں "قُلۡ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ" پڑھنا سنت ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ان دونوں ترتیب کا آپ ﷺ سے عملاً ثبوت ہے، سنت مغرب، طواف، اور استخارہ کی پہلی رکعت میں "قُلۡ یٰٓاَیُّھَا الۡکٰفِرُوۡنَ" اور دوسری میں "قُلۡ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ" پڑھے۔ اگر تین رکعت وتر ادا کر رہا ہے تو پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلٰی" اور دوسری میں قُلۡ یٰٓاَیُّھَا الۡکَافِرُوۡنَ، اور تیسری میں "قُلۡ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ" اور معوذتین "قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ اور قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھنا سنّت ہے۔ مذکورہ تمام تفصیل مشہور احادیث سے ثابت ہیں (الاذکار ص ۴۸)

مذکورہ تفصیل کے مطابق کسی نماز کی پہلی رکعت میں مسنون سورت نہ پڑھے تو دوسری رکعت میں دونوں سورتوں کو پڑھ لے تاکہ اس کی نماز ان دونوں سورتوں سے خالی نہ رہے۔ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ منافقون پڑھ لی۔ تو اب دوسری رکعت میں سورۂ جمعہ پڑھ لے۔ سورہ منافقون کو نہ دوہرائے۔ رات کی نماز کی قضاء دن میں یا اس کے برعکس ہو تو جہر اور سر کے سلسلے میں قضاء کے وقت کا اعتبار ہو گا۔ (لہٰذا ظہر کی نماز رات میں قضاء کرے تو جہراً تلاوت کرے، اور عشاء کی نماز دن کو قضاء کرے تو سراً تلاوت کرے) جہری نماز میں جہراً اور سری نماز میں سراً تلاوت کرنا سنّت ہے۔ واجب نہیں ہے، لہٰذا اس کے برعکس کیا تو نماز صحیح ہے، لیکن مکروہ تنزیہی کا مرتکب قرار دیا جائے گا اور سجدہ سہو نہیں کرے گا۔

نماز میں آہستہ تلاوت کرنے اور دیگر مشروع اذکار کے پڑھنے میں خود کو سنائی دینا لازم ہے۔ بغیر عارض کے ایسا پڑھے کہ خود نہ سن سکے تو اس کا اعتبار نہ ہو گا۔ (الاذکار ص ۴۸)

سکتے: امام کیلئے جہری نماز میں چار سکتے مستحب ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کے بعد تاکہ دعا استفتاح پڑھ لے۔

(۲) سورہ فاتحہ کے بعد فاتحہ کے آخر اور آمین کے درمیان بہت ہلکا سا سکتہ کرے تاکہ یہ واضح ہو کہ آمین فاتحہ میں داخل نہیں۔

(۳) آمین کے بعد اتنا طویل سکتہ کرے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ سکے۔

(۴) تلاوت اور رکوع کی تکبیر کے درمیان مختصر سکتہ کرے۔ (الاذکار ص ۴۹)

فصل: رکوع کے متعلق

کم سے کم رکوع کیلئے ایک معتدل الخلقت اور ہاتھ پیر کی سلامتی والے شخص کو آگے کی جانب اتنا جھکنا ضروری ہے کہ دونوں ہتھیلی گھٹنوں تک پہنچ سکے۔ اگر کوئی پیچھے کی طرف سمٹ کر گھٹنوں کو آگے نکالے اور ایسی ہیئت اختیار کرے کہ ہتھیلی گھٹنے تک پہنچ سکے، تو اس سے رکوع حاصل نہ ہو گا۔ اس ہیئت کے ساتھ آگے کی طرف جھکنا بھی پایا جائے اور دونوں کی مجموعی شکل سے ہتھیلی گھٹنے تک پہنچ سکے تب بھی یہ رکوع معتبر نہ ہو گا۔ مذکورہ صحیح رکوع کیلئے کسی اور کی مدد کی ضرورت ہو یا کسی چیز کا سہارا لینے کی ضرورت ہو، تو یہ لازم ہے۔ اتنا رکوع نہ کر سکے تو جتنا ممکن ہو جھکے، جھکنے سے بالکل ہی عاجز ہو تو قیام ہی میں (سر کے اشارے سے ورنہ پھر) آنکھ کے اشارے سے رکوع کرے۔

یہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے رکوع کا بیان ہے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے رکوع کی تفصیل (ص ۱۷۰ پر) قیام کے فصل

میں گذر چکی ہے۔

رکوع میں طمانیت واجب ہے۔ کم سے کم طمانیت یہ ہے کہ سارے اعضاء کو استقرار (ٹھہراؤ) حاصل ہو اور اس کے جھکنے اور اٹھنے میں فصل (جدائی) ہو جائے۔ اگر کوئی اقل رکوع کی حد سے آگے جھکتا چلا جائے اور پھر واپس اٹھ جائے اور حرکتیں متصل ہوں (یعنی اس دوران اعضاء میں ٹھہراؤ نہ ہو) تو اس سے طمانیت حاصل نہ ہو گی، اور یہ زیادہ جھکنا طمانیت کے قائم مقام نہ ہو گا۔ رکوع کیلئے جھکنے کے وقت کسی اور ارادے سے نہ جھکنا شرط ہے، اگر نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کر کے سجدہ تلاوت کے ارادے سے جھکے، اور رکوع کی حد کو پہنچنے کے بعد سجدہ کا ارادہ بدل کر اسے ہی رکوع میں شمار کرنا چاہے تو یہ صحیح نہ ہو گا، بلکہ واپس قیام کی طرف لوٹ کر پھر رکوع کرنا چاہئیے۔

اکمل رکوع

ھیئت: اتنا جھکے کہ اس کی پشت اور گردن تخت کی طرح بالکل ایک سیدھ میں آجائے، اور پنڈلیوں کو کوکھ تک سیدھا کھڑا رکھے، اور گھٹنوں کو نہ موڑے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑے۔ انگلیوں کے درمیان معمولی فاصلہ رکھے، اور ان (کے پشت کا) کا رخ قبلہ کی طرف رکھے، اگر ایک ہاتھ کٹا ہوا ہو یا بیمار ہو تو دوسرے ہاتھ سے مذکورہ امور انجام دے، ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھنا ممکن نہ ہو تو ایسے ہی لٹکائے رکھے۔ مرد رکوع میں اپنی کہنی کو پہلو سے دور رکھے لیکن عورت اور خنثٰی ایسا نہ کرے۔

ذِکر: جیسے ہی جھکنا شروع کرے تکبیر کہنا اور مکمل رکوع تک تکبیر کو دراز کرنا مستحب ہے تاکہ نماز کا کوئی حصہ ذکر سے خالی نہ رہے۔ دیگر تکبیرات انتقالات کا بھی یہی حکم ہے۔ تکبیر کی ابتداء کے ساتھ رفع یدین (دونوں ہاتھوں کو اٹھانا) جیسا کہ تکبیر تحریمہ میں گذر چکا مستحب ہے۔ رکوع میں تین مرتبہ "**سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ یا سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ**" پڑھنا مستحب ہے۔ (جیسا کہ مسلم اور سنن کی روایتوں میں وارد ہے)

احادیث: (۱) آپ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تکبیر کہتے (صحیحین عن ابی ہریرہ ایک روایت میں ہے۔ "ہر اٹھنے اور جھکنے میں تکبیر کہتے" صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بخاری میں حضرت ابن عباس سے بھی اس طرح مروی ہے۔ (۲) آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہر جھکنے اور اٹھنے اور قیام اور بیٹھنے میں تکبیر کہا کرتے۔ (رواہ الترمذی و رواہ احمد والنسائی) (تلخیص ۱/۲۵۸)

اس کے بعد یہ دعا پڑھنا افضل ہے۔ "**اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ وَشَعْرِيْ وَبَشَرِيْ وَمَا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ قَدَمِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ**" **ترجمہ:** اللہ میں نے تیرے لئے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرا فرمانبردار ہوا میرے کان، آنکھ، مغز، ہڈی، پٹھے، بال، کھال اور تمام اعضاء رب العالمین کے آگے جھک گئے) منفرد کیلئے تین تسبیحات سے زیادہ پڑھنا مستحب ہے۔ امام تین سے زیادہ نہ پڑھے، البتہ مقتدی تطویل سے راضی ہوں تو پڑھ سکتا ہے۔ رکوع اور سجدہ میں تلاوت مکروہ ہے۔ مستحب ہے کہ رکوع کی تکبیر کو سورہ کے آخر سے نہ ملائے بلکہ دونوں کے درمیان معمولی سکتہ کرے۔ قیام کی حالت میں تکبیر اور رفع یدین دونوں ایک ساتھ شروع کرے اگر تکبیر مکمل ہونے تک رفع یدین نہیں کیا تو اب نہ کرے، مکمل ہونے سے پہلے یاد آجائے تو کر لے، اگر کسی کی ہتھیلی کٹی ہو تو ہاتھ کے بقیہ حصے کو گھٹنے تک نہ لے جائے تاکہ رکوع کی ہیئت میں تبدیلی نہ ہو۔ تکبیر تحریمہ، رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہر نمازی کے لئے مستحب ہے، چاہے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو یا بیٹھ کر یا

لیٹ کر یا اشارے سے جیسا کہ اُمّ میں اس کی صراحت ہے۔ رکوع میں ذکر کی اقل مقدار ایک تسبیح ہے۔ بکثرت صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ رکوع کیلئے تکبیر کہتے تھے، یہ تکبیر سنت ہے، اسے ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن اس سے نہ نماز باطل ہوگی اور نہ سجدہ سہو کرے گا۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز کے سبھی تکبیرات کا یہی حکم ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ رکوع اور سجدہ میں "سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي"(ترجمہ۔ یا اللہ اے ہمارے رب پاکی اور تعریف تیرے ہی لئے ہے یا اللہ مجھے بخش دے) پڑھتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ رکوع میں یہ پڑھتے "اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ" سنن میں یہ الفاظ ہیں "خَشَعَ سَمْعِي وَ بَصَرِيْ وَ مُخِّيْ وَ عَظْمِيْ وَ مَا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ قَدَمِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن" صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ رکوع اور سجدہ میں یہ تسبیح پڑھتے۔ "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ" ترجمہ: پاک ہے، مقدس ہے، فرشتوں اور روح الامین کا رب ہے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا آپ ﷺ نے سورہ بقرہ تلاوت فرمائی جب رحمت کی آیت پڑھتے تو رک کر رحمت کی دعا کرتے، اور آیت عذاب پڑھتے تو پناہ چاہتے، پھر قیام کے بعد رکوع کیا اور رکوع میں یہ پڑھتے رہے۔ "سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَائِ وَالْعَظْمَةِ" پھر سجدہ میں بھی یہی پڑھتے رہے۔ (ہذا حدیث صحیح رواہ ابو داود والنسائی، فی سننہما والترمذی فی کتاب الشمائل باسانید صحیحہ)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آپ ﷺ نے رکوع میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے تعظیم کا حکم دیا ہے، لہٰذا اصل مقصود رکوع میں مذکورہ کسی بھی ذکر کے ذریعے تعظیم الٰہی ہے، البتہ اگر ممکن ہو تو ان تمام اذکار کا پڑھنا افضل ہے۔ پہلے تسبیح "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" پڑھے، مختصر پڑھنا ہو تو تسبیح کو ترجیح دے، کمال کا ادنی درجہ تین تسبیح پڑھنا ہے۔ صرف ایک مرتبہ بھی پڑھے تو اصل تسبیح پر عمل ہوگا۔ ان میں سے بعض اذکار پر اکتفا کرنا ہو تو مستحب ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف اذکار کو پڑھے تاکہ سبھی پر عمل کا موقع ملے۔ دیگر مواقع کے اذکار میں بھی اسی طرح کرے۔ (یعنی ایک ہی وقت تمام اذکار کو نہیں پڑھ سکتا ہو تو مختلف اوقات میں مختلف اذکار پڑھے تاکہ سبھی پر عمل ہو جائے۔ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رکوع یا سجدہ میں تلاوت سے منع فرمایا! اس لئے رکوع و سجدہ میں تلاوت مکروہ ہے، اگر کوئی پڑھے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ (الاذکار ۵۰۔۵۱)

فصل۔اعتدال

اعتدال رکن ہے لیکن براہ راست مقصود نہیں ہے۔ اعتدال کی واجب مقدار یہ ہے کہ رکوع کے بعد دوبارہ رکوع سے پہلے جو حالت تھی اس طرف لوٹ جائے چاہے، کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو یا بیٹھ کر۔ اگر قیام سے رکوع میں گیا اور طمانینت سے پہلے ہی گر پڑا تو واپس رکوع میں لوٹ کر طمانینت حاصل کرنے کے بعد اعتدال میں لوٹنا واجب ہے۔ اور اگر طمانینت کے بعد گرا تھا تو سیدھے کھڑا ہو جائے اور سجدہ کرے۔ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سجدہ کرلے، اور شک ہو کہ اعتدال صحیح ہوا یا نہیں تو پھر قیام کی طرف لوٹنا واجب ہے، بعد میں سجدہ کرے۔

رکوع کی طرح اعتدال میں بھی طمانینت واجب ہے، کسی اور ارادے سے رکوع سے نہ اٹھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی رکوع میں سانپ دیکھ کر گھبراہٹ میں کھڑا ہو جائے، تو یہ اعتدال میں شمار نہ ہوگا۔

اعتدال کو طویل نہ کرنا واجب ہے۔ اعتدال کے وقت سابقہ کیفیت کے مطابق رفع یدین مستحب ہے۔ جیسے ہی رکوع سے سر اٹھانا

شروع کرے رفع یدین بھی شروع کرے اور جب مکمل اعتدال میں پہنچ جائے تو ہاتھوں کو نیچے لائے۔ اٹھتے وقت "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ" کہنا مستحب ہے۔

جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو "رَبَّنَا لَکَ الۡحَمۡدُ" یا "رَبَّنَا وَلَکَ الۡحَمۡدُ" اور "مِلۡأُ السَّمٰوٰتِ وَ مِلۡأُ الۡاَرۡضِ وَ مِلۡأُ مَا شِئۡتَ مِنۡ شَیۡءٍ بَعۡدُ" پڑھے۔ **ترجمہ:** اے رب ہمارے ساری تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے وہ بھر کر اور ان کے علاوہ تیری چاہت کے برابر (صحیح مسلم) یہ دونوں ذکر امام، مقتدی اور منفرد سبھی کیلئے مستحب ہے، امام کے علاوہ کیلئے یہ پڑھنا بھی مستحب ہے اور مقتدی حضرات راضی ہوں تو امام کیلئے بھی مستحب ہے۔ "اَہۡلَ الثَّنَاءِ وَالۡمَجۡدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الۡعَبۡدُ وَ کُلُّنَا لَکَ عَبۡدٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعۡطَیۡتَ وَلَا مُعۡطِیَ لِمَا مَنَعۡتَ وَلَا یَنۡفَعُ ذَا الۡجَدِّ مِنۡکَ الۡجَدُّ" (رواہ مسلم) اے تعریف اور بزرگی والے، بندہ نے جو کچھ کہا سچ کہا اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں جس کو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے تو نہ دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور تیرے سامنے کسی مالدار کو اس کی دولت کچھ کام نہیں دے سکتی)

مقتدیوں کی رضامندی کے بغیر امام کیلئے یہ ذکر پڑھنا مکروہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کی اقتداء میں "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ" کے بعد ایک صحابی "رَبَّنَا وَلَکَ الۡحَمۡدُ حَمۡدًا کَثِیۡرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیۡہِ" (**ترجمہ:** اے ہمارے رب اور ساری کثیر و پاکیزہ اور بابرکت تعریفیں تیرے ہی لئے ہے۔) پڑھتے ہیں۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تیس سے کچھ اوپر فرشتوں کو اس کی طرف سبقت کرتے دیکھا کہ کون پہلے اسے لکھ لیتا ہے (صحیح بخاری) اعتدال میں ان تمام اذکار کا پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ رکوع کے ذکر میں گذرا۔ بعض پر اکتفاء کرنا ہو تو "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الۡحَمۡدُ مِلۡأُ السَّمٰوٰتِ وَمِلۡأُ الۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَھُمَا وَ مِلۡأُ مَا شِئۡتَ مِنۡ شَیۡءٍ بَعۡدُ" پڑھے۔ اور اختصار کرنا ہو تو "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الۡحَمۡدُ" پڑھے۔ یہ سارے اذکار مستحب ہیں، ان کا ترک کرنا مکروہ تنزیہ ہے۔ ترک کی وجہ سے سجدہ سہو نہ کرے۔ اعتدال میں تلاوت مکروہ ہے۔ (الاذکار۔ ۵۲۔ ۵۳)

امام "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ" جہراً اور "رَبَّنَا لَکَ الۡحَمۡدُ" سراً کہے مقتدی (اور منفرد) دونوں ہی سراً کہے، رکوع کرنے کے بعد کوئی عذر ایسا پیش آئے کہ کھڑا نہیں ہو سکتا تو رکوع ہی سے سجدہ میں جائے اور اس عذر کی وجہ سے اعتدال ساقط ہو جائیگا۔ پیشانی زمین پر ٹیکنے سے پہلے عذر ختم ہو جائے تو واپس اعتدال کی طرف لوٹ کر پھر سجدہ میں جانا واجب ہے۔ اگر پیشانی زمین پر رکھنے کے بعد عذر ختم ہو تو اب اعتدال کی طرف نہ لوٹے بلکہ اعتدال ساقط ہو گا۔ اگر کوئی مسئلہ جاننے کے باوجود لوٹے تو نماز باطل ہو گی۔ لاعلمی کی وجہ سے لوٹا ہے تو نماز باطل نہ ہو گی۔

قنوت

لفظ قنوت عربی زبان میں مختلف معانی میں مستعمل ہے۔ دعاء، خشوع، عبادت، اطاعت، عبودیت کا اقرار، سکوت، نماز، قیام، طول قیام، دوام طاعت، یہاں نماز کے قیام کے مخصوص محل میں دعاء مراد ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۳۶۸)

احادیث: (۱) آپ ﷺ ایک ماہ تک بئر معونہ میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قاتلین پر (بد دعا کرتے ہوئے) قنوت پڑھتے رہے، پھر اسے ترک کیا۔ البتہ فجر میں اس دار فانی سے کوچ کرنے تک قنوت پڑھتے رہے (احمد والدار قطنی

والبیہقی وصححہ الحاکم فی کتاب القنوت۔ تلخیص ۱/۲۶۱)

(۲) بیہقی میں ہے کہ عوام بن حمزہ نے ابو عثمان سے قنوت فجر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رکوع کے بعد، پھر پوچھا کس سے (ثبوت ہے؟) تو فرمایا حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے۔

(۳) حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فجر میں قنوت پڑھا کرتے۔ حضرت اسود نے فرمایا کہ میں نے سفر و حضر میں حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ صرف فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ (بیہقی) حضرت عبد اللہ بن معقل سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فجر میں قنوت پڑھی (بیہقی والشافعی۔ تلخیص۔ ۱/۲۶۲)

الفاظ قنوت: حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات سکھلائے جسے میں وتر میں پڑھتا ہوں۔ ''اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِیْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا يُقْضٰی عَلَيْكَ وَاِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ'' (وقال الترمذی حدیث حسن)

ترجمہ: اے اللہ مجھے ہدایت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے ہدایت دی اور مجھے عافیت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے عافیت دی اور میرا اولی بن جا ان لوگوں کے ساتھ جن کا تو والی بنا۔ اور جو کچھ تو نے عطا کیا اس میں برکت دے۔ اور جس کا تو نے فیصلہ کیا اس کے شر سے مجھے بچا اس لئے کہ بیشک تو حکم کرتا ہے۔ اور تجھ پر حکم نہیں کیا جا سکتا اور تو جس کا والی بن گیا وہ ذلیل نہیں ہو سکتا۔ اے ہمارے رب تو برکت والا ہے اور تو بلند ہے۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فجر میں یہی دعا قنوت پڑھتے تھے۔ نسائی کی ایک روایت کی روشنی میں اس کے بعد ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ'' کہنا مستحب ہے۔ (الاذکار ـ ۵۷) بیہقی کی ایک روایت میں ''تبارکت'' سے قبل ''وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ'' بھی ہے۔ (تلخیص الحبیر ۱/۲۶۵) بعض صحابہ کرام سے قنوت کے بعد درود پڑھنا ثابت ہے، (ارواء الغلیل للالبانی ۲/۱۷۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وارد یہ قنوت پڑھنا بھی بہتر ہے۔ ''اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَخْلَعُ مَنْ يَفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰی عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِق۔ اَللّٰهُمَّ عَذِّبِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَاءَكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ وَثَبِّتْهُمْ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَوْزِعْهُمْ اَنْ يُوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِیْ عَاهَدْتَهُمْ عَلَيْهِ وَانْصُرْهُمْ عَلٰی عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اِلٰهَ الْحَقِّ وَاجْعَلْنَا مِنْهُم'' دونوں پڑھنا مستحب ہے۔ پہلے ''اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ الخ'' پھر قنوت عمر پڑھے۔ ایک ہی قنوت پڑھنا ہو تو ''اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ الخ'' پڑھے۔ دونوں پڑھنا صرف تنہا نمازی یا ایسے امام کیلئے مستحب ہے کہ مقتدی متعین اور تطویل سے راضی ہوں۔ قنوت کی نیّت سے کوئی اور دعا یا ایسی آیت کا پڑھنا جس میں دعا ہو کافی ہے۔ لیکن حدیث میں وارد قنوت پڑھنا افضل ہے (اذکار ۵۸)

فجر کی دوسری رکعت کے اعتدال میں اور رمضان کے آخری نصف کے وتر کی آخری رکعت کے اعتدال میں دعاء قنوت مستحب ہے۔ امام صرف اپنے لئے دعا نہ کرے (یہ مکروہ ہے) بلکہ جمع کے الفاظ استعمال کرے۔ (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کیلئے صرف اپنے حق

میں دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اسے مقتدیوں کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ (ابوداود، الترمذی)

قنوت کے بعد درود شریف سنّت ہے۔ (رواہ النسائی) اگر مسلمانوں پر وبا یا قحط جیسی کسی مصیبت کا نزول ہو تو دیگر چاروں فرض نماز میں بھی قنوت (نازلہ) مستحب ہے۔ امام قنوت کو جہراً پڑھے (چاہے قنوت فجر ہو یا قنوت نازلہ) اور منفرد (تنہا نمازی) سراً پڑھے۔ مقتدی امام کے دعائیہ کلمات پر آمین کہے اور ثنا کے کلمات امام کے ساتھ خود بھی پڑھے یا سنے ("فَإِنَّكَ تَقْضِيْ" سے "فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا قَضَيْتُ" تک ثنا ہے۔ اور قنوت عمر میں ابتداء سے ملحق تک ثنا اور اَللّٰهُمَّ عَذِّبِ الْكَفَرَةَ سے آخر تک دعا ہے۔ جمل) اگر امام سے دوری وغیرہ کی وجہ سے اس کی قنوت سنائی نہ دے تو مقتدی بھی خود قنوت پڑھے دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے، لیکن بعد میں چہرہ وغیرہ پر پھیرنا مستحب نہیں (مجموع میں امام بیہقی کے حوالہ سے نقل ہے کہ نماز میں چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کے متعلق نہ کوئی حدیث ہے نہ کوئی اثر اور نہ قیاس اور نہ یہ اسلاف سے ثابت ہے۔) (امام کو ثناء اور درود کے کلمات بھی جہراً پڑھنا سنت ہے۔ بشری الکریم ۱/۸۰)

اگر قنوت کی نیّت سے کسی ایسی آیت کی تلاوت کرے جو دعا کو متضمن ہو یا اس کے مشابہ ہو تو صحیح ہے، ورنہ یہ قنوت میں شمار نہ ہوگا۔ اگر رکوع سے پہلے قنوت پڑھے تو یہ معتبر نہ ہوگا۔ بلکہ رکوع کے بعد پھر لوٹائے اور سجدہ سہو بھی کرے جیسا کہ 'الام' میں صراحت ہے۔

فصل سجدہ: سجدہ نماز کا رکن ھے۔ اقل سجدہ: پیشانی زمین پر رکھنا واجب ہے، پیشانی کے دونوں طرف کے کسی کنارے کو رکھنا کافی نہیں، پیشانی کا صرف زمین سے چھو جانا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اپنے سر اور گردن کے بوجھ کو سجدہ کی جگہ ڈالنا ضروری ہے، یہاں تک کہ پیشانی ٹک جائے۔ اگر کپاس یا گھاس پھوس جیسی اشیاء پر سجدہ کرے تو اتنا بوجھ ڈالے کہ وہ دب جائے اور بالفرض اس کے نیچے اس کا ہاتھ ہو تو اس کا اثر اس پر ظاہر ہو، ورنہ سجدہ صحیح نہ ہوگا۔ دونوں ہاتھ گھٹنے اور پیروں کا بھی زمین پر رکھنا ضروری ہے، ناک رکھنا واجب نہیں ہے۔ پیشانی کا بھی کچھ حصہ بغیر کسی حائل کے سجدہ کی جگہ چھونا واجب ہے۔ اگر عمامہ کے کنارے یا دامن کے کنارے پر سجدہ کرے، جو اس کی حرکت سے حرکت کرتا ہو تو سجدہ صحیح نہیں ہوگا۔ اگر نمازی کی حرکت سے کپڑے کے اس حصہ میں حرکت نہ ہوتی ہو تو سجدہ ہو جائے گا۔ پیشانی پر زخم کی وجہ سے پٹی بندھی ہو اور اسی پر سجدہ کرے تو یہ کافی ہے، اور آئندہ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ پیشانی کے علاوہ دیگر اعضاء سجدہ کو کھلی حالت میں رکھنا واجب نہیں۔ سجدہ میں بدن کا نچلا حصہ (یعنی کمر اور اطراف کا حصہ) اوپری حصہ کے مقابلے میں اونچا ہونا ضروری ہے۔ اس ہیئت کو تنکیس کہیں گے۔ (رواہ ابوداود، والنسائی صححہ ابن حبان، حاشیۃ الروضہ)

اگر نچلا دھڑ سر وغیرہ کے مقابلے میں نیچا ہو، یا دونوں ایک ہی سیدھ میں ہو تو سجدہ صحیح نہ ہوگا۔ (عورت کا بھی یہی حکم ہے) اگر بیماری وغیرہ کی وجہ سے سجدہ میں مطلوبہ ہیئت مشکل ہو اور تکیہ وغیرہ کے سہارے وہ ہیئت ممکن ہو، تو یہ لازم ہے اور اس کے باوجود بھی یہ ہیئت حاصل نہ ہو تو یہ ضروری نہیں۔ سجدہ کیلئے جھکنے سے عاجز ہو تو سر سے اشارہ کرے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو آنکھ سے اشارہ کرے۔

سجدہ میں طمانینت واجب ہے۔ سجدہ کیلئے جھکتے وقت کوئی اور ارادہ نہ ہو، اگر اعتدال سے نیچے گر جائے تو یہ سجدہ شمار نہ ہوگا، بلکہ اعتدال کی طرف لوٹ کر پھر سجدہ میں جانا ضروری ہے۔

سجدہ کیلئے جھکتے وقت پیشانی کے بل گر جائے تو اس وقت اگر سہارے کے ارادے سے پیشانی کو زمین پر رکھا ہے تو سجدہ شمار نہ ہوگا۔ اور ایسا کوئی ارادہ نہیں پایا گیا تو شمار ہوگا۔ اگر سجدہ کیلئے جھکتے وقت پہلو کے بل گر پڑا پھر پلٹ کر سجدہ کے ارادہ سے سجدہ کی ہیئت میں آگیا، تو یہ سجدہ شمار ہوگا۔ اگر سیدھے ہونے کا ارادہ تھا اور سجدہ کی طرف توجہ نہیں تھی، تو یہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ اچھی طرح بیٹھ کر پھر سجدہ میں جائے۔ سجدہ کیلئے کھڑا نہ ہو، بلکہ عمداً کھڑا ہو تو اس زائد قیام کی وجہ سے نماز باطل ہوگی۔ سجدہ اور استقامت (سیدھے ہو جانا) دونوں کا بھی

ارادہ نہ ہو تو سجدہ صحیح ہو گا۔ لیکن صرف استقامت کا ارادہ اور ساتھ ساتھ سجدہ نہ ہونے کا ارادہ بھی ہو تو نماز باطل ہو گی۔

اکمل سجدہ: سنّت ہے کہ سجدہ کرتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ، پھر ناک اور پیشانی زمین پر رکھے۔ اور جھکنے کے ساتھ تکبیر شروع کرے اور سجدہ میں پہنچنے تک اسے دراز کرے، اس تکبیر کے وقت رفع یدین نہ کرے، سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک بھی کھلی ہوئی زمین پر رکھے، اور دونوں گھٹنوں کو جدا رکھے۔ مرد دونوں کہنیوں کو پہلو سے اور پیٹ کو رانوں سے جدا رکھے۔ اور عورت ان اعضاء کو آپس میں ملائے رکھے۔ دونوں ہاتھ کاندھوں کے بالمقابل رکھے، انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں اور ان کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔ سجدہ، جلسہ بین السجدتین، اور تشہد میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھنا سنّت ہے، بقیہ حالتوں میں اعتدال کے ساتھ (متوسط طور پر) کھلی رکھنا سنت ہے۔ سجدہ میں کلائی زمین پر نہ بچھائے، بلکہ زمین سے اٹھائے رکھے اور پیروں کی انگلیوں کے پیٹ کو زمین پر اس طرح رکھے کہ ان کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔ دونوں قدم کے درمیان تقریباً ایک بالشت کا فاصلہ رکھے اور قدموں کو دامن سے باہر نکالے۔ اگر موزے نہ پہنا ہو تو پیروں کو کھولے۔ سجدہ میں یا نماز کی کسی اور حالت میں بلا حاجت اپنے بال یا کپڑوں کو سمیٹنا مکروہ ہے۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ نے قیامت سے متعلق ایک طویل روایت میں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اللہ کی عبادت کرنے والے حضرات کو جہنم سے نکالنے کا حکم دیں گے لہٰذا وہ نکالیں گے۔ اور ان لوگوں کو سجدہ کے آثار سے پہچان لیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جہنم پر سجدہ کے اثر کو جلانا حرام رکھا ہے لہٰذا آدمی مکمل جل جائے گا سوائے سجدہ کے اثر کے۔ (بخاری و مسلم، عن ابی ہریرہ کما فی عمدۃ القاری)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ رکوع و سجدہ مکمل نہیں ادا کر رہا ہے تو نماز کے بعد اس سے فرمایا: تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اگر اس حالت پر مر گئے تو آپ ﷺ کی سنّت کے خلاف مرو گے (بخاری)

(۳) آپ ﷺ کو سات اعضاء پر سجدہ کا حکم دیا گیا۔ پیشانی، دونوں ہاتھ، (ہتھیلیاں) دونوں گھٹنے اور دونوں پیر (دونوں قدم کے کنارے) اور یہ کہ اپنے بال یا کپڑے نہ سمیٹیں۔ (صحاح ستہ کما فی العینی)

(۴) مسلم کی ایک روایت میں ہے: جب سجدہ کرو تو دونوں ہتھیلیوں کو رکھو اور کہنیوں کو اٹھاؤ۔ اور ابو داود میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ دونوں ہاتھ بھی چہرہ کی طرح سجدہ کرتے ہیں، تب پھر تم میں سے کوئی چہرہ (زمین پر) رکھے تو ہاتھ بھی رکھے اور چہرہ اٹھائے تو ہاتھ بھی اٹھائے۔ (تلخیص الحبیر)

(۵) آپ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے (سنن اربعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن السکن فی صحاحہم کما فی التلخیص)

(۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں جانے یا سجدہ سے اٹھنے کے لئے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم والنسائی کما فی عمدۃ القاری)

(۷) آپ ﷺ جب سجدہ فرماتے تو ناک و پیشانی اچھی طرح (زمین پر) ٹکاتے اور دونوں ہاتھ پہلو سے دور رکھتے اور ہتھیلی کاندھے کے بالمقابل رکھتے۔ (ابو داود و ابن خزیمہ فی صحیحہ عن ابی حمید۔ التلخیص) ابو داود کی ایک روایت میں حضرت ابو حمید نے آپ ﷺ سے سجدہ میں دونوں رانوں کو جدا رکھنا بھی نقل فرمایا ہے۔ اور بیہقی میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: آپ ﷺ سجدہ میں انگلیوں کو قبلہ رو کرتے اور قدموں میں فاصلہ رکھتے۔

سجدہ کے اذکار: سجدہ کے اذکار کے متعلق بعض روایات رکوع کے ضمن میں گذر چکیں۔ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

سے آپ ﷺ کا سجدہ میں یہ پڑھنا مروی ہے۔ ’’اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُ وَ بِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِی خَلَقَہٗ وَ صَوَّرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ تَبَارَکَ اللہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن‘‘(ترجمہ: اے اللہ میں نے تیرے لئے سجدہ کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرا فرمانبردار ہوا، میری ذات نے اس ہستی کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت گری کی، نیز اس کے کان وآنکھ بنائے، اللہ تعالیٰ کی بڑی برکت جو سب سے بہتر بنانے والا ہے) کتب سنن میں آپ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے: تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تین مرتبہ کہے۔ اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا سجدہ میں یہ پڑھنا وارد ہے۔ ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ بِمُعَافَاتِکَ مِن عُقُوْبَتِکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ‘‘

ترجمہ: (یا اللہ میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی کی، اور تیرے سزا سے تیری معافی کی، اور تیری ذات سے تیری ہی ہستی کی پناہ چاہتا ہوں، میں تیری کیا تعریف کر سکوں؟ بس تو ایسا ہی ہے جیسا خود تو نے اپنی تعریف فرمائی۔)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قرب سجدہ کی حالت میں پاتا ہے لہٰذا خوب دعا کرو، مسلم شریف کی ایک اور روایت میں سجدہ کے دعا کی قبولیت کی قوی توقع کی وجہ سے دعا میں خوب کوشش کرنے کا حکم دیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سجدہ میں یہ دعا پڑھتے۔ ’’اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجِلَّہٗ وَ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ وَ عَلَانِیَتَہٗ وَسِرَّہٗ‘‘

ترجمہ: یااللہ میرے چھوٹے بڑے اول وآخر ظاہری اور چھپے ہوئے سارے ہی گناہوں کو تو بخش دے) ممکن ہو تو سجدے میں وارد تمام اذکار پڑھے۔ ورنہ مختلف اوقات میں مختلف اذکار کو پڑھ کر سبھی پر عمل کی سعادت حاصل کرے۔ (الاذکار۔ ۵۴)

فصل۔ جلسہ بین السجدتین (دوسجدوں کے درمیان بیٹھنا)

سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد اچھی طرح طمانینت کے ساتھ بیٹھ جانا واجب ہے۔ اٹھتے وقت کوئی اور ارادہ نہ ہو اور اس نشست (یعنی بیٹھنے) کو طویل نہ کرے۔ تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھانا مستحب ہے۔ اور سنّت ہے کہ مفترشاً بیٹھے۔ (مفترشاً یعنی بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جانا اور دایاں قدم کھڑا رکھنا) دونوں ہاتھوں کی مٹھی کھول کر گھٹنے کے پاس رانوں پر رکھنا مستحب ہے۔ اگر انگلیوں کے کنارے گھٹنے کی طرف مڑ جائے تو بھی حرج نہیں۔ اگر دونوں ہاتھ رانوں کے پاس زمین ہی پر رکھ دے تو یہ قیام میں ہاتھ لٹکائے رکھنے کی طرح ہے۔ (یعنی جائز ہے)

احادیث: (۱) حضرت ابوحمید کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ پہلے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بایاں قدم موڑ کر اس پر بیٹھ گئے۔ (ابوداود والترمذی وابن حبان)

(۲) آپ ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ پڑھتے۔ ’’اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَ ارْفَعْنِیْ وَ عَافِنِیْ وَ ارْزُقْنِیْ وَ اھْدِنِیْ‘‘(ابوداود، ترمذی ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی کی روایتوں سے مجموعی طور پر یہ الفاظ سامنے آتے ہیں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں تقدیم وتاخیر ملے گی۔ کسی بھی طرح پڑھ سکتے ہیں۔ تلخیص۔ ۱/۲۷۵)

ترجمہ: یا اللہ مجھے معاف فرما، اور مجھ پر رحم فرما، مجھے غنی کر دے، مجھے بلندی عطا کر، مجھے عافیت وسلامتی دے، مجھے رزق دے، نیز مجھے ہدایت فرما)

فصل: پھر دوسرا سجدہ بھی پہلے سجدہ کی طرح کرے، اس کے واجبات اور سنّت کی وہی تفصیل ہے جو پہلے سجدہ کی ہے۔ دوسرے سجدہ سے تکبیر کہتا ہوا سر اٹھائے۔ اب تشہد کا محل نہ ہو، تو تھوڑی سی دیر بیٹھنا مستحب ہے، جسے جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ سجدہ سے اٹھتے وقت تکبیر شروع کرے اور قیام میں پہنچنے تک اسے دراز کرے، اس جلسہ میں بھی افتراش سنّت ہے، جلسہ استراحت کے بعد یا اس کے بغیر ہی کھڑا ہو تو دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر کھڑے ہونا سنّت ہے۔ ایک پیر آگے کر کے اس کے سہارے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ نماز کی طاق رکعت میں ہوتے (پہلی یا تیسری رکعت میں) تو اٹھنے سے پہلے اچھی طرح بیٹھ جاتے۔ (رواہ البخاری عن مالک بن الحویرث) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین کا سہارا لیتے پھر کھڑے ہو جاتے۔

(۲) ایک مرتبہ حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کے مجمع میں آپ ﷺ کے نماز کا طریقہ بتلایا جس میں فرمایا کہ...... پھر آپ ﷺ سجدے میں گئے پھر پیر بچھا کر بیٹھ گئے یہاں تک کہ ہر جوڑ اپنی جگہ لوٹ جائے پھر کھڑے ہوئے۔ (رواہ ابوداود، والترمذی۔ تلخیص۔ ۲۷۶)

فصل۔ تشہّد اور تشہّد کیلئے بیٹھنا

اگر نماز کے آخر میں ہو تو یہ دونوں فرض ہیں اور درمیان میں ہو تو سنّت ہیں۔ کسی خاص ہیئت میں بیٹھنا لازم نہیں ہے، بلکہ کسی بھی طرح بیٹھے تو کافی ہے، لیکن آخری تشہد میں تورّک کی ہیئت پر بیٹھنا اور درمیانی تشہد میں افتراش کی ہیئت میں بیٹھنا سنّت ہے۔

افتراش: بائیں پیر کو اس طرح رکھنا کہ اس کی پشت زمین کی طرف ہو اور اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر کھڑا رکھ کر اس کی انگلیوں کے کنارے روئے زمین پر قبلہ رو رکھے۔

تورّک: یہ نشست بھی افتراش کی طرح ہی ہے لیکن اس میں بائیں پیر کو دائیں طرف باہر نکال کر بائیں سرین کو زمین سے لگادے۔

مسبوق امام کے آخری تشہد میں مفترشاً بیٹھے۔ کسی کو تشہد کے بعد سجدہ سہو کرنا ہو تو وہ مفترشاً بیٹھے۔ (سجدہ سہو کے بعد تورّکاً بیٹھ کر سلام پھیرے) دونوں تشہد میں ہاتھ رانوں پر گھٹنے سے قریب رکھے۔ بائیں ہاتھ کی انگلیاں کھلی اور آپس میں ملی ہوئی قبلہ رو رکھے۔ دائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں بند کرے اور تشہد کی انگلی کھلی رکھے۔

انگوٹھے کو شہادت کی انگلی کے نیچے ہتھیلی کے کنارے رکھے۔ (رواہ مسلم) تشہد میں جب اِلاَّ اللہ کے ہمزہ (الف) پر پہنچے تو شہادت کی انگلی اٹھانا مستحب ہے۔ لیکن اسے حرکت نہ دے۔ اگر حرکت دیتا رہے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ (لیکن مکروہ ہے) بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ مکروہ ہے۔ اگر دائیں ہاتھ کی انگلی کٹی ہو تب بھی بائیں انگلی سے اشارہ نہ کرے۔

آخری تشہد واجب ہے۔ اور اس میں آپ ﷺ پر درود پڑھنا بھی واجب ہے، اور آپ ﷺ کے آل پر درود پڑھنا سنّت ہے۔ پہلے تشہد میں آپ ﷺ پر درود پڑھنا سنّت ہے۔ آل النبی ﷺ سے بنو ہاشم اور بنو المطلب مراد ہیں، جیسا کہ امام شافعیؒ نے صراحت فرمائی ہے بعضوں کے یہاں اس سے سارے مسلمان مراد ہیں۔

اکمل تشہد: ”اَلتَّحِیَاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللهِ" (رواہ مسلم، الشافعی، الترمذی، الدار قطنی، عن ابن عباس، تلخیص الحبیر ۱/۲۸۱) **ترجمہ:** زبانی، بدنی، مالی تمام عبادات اللہ ہی کے لئے ہیں، اے نبی آپ پر سلام، اور اللہ کی رحمت وبرکت نازل ہو، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔)

دونوں جگہ السلام کے بجائے سلام بھی وارد ہے، وہ بھی پڑھ سکتا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد بھی پڑھ سکتا ہے۔ تشہد ابن مسعود کے الفاظ۔" اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ" بقیہ حسب بالا، لیکن آخر میں "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ" (متفق علیہ)

تشہد عمر:" اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ" بقیہ تشہد ابن مسعود کی طرح (رواہ مالک والشافعی والحاکم والبیہقی)

اقل تشہد:" اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ سَلَامٌ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللهِ"

درود:" اقل درود: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ، يَا صَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ، يا صَلَّى اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل پر اقل درود کیلئے آگے وآلہ بڑھائے۔

اکمل درود:" اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" (رواہ النسائی والحاکم)

احادیث: (۱) حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب دوسری رکعت پر بیٹھتے تو بائیں پیر پر بیٹھتے (یعنی افتراش کی ہیئت پر) اور آخری رکعت میں بیٹھتے تو بائیں پیر کو آگے بڑھا کر دوسرا کھڑا رکھتے اور اپنی سرین پر بیٹھتے (یہی تورک کی کیفیت ہے) (رواہ البخاری)

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور ساری انگلیاں بند کرتے اور انگوٹھے سے متصل انگلی (شہادت کی انگلی) سے اشارہ کرتے۔ (مسلم عن ابن عمر)

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں بیٹھتے تو دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن (۵۳) گننے والے کی طرح انگلیاں رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ (مسلم عن ابن عمر)

اس کی صورت یہ ہے کہ انگوٹھا شہادت کی انگلی کی جڑ میں معترضاً (یعنی آڑی) ہو۔ (تلخیص۔ ۲۷۹)

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے اور اسے حرکت نہ دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اشارہ سے آگے نہ بڑھتی۔ (احمد و ابوداود والنسائی وابن حبان فی صحیحہ) جس روایت میں انگلی ہلانے کا ذکر ہے، اسے بقول امام بیہقی اپنے وقت پر اشارہ کے لئے اٹھانے پر محمول کریں گے، اس سے مسلسل حرکت دینا مراد نہیں لیں گے تاکہ روایات میں تعارض باقی نہ رہے۔ (تلخیص)

افضل درود:" اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا

بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" (الاذکار ص ۸۳) ترجمہ: اے اللہ اپنی خاص رحمت (درود) نازل فرما حضرت محمد مصطفی ﷺ پر جو تیرے بندے اور رسول اور امی نبی ہیں اور آپ ﷺ کے آل بیبیوں اور اولاد پر جیسی خاص رحمت تو نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے آل پر نازل فرمائی۔ اے اللہ برکت نازل فرما حضرت محمد مصطفی ﷺ پر اور آل وازواج واولاد پر جیسی برکت تو نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی آل پر نازل فرمائی۔ دونوں جہاں میں، بلا شبہ تو ہی تعریف کا مستحق ہے، تو بڑی شان والا ہے۔)

درود کے بعد دعا مستحب ہے دنیا وآخرت سے متعلق جو دعا بھی چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن اخروی دعا افضل ہے اور احادیث سے ثابت دعاؤں کا پڑھنا زیادہ پسندیدہ ہے۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ نے تشہد کے سکھانے کے بعد فرمایا پھر اپنے پسند کی دعا مانگے (متفق علیہ عن ابن مسعود)

(۲) تم میں سے کوئی تشہد اخیر سے فارغ ہونے کے بعد چار چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہے، عذاب جہنم، عذاب قبر، زندگی اور موت کے فتنے، مسیح دجال کا شر۔ (متفق علیہ عن ابی ہریرہ) مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ" (اے اللہ! میں عذاب جہنم، عذاب قبر، حیات وموت کے فتنے، اور مسیح دجال کے فتنے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

(۳) آپ ﷺ نماز میں یہ دعا پڑھتے۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ" (متفق علیہ عن عائشہ) (آخری جملہ کا ترجمہ ہے: اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں گناہ اور قرض سے)

(۴) آپ ﷺ تشہد اور سلام کے درمیان یہ پڑھتے۔ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَ مَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّي اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ" (رواہ مسلم عن علی رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: یا اللہ میرے تمام گناہ بخش دے، اگلے، پچھلے، سری، ظاہری، زیادتیاں، اور جن کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے، تو ہی آگے کر دینے والا اور تو ہی (توفیق چھین کر) پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۵) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی درخواست پر آپ ﷺ نے نماز میں پڑھنے کیلئے یہ دعا سکھلائی۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" (متفق علیہ عن عبد اللہ بن عمر) مسلم کی بعض روایات میں کبیراً ہے، لہٰذا دونوں کو جمع کر کے "ظُلْمًا كَثِيْرًا كَبِيْرًا" پڑھنا مستحب ہے۔ (الاذکار صفحہ ۶۴) (ترجمہ: یا اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں، تو اپنی رحمتِ خاص سے مجھ کو بخش دے، تو بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔)

امام کیلئے افضل ہے کہ دعا تشہد اور درود سے کم ہو، کیونکہ یہ ان کے تابع ہے۔ امام کیلئے لمبی دعا پڑھنا مکروہ ہے۔ تشہد اول میں صرف آپ ﷺ پر درود تک پڑھے۔ تشہد اوّل کو طویل کرنا اور اس میں دعا پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر طویل کیا تو نماز باطل نہیں ہو گی، اور نہ سجدہ سہو کی ضرورت ہے، عمداً طویل کیا ہو یا سہواً۔ عربی میں پڑھ سکتا ہو تو اس کا ترجمہ کرنا جائز نہیں۔ اگر عاجز ہو تو ترجمہ کرے۔ اسی طرح جس کو عربی میں دعا یاد نہ ہو وہ ماثورہ دعا (وہ دعا جو حدیث میں ہو) کا ترجمہ کر سکتا ہے۔ اور اگر عربی میں پڑھ سکتا ہے تو ترجمہ جائز

نہیں۔ ترجمہ کرے گا تو نماز باطل ہوگی۔ اپنی جانب سے غیر عربی میں دعا بنا کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دیگر اذکار، جیسے تشہد اول، قنوت، تکبیرات انتقالات اور تسبیحات عربی میں پڑھ سکتا ہو تو ترجمہ ممنوع ہے، عاجز ہو تو جائز ہے۔ تشہد اول سے تکبیر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے۔ اس وقت بھی رفع یدین کرنا سنّت ہے جیسا کہ صحیح بخاری شریف وغیرہ میں آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

چار رکعت والی نماز میں بائیس تکبیریں اور تین رکعت والی میں سترہ اور دو رکعت میں گیارہ تکبیریں مشروع ہیں۔

سلام پھیرنا

سلام بھی نماز کا رکن ہے۔

اقل سلام: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا ہے۔ اگر کوئی سلام علیک کہے تو ناکافی ہے، اگر "عَلَیْکُمُ السَّلَامُ" کہے تو جائز ہے۔ "سَلَامٌ عَلَیْكَ" "سَلَامِي عَلَیْکُمْ" "سَلَامُ اللهِ عَلَیْکُمْ" "سَلَامٌ عَلَیْهِمْ" یہ الفاظ ناکافی ہیں۔ "سَلَامٌ عَلَیْهِمْ" کے علاوہ ان میں سے کوئی لفظ عمداً کہے تو نماز باطل ہوگی۔ سلام کے وقت نماز سے نکلنے کی نیّت واجب نہیں ہیں (البتہ سنّت ہے) بیٹھنے کی حالت میں سلام پھیرنا واجب ہے۔

اکمل سلام: " اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ" ہے۔ دوسرا سلام پھیرنا سنّت ہے۔ پہلا دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف، قبلہ رو حالت میں سلام شروع کرے پھر اس طرح چہرہ پھیرے کہ سلام کے الفاظ مکمل ہونے تک چہرہ کا پھیرنا بھی مکمل ہو جائے، اور چہرہ اتنا پھیرے کہ اس کا ایک رخسار (گال) دکھائی دے (پہلے سلام میں دایاں رخسار اور دوسرے سلام میں بایاں رخسار پیچھے والے کو دکھائی دے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۳۹۳)

امام کیلئے پہلے سلام کے وقت دائیں طرف موجود فرشتے اور مسلمان جنات وانسان پر سلام کی نیّت کرنا مستحب ہے اور دوسرے سلام سے بائیں جانب والوں کے حق میں نیّت کرے۔ مقتدی بھی اسی طرح نیّت کرے۔ مزید اگر وہ امام کے دائیں جانب ہے تو اپنے دوسرے سلام سے امام کے جواب کی نیّت کرے اور بائیں جانب ہے تو پہلے سلام سے نیّت کرے۔

اور بالکل اس کے پیچھے ہوگا تو کسی بھی سلام سے جواب کی نیّت کرے۔ پہلے سلام سے کرنا افضل ہے۔ مقتدی بعض بعض کے جواب کی نیّت کرے۔ تنہا نمازی دونوں سلام سے دونوں طرف موجود فرشتوں کی نیّت کرے۔ ہر نمازی کیلئے پہلے سلام کے وقت نماز سے نکلنے کی نیّت مستحب ہے۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ دائیں طرف " اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ" اور بائیں طرف " اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ" کہہ کر سلام پھیرتے۔ (سنن اربعہ، دارقطنی، ابن حبان، عن ابن مسعود واصلہ فی صحیح مسلم تلخیص ۲۸۸)

(۲) آپ ﷺ دائیں طرف سلام پھیرتے "السلام علیکم ورحمة الله" یہاں تک کہ آپ کا دایاں رخسار مبارک نظر آتا۔ "السلام علیکم و رحمة الله" یہاں تک کہ بایاں رخسار نظر آتا (نسائی من حدیث ابن مسعود)

(۳) آپ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم امام کے سلام کا جواب دیں اور آپس میں محبت کریں اور بعض بعض کو سلام کریں۔ (ابوداود والحاکم (تلخیص ۱/۲۸۹)

نماز سے فارغ ہونے کے بعد بکثرت اللہ کا ذکر سنّت ہے۔ مستحب اذکار کے متعلق کئی صحیح روایات وارد ہیں جن کو میں نے (امام

نووی ؒ نے)'الاذکار' میں بیان کیا ہے۔ سلام کے بعد سراً (آہستہ) دعا کرنا سنّت ہے۔ البتہ امام مقتدی کو دعاء سکھانا چاہتا ہو تو جہراً کرے (زور سے پڑھے) اور جب مقتدی سیکھ جائیں تو آہستہ پڑھے۔ (فتح الوھاب)

سنّت کے لئے گھر جانا: فرض نمازوں کے بعد سنّت نماز پڑھنے کیلئے اپنے گھر جانا مستحب ہے۔ (کیونکہ صحیحین کی حدیث میں ہے "لوگوں اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو، اسلئے کہ افضل نماز آدمی کا اپنے گھر میں پڑھنا ہے سوائے پنجوقتہ فرائض کے" (فتح الوہاب) ورنہ اس جگہ سے ہٹ کر پڑھے۔ (مجموع میں ہے کہ منتقل نہ ہو تو گفتگو کے ذریعہ فصل کرے کیونکہ بغیر کلام یا خروج کے ایک نماز کو دوسرے سے جوڑنا ممنوع ہے۔ حاشیۃ الجمل)

سنّت کے لئے جگہ بدلنے کا مقصد یہ ہے کہ (قیامت کے دن) یہ سارے مقامات اس کے حق میں عبادت کی گواہی دیں گے۔ البتہ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلیہ سنّتوں میں جگہ تبدیل نہ کرے، اس لئے کہ نمازی کو جلدی آنے اور صفِ اوّل میں پہنچنے کی تاکید ہے۔ صف بندی کے بعد بالخصوص جمعہ اور کثرتِ صفوف کی صورت میں منتقل ہونا باعثِ مشقت ہے۔ سنّت کیلئے گھر جانا اس وقت مستحب ہے جبکہ وقت کی تنگی، گھر کی دوری، بازار وغیرہ کی مصروفیات یا سستی کی وجہ سے ترک ہی ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اسی طرح معتکف، جمعہ سے پہلے نوافل، طواف کی نماز اور احرام کی نماز جبکہ میقات میں مسجد ہو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں (حاشیۃ الروضہ ۳۱۷/۴ والجمل) مقتدی کو امام کے دونوں سلام کے بعد سلام پھیرنا مستحب ہے) (فتح الوہاب مع الجمل ۳۹۵/۱)

عورتیں نماز میں شریک ہوں، تو مرد نماز کے بعد اسی جگہ اتنی دیر بیٹھا رہے کہ عورتیں گذر جائیں۔ نماز کے بعد دائیں یا بائیں جس طرف اپنی ضرورت ہو اس طرف اٹھ کر چل دے۔ کسی طرف ضرورت نہ ہو تو دائیں طرف افضل ہے۔ امام پہلا سلام پھیرتے ہی مقتدی کی اتباع ختم ہو چکی، اب اسے اختیار ہے چاہے تو سلام پھیرے ورنہ مزید دعاء وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے۔ مسبوق کیلئے تشہد اوّل کا موقع ہے تو وہ بھی امام کے سلام کے بعد مزید بیٹھ سکتا ہے، لیکن اس کے لئے مکروہ ہے۔ اور تشہد اول کا محل نہیں ہے، تو امام کے دوسرے سلام کے بعد فوراً کھڑا ہو جائے جان بوجھ کر عمداً بیٹھا رہا تو نماز باطل ہو گی۔ سلام کے بعد امام ذکر و دعا کیلئے بیٹھا رہا تو اس کے لئے افضل ہے کہ دائیں طرف مڑ کر بیٹھ جائے، کہ دایاں بازو مقتدیوں کی جانب اور بایاں بازو محراب (قبلہ) کی طرف ہو۔ (فتح الوہاب مع الجمل۔ ج ۱ ص ۴۰۵) کیونکہ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھتے، تو آپ کے دائیں طرف ہونا پسند کرتے، آپ اپنا چہرہ انور ہماری طرف کرتے۔ (مسلم)

اگر امام صرف ایک ہی سلام پھیرے تب بھی مقتدی کو دو سلام مستحب ہے۔ نماز میں خشوع مستحب ہے۔ اور اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ رکھے۔ (البتہ تشہد میں انگلی اٹھانے کے بعد اس پر رکھے۔ المجموع) کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو نماز میں آنکھ بند کرنا مکروہ نہیں ہے۔ نماز میں نشاط کے ساتھ اور سارے مشاغل سے دل فارغ کر کے داخل ہونا چاہئے۔

سلام کے بعد کے اذکار

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی (کس وقت کی) دعا زیادہ مقبول ہے؟ تو فرمایا رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد"۔ (رواہ الترمذی عن ابی امامہ وقال حدیث حسن)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے پر تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور یہ کہتے۔ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ

تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالاِ کْرَامِ ‘‘(رواہ مسلم عن ثوبان)(اے اللہ تو سلام ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے، بابرکت ہے تیری ذات اے عظمت وبزرگی والے)

(۳) آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد یہ ذکر پڑھتے ’’لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر‘‘

’’اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ ، وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَایَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ‘‘(متفق علیہ)(یا اللہ جو تو عطا کرے کوئی اسے نہیں روک سکتا، اور جس سے تو روکے کوئی نہیں دے سکتا، اور کسی کی مالداری اسے تیرے پاس نفع بخش نہیں ہو سکتی)

(۴) آپ ﷺ ہر نماز کے بعد سلام پھیر کر یہ دعا پڑھتے۔ ’’لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر ، ’’ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْکَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ‘‘(مسلم عن عبداللہ بن زبیر)

(۵) آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ جو ہر نماز کے بعد ۳۳؍ مرتبہ ’’ سُبْحَانَ اللّٰہِ ‘‘۳۳؍ مرتبہ ’’ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ‘‘ اور ۳۳؍ مرتبہ ’’اَللّٰہُ اَکْبَرُ ‘‘ پڑھے، اور سو کی تعداد مکمل کرتے ہوئے ’’لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٍ ‘‘ ’’پڑھے اس کے گناہ معاف ہوں گے خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہو‘‘ (مسلم)

(۶) حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے ہر نماز کے بعد معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھنے کا حکم دیا۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی) ابوداود کی ایک روایت میں ’مُعَوِّذَاتٌ‘ کا لفظ ہے۔ لہٰذا سورہ اخلاص بھی پڑھے

(۷) آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کو ہر نماز کے بعد اس دعا کی خصوصی وصیت فرمائی۔ ’’اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ‘‘۔ (ابوداود والنسائی باسناد صحیح) (یا اللہ تیرا ذکر و شکر اور اچھی عبادت کرنے پر میری مدد فرما)

(۸) آپ ﷺ نماز مکمل کرنے کے بعد دایاں دست مبارک پیشانی پر پھیرتے پھر یہ پڑھتے۔ ’’اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَللّٰھُمَّ اَذْہِبْ عَنِّی الْھَمَّ وَالْحُزْنَ ‘‘(ابن السنی)

(۹) حضرت ابو امامہ کا ارشاد ہے کہ میں جب کبھی کسی فرض یا سنّت نماز میں آپ ﷺ کے قریب رہا تو آپ کو یہ کہتے سنا۔ ’’اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَخَطَایَایَ کُلَّھَا ، اَللّٰھُمَّ اَغْثِنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ اِنَّہٗ لَایَھْدِیْ لِصَالِحِھَا وَلَایَصْرِفُ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ ‘‘(ابن السنی)

(۱۰) آپ ﷺ نماز بعد ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْقَبْرِ ‘‘(بخاری شریف) یا اللہ میں بزدلی، بخل نکمی عمر، دنیاوی فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔) (الاذکار۔ ص ۶۶۔ ۶۹)

فصل۔ فرض نماز کی قضاء

کسی کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کی قضاء واجب ہے اسے چاہئے کہ جلد ہی اسے قضاء کرلے، رات کی نماز رات میں یا دن کی

رات میں پڑھے تو قضاء کے وقت کا اعتبار ہو گا، لہٰذا رات میں قضاء پڑھے تو جہراً اور دن میں پڑھے تو سراً پڑھے، چاہے رات کی نماز ہو یا دن کی۔

نمازوں کو ترتیب سے قضاء کرنا مستحب ہے۔ قضاء نمازوں میں آپس میں اور قضاء اور ادا کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے۔ کسی فرض نماز کا وقت ہو اور قضاء نماز یاد آئے اور وقت میں (دونوں کی) گنجائش ہو تو پہلے قضاء پڑھ لینا مستحب ہے۔ وقت تنگ ہو تو ادا نماز پہلے پڑھنا واجب ہے ادا نماز شروع کرنے کے بعد قضاء یاد آئے تو ہر حال میں اب اسے پہلے مکمل کرے، پھر قضاء پڑھ لے۔ اس کے بعد ادا کو پھر دوہرانا مستحب ہے۔ وقت میں گنجائش سمجھتے ہوئے قضاء پہلے شروع کرے، پھر دورانِ نماز پتہ چلا کہ وقت تنگ ہے، تو اس نماز کو توڑ کر پہلے ادا پڑھنا واجب ہے۔ (تاکہ یہ بھی قضاء نہ ہو جائے)

اگر جماعت ہو رہی ہو اور وقت میں گنجائش ہو تو پہلے تنہا قضاء پڑھ لینا افضل ہے۔ قضاء نمازوں کا صحیح علم نہیں، اتنا معلوم ہے دس سے کم اور بیس سے زائد نہیں ہے تو بیس نمازیں لازم ہیں۔

نماز شروع کرنے سے پہلے پانچ شرائط لازم ہیں۔:(۱) حدث اور نجاست سے پاکی (۲) ستر عورت (۳) استقبال قبلہ (۴) یقیناً یا ظناً دخول وقت کا علم (۵) نماز کی فرضیت کا علم اور اس کے اعمال کی معرفت: اگر نماز کی فرضیت سے لاعلم ہو یا بعض نمازوں کا فرض ہونا تو معلوم ہے لیکن جو نماز پڑھ رہا ہے اس کی فرضیت کا علم نہیں ہے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہو گی۔ اگر وضو کی فرضیت کا علم نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ کسی کو نماز کی فرضیت کا تو علم ہو لیکن ارکان معلوم نہ ہوں تو اس کی تین صورتیں ہو نگی۔ (۱) سارے افعال کو سنّت سمجھے (۲) بعض افعال کو فرض اور بعض کو سنّت سمجھے لیکن دونوں میں تمیز نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں نماز صحیح نہ ہو گی۔ (۳) سارے افعال کو فرض سمجھ کر انجام دے اس صورت میں نماز صحیح ہو جائیگی۔ امام غزالیؒ نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا ایسا عامی آدمی جس کو نماز کے فرائض اور سنتوں کی تمیز نہ ہو اس کی نماز اس شرط کے ساتھ صحیح ہو جائے گی کہ کسی فرض کو نفل کی نیّت سے ادا نہ کرے، اگر نفل کی نیّت سے ادا کرے تو اس کا اعتبار نہ ہو گا۔ اگر تفصیل سے غافل ہو تو ابتداء میں اجمالی نیّت کافی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد والے حضرات کے ظاہری احوال سے یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے اعراب (دیہاتی اور گنوار) کو اسے لازم قرار دیا ہو اور ان سے ناواقف شخص کو نماز کے اعادہ کا حکم دیا ہو۔

باب-۵ نماز کے شروط اور ممنوع امور

(نماز کے شرائط اور نماز میں جو امور منع ہیں)

شروط شرط کی جمع ہے، لغت میں علامت کو کہتے ہیں، اصطلاحاً شرط وہ ہے جس کے عدم سے عدم لازم ہو اور وجود سے وجود یا عدم لذاتہ لازم نہ ہو۔ (حاشیۃالروضۃ)

نماز کے آٹھ شروط ھیں۔ (۱) استقبال قبلہ (۲) نماز کا وقت ہونے کا یقین یا گمانِ غالب، ان دونوں کا ذکر اپنے باب میں گذر چکا (۳) طہارتِ حدث جس کی تفصیل کتاب الطہارت میں گذر چکی۔ اگر کوئی شخص تکبیر تحریمہ کے وقت باوضو نہ ہو، تو نماز منعقد ہی نہ ہو گی۔ عمداً یوں کرے یا سہواً اسی طرح باوضو نماز شروع کرنے کے بعد دوران نماز وضو ٹوٹ جائے، تو ساری صورتوں میں نماز باطل ہو جائے گی۔ (وضو کر کے دوبارہ از سر نو نماز پڑھنی چاہئے)

نماز میں کسی منافی امر کا پیش آنا: حدث کے علاوہ نماز کے منافی کوئی سبب دوران نماز پیش آئے اور یہ نمازی کے

اختیار سے ہو، یا بغیر اختیار کے ہو، لیکن اس کی کوتاہی کے سبب ہو جیسے کوئی موزے پر مسح کرے، پھر نماز میں مسح کی مدت ختم ہو جائے تو دونوں صورتوں میں نماز باطل ہو گی۔ اس کے اختیار اور کوتاہی کے بغیر پیش آئے اور فوراً اس کا ازالہ کرے جیسے کپڑا ہٹ جائے اور فوراً وہ اسے درست کرے یا، خشک نجاست گرے اور فوراً اسے جھٹک دے، یا جس کپڑے پر نجاست گرے اس کپڑے کو ہٹا دے تو ان صورتوں میں نماز صحیح ہے، اگر اپنے ہاتھ یا آستین سے نجاست کو ہٹائے، تو نماز باطل ہو گی۔ اگر اس کے زخم سے خون ٹپکتا رہے، لیکن اس کی کھال لت پت نہ ہو، تو نماز باطل نہیں ہو گی۔

شرط (چوتھی) نجاست سے پاکی: جو نجاست معاف نہیں اس سے کپڑے بدن اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ کپڑے پر نجاست لگے اور نجاست کی جگہ کو جانتا ہے تو گذرے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کو دور کرے۔ اگر اتنا حصہ کاٹ ڈالے تو یہ بھی کافی ہے۔ اگر نجاست کو دھونا ناممکن ہو اور پاک حصہ سے ستر عورت ممکن ہو، اور کاٹنے کی صورت میں کپڑے کی اجرت سے زیادہ نقصان نہ ہو تو نجس حصہ کاٹ ڈالنا ضروری ہے۔ اگر بدن یا کپڑے میں نجاست کی جگہ کو نہیں جانتا، اور کسی بھی حصہ میں ہونے کا امکان ہو، تو مکمل دھونا واجب ہے، اندازہ لگا کر کسی ایک حصہ کو دھونا کافی نہیں۔ اگر اس کپڑے کو دو حصوں میں چاک کرے، تو دونوں کے درمیان اندازہ لگانا کافی نہیں، البتہ کوئی تر چیز اس کپڑے کے ایک طرف چھو جائے تو وہ تر چیز نجس نہیں ہو گی، اس لئے کہ اسی حصہ کا نجس ہونا یقینی نہیں۔

لباس کی پاکی: نمازی کا لباس پاک ہونا واجب ہے، اور لباس کا کوئی بھی حصہ کسی نجاست کو نہ چھوئے خواہ وہ نمازی کی حرکت سے حرکت کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، لہٰذا عمامہ (پگڑی) کا وہ کنارہ جو حرکت نہ کرتا ہو، نجس زمین کو لگے تو نماز باطل ہو گی۔ اگر کسی رسی یا کپڑے کے سرے کو ہاتھ میں پکڑے یا ہاتھ، پیر یا کمر میں باندھے اور دوسرا سرا نجس ہو یا نجاست سے لگا ہو تو نماز باطل ہو گی۔ اگر رسی کا سرا اپنے قدموں تلے رکھے تو نماز صحیح ہو گی۔

ھڈی جوڑنا: ٹوٹی ہوئی ہڈی کو کسی پاک ہڈی سے جوڑنے میں کوئی حرج نہیں، اگر ضرورت کی وجہ سے نجس ہڈی سے جوڑے اور کوئی پاک ہڈی اس کے قائم مقام موجود نہ ہو تو یہ معذور ہے (لہٰذا مجبوری کی وجہ سے اس کی نماز درست ہو گی) اور اس ہڈی کو جدا کرنا اسے لازم نہیں۔

اگر نجس ہڈی کے جوڑنے کا محتاج نہ ہو یا پاک ہڈی اس کے قائم مقام موجود ہو تو اس نجس ہڈی کو الگ کرنا واجب ہے۔ جبکہ ہلاکت کا، خوف نہ ہو، اور کوئی عضو تلف نہ ہو، اور اسی طرح تیمم کے باب میں مذکورہ کسی تکلیف کا خطرہ نہ ہو۔ وہ خود جدا نہ کرے تو سلطان جبراً جدا کرائے۔ اس ہڈی کے ساتھ اس کی نماز درست نہ ہو گی۔

جدا کرنے میں پیش آنے والی تکلیف و درد کا اعتبار نہیں۔ اسی طرح ہڈی پر گوشت چڑھ چکا ہو یا نہ چڑھ چکا ہو، دونوں برابر ہے۔ جدا کرنے میں ہلاکت جیسے امور کا خطرہ ہو تو جدا کرنا واجب نہیں۔ جن صورتوں میں جدا کرنا واجب تھا۔ بغیر جدائی کے مر گیا تو اب جدا کرنے کی ضرورت نہیں۔

زخم کیلئے نجس دوائی کا استعمال کرنا، یا نجس دھاگے سے اسے سینا (ٹانکے لگانا) نجس ہڈی جوڑنے کی طرح ہے۔ بدن کے کسی حصے کو چیر کر اس میں خون ڈالے یا گودے تو نجس ہو جائے گا۔ گودنے کے اثرات کو علاج کے ذریعے دور کرے۔ بغیر زخم کے دور نہ ہو تو زخمی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور توبہ کر لینے کے بعد اسکو گناہ نہ ہو گا۔

بالوں میں جوڑ: عورت کا اپنے بالوں میں نجس بالوں کو یا انسانی بالوں کو جوڑنا قطعاً حرام ہے، کیونکہ انسان کی عظمت کی وجہ

سے اس کے کسی بھی حصہ سے انتفاع حرام ہے، بلکہ اس کے بال وغیرہ دفن کئے جائیں، اس مسئلہ میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں برابر ہیں۔ انسانی بال کے علاوہ کوئی اور پاک بال ہوں اور عورت غیر شادی شدہ ہو تو ان بالوں کو جوڑنا بھی حرام ہے۔ اور شادی شدہ ہو تو شوہر کی اجازت ہو تو جوڑنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

غیر شادی شدہ عورت کو اور شادی شدہ عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے رخسار کو سرخ کرنا حرام ہے۔ شوہر کی اجازت ہو تو جائز ہے سیاہ خضاب، انگلیوں کو مہندی سے رنگنا اور بالوں کو گھنگھریالے بنانا ان سب میں یہی تفصیل ملحوظ ہوگی۔

نمازی کے بدن اور کپڑے کو اوپر نیچے اور چاروں جانب سے چھونے والی جگہ پاک ہونا واجب ہے۔ اگر ایسا کھڑا ہو کہ نجس دیوار یا چھت کو چھو رہا ہے تو نماز باطل ہوگی۔ اگر چٹائی پر نماز پڑھے اور اس کے نیچے نجاست ہو یا ایک کنارے پر نجاست ہو یا تخت پر نماز پڑھے اور اس کے پائے نجاست پر ہو تو حرج نہیں، چاہے وہ جگہ اس کی حرکت سے حرکت کرے یا نہ کرے۔ نمازی کے بدن اور کپڑے کو لگنے والی جگہ تو پاک ہو، لیکن سامنے یا سجدہ وغیرہ میں بالمقابل جگہ نجس ہو (لیکن بدن یا کپڑے پر نہ لگے) تو نماز درست ہوگی۔ باریک بُنا ہوا کپڑا نجاست پر بچھا کر نماز پڑھے اور درمیانی سوراخوں سے نجاست کو چھوئے تو نماز باطل ہوگی ورنہ صحیح ہوگی۔

وہ مقامات جہاں شریعت نے نماز سے روکا ہے۔

(۱) **کوڑا خانہ اور مذبح** (بوچڑ خانہ۔ جہاں جانور ذبح ہو) ان دونوں جگہوں پر نجاست کی وجہ سے ممانعت ہے۔ اگر کپڑا یا پاک بچھونا بچھا کر اس پر نماز پڑھے تو صحیح ہوگی لیکن نیچے نجاست ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(۲) **سڑک پر:** اس کے دو سبب ہیں۔ (الف) غلبۂ نجاست۔ (ب) لوگوں کے گذرنے کی وجہ سے توجہ کا بٹنا۔

(۳) **حمام:** نجاست اور میل کچیل کی کثرت یا شیطانی پناہ گاہ ہونے کی وجہ سے

(۴) **کعبہ کے اوپر:** جس کی تفصیل گذر چکی۔

(۵) **وہ جگہ** جہاں رات اونٹوں کو رکھا جاتا ہو، یا پانی پینے کے بعد جمع کیا جاتا ہو البتہ بکریوں کے باڑے میں کراہت نہیں ہے۔ کسی کے بھی باڑے میں ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں پیشاب یا مینگنی وغیرہ نجاست ہو تو نماز صحیح نہیں ہے۔

(۶) مقبرہ (قبرستان) قبرستان میں نماز ہر حال میں مکروہ ہے، اگر قبر دوبارہ کھودی گئی ہو تو اس جگہ نماز درست نہ ہوگی، اگر کوئی پاک چیز بچھا کر وہاں نماز پڑھے یا دوبارہ قبر نہ کھودی ہو یا شک ہو تو نماز صحیح ہوگی۔ نماز میں قبر کی طرف رخ کرنا مکروہ ہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے سات مقامات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (۱) کوڑا خانہ، (۲) مذبح (۳) مقبرہ (۴) سڑک کے بیچ (۵) حمام (۶) اونٹ کا باڑہ (۷) بیت اللہ کے اوپر۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ وضعفہ الحافظ فی التلخیص۔ حاشیۃ الروضہ)

معاف نجاستوں کی تفصیل

(۱) ڈھیلوں سے استنجاء کے بعد اس جگہ باقی نجاست کا اثر معاف ہے، لیکن قلیل پانی میں وہ جگہ چھو جائے تو پانی نجس ہوگا، نمازی ایسے شخص کو اٹھائے تو اس کی نماز باطل ہوگی، پسینہ کی وجہ سے وہ جگہ تر ہو جائے تو معاف ہے۔ اگر کسی ایسے حیوان کو اٹھائے جس کے بدن پر نجاست نہ ہو تو نماز صحیح ہوگی اگر اس کے منفذ پر نجاست ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگر یہ حیوان قلیل پانی میں یا کسی اور مائع میں گر کر زندہ نکل آئے تو وہ چیز نجس نہ ہوگی، نماز میں ایسا انڈا ساتھ ہو جس کے اندر خون ہو ظاہری حصہ پاک ہو یا ایسے انگور کا خوشہ اٹھائے، جسکے

دانوں کے اندر شراب بن چکی ہو، تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ نجاست بھری سل بند بوتل ساتھ رکھے تو نماز درست نہ ہوگی، مذبوحہ جانور کا خون وغیرہ اچھی طرح دھو کر اسے نماز میں اٹھائے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ (کیونکہ اس کے اندر نجاست موجود ہے)

(۲) **راستہ کا کیچڑ اور مٹی:** اگر یہ یقیناً نجس ہو تو قلیل مقدار معاف ہے، نہ کہ کثیر مقدار، قلیل کا مطلب جس سے بچنا کافی دشوار ہو، عادت کے پیش نظر اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی طرح بدن یا کپڑے کے جس حصہ میں لگا ہے وہ بھی دیکھا جائے گا (لہٰذا پیر اور دامن میں ہاتھ اور آستین کے مقابلے میں زیادہ مقدار معاف ہوگی۔ اسی طرح سرما میں گرما کے مقابلے میں اور نابینا کے حق میں بینا کے مقابلے میں زیادہ مقدار معاف رکھی جائے گی۔ (حاشیۃ الجمل) ائمہ کرام نے سہولت کے طور پر سمجھاتے ہوئے کہا ہے کہ قلیل مقدار وہ ہوگی۔ جس میں آدمی گرنے پڑنے یا لغزش یا قلت احتیاط کی طرف منسوب نہ ہو، اگر منسوب ہو تو یہ مقدار کثیر ہوگی۔ اگر کیچڑ کے نجاست کا یقین نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں (وہ پاک سمجھا جائے گا) موزے یا جوتے کے تلوے میں نجاست لگ جائے اور اسکو زمین سے رگڑ کر اچھی طرح صاف کر دے، تب بھی اس کو پہن کر نماز درست نہ ہوگی۔

(۳) **پسو یا مچھر کھٹمل** وغیرہ کا خون اور مکھی کی بیٹ اور چمگاڈر کا پیشاب اس کی قلیل مقدار کپڑے اور بدن میں معاف ہے اسی طرح کثیر مقدار بھی بعض شرائط کے ساتھ معاف ہے۔

شرائط: (۱) اس کے دھونے کی طرف بالکل بے توجہی کی وجہ سے مقدار میں زیادہ اضافہ نہ ہوا ہو (۲) خود اپنے عمل سے ایسا نہ کیا ہو (۳) اس کپڑے کو پہننے کی ضرورت ہو۔

مکمل لباس کو پہننے کے بعد اس کپڑے کو مزید اوپر سے پہنے تو اس میں نماز صحیح نہ ہوگی۔

(۴) یہ معافی نماز کی حد تک ہے، لہٰذا ایسا کپڑا اگر قلیل پانی میں گر جائے تو پانی نجس ہوگا۔ (حاشیۃ الروضہ)

ان اشیاء کی قلیل مقدار پسینہ سے پھیل جائے تو وہ بھی معاف ہے۔ غالباً جتنی مقدار لگ جاتی ہے اور جس سے بچنا مشکل ہو اسے قلیل شمار کریں گے۔

(۵) پھوڑے پھنسی کا خون اور پیپ یہ بھی قلیل اور کثیر معاف ہے اگر خود پھوڑے کو دبا کر اندر کی چیز نکالے تو یہ معاف ہے (بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں قلیل مقدار معاف ہے) کسی دوسرے آدمی یا جانور کا خون لگے تو تھوڑا معاف ہے، زیادہ مقدار معاف نہیں ہے، اپنے ہی زخم یا مقام فصد وغیرہ کا خون لگ جائے تو یہ بھی پھوڑے کے حکم میں ہے، آبلہ اور زخم کا پانی اگر بدبودار ہو تو وہ نجس ہے، ورنہ پاک ہے۔

(۶) نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ کپڑے یا بدن یا محل نماز میں غیر معاف نجاست تھی تو ہر وہ نماز جو یقینا نجاست کے ساتھ پڑھی گئی ہے، لوٹانا واجب ہے، لیکن جن نمازوں کے بعد اس نجاست کے لگنے کا احتمال ہو، ان نمازوں کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

(۷) **متفرق انواع کے متعلق:** استحاضہ اور سلسل البول کی صورت میں جو نجاست جاری رہتی ہے۔ زخم پر زیادہ خون ہو اور اسکے ازالہ میں خطرہ ہو، شدت خوف کی نماز میں ہتھیاروں پر لگا ہوا خون، یہ سب معاف ہیں۔

شرط (پانچویں) ستر عورت - (شرمگاہ کا چھپانا): لفظ عورت عربی میں ان انسانی اعضاء کیلئے استعمال ہوتا ہے جن کو شرم و حیاء سے چھپایا جاتا ہے۔ شرعاً جن اعضاء کو عام حالت میں اور نماز میں چھپانا ضروری ہے، اسے عورت کہیں گے، لہٰذا ان مسائل میں اکثر جگہ یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوگا یہ ذہن میں رہے) ستر عورت نماز کے علاوہ تنہائی میں بھی واجب ہے، نماز کی صحت

کیلئے ستر عورت شرط ہے، اگرچہ تنہائی میں کیوں نہ ہو، باوجود قدرت کے اسے ترک کرے تو نماز باطل ہوگی۔ نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ کپڑا ایسی جگہ سے پھٹا تھا جس میں سے عورت (یعنی بدن کا وہ حصہ جسے نماز وغیرہ میں چھپانا ضروری ہے۔) نظر آئے تو نماز کا اعادہ واجب ہے، چاہے اسے پہلے سے معلوم ہی نہ ہو، یا معلوم تھا لیکن بھول کر اس میں نماز پڑھ لی۔ نماز کے بعد پھٹنے کا احتمال ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ تنہائی میں نماز کے علاوہ کسی ضرورت سے کشف عورت (محل مخصوص سے کپڑا ہٹانا) کی اجازت ہے (مثلاً غسل، قضاء حاجت، استنجاء، علاج، موئے زیر ناف کا صاف کرنا اور ختنہ جیسے امور۔ (حاشیۃ الروضہ)

مرد کیلئے عورت ناف اور گھٹنے کے درمیان کی جگہ ہے۔ عورت (مونث) اگر آزاد ہے تو نماز میں چہرہ اور ہتھیلی کے ظاہر و باطن کے علاوہ سارے بدن کا چھپانا واجب ہے۔ باندی کا حکم مردوں کی طرح ہے۔ خنثیٰ مشکل کا حکم عورت کی طرح ہے۔

ستر کی صفت

ستر عورت ایسی چیز سے واجب ہے جو نگاہ کے اور چمڑی کے رنگ کے درمیان حائل ہو، لہٰذا ایسا باریک کپڑا جس سے بدن کا رنگ جھلکے ناکافی ہے۔ کپڑا تو موٹا ہو لیکن ایسا بنا ہوا ہو کہ درمیان میں سوراخ ہو (سوئٹر وغیرہ کے مشابہ) اور اس سوراخ سے بدن جھلکے تو یہ بھی ناکافی ہے۔ رنگ تو چھپ جائے لیکن بدن کے حجم کا احساس ہو تو حرج نہیں۔ شفاف پانی میں کھڑے ہونے سے نماز درست نہ ہوگی۔ پانی گہرا سبز یا گدلا ہو اور اس میں کھڑے ہونے کی صورت میں کھال دکھائی نہ دے تو نماز درست ہے۔ جبکہ اس صورت میں رکوع و سجدہ کر سکے یا مثلاً جنازہ کی نماز کیلئے کھڑا ہو، اگر عورت پر کیچڑ ایسا مل دے کہ رنگ چھپ جائے تو یہ کافی ہے۔ کپڑا ہونے کے باوجود بھی اس سے نماز ہوگی۔ کپڑا وغیرہ نہ ہو اور کیچڑ مل سکتا ہے تو یہ واجب ہے۔

ستر اور پردہ اوپر اور چاروں جانب سے ضروری ہے۔ دامن اور تہبند کے نچلے جانب سے ضروری نہیں پس اگر کوئی وسیع (کشادہ) دامن والا قمیص پہن کر چھت کے کنارے کھڑا ہو اور نیچے سے عورت نظر آئے تب بھی نماز درست ہوگی۔ اگر قمیص کا گریبان کشادہ ہو اور رکوع سجدہ وغیرہ میں اوپر کی جانب سے عورت نظر آئے تو نماز درست نہ ہوگی۔ لہٰذا اسے گریبان میں بٹن لگانا یا درمیان میں باندھ دینا یا کاندھے پر کپڑا وغیرہ ڈال کر گریبان کے حصے کو چھپانا ضروری ہے۔ قمیص سینے یا پشت کی طرف سے پھٹا ہوا ہو اور اس میں سے عورت نظر آئے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (مذکورہ مثالوں کا تعلق ایسی صورت سے ہے کہ صرف لمبی قمیص پہن کر نماز پڑھے مزید تہبند یا پائجامہ وغیرہ نیچے کے حصہ میں نہ پہنے) اگر گریبان کی کشادگی داڑھی یا سر کے بالوں سے چھپ جائے تو نماز صحیح ہوگی۔

اگر تہبند کے سوراخ کو ہاتھ سے کپڑا سمیٹ کر یا اس کے بغیر بند کرے تو نماز درست ہے۔ کپڑے وغیرہ کا بدن پر ہونا ضروری ہے لہٰذا کوئی تنگ خیمہ میں ننگا نماز پڑھے تو یہ صحیح نہیں۔ اگر زمین میں گڑھا کھود کر اس میں کھڑا ہو جائے اور اتنی مٹی ڈال دے کہ ستر عورت ہو تو نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ اگر ستر کیلئے ایسا شیشہ (کانچ) استعمال کرے جس سے رنگ واضح ہو تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

ستر کی غیر موجودگی: ستر عورت کیلئے کچھ بھی میسر نہ ہو تو ننگا ہی نماز پڑھے، تیمم کے باب میں اس کے نماز کی کیفیت وغیرہ گذر چکی ہے۔ کئی ننگے نمازی جمع ہوں تو وہ باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ان کا امام عورتوں کی جماعت کی طرح درمیان میں کھڑا ہوگا۔ ان کیلئے عام حالت میں تنہا اور باجماعت نماز برابر ہے۔ اگر سب نابینا ہوں یا تاریکی میں ہوں تو ان کیلئے بھی جماعت مستحب ہے۔ ان میں ایک کپڑے پہنے ہوئے ہو تو وہی امامت کرے اور بقیہ اس کے پیچھے ایک صف میں کھڑے ہوں۔ اس کے برعکس کوئی ننگا امامت کرے

اور کپڑے والا اس کی اقتداء کرے تب بھی جائز ہے۔

اگر مرد اور عورتیں اس طرح جمع ہوں تو ایک ساتھ نماز نہ پڑھیں بلکہ صرف مرد پڑھیں اور عورتیں پیچھے قبلے کیطرف پشت کئے بیٹھی رہیں بعد میں عورتیں نماز پڑھیں اور مرد اسی طرح پیچھے بیٹھے رہیں۔

ناکافی ستر: صرف بعض عورت (شرمگاہ) چھپا سکتا ہو تو جتنا ممکن ہے، چھپانا لازم ہے۔ اگر صرف اگلی اور پچھلی شرمگاہ کو چھپا سکتا ہے تو اسے ہی چھپائے۔ اسے چھوڑ کر دوسرے کسی عضو کو نہ چھپائے صرف ایک ہی شرمگاہ کو چھپانا ممکن ہو، تو اگلی شرمگاہ چھپائے۔

بعض متفرق مسائل

ننگا آدمی کسی دوسرے سے زبردستی اس کا کپڑا نہیں لے سکتا (امام اذرعیؒ نے فرمایا یعنی صرف ستر کیلئے لینا جائز نہیں، البتہ سخت گرمی و سردی سے بچنے کیلئے مضطر کی طرح جائز ہوگا۔ اور ایسی صورت میں اس میں نماز پڑھے گا۔ اسی طرح اگر کپڑے کے مالک کو اس ننگے شخص کو کپڑا پہنانا شرعاً واجب ہو، باپ یا بیٹا ہونے کی وجہ سے اور خود وہ اس کپڑے سے بے نیاز ہو اور کپڑا اس قسم کا ہو جو اسے دیا جانا چاہئے، تو ان شرائط کے ساتھ زبردستی لینے کی گنجائش ہوگی۔ (حاشیۃ الروضہ) اگر کوئی ننگے شخص کو کپڑا ہبہ کرے تو اسے قبول کرنا لازم نہیں ہے (امام اذرعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس شخص کو گرمی یا سردی کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو ہبہ قبول کرنا بظاہر قطعاً لازم ہے اور اس صورت میں ہبہ قبول نہ کر کے ننگا ہی نماز پڑھے تو اعادہ لازم ہے۔ (حاشیۃ الروضہ) اگر کوئی عاریۃً (وقتی طور پر استعمال کیلئے) کپڑا دے تو لینا لازم ہے، اگر نہ لے اور عریاں ہی نماز پڑھے تو صحیح نہ ہوگی۔ کوئی کپڑا فروخت کرے یا اجرت (کرایہ) پر دے تو یہ پانی کے فروخت کی طرح ہے۔ جس کی تفصیل تیمم میں گذر چکی۔ اور کپڑا قرض دینا قیمت قرض دینے کی طرح ہے۔ کپڑا اور پانی (طہارت کیلئے) خریدنے کی ضرورت ہو اور کوئی ایک ہی چیز خرید سکتا ہے تو کپڑا خریدے۔ اگر کوئی اپنا کپڑا سب سے زیادہ مستحق کیلئے وصیت کر جائے تو عورت پھر خنثیٰ مقدم ہے۔ صرف نجس کپڑا ہو اور پاک کرنے کا انتظام نہ ہو تو ننگا ہی بلا اعادہ نماز پڑھ لے، نماز کے علاوہ ستر عورت کے لئے اسے پہننا لازم ہوگا۔ صرف ریشم کا کپڑا موجود ہو تو نماز اور لوگوں کی نگاہوں سے پردے کیلئے اسے پہننا واجب ہے، کیونکہ حاجت کی وجہ سے ریشم مباح (جائز) ہوگا۔ نماز کیلئے اپنی حیثیت کے مطابق بہترین کپڑا پہننا اور عمامہ باندھنا مستحب ہے، دو کپڑے پہنے تو افضل قمیص اور چادر یا قمیص اور پاجامہ ہے ایک ہی کپڑا پہنے تو افضل قمیص ہے، ورنہ پھر تہبند، اس کے بعد پاجامہ۔ ایک کپڑا اگر کشادہ ہو تو کاندھے کے اوپر سے اسے پہن لے اور دونوں کنارے بالمقابل کاندھے پر ڈالدے، اگر تنگ ہو تو ناف کے اوپر باندھ لے، اور اس کا کچھ حصہ کاندھے پر ڈالدے، عورت کیلئے مکمل بدن چھپانے والا کرتہ اور دوپٹہ میں نماز پڑھنا اور اپنے کپڑوں کے اوپر ایسی ڈھیلی چادر یا قمیص استعمال کرنا جس سے اس کے اعضاء کی ساخت بالکل معلوم نہ ہو، مستحب ہے۔

ننگے آدمی کیلئے کسی دوسرے کا کپڑا (بلا اجازت) پہننا حرام ہے بلکہ ایسے ہی نماز پڑھ لے، آئندہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اگر گھاس پتے وغیرہ کے ذریعے بدن چھپانا ممکن ہو تو یہ لازم ہے۔ کسی نجس جگہ مقید ہو اور کپڑا ستر عورت اور نجاست پر بچھانا دونوں کے لئے ناکافی ہو تو اس کپڑے کو نجاست پر بچھا کر ننگا ہی بلا اعادہ نماز پڑھ لے۔ اگر کسی کے پاس کپڑا ہو لیکن نماز کا وقت ہونے کے بعد بلا ضرورت اس کو تلف کر دیا یا پھاڑ ڈالے تو گنہگار ہوگا۔ اور ننگا ہی نماز پڑھ لے۔ ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس میں تصویر ہو مکروہ ہے۔

مرد کو نماز میں ڈھاٹا باندھنا اور عورت کو نقاب سے منہ چھپانا اور دونوں کو منہ ڈھانکنا مکروہ ہے، البتہ جمائی آئے تو سنت ہے کہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھے (بائیں ہاتھ کا پشت رکھنا بہتر ہے۔ حاشیۃ الجمل) اشتمال صماء اور اشتمال یہود مکروہ ہے۔ اشتمال صماء یعنی پورے بدن کو کپڑے سے ڈھانپ لینا اور مزید دونوں کنارے اٹھا کر بائیں کاندھے پر ڈال دینا، اشتمال یہود بھی اسی طرح ہو گا البتہ دونوں کناروں کو اٹھائے گا نہیں۔

فصل۔ چھٹی شرط۔ کلام اور بات چیت نہ کرنا۔

نماز میں گفتگو کی دو حالت ہو گی۔ (۱) بغیر عذر کے، اگر صرف ایک حرف زبان سے نکالے تو نماز باطل نہ ہو گی۔ لیکن اس ایک حرف کا کچھ مفہوم ہو تو باطل ہو گی جیسے (عربی زبان میں) قِ (قوت دے) شِ (چغلی کر) اگر دو حرف نکالے تو نماز باطل ہو گی، چاہے اس کا کچھ مفہوم ہو یا نہ ہو۔ ایک ہی حرف کو مد کرے تو نماز باطل ہو گی، بغیر مجبوری کے کھانسنے میں دو حرف ظاہر ہوں تو نماز باطل ہو گی۔ اگر کھانسنے میں مجبور اور بے بس تھا تو حرج نہیں بغیر کھانسنے اور کھنکھارنے کے تلاوت ممکن نہ ہو تو وہ معذور ہے۔ اگر تلاوت تو ممکن ہو لیکن جہر (زور سے پڑھنا) ممکن نہ ہو تو یہ عذر نہیں ہے۔ (یعنی آہستہ ہی پڑھ لے۔ زور سے پڑھنے کیلئے کھانسنے کی صورت میں دو حرف ظاہر ہوئے تو نماز باطل ہو گی) امام کے کھانسنے سے دو حرف ظاہر ہوں تو اسے معذور سمجھتے ہوئے اقتداء برقرار رکھیں گے۔ ہنسنے، رونے اور پھونکنے میں دو حرف ظاہر ہوں تو نماز باطل ہو گی ورنہ نہیں، چاہے رونا دنیا کے تعلق سے ہو یا آخرت کی وجہ سے۔

(۲) **عذر کی وجہ سے گفتگو:** بغیر قصد وارادہ کے گفتگو کی طرف سبقت لسانی ہو، یا ہنسی یا کھانسی کے غلبہ کی وجہ سے دو حرف ظاہر ہوں یا (نماز میں ہونا) بھول کر یا نماز میں گفتگو کی حرمت کا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تھوڑی سی گفتگو کرے تو نماز باطل نہ ہو گی زیادہ گفتگو ہو تو اس صورت میں بھی نماز باطل ہو گی۔ کم اور زیادہ کا فیصلہ عرف کی روشنی میں کیا جائے گا۔

لاعلمی صرف اس شخص کیلئے عذر ہے جو ابھی ابھی اسلام لایا ہو۔ اگر قدیم مسلمان ہو تو اس کی نماز باطل ہو گی کیونکہ مسائل نہ سیکھنا اس کا قصور ہے۔ کلام کا نماز میں حرام ہونا تو معلوم ہو لیکن اس سے نماز ٹوٹنے کا علم نہ ہو، تو یہ بھی عذر نہیں ہے۔ اگر کھانسی سے نماز کے ٹوٹنے کا علم نہ ہو تو وہ معذور ہے، کیونکہ اس حکم کا علم عوام کو نہیں ہوتا کسی کو گفتگو کا حرام ہونا تو معلوم ہو لیکن جس قسم کی گفتگو اس نے کی ہے اس کا حرام ہونا معلوم نہ ہو تو وہ معذور ہے، کسی کی زبردستی اور اکراہ کی وجہ سے گفتگو کرے تو نماز باطل ہو گی جیسے کوئی زبردستی بے وضو یا بیٹھ کر نماز پڑھنے پر مجبور کرے تو اس کا اعادہ لازم ہے۔ اگر نماز کی مصلحت سے گفتگو کرے مثلاً امام بیٹھنے کی جگہ کھڑا ہو تو مقتدی نے کہا بیٹھ جاؤ۔ تو نماز باطل ہو گی۔ یہ عذر نہیں ہے۔ بلکہ اسے تسبیح کے ذریعے تنبیہ کرنا چاہئے۔ کوئی انسان ہلاکت کے قریب ہو (مثلاً کوئی اندھا گڑھے میں گرنے کے قریب ہو) اور بغیر کلام کے اس کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتا تو آواز دے کر اسے روکنا واجب ہے لیکن نماز باطل ہو گی۔ آپ ﷺ اپنے دور میں کسی نمازی سے گفتگو کریں تو اسے فوراً جواب دینا لازم ہے اور اس سے اس کی نماز باطل نہ ہو گی۔ اگر جہنم کے خوف سے آہ کہے تو نماز باطل ہو گی۔

احادیث: (۱) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے چار رکعت کی نماز میں) دو پر سلام پھیر دی تو ذوالیدین نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا نماز قصر ہو گئی یا آپ بھول گئے؟ تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کیا ذوالیدین صحیح کہہ رہے ہیں؟ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا تب آپ ﷺ نے دوسری دو رکعت پڑھ کر سلام پھیری پھر تکبیر کہہ کر نماز کی طرح یا اس سے طویل دو سجدے

کئے۔(صحاح ستہ)

(۲)حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نماز میں بات کر لیتے تھے کوئی شخص اپنے پاس والے سے بات کر لیتا یہاں تک کہ آیت:"وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" نازل ہوئی تو ہم کو سکوت کا حکم ہوا اور کلام سے روکا گیا۔(بخاری۔مسلم،ابوداود)

(۳)ایک صحابی معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ لاعلمی کی وجہ سے نماز میں کچھ گفتگو کرتے ہیں، لہٰذا فراغت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھایا کہ ان نمازوں میں لوگوں کے گفتگو کے قبیل کی کوئی چیز درست نہیں، نماز میں تو تسبیح و تکبیر اور تلاوت ہوگی۔(مسلم،ابوداود ،نسائی)(تیسیر الوصول)

نماز میں تنبیه: کسی مرد کو نماز کے دوران تنبیہ کی ضرورت پیش آئے، مثلاً کسی نابینا کو دیکھے کہ کنویں میں گرنے کے قریب ہے، یا کوئی گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہے یا کسی کو کچھ اطلاع دینا ہو تو سنت ہے کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کہے۔ان تمام صورتوں میں عورت تالی بجائے گی جس کی صورت یہ ہوگی کہ اپنے دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصے (پیٹ) کو بائیں ہتھیلی کے پشت پر مارے اگر دائیں انگلیوں کو بائیں انگلیوں پر مارے یا دائیں انگلیوں کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر مارے تو یہ بھی جائز ہے البتہ دونوں ہتھیلی کے پیٹ کو آپس میں مار کر تالی نہ بجائے۔بطور لہو ولعب (کھیل کود) اس طرح کرے تو نماز باطل ہوگی۔

مبطل کلام: بغیر عذر کے کلام سے نماز تب باطل ہوگی جبکہ قرآن ذکر اور دعا جیسے کلام کے علاوہ کلام ہو۔اگر قرآن کے آیت کو تلاوت کی نیت سے یا تلاوت کے ساتھ کسی اور نیت سے پڑھے، جیسے امام یا کسی دوسرے کو متنبہ کرنا، لقمہ دینا، یا کوئی بات سمجھا دینا جیسے اندر آنے کی اجازت چاہنے والوں کو (اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ -آیت ۴۶ سورہ الحجر) کہنا یا (يَا يَحْيٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ-آیت ۱۲-سورہ مریم) کہنا یا اس کے مشابہ، تو ان تمام صورتوں میں نماز باطل نہ ہوگی، چاہے دوران تلاوت اس آیت تک پہنچا ہو یا موقع کی مناسبت سے ابتداءً اس آیت کو پڑھا ہو۔لیکن صرف افہام اور اطلاع کی نیت سے آیت کی تلاوت کرے (یعنی ساتھ تلاوت کا قصد نہ ہو) تو نماز باطل ہوگی۔اگر قرآن کے چند کلمات کو بغیر قرآنی ترتیب کے پڑھے۔جیسے۔"يَا اِبْرَاهِيْمَ ، سَلَامٌ كُنْ" تو نماز باطل ہوگی اور ان الفاظ کو کسی حال میں قرآن کا حکم نہ ہوگا۔

ذکر واذکار: تسبیحات اور دعائیں عربی زبان میں پڑھنا جائز ہے، چاہے مسنون ہو یا نہ ہو۔لیکن جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور مخلوق کو خطاب ہو، ایسے الفاظ سے اجتناب ضروری ہے، کسی انسان کو خطاب کے لفظ سے سلام کرے یا اس کے سلام کا جواب دے تو نماز باطل ہوگی۔کسی نے سلام کیا تو نمازی ہاتھ یا سر کے اشارہ سے جواب دے، اگر علیہ السلام کہے، (یعنی اس پر سلامتی ہو) تو نماز باطل نہ ہوگی۔(کیونکہ اس میں خطاب نہیں ہے) دوسرے کے چھینکنے پر "يَرْحَمُهُ اللّٰهُ" (اللہ اس پر رحم کرے) کہے۔تو حرج نہیں لیکن "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہے تو نماز باطل ہوگی۔

احادیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے تو آپ جواب دیتے۔پھر جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے (ہجرت حبشہ کے بعد) تو آپ کو سلام کہا، لیکن جواب نہ دیا، پوچھنے پر فرمایا: یقیناً نماز میں (نماز کے اعمال میں) مصروفیت ہے۔(بخاری و مسلم) ابوداود ابن حبان کی روایت میں ہے۔اللہ نے نیا حکم نازل فرمایا ہے، کہ نماز میں گفتگو نہ کرو" آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں نماز پڑھ رہے تھے تو انصار نے آکر سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیلی کے اشارہ سے جواب دیا۔(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ،ابن حبان، تلخیص الجیر)

نماز میں سکوت یا اشارہ: نماز میں تھوڑی دیر یا زیادہ دیر کسی عذر سے یا بغیر عذر کے چپ رہے تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی، گونگے شخص کا سمجھ میں آنے والا اشارہ بیع (خرید و فروخت) وغیرہ معاملات میں نطق (گفتگو) کی طرح ہے۔ لیکن ان اشاروں سے اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔

شرط (ساتویں) افعال کثیرہ سے پرہیز (زیادہ حرکت سے بچنا)

نماز کے اعمال کے علاوہ افعال کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) وہ فعل و عمل جو نماز کی جنس سے ہو۔ (جیسے مزید رکوع و سجدہ وغیرہ) (ب) جو نماز کی جنس سے نہ ہو۔

(۱) اگر نماز کے جنس کے عمل کو کوئی بھول کر انجام دے، جیسے ایک رکوع یا سجدہ یا رکعت زائد ادا کرے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن عمداً یوں کرے تو نماز باطل ہوگی۔ (۲) جو عمل اور حرکت نماز کی جنس سے نہ ہو اگر وہ کثیر ہے تو نماز باطل ہوگی اور قلیل ہو تو نماز باطل نہ ہوگی۔ قلیل و کثیر کے فرق کیلئے عادت کی طرف رجوع کریں گے۔ لہٰذا جتنی حرکت کو عموماً لوگ قلیل تصور کرتے ہوں، اس سے نماز باطل نہ ہوگی جیسے اشارۃً سلام کا جواب دینا، چپل اتارنا، ہلکا کپڑا پہننا، یا اتارنا، صرف ایک عمل جیسے ایک قدم آگے رکھنا، ایک مار مارنا قلیل ہے، اسی طرح دو بھی قلیل ہے لیکن تین کثیر ہے۔ کثیر عمل سے نماز اس وقت باطل ہوگی، جبکہ یہ مسلسل اور پے در پے ادا ہوں۔ اگر ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ یہ اعمال ایک دوسرے سے جدا شمار ہوں، تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی، جیسے ایک قدم یا دو قدم آگے رکھا پھر کچھ دیر کے بعد ایک دو قدم اور آگے رکھا تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی۔

بعض علماء نے فرمایا کہ دو عمل کے درمیان (اقل) ایک رکعت کے بقدر فاصلہ ہو تو یہ جدا شمار ہوں گے۔ ایک عمل سے نماز اس وقت باطل نہیں ہوگی۔ جبکہ وہ حد سے گذرا ہوا نہ ہو۔ لہٰذا کوئی ایک مرتبہ بھی کودے تو نماز باطل ہوگی۔ اسی طرح بڑی حرکتوں سے نماز باطل ہوگی۔ خفیف اور چھوٹی حرکتوں سے باطل نہ ہوگی، جیسے انگلیوں سے تسبیح گننا، کھجانا یا گرہ لگانا یا کھولنا۔ امام شافعیؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ اگر آیتوں کو نماز میں انگلیوں پر گنتا رہے تو نماز باطل نہ ہوگی، لیکن اولیٰ اس طرح نہ کرنا ہے۔ عمل کثیر عمداً ہو یا سہواً دونوں صورتوں میں نماز باطل ہوگی۔ یہ عام حالت کی نمازوں کا حکم ہے۔ شدت خوف کی نماز میں حاجت کی وجہ سے کچھ گنجائش ہے، جس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

نماز میں قرآن میں دیکھ کر تلاوت: نماز میں قرآن شریف میں دیکھ کر تلاوت کرنا جائز ہے، بلکہ سورہ فاتحہ زبانی یاد نہ ہو تو دیکھ کر پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ گذر چکا۔ بیچ میں ورق الٹنے میں حرج نہیں، قرآن کے علاوہ کسی تحریر کو دیکھ کر اپنے دل میں اسے پڑھے (یعنی زبان سے ادا نہ کرے) تو نماز باطل نہ ہوگی۔

احادیث: (۱) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے امامہ بنت ابی العاص (آپ کی نواسی) کو کاندھے پر اٹھا کر نماز پڑھائی (متفق علیہ)

(۲) حضرت ابن عباس تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے کان پکڑ کر انہیں دائیں طرف کر دیا۔ (متفق علیہ)

(۳) آپ ﷺ نماز میں اشارہ فرماتے۔ (ابو داود، ابن خزیمہ)

(۴) حضرت عائشہؓ کے ایک غلام قرآن میں دیکھ کر ان کو تراویح پڑھاتے تھے۔ (امامت کرتے تھے) (ابن ابی شیبہ والبخاری تعلیقاً) (تلخیص الحبیر)

سُترہ (نمازی کا سامنے کچھ آڑ رکھنا)

احادیث: (۱) جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے سامنے کوئی چیز (بطور سترہ) رکھے نہ ہو تو عصا (ڈنڈا) کھڑا کر دے، عصا نہ ہو تو ایک خط (لکیر) کھینچ دے، پھر سامنے سے کسی کے گذرنے میں اسے کوئی نقصان نہیں، (الشافعی، احمد، ابوداود، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی۔ تلخیص ۱/۳۰۵)

(۲) نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اس گناہ کی شدت کا علم ہو تو چالیس سال تک کھڑے رہنا سامنے سے گذرنے سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

(۳) نماز میں تمہارے سامنے سے کوئی گذرے تو اسے روکو، نہ مانے تو پھر روکو، پھر نہ مانے تو اسے مارو وہ شیطان ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

نمازی کے سامنے دیوار یا ستون وغیرہ سترہ ہونا مستحب ہے۔ سترہ اور نمازی کے درمیان تین ذراع (ہاتھ) سے زیادہ فاصلہ نہ ہو۔ کھلے میدان وغیرہ میں ہو تو عصا وغیرہ کھڑا کر دے۔ یا اپنا اسباب وغیرہ جمع کر کے سامنے رکھ دے (جس کی اونچائی ایک ذراع یا کم از کم دو تہائی ہاتھ ہو) سامنے رکھنے کچھ میسر نہ ہو تو ایک خط کھینچے یا مُصلّی (جانماز) بچھالے، خط لمبائی میں قبلے کی طرف کھینچے۔

سترہ موجود ہو تو نمازی کے اور سترہ کے درمیان سے گذرنا حرام ہے۔ کوئی گذرے، تو نمازی اسے دفع کر سکتا ہے، نہ مانے تو مار بھی سکتا ہے چاہے نتیجتاً وہ مر بھی جائے۔ گذرنے والے کیلئے دوسرا راستہ ہو، یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے، جیسا کے بخاری شریف کی روایت سے واضح ہے۔ اگر سامنے سترہ نہ ہو یا سترہ دور ہو (یعنی نمازی کے اور اس کے درمیان تین ذراع سے زائد فاصلہ ہو) تو خود نمازی کی غلطی ہے لہٰذا اب گذرنے والے کو روکنے کا اختیار نہ ہو گا اور خود گذرنا بھی حرام نہ ہو گا لیکن افضل نہ گذرنا ہے۔

دوران جماعت آنے والے کو پہلی صف میں جگہ خالی نظر آئے تو اسے پر کرنے کے لئے دوسرے صف کے آگے سے گذرنا جائز ہے، کیونکہ یہ ان کا قصور ہے۔

کسی بھی چیز کے نمازی کے سامنے سے گذرنے سے نماز باطل نہ ہو گی، چاہے مرد، عورت، کتا، گدھا یا اور کوئی شئے گذرے۔ نمازی سامنے سترہ رکھے تو سنت ہے کہ اسے بالکل سامنے نہ رکھتے ہوئے معمولی دائیں یا بائیں سمت رکھے۔

حدیث: (۱) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے دیکھا تو اسے دائیں یا بائیں بھنوؤں (آنکھ) کے بالمقابل رکھتے پایا۔ اسے بالکل سامنے نہ رکھتے۔ (تاکہ بت پرستوں سے مشابہت نہ ہو) (رواہ ابوداود)

(۲) نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی (یعنی سامنے سے گذرنے سے) حتی الامکان (گذرنے والے کو) دفع کرو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (ابوداود عن ابی سعید) (مشکوۃ)

شرط (آٹھویں)۔ کھانے سے باز رہنا

نماز میں کچھ کھالے، چاہے معمولی چیز ہو تو نماز باطل ہو گی۔ دانتوں میں پھنسے ریزے یا سر سے اترے ہوئے بلغم کو عمداً نگلے تو نماز باطل ہو گی۔ مغلوباً اندر چلا جائے تو باطل نہ ہو گی۔ بھول کر یا مسئلہ سے لاعلمی کی وجہ سے تھوڑا کھالیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ زیادہ کھا جائے تو

اس صورت میں بھی ٹوٹ جائیگی۔ قلیل وکثیر کا دارومدار عرف پر ہوگا۔ بغیر چبائے اور نگلے بھی کوئی چیز پیٹ میں پہنچ جائے، مثلاً کوئی شکر منہ میں رکھے اور وہ پگھل کر اندر پہنچ جائے تو نماز باطل ہوگی۔ تو خلاصہ یہ کہ جن صورتوں میں روزہ ٹوٹتا ہے نماز بھی ٹوٹ جائے گی۔ چبانا تنہا بھی ایک فعل ہے، جس کی کثرت سے نماز باطل ہوگی، چاہے اندر کوئی چیز نہ جائے یہاں تک کہ گوند چباتا رہے تو نماز باطل ہوگی۔

فصل۔ مسجد کے بعض احکام

بے وضو شخص مسجد میں ٹھہر سکتا ہے۔ اسی طرح اسے بغیر کراہت کے مسجد میں سونا جائز ہے۔ (لیکن جو نشہ میں ہو وہ مستثنیٰ ہے اسے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ حاشیۃ الروضہ) جنبی اور حائضہ کا مسئلہ گذر چکا ہے۔ کسی کافر کو حرم مکہ میں داخلہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے، چاہے مسجد ہو یا غیر مسجد۔ حرم پاک کے علاوہ دنیا کے دیگر مساجد میں کافر (کسی مکلف) مسلمان کی اجازت سے جاسکتا ہے، بغیر اجازت کے نہیں جاسکتا۔ اگر گیا تو (اسلامی حکومت) اسے مناسب تعزیری سزا دے گی، اگر حاکم (قاضی) فیصلے کیلئے مسجد میں بیٹھے تو ذمی (اسلامی حکومت کا غیر مسلم باشندہ) اپنے محاکمے کے لئے (حاکم کے سامنے اپنا جھگڑا اور کیس لے جانے کیلئے) بغیر اجازت کے جاسکتا ہے۔ اور اس کا مسجد میں بیٹھنا ہی اجازت سمجھا جائے گا۔

ذمی کو سونے اور کھانے کیلئے مسجد میں اجازت نہ دی جائے، قرآن یا علمی بات سننے کیلئے اجازت دی جائے، شاید کہ اسلام لے آئے۔ ذمی جنبی ہو تب بھی روکنا ضروری نہیں ہے۔ جن صورتوں میں مسلمان حائضہ کو مسجد سے روکا جاتا ہے، ایک کافرہ حائضہ کو بھی روکا جائے گا۔ بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے گا (ایسے بچے مراد ہیں جو مسجد کے احترام وغیرہ کی سمجھ نہیں رکھتے) جنبی اور حائضہ کو مسجد کے علاوہ دیگر نماز کے مقامات (مثلاً عید گاہ) میں جانا ممنوع نہیں ہے۔ مسجد کو نقش ونگار کرنا اور کنگرے بنانا مکروہ ہے۔ نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں مسجد کو بند رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔ اگر کوئی تھوکے تو اب اس گناہ کا کفارہ یہ ہے کہ مسجد کے ریت یا مٹی میں اسے دفن کر دے (جبکہ قدیم طرز پر مسجد میں ریت یا مٹی بچھی ہو، پختہ فرش نہ ہو، ورنہ مناسب طریقے سے اس کی صفائی کرے) اگر ہاتھ وغیرہ سے پونچھ کر اچھی طرح صاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔ جو شخص لہسن یا پیاز یا اور کوئی بد بودار چیز کھالے تو جب تک بدبو ختم نہ ہو، بلا مجبوری کے مسجد میں جانا مکروہ ہے، مسجد کے اندر پیڑ لگانا مکروہ ہے، اگر کوئی لگا دے تو امام وقت (ذمہ دار) اسے کاٹ دے۔ مسجد میں کنواں کھودنا۔ اور کوئی کاریگری وغیرہ کرتے بیٹھنا مکروہ ہے۔ مسجد میں کھانے پینے میں اور وضو کرنے میں حرج نہیں جبکہ اس سے اوروں کو تکلیف نہ ہو۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر اندر رکھے اور نکلتے وقت بایاں پیر باہر نکالے اور جو مشہور دعائیں احادیث میں موجود ہیں پڑھے۔ مسجد کی دیوار کو باہر کی طرف سے بھی تمام باتوں میں مسجد ہی کی حرمت کا حکم ہے۔

احادیث: (۱) مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے۔ (متفق علیہ عن انس رضی اللہ عنہ)

(۲) جو شخص اس بدبودار پودے سے (یعنی پیاز) کھائے وہ ہرگز ہمارے مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ (متفق علیہ عن انس رضی اللہ عنہ)

(۳) اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب جگہ مساجد ہیں اور سب سے مبغوض (نفرت والی جگہ) بازار ہیں۔ (مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

(۴) جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد تعمیر کرے اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنّت میں مکان تعمیر کرتے ہیں۔ (متفق علیہ، عن عثمان رضی اللہ عنہ)

(۵) تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو ”اَللّٰھُمَّ افۡتَحۡ لِیۡ اَبۡوَابَ رَحۡمَتِكَ“ اور باہر نکلے تو ”اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَسۡئَلُكَ مِنۡ

فَضْلِكَ" پڑھے۔(رواہ مسلم عن ابی اسید)

(۲)مجھے مساجد کو مزین (گچ کاری) کرنے کا حکم نہیں دیا گیا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم ضرور مساجد کو مزین کروگے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔(رواہ ابوداود عن ابن عباس، مشکوۃ شریف)

باب ۶۔ان سجدوں کا ذکر جو اصل نماز میں داخل نہیں

ایسے سجدے تین ہیں(۱) سجدہ سہو(۲) سجدہ تلاوت(۳) سجدہ شکر

(۱)**سجدہ سھو:** سجدہ سہو سنت ہے، واجب نہیں۔ اس کے دو اسباب ہیں(۱) کسی مطلوبہ عمل کا ترک(۲) کسی ممنوعہ عمل کا ارتکاب۔(۱)**مطلوبہ عمل کا ترک:** اگر کسی رکن کو ترک کرے تو اس کی تلافی اور تدارک ضروری ہے، سجدہ سہو کر لینا کافی نہیں ہے، تلافی کے بعد کبھی تو سجدہ سہو بھی سنت ہو گا اور کبھی نہیں جیسا کہ آئندہ تفصیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اگر سنن ابعاض میں سے کوئی سنت عمداً یا سہواً (بھول سے) چھوٹ جائے، تو سجدہ سہو کرنا سنت ہے۔

(۲)**ممنوع عمل کا ارتکاب:** اس کی دو قسمیں ہیں(۱) ایسا عمل جس کے عمداً کرنے سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ جیسے التفات (ادھر ادھر دیکھنا) ایک یا دو قدم آگے بڑھنا(۲) ایسا عمل جس کے عمداً کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے۔ جیسے کلام، زائد رکوع وغیرہ۔ پہلی صورت میں سجدہ سہو نہ کرے۔ دوسری صورت میں اگر سہواً وہ عمل کرنے سے نماز باطل نہ ہو تو سجدہ سہو کرنا سنت ہے۔ عمل کثیر، زیادہ کھانا، اور کثیر کلام سہواً بھی ہو تو نماز باطل ہو گی اس لئے اس صورت میں سجدہ سہو کا سوال نہیں، اسی طرح عمداً یا سہواً حدث ہو جائے تب بھی نماز باطل ہے اس لئے سجدہ سہو نہیں کرے گا۔ صحیح مسلم شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اعتدال کو کافی طویل کیا۔ اس لئے دلیل کی رو سے راجح بات یہی ہے کہ اعتدال کو ذکر کے ذریعے طویل کرنا جائز ہے۔(امام اذرعیؒ بھی مذھباً و دلیلاً اسے صحیح قرار دے رہے ہیں اور نص شافعی سے اسے نقل فرمایا ہے۔حاشیۃ الروضہ)

کسی رکن ذکری (قولی رکن) کو دوسرے طویل رکن کی طرف منتقل کرے مثلاً سورہ فاتحہ مکمل یا بعض، رکوع یا تشہد میں پڑھے یا بعض تشہد، قیام میں عمداً پڑھے تو اس سے نماز باطل نہ ہو گی۔ لیکن عمداً اعتدال کو سورہ فاتحہ یا تشہد کی وجہ سے طویل کرے تو نماز باطل ہو گی۔ سہواً اس طرح ہو تو سجدہ سہو کرے۔

بعض وہ مسائل جن کے عمداً کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی پھر بھی ان کے سہواً کرنے سے سجدہ سہو سنت ہے(۱) رکوع سے قبل دعا قنوت پڑھنا(۲) رمضان کے نصف آخر کے علاوہ وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔(حاشیۃ الروضہ۔ ۱/۴۰۶)

فصل۔ترتیب کے متعلق

نماز کے ارکان میں ترتیب واجب ہے عمداً ترتیب ترک کرنے سے نماز باطل ہو گی۔ اگر سہواً ترک ہو تو اس متروکہ (چھوٹے ہوئے) رکن کے بعد کے اعمال کا اعتبار نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ اسے ادا نہ کرے۔ متروکہ فعل کے مثل ادا کرنے سے قبل یاد آئے تو فوراً اس متروک کو ادا کرے۔(اور آگے بڑھے۔) اور دوسری رکعت میں اس کے مثل ادا کرنے تک یاد نہ آیا تو اس کے ذریعے وہ ادا ہو گیا، اور اس طرح ایک رکعت ہو گئی۔ اور درمیانی اعمال لغو ہوئے۔(ان کو شمار نہیں کرے گے)

مثال۔ پہلی رکعت کا رکوع ترک کر کے آگے بڑھا اب دوسری رکعت کا رکوع کرنے سے پہلے جب بھی یاد آئے فوراً پہلی رکعت کا

رکوع کرے اور پھر ترتیب سے آگے بڑھے۔ دوسری رکعت کے رکوع تک یاد نہ آئے تو دوسری رکعت کا یہ رکوع پہلی رکعت کا رکوع شمار ہوگا۔ درمیان میں جو سجدے وغیرہ ہوچکے ہو غیر معتبر ہیں۔ اب آگے اعتدال سجدے وغیرہ کرے تب پہلی رکعت مکمل ہوگی۔

یہ تفصیل اس وقت ہے کہ چھوٹا ہوا رکن اور اس کی جگہ یاد ہو، ورنہ پھر ادنیٰ ممکن پر عمل کر کے آگے بڑھے۔ ان ساری صورتوں میں سجدہ سہو کرے۔ لیکن از سر نو نماز دہرانی پڑے، مثلاً کوئی رکن چھوٹے اوراس کے نیت یا تکبیر تحریمہ ہونے کا بھی امکان ہو (تو اس صورت میں نماز نئے سرے سے پڑھنا ضروری ہے) تو سجدہ سہو نہ کرے، اسی طرح سلام ترک ہو اور زیادہ وقت گذرنے سے پہلے یاد آجائے تو سلام پھیرے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

تشھد اوّل کا ترک: مسئلہ گذر چکا کہ تشہد اول کے ترک سے سجدہ سہو سنت ہے، اگر کوئی دوسری رکعت میں تشہد بھول کر کھڑا ہو گیا یا بیٹھا لیکن تشہد پڑھنا بھول کر کھڑا ہو گیا اور پوری طرح قیام میں پہنچنے کے بعد یاد آیا تو اب تشہد کیلئے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ اگر مسئلہ معلوم ہوتے ہوئے عمداً بیٹھ گیا تو نماز باطل ہوگی۔ بھول کر یا لاعلمی کی وجہ سے بیٹھا تو نماز باطل نہ ہوگی، لیکن یاد آتے ہی فوراً کھڑا ہونا واجب ہے۔ امام کھڑا ہو جائے تو مقتدی کو تشہد کیلئے پیچھے رہنا جائز نہیں ہے، اگر پیچھے رہا تو اس کی نماز باطل ہوگی، البتہ امام سے جدائی کی نیت کرے تو جائز ہے۔ امام کے ساتھ مقتدی بھی کھڑا ہوا، پھر امام لوٹ گیا تو اب مقتدی کو لوٹنا جائز نہیں، بلکہ یا تو امام سے جدائی کی نیت کرے (اور اپنی نماز تنہا پوری کرے) یا قیام میں امام کا انتظار کرے، کیونکہ ممکن ہے امام نے بھول سے اس طرح کیا ہو۔ مذکورہ صورت میں جان بوجھ کر مقتدی بھی امام کے ساتھ بیٹھ جائے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ بھول کر یا لاعلمی سے بیٹھے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اگر مقتدی بیٹھا اور امام کھڑا ہو کر پھر بیٹھ گیا تو مقتدی کیلئے کھڑے ہونا لازم ہے۔ اگر امام تشہد اوّل میں بیٹھے اور مقتدی بھول سے کھڑا ہو جائے یا دونوں کھڑے ہوئے لیکن امام قیام میں پہنچنے سے پہلے یاد آنے کی وجہ سے واپس لوٹا اور مقتدی مکمل کھڑا ہو تو دونوں صورتوں میں مقتدی کو امام کی متابعت میں تشہد کیلئے لوٹنا واجب ہے ورنہ نماز باطل ہوگی۔

بھول کر تشہد اوّل چھوڑ کر اٹھنے کے بعد قیام کی حالت کو پہنچنے سے پہلے یاد آجائے تو تشہد کے لئے واپس لوٹنا مستحب ہے اس صورت میں قیام کے زیادہ قریب پہنچ چکا تھا تو سجدہ سہو ادا کرے۔ اور قعود (بیٹھنے) کے زیادہ قریب تھا، یا دونوں طرف برابر تھا، تو سجدہ نہ کرے۔ عمداً تشہد اوّل چھوڑ کر اٹھے اور قیام سے زیادہ قریب ہونے کے بعد لوٹے تو نماز باطل ہوگی۔ اور اس سے پہلے ہی لوٹے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ کوئی بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور دو رکعت کے بعد تلاوت شروع کرے اوراس کا گمان یہ ہو کہ میں تشہد سے فارغ ہو چکا ہوں۔ اور تیسری رکعت کا وقت آچکا ہے تو اب تشہد کی طرف نہ لوٹے، اگر تشہد کا نہ پڑھنا معلوم ہو اور سبقت لسانی سے تلاوت ہو جائے تو اسے چھوڑ کر تشہد پڑھ سکتا ہے۔

قنوت کے ترک کو بھی تشہد اوّل پر قیاس کریں گے، لہٰذا قنوت بھول کر سجدہ میں پیشانی رکھدے تو اب واپس لوٹنا جائز نہیں ہے، پیشانی زمین پر رکھنے سے پہلے یاد آجائے تو لوٹ سکتا ہے، اب رکوع کی حد تک پہنچنے کے بعد لوٹا ہے تو سجدہ سہو کرے، پہلے ہی لوٹ گیا تو سجدہ نہیں کرے گا۔

زائد رکعت شروع کرنا: چار رکعت والی نماز میں بھول کر پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہوا تو جب بھی یاد آئے فوراً بیٹھ جائے، اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے چاہے قیام میں یاد آئے یا رکوع یا سجدہ میں۔ بیٹھنے کے بعد یاد آیا تو اب سجدہ کر کے سلام پھیر دے۔ پانچویں رکعت میں یا بیٹھنے کے بعد تشہد پڑھنے سے پہلے یاد آجائے، اور چوتھی رکعت میں تشہد نہیں پڑھا تھا تو اب تشہد پڑھنا واجب

ہے۔اور چوتھی رکعت میں تشہد پڑھ چکا تھا (چاہے تشہد اول سمجھ کر پڑھا ہو۔) تو اب تشہد کے اعادہ کی ضرورت نہیں، صرف سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔ رکوع چھوڑ کر سجدہ میں چلا گیا پھر یاد آیا تو واپس قیام میں لوٹ کر پھر رکوع میں جانا واجب ہے۔

فصل: ایک قاعدہ (اصول اور ضابطہ) جس پر فقہی ابواب میں بارہا عمل ہوتا ہے۔

اصول: کسی چیز کے وجود یا عدم کا یقین ہو، پھر اس کے تغیر و زوال کے متعلق شک ہو جائے، تو سابقہ یقین ہی کو برقرار رکھیں گے، اور شک کو نظر انداز کیا جائے گا۔ لہٰذا اس اصول کی روشنی میں کسی سنت بعض کے متعلق شک ہو تو اصل اس کا انجام نہ دینا ہے، لہٰذا سجدہ سہو کرے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ کسی متعین سنت بعض کے متعلق شک ہو۔ اگر یہ شک ہو کہ کوئی سنت بعض ترک تو نہیں ہوئی، تو اس صورت میں سجدہ سہو نہ کرے۔ جیسا کہ سہو کے ہونے نہ ہونے میں شک ہو تو سجدہ نہیں کریگا۔ کسی ممنوع عمل کے ارتکاب میں شک ہو جیسے بھول کر سلام یا کلام، تو چونکہ اصل عدم ہے (یعنی نہ کرنا) اس لئے سجدہ نہ کرے۔ سہو کا یقین ہو لیکن سجدہ سہو کیا یا نہیں اس میں شک ہے تو سجدہ کرے گا اس لئے کہ اصل سجدہ نہ کرنا ہے۔ یہ شک ہو جائے کہ ایک سجدہ کیا یا دو تو (ایک سمجھ کر) ایک اور سجدہ کرے سہو کا یقین ہے لیکن سبب کے متعلق شک واقع ہو تو سجدہ ادا کریگا۔

رکعت کی تعداد میں شک

اگر شک ہو جائے کہ تین رکعت ہوئی یا چار تو اقل (کم) پر عمل کر کے باقی کو مکمل کرے (اس مثال میں تین رکعت شمار کرے اور چوتھی رکعت پڑھے) اور سجدہ سہو کرے محض گمان اور اجتہاد کا یہاں دخل نہ ہو گا۔ اسی طرح دوسرے کے قول پر بھی عمل نہیں کرینگے اسی طرح امام چوتھی رکعت سمجھ کر کھڑا ہو اور مقتدی پانچویں سمجھ کر اسے لقمہ دیں تو وہ ان کے قول کو اختیار نہیں کرے گا۔ (اگر اُسے بھی یاد آجائے کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو اس پر عمل کریگا۔)

نماز ہی میں شک زائل ہو جائے تو شک آنے سے ختم ہونے تک کے اعمال ہر حال میں ضروری تھے تو سجدہ سہو نہ کرے۔ اور ان کے زائد ہونے کا احتمال تھا تو سجدہ کرے مثلاً! ظہر کی نماز میں شک ہوا کہ یہ رکعت تیسری ہے یا چوتھی۔ اور وہ اسی شک کے ساتھ اس رکعت کو مکمل کرے اس ارادے کے ساتھ کہ ایک رکعت اور ملانا ہے لیکن اس رکعت کے شروع کرنے سے پہلے ہی یاد آجائے کہ یہ تیسری ہے یا چوتھی (اور شک دور ہوا) تو اس صورت میں سجدہ نہ کرے۔ اس لئے کہ یہاں شک کے ساتھ جو رکعت ادا ہوئی ہے وہ ہر حال میں ضروری تھی۔ لیکن مزید ایک رکعت کیلئے کھڑا ہونے کے بعد یاد آیا تو سجدہ سہو کرے، چاہے یہ چوتھی ہی رکعت ہو۔ اس لئے کہ کھڑا ہوتے وقت اس کے پانچویں اور زائد ہونے کا احتمال موجود تھا۔

احادیث: آپ ﷺ نے فرمایا! ”کسی کو نماز میں شک ہو کہ کتنی رکعت ہوئی تین یا چار تو شک کو ترک کر کے (نظر انداز کر کے) یقین پر بناء کرے پھر سلام سے قبل دو سجدہ کرے۔ (مسلم ابوداود۔ترمذی، نسائی)

(۲) آپ ﷺ نے فرمایا! ”کسی کو نماز میں بھول ہو اور پتہ نہ چلے کہ ایک رکعت پڑھی یا دو تو ایک پر بناء کرے۔ (ایک سمجھ کر آگے بڑھے) پتہ نہ چلے کہ دو پڑھی یا تین تو دو پر بناء کرے، پتہ نہ چلے کہ تین پڑھی یا چار تو تین پر بناء کرے اور سلام سے قبل دو سجدے کرے“۔ (ترمذی) (تیسیر الوصول)

نماز کے دوران شک: نماز کے دوران رکعات کی تعداد یا کسی رکن کی ادائیگی میں شک ہو، تو اصل یہ ہے کہ اس نے نہیں

کیا، لہٰذا یقین پر عمل کرے، جیسا کہ گذرا۔ لیکن سلام پھیرنے کے بعد اس طرح شک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور اسے کسی تلافی کی ضرورت نہیں۔

فصل۔ سجدہ سھو میں تکرار

سہو کے کئی اسباب پائے جائیں تب بھی نماز کے آخر میں صرف دو ہی سجدے کرینگے۔ حقیقتاً سجدہ سہو میں تکرار نہیں ہوگا۔ لیکن بعض مسائل میں صورۃً سجدہ سہو میں تکرار ہوگا۔

(۱) مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنے کے بعد اپنی نماز کے آخر میں بھی سجدہ سہو کرے گا۔

(۲) جمعہ کی نماز میں سہو ہو اور سجدہ کرے پھر سلام سے پہلے ہی یہ بات معلوم ہو جائے کہ ظہر کا وقت نکل چکا ہے تو مزید دو رکعت ظہر کی نیت سے ملالیں گے۔ اور آخر میں پھر سجدہ سہو کرینگے۔

(۳) اس گمان سے سجدہ کیا کہ کچھ سہو ہوا تھا، پھر سلام سے پہلے ہی یہ بات واضح ہو جائے کہ سہو نہیں ہوا تھا تو اب سجدہ سہو کرے۔ (کیونکہ پہلے دو سجدے بے محل اور زائد تھے)

(۴) مسافر نماز قصر میں سہو کی وجہ سے سجدہ کرے پھر سلام سے قبل مکمل نماز کی نیت کرے یا کشتی اپنی بستی میں پہنچنے کی وجہ سے وہ مقیم ہو جائے تو اب مکمل نماز پڑھ کے پھر سجدہ کرے۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں سجدہ سھو کا اعادہ نہ کرے۔

(۱) سجدہ سہو کے درمیان یا بعد میں سلام سے قبل بھول کر کلام کرے۔

(۲) غلطی سے سہو کے تین سجدے کرے۔

(۳) سہو کے سجدے ایک کیا یا دو شک ہوا، اس لئے ایک ٹھہرا کر دوسرا سجدہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ دو سجدے کر چکا تھا۔ (اور یہ تیسرا ہے)

(۴) اس گمان سے سجدہ کیا کہ سہو قنوت کے ترک کی وجہ سے تھا پھر یاد آیا کہ کچھ اور سبب تھا۔

فصل۔ مقتدی کے سھو کے متعلق: بحالت اقتداء صرف مقتدی کو سہو ہو تو سجدہ نہ کرے، اس کا سہو امام اٹھالے گا۔ (یعنی امام کی وجہ سے اس کی تلافی ہو جائے گی) امام کے سلام کے بعد سہو ہو تو امام نہیں اٹھائے گا (بلکہ یہ سجدہ سہو کرلے) ابتداء سے امام کے ساتھ شامل مقتدی امام کے سلام کے بعد بھول سے کلام کرے تو اب یہ سجدہ سہو کرے۔ اسی طرح منفرد سے سہو ہو پھر وہ کسی جماعت میں شامل ہو تو امام اس سہو کو نہیں اٹھائے گا (وہ آخر میں اپنا سجدہ کرلے) مقتدی یہ سمجھ کر سلام پھیرے کہ امام سلام پھیر چکا ہے پھر پتہ چلا کہ اس نے سلام نہیں پھیرا، تو اب اس کے ساتھ سلام پھیرے، سجدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سہو اقتداء کی حالت میں ہوا ہے۔ تشہد میں یاد آجائے کہ اس نے رکوع یا سورہ فاتحہ بھول کر چھوڑ دی تھی تو امام کے سلام کے بعد ایک رکعت پڑھنا لازم ہے، لیکن سجدہ نہ کرے، کیونکہ بحالت اقتداء بھول ہوئی ہے۔ مسبوق سہواً امام کے ساتھ سلام پھیرے پھر یاد آئے تو اسی نماز پر بنا کرے (یعنی آگے کی بقیہ رکعات پڑھ لے) اور سجدہ کرے اس لئے کہ یہ سہو اقتداء کے ختم ہونے کے بعد ہوا ہے۔ مسبوق کو یوں محسوس ہوا کہ امام سلام پھیر چکا ہے، مثلاً کچھ آواز سنائی دی اور وہ سمجھا کہ امام کے سلام پھیرنے کی آواز ہے اس لئے اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کھڑا ہوا اب مثلاً اس کے

ذمہ ایک رکعت باقی تھی وہ مکمل کر کے بیٹھا تو پتہ چلا کہ ابھی امام نے سلام نہیں پھیرا اور اس کا گمان غلط تھا تو یہ رکعت چونکہ غیر محل میں ادا ہوئی ہے اس لئے اسے شمار نہیں کرینگے۔ کیونکہ بقیہ رکعت کی ادائیگی کا وقت اقتداء ختم ہونے کے بعد ہے۔ لہٰذا اب امام کے سلام کے بعد بقیہ نماز مکمل کرے، اور سجدہ سہو کی ضرورت نہیں کیونکہ اقتداء کا حکم باقی تھا۔ اس مسئلہ میں اگر اس کے کھڑے ہونے کے بعد امام سلام پھیر دے تو اسے چاہیئے کہ واپس تشہد میں بیٹھ جائے اور پھر کھڑا ہو۔ لیکن امام کے سلام کا اسے علم نہ ہوا، یہاں تک کہ وہ رکعت مکمل کرلی، تو یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔ (پھر ایک رکعت پڑھے) اور سجدہ سہو ادا کرے۔ کیونکہ امام کے سلام کے بعد زیادتی پائی گئی۔

فصل۔ امام کا سھو: امام سے نماز میں سہو ہو تو وہ سہو مقتدی کو بھی لاحق ہوگا۔ (یعنی مقتدی سے سہو نہ بھی ہو تو امام کے سہو کی وجہ سے وہ بھی سجدہ سہو کریگا) البتہ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

(۱) امام کا بے وضو ہونا معلوم ہو جائے تو صرف اس کے سہو کی وجہ سے مقتدی سجدہ نہ کرے۔ اور اس صورت میں مقتدی کا سہو امام بھی نہیں اٹھائے گا۔ (لہٰذا مقتدی سے کچھ سہو ہوا تو وہ اپنا سجدہ سہو کرے)

(۲) مقتدی کو امام کے سجدہ کا سبب معلوم ہو اور اس کی غلطی کا یقین ہو جیسے امام کا گمان ہو کہ میں نے کسی سنت کو ترک کیا ہے۔ اور مقتدی کو معلوم ہو کہ وہ سنت ترک نہیں ہوئی تو سجدہ میں امام کی موافقت نہ کرے۔

ان دو صورتوں کے علاوہ امام سجدہ سہو کرے تو مقتدی کو اس کی موافقت لازم ہے۔ عمداً موافقت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ چاہے امام کے سہو کا مقتدی کو پتہ ہو یا نہ ہو، پس جب بھی امام اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرے مقتدی کو اس کی اتباع واجب ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس سے کچھ سہو ہوا ہوگا۔ لیکن امام پانچویں (زائد) رکعت کیلئے کھڑا ہوا تو مقتدی یہ سوچ کر کہ شاید اس سے کوئی رکن چھوٹ گیا ہوگا، اس کی اتباع نہ کرے، کیونکہ اس صورت میں حقیقت حال کی تحقیق کے باوجود اتباع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مقتدی بالیقین اپنی نماز مکمل کرچکا ہے۔ اگر مقتدی مسبوق ہو یا کسی رکن مثلاً سورۂ فاتحہ کے ترک میں اسے شک ہو اور امام پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو، تو مقتدی کو اس کی اتباع جائز نہیں ہے۔ اگر امام ایک ہی سجدہ کرے تو مقتدی دوسرا بھی کرے کہ شاید امام بھولا ہو، اگر امام سجدہ سہو ترک کرے تو مقتدی سجدہ کرلے۔ امام سلام پھیرے اور مقتدی بھی (سجدہ سہو) بھول کر اس کے ساتھ سلام پھیرے، پھر امام سجدہ کرے تو مقتدی بھی اس کی اتباع کرے۔

اگر مقتدی سہو کا علم ہوتے ہوئے عمداً سلام پھیرے تو اسے امام کی اتباع لازم نہیں ہے۔ امام کے سلام کے بعد مقتدی سلام نہ پھیرے اور سجدہ سہو کرے پھر امام لوٹ کر سجدہ کرے تو مقتدی اس کی اتباع نہ کرے اور مقتدی کے سجدہ سے پہلے ہی امام سجدہ کی طرف لوٹے تب بھی مقتدی اس کی اتباع نہ کرے، بلکہ تنہا اپنا سجدہ ادا کرے، سہو کے بعد امام کو حدث ہو جائے تو مقتدی اپنی نماز مکمل کر کے سجدہ سہو کرے، اگر صرف مقتدی کو سہو ہونے کے بعد امام کو حدث ہو تو مقتدی کو سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام سہواً پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو، اور اس کے رکوع کی حد تک پہنچنے کے بعد مقتدی نے اس سے جدائی کی نیت کی تو مقتدی سجدہ سہو کرے اور رکوع کی حد سے پہلے ہی جدائی کی نیت کرلی تو اب سجدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر امام حنفی ہو اور (اپنے مسلک کے مطابق) سجدہ سہو سے پہلے سلام پھیرے تو مقتدی اس کے ساتھ سلام نہ پھیرے بلکہ اپنے سلام سے قبل سجدہ سہو کرے۔ اور امام کے سجدہ کے انتظار کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے سلام کے وجہ سے دونوں میں جدائی ہوچکی۔

مسبوق کے امام کے ساتھ شامل ہونے سے قبل یا شامل ہونے کے بعد امام سے سہو ہو اور امام اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرے تو مقتدی (مسبوق) کو اس کے ساتھ سجدہ کرنا لازم ہے، بعد میں اپنی نماز کے آخر میں بھی سجدہ سہو کرے گا، اور امام سجدہ نہ کرے تو صرف

اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرے گا۔

فصل۔ سجدہ سہو کی کیفیت اور محل کے متعلق

سہو کے دو سجدے ہیں، درمیان میں افتراش کی ہیئت پر بیٹھے، دوسرے سجدے کے بعد سلام پھیرنے تک تورک کی ہیئت پر بیٹھے، اس سجدے کے واجبات اور مستحبات وہی ہیں جو نماز کے سجدے کے ہیں۔ بعض ائمہ نے ان دونوں سجدوں میں "سُبْحَانَ مَنْ لَّا یَنَامُ وَلَایَسْھُوْ" (ترجمہ پاک ہے وہ ذات جو نہ سوتی ہے اور نہ بھولتی ہے) پڑھنا مستحب سمجھا ہے، اور یہ ذکر مناسب حال ہے۔ (لیکن حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا۔ (حاشیۃ الروضہ) آخری تشہد درود و دعا سے فارغ ہونے کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل سجدہ سہو کا محل ہے۔ اگر عمداً سجدہ سے قبل سلام پھیرا تو سجدہ فوت ہو گیا۔ اسی طرح سہواً سلام پھیرنے کے بعد کافی وقت گذر گیا تو سجدہ فوت ہو گیا، اب سجدہ نہ کرے لیکن سہواً سلام کے بعد جلد ہی یاد آئے اور سجدہ نہ کرنا چاہے تو نہ کرے اس کی نماز صحیح ہے (کیونکہ سجدہ سہو سنت ہے) اور سجدہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اور یہ بہتر ہے۔ لیکن ان صورتوں میں سجدہ نہیں کر سکتا: جمعہ کا سلام پھیرتے ہی وقت نکل جائے، قصر پڑھنے والا سلام کے بعد اقامت کی نیت کرے، تیمم کر کے نماز پڑھنے والے کو سلام پھیرتے ہی پانی نظر آئے، یا موزے پر مسح کی مدت ختم ہو جائے یا دائم الحدث شفاء پائے۔ (حاشیۃ الروضہ ۴۲۰)

سجدہ کرنے کی صورت میں وہ دوبارہ نماز میں داخل سمجھا جائے گا۔ لہٰذا اس صورت میں درج ذیل مسائل کا ترتب ہو گا۔

(۱) اگر عمداً کلام کیا یا حدث ہوا تو نماز باطل ہو گی (۲) جمعہ میں سجدہ کی طرف لوٹنے کے بعد جمعہ کا وقت نکل جائے تو جمعہ فوت ہو گی۔ (اور اب ظہر مکمل کرنا پڑے گی) (۳) مسافر قصر پڑھ رہا تھا اور سجدہ میں مکمل نماز کی نیت کی تو اب پوری نماز پڑھنا واجب ہے۔ اس طرح سجدہ کی طرف لوٹنے کی صورت میں تکبیر تحریمہ اور دوبارہ تشہد پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ سلام پھیرنا لازم ہے۔

بعض متفرق مسائل

(۱) نفل نماز میں سہو کا حکم فرض ہی کی طرح ہے۔ (۲) ایک نماز کا سلام پھیر کر دوسری نماز شروع کرنے کے بعد یقین ہوا کہ پہلی نماز کا ایک رکن چھوٹ گیا ہے، تو یہ دوسری نماز منعقد نہ ہو گی، پہلی نماز کے بعد زیادہ دیر نہیں گذری تو اسی پر بناء کرے ورنہ از سر نو اس نماز کو پڑھ لے۔ (۳) چار رکعت والی نماز میں تشہد کی حالت میں شک ہوا کہ یہ پہلا تشہد ہے یا دوسرا اور اسی شک کی حالت میں تشہد پڑھ کر کھڑا ہوا پھر شک دور ہوا تو سجدہ سہو ادا کرے، چاہے پہلا تشہد ثابت ہو یا آخری۔ کیونکہ پہلا تشہد ہونے کی صورت میں بھی اس کا یہ قیام زیادتی کے شک کے ساتھ تھا۔ تشہد میں بیٹھا ہوا ہی تھا اور شک دور ہوا تو سجدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (۴) مسافر قصر کی نیت کرے اور بھول کر چار رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں ایک ایک سجدہ بھول جائے تو اسے دو رکعت حاصل ہوئی اب سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے، اس کی نماز مکمل ہے۔ اسے مکمل نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اس کی نیت نہیں کی ہے۔ اسی طرح جمعہ کی نماز بھول کر اس طرح چار رکعت پڑھے تو سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔ (۵) فجر کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نازلہ کا ارادہ تھا لیکن بھول گیا، تو اس کی وجہ سے سجدہ سہو نہ کرے۔ (۶) کسی نماز میں داخل ہونے کے بعد یوں خیال ہوا کہ تکبیر تحریمہ نہیں کہی، اس لئے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی پھر یاد آیا کہ پہلی نماز میں تکبیر تحریمہ کہہ چکا تھا تو اب اگر دوسری نماز سے فارغ ہونے کے بعد یاد آیا تو پہلی نماز فاسد نہیں ہوئی اور دوسری نماز کے ذریعہ مکمل ہوئی۔ دوسری نماز سے فارغ ہونے سے قبل یاد آئے تو پہلی نماز کی طرف لوٹ کر اسے مکمل کرے۔

سجدہ تلاوت

احادیث:(۱)آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ابن آدم سجدہ (کی آیت) تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا وہاں سے ہٹتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا لہٰذا اسے جنت ملی اور مجھے سجدے کا حکم ہوا اور میں نے نافرمانی کی اس لئے مجھے جہنم ملی۔(رواہ مسلم)

(۲)حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آپ ﷺ ہمارے سامنے قرآن پڑھتے جب سجدہ آتا۔ تو تکبیر کہہ کر سجدہ ریز ہوتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے۔(ابوداود الحاکم)

(۳)آپ ﷺ نے ایک مرتبہ سورۂ النجم میں سجدہ نہ فرمایا۔(متفق علیہ)اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے۔

(۴)ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں سورۂ نحل کی تلاوت کی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو فرمایا! اے لوگو! ہم سجدہ کی آیت پڑھتے ہیں تو جو سجدہ کرے اس نے ٹھیک کیا، اور جو سجدہ نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہیں اللہ نے سجدہ فرض نہیں کیا ہے الّا یہ کہ ہم چاہیں۔(بخاری)

سجدۂ تلاوت سنت ہے اوران کی تعداد ۱۴ ہے۔ سورۂ ص کا سجدہ شکر کا سجدہ ہے۔ جو خارج نماز مستحب ہے۔ کیونکہ نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ سیدنا داود علیہ السلام نے یہ سجدہ توبہ کی قبولیت پر کیا اور ہم شکراً کرتے ہیں۔(فتح الوہاب) نماز میں یہ سجدہ عمداً کرنے سے نماز باطل ہوگی بھول کر یا لاعلمی کے وجہ سے کرے تو نماز باطل نہ ہوگی لیکن سجدہ سہو کرنا سنت ہے۔ اگر امام (مثلاً حنفی ہے اور) سورۂ ص میں سجدہ کرے تو مقتدی اتباع نہ کرے بلکہ اس سے جدائی کی نیت کرے۔(اور آگے اپنی نماز تنہا مکمل کرے) یا قیام میں اس کا انتظار کرے۔ امام ابھی قیام کے حد میں ہو، اور مقتدی جدائی کی نیت کرے تو سجدہ سہو نہ کرے اگر امام کا انتظار کرے یا رکوع کی ہیئت سے قریب ہونے کے بعد جدائی کی نیت کرے تو سجدۂ سہو کرنا مسنون ہے۔(نہایۃ المحتاج۔ ۹۵/۲)

سجدہ کی آیات واضح اور مشہور ہیں۔ حم السجدہ میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ (لَا يَسْئَمُوْنَ)(فُصِلَّتْ: آیت ۳۸) پر سجدہ کرے۔

سجدہ کی آیت تلاوت کرنے والے کیلئے، (جبکہ اس کی تلاوت مشروع ہو، ناجائز نہ ہو)، غور سے بالقصد کان لگا کر اسے سننے والے کے لئے (جبکہ سننا اس کیلئے مطلوب اور مستحب ہو) اور بلا قصد آیت سننے والے کے لئے سجدہ تلاوت سنت ہے، لیکن بالقصد سننے والے کے حق میں تاکید زیادہ ہے۔ چاہے پڑھنے والا نماز میں پڑھے یا خارج نماز۔ بے وضو بچہ اور کافر کی تلاوت سننے والے کی لئے سجدہ تلاوت سنت ہے۔

امام بلقینی اور زرکشی نے فرمایا کہ فرشتہ اور جن کی تلاوت پر سجدہ سنت ہے جنبی، نشہ میں مست، بھول کر پڑھنے والے، نیند میں پڑھنے والے، کسی تربیت یافتہ پرندہ مثلاً طوطے کی تلاوت، نماز جنازہ کے اندر تلاوت، عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں تلاوت، اور رکوع جیسے حالات میں تلاوت، کی صورت میں سجدہ تلاوت، نہ کرے، کیونکہ یہ سب غیر مشروع تلاوت ہیں(نہایۃ المحتاج ۹۶/۲) تلاوت کرنے والا سجدہ نہ کرے تب بھی سننے والے کیلئے سجدہ مسنون ہے۔ البتہ اس کے کرنے پر تاکید بڑھ جائیگی۔

تنہا نمازی اپنی قرأت کی وجہ سے سجدہ کرے گا۔ سجدہ کے بغیر رکوع میں چلا گیا پھر سجدہ کرنے کا ارادہ ہو تو نہیں کر سکتا۔ رکوع کی حد تک پہنچنے سے پہلے ہی ارادہ کرے تو جائز ہے۔ سجدہ تلاوت کیلئے جھکا پھر ارادہ بدل کر واپس لوٹا تو یہ جائز ہے۔ جیسے کوئی تشہد اول تھوڑا پڑھے اور اسے مکمل نہ کرے تو یہ جائز ہے۔ تنہا نمازی کسی اور کی تلاوت کی طرف توجہ دے۔ (چاہے وہ نماز میں ہو یا نہ ہو) تو اس کی تلاوت پر سجدہ نہ کرے، کیونکہ اسے یہ توجہ ممنوع ہے، اگر سجدہ کرے گا تو نماز باطل ہو گی۔ اگر امام ہے تو مذکورہ مسائل میں وہ بھی منفرد (تنہا نمازی) کی طرح ہے۔ امام کو جہری یا سری نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت مکروہ نہیں ہے۔ (لیکن نماز میں سجدہ کی نیت سے اس طرح تلاوت کرنے میں کچھ تفصیل ہے۔ جس کا بیان آرہا ہے۔)

امام سجدۂ تلاوت کرے تو مقتدی بھی کرے، ورنہ اس کی نماز باطل ہو گی۔ امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے ورنہ اس کی نماز باطل ہو گی۔ نماز کے بعد اس سجدہ کی تلافی کر لینا بہتر ہے (جبکہ زیادہ دیر نہ گزری ہو۔ جمل)۔ امام سجدہ میں جائے اور مقتدی کو پتہ نہ چلا یہاں تک کہ اس نے سجدے سے سر اٹھا لیا تو اب مقتدی سجدہ نہ کرے۔ ابھی امام سجدہ میں ہو، اور مقتدی کو معلوم ہوا تو وہ بھی سجدہ کرے۔ مقتدی کے جھکنے کی حالت میں ہی امام سر اٹھائے تو مقتدی اس کے ساتھ واپس لوٹ جائے اور سجدہ نہ کرے۔ اسی طرح کوئی کمزور شخص امام کے ساتھ سجدہ تلاوت کیلئے جھکے لیکن اپنی سست حرکت کی وجہ سے اس کے زمین تک پہنچنے سے قبل ہی امام سر اٹھائے تو یہ امام کے ساتھ لوٹ جائے، اور سجدہ نہ کرے۔ مقتدی اپنی تلاوت کی وجہ سے سجدہ نہیں کر سکتا، بلکہ اسے آیت سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے۔ امام کے علاوہ کسی دوسرے کی قرأت کی وجہ سے مقتدی سجدہ نہ کرے، بلکہ کسی اور کی تلاوت کی طرف توجہ دینا اسے مکروہ ہے۔ مقتدی اپنی تلاوت یا امام کے علاوہ کسی اور کی تلاوت پر سجدہ کرے تو اس کی نماز باطل ہو گی۔

سجدہ کی آیت دوہرانا

ایک ہی جگہ سجدہ کی آیتوں کو پڑھے تو ہر ایک کیلئے سجدہ کرے، ایک ہی آیت سجدہ دوبار ایک مجلس میں تلاوت کرے اور پہلی مرتبہ سجدہ نہیں کیا تو اب ایک سجدہ کافی ہے۔ پہلی مرتبہ سجدہ کیا تو دوسری مرتبہ پھر کرے۔ نماز میں ایک ہی رکعت میں آیت سجدہ کو دوہرائے تو ایک مجلس کی طرح ہے۔ اور دو رکعتوں میں دوہرائے تو دو مجلس کی طرح ہے۔

فصل۔ سجدۂ تلاوت کے شرائط اور اس کی کیفیت

طہارت، ستر عورت اور استقبال قبلہ وغیرہ شرائطِ نماز سجدۂ تلاوت کیلئے بھی ضروری ہیں۔ سجدہ کی کیفیت کی دو حالتیں ہیں (۱) خارج نماز (۲) داخل نماز

(۱) خارج نماز سجدہ کیلئے پہلے سجدۂ تلاوت کی نیت واجب ہے۔ اور تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھا کر ایک تکبیر کہے پھر دوسری تکبیر بغیر ہاتھ اٹھائے کہتے ہوئے سجدہ میں جائے پہلی تکبیر ضروری ہے اور دوسری مستحب، سجدہ کیلئے کھڑا ہونا مستحب نہیں ہے۔ (جائز ہے)

سجدۂ تلاوت کے اذکار

سجدہ میں یہ ذکر مستحب ہے: "سَجَدَ وَجۡهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَ شَقَّ سَمۡعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوۡلِهِ وَقُوَّتِهِ" **ترجمہ:** میرا چہرہ اس ہستی کے روبرو سجدہ ریز ہوا جس نے اس کی تخلیق اور صورت گری فرمائی، اور اپنی قدرت و قوت سے

اس میں سننے و دیکھنے کی طاقت پیدا فرمائی۔(رواہ احمد و اصحاب السنن والدارقطنی والحاکم والبیہقی و صححہ ابن السکن)(ابن السکن کی روایت میں تین مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے۔امام حاکم نے آخر میں ''فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنَ اللّٰهُ الۡخَالِقِيۡنَ'' کا اضافہ فرمایاہے۔(تلخیص الحبیر ۱۰/۲)

یہ ذکر بھی پڑھنا مستحب ہے۔''اَللّٰھُمَّ اكۡتُبۡ لِيۡ بِهَا عِنۡدَكَ اَجۡراً وَاجۡعَلۡهَا لِيۡ عِنۡدَكَ ذُخۡراً، وَضَعۡ عَنِّيۡ بِهَا وِزۡراً وَتَقَبَّلۡهَا مِنِّيۡ كَمَا تَقَبَّلۡتَهَا مِنۡ عَبۡدِكَ دَاوٗدَ''(الترمذی والحاکم وابن حبان وابن ماجہ)

ترجمہ: ''یا اللہ اس (سجدہ) کی وجہ سے تو اپنے یہاں میرے حق میں نیکی لکھ دے، اوراسے تیرے پاس میرے لئے ذخیرہ بنا، اوراسکے ذریعے میرا گناہ معاف فرما، اور مجھ سے قبول فرما جیسے تو نے اپنے بندے داود علیہ السلام سے اسے قبول فرمایا'' اگر نماز کے سجدہ کے اذکار پڑھے تو جائز ہے۔ پھر تکبیر کہتا ہوا سر اٹھائے اور سلام پھیرے سلام پھیرنا فرض ہے، تشہد وغیرہ نہ پڑھے۔

نماز میں سجدۂ تلاوت کیلئے تکبیر تحریمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ نماز کے سجدہ کی طرح بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور تکبیر کہتا ہوا سجدہ سے اٹھے، اور یہاں بھی اوپر کے اذکار پڑھنا مستحب ہے سجدہ تلاوت سے اٹھنے کے بعد سیدھا کھڑا ہو جائے، جلسۂ استراحت میں نہ بیٹھے، اٹھنے کے بعد کچھ تلاوت کرکے پھر رکوع میں جانا مستحب ہے۔ پوری طرح کھڑے ہو کر پھر رکوع میں جانا واجب ہے۔(پورا کھڑا ہو کر بغیر تلاوت کے رکوع میں جائے تو یہ بھی جائز ہے)

فصل

آیت سجدہ کے پڑھنے یا سننے کے فوراً بعد ہی سجدہ کر لینا چاہئے، کچھ تاخیر ہو جائے تو سجدہ کرلے، زیادہ تاخیر ہو جائے تو سجدہ فوت ہو جائے گا، اب اس کی تلافی اور قضاء نہ کرے، آیت کی تلاوت کے وقت بے وضو تھا پھر فوراً وضو کیا تو سجدہ کرلے، تاخیر ہو گئی ہو تو نہ کرے۔ نماز میں سورہ فاتحہ سے قبل آیت سجدہ پڑھے تو سجدہ کرے، بخلاف اس کے رکوع یا سجدہ میں پڑھے تو سجدہ نہ کرے۔ آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیلئے جھکنے کے بعد سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے متعلق شک ہو تو سجدہ مکمل کرکے پھر قیام میں آکر سورۂ فاتحہ پڑھ لے، خارج نماز فارسی (یا کسی اور زبان میں) آیت سجدہ پڑھے تو سجدہ نہ کرے۔ تلاوت کرنے والے کے ساتھ سننے والا سجدہ کرے تو یہ اس کے اقتداء کی نیت نہ کرے۔ سننے والا اس سے قبل بھی سجدہ سے سر اٹھا سکتا ہے۔ صرف سجدہ کرنے کی نیت سے ایسی ایک دو آیت یا سورت کی تلاوت کرنا جس میں سجدہ ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر نہ نماز میں ہو اور نہ مکروہ اوقات میں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر نماز میں یا مکروہ اوقات میں ایسا کرے تو مکروہ ہے۔ (اور ممانعت جانتے ہوئے نماز میں اس طرح تلاوت کرے اور سجدہ کرے تو نماز باطل ہو گی۔ لیکن جمعہ کی فجر میں چونکہ حدیث کی رو سے الم سجدہ کی تلاوت سنت ہے اس لئے وہ مستثنیٰ ہے۔ نہایۃ المحتاج ۹۷/۱) مذکورہ کراہت کا حکم اس وقت ہے جبکہ تلاوت سے سجدہ کے علاوہ اور کچھ مقصود نہ ہو، ورنہ قطعاً کوئی کراہت نہیں۔ نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد سجدہ نہ کرے تو سلام پھیرنے تک اگر زیادہ فاصلہ نہیں ہوا تو سلام کے بعد سجدہ کرے (زیادہ دیر ہو چکی ہو تو اب سجدہ نہ کرے)

آیت سجدہ مکمل ہونے سے قبل سجدہ کرے تو صحیح نہیں، خواہ ایک ہی حرف پہلے کرے، آیت سجدہ کے بعد چند آیات اور پڑھے اور زیادہ تاخیر نہ ہو تو سجدہ کر سکتا ہے۔ سجدہ تلاوت میں آیت سجدہ تلاوت کرے تو دوسرا سجدہ نہ کرے۔ سری نماز میں امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو نماز کے فراغت تک سجدہ مؤخر کرنا مستحب ہے۔ (اسی طرح جہری نماز میں تلاوت مقتدیوں کی تشویش کا احتمال ہو تو موخر

کرے۔نہایۃالمحتاج)اگر خطیب آیت سجدہ پڑھے تو علماء نے اسے سجدہ نہ کرنا مستحب قرار دیا ہے، منبر سے اترنے اور چڑھنے کی تکلیف کے پیش نظر۔ نماز جنازہ میں آیت پڑھے تو نہ نماز میں سجدہ کرے اور نہ بعد نماز اصل یہ ہے کہ غیر مشروع تلاوت میں سجدہ نہ کرے۔

سجدہ شکر

احادیث:(۱)آپ ﷺ کے پاس کوئی خوش کن معاملہ آتا تو آپ ﷺ (بطور شکر) سجدہ ریز ہو جاتے (رواہ ابوداود وابن ماجہ والترمذی وقال حدیث حسن غریب)

(۲)آپ ﷺ کو کسی حاجت کی بشارت سنائی گئی تو آپ ﷺ سجدہ میں گر پڑے۔(ابن ماجہ)

(۳)آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بشارت سنائی اور فرمایا: آپ کے رب نے آپ سے کہا ہے۔ جو آپ پر درود پڑھے میں اس پر درود بھیجوں گا۔ جو آپ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ تو میں نے بطور شکر سجدہ کیا۔(احمد حاکم بیہقی وحسنہ الالبانی)

(۴)جب آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط آیا کہ قبیلہ ہمدان نے اسلام قبول کیا ہے تو آپ ﷺ سجدے میں چلے گئے۔(رواہ البیہقی وصححہ)

(۵)جب یمامہ فتح ہوا۔(اور مسیلمہ کذاب مارا گیا) تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سجدے میں گر پڑے۔(ابن ابی شیبہ وبیہقی)

(۶)خوارج کے مردوں میں (آپ ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق) ذاالثدیۃ ملا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سجدہ میں چلے گئے (کیونکہ حدیث کی رو سے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برحق ہونے کی دلیل تھی۔(ابن ابی شیبہ، بیہقی، احمد)

(۷)غزوہ تبوک سے تخلف کے بعد جب حضرت کعب بن مالک کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائی گئی تو وہ سجدہ میں گر پڑے۔ (متفق علیہ)(ارواء الغلیل للالبانی ۲/۲۲۶)

سجدۂ شکر سنت ہے اچانک کسی نعمت کے حصول پر (جیسے بچہ کی پیدائش، مال کا حصول، غائب کا آجانا یا دشمن پر غلبہ) یا کسی مصیبت کے ٹلنے پر (جیسے ڈوبنے یا جلنے سے نجات) یا کسی مصیبت زدہ کو یا فسق وفجور کے مرتکب کو دیکھ کر۔ نعمتوں کے استمرار (دوام کے ساتھ پائے جانے) کی وجہ سے سجدہ سنت نہیں ہے۔ کسی نعمت کی وجہ سے یا ایسے مصیبت سے نجات کی وجہ سے جس کا دوسرے سے تعلق نہ ہو، سجدہ کرے تو اس کا اظہار مستحب ہے۔ مصیبت کا دوسرے سے تعلق ہو اور اس میں وہ معذور نہ ہو جیسے فاسق تو اس کے سامنے سجدہ کرلے شاید کہ اسے توبہ کی توفیق ہو۔ لیکن وہ معذور ہو (جیسے اپاہج وغیرہ) تو مخفی سجدہ کرے، تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو۔ سجدہ شکر کیلئے نماز کے شرائط ضروری ہیں۔ اور اس کی کیفیت خارج نماز سجدہ تلاوت کی طرح ہے۔ نماز میں سجدہ شکر کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے نماز میں سجدہ شکر سے نماز باطل ہو گی۔ اگر نماز میں آیت سجدہ اس نیت سے پڑھے کہ اس آیت پر سجدہ شکر کرے تو یہ حرام ہے۔ اور اس سجدہ سے نماز باطل ہو گی۔ سواری پر نفل نماز میں یا خارج نماز سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر صرف جھک کر ادا کرنا جائز ہے۔ پیدل مسافر باقاعدہ زمین پر سجدہ کرے جیسا کہ نفل نماز میں کرتا ہے۔ مذکورہ صورتوں میں سجدہ شکر کے ساتھ بطور شکر صدقہ وخیرات کرنا اور نماز پڑھنا مسنون ہے (لیکن محض نفل کی نیت سے نماز پڑھے، نماز شکر کی نیت نہ کرے۔ حاشیۃ التحفہ) سجدہ شکر کے سبب کے بعد عرفاً زیادہ فاصلہ ہو جائے تو پھر یہ فوت ہو جائے گا اب اس کی قضاء نہ کرے۔

بغیر سبب کے سجدہ یا رکوع

بغیر کسی سبب کے صرف سجدہ یا رکوع کے ذریعہ تقرب حرام ہے، چاہے نماز کے بعد ہو یا کسی اور وقت (یعنی سجدہ تلاوت یا شکر کے علاوہ عبادت سمجھ کر صرف سجدہ یا رکوع حرام ہے) بعض جاہلوں کا اپنے پیروں کے سامنے سجدہ کرنا قطعاً ہر حال میں حرام ہے۔ قبلہ رو کر ے یا کسی اور طرف اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ کی نیت ہو، یا نہ ہو بعض صورتوں میں تو کفر ہو جاتا ہے۔"عافانا اللہ تعالیٰ"

باب: نفل نمازوں کا بیان

سنت ، مستحب ، مَنْدُوْبْ، تَطَوُّعْ، نَفْل ، مُرَغَّبْ فِیْہِ اور حَسَنْ ان سارے الفاظ کا مفہوم (فی الجملہ) ایک ہی ہے، یعنی جس کا انجام دینا شرعاً ترک کرنے کے مقابلہ میں راجح ہو اور ترک کرنا جائز ہو (یعنی جس کی ادائیگی میں ثواب ہو اور ترک میں گناہ نہ ہو) فرض کا ثواب نفل کے مقابلہ میں ستر گنا زائد ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے۔ جس کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ فرائض کی کمی کو پورا کرنے اور عذر کی وجہ سے ترک شدہ فرائض کی قیامت میں تلافی کیلئے نوافل کو مشروع کیا گیا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے۔"نماز اور زکوۃ وغیرہ کے فرائض مکمل نہ ہوں تو نوافل سے ان کی تکمیل کی جائیگی" کلمہ شہادت کے بعد باقی عبادات میں سب سے افضل نماز ہے۔ فرض نماز تمام فرائض میں افضل، اور نفل نماز تمام نوافل میں افضل ہے۔ نماز کے بعد روزہ پھر حج پھر زکوۃ افضل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عرفاً پہلے کی کثرت دوسرے کے صرف مؤکدات پر اقتصار کے ساتھ افضل ہے، ورنہ ایک روزہ دو رکعت نماز سے افضل ہے (تحفۃ المحتاج ۲/۵۱۱)

نوافل کی دو قسمیں ھیں: (۱) جس میں جماعت سنت ہے، جیسے عیدین، سورج گہن اور چاند گہن کی نماز استسقاء کی نماز ان نمازوں کا ذکر مستقل ابواب میں ہو گا۔

(۲) جس میں جماعت سنت نہیں ہے اس میں فرائض کے آگے پیچھے پڑھی جانے والی سنتیں داخل ہیں۔ ان سنتوں کو رواتب کہا جاتا ہے۔

سنن رواتب: (۱) فجر سے قبل دو رکعت، ان کو ہلکی پڑھنا سنت ہے پہلی رکعت میں "سورہ کٰفرون" اور دوسری میں سورہ اخلاص یا پہلی میں سورہ بقرہ کی ایک آیت "**قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ**" الخ۔ (آیت ۱۳۶) اور دوسری میں سورۂ آل عمران کی ایک آیت۔"**قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا**" (آیت ۶۴) پڑھنا سنت ہے۔ سنت فجر کے بعد لیٹنا سنت ہے۔ کسی بھی طرح لیٹنے سے اصل سنت حاصل ہو گی۔ لیکن دائیں کروٹ قبلہ رو لیٹنا افضل ہے۔ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے قبر میں اس طرح لیٹنا یاد آجائے، اور آدمی اعمال صالحہ کے ذریعہ اس جگہ کی کامیابی کی پوری کوشش کرے، اگر نہ لیٹے تو ذکر و تلاوت یا گفتگو یا جگہ کی تبدیلی کے ذریعہ سنت اور فرض میں فصل کرے۔ اگر اسے قضاء پڑھے یا فرض فجر کے بعد پڑھے، تب بھی اس کے بعد لیٹنا سنت ہے۔

(۲) ظہر سے قبل چار رکعت اور ظہر کے بعد چار رکعت جس میں پہلے اور بعد میں دو دو رکعت مؤکد اور دو دو غیر مؤکد ہیں۔ جمعہ کی نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ (۳) عصر سے قبل چار رکعت۔

(۴) مغرب سے قبل دو رکعت اور مغرب کے بعد دو رکعت۔ مغرب کے بعد کی دو رکعت میں سورۂ کافرون اور اخلاص پڑھنا مستحب ہے۔

(۵)عشاء سے قبل دو رکعت اور بعد میں دو رکعت۔

مذکورہ نمازوں میں موکدہ (جن کی تاکید اور اہمیت زیادہ ہے) دس رکعتیں ہیں: فجر کی دو، ظہر سے قبل اور بعد میں دو، مغرب کے بعد دو اور عشاء کے بعد دو رکعت بقیہ غیر موکدہ ہیں۔(تحفۃالمحتاج مع الحواشی وفتح الوھاب وغیرہ)

احادیث:(۱)آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "جو بھی مسلمان بندہ اللہ کیلئے فرض کے علاوہ ۱۲/ رکعات بطور سنت پڑھے، اللہ تعالیٰ ضرور اس کیلئے جنت میں ایک مکان تعمیر فرمائیں گے۔"(رواہ مسلم و ترمذی)

(۲)حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔"کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ (یعنی آپ کی اتباع میں، بطور جماعت پڑھنا مراد نہیں ہے) دو رکعت ظہر سے قبل، دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب بعد، اپنے گھر، عشاء کے بعد دو رکعت گھر میں پڑھی اور حضرت حفصہؓ نے مجھ سے کہا کہ آپ ﷺ صبح صادق کے وقت دو ہلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے"۔(متفق علیہ)

(۳)حضرت عائشہ کا ارشاد ہے کہ "آپ ﷺ نوافل میں فجر کی دو رکعت سنت کی سب سے زیادہ پابندی فرماتے۔"(متفق علیہ)

(۴)آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "فجر کی دو رکعت (سنت) دنیا ومافیھا سے بہتر ہے"(مسلم)

(۵)آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھو مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھو تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اسے (موکدہ) سنت نہ سمجھیں۔(متفق علیہ)

(۶)آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "جو ظہر سے قبل اور ظہر کے بعد چار رکعات کی پابندی کرے اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام قرار دیں گے۔"(احمد، الترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

(۷)آپ ﷺ نے فرمایا!"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے قبل چار رکعت پڑھے"۔(احمد ترمذی۔ابوداود)

(۸)آپ ﷺ نے فرمایا !ہر دو اذان (یعنی اذان و اقامت) کے درمیان نماز (پڑھنا سنت) ہے۔(بخاری شریف، مسلم شریف)

(۹) صحیحین کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ فجر کی سنت کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔(مشکوۃ: ۱/۱۰۳)

مغرب کی قبلیہ سنت موذن کا جواب دینے کے بعد پڑھنا سنت ہے، لیکن امام اذان کے بعد فوراً فرض شروع کرتا ہو اور سنت پڑھنے کی صورت میں تکبیر تحریمہ فوت ہوتی ہو تو اس سنت کو بعد میں پڑھے اور موذن کے جواب پر اسے مقدم نہ کرے۔(نہایۃ المحتاج۔۲/۱۱۱)

وتر

وتر کی نماز سنت موکدہ ہے۔ اور یہ ایک یا تین یا پانچ یا سات یا نو یا گیارہ رکعات پڑھ سکتے ہیں۔ گیارہ سے زائد وتر کی نیت سے نہیں پڑھ سکتے۔ ایک رکعت سے زائد ایک ہی سلام سے پڑھنا ہو تو یا تو صرف آخری رکعت میں تشہد کیلئے بیٹھے یا آخری رکعت سے پہلے والی رکعت میں تشہد اول کے طور پر بیٹھے پھر اٹھ کر آخری رکعت پڑھ کر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے۔ دو تشہد سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھ کر سلام پھیرتا رہے اور آخر میں ایک رکعت پڑھ لے، تو یہ بھی صحیح ہے۔ مثال: اگر پانچ رکعات ایک سلام سے پڑھنا ہے تو صرف پانچویں رکعت پر تشہد کے لئے بیٹھے یا چوتھی اور پانچویں رکعت پر تشہد کیلئے بیٹھے یا دو رکعت پر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے پھر

دو رکعت پر سلام پھیرے۔ پھر ایک رکعت پڑھے۔ اسی طرح دیگر رکعتوں کو بھی قیاس کرلو۔ فصل (یعنی ہر دو رکعت پر سلام پھیر کر آخر میں ایک رکعت تنہا پڑھنا) وَصْل سے (یعنی ایک ہی سلام سے ساری رکعتیں پڑھنے سے) افضل ہے۔ (تحفۃ المحتاج وغیرہ)

وتر کا وقت: عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سے صبح صادق تک وتر کا وقت ہے۔ عمداً یا بھول کر عشاء سے قبل وتر پڑھے تو صحیح نہ ہوگی۔ کسی نے بھول کر اپنے آپ کو باوضو سمجھ کر عشاء کی نماز پڑھ لی پھر حدث کی وجہ سے وضو کرکے وتر پڑھی پھر معلوم ہوا کہ عشاء بے وضو پڑھی تو یہ وتر صحیح نہ ہوگی۔ (عشاء کے بعد پھر پڑھے) عشاء کے بعد کسی اور سنت کے بغیر صرف ایک رکعت وتر پڑھے تو صحیح ہوگی۔ مستحب یہ ہے کہ وتررات کی تمام نمازوں کے بعد ہو۔ اگر تہجد نہیں پڑھتا ہے تو عشاء اور سنت عشاء وغیرہ کے بعد وتر پڑھے۔ اور اس طرح اس کی وتر رات کی آخری نماز ہوگی۔ اگر تہجد پڑھتا ہے (اور رات بیدار ہونے کا اطمینان ہو) تو وتر کو موخر کرنا اور تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہے۔ اگر سونے سے قبل وتر پڑھ لی، پھر تہجد کو اٹھا تو اب وتر کا دوبارہ اعادہ نہ کرے۔ رمضان میں وتر با جماعت پڑھنا مستحب ہے۔ غیر رمضان میں جماعت مستحب نہیں ہے۔

دعاء قنوت

رمضان کے آخری نصف میں (یعنی سولھویں شب سے) وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت مستحب ہے۔ صرف ایک رکعت وتر پڑھے۔ تو اس میں قنوت پڑھے دیگر ایام میں وتر میں قنوت مکروہ ہے۔ رمضان کے نصف آخر میں دعا قنوت ترک کرے یا دیگر ایام میں دعا قنوت پڑھے تو سجدہ سہو کرے۔ وتر میں بھی فجر کی طرح اعتدال میں قنوت پڑھے۔ اور الفاظ بھی وہی ہیں جو قنوت فجر کے ہیں اس کے ساتھ علماء نے قنوت عمر کا اضافہ مستحب قرار دیا ہے۔

قنوت عمر: ”اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَ نَسْتَغْفِرُكَ وَ نَسْتَھْدِیْكَ وَ نُؤْمِنُ بِكَ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَیْكَ وَ نُثْنِی عَلَیْكَ الْخَیْرَ كُلَّهٗ نَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَ نَخْلَعُ وَ نَتْرُكُ مَنْ یَّفْجُرُكَ اَللّٰھُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّی وَ نَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَ نَحْفِدُ نَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَ نَخْشٰی عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِق ۔ اَللّٰھُمَّ عَذِّبِ الْكَفَرَةَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِكَ وَ یُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَ یُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَائَكَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَالْحِكْمَةَ وَ ثَبِّتْھُمْ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِكَ وَاَوْزِعْھُمْ اَنْ یُّوْفُوْا بِعَھْدِكَ الَّذِی عَاھَدْتَھُمْ عَلَیْهِ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّكَ وَ عَدُوِّھِمْ اِلٰهَ الْحَقِّ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ“

پہلے قنوت فجر (اَللّٰھم اھْدِنِی الخ) پڑھے پھر قنوت عمر۔ جہراً اور ہاتھ اٹھانے میں فجر کی قنوت کا ہی حکم ہے۔ وتر کی تین رکعت پڑھنے کی صورت میں پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد (سبح اسم ربک الاعلیٰ) دوسری میں (قل یا یھا الکٰفرون) اور تیسری میں (”قل ھو اللہ احد“ ”فلق“ اور ”سورہ ناس“) پڑھنا مستحب ہے۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا جو چاہے، وتر کی پانچ رکعت پڑھے اور جو چاہے تین رکعت پڑھے۔ اور جو چاہے، ایک رکعت پڑھے۔ (ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، ابن حبان، حاکم)

(۲) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، وتر کی پانچ یا سات یا نو یا گیارہ رکعتیں پڑھو“ (دارقطنی، حاکم، بیہقی)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”آپ ﷺ وتر کی پانچ رکعت ادا کرتے جس میں صرف آخری رکعت میں بیٹھتے“۔

(مسلم)

(۴)حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ﷺ وتر کی نو رکعتیں پڑھتے جس میں صرف آٹھویں رکعت پر بیٹھتے پھر اٹھ جاتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے۔(مسلم)

(۵)آپ ﷺ وتر کی سات رکعتیں ادا فرماتے جس میں صرف چھٹی اور ساتویں رکعت میں بیٹھتے۔(نسائی)

(۶)آپ ؐوتر کی تین رکعت پڑھتے اور صرف آخری رکعت میں بیٹھتے۔(احمد، نسائی، حاکم، بیہقی، عن عائشہ)

(۷)آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ وتر رات کے آخری حصہ میں ایک رکعت ہے۔(مسلم)

(۸)آپ ﷺ وتر کی دو رکعت اور ایک رکعت میں فصل فرماتے۔(یعنی درمیان میں سلام پھیرتے)(احمد ابن حبان، ابن السکن)

(۹)فرمایا آپ ﷺ نے "رات میں اپنی نماز کے آخر میں وتر پڑھا کرو۔"(متفق علیہ)

(۱۰)آپ ﷺ نے فرمایا: جسے یہ اندیشہ ہو کے رات کے آخری حصہ میں بیدار نہ ہو پائیگا تو وہ ابتداء ہی میں وتر پڑھ لے۔ اور جسے آخری حصہ میں اٹھنے کی توقع ہو تو وہ وتر رات کے آخیر میں پڑھے۔ کیونکہ وہ وقت فرشتوں کی حضوری کا اور افضل وقت ہے۔(مسلم)

(۱۱)آپ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلی" اور دوسری میں "قل یاایھاالکفرون" اور تیسری میں "قل ھو اللہ احد" اور معوذ تین پڑھا کرتے۔(ابوداود، ابن ماجہ، ترمذی، دارقطنی، ابن حبان)(خلاصۃ البدر المنیر ۱/۱۷۴)

امام محمد بن نصر ورزی نے کتاب قیام اللیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ وہ رمضان کے نصف آخر میں قنوت پڑھتے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل فرمایا کہ وہ وتر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے۔ حضرت ابن عمر بھی آخری نصف میں قنوت پڑھتے۔ حضرت ابی بن کعب جب رمضان میں لوگوں کی امامت فرماتے تو نصف اوّل میں قنوت نہ پڑھتے، اور نصف آخر میں پڑھتے۔(تحفۃ الاحوذی ۲/۵۶۵ ملخصاً)

تمام نوافل میں سب سے افضل دونوں عید کی نماز ہے۔ اس کے بعد سورج گہن کی نماز پھر چاند گہن کی نماز پھر استسقاء(بارش کیلئے نماز)

فصل۔ضحیٰ(چاشت کی نماز)

(۱)آپ ﷺ فتح مکہ کے دن ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے اور غسل فرما کر (چاشت کی) آٹھ رکعت ادا کی۔(صحاح ستہ)

(۲)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل ﷺ نے مجھے ہر ماہ تین روزے، دو رکعت چاشت، اور سونے سے قبل وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی۔(بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی۔نسائی)

(۳)آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ہر جوڑ پر صبح صدقہ ہے، لہٰذا ہر تسبیح صدقہ ہے اور ہر تحمید (الحمد اللہ) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ) صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر) صدقہ ہے، امر بالمعروف صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر صدقہ ہے، اور بندہ کا چاشت کی

دو رکعت ادا کرنا ان سب کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔(مسلم ابوداود)

(۴) اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے۔"ابن آدم دن کے ابتدائی حصہ میں میرے لئے چار رکعت نماز پڑھ لو، میں آخری حصہ کی کفایت کرونگا۔(ترمذی)

(۵)"آپ ﷺ سے مروی ہے کہ جو چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں سونے کا ایک محل تعمیر فرمائیں گے"۔(ترمذی وقال ابن حجر اسنادہ ضعیف)

(۶)"آپ ﷺ چار رکعت پڑھتے اور اس پر جتنا اللہ تعالیٰ چاہتے اضافہ فرماتے"۔(مسلم)

(۷) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اوابین کی نماز (یعنی اللہ کی طرف رجوع ہونے والے نیک لوگوں کی نماز) کا وقت وہ ہے جبکہ اونٹنی کے بچوں کے پیر دھوپ کی شدت سے جلنے لگے۔(مسلم۔ترمذی)

چاشت کی نماز سنت ہے۔ اس میں جماعت سنت نہیں ہے چاشت کی کم سے کم دو رکعت، افضل آٹھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا افضل ہے۔ چاشت کا وقت سورج بلند ہونے (مکروہ وقت نکلنے) کے بعد سے استواء تک ہے۔ اس کا افضل وقت دن کا چوتھائی حصہ گذرنے کے بعد ہے۔

چاشت کی نماز میں سورہ "والشمس وضحھا" اور "والضحی" کی تلاوت مسنون ہے اس کے متعلق بیہقی میں حدیث مروی ہے۔ چاہے ہر دو رکعت میں یہ پڑھے یا پہلے دو رکعت میں یہ پڑھے اور بقیہ ہر دو رکعت میں "سورۂ کافرون" اور "اخلاص" پڑھے۔(تحفۃ المحتاج ۵۳۳/۲)

تحیۃ المسجد

حدیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا"تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے قبل دو رکعت پڑھ لے۔(بخاری، مسلم، ابوداود، موطا، ترمذی، نسائی، تیسیر الوصول ۳۱۶/۲)

(۲) آپ ﷺ نے فرمایا"تم میں سے کوئی جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران آئے تو مختصر دو رکعت پڑھے۔(بخاری، مسلم، خلاصۃ البدر ۲۱۴/۱)

مسجد میں داخل ہونے والے کیلئے تحیۃ المسجد کی دو رکعت سنت ہے داخل ہونے کے بعد کسی فرض یا سنت کے ساتھ تحیۃ المسجد کی نیت کر لے تو دونوں کا ثواب ملے گا۔ بغیر نیت کے بھی دونوں حاصل ہوں گے۔ جو بار بار مسجد میں داخل ہو ہر مرتبہ اسے تحیۃ المسجد پڑھنا سنت ہے۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت امام فرض نماز پڑھا رہا ہو تو تحیۃ المسجد مکروہ ہے۔ مسجد حرام میں داخل ہونے والے کیلئے طواف چھوڑ کر تحیۃ المسجد پڑھنا مکروہ ہے۔ تحیۃ المسجد سے قبل مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ دیر گذر جائے تو یہ فوت ہو جائیگی۔ صحیحین کی روایت کی روشنی میں سہواً (بھول کر) یا لاعلمی کی وجہ سے تھوڑی دیر بیٹھا تو اٹھ کر اس کی تلافی کر سکتا ہے۔

دیگر نوافل (جن میں جماعت مسنون نہیں): احرام کی دو رکعت، طواف کے بعد دو رکعت، وضو کے بعد سنت وضو کی نیت سے دو رکعت، استخارہ کی دو رکعت، صلوٰۃ الحاجہ کی دو رکعت، طلوعِ شمس کے بعد مکروہ وقت کے بعد اشراق کی دو رکعت، (یہ چاشت کے علاوہ نماز ہے) سفر کے ارادہ کے وقت اپنے گھر میں دو رکعت، اسی طرح دوران سفر جہاں جہاں ٹھہرے، سفر سے واپسی پر

مسجد میں دورکعت، قتل کے وقت دورکعت، گھر میں داخل اور خارج ہونے کے وقت دورکعت، توبہ کے وقت دورکعت قبل توبہ یابعد توبہ گرچہ صغیرہ گناہ سے توبہ کرے، مغرب اور عشاء کے درمیان اوابین کی ۲۰/رکعتیں، زوال کے بعد صلوۃ الزوال کی دو یاچار رکعتیں، چار رکعت پڑھے توبقول امام سیوطی ایک ہی سلام سے پڑھے، صلوۃ التسبیح ہر وقت یادن ورات میں یاکسی ایک وقت میں یاہفتہ میں یامہینے میں یاسال میں ورنہ عمر میں چار رکعت، حمام سے نکلنے کے بعد دورکعت، آپ ﷺ کی مسجد (مسجد نبوی) سے سفر میں نکلتے وقت دو رکعت، ایسے علاقہ میں جانے والے کیلئے جہاں اللہ کی عبادت نہ ہوتی ہو دورکعت، میاں بیوی کی پہلی ملاقات پر صحبت سے قبل دونوں کیلئے دورکعت، عقد نکاح سے قبل اور حفظ قرآن کے وقت دورکعت۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کوئی تنگی پریشانی ومصیبت یاروزی کی تنگی پیش آئے، یااولاد یا کوئی اور رشتہ دار انتقال ہو یاکوئی غمگین معاملہ پیش آئے تودورکعت سنت ہے۔ کسی کی کوئی شئ گم ہوجائے تودورکعت پڑھ کر یہ دعامانگے۔ ''اَللّٰهُمَّ رَادَّ الضَّالَّةِ هَادِی الضَّلَالِ تَهْدِی مِنَ الضَّلَالِ رُدَّ عَلَیَّ ضَالَّتِی بِعِزَّتِكَ وَ سُلْطَانِكَ فَاِنَّهَا مِنْ عَطَائِكَ'' **ترجمہ:** یااللہ گمشدہ چیز کولوٹانے والے، گمراہی سے ہدایت بخشنے والے، آپ ہی گمراہی سے ہدایت کی روشنی عطافرماتے ہیں، اپنی عزت وقدرت سے میری گمشدہ چیز لوٹادیجئے کہ وہ آپ ہی کا عطیہ ہے'' ہفتہ کے ہردن کیلئے بعض کتابوں میں جو مخصوص نمازیں درج ہیں، فقہا کرام نے اس کارد کیاہے۔ یہ جائز نہیں اور ان نیتوں سے پڑھنے سے صحیح نہ ہوگی۔ حدیث سے اس طرح کی نمازوں کیلئے ثبوت ہوناضروری ہے۔ لیلۃ الرغائب کی نماز (رجب کی پہلی جمعہ میں مغرب اور عشاء کے درمیان ۱۲/رکعت) اور نصف شعبان کی ۱۰۰ رکعات بدعت قبیحہ ہے۔ اوران کے متعلق حدیث موضوع ہے۔ تحفہ مع الحواشی، نہایۃ المحتاج، حاشیۃ الجمل ۱/۴۸۷، بشری الکریم ۱/۱۱۶)

احادیث

(۱) **استخارہ کی نماز:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''آپ ﷺ ہمیں تمام امور میں استخارہ کی تعلیم فرماتے جیساکہ ہمیں قرآن کی سورت سکھایاکرتے تھے۔ فرماتے کہ تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے توفرض کے علاوہ دورکعت پڑھے پھر یہ دعاپڑھے:
''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِی وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِی وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِی دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّی وَ اصْرِفْنِی عَنْهُ وَ اقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ'' اوراپنی حاجت کانام لے۔ (بخاری، ابوداود، ترمذی، نسائی)

ترجمہ: یااللہ میں آپ سے آپ کے علم سے خیر کاطلبگار ہوں اورآپ کی قدرت سے قدرت کاطلبگار ہوں۔ اور آپ کے فضل عظیم کاسائل ہوں کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتااور آپ علام الغیوب ہیں۔ یااللہ! اگر یہ معاملہ آپ کے علم میں میرے دین وزندگی اورانجام کے اعتبار سے میرے حق میں بہتر ہے تو اسے مقدر فرمائیں اورآسان کیجئے، پھراس میں مجھے برکت عنایت فرمائیں، اوراگر آپ جانتے ہوں کہ یہ معاملہ میرے دین، زندگی اور انجام کے اعتبار سے میرے لئے بدتر ہے تو اسے مجھ سے پھیر دیں، اور مجھے اس سے پھیر دیں، اور جہاں بھی ہو میرے حق میں خیر مقدر فرمائیں، پھر مجھے اس پرراضی رکھیں۔

(۲) **صلوۃ الحاجۃ:** آپ ﷺ نے فرمایاکہ کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف یاکسی انسان کی طرف کوئی حاجت ہو تو اچھی طرح وضو کرکے دورکعت نماز پڑھے پھر اللہ کی حمد وثنا اورآپ ﷺ پر درود پاک پڑھ کر یہ دعاپڑھے۔ '' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ

الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالعِصْمَةَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَ السَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْباً اِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمّاً اِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضاً اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ "(ترمذی۔وقال حدیث غریب)

ترجمه: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بڑا ہی بردبار کرم کرنے والا ہے پاک ہے اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے۔سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری رحمت کے اسباب کا اور تیری مغفرت کو پختہ کرنے والی خصلتوں کا، اور ہر گناہ سے حفاظت کا، اور ہر نیکوکاری کی نعمت کا، اور ہر نافرمانی سے سلامتی کا، اے اللہ تو میرے کسی گناہ کو بغیر بخشے مت چھوڑ، اور میری کسی فکر کو بغیر دور کئے مت چھوڑ اور میری کسی ایسی حاجت کو جو تیری مرضی کے موافق ہو بغیر پورا کئے مت چھوڑ، اے سب سے بڑے رحم کرنے والے"

(۳)**صلوۃ التسبیح:** آپ ﷺ نے بڑی تاکید اور بیانِ فضیلت کے ساتھ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس نماز کی تعلیم دی اور فرمایا کہ ہو سکے تو ہر دن اسے پڑھو، ورنہ ہفتہ میں ایک مرتبہ، ورنہ ہر ماہ ایک مرتبہ، ورنہ سال میں ایک مرتبہ، یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم پوری عمر میں اسے ایک مرتبہ پڑھ لو۔

طریقه: چار رکعت پڑھو، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھو، سورت سے فارغ ہونے کے بعد پندرہ /۱۵ مرتبہ "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ" کہو پھر رکوع میں اسے دس مرتبہ پڑھو۔ پھر رکوع سے سر اٹھا کر دس مرتبہ پڑھو، پھر سجدہ میں چلے جاؤ اور دس مرتبہ اسے پڑھو، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس مرتبہ پڑھو، پھر سجدہ میں دس مرتبہ پڑھو، پھر سر اٹھا کر اسے دس مرتبہ پڑھو، اس طرح ہر رکعت میں ۷۵ / تسبیح ہو گی۔ چاروں رکعت میں اسی طرح پڑھو (تو کل ۳۰۰ تسبیحات ہوں گی۔) (ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ بیہقی) (تیسیر الوصول) چاروں رکعات ایک سلام یا دو سلام سے پڑھ سکتا ہے۔ دن میں ایک سلام سے اور رات میں دو سلام سے (یعنی دو دو رکعت) پڑھنا افضل ہے، قیام کی ۱۵ تسبیحات کو تلاوت سے قبل بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس صورت میں تلاوت کے بعد دس تسبیح پڑھے اور جلسۂ استراحت اور تشہد میں تسبیح نہ پڑھے۔ امام سیوطیؒ نے فرمایا کہ اس نماز میں سورہ "**الھٰکم التکاثر**" "**والعصر**" "**کافرون**" اور "اخلاص" کی تلاوت کرے، سجدہ سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہے اور جلسہ استراحت میں ختم کر کے تسبیحات پڑھے۔ جلسہ سے اٹھتے وقت تکبیر نہ کہے۔ تشہد میں پہلے تسبیحات پڑھ لے پھر تشہد وغیرہ پڑھے۔

اگر رکوع کی تسبیحات ترک ہوں تو اعتدال سے واپس نہ لوٹے، اور نہ اعتدال میں تلافی کرے، بلکہ سجدہ میں اس کی تلافی کرے، (اور سجدہ میں رکوع اور سجدہ کی ملا کر ۲۰ تسبیحات پڑھ لے، (اسی طرح سجدہ کی تسبیح ترک ہو تو دوسرے سجدہ یا قیام یا تشہد میں تلافی کرے۔ جلسہ استراحت یا جلسہ بین السجد تین میں تلافی نہ کرے) اگر بعض تسبیحات ترک ہوں (اور تلافی نہ کرے) تو اس کی اصل سنت حاصل ہو گی، اور تمام ترک کر دے تو نفل مطلق شمار ہو گی۔ ان تسبیحات کو رکوع، اعتدال، سجدہ اور جلسہ بین السجد تین کے عام مشروع اذکار کے بعد پڑھے۔

یہ نماز نفل مطلق میں شمار ہے، لہٰذا مکروہ اوقات میں حرام ہے۔ اور اس کی قضاء مشروع نہیں ہے۔ نیز تکرار (بار بار انجام دینا) سنت ہے۔ خواہ ایک ہی وقت میں کیوں نہ ہو، اس کی تسبیحات ہیئت میں داخل ہیں لہٰذا اس کے ترک کی وجہ سے سجدہ سہو نہ کرے۔ صلوۃ التسبیح کی نیت سے نماز شروع کرے اور تسبیحات نہ پڑھے تو نماز صحیح ہو گی (عام نفل کے طور پر) امام سبکیؒ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ اس نماز کی

عظیم فضیلت کو سننے کے بعد دین کے متعلق ایک لاپرواآدمی ہی اسے ترک کر سکتا ہے امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلام سے پہلے یہ دعا پڑھے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ تَوْفِیقَ اَھْلِ الْھُدٰی وَاَعْمَالَ اَھْلِ الْیَقِیْنِ وَمُنَاصَحَۃَ اَھْلِ التَّوْبَۃِ وَعَزْمِ اَھْلِ الصَّبْرِ وَجِدَّ اَھْلِ الْخَشْیَۃِ وَطَلَبَ اَھْلِ الرَّغْبَۃِ وَتَعَبُّدُ اَھْلِ الْوَرْعِ، وَعِرْفَانَ اَھْلِ العِلْمِ حَتّٰی اَخَافَكَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ مَخَافَۃً تَحْجُزُنِیْ عَن مَعَاصِیْكَ حَتّٰی اَعْمَلَ بِطَاعَتِكَ عَمَلاً اَسْتَحِقُّ بِہٖ رِضَاكَ وَحَتّٰی اُنَاصِحَكَ بِالتَّوْبَۃِ خَوْفاً مِنْكَ وَحَتّٰی اُخْلِصَ لَكَ النَّصِیْحَۃَ حَیَاءً مِنْكَ، وَحَتّٰی اَتَوَكَّلَ عَلَیْكَ فِی الْاُمُوْرِ حُسْنَ ظَنِّ بِكَ سُبْحَانَ خَالِقِ النَّارِ"۔(تحفہ مع الوحواشی، نہایہ، بشری الکریم، اعانۃ الطالبین ۱/۲۵۹)

(۴)**صلوۃ الوضو:** آپ ﷺ نے فجر کی نماز کے وقت حضرت بلال ؓ سے دریافت فرمایا کہ اے بلال ؓ تم نے اسلام میں سب سے زیادہ پر امید جو عمل کیا ہو ہمیں اس کی خبر دو، کیونکہ ہم نے تمہارے چپل کی آہٹ ہمارے آگے جنت میں سنی، تو حضرت بلال ؓ نے عرض کیا۔ یہی زیادہ پر امید عمل کیا ہے کہ میں نے رات دن کی کسی بھی گھڑی میں طہارت حاصل کی تو اس طہارت سے جتنا مقدر میں ہو نماز پڑھی۔(متفق علیہ)

(۵)**صلوۃ التوبہ:** آپ ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص سے گناہ کا ارتکاب ہو پھر وہ وضو کر کے نماز پڑھ لے اور اللہ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرما دینگے۔"(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف ۱/۱۱۶)

(۶) آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا اگر وہ صحیح نکلی تو کامیاب و بامراد ہوا اگر وہ فاسد اور غلط نکلی تو نامراد اور نقصان میں رہا۔ اگر اس کے فرض میں کچھ کوتاہی ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دیکھو میرے بندہ کے پاس کچھ نوافل بھی ہیں۔ لہٰذا اس کے ذریعہ فرض کی کمی کو پورا کیا جائیگا پھر دیگر اعمال میں بھی یہی صورت ہو گی۔(ابوداود، احمد)

(۷)**صلوۃ الزوال:** آپ ﷺ زوال کے بعد ظہر سے قبل چار رکعت ادا فرماتے اور فرمایا کہ یہ ایسا وقت ہے کہ آسمان کے دروازے اس وقت کھل جاتے ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا کوئی نیک عمل اس وقت اٹھالیا جائے۔(ترمذی، وقال حسن غریب)

(۸) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو مغرب کے بعد چھ رکعات اس طرح ادا کرے کہ ان کے درمیان کوئی بری گفتگو نہ کرے تو یہ ۱۲/ سال کی عبادت کے برابر ہوں گے۔"(ترمذی)

(۹)**صلوۃ الاشراق:** آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو فجر جماعت سے پڑھ کر سورج نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مصروف رہے پھر (مکروہ وقت کے بعد) دو رکعت ادا کرے تو اسے حج و عمرہ کا ثواب ملے گا مکمل مکمل مکمل۔(ترمذی، حسن غریب)

(۱۰) آپ ﷺ سفر سے چاشت کے وقت تشریف لاتے تشریف آوری پر پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر مسجد میں بیٹھ جاتے (تاکہ صحابہ کرام ملاقات سے مشرف ہوں)(مسلم)

جن نوافل کیلئے جماعت سنت نہیں ان میں سب سے مؤکد سنن رواتب (فرائض کے ساتھ پڑھی جانے والی سنتیں) ہیں ان میں سب سے افضل وتر پھر سنت فجر ہے۔ بعض علماء نے صلوۃ اللیل کو تمام نوافل میں افضل قرار دیا ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم شریف میں آپ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے: فرض نماز کے بعد افضل نماز صلوۃ اللیل (رات کی نماز) ہے۔"

رواتب کے بعد افضل چاشت کی نماز ہے۔ پھر وہ نماز جو کسی فعل سے متعلق ہو، جیسے طواف کی دو رکعت، احرام کی دو رکعت، تحیۃ المسجد۔

فصل۔تراویح

تراویح کی ۲۰ رکعتیں دس سلام سے پڑھی جائے۔ اگر چار رکعت ایک سلام سے پڑھے تو تراویح صحیح نہ ہوگی۔ اس میں تراویح یا قیام رمضان کی نیت کرے۔ مطلق نیت سے تراویح صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ ہر دو رکعت کیلئے تراویح کی نیت کرے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا'': میں نے اہل مدینہ کو ۳۹ رکعتیں پڑھتے دیکھا جس میں تین وتر کی نماز ہے۔'' علماء نے فرمایا کہ دیگر حضرات اس کی پیروی نہیں کرسکتے۔ تراویح کو باجماعت ادا کرنا افضل ہے۔ عشاء کی نماز ہونے کے بعد تراویح کا وقت شروع ہوگا۔ (اور وتر کی طرح صبح صادق تک رہے گا)

احادیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ (یعنی ثواب کی امید رکھتے ہوئے) قیام کرے تو اس کے گذشتہ گناہوں کی بخشش ہوگی۔ (موطا، بخاری مسلم، ابوداود۔ترمذی۔نسائی)

(۲) آپ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی تو آپ ﷺ کی اقتداء میں کافی صحابہ کرام نے بھی نماز پڑھی، پھر دوسرے دن صحابہ کی تعداد میں اور اضافہ ہوا۔ پھر تیسرے دن یہ حضرات جمع ہوئے تو آپ ﷺ ان کی طرف نہ نکلے پھر صبح کے وقت فرمایا کہ تمہاری حرکتوں کو میں دیکھ رہا تھا لیکن اس لئے نہیں نکلا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہوجائے اور یہ واقعہ رمضان کا ہے۔ (بخاری۔ مسلم۔ ابوداود۔ نسائی۔ موطا) (تیسیر الاصول)

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر کے دور خلافت میں رمضان میں ۲۰ رکعت (تراویح) پڑھا کرتے۔ (بیہقی۔باسناد صحیح) موطا امام مالک میں ۲۳ رکعت کا ذکر ہے۔ امام بیہقی۔ نے فرمایا ۲۳ وتر سمیت ہیں۔ (فتح الوهاب ۱ /۵۸)

فصل۔نفل مطلق

کسی سبب اور وقت کی قید کے بغیر ایسے ہی سنت نماز (جسے مطلق نفل کہیں گے) جتنی چاہے پڑھ سکتا ہے، صرف ایک رکعت پڑھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔ کسی عدد کی نیت کے بغیر نفل شروع کرے، تو ایک دو یا اس سے زائد کسی بھی رکعت پر سلام پھیر سکتا ہے، کتنی رکعت پڑھی معلوم نہ ہو اور سلام پھیرے، تو یہ بھی صحیح ہے۔ کسی عدد کی نیت سے نماز شروع کرنے کے بعد اس میں کمی بیشی کرسکتا ہے۔ ایک رکعت کی نیت کے بعد اسے دس رکعت یا دس کی نیت کے بعد ایک رکعت کرسکتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ زیادتی یا کمی سے پہلے ہی نیت بدل دے، نیت کی تبدیلی کے بغیر عمداً یوں کرے تو نماز باطل ہوگی۔ مثال: کسی نے دو رکعت کی نیت کی پھر زیادتی کی نیت کرکے تیسری کیلئے اٹھ گیا تو جائز ہے، اگر عمداً تیسری کی نیت کے بغیر اٹھا تو نماز باطل ہوگی۔ بھول کر اٹھ گیا تو واپس لوٹے اور سجدہ سہو کرکے سلام پھیرے، اس صورت میں اٹھنے کے بعد رکعت کے اضافہ کا ارادہ ہوا تو پہلے بیٹھ جائے پھر دوبارہ اٹھے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔ چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کرنے کے بعد بدل کر دو کی نیت کرکے دو پر سلام پھیر دے تو جائز ہے۔ نیت کی تبدیلی کے بغیر عمداً یوں سلام پھیر دے تو نماز باطل ہوگی۔ بھول کر سلام پھیرا تو بقیہ رکعتیں پڑھ کر سجدہ سہو کرکے سلام پھیرے۔ اس صورت میں سلام کے بعد دو کا ارادہ ہوگیا تو سجدہ سہو کرکے پھر سلام پھیرے کیونکہ پہلا سلام شمار میں نہیں ہے۔

صرف ایک رکعت پڑھے تو تشہد پڑھنا ہی ہے۔ ایک سے زائد پڑھے تو صرف آخر میں ایک تشہد بھی پڑھ سکتا ہے، اور یہ تشہد رکن ہے۔ اور چار رکعت والی فرض کی طرح ہر دو رکعت پر بھی تشہد پڑھ سکتا ہے۔ لیکن ہر رکعت میں تشہد پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (البتہ ہر

تین رکعت یاچار رکعت وغیرہ پر تشہد پڑھ سکتا ہے۔(تحفہ) صرف آخر میں ایک تشہد کی صورت میں ہر رکعت میں سورت پڑھے گا۔زائد تشہد کی صورت میں تشہد اول کے بعد صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا۔رات اور دن کے نوافل میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا افضل ہے۔

احادیث:(۱)ایک حدیث کے ضمن میں آپ ﷺ نے فرمایا! اور جان لوکہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے۔(دارمی، احمد، طبرانی فی المعجم الکبیر وحسنہ الالبانی) یہ راویت صحیح ہے اور صحابہ کی ایک جماعت حضرت ثوبان، ابن عمرو، ابوامامہ، جابر، ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

(۲)حضرت ثوبان اور ابو درداء نے آپ ﷺ سے اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل کے متعلق سوال کیاتو آپ ﷺ نے کثرت سجدہ (کثرت نماز) کاحکم دیتے ہوئے فرمایاکہ تم ایک سجدہ اللہ کے لئے کروگے تو اللہ ضرور تمہاراایک درجہ بلند فرمائیں گے اور ایک گناہ مٹادینگے۔(مسلم۔نسائی۔ابوعوانہ۔ابن ماجہ۔بیہقی۔ترمذی۔وقال حدیث حسن صحیح)

(۳)ایک صحابی ربیعہ بن کعب اسلمی نے آپ ﷺ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کیاتو آپ ﷺ نے ان کو کثرت سجدہ کا حکم دیا۔(مسلم، ابواعوانہ۔ابوداود۔نسائی بیہقی)

(۴)ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کئی رکعتیں پڑھی تو سلام کے بعد احنف نے پوچھاکہ تم نے جفت پر سلام پھیری، یا طاق رکعت پر کچھ پتہ ہے؟انہوں نے جواب دیاکہ مجھے پتہ نہ بھی ہو تو اللہ کو معلوم ہے۔پھر آپ ﷺ کی یہ روایت سنائی: ''جو بھی بندہ اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور اس کا ایک درجہ بلند فرماتے، ایک گناہ معاف فرماتے اوراس کے حق میں ایک نیکی لکھتے ہیں۔'' (دارمی واحمد۔واسنادہ صحیح علی شرط مسلم)(ارواء الغلیل ج/۲)

(۵)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک رکعت پڑھی اور فرمایاکہ یہ نفل ہے جو چاہے زائد پڑھے اور جو چاہے کم۔(بیہقی) (تلخیص وخلاصہ البدر)

(۶)نماز بہترین عمل ہے، جو چاہے کم پڑھے جو چاہے زیادہ پڑھے۔(احمد۔بزار، ابن حبان، طبرانی، حاکم)

(۷)رات اور دن کی (سنت) نماز دو دو رکعت ہے(احمد، سنن اربعہ، وصححہ ابن خزیمہ، ابن حبان، الحاکم، البیہقی، نقل تصحیحہ، عن البخاری)

(۸)رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔(یعنی سنت نماز دو دو رکعت افضل ہے۔)(متفق علیہ)(تلخیص الحبیر)

فصل۔سنن رواتب کا وقت

(رواتب یعنی پنجوقتہ فرائض سے قبل وبعد کی سنتیں)

فرض کی قبلیہ سنت کا وقت فرض نماز کا وقت داخل ہوتے ہی ہو گا(اذان ہونا کوئی ضرورت نہیں ہے)۔اور وقت باقی رہنے تک جائز ہے۔لیکن فرض سے قبل ہی پڑھنا افضل ہے۔فرض کی بعدیہ سنت کا وقت فرض نماز پڑھنے کے بعد داخل ہو گا، اور وقت ختم ہوتے ہی سنت کا وقت بھی ختم ہو گا۔

نفل کی اقسام

نفل کی دو قسمیں ہیں (۱) جن کا کوئی معین وقت نہیں، سبب کے پائے جانے کی صورت میں ادا کی جاتی ہے۔جیسے گہن، استسقاء،

اور تحیۃ المسجد کی نمازیں۔ ان نمازوں کی قضاء مشروع نہیں ہے۔

(۲) جو موقت ہیں (یعنی جن کا وقت متعین ہے) جیسے عید، ضُحیٰ اور رواتب نمازیں۔ یہ نمازیں اگر فوت ہوں تو ان کی قضاء ہمیشہ مستحب ہے۔

سنن رواتب کو سفر میں بھی پڑھنا مستحب ہے۔ فجر کی سنت کے بعد فرض سے قبل لیٹنا سنت ہے۔ اگر نہ لیٹے تو دونوں میں (گفتگو وغیرہ کے ذریعے) فصل کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی وجہ سے کہ آپ ﷺ فجر کی سنت کے بعد اگر میں جاگتی رہتی تو مجھ سے گفتگو فرماتے ورنہ نماز کی اطلاع تک لیٹ جاتے۔ (رواہ البخاری) فجر کی سنت میں مختصر تلاوت سنت ہے۔ صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد (''قولوا امنا باللہ۔۔۔۔'' (سورہ بقرہ آیت ۱۳۶) اور دوسری میں ''قل یااھل الکتاب تعالوا۔۔۔۔۔'' (سورہ آل عمران آیت ۶۴) تلاوت فرماتے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پہلی رکعت میں ''قل یایھا الکافرون'' اور دوسری میں ''قل ھو اللہ احد'' کی تلاوت فرمائی۔ لہٰذا دونوں بھی سنت ہے مغرب کی سنت اور استخارہ اور تحیۃ المسجد کی نماز میں بھی ''قل یایھا الکافرون'' اور ''قل ھو اللہ احد'' کی تلاوت کرے۔ رات کی نفل دن کی نفل سے افضل ہے کسی کو نصف رات عبادت کرنا ہے تو آخری نصف افضل ہے۔ اور ایک تہائی رات عبادت کرنا ہو تو درمیانی حصہ افضل ہے اس سے افضل یہ ہے کہ رات کے چھ حصے کر کے چوتھے اور پانچویں حصے میں جاگے، جیسا کہ صحیحین کی ایک روایت سے ثابت ہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب داود علیہ السلام کی نماز (کا طریقہ) ہے، نصف رات سو جاتے، اور ایک تہائی عبادت میں گذارتے، پھر آخری چھٹے حصے میں سو جاتے۔ (بخاری و مسلم)

ہمیشہ ساری رات نماز پڑھنا مکروہ ہے، انسان کو چاہیے کہ رات میں کچھ نہ کچھ نماز ضرور پڑھے۔ نفل نماز گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔

لیکن درج ذیل نوافل مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ (۱) جمعہ کی قبلیہ سنت (۲) چاشت کی نماز (۳) استخارہ کی نماز (۴) معتکف کی نماز (۵) فرض نماز کے بعد سیکھنے یا سکھانے کیلئے مسجد میں رکا ہوا شخص (۶) رواتب کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، وقت کی تنگی یا اپنی سستی کی وجہ سے (۷) سفر میں جاتے وقت نماز (۸) سفر سے لوٹنے پر نماز (۹) طواف کی دو رکعت، کیونکہ ان کا مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا افضل ہے (۱۰) میقات میں مسجد ہو تو احرام کی دو رکعت اس مسجد میں ادا کرنا مستحب ہے۔ (حاشیۃ الروضہ۔عن البکری)

تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے والے کیلئے مستحب ہے کہ ایسے آدمی کو جگا دے جس سے تہجد کی توقع ہو، جبکہ کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ صحیح احادیث کی وجہ سے سفر سے واپسی پر مسجد میں دو رکعت کی پابندی مستحب ہے۔ (واللہ اعلم)

قیام لیل اور تہجد

آیت: (۱) ''وَمِنَ الَّیْلِ فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ، عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً'' (بنی اسرائیل، ۷۹) ''اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی (نماز ادا کیجئے) سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے، جو کہ آپ کے لئے (یعنی حضور اکرم ﷺ کے لئے پنجگانہ نمازوں کے علاوہ) زائد چیز ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود (جو کہ شفاعتِ کبریٰ کا مقام ہے) جگہ دے گا۔''

(۲) ایک جگہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے صفات شمار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: '' وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّداً

وَّقِیَاماً“(الفرقان:۶۴)اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں۔

(۳)ایک جگہ مؤمنین کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:”تَتَجَافٰی جُنُوۡبُھُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ خَوۡفاًوَّ طَمَعاً۔۔۔۔“(السجدۃ:۱۶)(مؤمنین کے اعمال کا یہ حال ہے کہ شب کو)ان کے پہلو خواب گاہوں (بستروں) سے علاحدہ ہوتے ہیں(خواہ فرضِ عشاء کے لئے یا مزید تہجد کے لئے بھی اور)اس طور پر (علاحدہ ہوتے ہیں کہ وہ لوگ)اپنے رب کو(ثواب کی)امید سے اور (عذاب کے)خوف سے پکارتے ہیں۔(اس میں نماز اور دعاوذکر سب آگیا)

(۴)متقیوں کے اہم صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:” کَانُوۡاقَلِیۡلاً مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَھۡجَعُوۡنَ۔وَ بِالۡاَسۡحَارِ ھُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ “(الذٰریت:۱۸،۱۷)”وہ لوگ (یعنی متقی لوگ فرائض سے ترقی کرکے سنن و نوافل کا ایسا اہتمام کرنے والے تھے کہ)رات کو بہت کم سوتے تھے“(یعنی رات کا زیادہ حصہ عبادت میں صرف کرتے تھے)اور(پھر باوجود اس کے اپنی عبادت پر نظر نہ کرتے تھے،بلکہ)اخیر شب میں (اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر)استغفار کیا کرتے تھے۔“

(۵)یٰاَیُّھَاالۡمُزَّمِّلُ۔قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلاً۔نِصۡفَہٗ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ قَلِیۡلاً۔اَوۡ زِدۡعَلَیۡہِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡآنَ تَرۡتِیۡلاً“ (المزمل:۱تا۴)”اے کپڑوں میں لپٹنے والے(اس میں تانُس اور ملاطفت کے طور پر حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہے)رات کو(نماز میں)کھڑے رہا کرو،مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کردو یا نصف سے بڑھادو اور (اس قیامِ لیل میں) قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔“

احادیث:(۱)”جب تم سوتے ہو تو شیطان تم میں سے کسی کے سر کے پچھلے حصہ (گدی) میں تین گرہیں (گانٹھ) مار دیتا ہے،ہر گرہ پر دم کرتا ہے کہ ابھی رات بہت طویل ہے،اس لئے تم سو جاؤ،پھر اگر وہ بیدار ہوکر اللہ کا ذکر کرتا ہے،تو ایک گرہ کھل جاتی ہے،پھر اگر وہ وضوء کرلے تو(دوسری) گرہ کھل جاتی ہے،پھر اگر وہ نماز پڑھ لے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں،لہٰذا وہ بڑی بشاشت اور پاکیزہ حالت میں صبح کرتا ہے۔ورنہ بالکل پس مردہ اور سست حالت میں صبح کرتا ہے۔“(مالک،بخاری،مسلم)

(۲)”فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔“(مسلم وغیرہ)

(۳)”اے لوگو!سلام کو خوب رواج دو،اور کھانا کھلاؤ(خوب سخاوت کرو)اور صلہ رحمی کرو،(ہر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)اور نماز پڑھو اس وقت جب لوگ سو رہیں ہوں(یعنی رات کے وقت)تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔“(ترمذی و قال حدیث حسن)

(۴)حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:”حضور اکرم ﷺ راتوں کو اتنا قیام کرتے (نماز میں کھڑے رہتے) کہ دونوں قدمِ مبارک پھٹ جاتے،“تو میں نے عرض کی:”آپ تو بخشے بخشائے ہیں،پھر کیوں اس طرح مشقت اٹھاتے ہو،“تو ارشاد فرمایا:”کیا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا(بے انتہا)شکر گذار بندہ بنوں“(متفق علیہ)

(۵)”رات میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں ایک مسلمان شخص دنیا و آخرت کی جو بھی بھلائی اللہ تبارک و تعالیٰ سے مانگے گا،اللہ تبارک و تعالیٰ یقیناً اُسے وہ عنایت فرمائیں گے،اور یہ ہر رات میں ہے“(مسلم)

(۶)”تم لوگ قیامِ لیل کیا کرو،کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کی عادت رہ چکی ہے،اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قربت کا باعث ہے،نیز گناہوں کے لئے کفارہ اور معاصی سے بچانے والا ہے۔“(ترمذی،ابن ماجہ،حاکم)

(۷)"اللہ تبارک وتعالیٰ اُس شخص پر رحم فرمائے، جو رات کو اُٹھ کر نماز پڑھے، اور اپنی بیوی کو (بھی نماز کے لئے) اٹھائے، اگر وہ نہ اُٹھے تو اُس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ اُس عورت پر رحم فرمائے، جو رات کو اُٹھ کر نماز پڑھے، اور اپنے شوہر کو جگائے، اگر وہ انکار کرے تو اُس کے چہرے پر پانی مارے۔"(ابوداود، نسائی، ابن ماجه)

(۸)"رات کی نماز کی فضیلت دن کی نماز پر ایسی ہے جیسا کہ مخفی صدقہ کی علانیہ صدقہ پر"(طبرانی فی الکبیر)

(۹)"کوئی شخص رات کو اپنی اہلیہ کو جگائے اور دونوں دو رکعت نماز پڑھیں تو اُن کو ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کی فہرست میں لکھ لیا جاتا ہے۔"(ابوداود، نسائی، ابن ماجه)

(۱۰)"پروردگار رات کے آخری حصہ کے اندر اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اگر تم اُس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ"(ترمذی)

(۱۱) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا، جو رات میں صبح تک پڑا سوتا رہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:"وہ ایسا شخص ہے کہ شیطان نے اُس کے دونوں کانوں میں پیشاب کر دیا"(صحیحین)

(۱۲) حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا:"اے عبد اللہ! تم فلاں کی طرح مت بن جانا کہ وہ پہلے رات میں نماز پڑھا کرتا تھا، پھر اُسے چھوڑ دیا۔"(متفق علیه)

[الترغیب والترھیب للمنذری ۱/۴۲۲، مشکوٰۃ: ۱/۱۰۸، تیسیر الوصول ۳۰۱/۲]

تهجد: عربی زبان میں تہجد کا لفظ سونے اور نیند سے بیدار ہونے کے لئے مستعمل ہے، جیسا کہ علامہ جوہریؒ وغیرہ نے فرمایا (گویا اضداد کے قبیل سے ہے)۔ بعضوں نے کہا کہ ھجود تو سونے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور تہجد نیند کے ازالہ اور بیدار ہونے کے لئے۔ امام طبریؒ نے کئی اسلاف سے نقل فرمایا کہ تہجد کا مطلب ہے سونے کے بعد بیدار رہونا۔ امت کے حق میں تہجد کی نماز کے عدمِ وجوب پر اجماع قائم ہو چکا ہے۔ تاہم آپ ﷺ پر واجب تھی یا نہیں؟ اختلاف ہے۔(من فتح الباری ۱/۳)

قرآنی آیات اور صحیحین وغیرہ کی بکثرت احادیث کی روشنی میں تہجد کی نماز بالاجماع سنت ہے۔ بعض فقہاء نے اُس کے سنت مؤکدہ ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ فقہی اعتبار سے رات کو سو کر اُٹھنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے گی اُسے تہجد کہا جائے گا۔ لہٰذا عشاء کی نماز اور نیند کے بعد جو سنت پڑھی جائے گی، اُسے تہجد کہا جائے گا۔ اگر عشاء کی فرض نماز سے قبل بھی سو کر اُٹھے، پھر عشاء پڑھ لے تو اُس کے بعد تہجد پڑھ سکتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک عام وقت میں (یعنی عشاء کا وقت ہونے کے بعد) سونا ضروری ہے۔ اور بعضوں کے نزدیک عشاء کے وقت سے پہلے ہی سو کر اٹھے تب بھی (عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد) تہجد پڑھ سکتا ہے۔ مسافر عشاء کو جمع تقدیم کر کے مغرب کی نماز کے بعد پڑھ لے، تو وہ بھی سو کر اُٹھنے کے بعد تہجد پڑھ سکتا ہے۔(تو گویا تہجد کی صحت کے لئے اُس سے قبل عشاء کی نماز اور نیند، دونوں کا پایا جانا ضروری ہے)۔ اگر سو کر اُٹھنے کے بعد کوئی شخص وتر، یا کسی فرض کی قضاء یا نذر وغیرہ کی نماز پڑھ لے، تو اُس سے بھی تہجد کی فضیلت حاصل ہو جائے گی تہجد میں رکعات کی کوئی تعداد متعین نہیں ہے، (جتنی بھی چاہے پڑھ سکتا ہے) ایک قول یہ ہے کہ اُس کی زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔

جو تہجد کا عادی ہو، بلا کسی مجبوری کے اُسے ترک کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۱۲ سے واضح ہے اگر چھوٹ جائے تو اُس کی قضا مستحب ہے۔

نفلِ مطلق رات میں دن کے مقابلہ میں زیادہ افضل ہے۔ (جیسا کہ ۲ نمبر پر مسلم کی حدیث دلالت کر رہی ہے) (قیامِ لیل اور رات کی نماز کی فضیلت کے لئے سو کر اُٹھنا کوئی ضروری نہیں ہے، وہ صرف تہجد کے لئے شرط ہے، کوئی اگر رات بھر جاگ کر نماز وغیرہ عبادات میں مشغول ہو، تو یہ بھی قیامِ لیل ہے، گو اُس پر تہجد کا اطلاق نہ ہو گا)

ہمیشہ مکمل رات جاگنا مکروہ ہے، گرچہ عبادات میں جاگے، کیونکہ صحیحین وغیرہ کی حدیث میں اُس سے منع کیا گیا ہے، نیز عموماً یہ نقصان کا باعث ہو گا۔ تاہم محبِ طبریؒ اور بعض دیگر علماء کے نزدیک اگر تمام رات مسلسل بیداری کسی کے لئے نقصان دہ ثابت نہ ہو، تو اُس کے حق میں یہ مکروہ نہ ہو گا، بالخصوص جسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مناجات میں بڑی لذت ولطف حاصل ہو، ایسی صورت میں کسی ناگوار امر کا خطرہ ہو تو کراہت ہو گی، ورنہ نہیں، بکثرت تابعین اور دیگر بزرگوں کے حالات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی ممانعت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بعض علماء مطلقاً کراہت کے قائل ہیں۔ چوکیداری وغیرہ جیسے اعذار کی وجہ سے رات بھر جاگنے کی نوبت آئے، تو یہ بظاہر مکروہ نہیں ہے۔

رات کا اتنا حصہ جاگنا جو مضر ہو، مکروہ ہے۔ (گو مکمل رات نہ جاگے)۔ بعض راتوں کو مکمل جاگ کر عبادت میں گذارنا مکروہ نہیں ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ رمضان کا آخری عشرہ تمام رات عبادت میں گذار دیتے۔ رمضان کے آخری عشرہ اور دونوں عید کی راتوں کو مکمل جاگ کر عبادت میں گذارنا مستحب ہے۔

صرف جمعہ کی شب کو (یعنی جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب) نماز کے ساتھ خاص کرنا مکروہ ہے، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ کسی دوسری شب کو اس طرح نماز یا کسی دوسری عبادت کے ساتھ مخصوص کرنا مکروہ نہیں ہے۔ ایسی طرح شبِ جمعہ کو نماز کے علاوہ تلاوت، ذکر اور درود وغیرہ عبادات کے ساتھ مخصوص کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، بلکہ اس رات درود شریف کی کثرت کی بڑی اہمیت ہے۔ بعضوں کے خیال میں اس رات درود پڑھنا بجز سورۂ کہف کے قرآن کی تلاوت سے بھی افضل ہے۔ اگر جمعہ کے ساتھ اُس سے پہلے کی یا بعد کی رات میں بھی جاگے، تو کراہت ختم ہو گی۔

اگر کسی نمازی یا سونے والے شخص وغیرہ کو تکلیف نہ ہو، تو رات کی نفلِ مطلق میں جہر اور سر کے درمیان تلاوت کرنا مستحب ہے۔ عورت کے لئے یہ حکم اُس وقت ہے، جب کہ کسی اجنبی مرد کو اُس کی آواز سنائی نہ دے۔ بعضوں کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کبھی آواز سے اور کبھی آہستہ تلاوت کرے۔

فوائد: (۱) رات میں نیند سے بیدار ہونے والے ہر شخص کے لئے سنت ہے کہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کو دور کرے، مسواک کرے اور آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائے (گرچہ گھر میں ہو اور چھت کی وجہ سے آسمان نظر نہ آئے یا نابینا ہو) اور سورۂ آل عمران کی آخری گیارہ آیات (آخری رکوع) یعنی "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سے سورت کے آخر تک تلاوت کرے۔ یہ تمام امور صحیحین میں آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔

(۲) رات میں نماز شروع کرتے وقت پہلی دو رکعتیں مختصر پڑھنا سنت ہے۔ بعد میں جس طرح چاہے (لمبی یا مختصر) پڑھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رات نماز کے لئے اُٹھتے تو اپنی نماز کو دو خفیف (مختصر اور ہلکی) رکعتوں سے شروع کرتے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ: "جب تم میں سے کوئی رات کو اُٹھے تو اپنی نماز کو دو خفیف رکعتوں سے شروع کرے۔ (مسلم) (تاکہ اب آگے باقی نمازوں کو نشاط کے ساتھ ادا کرے، نیز امت کے حق میں ایک فائدہ یہ بھی ہو گا

کہ جلد ہی شیطان کی لگائی ہوئی تیسری گرہ کھل جائے گی)

(۳) صحیحین کی حدیث کی وجہ سے سنت ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔

(۴) رکوع وسجدہ کی طوالت یا رکعات کی کثرت کی بجائے قیام کو طویل کرنا زیادہ افضل ہے۔ جیساکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

(۵) سنت ہے کہ اطمینان سے اور غور و تدبر کے ساتھ تلاوت کرے، اگر کسی دوسرے کو تکلیف ہو، یا ریاکاری کا اندیشہ ہو، تو جہراً تلاوت نہ کرے۔ بطورِ تدبر ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، گو کئی مرتبہ دہرائے۔

(۶) صحیحین وغیرہ کی احادیث کی رُو سے اگر نماز میں اونگھ آنا شروع ہو تو پھر سو جائے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ختم ہو جائے، ورنہ زبان سے نادانستہ کچھ بھی غلط اور نامناسب الفاظ نکل جائیں گے۔

(۷) میاں بیوی میں سے جو بھی رات نماز کے لئے اُٹھے، وہ دوسرے کو بھی جگادے، جیساکہ حدیث نمبر: ۷ میں اس کی فضیلت گذر چکی۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رات بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کو بیدار کرنے کا حکم دیا۔

کسی دوسرے کے تہجد کے لئے اٹھنے کی توقع ہو، تو اُسے بھی بیدار کرنا مستحب ہے، جب کہ اسے کوئی ضرر و تکلیف نہ ہو، صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات میں نماز کے لئے جگایا۔

(۸) مستحب ہے کہ قیامِ لیل کرنے والا اتنی مقدار کا اپنے کو عادی بنائے، جس پر بظاہر دوام اور ہمیشگی ممکن ہو، بعد میں اُسے ترک کرنا یا مقدار میں کمی کرنا مکروہ ہے۔ صحیحین کی روایات اس تفصیل پر دلالت کرتی ہیں۔

(۹) سوتے وقت رات نماز کے لئے اُٹھنے کی نیت اور پختہ ارادہ کر کے سوئے، کیونکہ ایسی صورت میں اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے آنکھ نہ بھی کھلے تو اُس کے لئے نیت (کی وجہ سے نماز) کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔ (نسائی، ابن ماجہ باسناد صحیح)

(۱۰) رات کے تمام حصوں میں بکثرت دعا و استغفار کرنا تاکیدی مستحب ہے۔ آخری نصف میں زیادہ تاکید ہے، اور سحری کے وقت مزید افضل ہے، جیساکہ قرآنی آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔

(۱۱) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اگر بندہ بیمار پڑھتا ہے، یا سفر میں جاتا ہے، تو اُس کے حق میں صحت و اقامت کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔'' (بخاری)

(۱۲) آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''سحری کے کھانے کے ذریعے دن کے روزہ پر اور قیلولہ کے ذریعے رات کے قیام پر تعاون حاصل کرو'' (ابنِ ماجہ باسناد ضعیف) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ فضائل میں ضعیف احادیث پر بھی عمل کیا جائے گا۔ لہٰذا تہجد کے لئے قیلولہ کرنا سنت ہے۔ یعنی زوال سے قبل کچھ دیر سو جانا، اور محدثین کے نزدیک بلا نیند کے صرف آرام کرنا بھی قیلولہ کہلاتا ہے۔ اس کی مقدار لوگوں کی عادت کے اعتبار سے مختلف ہو گی۔ امام احمدؒ نے گرمی اور سردی میں کبھی اُسے ترک نہیں کیا۔

(۱۳) رات سو کر اُٹھنے کے بعد کچھ نہ کچھ نماز پڑھنے کا اہتمام اور کوشش کرے، گو دو رکعت ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۴) جو شخص مطلق نفل نماز یا ذکر وغیرہ کا عادی ہو، (اُس کا اپنا کچھ معمول ہو) تو چھوٹنے کی صورت میں اُس کی قضا مستحب ہے (جیساکہ نفلِ مؤقت کی قضا مستحب ہے) تاکہ نفس آرام کی طرف مائل نہ ہو، اور پھر رفتہ رفتہ یہ معمول بالکل ہی ختم نہ ہو جائے۔

(۱۵) قیامِ لیل نفس پر گراں ترین چیز ہے، بالخصوص نیند سے اُٹھ کر قیام کرنا، تاہم جب عادت ڈالے اور پابندی کرے اور ابتداءً

مشقت جھیلے تو بعد میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ انس، مناجات اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ خلوت کی حلاوت و لذت کا دروازہ کھل جاتا ہے، اُس کے بعد انسان قیامِ لیل سے سیر اب ہی نہیں ہو گا، اُسے بار محسوس کرنا اور اُس میں سستی کرنا تو درکنار، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نیک بندوں کا حال ہے۔ اسی لئے بعض صالحین نے فرمایا کہ اگر جنتیوں کی حالت ہمارے رات کی حالت کی طرح ہو، تب تو ان کی زندگی بڑی پاکیزہ اور پُر لطف ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: چالیس سال سے میں سوائے طلوعِ فجر کے کسی اور چیز سے غمگین نہیں ہوتا (کیونکہ اس کی وجہ سے قیامِ لیل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے) ایک بزرگ کا قول ہے کہ رات میں اپنے لہو و لعب سے لطف اندوز ہونے والوں سے بڑھ کر شب بیداروں کو اپنی شب بیداری وعبادت میں لذت و چاشنی نصیب ہوتی ہے۔ ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر قیامِ لیل اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی نسبت پر بھائیوں سے ملاقات کی دولت نصیب نہ ہوتی تو قطعاً مجھے دنیا میں رہنا گوارا نہ ہوتا۔ اسلاف بزرگوں کے اس طرح کے اقوال کثرت سے منقول اور مشہور ہیں۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ ان کی اتباع میں قیامِ لیل کی پابندی کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے مخصوص بندوں میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے (آمین)

[المجموع ۴/۴۳-۴۸، التحفہ مع الحواشی والنہایہ مع الحواشی وفتح الوہاب مع الجمل باب فی صلاۃ النفل، بشری الکریم ۱/۱۱۸، فتح المعین مع الاعانہ ۱/۲۶۷]

کتاب۔صلاۃُ الجماعۃ (نماز باجماعت)

آیت: (وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (سورہ نساء) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نماز خوف میں جماعت کا حکم دیا، تو عام حالات میں بدرجہ اولیٰ اس کی اہمیت ہو گی۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے۔ (متفق علیہ)

(۲) آپ ﷺ کا ارشاد ہے: نماز کیلئے جو جتنی دور سے پیدل آئے گا، اتنا ہی زیادہ ثواب کا مستحق ہو گا، اور جو نماز کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ امام کے ساتھ نماز پڑھے، اسے نماز پڑھ کر سو جانے والے سے زیادہ ثواب ملے گا۔ (صحیح بخاری)

(۳) آپ ﷺ کا فرمان ہے "جس نے عشاء باجماعت ادا کی تو گویا نصف رات نماز میں گذار دی۔ اور جس نے فجر باجماعت ادا کی، تو گویا ساری رات نماز میں گذاری۔ (مسلم۔مالک۔ابوداود۔ترمذی)

(۴) ایک نابینا شخص (حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے مسجد لانے والا کوئی ہے نہیں، لہٰذا یہ درخواست ہے کہ (ترک جماعت کی) اجازت مرحمت فرمائیں، آپ ﷺ نے اجازت دی، جب وہ جانے لگے تو بلا کر دریافت فرمایا: "کیا تم اذان سنتے ہو، " کہا جی ہاں۔ فرمایا۔ پھر جماعت میں شرکت کرو۔" (مسلم۔نسائی)

(۵) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اس ارادے کا اظہار فرمایا کہ لکڑیاں جمع کر کے ان لوگوں کے مکانات جلا ڈالوں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ (موطا۔بخاری۔مسلم۔ابوداود۔ترمذی۔نسائی۔) (تیسیر الوصول ۲/۲۶۵)

(۶) کسی شخص کا دوسرے کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا پڑھنے سے افضل ہے اس کا دو اشخاص کے ساتھ نماز پڑھنا ایک کے ساتھ پڑھنے سے افضل ہے، جتنے زیادہ نمازی ہوں، وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ (ابوداود۔نسائی)

(۷) کسی بستی یا صحرا و جنگل میں تین افراد ہوں اور ان میں جماعت کا قیام نہ ہو، تو ضرور شیطان ان پر غلبہ اور قابو پالے گا، لہٰذا

جماعت کی پابندی کرو، کیونکہ بھیڑیا (ریوڑ اور چرواہے سے) دور (تنہا) بکری کو کھا جاتا ہے۔(احمد۔ابوداود۔نسائی۔ابن ماجہ۔حاکم۔تلخیص الحبیر۔۲/۲۷)

تنہا اور جماعت کی نماز کے ارکان و شروط میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن جماعت افضل ہے۔جمعہ کی نماز میں جماعت فرض عین اور دیگر فرض نمازوں میں فرض کفایہ ہے۔ محدثین شوافع میں سے امام ابن المنذر اور ابن خزیمہ (اور بعض دیگر علماء) نے جماعت کو فرض عین کہا ہے۔ کسی بستی کے لوگ جماعت کا اہتمام نہ کریں تو امام وقت (مسلم حکومت کا بادشاہ) ان سے قتال ولڑائی کرے۔ جماعت کی ذمہ داری سے اہل بستی اسی وقت سبکدوش ہوں گے، جبکہ ایسے انداز میں اس کا قیام ہو کہ ان کے درمیان اس شعار (دینی اہم علامت) کا اظہار ہو، لہٰذا چھوٹی بستی میں ایک جگہ اس کا قیام کافی ہے، بڑی بستیوں اور شہروں میں کئی مقامات میں جماعت ہونی چاہئے۔ تمام لوگ گھروں میں جماعت سے پڑھنے پر اکتفاء کریں تو اس سے فرض ساقط نہ ہوگا۔ بازار یا کسی گھر میں ایسے طور پر جماعت ہو کہ سب شریک ہوتے ہوں اور اظہار حاصل ہو تو یہ کافی ہے۔

بستی یا صحرا کے چند حضرات اظہار کے ساتھ جماعت کا اہتمام کریں اور اکثر حضرات نہ آئیں تو جماعت حاصل ہوگی۔ اور پیچھے رہنے والوں کو گناہ نہ ہوگا۔ (لیکن احادیث میں سخت تاکید کی وجہ سے بغیر معقول اور شرعی عذر کے پیچھے نہیں رہنا چاہئے) جیسا کہ بعض حضرات کا نماز جنازہ پڑھنا کافی ہے۔ (اوروں کو گناہ نہ ہوگا) یہ مردوں کے متعلق تفصیلات تھیں۔ عورتوں کے لئے جماعت سے پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن مردوں کے مقابلہ میں تاکید کم ہے، اور جماعت ترک کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، لیکن مردوں کو ترک جماعت مکروہ ہے۔ عورتوں کی امام (عورت) کو ان کے درمیان میں کھڑی رہنا مستحب ہے (نہ کہ مردوں کے امام کی طرح آگے)۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت فرمائی تو ان کے درمیان میں کھڑی ہو گئیں۔(عبدالرزاق، دارقطنی، بیہقی، تلخیص الحبیر ۲/۴۴)

عورتوں کیلئے گھر کی جماعت افضل ہے، مردوں کے ساتھ مسجد میں حاضر ہونا نوجوان عورتوں کو مکروہ ہے، نہ کہ بوڑھی عورتوں کو۔

حدیث۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اپنی عورتوں کو مسجد سے نہ روکو اور ان کے حق میں ان کا گھر بہتر ہے۔(ابوداود، وصححہ الحاکم)

عورتوں کی امامت مرد کرے یہ افضل ہے، بہ نسبت عورت کی امامت کے، لیکن غیر محرم کو ان کے ساتھ تنہائی جائز نہیں (مقتدیوں میں کوئی ایک عورت اس مرد امام کی محرم یا بیوی ہو)۔(ممیز) بچوں کو مساجد اور جماعت کی شرکت کا حکم دیں گے، تاکہ وہ عادی بنیں (مغنی)

قضاء نماز میں جماعت سنت ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب وادی میں فجر کی نماز فوت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ باجماعت اس کی قضاء کی۔ ادا نماز کے پیچھے قضاء اور قضاء کے پیچھے ادا جائز ہے، لیکن تنہا پڑھنا اس سے افضل ہے، تاکہ علماء کے اختلاف سے نکل جائے۔ کن نوافل میں جماعت مشروع ہے اور کن میں نہیں اس کا ذکر نوافل کے باب میں گذر چکا ہے۔ غیر مشروع ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مستحب نہیں ہے، اگر کوئی ایسے نوافل کو باجماعت پڑھے تو جائز ہے، اور اسے مکروہ نہ کہیں گے، کیونکہ احادیث صحیحہ اس کے متعلق موجود ہیں۔

کوئی شخص اپنے گھر میں اپنے ساتھی یا بیوی یا بچے کے ساتھ نماز پڑھے تو اس سے (فی الجملہ) جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی، لیکن

مسجد میں افضل ہے۔ مسجد میں جتنی بڑی جماعت ہو وہ افضل ہے۔ قریب کی مسجد میں کم جماعت اور دور کی مسجد میں بڑی جماعت ہوتی ہو تو دور کی افضل ہے سوائے دو صورتوں کے۔(۱)اس کے دور جانے سے قریبی مسجد میں جماعت نہ ہو، اس کے وہاں امام ہونے کی وجہ سے یا اس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی آتے ہوں تو قریبی مسجد افضل ہے۔(۲) دور کی مسجد کا امام بدعتی مثلاً معتزلی وغیرہ ہو۔

سلام سے پہلے مقتدی امام کے ساتھ شامل ہو جائے تو اسے (فی الجملہ) جماعت کی فضیلت حاصل ہو گی۔ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی پابندی مستحب ہے، امام کے تکبیر کے بعد ہی اپنے نماز کی ابتداء کرے، تو یہ فضیلت حاصل ہو گی، تکبیر تحریمہ کے فوت ہونے کا ڈر ہو تو رفتار تیز نہ کرے، بلکہ سکینہ کے ساتھ چلے جیسا کہ فوت ہونے کا ڈر نہ ہونے کی صورت میں چلنا ہے۔

حدیث: آپ ﷺ کا ارشاد ہے جب اقامت سنو تو سنجیدگی اور اطمینان کے ساتھ نماز کے لئے چلو، تیز رفتاری کی ضرورت نہیں، جتنی نماز ملے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے (امام کے سلام کے بعد) اسے مکمل کر لو۔(مؤطا۔بخاری۔مسلم۔ابوداود ۔ترمذی ۔نسائی۔(تیسیر الوصول ۲/۲۷۴)

فصل: امام کو ابعاض اور ہیئات سنتوں کی پابندی کے ساتھ مختصر اور ہلکی نماز پڑھانا مستحب ہے۔

حدیث: (۱) تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرے تو ہلکی نماز پڑھائے۔(متفق علیہ)

(۲) حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے ہلکی اور مکمل نماز کسی اور امام کے پیچھے نہیں پڑھی ۔(متفق علیہ) (تلخیص)

امام نوویؒ نے شرح مہذب میں خفیف اور ہلکی نماز کا یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ نہ تو اقل (صرف فرائض) پر اکتفا کرے اور نہ منفرد کیلئے جو اکمل اور مستحب ہے اس پر عمل کرے۔(حاشیۃ الروضۃ) اگر مقتدی متعین اور محدود ہوں اور تطویل سے راضی ہوں تو لمبی نماز پڑھانا مستحب ہے۔ امام نماز کو طویل کرے، تو اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔(۱) بازار یا محلہ کی مسجد میں نماز کے دوران مزید مقتدیوں کے آنے کیلئے طویل کرنا یہ مکروہ ہے

(۲) ایسی مسجد میں امامت کرے جہاں کوئی معزز و بلند مرتبہ اور شریف نماز میں آتا ہو، تو اس کے انتظار میں طویل کرنا یہ بھی مکروہ ہے

(۳) نماز میں یہ محسوس کرے کہ کوئی شخص آچکا ہے، اور اس کی اقتداء کرنا چاہتا ہے، تو اس صورت میں رکوع اور تشہد اخیر میں اس کا انتظار درج ذیل شرائط کے ساتھ مستحب ہے (تاکہ پہلی صورت میں اسے وہ رکعت اور دوسری صورت میں جماعت کی فضیلت مل جائے)

شرائط: زیادہ طویل نہ کرے، مسبوق مسجد کے اندر ہو، باہر ہو تو قطعاً انتظار نہ کرے، محض تقرب الی اللہ کی نیت سے انتظار کرے، لہذا مقتدیوں میں فرق نہ کرے (کہ بعض کیلئے انتظار کرے اور بعض کیلئے نہ کرے۔)

فصل۔ فرض نماز کا جماعت کے ساتھ اعادہ

جو شخص تنہا یا باجماعت پنجوقتہ نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھ چکا ہو، پھر اُسی نماز کی جماعت ملے تو ایک مرتبہ جماعت کے ساتھ اعادہ کرنا مستحب ہے۔ اس کی فرض پہلی شمار ہو گی، لیکن اعادہ میں بھی نیت فرض ہی کی کرے گا۔ کسی نے نماز پڑھنے کے بعد دوسرے کو وہی نماز تنہا پڑھتے دیکھا تو اسے اس کے ساتھ نماز میں شامل ہونا مستحب ہے تاکہ اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو۔

احادیث: (۱) حجۃ الوداع میں مسجد خیف میں فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے دیکھا کہ دو آدمی نماز میں شریک نہیں ہوئے،

دریافت کرنے پر انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اپنے قیام گاہ پر نماز پڑھ لی تھی، تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح نہ کرو جب اپنے قیام گاہ پر نماز پڑھ لو پھر کسی مسجد میں پہنچ جاؤ۔ جہاں جماعت ہو رہی ہو تو پھر ان کے ساتھ پڑھ لو، یہ تمہارے لئے نفل ہو گی۔(احمدابوداود، ترمذی، نسائی، قال الترمذی حسن صحیح)

(۲) ایک حدیث میں حضرت ابوذر سے آپ ﷺ نے ایسے امراء کے دور میں جو نماز کو موخر کریں، اپنی نماز وقت پر پڑھنے کے بعد ان کے ساتھ ملے تو دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ تمہارے لئے نفل ہو گی۔(مسلم)

(۳) ایک مرتبہ ظہر کی جماعت کے بعد ایک شخص آکر تنہا نماز پڑھنے لگا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ! ہے کوئی جو اس پر صدقہ کرے (یعنی) اس کے ساتھ نماز پڑھے (تاکہ اسے جماعت کا ثواب ملے) ترمذی۔ ابن حبان۔ حاکم۔ بیہقی، تلخیص الحبیر)

فصل۔ جماعت کے اعذار

کسی عام یا خاص عذر کے بغیر جماعت کے ترک کی اجازت نہیں ہے۔

عام اعذار: دن یا رات میں ایسی بارش ہو جس سے مشقت ہو، رات میں تیز و تند ہواؤں کا چلنا، شدید کیچڑ، ظہر کے وقت گرم ہوا اور شدت کی دھوپ و گرمی، اس صورت میں اگر ظہر کو ٹھنڈے وقت میں نہ پڑھیں یا اس کے باجود شدید گرمی باقی ہو تو جماعت سے پیچھے رہ سکتا ہے، رات یا دن میں شدت کی سردی۔

خاص اعذار: ایسا مرض جس کی وجہ سے جماعت میں حاضری میں مشقت ہو۔ تیمار داری۔ کسی ظالم کی طرف سے اپنے یا متعلقین میں سے کسی کے جان و مال کا خطرہ ہو۔ قرض خواہ کے پیچھے پڑنے یا قید میں ڈالنے کا اندیشہ ہو جبکہ یہ تنگدست ہو۔ اگر قرض کا مطالبہ کرنے والا برحق ہو، (اور یہ ادا کر سکتا ہو) تو نہ دینا ظلم ہے لہٰذا اس پر جماعت کی حاضری اور قرض کی ادائیگی ضروری ہے۔ روٹی تنور میں یا ہانڈی چولہے پر ہو اور دوسرا کوئی اس پر نگاہ رکھنے والا نہ ہو، اس پر قصاص لازم ہو اور چند روز پوشیدہ رہنے سے سامنے والے کی طرف سے معافی کی توقع ہو، پیشاب یا پاخانہ یا اخراج ریح کی ضرورت ہو اس صورت میں پہلے ان ضروریات سے فارغ ہو لے، چاہے اس کی وجہ سے جماعت ترک ہو جائے، انہیں روک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن فارغ ہونے تک وقت ہی ختم ہو جائے تو پہلے نماز پڑھ لے، شدید بھوک یا پیاس لگی ہو اور کھانا پینا حاضر ہو، اور طبیعت کا اس طرف میلان ہو تو پہلے کھا پی لے، یعنی اتنے لقمے کھالے کہ بھوک کی شدت کو مار دے، البتہ دودھ اور ستو جیسی ایک ہی مرتبہ میں کھائی جانے والی چیز ہو تو مکمل کرلے۔ کھانے پینے سے وقت نکل جائے تو پھر نماز کو مقدم کرنا لازم ہے۔ اس کے مناسب لباس موجود نہ ہو، چاہے ستر عورت ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو۔ سفر کا ارادہ ہو، اور سفر کے ساتھی نکل چکے ہوں۔ گمشدہ چیز کی تلاش اور اعلان میں لگا ہو، اور جماعت چھوڑنے سے اس چیز کے ملنے کا امکان ہو یا وہ آدمی ملے جس نے اس کا مال غصب کیا ہو اور اس سے وہ واپس لینے کا ارادہ ہو، کچی پیاز یا گندنا وغیرہ بدبودار اشیاء کھا چکا ہو اور دھونے وغیرہ سے اس کی بو کا ازالہ نہ ہو۔ نیند کا غلبہ (جس کی وجہ سے جماعت کا انتظار مشکل ہو) برف باری جبکہ اس سے کپڑے تر ہوں۔ زلزلہ۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حد سے زیادہ موٹاپا (جس سے جماعت میں شریک ہونا بہت شاق ہو) عذر جماعت میں شمار کیا ہے، اور حدیث بیان کی کہ ایک انصاری نے اس عذر کی وجہ سے آپ ﷺ سے اپنے گھر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ (حاشیۃ الروضہ)

احادیث: (۱) جو اذان سن کر بغیر عذر کے جماعت میں شریک نہ ہو اس کی نماز نہیں۔ (ابن ماجہ۔طبرانی، دارقطنی۔ بیہقی۔حاکم۔وقال صحیح علی شرط الشیخین)

(۲) جو فارغ اور تندرست ہونے کے باوجود اذان سن کر جماعت میں شریک نہ ہو اس کی نماز نہیں۔ (حاکم۔بیہقی)

(۳) آپ ﷺ سفر میں ٹھنڈے رات میں اور بارش کی رات میں موذن کو حکم دیتے کہ اپنی اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھنے کا اعلان کرو۔ (بخاری۔مسلم ابوداود۔بیہقی۔)

(۴) اسی طرح دن میں بھی بارش کی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں رخصت مروی ہے۔ (بخاری، مسلم)

(۵) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو پیاز اور لہسن کھائے وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (مسلم۔نسائی۔ترمذی۔بیہقی)

(۶) جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے یا ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر بیٹھے۔ (بخاری۔مسلم۔ابوداود بیہقی ۔احمد، ارواء الغلیل)

(۷) کھانے کی موجودگی میں یا بول وبراز (پیشاب پاخانہ) روک کر نماز نہیں (یعنی اس طرح نماز مت پڑھو) (مسلم)

(۸) اقامت ہو اور کسی کو حاجت محسوس ہو تو پہلے اس سے فارغ ہو جائے۔ (مالک، شافعی، احمد، سنن اربعہ)

(۹) شام کا کھانا حاضر ہو اور اقامت ہو تو پہلے کھانا کھالو۔ (متفق علیہ)

باب۔امام کے صفات

واجب صفات: مقتدی کو معلوم ہو کہ امام بے وضو یا جنبی ہے یا اس کے کپڑے پر نجاست ہے تو ایسے شخص کی اقتداء جائز نہیں ہے، کافر صرف نماز پڑھنے سے مسلمان نہ ہو گا اور اس کی اقتداء کرنا جائز نہ ہو گا۔ اگر امام کسی اور مسلک کا ہو اور مقتدی کے مسلک کے مطابق جو واجبات ہیں، ان کی پابندی کرتا ہو، یا پابندی میں صرف شک ہو، تو اس کے پیچھے نماز صحیح ہو گی ورنہ صحیح نہ ہو گی۔ کسی کی نماز ایسی ہو کہ پھر اس کی قضاء لازم ہو جیسے پانی اور مٹی نہ ہونے کی وجہ سے بلا وضو اور بلا تیمم نماز۔ تو ایسے نمازی کی اقتداء جائز نہیں ہے۔ جو دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو اس کو امام بنانا صحیح نہیں ہے۔ دو آدمی با جماعت نماز پڑھ رہے ہوں، لیکن ان میں امام سمجھ میں نہ آئے تو ان میں سے کسی کی اقتداء کرنا صحیح نہیں ہے۔ جو امی ہو یعنی سورہ فاتحہ صحیح نہیں پڑھ سکتا تو اس کے پیچھے قاری (سورہ فاتحہ صحیح پڑھنے والا) کی نماز صحیح نہ ہو گی۔ بے موقع ادغام کرنے والا راء کو تاء سے بدلنے والا ایک حرف کی جگہ دوسرا پڑھنے والا اور جو تشدید کو ادا نہ کر سکے یہ سب امی ہیں۔ امام اور مقتدی ایک ہی طرح کے امیّ ہوں تو اقتداء صحیح ہو گی۔ اگر ایک شخص سورہ فاتحہ نصف اول صحیح پڑھتا ہو اور دوسرا نصف ثانی تو ان دونوں کو ایک دوسرے کی اقتداء کرنا صحیح نہیں ہے۔ تمتام (تاء میں ہکلانے والا) اور فافاء (فاء کو بار بار ادا کرنے والا) کی امامت مکروہ ہے اور اس کی اقتداء صحیح ہے۔

تلاوت میں ایسی غلطی کرے جس سے مطلب بدلتا نہ ہو جیسے اَلحَمْدُ لِلّٰہُ پڑھنا، تو اس کی اور اقتداء کرنے والوں کی نماز صحیح ہو گی۔ اور مفہوم بدل جائے۔ جیسے ''انعمتُ یا انعمتِ'' تو نماز باطل ہو گی۔ اگر زبان پلٹتی ہو اور سیکھنا ممکن ہو تو سیکھنا لازم ہے۔ اگر کوتاہی کرے اور وقت تنگ ہو تو ایسے ہی نماز پڑھ لے اور بعد میں اعادہ کرے، اس کی اقتداء صحیح نہ ہو گی۔ اور اگر زبان پلٹتی نہ ہو یا اتنا وقت نہیں ملا کہ سیکھ

سکتا، اور سورہ فاتحہ میں یہ مسئلہ ہو تو اس کی نماز اور اس جیسے آدمی کی اقتداء صحیح ہے۔ لیکن قاری کی اقتداء صحیح نہ ہو گی۔ فاتحہ کے علاوہ میں یہ مسئلہ ہو تو اس کی اور پیچھے والوں کی نماز درست ہے۔ مرد کے پیچھے مرد اور عورتیں اقتداء کر سکتے ہیں۔ عورت کے پیچھے صرف عورت اقتداء کر سکتی ہے۔ مرد اور خنثیٰ کی اقتداء عورت کے پیچھے صحیح نہ ہو گی۔ خنثیٰ کے پیچھے صرف عورت اقتداء کر سکتی ہے، مرد اور خنثیٰ کی اقتداء عورت کے پیچھے صحیح نہ ہو گی۔ خنثیٰ کے پیچھے صرف عورت نماز پڑھ سکتی ہے، مرد یا دوسرا خنثیٰ نہیں پڑھ سکتے۔

امام تیمم یا مسحِ موزہ کرے اور مقتدی وضو کرے اور پیر دھوئے تو اقتداء صحیح ہے۔ سلس البول کی اقتداء تندرست کو (جس کو یہ بیماری نہ ہو) اور مستحاضہ غیر متحیرہ کی اقتداء طاہرہ عورت کیلئے صحیح ہے۔ ڈھیلوں سے استنجاء کرنے والے اور جس کے بدن یا کپڑے پر معاف نجاست ہو اس کی اقتداء صحیح ہے۔ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر پڑھنے والے کی اور کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر پڑھنے والا لیٹ کر پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتے ہیں۔

امام کو باوضو اور پاک سمجھ کر اقتداء کی اور نماز بعد اس کا بے وضو یا جنبی ہونا معلوم ہوا تو مقتدی کو قضا کی ضرورت نہیں ہے۔ امام کا بے وضو ہونا مقتدی کو معلوم تھا، پھر بھول کر اس کی اقتدا کی، تو نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ امام کو قاری سمجھ کر اقتداء کی، لیکن وہ امی نکلا، تو اعادہ لازم ہے۔ نماز کے دوران امام کا بے وضو یا جنبی ہونا معلوم ہو، تو فوراً جدائی کی نیت کر کے بقیہ نماز تنہا مکمل کرے، قضاء کی ضرورت نہیں۔ امام کو مرد سمجھ کر کسی مرد نے اقتداء کی، پھر معلوم ہوا کہ عورت ہے، تو اعادہ واجب ہے۔ مسلمان سمجھ کر اقتداء کرے اور وہ کافر نکلے تو اعادہ لازم ہے۔ نماز کے بعد امام کے بدن یا کپڑے میں نجاست کا علم ہو اور وہ خفیہ (غیر ظاہرہ) ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں اور ظاہرہ ہو (کہ نظر آسکتی تھی) تو اعادہ لازم ہے۔ ممیز بچہ (باشعور بچہ) کی اقتداء میں فرض اور نفل پڑھ سکتا ہے، لیکن بالغ امام افضل ہے۔ غلام اور نابینا کی امامت صحیح ہے۔

احادیث: (۱) حضرت عمرو بن سلمہ آپ ﷺ کے دور مسعود میں اپنے قوم کی امامت فرمایا کرتے اور اس وقت ان کی عمر سات سال تھی (بعض روایت میں ۶/ یا ۷/، ۷ یا ۸ اور ۸/ بھی ہے) (بخاری، ابوداود، نسائی، طبرانی)

(۲) مرض الوصال میں آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر پڑھی"۔ (متفق علیہ)

(۳) بعض غزوات میں آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں امامت کی ذمہ داری حضرت ابن ام مکتوم (ایک نابینا صحابی) کو سونپی۔ (ابوداود، احمد، ابن حبان، ابو یعلی، طبرانی اسنادہ حسن) (تلخیص الحبیر)

فصل۔ امام کے لئے مستحب صفات

درج ذیل چھ اسباب کی وجہ سے امام کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ فقہ (مسائل کا علم) قراءۃ۔ ورع۔ (پرہیز گاری) عمر، نسب، ہجرت۔ فقہ اور قرأت تو واضح ہیں۔ ورع سے مراد عدالت (اللہ کے خوف سے شبہات سے بچنا) اور حسن سیرت اور عفت و پاکدامنی ہے۔ عمر سے اسلام کی حالت میں گذری ہوئی عمر مراد ہے۔ پس آج اسلام لایا ہو ابوڑھا ابتدا سے مسلمان نوجوان پر مقدم نہ ہو گا اور نہ کل اسلام لانے والے جوان پر مقدم ہو گا۔ نسب میں قریش کا نسب تو معتبر ہے ہی، ساتھ ساتھ ہر وہ نسب جو کفاءت (نکاح میں) میں معتبر ہے، جیسے علماء و صلحاء یہاں بھی معتبر ہے۔ ہاشمی اور مطلبی دیگر قریش پر مقدم ہوں گے۔ قریش دیگر عرب پر مقدم ہوں گے، اور دیگر عرب عجم (غیر عرب) پر مقدم ہوں گے۔ جو آپ ﷺ کی طرف ہجرت کر چکا ہو وہ غیر مہاجر پر مقدم ہو گا۔ جو پہلے ہجرت کر چکا وہ بعد والے پر مقدم ہو گا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بعد دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنیوالے مقدم ہوں گے۔ مہاجرین یا ہجرت میں

مقدم حضرات کی اولاد دوسروں کے اولاد پر مقدم ہو گی۔ ان مسائل کی روشنی میں بعض جزئیات سامنے آئیں گے۔ ایک عادل اور ایک فاسق ہو تو امامت کیلئے عادل بہتر ہے، چاہے فاسق فقہ قرأت اور دیگر صفات میں عادل سے بڑھا ہوا ہو، بلکہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اسی طرح وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی وجہ سے کافر نہ ہوا ہو، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور جو بدعت سے کافر ہو چکا ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہی نہیں۔ اس کا حکم دیگر کافروں کی طرح ہے۔ ایک اَوْرَعُ (زیادہ متقی) ہو اور دوسرا اَفْقَہُ یا اَقْرَأُ (زیادہ فقہ جاننے والا یا قرأت جاننے والا) تو اَفْقَہُ اور اَقْرَأ کو ترجیح دیں گے۔ ایک صرف بقدر نماز قرأت جانتا ہو، لیکن فقہ میں ماہر ہو اور دوسرا پورا قرآن پڑھتا ہو لیکن فقہ کم جانتا ہو، تو اَفْقَہُ (اوّل) بہتر ہے۔ جس میں فقہ اور قرات دونوں ہو وہ صرف فقہ یا صرف قرأت جاننے والے پر مقدم ہو گا۔ فقہ اور قرأت دونوں بھی نسب، عمر اور ہجرت پر مقدم ہیں۔ فقہ اور قرأت کے بعد ورع، پھر ہجرت میں مقدم، پھر جس کی اسلامی عمر زیادہ ہو، اور اس کے بعد نسبی فضیلت مقدم ہو گی۔ ان تمام صفات میں دونوں برابر ہوں تو کپڑے اور بدن کی میل کچیل سے صفائی، اچھی صحت، اچھی آواز جیسے اوصاف کی وجہ سے ترجیح دیں گے (ان صفات کی روشنی میں ترجیح عام حالات میں ہے، کسی جگہ امام متعین ہو تو وہی مقدم ہو گا۔ (حاشیہ الروضہ)

کسی علاقہ کا حاکم و گورنر اس علاقے میں اوروں کی بہ نسبت امامت کا زیادہ مستحق ہے، چاہے اوروں میں مندرجہ بالا صفات ہوں۔ حاکم امام مسجد اور صاحب خانہ پر مقدم ہو گا جب کہ صاحب خانہ اپنے گھر میں جماعت کی اجازت دے۔ حاکم دوسرے کو امامت کی اجازت دے تو حرج نہیں، حاکموں میں فرقِ مراتب کا لحاظ کیا جائے گا امام اعظم (بادشاہ) اوروں پر مقدم ہو گا۔ پھر جو جتنا بڑا حاکم ہو گا وہ مقدم ہو گا۔ کسی جگہ جماعت ہو رہی ہو اور حاکم نہ ہو تو اس جگہ رہنے والا آگے بڑھنے یا کسی کو بڑھانے کا مستحق ہو گا۔ چاہے رہنے والا مالک ہو یا کرایہ دار ہو یا مستعیر ہو (عاریت پر لے کر رہنے والا) گھر دو آدمی میں مشترک ہو تو دونوں کی اجازت کے بغیر تیسرا امامت نہ کرے اور نہ ان میں سے کوئی دوسرے کی اجازت کے بغیر امامت کرے، ایک ہی شریک حاضر ہو تو وہی مستحق ہے۔ گھر کا مالک اور کرایہ دار دونوں ہوں تو کرایہ دار مقدم ہے۔ مالک اور مستعیر دونوں ہوں تو مالک مقدم ہے۔ کسی مسجد میں امام متعین ہو (جیسے عام طور پر ہوتا ہے) تو وہی امام مستحق ہے، اگر وہ حاضر نہ ہو، تو اسے بلا بھیجنا مستحب ہے۔ اول وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، تو دوسرے کو امامت کرنا مستحب ہے، جبکہ فتنے کا ڈر نہ ہو، فتنہ کا ڈر ہو تو لوگ تنہا نماز پڑھیں، بعد میں امام آجائے تو اس کے ساتھ اعادہ مستحب ہے۔

احادیث: (۱) قوم کی امامت کتاب اللہ کا اقرأ (جو قرآن زیادہ صحیح پڑھے اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو وہ) کرے قرأت میں برابر ہوں تو سنت (حدیث) کا زیادہ علم رکھنے والا، سنت میں برابر ہوں تو جو ہجرت میں مقدم ہو، ہجرت میں برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو (وہ امامت کرے) کوئی آدمی دوسرے کے گھر اس کی امامت نہ کرے اور نہ اس کے دائرہ اختیار میں اس کی امامت کرے، اور اس کی مخصوص نشست گاہ میں نہ بیٹھے مگر اس کی اجازت سے۔ (مسلم و اصحاب السنن)

(۲) حضرت ابن عمر حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ (الشافعی۔ ابن ابی شیبہ)

(۳) سنت یہ ہے کہ صاحب خانہ ہی امامت کرے۔ (الشافعی، عن ابن مسعود)

(۴) قریش کو مقدم کرو۔ (الشافعی، ابن ابی شیبہ، بیہقی، طبرانی، تیسیر الوصول، ارواء الغلیل، تلخیص الحبیر)

نماز میں مسائل کی زیادہ ضرورت پیش آسکتی ہے، اور مرض الوصال میں آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنایا، حالانکہ خود آپ ﷺ نے حضرت ابی ابن کعب کو اقرأ قرار دیا، اس لئے علماء نے افقہ کو اقرأ پر مقدم رکھا۔ (تحفۃ المحتاج وغیرہ)

فصل۔ اقتداء کے شرائط اور آداب

اقتداء کے سات شرائط ہیں۔

(۱) **مقتدی قبلہ کی طرف** امام سے آگے نہ ہو (کیونکہ آپ ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانے سے یہی ہوتا رہا اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام اس لئے ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور آگے بڑھنے والا تابع نہیں ہے۔ (حاشیۃ الروضہ) اگر مقتدی امام سے آگے بڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اگر ایک ہی مقتدی ہو تو مستحب ہے۔ کہ امام سے معمولی پیچھے رہے۔ دو یا زائد مقتدی ہوں تو پیچھے صف بنالیں۔ امام و مقتدی ایک ہی سیدھ میں ہوں تو نماز صحیح ہوگی۔

آگے بڑھنے اور برابری میں ایڑیوں کا اعتبار ہوگا۔ ایڑیاں برابر ہوں اور مقتدی کی انگلیاں آگے ہوں تو حرج نہیں۔ (بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں محل نشست یعنی سرین کا اعتبار ہوگا۔ اور لیٹ کر پڑھنے میں پہلو کا اعتبار ہوگا۔ (حاشیۃ الروضہ) مقتدی کی انگلیاں امام سے پیچھے ہوں لیکن ایڑی آگے ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ مسجد حرام میں امام کے لئے مقام ابراھیم کے پیچھے کھڑے ہونا مستحب ہے۔ لوگ کعبہ کے چاروں طرف کھڑے رہیں امام کی طرف کھڑے ہونے والے آگے نہ بڑھیں۔ دوسری طرف کھڑے ہونے والے امام کے مقابلہ میں کعبہ سے زیادہ قریب ہوں تو حرج نہیں۔

امام کے ساتھ ایک مذکر مقتدی ہو تو اس کے دائیں طرف کھڑا رہے، بالغ ہو یا بچہ، بائیں طرف یا پیچھے کھڑا ہو جائے تو نماز باطل نہ ہوگی، پھر دوسرا مقتدی آئے تو بائیں طرف تکبیر تحریمہ کہے پھر دونوں مقتدی پیچھے ہٹ کر صف بنالیں۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے پیچھے ہٹنا ممکن نہ ہو تو امام آگے بڑھ جائے۔ یہ حکم اسوقت ہے جبکہ دوسرا مقتدی قیام میں آئے۔ تشہد یا سجدے میں آئے تو قیام تک آگے پیچھے نہ ہول۔ ابتداء سے ہی دو مرد یا ایک مرد اور ایک بچہ ہو تو وہ دونوں امام کے پیچھے صف بنالیں، صرف عورتیں ایک یا زائد ہو تو پیچھے صف بنالیں۔ ایک مرد اور ایک عورت ہوں تو مرد امام کے دائیں طرف اور عورت اس مرد کے پیچھے کھڑی ہو جائے۔ دو مذکر اور عورت ہو تو دونوں مذکر پیچھے صف بنائیں اور عورت ان کے پیچھے کھڑی رہے ایک مرد ایک خنثی اور ایک عورت ہو تو مرد دائیں طرف خنثی ان کے پیچھے اور عورت خنثیٰ کے پیچھے کھڑی رہے۔ کئی مرد اور بچے ہوں تو پہلے مردوں کی صف پھر بچوں کی صف ہوگی۔ عورتیں بھی ہوں تو ان کی صف بچوں کے پیچھے ہوگی۔ اگر مرد ننگے ہوں تو امام صف کے درمیان کھڑا ہو۔ صرف عورتوں کی جماعت ہو تو ان کی امام صف میں درمیان میں کھڑی رہے گی۔ یہ ساری تفصیلات مستحب ہے۔ خلاف ورزی سے نماز باطل نہ ہوگی۔

احادیث: (۱) ایک مرتبہ حضرت ابن عباس آپ ﷺ کے بائیں طرف نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں دائیں طرف منتقل کیا۔ (تیسرا الوصول، عن مؤطا، بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی)

(۲) حضرت جابر راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کی دائیں طرف نماز پڑھ رہا تھا، پھر دوسرے آدمی آکر بائیں طرف کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے ہم دونوں کو ہٹا کر آپ کے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (مسلم)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہمارے گھر میں میں اور ایک یتیم آپ ﷺ کے پیچھے نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور ام سُلیم ہمارے پیچھے۔ (متفق علیہ)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت فرمائی تو ان کے درمیان میں کھڑی ہوگئیں۔ (عبدالرزاق، دار قطنی،

بیہقی)

(۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت فرمائی تو ان کے درمیان میں کھڑی ہو گئیں۔ (الشافعی، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق)(تلخیص الحبیر)

کوئی شخص دوران جماعت حاضر ہو تو اسے صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو جانا مکروہ ہے۔ بلکہ صف میں کچھ جگہ خالی ہو یا گنجائش ہو (کہ داخل ہو جائے تو جگہ بن جائے گی) تو صف میں داخل ہو جائے، اگر پیچھے کی صف میں جگہ نہ ہو لیکن آگے کی صف میں ہو تو پچھلی صفوں کو چیر کر جانا جائز ہے، ان کی غلطی کی وجہ سے، اگلی صفوں میں جگہ نہ ہو تو پیچھے تکبیر باندھنے کے بعد آگے سے ایک نمازی کو پیچھے کھینچ لے اور اس آدمی کو اس کا ساتھ دینا مستحب ہے۔ اگر یہ تنہا ہی کھڑا رہا تب بھی نماز صحیح ہو گی۔

حدیث: (۱) مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے سے فرمایا۔ کیوں نہ صف میں داخل ہوئے یا صف میں سے کسی کو کھینچ لیا اپنی نماز کو لوٹاؤ۔ (طبرانی، بیہقی، تاریخ اصبہان لابی نعیم، احمد، مراسیل ابی داود)

(۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے لہٰذا انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ ہوا تو فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری حرص بڑھائے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ (بخاری، تلخیص الحبیر)

صف میں دو ہی شخص ہوں تو ان میں سے ایک کو نہ کھینچے کیونکہ دوسرا تنہا ہو جائے گا آگے بڑھ کر امام کے ساتھ صف بنا سکتا ہو تو آگے بڑھے یا پیچھے دو سے زائد آدمی کی گنجائش ہو تو ان دونوں کو پیچھے لے آئے۔ (فتح الوہاب ۱/۶۵)

(۲) **امام کی نماز کے ظاہری** افعال کا علم ہو، امام کے مشاہدہ کے ذریعے، یا بعض صفوں کے مشاہدہ کے ذریعے، یا امام یا مبلغ کی آواز سن کر امام کے افعال کا علم ہونا ضروری ہے۔

(۳) امام اور مقتدی ایک ہی جگہ ہوں، اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) امام اور مقتدی دونوں مسجد میں ہوں تو اقتداء صحیح ہے، دونوں کے درمیان کی مسافت کم ہو یا زائد یا دونوں مسجد کے الگ الگ حصے میں ہوں جیسے صحن مسجد اور چبوترہ، منارہ، تہ خانہ، چھت، اور گوشہ بشرطیکہ چھت مسجد میں داخل ہو، مسجد میں دو عمارتوں میں ہوں تو ایک کا دوسری طرف کھلنے والا دروازہ ہونا شرط ہے، ورنہ دونوں ایک مسجد شمار نہ ہوں گے۔ جب یہ شرط پائی گئی تو اس سے کوئی فرق نہیں کہ دروازہ کھلا ہو یا بند یا مقفل۔ امام و مقتدی ایسے دو مسجدوں میں ہوں کہ درمیان میں کوئی نہر یا راستہ یا مسجد کی ایسی دیوار حائل ہو، جس میں ایک دوسرے کی طرف کھلنے والا دروازہ نہ ہو تو یہ ایک کے مسجد اور دوسرے کے خارج مسجد کھڑے ہونے کی طرح ہے جو آگے انشاء اللہ آئے گا۔ مسجد بننے کے بعد مسجد میں نہر کھودی گئی تو وہ بھی مسجد ہے۔ اور مسجد سے پہلے کھودی گئی تو دو غیر متصل مسجد ہیں۔ ایک دوسرے سے متصل کئی مسجدیں ہوں کہ دروازہ ایک دوسرے میں کھلتا ہو تو یہ ایک ہی مسجد کے حکم میں ہے۔ مسجد کا رحبہ (مسجد سے خارج وہ حصہ جو مسجد کیلئے گھیر لیا گیا ہو) مسجد کے حکم میں ہے۔

(۲) دونوں مسجد سے باہر ہوں۔ اس کی دو صورتیں ہونگی۔

(الف) دونوں کھلے میدان میں ہوں، تو اقتداء صحیح ہے بشرطیکہ دونوں کہ درمیان کا فاصلہ تقریباً ۳۰۰ ذراع (ہاتھ) سے زائد نہ ہو۔ امام کے پیچھے دو آدمی آگے پیچھے کھڑے ہوں تو ان کے درمیان اور دو صف ہوں تو ان صفوں کے درمیان بھی اسی فاصلہ کا اعتبار ہو گا۔ امام کے پیچھے کئی صف ہوں اور امام اور آخری صف کا فاصلہ میلوں کا ہو تب بھی جائز ہے۔ (جبکہ امام اور صف اول کے درمیان اور بقیہ ہر دو

صف کے درمیان کا فاصلہ ۳۰۰ ذراع سے زائد نہ ہو) امام و مقتدی یا دو صفوں کے درمیان ایسی نہر جسے تیر کر پار کرنا پڑتا ہو یا ایسا راستہ جس پر لوگ چلتے ہوں حائل ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ان سارے مسائل میں اس میدان کے اطراف احاطہ ہو یا نہ ہو، یا چھت ہو یا نہ ہو سب برابر ہے۔

(ب) دونوں میدان میں (کھلی جگہ) نہ ہوں، بلکہ دونوں الگ الگ تعمیر میں ہوں، جیسے ایک صحن میں دوسرا چبوترہ پر یا امام ایک مکان میں اور مقتدی دوسرے مکان میں (یا ایک عمارت میں اور دوسرا میدان میں) تو مذکورہ دیگر شرائط کے ساتھ امام و مقتدی کے درمیان ایسے حائل کا نہ ہونا شرط ہے جو گذرنے یا دیکھنے سے روکے، یا اس حائل میں مَنْفَذْ (گذرگاہ) ہو تو ایک شخص کا اس منفذ میں کھڑا ہونا شرط ہے۔ اب اس شخص کے پیچھے یا دوسری طرف کھڑے ہونے والوں کی اقتداء صحیح ہے، چاہے ان کے اور امام کے درمیان حائل ہو منفذ میں کھڑا شخص پیچھے اور دوسری طرف والوں کیلئے امام کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا ان کو اس سے آگے بڑھنا جائز نہیں اور نہ اس سے قبل تکبیر تحریمہ کہیں۔ اگر امام اور مقتدی کے درمیان گزرنے سے مانع جیسے کھڑکی یا دیکھنے سے مانع جیسے بند دروازہ موجود ہو یا منفذ میں کوئی کھڑا نہ ہو تو پھر اس صورت میں اقتداء صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کا حائل دونوں کے اجتماع سے مانع ہے۔

(۳) **ایک مسجد میں** اور دوسرا خارج مسجد ہو، اس صورت میں حائل کے متعلق مندرجہ بالا شرائط ضروری ہیں۔ مسجد اور خارج مسجد شخص دو صفوں کی طرح ہیں۔ لہٰذا وہ شخص جس طرف کھڑا ہے اس طرف مسجد کے آخری کنارے سے اس کے درمیان کا فاصلہ ۳۰۰ ذراع سے زائد نہ ہو، مسجد کے آخری صف یا امام کی جگہ سے فاصلے کا اعتبار نہ ہو گا۔ (فتح الوہاب۔ ۱/۶۶)

(۴) **اقتداء کی نیت:** مقتدی تکبیر تحریمہ کے وقت ہی اقتداء یا جماعت کی نیت کرلے، ورنہ اس کی نماز باجماعت نہ ہو گی۔ اقتداء کی نیت نہ کرے تو اس کی نماز تنہا منعقد ہو گی۔ دوران نماز اقتداء کی نیت میں شک ہو، اور امام کی متابعت میں کسی فعل کو انجام دینے سے قبل یاد آ گیا تو حرج نہیں، کسی فعل کو اس کی متابعت میں انجام دینے کے بعد یاد آئے تو نماز باطل ہے، کیونکہ بحالت شک وہ تنہا نمازی کے حکم میں ہے، اور تنہا نمازی کو متابعت کی اجازت نہیں، حتی کہ آخری تشہد میں شک آئے تو اپنا سلام امام کے سلام پر موقوف رکھنا جائز نہیں ہے۔ متابعت کی وجہ سے نماز اس وقت باطل ہو گی، جبکہ اپنے رکوع یا سجدہ کے لئے امام کا زیادہ انتظار کرے تاکہ اس کے ساتھ رکوع یا سجدہ کرے، اگر دونوں کا عمل اتفاقاً ساتھ ہو تو حرج نہیں ہے۔ جمعہ کی نماز کیلئے اقتداء کی نیت واجب ہے۔

مقتدی کو نیت میں امام کی تعین واجب نہیں ہے، صرف جو بھی امام ہے اس کے ساتھ اقتداء کی نیت کافی ہے۔ اگر مقتدی تعین کرے، پھر اس میں غلطی ہو، مثلاً زید کے اقتداء کی نیت کی لیکن وہ عمر تھا تو اس کی نماز صحیح نہ ہو گی۔ جیسا کہ نماز جنازہ میں میت کی تعین کرے اور غلط نکلے تو نماز صحیح نہیں ہے۔ دل میں یہ سمجھتے ہوئے اقتداء کی کہ یہ زید ہے (لیکن تعین نہیں کی) اور وہ کوئی اور تھا تو اقتداء صحیح ہے۔

امام اور مقتدی الگ الگ نماز کی نیت کریں تو اقتداء صحیح ہو گی۔ لہٰذا قضاء کے پیچھے ادا اور اس کے برعکس اور فرض کے پیچھے نفل اور اس کے برعکس جائز ہے (کیونکہ اختلاف نیت سے نماز کی شکل نہیں بدلتی)

حدیث: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے پھر لوٹ کر اپنی قوم کو وہی نماز پڑھایا کرتے۔ (بخاری، مسلم، ابوداود ترمذی، ابن ماجہ) بعض روایات میں آگے یہ صراحت بھی ہے۔ یہ ان کیلئے نفل اور قوم کیلئے فرض ہوتی تھی۔ (الشافعی، عبدالرزاق، دارقطنی، بیہقی (تیسیر، تلخیص)

اقتداء صحیح ہونے کیلئے امام کو امامت کی نیت شرط نہیں ہے، مقتدی مرد ہوں یا عورت، لیکن اسے بغیر نیت کے جماعت کا ثواب نہ

ملے گا۔ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور اس کی لاعلمی میں لوگ آ کر اس کی اقتداء کریں تو قاضی حسین نے فرمایا کہ اسے جماعت کا ثواب مل جائیگا جمعہ کی نماز میں امامت کی نیت نہ کرے تو اس کی جمعہ صحیح نہ ہو گی۔ نیت میں مقتدی کی تعین کرے اور غلط نکلے تو اس میں حرج نہیں۔

(۵) امام اور مقتدی کی نماز افعال و ارکان کے اعتبار سے ایک ہی قسم کی ہو، لہٰذا اگر امام اور مقتدی کی نماز ظاہری افعال میں مختلف ہو، جیسے عام فرض نماز جنازہ کی نماز کے پیچھے (یا اس کے برعکس) یا سورج گہن کی نماز کے پیچھے تو صحیح نہ ہو گی۔ افعال ظاہری میں دونوں نماز یکساں ہوں اور رکعتوں کی تعداد یکساں ہو جیسے ظہر عصر یا عشاء کے پیچھے تو واضح ہے۔ امام کے رکعت کی تعداد کم ہو جیسے فجر کے پیچھے ظہر تو امام کے سلام کے بعد مقتدی مسبوق کی طرح اٹھ کر اپنی بقیہ نماز مکمل کرے، قنوت میں امام کی اتباع کرے، اگر قنوت کے وقت امام سے الگ ہونے کی نیت کرے تو جائز ہے۔ اگر ظہر کی نماز مغرب کے پیچھے ادا کرے تو امام کے آخری تشہد کے وقت مقتدی کو اختیار ہے کہ اس کی اتباع کرے یا جدائی اختیار کرے۔ اگر مقتدی کے رکعت کی تعداد کم ہو، جیسے فجر کی نماز ظہر کے پیچھے تو یہ بھی جائز ہے، جب امام تیسری رکعت کیلئے اٹھے تو مقتدی کو اس سے جدائی یا اس کے انتظار میں اختیار ہے، اور انتظار کرنا افضل ہے۔ امام اگر اعتدال میں کچھ رکتا ہو اور یہ قنوت پڑھ سکتا ہو تو پڑھ لے، ورنہ کوئی حرج نہیں۔ قنوت کے لئے امام سے جدا بھی ہو سکتا ہے۔ مغرب کی نماز ظہر کے پیچھے ادا کرے تو جب امام چوتھی رکعت کے لئے اٹھے تو اس سے جدائی کی نیت کر کے تشہد پڑھ کر سلام پھیرے، تشہد میں امام کا انتظار کرنا جائز نہیں ہے۔ تراویح کے پیچھے عشاء پڑھنا جائز ہے، امام سلام پھیرے تو اٹھ کر اپنی بقیہ نماز مکمل کرے۔ عید یا استسقاء کی نماز کے پیچھے فجر وغیرہ پڑھ سکتا ہے، تکبیرات زوائد میں امام کی اتباع نہ کرے۔ اتباع کرنے میں بھی حرج نہیں، کیونکہ اذکار سے نماز میں حرج نہیں ہوتا۔ اگر فجر کی قضاء کے پیچھے عید پڑھے تو جائز ہے، اور زائد تکبیرات کہنا بہتر ہے۔

(۶) **نماز کے افعال میں امام کی موافقت:** امام کسی فرض کو ترک کرے مثلاً بیٹھنے کی جگہ کھڑا ہو یا اس کے برعکس، اور نہ لوٹے تو مقتدی کو اس کی اتباع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ امام نے عمداً ایسا کیا ہے۔ تو اس کی نماز باطل ہے، سہوا کیا ہے تو اس کا یہ فعل غیر معتبر ہے چاہے نماز باطل نہ ہو۔ امام کسی سنت کو ترک کرے اور مقتدی کے اس میں مصروف ہونے میں تخلف فاحش (بہت زیادہ اور قبیح پیچھے رہنا) پایا جاتا ہو جیسے سجدہ تلاوت اور تشہد اوّل تو مقتدی اس سنت کو نہ ادا کرے۔ اگر ادا کرے گا تو نماز باطل ہو گی۔ امام سجدہ سہو یا دوسرا سلام ترک کرے تو مقتدی اسے بجالائے۔ لیکن سنت کی ادائیگی میں معمولی تخلف (امام سے پیچھے رہنا) پایا جا رہا ہو، جیسے جلسہ استراحت تو اس میں حرج نہیں، اسی طرح پہلے سجدہ میں امام کے ساتھ شامل ہو جاتا ہو تو قنوت کے لئے پیچھے رہنے میں حرج نہیں۔

(۷) **امام کی متابعت:** مقتدی پر امام کی متابعت واجب ہے۔ افعال میں اس سے آگے نہ بڑھے۔ متابعت کا مطلب یہ ہے کہ امام کے پیچھے اس انداز میں نماز پڑھے کہ اس کے ہر فعل کی ابتداء امام کی ابتداء کے بعد اور فارغ ہونے سے قبل ہو۔ مخالفت کی درج ذیل صورتیں ہوں گی۔

(الف) امام کے ساتھ ساتھ ادا کرنا (مُقارَنت) تکبیر تحریمہ میں امام کی مقارنت ہو یا مقارنت کا شک ہو، تو نماز منعقد ہی نہ ہو گی۔ مقتدی کی پوری تکبیر تحریمہ امام کی پوری تحریمہ کے بعد ہونا شرط ہے۔ امام صاحب کو مستحب ہے کہ دائیں بائیں رخ کر کے صف بندی کا حکم دے اور صفیں درست ہونے کے بعد ہی تکبیر کہے۔ موذن کے اقامت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ کھڑے ہو کر صف درست کر لیں۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر افعال میں مقارنت جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور اس سے جماعت کی فضیلت فوت ہو جائے گی۔

احادیث: (۱) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے

اور فرماتے سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو کہ تمہارے قلوب میں اختلاف پیدا ہو گا۔ بالغ اور عقلمند حضرات میرے قریب رہیں پھر اس کے بعد والے پھر اس کے بعد والے۔ (مسلم، ابوداوٗد، ترمذی)

(۲) آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے صفوں کو سیدھا اور درست رکھو، کیونکہ یہ نماز کے اتمام میں داخل ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

(۳) آپ ﷺ کا فرمان ہے: امام اسی لئے ہے کہ اس کی اتباع (واقتداء) کی جائے، پس وہ تکبیر کہے تب تم تکبیر کہو۔ اور وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی) (تیسیر الوصول)

(۴) حضرت براء رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو جب آپ ﷺ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو ہم میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کے پیشانی مبارک کے زمین پر رکھنے تک اپنی پشت نہ جھکاتا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

(ب) امام سے پیچھے رھنا: امام سے بغیر عذر کے ایک رکن پیچھے رہا تو نماز باطل نہ ہو گی۔ دو رکن (فعلی) بلا عذر پیچھے رہا تو نماز باطل ہو گی۔ سورت کے پڑھنے یا رکوع وسجدہ کے تسبیحات کے لئے پیچھے رہنا عذر شمار نہ ہو گا۔ امام رکوع میں جائے بعد میں مقتدی رکوع کرے اور امام کو رکوع میں پالے تو یہ ایک رکن پیچھے رہنا شمار نہ ہو گا، امام رکوع سے اٹھ گیا اور مقتدی ابھی قیام ہی میں ہے تو اس سے نماز باطل نہ ہو گی لیکن امام سجدہ کیلئے قیام کی حد سے آگے جھک چکا ہو اور مقتدی ابھی تک قیام ہی میں ہو تو اس کی نماز باطل ہو گی۔ لہٰذا دو رکن پیچھے رہنے کا مطلب یہ ہوا کہ امام کے دو رکن مکمل ہو چکے ہوں اور مقتدی ابھی ان دو سے قبل کے رکن میں ہو۔ یہ تفصیل بلا عذر "تخلف" (پیچھے رہنے) میں ہے۔

اعذار کی کئی انواع ھیں: خوف، اس کا ذکر نماز خوف میں آئیگا۔

ایک عذر یہ کہ مقتدی کی رفتار تلاوت دھیمی ہو اور امام کی تیز، اس صورت میں امام مقتدی کی سورہ فاتحہ سے قبل رکوع کرے تو مقتدی اسے مکمل کرنے کے لئے پیچھے رہے۔ اور اپنی نماز کی ترتیب پر امام کے پیچھے چلے جب تک کہ امام تین (لِذَاتِہٖ) مقصود ارکان سے زائد آگے نہ بڑھ جائے۔ اگر امام تین رکن سے آگے بڑھ جائے تو (اپنی ترتیب چھوڑ کر) امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور اس کے سلام کے بعد اپنی فوت شدہ رکعت کی تلافی کرے، یا امام سے جدا ہونے کی نیت کر لے۔ (اور اپنی ترتیب کے مطابق نماز مکمل کر لے)

لذاتہ مقصود رکن کہنے سے اعتدال اور جلسہ بین السجد تین نکل گئے۔ عذر کے مسئلہ میں ان کو شمار نہیں کریں گے۔ لہٰذا مذکورہ مثال میں امام دوسری رکعت کا رکوع کرے اور مقتدی پہلے اعتدال میں ہو یا مقتدی ابھی فاتحہ مکمل نہیں کر چکا اور امام دوسرے سجدے سے اٹھ کر قیام یا تشہد میں پہنچ چکا تو یہ تین ارکان مقصودہ میں تخلف ہوا، لہٰذا اب مقتدی یا تو امام کے ساتھ رکوع یا قیام یا تشہد میں شامل ہو جائے یا اس سے جدائی کی نیت کرے۔ (فتح الوہاب، تحفۃ المحتاج ۳/ص ۱۷۴)

مقتدی دعا استفتاح کی وجہ سے فاتحہ مکمل نہ کر پایا اور امام نے رکوع کر لیا تو یہ بھی عذر ہے، لہٰذا فاتحہ مکمل کر لے، یہ ساری تفصیل موافق مقتدی کے لئے ہے (یعنی جس کو امام کے ساتھ قیام میں بقدر سورہ فاتحہ وقت ملے) مسبوق (جس کو امام کے ساتھ سورہ فاتحہ کا وقت نہ ملے) اگر امام کو قیام میں پائے اور (جلد ہی) اس کے رکوع کا احتمال ہو تو اسے استفتاح نہ پڑھتے ہوئے جلد ہی فاتحہ پڑھنا چاہیئے۔ اب امام اس کی فاتحہ مکمل ہونے سے پہلے ہی رکوع کرے، اور اس نے استفتاح نہیں پڑھی تھی تو فاتحہ روک کر امام کے ساتھ رکوع کرے، اور اس کی وہ رکعت شمار ہو گی۔ اگر فاتحہ مکمل کرنے پیچھے رہا اور امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا تو وہ رکعت فوت ہو گئی۔ اب رکوع نہ کرے، امام کے ساتھ آگے بڑھے۔ اگر اس نے استفتاح پڑھی تھی تو اس کے بقدر سورۃ فاتحہ پڑھے، اب امام کے ساتھ رکوع نہ ملے تو وہ رکعت فوت ہو گئی

اب رکوع نہ کرے۔ بلکہ امام کے ساتھ سجدہ کرلے۔ امام کے سجدہ کے لئے جھکنے تک بھی بقدر استفتاح سورہ فاتحہ نہیں ہوئی تو اب امام سے جدائی کی نیت کرنا لازم ہے۔ (فتح الوہاب ۱/۶۸، تحفۃ، نہایۃ)

ایک عذر بھول ہے۔ اگر امام کے ساتھ رکوع کرے پھر یاد آئے کہ سورہ فاتحہ بھول گیا یا اس میں شک ہو تو واپس لوٹنا جائز نہیں، کیونکہ محل قرأت فوت ہو چکا۔ اب امام کے سلام کے بعد ایک رکعت پڑھے۔ امام رکوع میں گیا اور مقتدی کو رکوع میں جانے سے پہلے ہی یاد آ گیا تو اب پہلے فاتحہ مکمل کرلے، اور اس کیلئے تخلف عذر ہے۔

(ج) رکوع یا کسی اور ظاہری فعل میں امام سے آگے بڑھنا۔ اگر کامل ایک رکن آگے نہ بڑھے، مثلاً امام سے قبل رکوع کیا لیکن امام رکوع میں پہنچنے سے قبل رکوع سے سر نہیں اٹھایا تو نماز باطل نہ ہوگی، عمداً اس طرح ہو یا سہواً، اگر عمداً آگے بڑھا ہے تو واپس قیام میں آکر امام کے ساتھ رکوع مستحب ہے۔ اور سہواً ہے تو اسے لوٹنے نہ لوٹنے کا اختیار ہے۔ اگر عمداً دو رکن (فعلی) امام سے آگے بڑھا، اور اس کا حرام ہونا بھی معلوم ہو، تو نماز باطل ہوگی۔ سہواً یا لاعلمی میں اس طرح ہو تو باطل نہ ہوگی، لیکن وہ رکعت شمار نہ ہوگی۔ امام کے سلام کے بعد اس کی تلافی کرے۔

دو رکن آگے بڑھنے کی ایک مثال: امام سے قبل رکوع کرے جب امام رکوع کا ارادہ کرے تو یہ اٹھ جائے۔ جب امام اٹھنے کا ارادہ کرے تو یہ سجدہ میں جائے، نہ تو دونوں رکوع میں جمع ہوئے اور نہ ہی اعتدال میں،

امام سے قبل رکوع کر کے اعتدال میں پہنچے، اور امام قیام میں ہو، پھر اعتدال میں امام کے پہنچنے تک رکا رہا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ صرف ایک رکن آگے بڑھنے سے نماز باطل نہ ہوگی۔ یہ سارے احکام افعال ظاہرہ کے متعلق تھے۔ تکبیر تحریمہ میں سبقت سے نماز باطل ہوگی جیسا کہ گذر چکا۔ سورہ فاتحہ اور تشہد میں آگے بڑھنے سے نقصان نہ ہوگا۔

حدیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اپنا سر رکوع یا سجدہ سے امام سے قبل اٹھانے کی وجہ سے اللہ اس کا سر گدھے کا سر کردے۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ "امام سے قبل سر اٹھانے اور جھکانے والے کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔" (مالک) (تیسیر الوصول)

مسبوق امام کو رکوع میں (یا تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد) پالے تو تکبیر تحریمہ کہے پھر فاتحہ نہ پڑھے، بلکہ ایک اور تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے، اسی طرح امام کو قیام میں پالے اور تکبیر تحریمہ کہتے ہی امام رکوع میں جائے تو یہ بھی جائے اگر حالت قیام میں صرف ایک تکبیر تکبیر تحریمہ کی نیت سے کہے تو نماز صحیح ہے (کیونکہ رکوع کی تکبیر سنت ہے۔) لیکن ایک ہی تکبیر دونوں نیت سے یا رکوع کی نیت سے یا بلا کسی نیت کے مطلق کہے تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی آئے تو امام جس حال میں ہو اسی میں اس کے ساتھ شامل ہو جائے" (ترمذی)

بلا عذر یا عذر کی وجہ سے مقتدی امام سے جدا ہونے کی نیت کرے۔ (اور اپنی نماز تنہا مکمل کرے) تو جائز ہے۔ (کیونکہ ذات الرقاع کے صلاۃ الخوف میں پہلا گروہ ایک رکعت ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ سے جدا ہو گیا) بلا عذر اس طرح کرنا مکروہ ہے اور اس سے جماعت کی فضیلت فوت ہو جائے گی۔ جس عذر سے ابتداءً جماعت ترک کر سکتے ہیں، وہ یہاں بھی عذر ہے۔ امام نماز کو طویل کرلے اور مقتدی کو کمزوری یا کسی مصروفیت کی وجہ سے ساتھ دینا مشکل ہو تو یہ عذر ہے، کیونکہ حضرت معاذؓ کے ایک مقتدی نے ان کے تطویل کی

وجہ سے اپنی نماز تنہا مکمل کی تو آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہ فرمائی۔ امام کا تشہد اول یا قنوت وغیرہ سنت مقصودہ کو ترک کرنا عذر میں داخل ہے۔(تحفۃ المحتاج، ۳۔ص ۱۹۱) اگر امام کا وضو ٹوٹ جانے وغیرہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے تو مقتدی کی نماز باطل نہ ہو گی۔

کسی کے نماز کے دوران جماعت شروع ہو جائے۔

کوئی تین یا چار رکعت والی نماز میں ہو اور دو رکعت ہونے سے قبل جماعت شروع ہو جائے تو مستحب ہے کہ اسے نفل سے بدل کر دو رکعت پر سلام پھیرے، اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اگر دو رکعت والی نماز ہو یا تین یا چار والی اور تیسری رکعت شروع کر چکا ہو تو اس نماز کو مکمل کر لے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو جائے، قضاء نماز پڑھ رہا ہو تو اس کی جماعت کی وجہ سے دو رکعت پر سلام پھیرنا مستحب نہیں ہے۔ قضاء نماز شروع کرنے کے بعد حاضرہ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دو رکعت پر سلام پھیر کر پہلے حاضرہ (وقت والی نماز) ادا کرے۔ دوران سنت جماعت شروع ہو اور فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو تو اپنی سنت مکمل کر لے۔ فوت ہونے کا ڈر ہو تو سنت توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے۔

اگر تنہا نمازی سلام نہ پھیر کر دوران نماز ہی جماعت میں شامل ہو جانے کی نیت کر لے، تو یہ جائز ہے، اب امام کی پیروی کرے، اگر اس کی نماز امام سے قبل مکمل ہو، تو یا تو امام سے جدا ہو جائے، یا تشہد میں دعا پڑھتا رہے اور امام کا انتظار کرے، تاکہ اس کے ساتھ سلام پھیرے۔ امام کی نماز پہلے پوری ہو تو یہ مقتدی مسبوق کی طرح اپنی نماز مکمل کرے۔ اقتداء کی نیت سے پہلے مقتدی سے سہو ہوا تھا تو اسے امام نہیں اٹھائے گا۔ بلکہ اس کے سلام کے بعد اپنا سجدہ سہو کرے۔ اقتداء کے بعد سہو ہو تو امام اٹھا لے گا۔ اقتداء سے قبل یا بعد امام سے سہو ہو تو وہ مقتدی کو بھی لاحق ہو گا اور امام کے ساتھ سجدہ کرے گا اور مسبوق کی طرح اپنی نماز کے آخر میں بھی کرے گا۔

امام کے ساتھ رکوع میں ملنا

کسی کو امام کے ساتھ رکوع ملے اور امام کا وہ رکوع شمار ہو (یعنی امام بے وضو یا زائد رکعت میں نہ ہو) تو اسے وہ رکعت مل جائے گی۔ امام کے اقل رکوع کی حد سے اٹھنے سے قبل مقتدی کو طمانینت کے ساتھ رکوع ملے، تو رکعت ملے گی ورنہ رکعت نہیں ملے گی (مقتدی جھک رہا تھا اور امام اٹھا یا اس کے اقل رکوع میں پہنچتے ہی طمانینت سے قبل امام اقل رکوع کی حد سے اٹھ گیا تو رکعت نہیں ملے گی) رکوع کے بعد امام کے ساتھ شامل ہونے سے وہ رکعت شمار نہیں ہو گی، لیکن امام جس حال میں ہو اس کے ساتھ شامل ہو کر آگے بڑھے۔ امام آخری تشہد میں ہو تو اس کے ساتھ بیٹھنا لازم ہے۔ تشہد پڑھنا لازم نہیں ہے، لیکن سنت ہے۔

حدیث: (۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ رکوع میں تھے۔ لہٰذا وہ (صف سے پہلے ہی) رکوع کر کے پھر صف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ (تو آپ ﷺ نے اس رکعت کے اعادہ کا حکم نہ دیا)۔ (متفق علیہ)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "امام کے پشت اٹھانے سے قبل کسی کو ایک رکعت (رکوع) مل گئی تو وہ نماز مل گئی۔ (صحیح ابن خزیمہ)

(۳) آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرو اور اسے شمار نہ کرو اور جسے رکعت (رکوع) ملی اسے نماز ملی۔ (صحیح ابن خزیمہ) (تلخیص الحبیر)

مسبوق کا امام کے ساتھ شامل ہونا

مقتدی امام کو سجدہ یا تشہد وغیرہ میں پائے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر دوبارہ تکبیر کے بغیر امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ بعد میں امام کے ساتھ تکبیر کہتا ہوا دوسرے رکن کی طرف منتقل ہو گا۔ تشہد اور تسبیحات پڑھنے میں بھی امام کی موافقت کرے۔ امام کے آخری تشہد میں مسبوق کے بیٹھنے کا محل ہو، مثلاً چار رکعت والی نماز میں تیسری رکعت میں یا مغرب کی دوسری رکعت میں شامل ہوا، تو امام کے سلام کے بعد تکبیر کہتا ہوا اٹھے۔ اور مقتدی کے بیٹھنے کا محل نہ ہو مثلاً آخری رکعت میں یا چار رکعت والی نماز کے دوسری رکعت میں شامل ہوا تھا تو بغیر تکبیر کے اٹھ جائے۔ مقتدی کے بیٹھنے کا محل نہ ہو تو امام کے سلام کے بعد رکنا جائز نہیں (اٹھ جائے) ورنہ نماز باطل ہو گی۔ اگر اس کے بیٹھنے کا محل تھا تو حرج نہیں۔ مقتدی امام کے ایک سلام کے بعد اٹھ سکتا ہے لیکن دونوں سلام کے بعد اٹھنا سنت ہے۔ پہلا سلام مکمل ہونے سے پہلے عمداً اٹھ جائے، تو نماز باطل ہو گی۔ امام کے ساتھ جو نماز ملے وہ مسبوق کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے، سلام کے بعد جو پڑھے گا، وہ آخری حصہ ہے۔ لہٰذا اگر مغرب کی ایک رکعت ملی اور سلام کے بعد اٹھا تو دوسری رکعت میں جہر کرے اور تشہد پڑھے اور تیسری میں آہستہ تلاوت کرے فجر کے امام کے ساتھ ایک رکعت ملے اور اس میں قنوت پڑھے تو اپنی دوسری رکعت میں پھر قنوت پڑھ لے۔ البتہ امام کے ساتھ سورت نہیں پڑھ پایا تو اپنی نماز میں اس کی تلافی کر لینا مستحب ہے تاکہ اس کی نماز سورت سے خالی نہ رہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم اقامت سنو تو سنجیدگی اور اطمینان کے ساتھ نماز کی طرف بڑھو اور جلدی مت چلو۔ پس جتنی ملے پڑھ لو، اور جو فوت ہو جائے اس کا اتمام کرو۔ (مؤطا۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداود، ترمذی، نسائی، تیسیر)

اور اتمام ابتدا کے بعد ہو گا، لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ جو ملی وہ اول نماز ہے۔ (تحفۃ و نہایۃ)

صحیح احادیث کی روشنی میں فجر کی جماعت دیگر نمازوں سے افضل ہے، پھر عشاء پھر عصر۔

جماعت ثانیہ (دوسری جماعت)

کسی مسجد میں امام راتب (متعین امام) ہو، تو اس کی جماعت سے قبل یا بعد اس کی اجازت کے بغیر دوسروں کو جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ مسجد مطروق ہو (جہاں لوگوں کی آمد و رفت اور نماز کا سلسلہ جاری رہتا ہو) تو حرج نہیں۔ یہ مسئلہ باب الاذان میں گذر چکا ہے۔

اگر اکثر مقتدی امام کو ناپسند کرتے ہوں، تو اسے امامت مکروہ ہے۔ کم یا نصف ناپسند کریں تو مکروہ نہیں۔ کراہت اس وقت ہے جبکہ کسی شرعی نقص کی وجہ سے اسے ناپسند کریں (مثلاً نجاست سے محتاط نہ رہے۔ نماز کے ہیئات کی پابندی نہ کرے۔ مذموم معیشت اختیار کرے یا فاسقوں کی صحبت اختیار کرے یا اس جیسے امور) (حاشیۃ الروضہ) اگر شرعی کمزوری نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، بلکہ ناپسند کرنا باعث ملامت ہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا: تین افراد کی نماز ان کے کان سے آگے نہیں بڑھے گی (بارگاہ الٰہی میں مقبول نہ ہو گی) بھگوڑا غلام جب تک کہ لوٹے نہیں، وہ عورت کہ شوہر کی ناراضگی کی حالت میں رات بسر کرے اور وہ امام کہ لوگ اس سے ناراض ہوں۔ (ترمذی، حسن غریب)

بعض مقتدیوں کا آنا اہل مسجد کو ناگوار ہو، تو ان کو آنے میں کوئی کراہت نہیں، کہ دوسروں کی نماز کا ان سے تعلق نہیں۔ امام اور مقتدی کا ایک دوسرے سے اونچا یا نیچا ہونا مکروہ ہے۔ اگر امام کو صفتِ نماز کی تعلیم کیلئے اونچی جگہ کھڑا ہونا پڑا یا مقتدی کو تکبیر کی آواز

پیچھے پہنچانے کیلئے اونچائی پر نماز پڑھنی پڑی تو (حرج نہیں بلکہ) مستحب ہے۔ مردوں کی صف میں سب سے افضل پہلی صف ہے پھر جو جتنی قریب ہو، اسی طرح صرف عورتوں کی صف کا حکم ہے۔ مرد وعورت دونوں ہوں تو عورتوں کی آخری صف سب سے افضل ہے۔

احادیث: (۱) آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ امام کسی چیز کے اوپر کھڑا رہے اور لوگ اس کے پیچھے نیچے ہوں۔ (دارقطنی)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اونچی جگہ امامت فرمائی تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے انکی قمیص پکڑ کر کھینچ لی اور نماز کے بعد فرمایا: "کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اس سے روکا جاتا تھا۔ (ابوداود وصححہ ابن خزیمہ، ابن حبان والحاکم)

(۳) منبر نبوی جب پہلی مرتبہ تیار کر کے اپنی جگہ رکھا گیا تو آپ ﷺ نے اس پر نماز پڑھائی اور سجدہ کے لئے نیچے اترے۔ بعد میں لوگوں سے فرمایا: "میں نے یہ اس لئے کیا تاکہ تم میری اقتداء کرو اور نماز سیکھو"۔ (بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

(۴) آپ ﷺ نے فرمایا "اگر لوگوں کو اذان اور صف اول کی فضیلت معلوم ہو جائے پھر اس کے حصول کیلئے قرعہ اندازی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو تو قرعہ اندازی کریں۔ (متفق علیہ)

(۵) آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: مردوں کی بہترین صف پہلی اور بدترین آخری اور عورتوں کی بہترین صف آخری اور بدترین پہلی ہے۔ (مسلم، بزار، طبرانی)

(۶) اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلے صف پر درود بھیجتے ہیں۔ (احمد۔ بزار) (مجمع الزوائد، تلخیص، مشکوۃ، تیسیر)

مسافر کی نماز کا بیان

مشروعیت: آیت: "وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ" **ترجمہ:** اور جب تم زمین میں سفر کرو، سو تم کو اس میں گناہ نہ ہو گا کہ تم (ظہر، عصر اور عشاء کے فرض) نماز (کی رکعات) کو کم کرو (یعنی چار کی جگہ دو پڑھا کرو)

احادیث: (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو آپ ﷺ مدینہ واپسی تک دو دو رکعت ادا کرتے رہے۔ (متفق علیہ)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعات ادا کی اور مقام ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت ادا کی۔ (رواہ الترمذی)

(۳) حضرت عائشہ سے مروی ہے: آپ ﷺ سفر میں قصر بھی فرماتے اور اتمام بھی، افطار بھی کرتے اور روزہ بھی رکھتے۔" (رواہ الدارقطنی والبیہقی وغیرہما، وقال الدارقطنی: اسنادہ صحیح)

قصر کی نماز ۴ھ میں مشروع ہوئی۔ (قالہ ابن اثیر، حاشیہ الجمل)

مسافر کے نماز کی کیفیت: مسافر کی نماز مقیم کی طرح ہے۔ البتہ اسے قصر (یعنی چار رکعت والی فرض نماز میں چار کے بجائے دو رکعت ادا کرنا) اور جمع بین الصلاتین (دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا) جائز ہے۔ قصر بالاجماع جائز ہے۔ سفر طویل (۴۸ میل) اور مباح ہو تو قصر کرنا جائز ہے (اگر طویل نہ ہو یا طویل ہونے میں شک ہو تو قصر کی گنجائش نہیں۔ (حاشیۃ الروضہ)

سفر: سفر قصر ہو تو اس میں معین منزل کا قصد ہونا ضروری ہے، لہٰذا ایسا حیران و پریشان آدمی جسے یہ معلوم نہیں کہ کہاں جا رہا ہے، قصر نہیں کر سکتا گرچہ اس کا سفر لمبا ہو جائے۔

ابتداءِ سفر: ایسے شہر سے سفر کرے جس کے چاروں جانب خاص اُسی کیلئے دیوار بنائی گئی ہو (یعنی شہر پناہ ہو) تو سفر کی ابتداء کیلئے اسے پار کرنا ضروری ہے، خواہ اس دیوار کے اندرونی حصہ میں کھیتیاں یا ویران پڑی ہوئی جگہ ہو) اس لئے کہ دیوار کے اندر کا تمام حصہ شہر کے حد ہی میں شمار ہوگا۔ (لہٰذا صرف شہر کے مکانات پار کرنا کافی نہیں) بلکہ دیوار پار کرنے کے بعد قصر کر سکتا ہے۔ اگر اس دیوار کے بیرونی حصے میں ملے جلے مکانات یا قبرستان ہوں تو اسے پار کرنا ضروری نہیں۔ شہر کے چاروں جانب دیوار نہ ہو یا دیوار تو ہے لیکن جس جانب سے سفر کرتا ہے اس طرف نہیں ہے، تو سفر کی ابتدء آبادی کو مکمل چھوڑنے سے ہوگی، اور عمارتوں کے درمیان ویران حصہ کو شہر کی حد ہی میں شمار کیا جائے گا۔

اگر شہر کے اطراف میں ویران جگہ (یعنی مکانات ٹوٹ پھوٹ گئے ہوں) پڑی ہوئی ہو اور اس کے بعد آبادی بھی نہ ہو تو سفر کی ابتداء کیلئے اس ویران حصہ کو پار کرنا ضروری ہوگا جبکہ ان پرانے مکانات کی دیواریں ابھی باقی ہوں (یعنی اس کے نشانات بالکل مٹ نہ چکے ہوں۔) اور اس جگہ شہر کی کھیتی بھی نہ کی جاتی ہو۔ اور نہ آبادی کے چاروں جانب شہر پناہ بنا کر اتنے حصہ کو الگ کر دیا ہو، لیکن اگر اس کے برعکس صورت ہو (یعنی مکانوں کے نشانات بالکل مٹ چکے ہوں۔ اور اس جگہ کھیتی کی جاتی ہو۔ یا آبادی کا احاطہ کر کے اتنے حصہ کو الگ کر دیا ہو) تو ویران حصہ کو پار کرنا ضروری نہیں۔

شہر سے متصل باغات اور کھیتیاں ہوں تو ان کو پار کرنا ضروری نہیں۔ اگر کسی بستی یا گاؤں سے سفر کر رہا ہو تو (ابتداء سفر کیلئے) اس کا حکم مذکورہ تمام امور میں شہر کے مانند ہے۔ اگر بستی کے باہر کھیل کا میدان وغیرہ ہو تو اسے پار کرنا بھی ضروری ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۵۹)

اگر دو بستیاں آپس میں ایسی ملی ہوئی ہوں کہ ان دونوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہ ہو، خواہ دونوں کے نام الگ الگ ہوں، تو وہ ایک گاؤں کے دو محلہ کے مانند ہیں۔ لہٰذا سفر کی ابتداء ان دونوں بستیوں کو پار کرنے سے ہوگی۔ اور اگر کوئی حد فاصل موجود ہو تو صرف اپنی بستی پار کرنا کافی ہے، خواہ دونوں بستیاں بالکل قریب ہوں۔ اگر چند مختلف بستیوں کے چاروں جانب دیوار بنائی گئی ہو، تو ابتداء سفر کیلئے دیوار پار کرنا ضروری نہیں (بلکہ صرف اپنی بستی پار کرنا کافی ہے) اگر کوئی جنگل میں رہتا ہو، تو اس کے لئے اتنا جگہ کا پار کرنا ضروری ہے جتنی جگہ اس کی طرف منسوب ہو۔

خیمہ میں رہنے والوں کے سفر کی ابتداء تمام خیموں کو پار کرنے سے ہوگی، چاہے خیمے ایک ہی جگہ (یعنی بالکل قریب قریب) ہوں یا تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ہوں۔ اور خیموں کے ساتھ اس کے اطراف میں جو اونٹ وغیرہ کے پانی پینے کی جگہ اور کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو اسے بھی پار کرنا ضروری ہے۔

کسی شہر کیلئے دو فصیل (دیوار) ہوں تو سفر کی ابتداء ان دونوں کو پار کرنے سے ہوگی اور اگر دیوار کے بجائے خندق ہو، تو خندق پار کرنا ضروری ہے۔ اور خندق و دیوار دونوں ہوں تو صرف دیوار پار کرنا کافی ہے (حاشیۃ البجیرمی ۲/۲۵۳) اگر مٹی وغیرہ کے بند کے ذریعے کسی بستی کا احاطہ کیا گیا ہو تو اس کا حکم دیوار ہی کے مانند ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۱/۵۹۰) مسافر آبادی چھوڑنے کے بعد (اور مسافت قصر طے کرنے سے پہلے) کسی ضرورت سے (مثلاً کسی چیز کو بھول گیا تھا، اس کو لینے کیلئے شہر) واپس لوٹے تو اس کی چند صورتیں ہوں گی۔

(۱) وہ شہر مسافر کا نہ وطن ہو اور نہ اس میں اقامت کرے، تو واپس لوٹنے اور شہر میں داخل ہونے سے مقیم نہ ہوگا۔

(۲)وہ شہر اس کا وطنِ اصلی ہو تو واپس لوٹتے ہوئے قصر وغیرہ نہیں کر سکتا، بلکہ جب دوبارہ اس شہر سے روانہ ہو تو قصر کر سکتا ہے۔

(۳)وہ شہر اس کا وطناصلی تو نہ ہو، لیکن وہاں کچھ مدت اقامت کرے تو واپس لوٹتے ہوئے قصر کر سکتا ہے۔ اور اگر مسافت قصر طے کر چکا ہو تو واپس لوٹتے ہوئے از سر نو مسافر شمار ہو گا، اب ہر حالت میں قصر کر سکتا ہے۔

سفر کے رخصت کی انتہا

سفر ختم ہونے کی چند صورتیں ہیں۔(۱) وطن کی طرف لوٹنا۔ اور وطن کی طرف لوٹنے سے مراد ابتداء سفر میں جس جگہ کو پار کرنا ضروری قرار دیا تھا، وہاں پہنچنا ہے۔ اسی طرح وطن کے علاوہ کسی اور جگہ کا سفر ہو اور وہاں مطلقاً یا مکمل چار دن اقامت کی نیت کرے تو ایسی جگہ پہنچنے سے بھی سفر ختم ہو گا۔ لیکن اگر سرے سے نیت ہی نہیں کی یا چار دن سے کم کی نیت کی تو اس جگہ پہنچنے سے سفر ختم نہ ہو گا۔ (بلکہ جانے اور آنے کے دو دن چھوڑ کر مکمل چار دن ٹھہرنے سے سفر ختم ہو گا۔)(حاشیۃ البجیرمی ۱/۲۵۳)

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا مہاجر اپنے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد تین دن مکہ میں رک سکتا ہے۔ (متفق علیہ) (اور ایک مہاجر کو مکہ میں اقامت ممنوع تھی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تین دن تک کہیں رکنا شرعاً اقامت میں داخل نہیں ہے)

دوران سفر کسی ایسی بستی یا شہر میں اترے، جہاں اس کے اہل و عیال اور رشتہ دار ہوں تو اس بستی یا شہر میں داخل ہونے سے مقیم نہ ہو گا۔

حدیث: آپ ﷺ اور حضرات مہاجرین نے حج کے موقع سے مکہ میں قصر کیا۔ (متفق علیہ)

حالانکہ مکہ میں حضرات مہاجرین کے اہل و عیال اور خاندان والے موجود تھے۔ (تلخیص الحبیر) اگر دوران سفر کوئی اپنی بستی سے گذرے تو بستی میں داخل ہوتے ہی مقیم شمار ہو گا۔

(۲) **اقامت کی نیت کرنا:** اگر دوران سفر کسی بستی یا شہر میں مطلقاً اقامت کی نیت کرے تو مقیم ہو جائے گا (مطلقاً اقامت کی نیت سے مراد یہ کہ کسی مدت کی تعیین نہیں کی کہ کتنے دن رکنا ہے صرف وہاں رکنے کی نیت ہے) اور اگر اس کے آگے دوبارہ سفر شروع کرے تو قصر اس وقت کر سکتا ہے جبکہ وہاں سے دو مرحلہ (۴۸ میل) کا سفر کرے۔ اسی طرح اگر کسی چٹیل میدان (ویران علاقہ) میں اقامت کی نیت کرے تب بھی مقیم ہو جائے گا۔ مگر مذکورہ صورت میں اس وقت مقیم ہو گا جبکہ وہاں رُک کر اقامت کی نیت کر لے۔ سفر میں چلتے چلتے اقامت کی نیت کی تو مقیم نہ ہو گا بلکہ مسافر ہی رہے گا۔ (المجموع ۴/۳۶۱)

(۳) صورت اقامت بھی پائی جائے: اگر کسی بستی یا شہر میں کسی ضرورت سے قیام کرے تو اس کی دو صورتیں ہونگی (۱) تھوڑی دیر میں کام پورا ہونے کی امید ہو اور کام سے فراغت کے بعد کوچ کرنے کا ارادہ ہو تو اس صورت میں چار دن قصر کی اجازت ہے (اور اگر چار دن سے زیادہ وقت لگے تو اٹھارہ دن قصر کی اجازت ہے)۔ (المجموع ۴/۳۶۲)

حدیث: آپ ﷺ نے فتح مکہ کے سال قبیلہ ہوازن سے لڑائی کے موقع پر مکہ میں چار دن سے زیادہ قیام کیا اور اس دوران قصر کرتے رہے۔ اور عمران بن حصین کی روایت میں ہے کہ اٹھارہ دن تک قیام کیا۔ (ابوداود، ترمذی وحسنہ البیہقی، تلخیص)

(۲) اور اگر جانے اور آنے کے دو دن کے علاوہ تین دن میں کام پورا ہونے والا نہ ہو، جیسے علم حاصل کرنے کیلئے یا کسی بڑے کاروبار کی غرض سے رکا ہے، تو قصر جائز نہیں۔

مسافت قصر: سفر کا طویل ہونا ضروری ہے، اور طوالت کی مقدار ۴۸ میل ہے۔ (کلو میٹر کے اعتبار سے الفقہ المنہجی میں تقریباً ۸۱ کلو میٹر کو مسافت قصر قرار دیا ہے) سمندری سفر میں بھی مسافت قصر کیلئے اسی ۴۸ میل کا اعتبار ہو گا۔ چاہے اس مسافت کو ایک سیکنڈ میں طے کرے۔ اگر مسافت قصر میں شک ہو تو غور وفکر کر کے حد متعین کی جاسکتی ہے۔ بحری سفر میں سخت ہوا چلنے کی وجہ سے کسی جگہ رکنا پڑے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اپنے کسی کام کے آج کل میں پورا ہونے کی امید پر رکا ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں ۱۸ دن تک قصر کی اجازت ہے۔ (المجموع ۳۶۴/۴) مقدار مسافت میں صرف (یک طرفہ) جانے کی مسافت شمار ہو گی، واپس لوٹنے کی نہیں۔ ابتداء سفر ہی میں مسافت قصر کے طے کرنے کا پختہ ارادہ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی بھاگے ہوئے نوکر یا گم شدہ جانور یا مقروض کی تلاش میں نکلے اور معلوم نہ ہو کہ کہاں ملے گا تو قصر جائز نہیں، چاہے اس کی تلاش میں سفر طویل ہو جائے۔ لیکن اگر تلاش کرتے کرتے مل گیا پھر اپنے شہر واپس لوٹنے کا ارادہ کیا اور وہاں سے اپنے وطن تک مسافت قصر ہو، تو اس جگہ کو چھوڑنے سے قصر کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر سفر کی ابتداء سے پہلے ہی معلوم ہو کہ مسافت قصر سے پہلے نہیں ملے گا تو قصر کر سکتا ہے۔ اگر سفر شروع کرنے سے پہلے مسافت قصر کا ارادہ ہو مگر آبادی پار کرنے سے پہلے یہ نیت کر لی کہ مقروض یا نوکر مل جائیگا تو واپس لوٹونگا تو ایسی حالت میں قصر نہیں کر سکتا اور اگر آبادی پار کرنے کے بعد نیت کی ہے تو ملنے تک قصر کر سکتا ہے۔ اس کے بعد مقیم ہو جائے گا۔ کسی نے مسافت قصر تک جانے کے ارادہ سے سفر شروع کیا، مگر دوران سفر کسی شہر میں چار دن اقامت کی نیت کی تو ایسی صورت میں ابتداء سفر سے اس شہر میں داخل ہونے تک قصر کر سکتا ہے۔ چاہے اس شہر تک مسافت قصر ہو یا نہ ہو، لیکن اگر اس شہر میں چار دن سے کم اقامت کی نیت کی ہے تو دوران سفر اور شہر میں داخل ہونے کے بعد بھی قصر کر سکتا ہے۔

اگر بیوی شوہر کے ساتھ سفر کر رہی ہو، اور اُسے منزل مقصود کا پتہ نہیں کہ کہاں تک جانا ہے، تو مسافت قصر طے کرنے سے پہلے بیوی قصر نہیں کر سکتی، چاہے بیوی نے مسافت قصر کی نیت کی ہو (البتہ مسافت قصر طے کرنے کے بعد قصر کر سکتی ہے۔ حاشیۃ الروضہ)

اور اگر منزل کا پتہ ہو اور مسافت قصر کی نیت کی ہو تو بیوی بھی شروع سے قصر کر سکتی ہے، اگر کافر (یا پولیس) کسی مسلمان کو قید کر کے لے جائے اور اسے معلوم نہیں کہ کہاں لے جارہا ہے تو وہ قصر نہیں کر سکتا۔ چاہے ان کے ساتھ مسافت قصر تک چلتا رہے۔ البتہ مسافت قصر طے کرنے کے بعد قصر کر سکتا ہے۔ جس شہر کی طرف لے جارہا ہے اس کا علم ہو۔ لیکن دوران سفر موقع ملنے پر قیدی کے فرار کا ارادہ ہو، تو مسافت قصر طے کرنے سے پہلے قصر جائز نہیں۔ اور اگر بھاگنے وغیرہ کا ارادہ نہ ہو۔ اور سفر مسافت قصر تک ہو تو ابتداء سفر ہی سے قصر کر سکتا ہے۔

کسی منزل تک جانے کیلئے دو راستے ہوں، ایک مسافت قصر کے بقدر اور دوسرا قصیر (یعنی مسافت قصر سے کم) لہٰذا اگر طویل راستے سے کسی دینی یا دنیاوی غرض سے سفر کر رہا ہو مثلاً راستہ پر امن ہے یا کوئی اور سہولت حاصل ہے تو ایسی صورت میں قصر کر سکتا ہے۔

اور اگر محض قصر وغیرہ رخصتوں کا حاصل کرنا مقصود ہے تو قصر نہیں کر سکتا۔ کوئی طویل سفر کے ارادہ سے نکل جائے مگر دوران سفر واپس لوٹنے کا ارادہ کرے تو اسی وقت سفر ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا جب تک اس مقام پر رکا رہے گا۔ قصر نہیں کر سکتا، بلکہ جب اس مقام کو چھوڑ دے تو وہاں سے نیا سفر شمار ہو گا۔ اب یہ سفر مسافت قصر کے بقدر ہو تو قصر کر سکتا ہے، چاہے اپنے شہر لوٹے یا پہلی منزل کی طرف جائے یا کسی تیسری جگہ کا سفر کرے۔

ایسے شہر کی جانب سفر شروع کرے جہاں تک (مسافت قصر نہ ہونے کی وجہ سے) قصر جائز نہ ہو، لیکن پھر ارادہ بدل کر اس سے اتنا آگے سفر کا ارادہ کرے کہ وہاں تک (مسافت قصر ہونے کی وجہ سے) قصر کر سکتا ہے تو جس جگہ سے نیت میں تبدیلی کی، وہیں سے سفر کی

ابتدا ہو گی۔ اگر اس جگہ سے آگے کی منزل تک مسافت قصر ہو، تو قصر کر سکتا ہے (ورنہ نہیں) اگر کوئی طویل سفر کیلئے اس ارادہ سے نکلا کہ ہر مرحلہ پر (یعنی مسافت قصر سے کم پر) چار دن قیام کرے گا تو وہ اس لمبے سفر میں ابتداء ہی سے قصر نہیں کر سکتا۔

قصر کے جواز کیلئے سفر کا مباح ہونا ضروری ھے: مباح سفر سے مراد یہ کہ وہ سفر معصیت (گناہ کے کام) کیلئے نہ ہو، چاہے وہ نیک کام کیلئے ہو یا تجارت کیلئے ہو لہٰذا معصیت کے سفر میں قصر جائز نہیں معصیت کا سفر جیسے بیوی کا شوہر کو چھوڑ کر بھاگ جانا۔ مقروض کا قرض کی ادائیگی پر قدرت ہونے کے باوجود بھاگ جانا۔ ڈاکہ زنی کیلئے سفر کرنا وغیرہ۔

کوئی سفر تو مباح کام کیلئے کرے، لیکن دوران سفر معاصی کا بھی ارتکاب کرے جیسے شراب وغیرہ پئے تو ایسے شخص کیلئے قصر جائز ہے۔ سفر کی ابتداء تو مباح کام کے ارادہ سے ہو، پھر (دوران سفر) اسے معصیت کا بنا دیا (یعنی گناہ کے ارادہ سے سفر کرے) تو جہاں سے معصیت کا ارادہ کیا وہاں سے قصر نہیں کر سکتا، سفر کی ابتداء تو معصیت کے ارادہ سے ہو، مگر پھر معصیت کا ارادہ بدل کر توبہ کر کے پہلی منزل کی طرف ہی سفر جاری رکھا، تو سفر کی ابتداء وہاں سے ہو گی جہاں سے توبہ کی۔ اب اگر محل توبہ سے منزل مقصود تک مسافت قصر ہو، تو قصر کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

سفر معصیت میں رخصتیں: معصیت کیلئے سفر کرنیوالے کو نہ قصر کی اجازت ہے، نہ روزہ چھوڑنے کی، نہ سواری پر نفل پڑھنے کی، اور نہ جمع بین الصلاتین کی اور نہ تین دن تک موزے پر مسح کرنے کی، بلکہ (مقیم کی طرح) ایک دن ورات مسح کرے۔ اور نہ اسے بھوک سے بے تابی کی حالت میں مردار کھانے کی اجازت ہے، نیز ایسے مسافر سے جمعہ بھی ساقط نہ ہو گی۔

کن نمازوں میں قصر جائز ھے: سفر میں ادا کی جانے والی ہر ایسی چار رکعات والی فرض نماز میں جس کی ادائیگی کا وقت سفر میں ہی ہوا ہو قصر جائز ہے۔ مغرب اور صبح کی نماز میں قصر بالاجماع جائز نہیں۔

قضاء نماز: حالت اقامت کی فوت شدہ نماز سفر میں قضاء کرے، یا شک ہو کہ حالت سفر میں فوت ہوئی یا حالت اقامت میں یا ایسے سفر کی فوت شدہ نماز جس میں قصر جائز نہیں قضاء کرے، چاہے دوسرے سفر میں قضاء کرے یا سفر قصر کی فوت شدہ نماز حضر میں، یا ایسے سفر میں جس میں قصر جائز نہیں قضاء کرے تو ان تمام صورتوں میں قصر جائز نہیں۔ ہاں اگر سفر قصر کی فوت شدہ نماز اُسی سفر میں یا دوسرے سفر قصر میں قضاء کرے تو قصر جائز ہے۔ لیکن اگر حالت حضر میں یا ایسے سفر میں جس میں قصر جائز نہیں قضاء کرے تو قصر نہ کرے بلکہ اتمام کرے۔ (فتح الوہاب) (خلاصہ یہ کہ سفر قصر کی قضاء سفر قصر میں قصر کرنا جائز اور بقیہ تمام صورتوں میں اتمام یعنی مکمل نماز قضاء کرنا لازم ہے)

کوئی شخص اتنا وقت گذرنے کے بعد جس میں نماز کا ادا کرنا ممکن ہو، سفر شروع کرے تو اس نماز میں قصر جائز ہے۔ اسی طرح کسی عورت کو اتنا ہی وقت گذرنے کے بعد حیض شروع ہو جائے، تو اس پر اس نماز کی قضا لازم ہو گی۔

صرف چار رکعات کی ادائیگی کے بقدر وقت باقی رہنے کی صورت میں سفر شروع کرے تو اس نماز میں قصر جائز ہے۔ (بلکہ اگر سفر شروع کرتے وقت صرف ایک رکعت کے بقدر وقت ہو تب بھی قصر جائز ہے۔ مغنی ۱/ ۲۶۳ ۔ حاشیۃ البجیرمی۔ ۲/ ۱۴۷)

اگر اتنا وقت گذرنے سے پہلے جس میں اس نماز کا ادا کرنا ممکن ہو، سفر کرے تو ایسی نماز میں بھی قصر جائز ہے۔

فصل۔ قصر کے شرائط

قصر کے چار شرائط ہیں۔

(۱) کسی مقیم کی اقتداء نہ کرے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ مسافر کو تنہا نماز پڑھنے کی صورت میں دو رکعت اور کسی مقیم کی اقتداء کرنے کی صورت میں چار رکعات پڑھنے کا حکم کیوں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ یہ سنت ہے۔ (مسند احمد۔ تلخیص)

اگر کسی مقیم کی اقتداء کی، چاہے ایک لحظہ کیلئے، تو اس پر اتمام (پوری چار رکعات) ادا کرنا لازم ہے۔

لحظہ بھر اقتداء کی چند صورتیں ہیں (۱) امام کو سلام سے پہلے پالے۔ (۲) امام کو مسافر مقتدی کے تکبیر تحریمہ کے بعد حدث لاحق ہو (۳) اقتداء کے بعد امام سے جدا ہونے کی نیت کرے۔ (المجموع ۳۵۶/۴) فجر کی قضاء نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں کوئی ظہر ادا کرے تو قصر جائز نہیں، خواہ صبح کی نماز پڑھنے والا مسافر ہو یا مقیم۔

عصر کی نماز قصر کرنے والے کی اقتداء میں نماز ظہر قصر کی نیت سے ادا کرے تو قصر جائز ہے۔ (المجموع ۳۵۶/۴) جمعہ ادا کرنے والے کی اقتداء میں ظہر ادا کرے تو قصر جائز نہیں، چاہے جمعہ کا امام مسافر ہو یا مقیم۔ اگر مسافر کو امام کے مقیم ہونے کا یقین یا غالب گمان ہو، تو ایسے امام کی اقتداء میں مسافر کو مکمل نماز ادا کرنا لازم ہے لیکن مسافر نے ایسے امام کی اقتداء میں قصر کی نیت کی تو اس کی نماز تو منعقد ہو گی، البتہ قصر کی نیت باطل ہو گی۔ (یعنی نماز مکمل ادا کرنی ہو گی۔) اور اگر امام کے مسافر ہونے کا یا امام کے قصر کی نیت کرنے کا یقین یا گمان ہو تو اس کی اقتداء میں قصر جائز ہے۔ مسافر کو امام کی نیت کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو کہ اس نے قصر کی نیت کی ہے یا نہیں، تب بھی اس کی اقتداء میں قصر جائز ہے، خواہ یہ شک دوران نماز پیش آئے۔ امام کی نیت سے ناواقف ہو اور مقتدی اپنی نیت کو امام کی نیت پر معلق رکھتے ہوئے کہے کہ امام نے قصر کیا تو میں بھی قصر کروں گا اور اتمام کیا تو میں بھی اتمام کرونگا تو یہ معلق کرنا صحیح ہے۔ لہٰذا امام اتمام کرے تو مقتدی بھی اتمام کرے اور قصر کرے تو مقتدی بھی قصر کرے، لیکن اگر ایسی صورت میں امام کی نماز فاسد ہو جائے یا خود فاسد کر دے اور کہے کہ میں نے قصر یا اتمام کی نیت کی تھی تو مقتدی کو بھی امام کی نیت کے مطابق نماز پوری کرنی ہو گی، اور اگر امام بتلائے بغیر چلا جائے اور مقتدی کو امام کی نیت کا علم نہ ہو سکے تو اتمام ضروری ہے۔ امام کے مسافر یا مقیم ہونے میں شک ہو تو مقتدی کو اتمام لازم ہے۔ اگر مسافر کسی مقیم کی یا ایسے مسافر کی جو اتمام کر رہا ہو اقتداء کرے پھر خود مقتدی کی یا امام کی نماز فاسد ہو جائے، یا امام کا محدث ہونا معلوم ہو جائے اور نئے سرے سے نماز شروع کرے تو مقتدی پر اتمام لازم ہے۔

ایسے امام کی اقتداء کرے جس کے مسافر ہونے کا صرف غالب گمان ہو، لیکن پھر امام کا مقیم ہونا معلوم ہو گیا یا مقیم اور محدث دونوں ہونا معلوم ہوا، البتہ پہلے مقیم ہونا معلوم ہوا تو مقتدی پر اتمام لازم ہے۔ اور اگر پہلے محدث ہونا معلوم ہوا یا دونوں کا بہ یک وقت علم ہو گیا تو مقتدی کیلئے قصر جائز ہے۔

کوئی حالت اقامت میں نماز شروع کرے، بعد میں نمازی کو اپنے محدث (بے وضو) ہونے کا علم ہو گیا اور نماز کے وقت میں سفر شروع کیا تو اس نماز میں قصر جائز ہے بخلاف اس کے اگر حالت اقامت میں ہی نماز شروع کی اور کسی سبب سے نماز فاسد ہو جائے (پھر سفر شروع کرے) تو اس نماز میں اتمام لازم ہے۔

مسافر کسی مقیم کی اقتداء کرے پھر نماز کے بعد مقتدی کو اپنا بے وضو ہونا معلوم ہو گیا، تو مقتدی کیلئے اس نماز میں قصر جائز ہے۔ اسی طرح ایسے امام کی اقتداء کرے جس کے محدث ہونے کا یقین اور مقیم ہونے کا صرف گمان ہے تو مقتدی کیلئے قصر جائز ہے۔

دوران نماز امام کا کسی کو نائب بنانا: امام کی نماز حدث وغیرہ سے فاسد ہو جائے، تو بقیہ نماز پڑھانے کیلئے مقتدیوں میں سے کسی کو اپنا نائب بنانا جائز ہے۔ اگر کوئی ایسا مسافر امام جو مقیم اور مسافر حضرات کو نماز پڑھا رہا ہو، نماز فاسد ہونے کی وجہ سے کسی

مقیم کو اپنا نائب بنائے، تو مسافر مقتدیوں کیلئے قصر جائز نہیں۔ بلکہ اگر وہ مسافر امام بھی واپس آکر اس نائب کی اقتداء کرے تو اس کے لئے بھی قصر جائز نہیں۔ اور اقتداء نہ کرے تو قصر جائز ہے۔ امام کے نائب کے اقتداء کی نیت واجب نہیں اگر امام یا مقتدی حضرات کسی کو نائب نہ بنائیں تو تنہا اپنی نماز پوری کریں۔ اس صورت میں مسافر حضرات کیلئے قصر جائز ہے۔ اور اگر امام یا مقتدی لوگ کسی مسافر کو نائب بنائیں تو مسافر حضرات قصر کریں (اور مقیم حضرات مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ نماز پوری کریں)

اگر مسافر لوگ کسی مسافر کو، اور مقیم حضرات کسی مقیم کو نائب بنائیں تو یہ بھی جائز ہے اور مسافر اپنے امام کی اقتداء میں قصر کریں۔

(۲) تکبیر تحریمہ کے وقت قصر کی نیت کرنا۔ نماز پوری ہونے تک قصر کی نیت یاد رکھنا ضروری نہیں، لیکن اس کے منافی (مخالف) چیزوں سے بچنا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر پہلے قصر کی نیت کی، بعد میں اتمام کی یا قصر و اتمام کے درمیان تردد ہو (کہ قصر کر رہا ہے یا اتمام) یا شک ہو کہ قصر کی نیت کی یا نہیں، تو ان صورتوں میں اتمام لازم ہے۔

کسی مسافر نے ایسے مسافر امام کی اقتداء کی جس نے قصر کی نیت کی ہے مگر امام دو رکعت کے بعد (سلام پھیرنے کے بجائے) تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا، تو ایسی صورت میں امام نے اتمام کی نیت کی ہے تو مقتدی پر بھی اتمام ضروری ہے۔ اور اگر امام بھولے سے کھڑا ہوا ہو مثلاً امام حنفی ہو (جو سفر کی نماز میں اتمام کا قائل نہیں) تو مقتدی پر اتمام ضروری نہیں، بلکہ اختیار ہے، چاہے تو اس کی اقتداء سے الگ ہو اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔ یا امام کے واپس لوٹنے تک انتظار کرتا رہے اور اس کے ساتھ سلام پھیرے۔ اور اگر مقتدی اتمام کرنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن امام کی سہو (بھول) کی حالت میں اقتداء کرنا جائز نہیں، کیونکہ امام سہو کی حالت میں جو فعل ادا کرتا ہے وہ شمار نہیں ہوتا۔ اسی طرح امام کی اقتداء اس فعل کی ادائیگی میں بھی جائز نہیں جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس کا یہ فعل شمار نہ ہوگا جیسے کسی مسبوق کو امام کے ساتھ ایک رکعت مل گئی ہو اور امام سہواً زائد رکعت ادا کرنے کیلئے کھڑا ہو گیا، تو مسبوق کیلئے اپنی بقیہ نماز کو پورا کرتے وقت امام کی اس زائد رکعت میں اقتداء کرنا صحیح نہیں۔ اگر شک ہو کہ امام بھولے سے یا اتمام کی نیت سے تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا تو مقتدی پر اتمام لازم ہے۔

کوئی منفرد قصر کی نیت سے نماز پڑھ رہا ہو، اور دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کیلئے کسی ایسے سبب کی وجہ سے کھڑا ہو گیا جس سے اتمام واجب ہو جائے جیسے مسافر نے اتمام یا اقامت کی نیت کی، یا سواری اقامت کی جگہ پہنچنے کے بعد تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا ہو تو اس کا کھڑا ہونا صحیح ہے اور اتمام لازم ہے۔ اور اگر مذکورہ امور میں سے کوئی بھی امر پیش نہ آیا ہو، اور عمداً تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا ہو تو نماز باطل ہو گی۔ اور اگر سہواً کھڑا ہو گیا تو یاد آنے کے بعد واپس لوٹنا لازم ہے، پھر سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔ لیکن یاد آنے کے بعد اتمام کا ارادہ ہو جائے تو پہلے بیٹھنا لازم ہے، پھر اتمام کیلئے واپس اٹھے۔ کوئی مسافر تیسری اور چوتھی رکعت سہواً ادا کرے، اور تشہد میں بیٹھنے کے بعد یاد آجائے تو سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔ اور یہ نماز قصر ہی شمار ہو گی اور سہواً جو زائد رکعات ادا کی، وہ شمار نہ ہو گی۔ اور اگر ان دو زائد رکعتوں کے ادا کرنے کے بعد، اور سلام سے پہلے اتمام کی نیت کی تو اب مزید دو رکعت پڑھنا ضروری ہے، اور آخر میں سجدہ سہو کرے (اور درمیان میں جو سہواً دو رکعت پڑھی گئی وہ شمار نہ ہو گی۔)

(۳) نماز کی ابتداء سے سلام پھیرنے تک مسافر ہو۔ لہٰذا اگر مسافر نے درمیان نماز اقامت کی نیت کی یا جہاز میں نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان نماز جہاز اقامت کی جگہ پہنچ جائے یا وطن میں جہاز میں نماز شروع کرے اور سلام سے قبل سفر شروع ہو جائے یا شک ہو کہ اس نے اقامت کی نیت کی یا نہیں، یا کسی شہر میں داخل ہونے کے بعد یہ شک ہو جائے کہ یہی اس کی منزل مقصود ہے یا نہیں،

توان تمام صورتوں میں مکمل چار رکعات ادا کرنا ضروری ہے۔

(۴) قصر کے جواز کا علم ہو لہٰذا اگر قصر کے جواز سے ناواقف ہوتے ہوئے نماز میں قصر کرے تو قصر کرنا صحیح نہیں۔

جمع بین الصلاتین کا بیان

(دو نمازوں کو ایک وقت ادا کرنا)

۹ھ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے دو نمازوں کو ایک ساتھ ادا فرمایا۔

احادیث: (۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''آپ ﷺ کو سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب وعشاء کے درمیان جمع کرتے (متفق علیہ)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''آپ ﷺ زوال شمس سے پہلے کوچ کرتے تو ظہر کو عصر تک موئخر کرتے پھر (عصر کے وقت سواری سے) اتر کر ظہر اور عصر کے درمیان جمع فرماتے اور زوال شمس کے بعد کوچ کرتے تو پہلے ظہر پڑھتے پھر سوار ہوتے۔ (متفق علیہ)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ جب سفر میں جمع بین الصلاتیں کا ارادہ کرتے تو ظہر کو عصر کا اول وقت شروع ہونے تک موئخر کرتے، پھر دونوں کو جمع فرماتے۔ (رواہ مسلم)

(۴) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''آپ ﷺ غزوہ تبوک کے موقع پر زوال شمس کے بعد سفر فرماتے تو ظہر اور عصر کے درمیان جمع فرماتے (یعنی جمع تقدیم) اور زوال شمس سے پہلے سفر فرماتے تو ظہر کو عصر تک موخر کرتے (یعنی جمع تاخیر کرتے) اور مغرب میں بھی اسی طرح کرتے کہ غروب شمس کے بعد سفر کرتے تو مغرب وعشاء کے درمیان جمع کرتے (جمع تقدیم) اور اور غروب شمس سے پہلے سفر کرتے تو مغرب کو عشاء تک موخر کرتے، پھر عشاء کے وقت اتر کر دونوں میں جمع کرتے (جمع تاخیر) (رواہ ابوداود والترمذی و قال حدیث حسن وقال البیہقی ھو محفوظ صحیح)۔ (المجموع ۳۷۲/۴)

جمع کا حکم اور اس کی قسمیں: جس سفر میں قصر جائز ہے، اس سفر میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کے درمیان جمع کرنا بھی جائز ہے۔

جمع کی دو قسمیں ھیں: (۱) جمع تقدیم (تقدیم سے مراد ظہر وعصر کو ظہر کے وقت یا مغرب وعشاء کو مغرب کے وقت پڑھنا) (۲) جمع تاخیر (تاخیر سے مراد ظہر وعصر کو عصر کے وقت یا مغرب وعشاء کو عشاء کے وقت پڑھنا) جمعہ میں صرف جمع تقدیم جائز ہے جمع تاخیر جائز نہیں۔ (جمل ۶۰۸/۱) جس سفر میں قصر جائز نہیں اس میں جمع بین الصلاتین بھی جائز نہیں۔ پہلی نماز (مثلاً ظہر یا مغرب) کے وقت سفر جاری ہو تو جمع تاخیر اور اول وقت میں کہیں رکا ہو، تو جمع تقدیم افضل ہے۔ کیونکہ اوپر حدیث میں یہی تفصیل گذری۔ گناہ کے سفر میں جمع کرنا جائز نہیں، فجر کو کسی دوسری نماز کے ساتھ اور عصر کو مغرب کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔

جمع کی صورت میں جو نماز پڑھی جائے، وہ ادا ہی شمار ہو گی، قضاء نہ ہو گی۔ (المجموع ۳۷۸/۴) مسافر حجاج کرام مقام عرفہ میں ظہر اور عصر کے درمیان جمع تقدیم کریں اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کے درمیان جمع تاخیر کریں۔

جمع تقدیم کے شرائط

جمع تقدیم کے تین شرائط ھیں (۱) دونوں نمازوں کے درمیان ترتیب ہو۔ لہٰذا پہلے اس وقت کی نماز ادا کرے

(مثلاً ظہر ہے تو ظہر یا مغرب ہے تو مغرب پڑھے) اس کے بعد دوسری نماز پڑھے، کسی نے دوسری نماز پہلے ادا کی، تو یہ جمع صحیح نہیں۔ اور پہلی نماز کے بعد اس کا اعادہ واجب ہے۔ اگر پہلے اس وقت کی نماز ادا کی، پھر دوسری نماز لیکن بعد میں پہلی نماز کا فاسد ہونا معلوم ہوا تو دوسری نماز بھی فاسد شمار ہوگی۔

(۲) جمع تقدیم کی نیت کرنا، اور نیت پہلی نماز کی تکبیر تحریمہ سے سلام پھیرنے تک کسی بھی وقت کافی ہے، سلام پھیرنے کے بعد کرے تو کافی نہیں (اب دوسری نماز کو اپنے وقت میں ادا کرے)

(۳) دونوں نمازوں کو پے درپے (متصلاً اور تسلسل کے ساتھ) ادا کرنا۔ دونوں نمازوں کے درمیان طویل فاصلہ ہو جائے، تو جمع نہیں کر سکتا، چاہے طویل فاصلہ عذر کی وجہ سے ہو، مثلاً سہو لاحق ہو یا بیہوشی طاری ہو یا بغیر عذر کے ہو۔ ہاں اگر معمولی فاصلہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ فاصلہ کے کم زیادہ ہونے کا دارومدار عرف عام پر ہوگا۔

حدیث: آپ ﷺ نے جب مقام نمرۃ میں جمع تقدیم کی، تو دونوں نمازوں کو پے درپے ادا کیا اور دونوں کے درمیان کی سنتیں ترک فرمائیں البتہ دونوں کے درمیان اقامت کہی۔ (صحیحین، حاشیۃ الروضہ)

دونوں نماز سے فراغت کے بعد پہلی نماز کے کسی رکن کا چھوٹ جانا یاد آگیا تو دونوں نمازیں باطل ہونگی اور دونوں کا جمع کی صورت میں اعادہ کر سکتا ہے، اگر دوسری نماز سے کوئی رکن چھوٹ گیا ہے اور نماز سے فراغت کے بعد طویل فاصلہ نہ ہوا ہو، تو اس رکن کی تلافی کر کے نماز مکمل کرلے، اور دونوں نمازیں صحیح ہونگی۔ اور اگر فاصلہ طویل ہو جائے تو دوسری نماز باطل ہوگی، اب جمع جائز نہیں، بلکہ دوسری نماز اپنے وقت میں ادا کرے۔ اور اگر معلوم نہ ہو کہ رکن پہلی نماز سے چھوٹا ہے یا دوسری نماز سے تو دونوں کا اعادہ ضروری ہے اور جمع کرنا جائز نہیں۔ (۴) دوسری نماز کے تکبیر تحریمہ تک سفر باقی رہے۔

جو عصر کی نماز بطور جمع تقدیم ادا کرے، اس پر اب نفل مطلق حرام ہے، گرچہ عصر کا اول وقت شروع نہ ہوا ہو۔ جو عشاء کو جمع تقدیم سے پڑھے، وہ عشاء کا اصل وقت شروع ہونے سے قبل تراویح اور وتر پڑھ سکتا ہے، البتہ ابھی سے سَمَر (گفتگو) کو مکروہ نہیں قرار دیا جائیگا۔ (قلائد الخرائد ۱/۱۵۷)

جمع تاخیر کے شرائط: جمع تاخیر کے دو شرط ہیں۔ (۱) پہلی نماز کے وقت جمع تاخیر کی نیت کرے اور نیت کے وقت پہلی نماز کا کم از کم اتنا وقت باقی ہو، جس میں وہ نماز مکمل، یا (قصر پڑھنا ہو تو) بطور قصر ادا کی جاسکے۔ اس سے کم وقت ہو (اور جمع کی نیت کر بھی لے) تو وہ نماز قضاء شمار ہوگی اور گنہگار ہوگا۔ امام رملی، خطیب، ابن قاسم اور شبر املسی وغیرہ متاخرین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور بقول صاحب جمل یہی معتمد ہے۔ شیخ زکریا انصاری اور ابن حجر مکی نے فرمایا کہ نیت کے وقت صرف ایک رکعت کا وقت باقی ہو، تب بھی جمع صحیح ہے۔ اور ادا شمار ہوگی، گرچہ اتنی تاخیر کا گناہ ہوگا۔ اور ایک رکعت کا وقت بھی نہ ہو تو سبھی کے نزدیک قضاء شمار ہوگی۔ (جمل ۱/۲۱۳، تحفہ مع الحواشی ۳/۲۶۶، مغنی ۱/۲۷۳)

(۲) دونوں نمازوں کے مکمل ہونے تک سفر باقی رہے۔ جمع تاخیر میں ترتیب، نمازوں کو پے درپے پڑھنا اور نماز کی حالت میں جمع کی نیت کرنا مستحب ہے۔ (المجموع۔ ۴/۳۷۶) جمع تقدیم کی صورت میں پہلی نماز کے دوران یا دوسری نماز شروع کرنے سے پہلے مقیم ہو جائے، خواہ اقامت کی نیت کی وجہ سے مقیم ہو جائے یا سواری اقامت کی جگہ پہنچنے سے، تو جمع تقدیم نہیں کر سکتا۔ اور دوسری نماز کو اس کے وقت میں پڑھے۔ اور پہلی نماز صحیح شمار ہوگی اگر دوسری نماز کے دوران یا فراغت کے بعد مقیم ہو جائے تو جمع باطل نہ ہوگی۔ جمع تاخیر

کی صورت میں دونوں نماز سے فراغت کے بعد مقیم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن فراغت سے پہلے مقیم ہو جائے تو پہلی نماز قضاء شمار ہو گی۔ (گرچہ اس میں گناہ نہ ہو گا۔)(اعانہ ۲/۱۰۴)

فصل۔ بارش کی وجہ سے جمع

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرات ابن عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی وجہ سے جمع مروی ہے۔ (مغنی ۱/۲۷۴) بارش، اولہ باری، برف باری یا پرنم سرد ہواؤں کی وجہ سے کپڑے تر ہوں تو ایک مقیم کیلئے بھی جمع تقدیم جائز ہے۔ اور یہ رخصت ایسے مقیم کے لئے ہے، جو دور سے مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہو، اور آتے وقت راستہ میں بارش وغیرہ سے تکلیف ہوتی ہو، لہٰذا اگر کوئی گھر میں اکیلا یا باجماعت نماز ادا کر رہا ہو یا مسجد کی طرف سائبان میں چل کر آئے، یا مسجد گھر سے بالکل قریب ہو یا عورتیں اپنے گھروں میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کر رہی ہوں، یا تمام لوگ مسجد میں آکر تنہا نماز ادا کریں، تو جمع کرنا جائز نہیں، اور اس جمع کیلئے وہی شرائط ہیں جو سفر کی صورت میں جمع تقدیم کیلئے ہیں، البتہ مزید شرط یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے تکبیر تحریمہ کے وقت اور پہلی نماز سے فارغ ہونے کے وقت بارش پائی جائے۔ اگر پہلی یا دوسری نماز کے دوران یا دونوں کے بعد بارش رُک جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بارش کی وجہ سے جمعہ اور عصر میں جمع تقدیم جائز ہے اور جمع کی صورت میں مذکورہ تینوں حالتوں (دونوں نماز کے ابتداء کے وقت اور جمعہ سے فراغت کے وقت) میں بارش کا پایا جانا ضروری ہے۔ دونوں خطبوں کے وقت بارش کا ہونا ضروری نہیں۔ خوف اور راستے میں کیچڑ کی وجہ سے جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔

جمع کی صورت میں سنت پڑھنے کا بیان

ظہر اور عصر جمع کرنے کی صورت میں پہلے ظہر کی اگلی سنت ادا کرے، پھر دونوں فرض پھر ظہر کے بعد کی سنت، اس کے بعد عصر کی سنت ادا کرے عصر کی سنت کو پہلے بھی ادا کر سکتا ہے اور تمام سنتوں کو دونوں فرض کے بعد بھی ادا کر سکتا ہے۔ (قلائد) مغرب وعشاء جمع کرے تو پہلے دونوں فرض ادا کرے پھر مغرب کی بعد والی سنت پھر عشاء کی سنت پھر وتر۔

طویل سفر (جو ۴۸ میل کے بقدر ہو) میں چار رخصتین ہیں (۱) نماز میں قصر (۲) روزہ کا افطار (۳) تین دن اور تین رات موزے پر مسح کرنا (۴) جمع بین الصلاتین اور قصیر سفر میں بھی چار رخصتین ہیں (۱) جمعہ کا ترک کرنا (۲) حالت اضطراری میں مردار کھانا (۳) سواری پر نفل پڑھنا (۴) تیمم

قصر اتمام سے افضل ہے۔

احادیث: (۱) حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے فرماتے ہیں "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو آپ دو رکعت نماز پڑھتے تھے الخ۔ (رواہ الترمذی)

(۲) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے وہ ہیں جو حالت سفر میں قصر کریں۔ (فتح العزیز)

(۳) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو رخصتوں پر عمل کرنا پسند ہے، جیسا کہ گناہوں کا ارتکاب ناپسند ہے۔

البتہ یہ چند حالتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحیہا)

(۱) جب سفر تین مرحلے سے کم ہو تو اتمام افضل ہے (تاکہ امام ابو حنیفہؒ کے اختلاف سے بچے، کیونکہ اس مسافت پر ان کے نزدیک قصر واجب ہے، لیکن علامہ کردی کی تحقیق کے مطابق ان کے تین مرحلوں کی مسافت ہمارے دو مرحلوں کے مساوی ہے۔ لہٰذا مطلقاً قصر افضل ہوگا۔ (بغیہ ص ۷۶ بشری الکریم ۱/۱۳۶)

(۲) اگر کوئی قصر کو ناپسند سمجھے تو اس کے لئے قصر افضل ہے بلکہ کراہت زائل ہونے تک اتمام مکروہ ہے یہی حکم دیگر رخصتوں کا بھی ہے۔

(۳) ملاّح اپنے اہل وعیال کے ساتھ کسی کشتی میں سفر کر رہا ہو، تو اس کے لئے اتمام افضل ہے۔

(۴) کسی آدمی کی ہمیشہ سفر کی عادت ہو، اور اس کا کوئی وطن نہ ہو، تو اس کے لئے بھی اتمام افضل ہے (گرچہ وہ قصر کر سکتا ہے) سفر میں روزہ کی طاقت ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ ائمہ کرام کے اختلاف سے بچتے ہوئے جمع بین الصلاتین نہ کرنا افضل ہے۔ البتہ ان صورتوں میں جمع افضل ہے: حاجی کیلئے عرفہ اور مزدلفہ میں، جمع کے جواز میں شک کرنے والا، رخصت سے اعراض کرنے والا، جمع کی صورت میں جماعت ملتی ہو، یا دائمی حدث کے بغیر نماز ادا ہوتی ہو یا ستر عورت کے ساتھ ادا ہوتی ہو۔ (مغنی المحتاج۔ ۱/۲۷۲) اگر کافر یا نابالغ بچہ مسافت قصر تک سفر کیلئے نکلے، پھر دوران سفر ہی کافر مسلمان ہو جائے اور بچہ بالغ ہو جائے، تو دونوں بقیہ سفر میں قصر کر سکتے ہیں۔ خوف کی وجہ سے اپنی بستی میں قصر جائز نہیں، اور نہ حالت خوف میں ایک رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے۔

مرض کی وجہ سے جمع: کئی علماء نے مرض کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اپنی حد تک اس پر عمل کر سکتا ہے۔ بیماری کے اعتبار سے تقدیم یا تاخیر جس میں سہولت ہو، اس پر عمل کرے، مثلاً دوسری نماز کے وقت بیماری کا زور بڑھتا ہو تو جمع تقدیم کے شرائط کے ساتھ تقدیم پر عمل کرے، برعکس صورت میں جمع تاخیر کی نیت کے ساتھ تاخیر کرے۔ جمع تقدیم کی صورت میں بارش کی طرح دونوں نماز کی تکبیر تحریمہ، پہلی نماز کے سلام کے وقت اور دونوں کے درمیان بیماری کا پایا جانا شرط ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس مسئلہ میں مرض اس درجہ کا ہو کہ مریض کو ہر نماز کے وقت میں ادا کرنے میں اتنی مشقت ہو، جتنی بارش میں چلنے سے ہو، جبکہ کپڑے تر ہوں۔ اور بعضوں کے نزدیک اتنی مشقت ضروری ہے کہ فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہو جائے (ان دونوں ضابطوں میں بہت زیادہ فرق بھی نہیں ہے) (تحفہ مع الحواشی ۳/۲۷۴ فتح المعین۔ مغنی۔ جمل وغیرہ، قلائد ۱/۱۵۶)

جمعہ کا بیان

آیت: "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"۔ (سورہ جمعہ ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کیلئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل مانعہ عن السعی) چھوڑ دیا کرو (اور تخصیص بیع کی بوجہ زیادہ اہتمام کے ہے کہ اس کے ترک کو فوت نفع سمجھا جاتا ہے) یہ (چل پڑنا مشاغل بیع وغیرہ کو چھوڑ کر) تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا نفع فانی) (بیان القرآن)

احادیث کی روشنی میں جمعہ کی چند خصوصیات (ماخوذ نور اللمعۃ للسیوطی)

(۱) جمعہ کا دن اس امت کیلئے عید کا دن ہے۔ (ابن ماجہ، طبرانی فی الاوسط)

(۲) صرف جمعہ کا نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ (ساتھ جمعرات یا سنیچر کا بھی رکھے تو کراہت نہ ہوگی) (بخاری، مسلم)
(۳) صرف جمعہ کی رات قیام (نماز وعبادت) کی تخصیص مکروہ ہے۔ (مسلم)
(۴) آپ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں "الم تنزیل السجدہ اور ھل اتی علی الانسان کی تلاوت فرمایا کرتے۔ (شیخین)
(۵) جمعہ کے دن فجر کی نماز باجماعت تمام نمازوں میں افضل نماز ہے۔ (بیہقی۔بزار۔طبرانی)
(۶) جمعہ مساکین کا حج ہے۔ (حمید بن زنجویہ فی فضائل الاعمال، حارث بن ابی اسامہ فی مسندہ)
(۷) آپ ﷺ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور "اذا جاءک المنافقون" تلاوت فرماتے۔ (مسلم)
(۸) آپ ﷺ نے ایک مرتبہ جمعہ کی نماز میں شریک نہ ہونے والوں کے متعلق فرمایا: میں نے ارادہ فرمایا کہ کسی آدمی کو امامت کیلئے آگے بڑھاؤں اور ان لوگوں کو جلاڈالوں جو جمعہ میں نہیں آتے۔ (حاکم)
(۹) آپ ﷺ نے فرمایا! لوگوں کو چاہئے کہ جمعہ کے ترک سے باز آجائیں ورنہ یقیناً اللہ ان کے دلوں پر مہر لگادیں گے پھر وہ لوگ غافلین میں شمار ہونگے۔ (مسلم و نحوہ ابوداود۔ترمذی)
(۱۰) جو بغیر عذر کے جمعہ ترک کرے وہ ایک دینار صدقہ کرے، نہ ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ (احمد، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)
(۱۱) جو درمیان خطبہ اپنے ساتھی سے کہے چپ رہ اس نے لغو حرکت کی۔ (صحیحین)
(۱۲) امام کے منبر پر پہنچ کر بیٹھتے ہی (تحیۃ المسجد کے علاوہ) کوئی بھی نماز پڑھنا حرام ہے۔
(۱۳) جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نماز مکروہ نہیں ہے (کیونکہ) جمعہ کے علاوہ دنوں میں جہنم بھڑکائی جاتی ہے۔ (ابوداود)
(۱۴) جو جمعہ کیلئے آئے تو غسل کرلے۔ (صحیحین)
(۱۵) کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ ہر جمعہ اپنی اہلیہ سے جماع کرے، کیونکہ اسے دوہرا اجر ہے، اپنے غسل کا اجر اور بیوی کے غسل کا اجر۔ (بیہقی فی الشعب بسند ضعیف)
(۱۶) مسواک اور خوشبو کا استعمال۔ (صحیحین) (۱۷) تیل کا استعمال۔ (بخاری۔حاکم)
(۱۸) جمعہ کی نماز سے قبل ناخن اور مونچھ تراشنا۔ (بزار۔طبرانی۔بیہقی فی الشعب۔سعید بن منصور)
(۱۹) اپنے کپڑوں میں سے بہتر کپڑے پہن کر جمعہ کیلئے جانا۔ (احمد۔ابوداود۔حاکم)
(۲۰) مسجد میں خوشبو کی دھونی دینا۔ (زبیر بن بکار، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابویعلی)
(۲۱) جو شخص جمعہ کے دن غسل کر کے پہلی ساعت (گھڑی) میں (مسجد کیلئے) روانہ ہوا گویا اس نے اونٹ کی قربانی پیش کی، جو دوسری ساعت میں روانہ ہوا گویا اس نے بیل کی قربانی پیش کی، جو تیسری ساعت میں روانہ ہوا گویا سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی، جو چوتھی ساعت میں روانہ ہوا گویا مرغ کی قربانی پیش کی، جو پانچویں ساعت میں روانہ ہوا، گویا ایک انڈے کے ذریعہ تقرب حاصل کیا پھر جب امام (خطبہ کیلئے) آجائے تو ملائکہ ذکر (خطبہ) سننے کیلئے حاضر ہوجاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)
(۲۲) آپ ﷺ جمعہ کے علاوہ شدت گرمی میں (ظہر کی) نماز ٹھنڈے وقت پڑھتے۔ (بخاری)

(۲۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (چونکہ جمعہ کیلئے جلد ہی پہنچ جاتے اس لئے) جمعہ کی نماز کے بعد کھانا کھاتے اور قیلولہ فرماتے۔ (صحیحین)

(۲۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو جمعہ کے دن اچھی طرح مکمل غسل کرے، پھر جلد جمعہ کیلئے پہنچے، ابتداء سے خطبہ میں شریک رہے، پیدل جائے، سوار نہ ہو، امام سے قریب ہو کر خوب توجہ سے (خطبہ وغیرہ) سنے اور کوئی لغو حرکت نہ کرے، تو اُسے ایک ایک قدم پر ایک سال کے روزہ اور نماز کا ثواب حاصل ہو گا۔ (احمد، سنن اربعہ۔ حاکم)

(۲۵) سورہ کہف کی تلاوت: دو جمعہ کے درمیان باعث نورانیت ہے۔ (حاکم۔ بیہقی) دو جمعہ کے درمیانی گناہ معاف ہونگے (ابن مردویہ) دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (ضیاء فی المختارۃ)

(۲۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ سے قبل حلقہ بندی سے منع فرمایا۔ (ابوداود)

(۲۷) جمعہ کی نماز دوسرے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہے۔ جبکہ کبائر سے محفوظ ہو۔ (ابن ماجہ)

(۲۸) جمعہ کے دن انتقال ہونے والا عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ (ابو یعلی، بیہقی فی کتاب عذاب القبر)

(۲۹) شب جمعہ یا یوم جمعہ میں انتقال کرنے والا فتنہ قبر سے محفوظ رہے گا۔ (ترمذی وحسنہ، بیہقی، ابن ابی الدنیا)

(۳۰) سورج طلوع ہونے والے ایام میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ (مسلم)

(۳۱) جمعہ سید الایام (سارے ایام کا سردار) ہے۔ (حاکم، ابوداود ونحوہ)

(۳۲) جمعہ کے دن مسلمان کی مغفرت ہوتی ہے۔ (ابن عدی، طبرانی فی الاوسط)

(۳۳) جمعہ کے دن رات کے ۲۴ ساعتوں میں سے ہر ساعت میں ۶۰۰ جہنم کے مستحقوں کو جہنم سے خلاصی نصیب ہوتی ہے۔ (بخاری فی تاریخہ، ابو یعلی)

(۳۴) جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں جو دعا مانگی جائے قبول ہو گی۔ (شیخین)

(۳۵) جو شب جمعہ حم الدخان، کی تلاوت کرے اس کی بخشش ہو گی۔ (ترمذی)

(۳۶) شب جمعہ۔ "حمٓ الدخان" اور "یٰسین" پڑھنے والے کی صبح تک مغفرت ہو جائے گی۔ (بیہقی، فی الشعب)

(۳۷) جمعہ کے دن درود کی خوب کثرت رکھے۔ (ابوداود۔ حاکم۔ ابن ماجہ) (ملخصا من نور اللمعۃ لجلال الدین السیوطی علیہ الرحمۃ)

جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی مطلوبہ تعداد کی کمی کی وجہ سے یا اظہار اس کا شعار ہے اور مکہ میں یہ ممکن نہ تھا اس لئے مکہ میں اس کا قیام عمل میں نہ آسکا، ہجرت سے پہلے حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر نَقِیعُ الْخَضِمَات نامی بستی میں جمعہ کا اہتمام فرمایا، جس میں ۴۰ر افراد شریک تھے۔

جمعہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ ہفتہ میں افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک یہ یوم عرفہ سے بھی افضل ہے گرچہ علماء شافعیہ کے یہاں عرفہ افضل ہے۔ لیلۃ القدر جمعہ سے افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب دیدار الٰہی سے سرفراز ہوئے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہ رات سب سے افضل تھی۔ (بعض صحابہ نے شب جمعہ کو شب قدر سے افضل قرار دیا ہے۔ بشری الکریم ۲/۲)

جمعہ کی نماز کا بیان

جمعہ کی نماز فرض عین ہے۔ اورارکان و شرائط میں دیگر پانچوں فرض نماز کے مانند ہے، البتہ جمعہ کو تین چیزوں میں خصوصیت حاصل ہے(۱۔۲)جمعہ کے واجب و صحیح ہونے کیلئے دیگر شرائط کے ساتھ چند مزید شرائط ہیں(۳)جمعہ کے آداب۔

جمعہ صحیح ہونے کیلئے چھ شرائط ھیں:

(۱)**وقت**۔جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے۔

حدیث:(۱)آپ ﷺ جمعہ کی نماز زوال کے بعد ادا فرماتے تھے۔(بخاری، مسلم)

(۲)حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے بعد قیلولہ اور دوپہر کا کھانا کھاتے تھے۔(صحیحین)

اگر کسی کی جمعہ فوت ہو جائے تو جمعہ کی صورت میں اس کی قضاء نہ کرے۔(بلکہ ظہر کی مکمل چار رکعت قضاء کرے)اگر وقت نکل جائے یا وقت کے نکل جانے میں شک ہو، یا صرف اتنا وقت باقی ہو، کہ اس میں صرف ارکان پر اکتفاء کرتے ہوئے دو خطبے اور دو رکعت ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو، تو جمعہ نہ پڑھیں، بلکہ ظہر ادا کریں۔ وقت میں جمعہ کی نماز شروع کرے اور دوران نماز وقت نکل جائے تو اسی نماز پر بناء کرتے ہوئے ظہر ادا کرے، اور ظہر کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جس وقت سے ظہر کا ارادہ کرے اسی وقت سے قراءت سراً پڑھے۔ دوران نماز وقت نکل جانے میں شک ہو تو جمعہ ہی پوری کریں۔ ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

جمعہ کی نماز میں کسی مسبوق کو امام کے ساتھ ایک رکعت مل گئی ہو، اور وہ اپنی دوسری رکعت پوری کرنے کیلئے کھڑا ہونے کے بعد سلام سے پہلے وقت نکل گیا تو اسی نماز پر بناء کرتے ہوئے ظہر پوری کرے۔ امام اور مقتدی حضرات پہلا سلام وقت میں پھیریں اور دوسرا سلام وقت نکل جانے کے بعد تو سب کی جمعہ صحیح ہو گی۔ اور اگر امام ہی پہلا سلام وقت نکل جانے کے بعد پھیرے تو سب کی جمعہ باطل ہو گی۔

امام اور بعض (یعنی ۳۹) مقتدی پہلا سلام وقت میں پھیریں، تو انکی تو جمعہ صحیح ہو گی، اور جو مقتدی وقت کے بعد سلام پھیریں ان کی جمعہ باطل ہو گی۔

اگر وقت میں سلام پھیرنے والوں کی تعداد چالیس سے کم ہو تو انکی بھی جمعہ باطل ہو گی۔(جمل ۲/ ۱۴)اگر امام اور مقتدی پہلا سلام وقت کے نکل جانے کو جانتے ہوئے وقت کے بعد پھیریں تو سب کی نماز باطل ہو گی (یعنی اب اسی پر بناء کرتے ہوئے ظہر پڑھنے کی بھی گنجائش نہیں)ہاں اگر نفل کی نیت کر کے سلام پھیرے تو صحیح ہے۔ اور اگر وقت کے نکلنے کا علم نہ ہو تو اسی نماز پر بناء کرتے ہوئے ظہر پوری کریں۔(حاشیۃ الجمل۔۲/ ۱۴)

(۲)**اقامت(آبادی)کی جگہ جمعہ ادا کی جائے:** یعنی ایسی آبادی میں جو جمعہ ادا کرنے والے حضرات کا وطن اصلی ہو، چاہے شہر ہو یا گاؤں، نیز اس آبادی کی عمارتیں پتھر کی ہوں، یا مٹی یا لکڑی کی، اگر زمین کے اندر یا پہاڑ میں مکانات بنا کر رہتے ہوں اور اسی کو وطن بنائے ہوئے ہوں تو وہاں پر ان کا جمعہ ادا کرنا صحیح ہے۔(حاشیۃ الجمل)

جو حضرات جنگل میں خیمہ بنا کر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہوں، چاہے موسم سرما یا گرما میں وہاں سے منتقل ہوتے ہوں یا نہ ہوتے ہوں، وہاں پر ان کا جمعہ ادا کرنا صحیح نہیں۔ کسی بستی یا شہر کی تمام عمارتیں منہدم ہو جائیں اور ان لوگوں کا وہاں عمارتیں بنانے کا قصد ہو تو اس بستی والوں پر وہاں جمعہ ادا کرنا لازم ہے، چاہے فی الحال کسی خیمہ میں رہتے ہوں یا اس کے علاوہ میں۔ کسی جگہ گاؤں بسانے کے ارادہ سے پڑاؤ

ڈالے ہوئے ہوں۔ تو وہاں پر عمارتیں بننے سے پہلے جمعہ ادا کرنا صحیح نہیں۔ (حاشیہ الجمل ۱۵/۲) جمعہ کا کسی مسجد یا گھر میں ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایسے کھلے میدان میں بھی جو شہر کے حدود میں داخل ہو، جمعہ ادا کرنا صحیح ہے۔ لیکن شہر کے باہر ایسے مقام پر جمعہ قائم کرنا درست نہیں جہاں سے مسافر کیلئے نماز میں قصر کی اجازت ملتی ہے۔

(۳) **ایک ہی بستی میں ایک سے زائد جمعہ نہ ہو:** اس لئے کہ آپ ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتی تھی۔ (حاشیۃ الروضہ) (بلاضرورت) ایک سے زائد جمعہ ہو جائیں تو اس کی چند صورتیں ہونگی۔

(الف) دونوں جمعہ یکے بعد دیگرے ادا ہوں تو جو جمعہ پہلے ہو، وہ صحیح ہوگی اور دوسری جمعہ باطل ہوگی، اور جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے مکمل ہوگی اس کی جمعہ صحیح ہوگی اگر ایک امام تکبیر تحریمہ کے ہمزہ کو پہلے کہے لیکن دوسرا امام تکبیر کی راء سے پہلے فارغ ہو جائے تو اس دوسرے امام کی جمعہ صحیح ہوگی۔ کسی جماعت کے جمعہ شروع کرنے کے بعد کسی نے آکر خبر دی کہ اس سے پہلے ایک جمعہ ہو چکی تو دوسری جماعت والوں کیلئے مستحب ہے کہ نئے سرے سے ظہر ادا کریں اور اسی پر بناء کرتے ہوئے ظہر پوری کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

(ب) دونوں جمعہ ایک ساتھ ادا ہو جائیں تو دونوں باطل ہیں اب جمعہ کی ادئیگی کیلئے وقت میں گنجائش ہو تو از سر نو جمعہ ادا کریں۔ (ورنہ پھر سب ظہر ادا کریں)

(ج) صورتِ حال کچھ سمجھ میں نہ آئے یعنی پتہ نہ چلے کہ آیا دونوں ایک ساتھ ادا ہوئیں یا یکے بعد دیگرے تو جمعہ کا اعادہ ضروری ہے۔ (نیز بعد میں ظہر پڑھنا مستحب ہے۔)

دونوں میں سے ایک کے بارے میں یقین ہے کہ وہ پہلے ادا ہوئی ہے، بعد میں التباس (شبہ) ہو گیا (یعنی پتہ نہ چلے کہ کون سی پہلے ہوئی) تو دونوں جماعتوں میں سے کوئی بھی جمعہ کی ادائیگی سے بری نہ ہوگا بلکہ سب کو ظہر ادا کرنا پڑے گی۔

(ھ) کسی ایک کے پہلے ہونے کا یقین ہے لیکن پہلے کونسی ادا کی گئی اس کے بارے میں شبہ ہو جائے، مثلاً مسجد کے باہر دو مریض یا دو مسافر کھڑے تھے، انہوں نے دونوں تکبیر تحریمہ کی آواز آگے پیچھے سنی، لیکن پہلے کون سی ہوئی اس کا انہیں علم نہیں ہو سکا، بعد میں آکر انہوں نے نمازیوں کو صورت حال بتادی، تو ایسی صورت میں بھی دونوں جماعتوں کو ظہر ادا کرنا پڑے گی (اگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ایک جگہ جمعہ پڑھنا دشوار ہو تو بقدر ضرورت ایک سے زائد جمعہ جائز ہے۔) (الفقہ المنہجی)

(۴) **چالیس آدمیوں کا ہونا:** چالیس سے کم کی صورت میں جمعہ منعقد نہ ہوگی۔

حدیث: حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے چالیس آدمیوں کی موجودگی میں جمعہ پڑھائی۔ (رواہ ابوداؤد)

اور چالیس آدمیوں کا مذکر مکلف، آزاد اور متوطن (باشندہ) ہونا ضروری ہے۔ اور بلا ضرورت وہاں سے موسم سرما اور گرما میں منتقل نہ ہوتے ہوں۔ اگر گرمی میں پڑاؤ ڈالیں اور سردی میں کوچ کریں یا اس کے برعکس کریں۔ تو ایسے لوگ متوطن (باشندے) نہیں کہلائیں گے۔ اور صرف ایسے لوگوں کی موجودگی میں جمعہ منعقد نہ ہوگی۔ کوئی شخص کسی بستی کا باشندہ اس وقت کہلائے گا جبکہ اس کا ایک ہی گھر ہو، لیکن اگر کسی کے دو مختلف شہر میں دو گھر ہوں تو وہ جہاں زیادہ رہتا ہو۔ وہیں کا باشندہ کہلائے گا۔ اور اگر دونوں جگہ برابر رہتا ہو تو جس جگہ اس کے اہل وعیال اور مال ہو۔ وہیں کا باشندہ شمار ہوگا، اگر کسی ایک بستی میں اہل وعیال ہوں اور دوسری بستی میں مال ہو تو جہاں اہل وعیال ہوں، وہیں کا باشندہ ہوگا اور اگر دونوں بستیاں تمام چیزوں میں برابر ہوں تو جمعہ کی ادائیگی کے وقت جہاں ہو وہیں کا باشندہ کہلائے گا۔ (اعانۃ ۸۵/۲، حاشیۃ البجیرمی ۱۷۰/۲) مریضوں سے جمعہ منعقد ہوتی ہے۔ امام کا چالیس آدمیوں میں شمار ہوگا۔ نماز کی طرح

دونوں خطبوں کے ارکان سننے کیلئے بھی چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے اگر چالیس کی تعداد تو موجود ہو مگر خطبہ شروع کرنے سے پہلے کم ہو جائیں، تو تعداد مکمل ہونے تک خطبہ کی ابتداء نہ کرے۔ اگر دوران خطبہ کم ہو جائیں۔ اور فوری طور پر واپس لوٹیں تو انکی غیر موجودگی میں جو رکن پڑھا گیا اس کا اعادہ کرتے ہوئے اسی خطبہ پر بناء کرے، اور اگر طویل فاصلہ کے بعد لوٹیں یا پہلے لوگوں کے بجائے دوسرے چالیس افراد آئیں، یا پہلے چالیس میں سے بعض آئیں اور بعض نہ آئیں البتہ دیگر بعض نئے افراد شامل ہو کر چالیس کی تعداد پوری ہو جائے تو ان تینوں صورتوں میں نئے سرے سے خطبہ دینا ضروری ہے۔ اگر خطبہ کے بعد کم ہو جائیں، اور فوری طور پر واپس لوٹیں تو اسی خطبہ سے جمعہ ادا کرے۔ اور طویل فاصلہ کے بعد لوٹیں، تو دوبارہ خطبہ دینا ضروری ہے کیونکہ خطبہ اور نماز دونوں کا پے در پے (متصل) ہونا ضروری ہے۔ فاصلہ کم زیادہ ہونے کا دارومدار عرف عام پر ہو گا (شروع ہی سے امام کے ساتھ شریک) چالیس افراد کے جانے سے پہلے دوسرے چالیس افراد آکر امام کے ساتھ مل جائیں پھر پہلے چالیس افراد چلے جائیں، تو اس سے جمعہ پر کوئی اثر نہ ہو گا، بلکہ جمعہ صحیح ہو گی۔ چاہے بعد میں آنے والے لوگوں نے خطبہ سنا ہو یا نہ سنا ہو۔ پہلے لوگوں کے چلے جانے کے بعد فوراً دوسرے چالیس افراد آکر امام کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ تو امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ اس شرط کے ساتھ صحیح ہو گی کہ بعد میں آنے والے افراد خطبہ کے وقت حاضر رہے ہوں۔ (حاشیۃالجمل ۲/۲۲) تکبیر تحریمہ کے بعد کچھ مقتدی چلے جائیں، اور بقیہ نماز میں تعداد چالیس سے کم رہے تو جمعہ باطل ہو گی۔ کیونکہ نماز پوری ہونے تک اتنی تعداد کا ہونا ضروری ہے۔ امام تکبیر تحریمہ کہے۔ اور مقتدی حضرات رکوع کے بعد آکر امام کے ساتھ شریک ہو جائیں تو جمعہ صحیح نہ ہو گی اور اگر رکوع سے پہلے آکے ملیں تو جمعہ صحیح ہو گی۔

(۵) **جمعہ کو باجماعت ادا کیا جائے:** اگر چالیس آدمیوں نے بھی اکیلے اکیلے جمعہ کی نماز پڑھی تو صحیح نہ ہو گی۔ اوراس میں جماعت کیلئے وہی شرائط ہیں جو دیگر نماز کیلئے ہیں، جمعہ کی نماز غلام، مسافر، ممیز، بچہ، متنفل (نفل پڑھنے والا) اور ایسے امام کے پیچھے جس کا نماز کے بعد محدِث (بے وضو) ہونا معلوم ہو جائے صحیح ہے۔ جبکہ چالیس کی تعداد ان کے بغیر پوری ہو جائے اور اگر تعداد ان کے سمیت پوری ہوتی ہو تو جمعہ صحیح نہ ہو گی۔ (اور محدث امام جمعہ کا اعادہ نہ کرے بلکہ ظہر ادا کرے۔ (المجموع ۴/۲۵۹) جمعہ ادا کرنے کے بعد چالیس یا بعض مقتدیوں کا محدث ہونا ظاہر ہو جائے تو محدث حضرات کی جمعہ صحیح نہ ہو گی۔ البتہ امام اور جو مقتدی محدث نہ ہوں انکی صحیح ہو گی۔ (جمل ۲/۲۳) سارے مقتدی حضرات غلام یا عورتیں ہوں تو اس سے امام کی بھی جمعہ نہ ہو گی۔ امام کا سہواً جمعہ یا جمعہ کے علاوہ کسی نماز میں زائد رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے بعد کوئی ایسا شخص جس کو امام کے سہو کا علم ہے۔ آکر اس رکعت میں امام کی اقتداء کر لے، تو اس کی نماز منعقد نہ ہو گی، چاہے اُسے پوری رکعت ملی ہو اور اگر سہو سے ناواقف ہو اور پوری رکعت ملی ہو تو مقتدی کی وہ رکعت شمار ہو گی۔ (اور جمعہ کی نماز میں وہ رکعت جمعہ ہی کی شمار ہو گی نہ کہ ظہر کی) اور امام کے سلام کے بعد اسی رکعت پر بناء کرے۔ لیکن اگر پوری رکعت نہ ملے بلکہ صرف رکوع ملے تو وہ رکعت شمار نہ ہو گی۔ محدث کے امام کو رکوع میں پانے سے وہ رکعت شمار نہیں ہوتی، اسی لئے محدث امام کو جمعہ کے دوسری رکعت کے رکوع میں پانے سے جمعہ حاصل نہ ہو گی۔

امام کے ساتھ ایک رکعت ملنے سے جمعہ مل جاتی ہے (چاہے پھر وہ رکعت ملفقہ کیوں نہ ہو) اور باقی ایک رکعت امام کے سلام کے بعد پوری کرے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے جمعہ کی ایک رکعت بھی پائی تو اس نے جمعہ کو پالیا، اور جسے ایک رکعت سے کم ملے وہ ظہر کی چار رکعات ادا کرے۔“ (دار قطنی۔ تلخیص)

اور اگر ایک رکعت بھی نہ ملے مثلاً دوسری رکعت کے رکوع کے بعد امام کو پالے تو جمعہ حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ سلام کے بعد ظہر ادا کرے، اور امام کی موافقت میں نیت جمعہ ہی کی کرے۔

امام کے ساتھ ایک رکعت پانے کی صورت میں اپنی دوسری رکعت کے تشہد میں بیٹھنے کے بعد یاد آیا کہ دو رکعتوں میں سے کسی ایک سے سجدہ چھوٹ گیا۔ اگر دوسری رکعت سے چھوٹ گیا ہے تو اسے جمعہ حاصل ہوگی مگر پھر ایک سجدہ کر کے تشہد لوٹا کر سجدہ سہو کرے اور سلام پھیرے اور اگر پہلی رکعت سے چھوٹ گیا یا شک ہو جائے تو اسے جمعہ حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ جو رکعت ادا کی ہے وہ ظہر کی شمار ہوگی۔

امام کو دوسری رکعت میں پانے کے بعد سلام سے پہلے شک ہو جائے کہ امام کے ساتھ ایک سجدہ کیا یا دو تو دوسرا سجدہ کر کے امام کے ساتھ مل جائے تو اسے جمعہ مل جائے گی۔ اور اگر سلام پھیرنے کے بعد شک ہو جائے تو جمعہ حاصل نہ ہوگی بلکہ سجدہ کر کے ظہر پوری کرے۔

دوران نماز نائب بنانے کا حکم

حدیث: آپ ﷺ کے مرض کے ایام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، لیکن آپ ﷺ نے جب کچھ افاقہ محسوس کیا تو نماز کیلئے تشریف لائے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (دوران نماز) پیچھے ہٹ گئے اور آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ (صحیحین)

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب نماز کی حالت میں نیزہ مارا گیا تو آپ نے اپنا نائب بنایا۔ (رواہ البیہقی۔ مغنی ۲/۷ ۲۹) جمعہ یا جمعہ کے علاوہ کسی اور نماز میں امام عمداً یا بلا عمد کے حدث پیش آنے یا اس کے علاوہ کسی اور سبب یا بلا کسی سبب کے نماز سے نکل جائے تو (بقیہ نماز پوری کرنے کیلئے) کسی کو نائب بنانا جائز ہے۔ چاہے امام کسی کو نائب بنائے یا مقتدی حضرات بنائیں، یا بذات خود کوئی آگے بڑھ کر نماز پڑھائے۔ اور اگر کوئی بھی آگے نہ بڑھے تو (مقتدی) تنہا نماز پوری کرے۔

نیابت کی تفصیل

نائب بنانے کا مسئلہ اگر جمعہ کی نماز میں پیش آئے تو اس کی تین حالتیں ہونگی۔ (۱) دوران خطبہ ایسی حالت میں ایسے شخص کو نائب بنانا صحیح ہے جس نے اس خطبہ کے گذرے ہوئے حصہ کو (یعنی جتنے ارکان پڑھے گئے اسے) سنا ہو۔ (۲) خطبہ اور نماز کے دوران (یعنی خطبہ پورا ہونے کے بعد نماز پڑھانے کیلئے نائب بنانا ہو تو) ایسے شخص کو بنائے جس نے پورا خطبہ (خطبہ کے ارکان) سنا ہو۔ (۳) دورانِ نماز ایسے مقتدی کو نائب بنانا صحیح ہے، جس نے امام کو حدث پیش آنے سے پہلے ہی اس کی اقتداء کی ہو۔ اور اس نائب نے اگر امام کو پہلی رکعت میں پایا ہو تو نائب اور مقتدی سب کی جمعہ صحیح ہوگی اور دوسری رکعت میں پایا ہو تو مقتدی کی جمعہ صحیح ہوگی، نائب کی نہیں، بلکہ نائب اسی نماز پر بناء کرتے ہوئے ظہر پوری کرے۔ منفرد (تنہا نماز پڑھنے والے) کو جمعہ کی نماز میں نائب بنانا صحیح نہیں (لیکن اگر کسی نے بنایا) تو نائب کی جمعہ صحیح نہ ہوگی۔ اس لئے کہ ایک جمعہ کے بعد دوسری جمعہ کا قیام ممنوع ہے۔ اور وہ نائب اگر اہل وجوب میں سے (یعنی ایسا شخص جس پر جمعہ واجب) ہو تو اس کی ظہر بھی صحیح نہ ہوگی کیونکہ جمعہ فوت ہونے سے پہلے ظہر ادا کرنا جائز نہیں، ہاں اگر وہ مسئلے سے ناواقف ہو تو اس کی یہ نماز نفل شمار ہوگی۔ اور اگر اہل وجوب میں سے نہ ہو اور ظہر کی نیت کر کے آگے بڑھا ہے تو اس کی ظہر صحیح ہوگی۔ اور مقتدی حضرات اگر اس نائب کی اپنی پہلی رکعت میں اقتداء کریں تو اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ اور دوسری رکعت میں کریں

تو اقتداء صحیح ہو گی۔ اور جمعہ ہی کی نماز پوری کریں۔ (جمل ۲/۶۵) جمعہ کے علاوہ دیگر کسی نماز میں نائب بنانے کی ضرورت پیش آئے تو اس میں مطلقاً جائز ہے۔ مقتدی کو بنائے یا منفرد کو، چاہے کسی بھی رکعت میں بنائے البتہ منفرد کو چار رکعت والی نماز میں دوسری اور چوتھی رکعت میں نائب بنانا ہے۔ تو دوبارہ اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے۔ امام کے مقابلے میں مقتدی حضرات کا کسی کو نائب بنانا زیادہ بہتر ہے، نائب ایسا ہونا ضروری ہے جو مقتدی حضرات کے امامت کے لائق ہو۔ مردوں کی امامت کیلئے عورت کو نائب بنائے تو صحیح نہیں، البتہ مردوں کی نماز اس سے باطل نہ ہو گی۔ ہاں اگر اس عورت کی اقتداء کی تو باطل ہو گی، فوری طور پر نائب بنانا ضروری ہے۔ فوری طور پر نہ بنائے بلکہ مقتدیوں کے ایک فعلی رکن ادا کرنے کے بعد یا اتنا زمانہ گذرنے کے بعد جس میں ایک رکن ادا کرنا ممکن ہو بنائے تو ایسی صورت میں جمعہ کے علاوہ دیگر نماز میں دوبارہ اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے۔ ورنہ نائب بنانا صحیح نہیں۔ البتہ جمعہ کی نماز میں تاخیر کی صورت میں مطلقاً نائب بنانا ممنوع ہے۔ دوبارہ اقتداء کی نیت کرے یا نہ کرے۔ (حاشیۃ البجیرمی ۲/۱۹۱) مسبوق کو نائب بنائے تو اس پر امام کے نماز کی ترتیب کی رعایت ضروری ہے۔ لہٰذا امام کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھے اور کھڑے ہونے کی جگہ کھڑے رہے لیکن اگر مسبوق کو امام کے نماز کی ترتیب کا علم نہ ہو، تو ایک رکعت پوری کرنے کے بعد مقتدی حضرات کو دیکھے، اگر مقتدی حضرات کا کھڑے ہونے کا ارادہ ہو تو یہ بھی کھڑا ہو، ورنہ پھر بیٹھ جائے، صبح کی دوسری رکعت میں ایسے مسبوق کو جو اسی رکعت میں شامل ہوا ہو نائب بنائے تو نائب دعائے قنوت بھی پڑھے۔ اور بیٹھ کر تشہد بھی پڑھے پھر اس کی اپنی دوسری رکعت میں بھی دعائے قنوت پڑھے۔ نائب کی اقتداء سے پہلے یا اقتداء کے بعد امام کو سہو پیش آیا، تو نائب اولاً سابق امام کی نماز کے آخر میں، پھر اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے۔ نائب سابق امام کے ترتیب کے مطابق نماز پوری کرنے کے بعد سلام سے پہلے اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کیلئے کھڑا ہو جائے، تو مقتدی حضرات کو اختیار رہے گا، چاہیں تو اس نائب سے مفارقت کی نیت کرکے سلام پھیریں یا بیٹھ کر امام کا انتظار کرتے رہیں اور امام کے ساتھ سلام پھیریں (اور یہی صورت افضل ہے المجموع۔ ۴/۵۸۱) دوسری رکعت میں بنائے گئے نائب کی کوئی مسبوق اُسی رکعت میں اقتداء کرے تو مسبوق کی جمعہ صحیح ہو گی، نائب کی نہیں۔ جن لوگوں کو امام کے ساتھ پہلی رکعت ملے ان کی ہر حال میں جمعہ صحیح ہو گی، ایسے لوگ اگر کسی ظہر یا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کریں، تو کوئی حرج نہیں۔ امام کو حدث پیش آنے سے پہلے نائب کو سہو لاحق ہو تو نائب کو سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ امام اس کا تحمل کرے گا۔ البتہ حدث کے بعد سہو لاحق ہوا تو نائب اور مقتدی حضرات سبھی کو سجدہ سہو کرنا مسنون ہے۔

مقتدی کو امام کے حدث سے پہلے یا نیابت کے بعد سہو لاحق ہوا تو مقتدی کو سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر امام کے حدث کے بعد اور نیابت سے پہلے کسی مقتدی کو سہو پیش آیا تو نائب کے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرلے۔ جمعہ اور دیگر نمازوں میں نائب کے اقتداء کی نیت کرنا ضروری نہیں (کیونکہ نائب پہلے امام کے قائم مقام ہے)

جمعہ کی پہلی رکعت میں امام کو حدث وغیرہ پیش آنے کی صورت میں امام کسی کو نائب نہ بنائے، تو مقتدیوں پر کسی کو نائب بنانا واجب ہے۔ اور دوسری رکعت میں مندوب ہے، اگر مسبوق کی طرح تنہا اپنی نماز پوری کریں تب بھی جمعہ صحیح ہو گی۔ امام کے ساتھ ایک رکعت ادا کرنے کے بعد کسی عذر سے یا عذر کے بغیر امام سے الگ ہو جائے تو اس سے نماز باطل نہ ہو گی بلکہ (تنہا) جمعہ پوری کرے۔ جمعہ کی نماز میں امام کی نماز مکمل ہونے کے بعد مسبوق حضرات کسی اور کو امام نہ بنائیں (بلکہ اپنی نماز تنہا مکمل کریں) کیونکہ ایک جمعہ کے بعد دوسری جمعہ کا قیام ممنوع ہے اسی طرح دیگر نمازوں میں بھی مسبوق امام کی نماز کے بعد یا مقیم مقتدی مسافر امام کی دو رکعت پر سلام کے بعد کسی

اور کو امام نہ بنائیں کیونکہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو چکی، اب تنہا اپنی اپنی نماز مکمل کر لینا کافی ہے۔

فصل۔ ازدحام کا مسئلہ

(فتح الوھاب سے ماخوذ ہے)

جو شخص جمعہ یا دیگر نماز میں بھیڑ یا بھول کی وجہ سے پیچھے رہنے کی صورت میں امام کے ساتھ پہلی رکعت میں زمین پر سجدہ نہ کر سکے، تو جس پر سجدہ کرنا ممکن ہو (مثلاً کسی کی پیٹھ پر) تو اس پر کرنا لازم ہے۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! جب سخت بھیڑ ہو جائے (اور تم میں سے کوئی زمین پر سجدہ نہ کر سکے) تو اپنے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کرے (رواہ البیہقی باسنادہ صحیح) کسی چیز پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو سجدہ کرنے کیلئے موقع کا انتظار کرتا رہے، اگر دوسری رکعت میں امام کے رکوع میں جانے سے پہلے موقع ملے، تو سجدہ کر کے امام جس حالت میں ہو اس میں جا کر ملے چاہے امام قیام میں ہو یا رکوع میں (سجدہ کے بعد) امام قیام میں ملے تو مسبوق کی طرح قرأت پڑھنا شروع کر دے لیکن امام قرأت پوری ہونے سے پہلے رکوع میں چلا جائے تو قرأت روک کر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے، اور اگر (سجدہ کے بعد) امام رکوع میں ملے تو رکوع میں شریک ہو جائے (اور امام کے اقل رکوع کی حد سے اٹھنے سے قبل اسے رکوع میں طمانیت حاصل ہو چکی ہو تو یہ رکعت شمار ہو گی ورنہ نہیں۔) (جمل) اور امام رکوع سے اٹھ چکا ہو تو جس حالت میں ہو اس میں اس کی موافقت کرے۔ اور سلام کے بعد ایک رکعت ادا کرے۔ کیونکہ ایک رکعت فوت ہو چکی اور اگر سجدہ سے سر اٹھانے سے پہلے ہی امام سلام پھیر چکا ہو، تو اس مقتدی کی جمعہ فوت ہو گئی اب اسی نماز کو آگے بڑھاتے ہوئے ظہر پوری کرے (اور سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد امام سلام پھیرے تو جمعہ فوت نہ ہو گی۔) (حاشیۃ الجمل)

اگر امام کے دوسری رکعت میں رکوع میں جانے کے بعد سجدہ کا موقع ملے تو (اب سجدہ نہ کرے بلکہ) امام کے ساتھ رکوع کرے اور اس کی یہ رکعت مُلَفَّقَہ (یعنی جو پہلی رکعت کے رکوع اور دوسری رکعت کے سجدہ سے مل کر پوری ہوئی) کہلائے گی۔ لیکن اگر امام کے ساتھ رکوع نہیں کیا بلکہ عمداً اور جانتے ہوئے اپنی نماز کی ترتیب کے مطابق سجدہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو گی، ایسی صورت میں امام کو رکوع میں پانا ممکن ہو تو دوبارہ جمعہ کیلئے تکبیر تحریمہ باندھنا ضروری ہے۔

البتہ بھول کر یا لاعلمی کی وجہ سے اپنی نماز کی ترتیب کے مطابق سجدہ کیا، تو اس سے نماز باطل نہ ہو گی، لیکن اس کا یہ سجدہ شمار بھی نہ ہو گا۔ اب سجدہ کے بعد رکوع کو طویل کرنے کی وجہ سے امام کو رکوع میں پائے تو موافقت ضروری ہے۔

اور سجدہ میں پائے تو دوبارہ امام کے ساتھ سجدہ کرے اور یہ سجدہ شمار ہو گا۔ اور یہ رکعت ملفقہ کہلائے گی اور جمعہ بھی حاصل ہو گی۔

امام کو تشہد میں پائے تو موافقت ضروری نہیں بلکہ پہلی رکعت کی تکمیل کیلئے دو سجدے کرے۔ اور سلام کے بعد ایک رکعت ادا کرے۔ اور اس سے اُسے جمعہ حاصل ہو گی (جمل۔ ۲/۶۵) اور اگر کھڑے ہو کر رکوع وغیرہ کر کے دوبارہ سجدہ کرے تو اس کا یہ سجدہ شمار ہو گا اور ان سجدوں کی وجہ سے اس کی ایک رکعت مکمل ہو جائے گی اور یہ ملفقہ رکعت شمار ہو گی (یعنی پہلی رکعت کے رکوع اور ان دوسرے دو سجدوں سے مل کر پوری ہوئی) لیکن یہ سجدے اگر امام کے سلام سے پہلے ادا ہوں تو جمعہ حاصل ہو گی ورنہ نہیں۔ اگر امام کے دوسری رکعت کے سجدہ میں جانے کے بعد سجدہ کا موقع ملے تو سجدہ میں امام کی موافقت کرے۔ اور اسے یہ ملفقہ رکعت حاصل ہو گی۔ (یعنی پہلی رکعت کے رکوع اور دوسری رکعت کے سجدہ سے مل کر مکمل ہوئی۔) اگر امام کے تشہد میں بیٹھنے کے بعد موقع ملے تو سجدہ

کرے۔ اب اگر امام کو سلام سے پہلے پائے تو جمعہ مل جائے گی ورنہ نہیں۔ امام کے ساتھ پہلی رکعت مکمل کرنے کے بعد دوسری رکعت کے سجدہ میں بھیڑ ہو جائے تو امام کے سلام سے پہلے یا بعد، جب بھی موقع ملے سجدہ کرے اور اس کی جمعہ صحیح شمار ہو گی۔

چھٹی شرط۔ نماز سے پہلے دو خطبے ہوں

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے جس میں درمیان میں بیٹھتے تھے۔(صحیحین)

خطبہ کے ارکان: خطبہ کے پانچ ارکان ہیں۔(۱) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا۔

حدیث:(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے۔(مسلم)

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا۔ حمد اور درود میں لفظ حمد اور لفظ صلاۃ کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی ان دونوں کا مادّہ پایا جانا ضروری ہے بعینہ لفظ ''اَلْحَمْدُ'' اور لفظ الصلاۃ ضروری نہیں جیسے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَحْمَدُ اللّٰہَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ یَا اُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' کہے اور حمد میں لفظ اللہ کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ''اَلْحَمْدُ لِلرَّحْمٰنِ یَا اَلْحَمْدُ لِلرَّحِیْمِ'' کہے۔ تو کافی نہ ہو گا۔ درود میں لفظ محمد کا ہونا ضروری نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں سے کوئی بھی اسم ظاہر ہو تو کافی ہے، جیسے ''اُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا اُصَلِّیْ عَلٰی اَحْمَدَ'' کہے(حاشیۃ الجمل ۲/۲۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نہ لیتے ہوئے صرف ''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ'' ضمیر کے ساتھ کہے تو یہ کافی نہیں۔ چاہے اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر گذر چکا ہو، آپ کے آل اور اصحاب کو بھی درود میں شامل کرنا مستحب ہے۔

(۳) تقوی کی وصیت کرنا

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے اور درمیان میں بیٹھتے۔ قرآن کی تلاوت فرماتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے۔''(رواہ مسلم)

اور لفظ وصیت کا ہونا ضروری نہیں۔ اسلئے کہ اس سے مقصود وعظ و نصیحت کرنا ہوتا ہے جو دیگر لفظ سے بھی حاصل ہو گا۔ وصیت میں صرف دنیا کے دھوکے اور اس کی خوبصورتی سے ڈرانے پر اکتفاء کرنا کافی نہیں، کیونکہ منکرین شریعت بھی اس کی وصیت کرتے ہیں۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ابھارنا اور معاصی سے روکنا ضروری ہے۔ اور نصیحت میں طویل کلام کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ صرف ''اَطِیْعُوْا اللّٰہَ'' کہے۔ تب بھی کافی ہے۔ مذکورہ تینوں ارکان کا دونوں خطبوں میں پایا جانا ضروری ہے۔

(۴) دوسرے خطبہ میں مومنین کیلئے امور آخرت سے متعلق دعا مانگنا۔ اگر صرف پہلے خطبہ میں مانگے تو وہ شمار نہ ہو گی، ایسی دعا کا ہونا ضروری ہے، جس پر دعا کا اطلاق ہو سکے صرف سامعین کیلئے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے ''رَحِمَکُمُ اللّٰہُ'' کہنا(اللہ تم پر رحم کرے)

(۵) دو خطبوں میں سے کسی ایک میں قرآن پڑھنا۔ لیکن پہلے خطبہ میں پڑھنا افضل ہے(اور پہلے خطبہ کے آخر میں پڑھنا مسنون ہے۔ حاشیۃ الجمل ۲/۲۶) اور کم سے کم ایک آیت پڑھے۔ اور آیت کا مُفْہِم ہونا ضروری ہے(یعنی ایسی آیت پڑھے جس میں وعدہ وعید۔ قصہ یا کوئی حکم شرعی ہو) اگر کسی نے صرف سورہ مدثر کی آیت ''ثُمَّ نَظَرَ'' پڑھی تو یہ کافی نہیں کیونکہ اس میں نہ وعدہ و وعید کا ذکر ہے اور نہ قصہّ و حکم شرعی گرچہ ایک پوری آیت ہے۔ ہر جمعہ میں پہلے خطبہ کے آخر میں پوری سورہ ''ق'' پڑھنا مسنون ہے(رواہ مسلم) اور اصل سنت کے حصول کیلئے اس سورۃ کا کچھ حصہ پڑھنا بھی کافی ہے۔ اور اس کے لئے سامعین حضرات کی رضامندی ضروری

نہیں جیسے کہ جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور منافقون پڑھنے کیلئے مقتدیوں کی رضامندی ضروری نہیں(جمل ۲/۲۶)اگر خطبہ میں کوئی آیت سجدہ پڑھے اور منبر پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو نیچے اتر کر کرے۔ اور ممکن ہو تو اس پر ہی سجدہ کرے۔ اگر منبر پر ممکن نہ ہو مگر منبر بھی اتنا بلند ہو کہ نیچے اتر کر سجدہ کرنے تک طویل فاصلہ ہو جائے گا، تو سجدہ نہ کرے۔ کوئی خطیب آیت موعظت(نصیحت کی آیت) پڑھ کر اسے بیک وقت دو رکن(مثلاً تقوی کی وصیت اور قرأت قرآن) کی طرف سے ادا کرنے کا قصد کرے تو یہ صحیح نہیں(اس سے صرف قرأت کا رکن ادا ہو گا۔جمل ۲/۲۶)۔اگر خطبہ میں چند ایسی آیتیں پڑھے جس میں خطبہ کے ارکان کا ذکر ہو تو یہ صحیح نہیں کیونکہ اسے خطبہ نہیں کہا جائے گا۔ البتہ اگر کسی آیت کے ضمن میں بعض ارکان آجائیں تو حرج نہیں۔

خطبہ کا عربی میں ہونا ضروری ہے۔ اگر ان میں ایک بھی عربی میں خطبہ دینے والا نہ ہو تو دوسری زبان میں خطبہ دے۔ اور تمام پر بطور فرض کفایہ عربی خطبہ سیکھنا واجب ہے۔ کسی ایک نے بھی سیکھ لیا تو کافی ہے ورنہ سب گنہگار ہونگے۔ اور ایسی صورت میں انکی جمعہ صحیح نہ ہو گی بلکہ ظہر ادا کرنا پڑے گی۔

خطبہ کے شرائط

خطبہ کے چھ شرائط ھیں (۱)وقت۔ خطبہ کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اگر خطبہ کا تھوڑا حصہ بھی وقت سے پہلے پڑھے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد جمعہ پڑھتے تھے اور زوال کے بعد خطبہ دیتے تھے۔ (رواہ البخاری)

(۲)دونوں خطبوں کا نماز سے پہلے پایا جانا۔(۳) قیام(کھڑے رہنے پر) قدرت ہو تو دونوں میں قیام کرنا۔

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔(رواہ مسلم، ابوداؤد) کھڑے ہونے سے عاجز ہو تو بہتر ہے کہ کسی کو نائب بنائے۔ عاجز ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر یا لیٹ کر خطبہ دے تو یہ جائز ہے اور ایسے شخص کی اقتداء بھی جائز ہے۔ خطبہ کے بعد معلوم ہو جائے کہ وہ قیام پر قادر تھا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ امام کا نماز کے بعد محدث ہونا معلوم ہو جائے۔ اور اس کا حکم پیچھے گذر چکا ہے۔

(۴)دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے اور دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے(مسلم) اور بیٹھنے میں طمانیت واجب ہے، عاجز ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دے تو دونوں کے درمیان فصل کیلئے لیٹنے کی ضرورت نہیں بلکہ تھوڑی دیر سکتہ اختیار کرلے اور یہ سکتہ واجب ہے۔

(۵)حدث اصغر و اکبر سے بدن، کپڑا و مکان کا نجاست سے پاک ہونا، اور ستر عورت بھی ضروری ہے۔ دونوں خطبوں اور ان کے ارکان اور خطبہ و نماز کے درمیان تسلسل(موالات)ضروری ہے۔

دوران خطبہ خطیب کو حدث لاحق ہو جائے، تو حالت حدث میں جو کچھ پڑھا گیا وہ شمار نہ ہو گا(اور دوسرے کو نائب بنانا جائز ہے۔ نائب پڑھے ہوئے خطبہ پر بناء کرے۔جمل ۲/۲۸)اور اگر خطیب خود پاکی حاصل کر کے واپس لوٹے تو نئے سرے سے خطبہ دینا

ضروری ہے چاہے فاصلہ طویل ہو یا کم۔

(۶) اتنی بلند آواز میں خطبہ دے کہ اسے ایسے چالیس افراد سن سکیں جنکے ذریعے جمعہ منعقد ہوتی ہے۔ اتنا آہستہ خطبہ دے کہ اس کے علاوہ دوسرا کوئی سن نہ سکے تو یہ خطبہ شمار نہ ہو گا۔ تمام حاضرین یا بعض بہرے ہونے یا دور ہونے یا سونے کی وجہ سے خطبہ نہ سن سکیں تو خطبہ صحیح نہ ہو گا (تمام خطبہ سن رہے ہوں لیکن اس کا مفہوم سمجھ میں نہ آرہا ہو تب بھی خطبہ درست ہو گا)

تمام حضرات خطیب کی جانب متوجہ ہو کر خاموشی سے خطبہ سنیں۔ جس آدمی کو خطبہ سنائی دے اسے خاموش رہنا سنت ہے۔

حدیث: آپ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، کہ ایک شخص آکر پوچھنے لگا قیامت کب ہے۔ تو صحابہؓ نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ خاموش نہ رہا، تو تیسری مرتبہ کے بعد آپ ﷺ نے اس سے پوچھا "تونے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ تو اس نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی محبت ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو (قیامت کے دن) اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا (رواہ البیہقی، والنسائی) حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے نہ اس پر نکیر فرمائی اور نہ اس سے کہا کہ خاموش رہنا واجب ہے۔

لیکن جسے خطبہ سنائی نہ دے اسے اختیار ہے چاہے تو خاموش رہے یا ذکر وغیرہ میں مشغول رہے۔ خطیب کیلئے بھی خطبہ کے دوران خاموش رہنا سنت ہے (یعنی خطبہ کے علاوہ کوئی اور گفتگو نہ کرے) ہاں اگر کوئی اہم کام مقصود ہو، مثلاً کسی اندھے کو کنویں میں گرتے ہوئے یا کسی آدمی پر بچھو وغیرہ رینگتے ہوئے دیکھے، تو اس کو بچانے کیلئے یا کسی شخص کو خیر کی بات سکھلانا یا کسی گناہ کے کام سے روکنا ہو تو بات کر سکتا ہے لیکن اشارہ پر اکتفاء کرنا مستحب ہے۔ اور جہاں تک ہو سکے بات نہ کرے۔

حدیث: (۱) اللہ کے رسول ﷺ نے خطبہ کے دوران ابن ابی الحقیق کے قاتلوں اور کیفیتِ قتل کے متعلق سوال کیا (رواہ البیہقی۔ تلخیص الحبیر)

(۲) آپ ﷺ نے خطبہ کے دوران "سلیک غطفانی سے کلام فرمایا تھا" (مسلم) خطبہ کی ابتداء سے پہلے اور فراغت کے بعد اور دونوں کے درمیانی وقفہ میں بات کرنا جائز ہے۔ دوران خطبہ مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے بیٹھنے سے پہلے بات کرنا جائز ہے لیکن بیٹھنے کے بعد خاموش رہنا سنت ہے۔

دوران خطبہ داخل ہونے والے کا سلام کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر سلام کرے تو سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ چھینکنے والے کی حمد کا جواب دینا سنت ہے۔ خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد جو آدمی نماز کی حالت میں نہ ہو، وہ نماز شروع نہ کرے گرچہ اس نے سنت نہ پڑھی ہو۔ اور جو نماز میں ہو وہ اپنی نماز مختصر اور ہلکی پڑھے۔

دوران خطبہ نماز شروع کرنے کی ممانعت ہر ایک کیلئے ہے، چاہے اسے خطبہ سنائی دے یا نہ سنائی دے، دوران خطبہ مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد کی مختصر دو رکعت پڑھنا مستحب ہے (یعنی صرف واجبات ادا کرے۔ قلائد ۱/۱۷۱)

حدیث: حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن دوران خطبہ آکر بیٹھ گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے سلیک کھڑے ہو جاؤ۔ اور مختصر سی دو رکعت ادا کرو" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی خطبہ کے دوران آئے تو مختصر سی دو رکعت ادا کرے۔ (مسلم)

اگر سنت نماز نہیں پڑھی ہے تو سنت نماز پڑھے، اور تحیۃ المسجد کا ثواب سنت کے ضمن میں مل جائے گا (بہتر یہ ہے کہ دونوں کی

نیت کرے۔)(جمل)خطبہ کے آخر میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نماز نہ پڑھے، تاکہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو جائے(بلکہ نماز شروع ہونے تک کھڑا رہے تاکہ تحیۃ المسجد کا ثواب فوت نہ ہو جائے۔)(جمل۔ ۲/ ۳۱)خطبہ کی نیت اور خطبہ کے فرض ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں(جمل ۲/ ۲۷)

خطبہ کے ارکان کے درمیان ترتیب ضروری نہیں، بلکہ سنت ہے۔ لہٰذا حمد سے ابتداء کرے پھر درود پڑھے، پھر تقویٰ کی وصیت پھر قرأت، اور پھر دعا کرے(فتح الوھاب)

خطبہ کی سنتیں

(۱)منبر پر خطبہ دے۔

حدیث: منبر بننے کے بعد آپ ﷺ منبر پر خطبہ دیتے تھے(متفق علیہ) منبر کا محراب کے دائیں جانب ہونا مستحب ہے۔ اور مسجد کے وسیع نہ ہونے کی صورت میں منبر کا اتنا وسیع ہونا جس سے مصلیوں کو تنگی ہو، مکروہ ہے۔ اگر منبر نہ ہو تو کسی بلند جگہ پر خطبہ دے۔(۲)امام جب منبر کے پاس پہنچے تو وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرے۔ جیسا کہ ابن عدی کی روایت میں وارد ہے۔(تلخیص ۲ /۵۷۷)(۳)منبر پر چڑھتے ہوئے جب اس سیڑھی تک پہنچے جس پر خطیب بیٹھتا ہے(جسے مستراح کہا جاتا ہے)تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر سلام کرے۔(۴)سلام کے بعد اس مستراح پر بیٹھے جیسا کہ بخاری میں ثابت ہے۔

(۵)امام کے بیٹھنے کے بعد موذن (خطیب کے سامنے کھڑے ہو کر) اذان دینا شروع کرے، اور اذان پوری ہونے تک خطیب بیٹھا رہے۔ مستحب یہ ہے کہ جمعہ کیلئے صرف ایک ہی موذن اذان دے(بخاری)

(۶)خطبہ فصیح و بلیغ ہو اس میں گھٹیا اور بالکل نادر قسم کے کلمات نہ ہوں، بلکہ ایسا ہو جو جلد سمجھ میں آئے۔

(۷)خطبہ نہ بہت طویل ہو اور نہ بہت مختصر بلکہ درمیانی ہو۔

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آپ ﷺ کی نماز اور خطبہ متوسط ہوا کرتا تھا(مسلم)

(۸)خطبہ کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ اور لوگوں کی جانب چہرہ ہو۔ اور خطبہ دیتے وقت دائیں بائیں نہ مڑے بلکہ خطبہ پورا ہونے تک لوگوں کی طرف متوجہ رہے، اگر قبلہ رو ہو کر خطبہ دے تب بھی جائز ہے۔

حدیث: آپ ﷺ خطبہ کے وقت لوگوں کی طرف رخ فرماتے اور تمام لوگ آپ کی طرف اور آپ دائیں بائیں نہ مڑتے۔ (تلخیص)

(۹)دونوں خطبوں کی درمیانی نشست سورہ اخلاص کے بقدر ہو۔ اور اس نشست میں کچھ تلاوت کرے۔(ابن حبان) سورہ اخلاص کی تلاوت افضل ہے۔(جمل۔ ۲/ ۳۶)

(۱۰)خطبہ دیتے وقت بائیں ہاتھ میں تلوار یا عصا وغیرہ ہو۔ اور دایاں ہاتھ منبر کے کنارے رکھے۔

حدیث: آپ ﷺ خطبہ میں کمان پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔(رواہ ابو داود۔ تلخیص)اگر کوئی چیز نہ ملے تو دونوں ہاتھوں اور جسم کو اس طریقے پر ساکن رکھے، کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔ یا دونوں ہاتھ چھوڑے رکھے۔(اور اگر دایاں ہاتھ منبر کے کنارے اور بایاں ہاتھ چھوڑے رکھے تب بھی کوئی حرج نہیں۔جمل ۲ /۳۶)اس سے مقصود یہ ہے کہ خطبہ دیتے وقت خشوع کی کیفیت ہو

اور ہاتھ سے کوئی عبث اور فضول حرکت نہ ہو۔

(۱۱)خطیب کی طرف متوجہ ہو کر دھیان و توجہ سے خطبہ سنے، کسی دوسرے چیز میں مشغول نہ ہو یہاں تک کہ لذت کے طور پر کوئی چیز پینا بھی مکروہ ہے، لیکن پیاس کی وجہ سے پینے میں کوئی حرج نہیں، نہ خطیب کیلئے اور نہ دیگر لوگوں کیلئے۔

(۱۲)خطبہ سے فراغت کے بعد منبر سے نیچے اترے اور موذن اقامت شروع کرے اور اقامت پوری ہوتے ہی جلد محراب میں پہنچ کر نماز شروع کرے۔(۱۳)خطبہ کو "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ" سے ختم کرے۔(المجموع۔ ۴/۵۲۹)

(۱۴)خطیب کو خطبہ کے وقت حاضر ہونا سنت ہے۔(المجموع ۴ /۵۲۹)دیگر حضرات کیلئے جلد از جلد مسجد پہنچنا سنت ہے۔(فتح الوھاب)

(۱۵)خطبہ میں آپ ﷺ کا اسم گرامی یا وصف یا آیت "ان اللہ وملائکتہ" الخ پڑھی جائے تو معمولی آواز سے درود پڑھنا مسنون ہے، آواز زیادہ بلند کرنا مکروہ ہے، نیز خطبہ میں صحابہ کرام کے اسماء پر آہستہ رضی اللہ عنہ اور دعا پر آمین کہنا مستحب ہے۔(اعانۃ ۲ /۸۷)

(۱۶)جمعہ کیلئے جاتے وقت طویل راستہ سے چل کر جانا اور چھوٹے راستے سے چل کر یا سوار ہو کر واپس لوٹنا سنت ہے فتح الوھاب)

خطبہ کے مکروہات

(۱)دوسرے خطبہ میں (بالخصوص) آپ ﷺ پر درود پڑھتے وقت دائیں بائیں مڑنا۔(المجموع ۴/۵۲۹)

(۲)منبر پر چڑھتے وقت عصاء وغیرہ منبر کی سیڑھی پر زور سے رکھنا۔

(۳)خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد اور بیٹھنے سے پہلے دعا کرنا۔ بعض جہلاء کا خیال ہے کہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے حالانکہ قبولیت کی گھڑی منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے۔

(۴)بادشاہوں کیلئے دعاء کرتے وقت انکے اوصاف میں مبالغہ کرنا۔ خطبہ میں بادشاہ کیلئے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کی تعریف میں مبالغہ نہ کیا جائے، مسلمان حاکموں کی اصلاح کیلئے دعا کرنا مستحب ہے۔

(۵)دوسرا خطبہ بہت تیزی سے پڑھنا۔

(۶)احتباء(یعنی گوٹ مار کر بیٹھنا) کیونکہ ابو داود اور ترمذی کی روایت میں آپ ﷺ نے اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ منبر وسیع ہو تو(خطبہ کیلئے)اس کے دائیں جانب کھڑا ہونا مستحب ہے۔ خطیب کیلئے خطبہ کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

خطیب پر بیہوشی طاری ہو جائے تو کسی کو اس کا نائب بنا کر اسی خطبہ پر بناء کرنا جائز نہیں بلکہ از سر نو خطبہ دینا ضروری ہو گا۔ (جمل۔۲۲۹)

دوسرا باب۔ جن پر جمعہ فرض ہے۔

حدیث: جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ البتہ چار لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ غلام، عورت، بچہ اور مریض(ابوداود)اور دار قطنی کی روایت میں مسافر کا بھی ذکر ہے۔

جمعہ واجب ہونے کیلئے پانچ شرائط ہیں

(۱)**مکلف ہونا:** بچے، مجنون اور بیہوش پر جمعہ فرض نہیں، البتہ جو نشہ کی حالت میں ہو، اس پر دیگر نمازوں کی طرح جمعہ بھی ظہر کی صورت میں قضاء کرنا واجب ہے۔

(۲)**آزاد ہونا:** کسی بھی قسم کے غلام پر جمعہ واجب نہیں۔ آقا غلام کو جمعہ کیلئے جانے کی اجازت دے تو غلام کا جمعہ کیلئے آنا مستحب ہے واجب نہیں۔

(۳)**مذکر ہونا:** عورت اور خنثیٰ مشکل پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۴)**مقیم ہونا:** مسافر پر جمعہ نہیں لیکن جمعہ کیلئے آنا مستحب ہے اسی طرح بچے کیلئے آنا ممکن ہو تو اس کے لئے بھی جمعہ مستحب ہے۔

(۵)**صحت مند ہونا۔** مریض پر جمعہ فرض نہیں خواہ مریض کے نہ آنے کی صورت میں تعداد کم ہونے کی وجہ سے دیگر لوگوں کی جمعہ فوت ہو جائے۔ جن پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ ان سے جمعہ منعقد نہ ہو گی۔ (یعنی مطلوبہ چالیس افراد میں ان کا شمار نہ ہو گا) بجز مریض کے (یعنی مریض مشقت برداشت کر کے جمعہ میں حاضر ہو جائے تو اس کا شمار مطلوبہ تعداد میں ہو گا)

غلام، بچے، عورت، مسافر، وغیرہ (مسجد میں آکر) جمعہ ادا کریں تو ان کی جمعہ منعقد ہو گی۔ ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ مجنون اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ اس کا نماز پڑھنا ہی صحیح نہیں۔ مذکورہ حضرات (یعنی غلام۔ مسافر۔ وغیرہ) جمعہ کیلئے آئیں، تو انہیں جمعہ پڑھے بغیر واپس جاکر ظہر پڑھنے کی اجازت ہے، سوائے مریض کے، کہ وہ وقت شروع ہونے کے بعد آئے اور نماز کھڑی ہو چکی ہو، یا نماز کے انتظار میں زیادہ ضرر کا اندیشہ نہ ہو، تو اسے جمعہ پڑھے بغیر واپس لوٹنے کی اجازت نہیں۔ البتہ اگر ضرر کا اندیشہ ہو، گرچہ جماعت کھڑی ہو چکی ہو مثلاً دست کی شکایت ہو، تو جمعہ پڑھنا لازم نہیں (بلکہ واپس لوٹ کر ظہر پڑھے) اور اگر وقت سے پہلے ہی جمعہ کے لئے آیا ہے تو مریض کیلئے بھی واپس لوٹنا جائز ہے (فتح الوھاب)

مذکورہ حکم میں مریضوں کے ساتھ دیگر عذر والے بھی شامل ہیں جن کا عذر مرض سے مشابہ ہے۔

اور یہ مذکورہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ مذکورہ حضرات نے ابھی جمعہ کی نماز شروع نہ کی ہو، اگر شروع کر چکے ہوں۔ تو واپس لوٹنا جائز نہیں (بلکہ جمعہ پوری کرنا ضروری ہے) جن اعذار کی وجہ سے جماعت کا چھوڑنا جائز ہے ان میں سے کوئی بھی ممکن عذر جمعہ میں پایا جائے تو جمعہ کا چھوڑنا بھی جائز ہے۔ راستے میں بہت زیادہ کیچڑ ہونے کی وجہ سے جمعہ اور جماعت چھوڑنا جائز ہے۔

مریض کی تیمارداری کیلئے اگر کوئی قریبی رشتہ دار ہو، اور مریض نزع کے عالم میں ہو، یا نزع کے عالم میں تو نہ ہو، البتہ مریض اس سے مانوس ہو (اور اس کی موجودگی اس کے لئے تسلی و اطمینان کا باعث ہو) تو اُسے جمعہ چھوڑ کر مریض کے پاس رہنے کی اجازت ہے، اور اس سے مانوس نہ ہو تو جمعہ چھوڑنا جائز نہیں۔ تیمارداری کرنے والا کوئی اجنبی ہو تو اُسے بھی جمعہ چھوڑنا جائز نہیں۔ غلام، بیوی دوست۔ اور سسرالی رشتہ دار قریبی رشتہ دار کے مانند ہیں۔ مریض کی تیمارداری کیلئے کوئی نہ ہو تو امام الحرمین وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کے پاس نہ رہنے کی صورت میں اگر اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کی تیمارداری کرنے والے سے بھی جمعہ ساقط ہو گی۔ چاہے مریض قریبی ہو یا اجنبی۔ کیونکہ مسلمان کو ہلاکت سے بچانا فرض کفایہ ہے۔

مریض کو ایسی ظاہری تکلیف ہو، جس کا دور کرنا فرض کفایہ نہ ہو، تب بھی جمعہ کے ساقط ہونے کیلئے یہ ایک عذر ہے۔ (یعنی اس کی تیمارداری کرنے والے سے جمعہ ساقط ہو گی) مریض کی دیکھ بھال کیلئے آدمی تو موجود ہے، البتہ اس کی دوائیاں خریدنے یا قریب المرگ ہونے کی

وجہ سے کفن خریدنے اور قبر کھودنے میں مشغول ہو۔ جس کی وجہ سے خدمت کیلئے فارغ نہ ہو تو گویا اس کی تیمار داری کیلئے کوئی نہیں ہے۔

اپاہج پر سواری ملنے کی صورت میں جمعہ واجب ہو گی، چاہے سواری ذاتی ہو یا اجرت پر ملے یا استعمال کیلئے کسی سے لے (یعنی عاریت پر لے) جبکہ سوار ہونے میں اسے کوئی دشواری بھی نہ ہو۔

نابینا کو مسجد تک لے جانے والا کوئی رہبر ملے، چاہے مفت میں ملے یا اجرت پر تو جمعہ واجب ہو گی۔ اجرت پر ملنے کی صورت میں اس کے پاس مال بھی موجود ہو۔ امام قاضی حسینؒ فرماتے ہیں کہ اگر بغیر رہبر کے لاٹھی کے ذریعے اچھی طرح چل سکتا ہو تب بھی جمعہ لازم ہو گی۔

کوئی اجنبی کسی شہر میں آ کر بسے اور اسے اپنا وطن بنائے تو اس پر جمعہ واجب ہو گی، اور اس کے ذریعے منعقد بھی ہو گی۔ اور اگر اُسے اپنا وطن نہ بنائے بلکہ اقامت کی مدت کے بعد اپنے شہر لوٹنے کا ارادہ ہو، خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ۔ جیسے کوئی تجارت یا علم حاصل کرنے کی غرض سے دوسرے شہر چلا گیا تو اس پر جمعہ واجب تو ہو گی، لیکن اس کے ذریعے منعقد نہ ہو گی (یعنی مطلوبہ ۴۰ / اشخاص میں اس کا شمار نہ ہو گا۔) کسی بستی میں اہل کمال (یعنی ایسے افراد جنکے ذریعہ جمعہ منعقد ہوتی ہو) میں سے چالیس افراد موجود ہوں، تو ان پر جمعہ لازم ہو گی۔ لہٰذا یہ لوگ اپنی بستی میں جمعہ ادا کریں تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر کسی دوسری بستی (یا شہر) میں جا کر ادا کریں تو اُن سے فرض تو ساقط ہو جائیگا۔ البتہ اپنی بستی میں جمعہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہونگے۔

اور کسی بستی میں اہل کمال میں سے چالیس افراد نہ ہوں، تو اس کی دو صورتیں ہونگی (۱) جس شہر یا گاؤں میں جمعہ ادا کی جارہی ہو وہاں سے ان لوگوں کو اذان سنائی دے تو (اس بستی میں جا کر) جمعہ ادا کرنا ان لوگوں پر واجب ہے۔

حدیث: جو اذان کی آواز سنے اس پر جمعہ واجب ہے۔ (رواہ ابوداود۔ فتح الوھاب)

اذان سنائی دینے کی تفصیل: ایسے وقت جبکہ سناٹا اور ہوا پر سکون ہو جمعہ کی بستی کے اس کنارہ سے جو مذکورہ بستی کی طرف ہو، کوئی بلند آواز موذن عام بلند آواز سے اذان دے، اور اس بستی کے کنارہ سے ایک معتدل سماعت کے شخص کو توجہ دینے کی صورت میں سنائی دے تو اس بستی والوں کو وہاں جمعہ کیلئے حاضر ہونا لازم ہے۔ کوئی بستی کسی پہاڑ کی چوٹی پر آباد ہو، اور بستی والوں کو بلندی پر ہونے کی وجہ سے اذان سنائی دے لیکن اگر وہی بستی کسی ہموار حصہ پر ہوتی تو انھیں اذان سنائی نہ دیتی تو اس بستی والوں پر جمعہ واجب نہیں۔ اور اگر کوئی بستی کسی پست حصہ میں آباد ہو اور پستی میں ہونے کی وجہ سے اذان کی آواز سنائی نہ دے۔ لیکن بالفرض یہی بستی کسی ہموار جگہ پر ہوتی تو آواز سنائی دیتی تو اس بستی والوں پر جمعہ واجب ہو گی۔

(۲) جس شہر میں جمعہ ادا کی جارہی ہے وہاں سے اس بستی والوں کو اذان کی آواز نہ پہنچے تو ان پر جمعہ واجب نہیں۔

خیموں میں رہنے والے حضرات اگر کسی جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہوں، تو اس جگہ پر جمعہ ادا نہ کریں۔ گرچہ وہاں سے کوچ نہ کرتے ہوں۔ بلکہ اگر انہیں قریب کی بستی سے اذان کی آواز سنائی دے، تو وہاں جا کر جمعہ ادا کرنا واجب ہے۔ ورنہ نہیں۔ جیسا کہ کسی بستی میں چالیس سے کم افراد ہونے کی صورت میں حکم ہے۔ (یعنی ایسے افراد اپنی جگہ ظہر ادا کریں) جس بستی میں چالیس سے کم افراد ہوں، اور انہیں دو شہروں سے اذان کی آواز سنائی دے تو جمعہ کیلئے کہیں بھی جانا جائز ہے، لیکن بڑی جماعت میں شرکت افضل ہے۔ جن اعذار کی وجہ سے جمعہ ترک کرنا جائز ہے، وہ زوال کے بعد طاری ہوں، تب بھی جمعہ ترک کرنا جائز ہے بجز سفر کے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جمعہ کے دن زوال کے بعد سفر کا حکم: اگر ساتھیوں سے جدا ہونے کا یا پیچھے رہنے کی صورت میں کسی ضرر کا اندیشہ

نہ ہو اور (سفر کی صورت میں) دوران راہ کسی جگہ جمعہ ملنے کا امکان بھی نہ ہو تو زوال کے بعد سفر جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ فجر اور زوال کے درمیان سفر کرنے کی صورت میں اگر کسی جگہ جمعہ ملنے کا امکان نہ ہو تو سفر حرام ہے چاہے مباح سفر ہو۔ یا نیکی کا سفر ہو (مثلاً حج عمرہ وغیرہ) ورنہ جائز ہے۔ (فتح الوھاب) فجر سے پہلے سفر کرنا جائز ہے۔ (المجموع۔ ۴/۴۹۹)

جس صورت میں زوال کے بعد سفر کرنا حرام ہے کسی نے سفر کیا تو وہ گنہگار ہو گا اور اُسے جمعہ فوت ہونے تک سفر کی رخصت پر عمل کرنا جائز نہیں، بلکہ جمعہ فوت ہونے کے بعد سے اس کے سفر کی ابتداء ہو گی۔ جن معذورین کو جمعہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ انکی دو قسمیں ہیں

(۱) جمعہ فوت ہونے سے پہلے جس کے عذر کے زائل ہونے کی امید ہو۔ مثلاً ایسا مریض جس کے مرض میں تخفیف کی امید ہو، تو ایسے شخص کیلئے ظہر کو جمعہ فوت ہونے تک موئخر کرنا مستحب ہے، ممکن ہے کہ وہ عذر ختم ہو جائے اور جمعہ ادا کرنے کا موقع مل جائے امام کے دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد جمعہ فوت ہو جاتی ہے۔

(۲) جس کے عذر کے ختم ہونے کی امید نہ ہو، جیسے کہ عورت اور اپاہج آدمی۔ ایسے لوگوں کیلئے ظہر اول وقت پڑھنا افضل ہے۔

معذورین کسی جگہ جمع ہوں، تو باجماعت ظہر ادا کرنا مستحب ہے۔ معذورین کا عذر مخفی ہو، تو مخفی طور پر ظہر باجماعت ادا کرنا مستحب ہے، تاکہ لوگوں کو بدگمانی نہ ہو۔ اور عذر مخفی نہ ہو تو سب کے سامنے جماعت بنانے میں حرج نہیں۔ معذور جمعہ فوت ہونے سے قبل ظہر ادا کرے۔ پھر نماز کے بعد اس کا عذر ختم ہو جائے تو اب اسے جمعہ پڑھنا لازم نہیں، گرچہ اسے جمعہ مل سکتی ہو۔ البتہ خنثیٰ مشکل اس سے مستثنیٰ ہے، ظہر ادا کرنے کے بعد مرد ثابت ہو۔ اور جمعہ مل سکتی ہو تو اس پر لازم ہے۔ معذورین کیلئے ظہر ادا کرنے کے بعد جمعہ کیلئے آنا مستحب ہے آنے کے بعد جمعہ ادا کریں تو فرض انکی ظہر ہی شمار ہو گی، اور جمعہ کی نماز نفل ہو گی۔ دوران ظہر عذر ختم ہو جائے تو اس سے نماز باطل نہ ہو گی۔ بلکہ نماز جاری رکھے۔ بلا عذر جمعہ فوت ہونے سے پہلے ظہر ادا کرنا صحیح نہیں (کیونکہ جمعہ کے دن اصلی فرض جمعہ کی نماز ہے نہ کہ ظہر۔) شہر کے تمام یا بعض افراد جمعہ ترک کر کے ظہر ادا کریں تو گہنگار ہونگے۔ اور ظہر صحیح نہ ہو گی کیونکہ جمعہ کا فرض ذمہ میں باقی ہے۔ اور ظہر ادا کی ہے۔ لہٰذا انہیں جمعہ کیلئے آنا واجب ہے اگر آکر جمعہ ادا کریں تو ٹھیک اور جمعہ فوت ہو گئی تو ظہر کی قضاء کریں۔ شہر کے تمام افراد جمعہ کے بجائے ظہر پڑھیں، تو جمعہ کی نماز وقت نکل جانے سے یا اتنا تنگ ہونے سے جس میں صرف دو رکعت ادا کرنے کی گنجائش باقی رہے فوت ہو گی۔

تیسرا باب۔ جمعہ ادا کرنے کی کیفیت کے بیان میں

جمعہ کی نماز دو رکعت ھیں۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کی نماز دو رکعت ہیں (رواہ النسائی) اور ارکان میں دیگر نمازوں کی طرح ہیں۔ البتہ چند مستحب امور کی وجہ سے دیگر نمازوں سے ممتاز ہے۔ مستحب امور: (۱) جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔

حدیث: (۱) ”تم میں سے کوئی جمعہ کیلئے آئے تو غسل کرے۔“ (متفق علیہ)

(۲) ”جو شخص جمعہ کے دن وضو کرے تو یہ اچھی بات ہے۔ اور غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے۔“ (رواہ الترمذی، وقال حدیث، حسن) جمعہ کے غسل کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ جمعہ کیلئے جاتے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔ اور یہ غسل جمعہ میں شریک ہونے والے کیلئے مستحب ہے، چاہے اس پر جمعہ واجب ہو یا نہ ہو۔

غسل کے بعد حدث اصغر پیش آجائے تو غسل باطل نہ ہو گا، بلکہ صرف وضو کرے، جمعہ کا غسل کرنے کے بعد جماع یا کسی اور وجہ سے جنبی ہو جائے، تو جمعہ کا غسل باطل نہ ہو گا، بلکہ صرف جنابت کا غسل کرے۔

کسی پر جمعہ کے دن جنابت وغیرہ کی وجہ سے غسل واجب ہو جائے تو جنابت اور جمعہ کیلئے ایک غسل کرنا کافی ہے، الگ الگ دو غسل کی ضرورت نہیں۔ البتہ نیت دونوں غسلوں کی کرنا ضروری ہے۔ صرف جمعہ کے غسل کی نیت کرے جنابت کی نہ کرے، تو جنابت کا غسل حاصل نہ ہو گا، اور اگر صرف جنابت کی نیت کرے، تو جمعہ کا غسل حاصل نہ ہو گا (المجموع ۴/ ۵۳۴) کوئی شخص وضو کے بعد پانی ختم ہونے کی وجہ سے، یا بدن پر پھوڑے وغیرہ کی وجہ سے غسل سے عاجز ہو تو تیمم کرے، اس سے غسل کی فضیلت حاصل ہو گی۔ کسی نے جمعہ کیلئے صبح صادق سے پہلے غسل کیا تو صحیح نہیں۔ (المجموع۔ ۴/۵۳۶)

مسنون غسل: (۱) میت کو غسل دینے والے کیلئے میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔

حدیث: (۱) ''جو میت کو غسل دے اسے غسل کرنا چاہئے''۔ (رواہ الترمذی)

(۲) ''میت کو غسل دینے کی وجہ سے تم پر غسل کرنا ضروری نہیں''۔ (رواہ الحاکم)

(۲) کافر کا اسلام لانے کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے قیس بن عاصم اور ثمامہ بن اثال کو اسلام لانے کے بعد غسل کا حکم دیا۔ (رواہ ابن حبان و ابن خزیمہ) اور دیگر بہت سارے حضرات کو اسلام لانے کے بعد غسل کا حکم نہیں دیا۔ اگر کافر کو حالت کفر میں ایسا کوئی سبب پیش آیا ہو جس سے غسل واجب ہو تا ہو، مثلاً جنابت وغیرہ تو اسے اسلام لانے کے بعد غسل کرنا لازم ہے۔

(۳) بے ہوش اور مجنون کو افاقہ کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔

(۴) حجامت (پچھنے لگوانے) کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ''آپ ﷺ چار حالتوں میں غسل کرتے تھے۔'' جنابت کی وجہ سے، جمعہ کے دن، پچھنے لگوانے کی وجہ سے اور میت کو غسل دینے کے بعد۔ (رواہ ابوداود، ابن خزیمہ، والحاکم) (تلخیص الحبیر)

(۵) ہر اجتماع (لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ) میں شرکت کیلئے نیز بدن میں بدبو پیدا ہو تو غسل کرنا سنت ہے۔

تمام مسنون غسلوں میں جمعہ اور غاسلِ میت کے غسل کی زیادہ تاکید آئی ہے۔ اور ان دونوں میں جمعہ کا غسل زیادہ مؤکد ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق بکثرت صحیح احادیث وارد ہیں (اور بعض ائمہ نے اُسے واجب قرار دیا ہے)

(۲) جمعہ کے دن امام کے علاوہ دیگر لوگوں کیلئے جامع مسجد جلدی جانا مستحب ہے، اور پہلی گھڑی میں جانا افضل ہے۔ پھر دوسری میں پھر تیسری میں اسی طرح بالترتیب اور ان گھڑیوں کا شمار طلوع فجر سے کیا جائے گا۔ اور ان گھڑیوں سے درجات کی ترتیب مراد ہے۔ پہلے گھڑی میں آنے والے کیلئے ایک اونٹ قربان کرنے کا، دوسری میں آنے والے کیلئے ایک گائے یا بیل قربانی کرنے کا، تیسری میں آنے والے کیلئے ایک دنبہ کا، چوتھی میں آنے والے کیلئے ایک مرغی صدقہ کرنے کا، اور پانچویں میں آنے والے کیلئے ایک انڈے کا ثواب ملتا ہے۔

حدیث: جو شخص جمعہ کے دن غسل کرکے پہلی ساعت (گھڑی) میں (مسجد کے لئے) روانہ ہوا گویا اس نے اونٹ کی قربانی پیش کی، جو دوسری ساعت میں روانہ ہوا گویا اس نے بیل کی قربانی پیش کی، جو تیسری ساعت میں روانہ ہوا گویا اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی۔ جو چوتھی ساعت میں روانہ ہوا گویا مرغ کی قربانی کی، جو پانچویں ساعت میں روانہ ہوا گویا ایک انڈے کے ذریعے تقرب

حاصل کیا پھر جب امام (خطبہ کے لئے) آجائے تو ملائکہ ذکر (خطبہ) سننے کیلئے حاضر ہو جاتے ہیں۔(بخاری ومسلم) ایک ہی گھڑی میں پہلے آنے والے کو بعد میں آنے والے کے مقابلے میں زیادہ فضیلت حاصل ہو گی۔ مثلاً ایک شخص گھڑی کے ابتداء میں آیا، اور دوسرا اسی گھڑی کے آخر میں، تو دونوں اصل اونٹ یا گائے بیل وغیرہ کے ثواب میں برابر ہونگے۔ البتہ ابتداء میں آنے والے کو آخر میں آنے والے کے مقابلے میں ایک کامل جانور کا ثواب ملے گا۔ اور درمیان میں آنے والے کو متوسط جانور کا ثواب ملے گا(المجموع۔ ۴ / ۵۴۱) امام کیلئے خطبہ کے وقت آنا مسنون ہے۔(فتح الوھاب)

(۳) جمعہ کے دن بال کٹوانا، ناخن تراشنا، مسواک کرنا، بدبو زائل کرنا، تیل لگانا، خوشبو لگانا، اچھے کپڑے پہننا سنت ہے۔ سفید کپڑے پہننا افضل ہے۔

احادیث: (۱) جو شخص جمعہ کے دن غسل کر کے اچھے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر جمعہ کیلئے آئے اور لوگوں کی گردنوں کو نہ پھاندے (پھلانگے) پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر جو نماز فرض کی ہے اُسے ادا کرے، اور امام کے نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے تو یہ اس کے لئے اس جمعہ اور سابقہ جمعہ کے درمیان (گناہوں کیلئے) کفارہ ہو گا۔(احمد۔ابوداود۔ابن حبان۔والحاکم)

(۲) آپ ﷺ جمعہ کے دن ناخن تراشتے اور مونچھ کترتے۔(رواہ البزار) امام کے لئے دیگر لوگوں کے مقابلے میں زیادہ زینت اختیار کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح عمامہ باندھنا بھی مستحب ہے۔ وقت تنگ نہ ہو تو جمعہ اور دیگر نمازوں کیلئے سکون و وقار سے چلے، دوڑ کر نہ جائے۔

حدیث: (۱) "جب تم نماز کے لئے آؤ تو چل کر آؤ، دوڑ کر نہ آؤ" (متفق علیہ)

جمعہ، عید، جنازہ، اور مریض کی عیادت کے لئے پیدل جانا مستحب ہے۔

(۲) "آپ ﷺ عید اور جنازہ میں سوار ہو کر نہیں جاتے تھے (تلخیص) البتہ کوئی عذر ہو تو سوار ہو کر جانے میں کوئی حرج نہیں، اور جب سوار ہو کر جائے تو سواری کو سکون کے ساتھ چلائے۔

(۴) جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ **منافقون** یا پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری میں **سورہ غاشیہ** پڑھنا سنت ہے۔

حدیث: (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ "آپ ﷺ جمعہ کی پہلی رکعت میں **سورہ جمعہ** اور دوسری میں "**سورہ منافقون**" پڑھتے تھے۔" (مسلم)

(۲) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ ﷺ عیدین اور جمعہ میں "**سبح اسم ربک الاعلی** اور **ھل اتاک حدیث الغاشیہ**" پڑھتے تھے۔(مسلم) اگر پہلی رکعت میں سورہ جمعہ پڑھنا بھول جائے یا عمداً یا لاعلمی کی وجہ سے ترک کرے۔ تو دوسری رکعت میں سورہ منافقون کے ساتھ پڑھے۔ اگر پہلی رکعت میں سورہ منافقون پڑھے تو دوسری میں سورہ جمعہ پڑھے۔ اور سورہ منافقون لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

جمعہ کے وقت مسجد میں داخل ہونے والا لوگوں کی گردنوں کو پھاندتے ہوئے آگے نہ بڑھے۔

حدیث: آپ ﷺ نے جمعہ کے دن ایک شخص کو گردنوں کو پھاندتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اسے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ تو نے تکلیف دی اور تاخیر کی۔(ابن حبان۔حاکم وصححاہ)

امام کو آگے جانے کے لئے راستہ نہ ہو تو گردنوں کو پھاند کر جانے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں داخل ہونے والے کیلئے پیچھے بیٹھنے کے واسطے جگہ نہ ہو اور آگے جگہ خالی ہو اور وہاں تک جانے کیلئے گردنوں کو پھاند کر جانے کی ضرورت پڑے تو جا سکتا ہے۔ مسجد میں کسی آدمی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا جائز نہیں۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں نہ بیٹھے بلکہ کہے، جگہ کشادہ کرو۔ (متفق علیہ)

کسی شخص کو جگہ پکڑنے کیلئے بھیجنا جائز ہے۔ اور آنے کے بعد اسے اٹھانا جائز ہے۔ کسی آدمی کے بیٹھنے کے واسطے کپڑا بچھایا گیا تو دوسرے کیلئے اس پر بیٹھنا جائز نہیں، البتہ اس کپڑے کو ہٹا کر اس جگہ بیٹھ سکتا ہے۔ خطبہ سے پہلے آنے والے کیلئے ذکر، قرآن کی تلاوت اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رہنا مستحب ہے، جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں کثرت سے درود پڑھنا مستحب ہے نیز جمعہ کے دن کثرت سے دعا کرے، شاید دعا کے قبولیت کی گھڑی حاصل ہو جائے۔ قبولیت کی گھڑی کے سلسلے میں بہت اختلاف ہے۔ البتہ راجح قول وہ ہے جو صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ قبولیت کی گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز پوری ہونے تک ہے۔ جمعہ کے دن اور رات میں سورہ کہف پڑھنا مستحب ہے، جمعہ کی نماز کے بعد متصلاً کوئی نماز نہ پڑھے بلکہ وہاں سے ہٹ کر پڑھے، یا گفتگو کے ذریعہ فصل کرے۔ جمعہ کے دن زوال کے بعد اور نماز سے پہلے خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے۔ امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اذان شروع ہوتے ہی خرید و فروخت کرنا حرام ہے۔ اگر دو آدمی خرید و فروخت کا معاملہ کریں اور ان میں سے ایک پر جمعہ فرض ہو اور دوسرے پر نہ ہو تو دونوں گنہگار ہونگے۔ زوال سے پہلے بیع کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ بیع کے حرام ہونے کے باوجود کسی نے بیع کی تو اس کی بیع صحیح ہو گی۔ بیع کے علاوہ دیگر پیشے اور معاملات وغیرہ جو جمعہ کی حاضری سے روکنے یا تاخیر کا باعث ہو وہ بھی بیع کی طرح حرام ہیں۔ کسی نے امام کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے اذان دی تو بیع حرام نہ ہو گی۔ (مسجد سے دوری کی وجہ سے) جسے جمعہ پانے کیلئے خطبہ کی اذان سے قبل یا زوال سے قبل ہی مسجد کی طرف بڑھنا ضروری ہو، اس کیلئے اسی وقت سے بیع حرام ہے۔ (جمل)

اذان سن کر جمعہ کے ارادہ سے نکلے اور راستے میں چلتے چلتے بیع کرے یا جامع مسجد میں بیٹھ کر بیع کرے تو یہ حرام نہیں کیونکہ مقصود یہ ہے کہ جمعہ کے لئے تاخیر نہ ہو، البتہ جمعہ اور دیگر ایام میں مسجد میں بیع کرنا مکروہ ہے۔ جمعہ اور دیگر نمازوں کیلئے جاتے وقت یا ان نمازوں کے انتظار کے وقت انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے۔ (یعنی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل نہ کرے) اور نہ کوئی فضول حرکت کرے۔

حدیث: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے (نماز کے ارادہ سے) مسجد کی طرف نکلے، تو اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے، کیونکہ وہ نماز کے حکم میں ہے۔ (رواہ الترمذی)

کوئی جامع مسجد میں امام کی جگہ یا لوگوں کے راستے میں بیٹھے تو اسے اٹھنے کا حکم دے۔ کوئی لوگوں کی طرف رخ کر کے (اور قبلہ کی جانب پیٹھ کر کے) بیٹھے اور جگہ بھی تنگ ہو تو اسے وہاں سے دوسری جگہ بیٹھنے کا حکم دے۔ جگہ تنگ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ خطیب جب سورہ احزاب کی آیت "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" پڑھے تو سننے والوں کیلئے اتنی بلند آواز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا جائز ہے، جسے قریب کا آدمی سن سکے۔ (بہت زور سے پڑھنا بدعت ہے۔) (جمل) جمعہ کے دن مسجد میں ٹیک لگا کر بیٹھنا یا پاؤں پھیلا کر بیٹھنا مکروہ ہے، البتہ کوئی بیمار ہو تو حرج نہیں، لیکن اس صورت میں ایسی جگہ بیٹھنا مستحب ہے جس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

(المجموع۔ ۵۴۸/۴)بوڑھی عورتوں کو اگر ان کے شوہر اجازت دیں، تو جمعہ کے لئے آنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جمعہ میں شرکت کے لئے خوشبو اور بناؤ سنگار جیسے امور سے گریز کریں۔

صلاۃ الخوف (خوف کی حالت میں نماز) (من فتح الوھاب)

آیت: وَ إِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ (سورہ نساء ۱۰۲)

ترجمہ: اور جب آپؐ ان میں تشریف رکھتے ہوں (اور اسی طرح آپ کے بعد جو امام ہو) پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں۔ (اور اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جاویں گے تو کوئی دشمن موقع پا کر حملہ کر بیٹھے گا) تو یوں چاہے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑے ہو جاویں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ (نگہبانی کے لئے) تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجاویں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار لے لیں۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں صلوۃ الخوف کے ۱۶ انواع اور طریقے سامنے آتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے ان میں سے چار کو اختیار کیا ہے (کیونکہ یہ طریقے عام نمازوں سے زیادہ قریب ہیں اور ان میں تغیر کم ہے۔ اور ایک طریقے کا ذکر قرآن میں بھی ہے، للہذا صحیح روایت سے دوسرے کسی طریقے کی کیفیت معلوم ہو تو اس پر بھی عمل کر سکتا ہے) (تحفہ مع الشروانی ۴۳۰/۳)

(۱) **عُسفان کی نماز:** دشمن قبلہ کی طرف ہو، اور مسلمانوں میں اتنی کثرت ہو کہ نصف حضرات تنہا دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اور دونوں میں کچھ حائل نہ ہو، تو امام تمامسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے تمام کو ایک ساتھ نماز پڑھائے۔ اعتدال کے بعد ایک صف (ایک حصہ) امام کے ساتھ دونوں سجدہ کرے اور دوسری صف اعتدال ہی میں پہرہ دیتی رہے، پہلی صف سجدہ سے اٹھے تو دوسری صف سجدہ کر کے امام کے ساتھ شامل ہو، اور کثرت افعال کے بغیر یہ صف آگے بڑھے اور پہلی صف پیچھے ہٹے، دوسری رکعت میں اب جو پہلی صف ہے وہ سجدہ کرے اور دوسری صف پہرہ دے جب پہلی صف تشہد کے لئے بیٹھے تو یہ لوگ سجدہ کریں اور تشہد پڑھ کر امام سب کے ساتھ سلام پھیرے، یہ نوع مسلم کی حدیث میں ہے۔ اگر دونوں رکعت میں ایک ہی فرقہ (گروہ) پہرہ دے اور بقیہ امام کی متابعت کریں تو یہ جائز ہے۔

(۲) **بَطن نَخل کی نماز:** اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، دشمن قبلہ کی سمت نہ ہو، یا قبلہ کی سمت ہو لیکن درمیان میں کچھ حائل ہو، تو امام لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں گروہ کو الگ الگ ایک ایک مرتبہ نماز پڑھائے، اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ پر رہے، دوسری نماز امام کے لئے نفل ہوگی، یہ طریقہ غیر خوف میں بھی جائز ہے، لیکنمسلمانوں کی کثرت اور دشمنوں کی قلت اور دوران نماز اچانک حملہ آور ہونے کا خدشہ ہو تو سنت ہے۔

(۳) **ذاتُ الرِّقاع کی نماز:** یہ طریقہ بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ دشمن قبلہ کی طرف نہ ہو یا درمیان میں کچھ حائل ہو تو ایک گروہ دشمن کے مقابلہ پر رہے اور دوسرے کو امام دو رکعت کی نماز میں ایک رکعت پڑھائے۔ پھر امام کے دوسرے رکعت کے قیام میں یہ گروہ امام سے جدا ہونے کی نیت کر کے اپنی ایک رکعت تنہا مکمل کر کے دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے، امام قیام میں دوسرے گروہ کا منتظر رہے اور اس کے آنے پر اس کے ساتھ اپنی دوسری رکعت پڑھ کر تشہد میں اس کا انتظار کرے اور وہ گروہ اپنی دوسری رکعت مکمل

کر کے امام کے ساتھ تشہد میں مل جائے ، پھر امام ان کے ساتھ سلام پھیرے ، تاکہ اس گروہ کو امام کے ساتھ سلام کی فضیلت حاصل ہو۔ جیسا کہ پہلے گروہ کو اس کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی فضیلت حاصل ہوئی، قیام اور تشہد کے انتظار میں امام تلاوت و تشہد پڑھنے میں مصروف رہے۔ اسطرح جمعہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بشر طیکہ ہر رکعت میں ایسے چالیس افراد ہوں جنھوں نے خطبہ سنا ہو، لیکن دوسری رکعت کے دوران تعداد کم ہو جائے تو حرج نہیں۔ جمعہ کی نماز عُسفان کے طرز پر بدرجہ اولی جائز ہے۔ تین رکعت کی نماز ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعت اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھانا افضل ہے۔ اگر چہ اس کے برعکس بھی (یعنی پہلے کو ایک اور دوسرے کو دو) جائز ہے۔ (کیونکہ دوسری صورت میں دوسرے گروہ کے لئے پہلے رکعت میں تشہد کا اضافہ تطویل کا سبب بنے گا اور پہلی صورت میں اس سے سلامتی ہے) پہلی صورت میں پہلے گروہ کے نماز سے فارغ ہو کر دوسرے کے آمد کا انتظار تشہد میں یا تیسرے قیام میں کرے۔ قیام میں انتظار افضل ہے کیونکہ قیام محل تطویل ہے۔ چار رکعت کی نماز میں دونوں فریق کو دو دو رکعت پڑھائے اور دونوں کے ساتھ ایک ایک تشہد پڑھے۔ اور دوسرے فریق کا انتظار تشہد کی نشست میں کرے، یا تیسرے قیام میں اور یہ افضل ہے، جیسا کہ گذرا۔ اگر تین رکعت کی نماز میں تین اور چار رکعت کی نماز میں چار فرقوں میں ان کو تقسیم کر کے ہر ایک فریق کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھتا رہے تو یہ بھی جائز ہے، گر چہ بلا حاجت اس طرح کرے۔ پہلے فرقے ایک ایک رکعت پڑھ کر جدا ہوں اور اپنی نماز مکمل کریں۔ اور امام دوسرے فرقے کا انتظار کرتا رہے۔ اور آخری فریق کا انتظار تشہد میں کرے تاکہ ان کے ساتھ سلام پھیرے۔

ذات الرقاع والی نماز کی کیفیتیں عسفان اور بطن نخلہ والی نماز سے افضل ہے، کیونکہ اس کی صحت پر فی الجملہ اجماع ہے، بخلاف ان دونوں کے اور مسلمانوں کی کثرت کے وقت یہ طریقہ مسنون ہے۔ ذات الرقاع والی نماز حالتِ امن میں بھی پہلے فرقے کے لئے جائز ہے۔ دوسرا فرقہ اگر اپنی نماز کے تکمیل کے وقت جدائی کی نیت کرے تو اس کے لئے بھی جائز ہے۔

دو رکعت کی نماز ذات الرقاع کے طرز پر ہو تو ہر فریق کا سہو امام اٹھائے گا۔ کیونکہ وہ حساً یا حکماً مقتدی ہیں۔ سوائے پہلے فریق کے دوسری رکعت کے سہو کے، کیونکہ وہ امام سے جدا ہو چکے۔ پہلی رکعت میں امام کا سہو سب کو لاحق ہو گا، لہٰذا امام سجدہ نہ بھی کرے تو سب کریں گے دوسری رکعت میں امام کا سہو دوسرے فریق کو لاحق ہو گا نہ کہ پہلے فریق کو، کیونکہ وہ سہو سے قبل امام سے جدا ہو چکے۔ اسی اعتبار سے تین اور چار رکعت کی نماز کے سہو کا اندازہ کر لو۔

صلوٰۃ الخوف کے مذکورہ تینوں طریقوں میں احتیاطاً نمازی کو ایسا ہتھیار ساتھ رکھنا سنت ہے، جو نماز کی صحت کے منافی نہ ہو (جیسے نجس وغیرہ نہ ہو) اور اس سے کسی اور کو تکلیف نہ ہو، اور اس کے ترک میں بظاہر خطرہ نہ ہو، مراد ایسے ہتھیار ہیں جو قتل کرتے ہیں جیسے نیزہ، تلوار، چھری کمان و تیر، نہ کہ وہ جو دفاع میں مستعمل ہوں جیسے زرہ اور ڈھال۔ درمیانِ صف نیزہ جیسی ایذا رساں چیز رکھنا مکروہ ہے، بلکہ دوسرے کو لگنے کا غالب گمان ہو تو حرام ہے۔ جس ہتھیار کے ترک کرنے میں بظاہر خطرہ موجود ہو اسے ساتھ رکھنا واجب ہے۔ سامنے رکھ کر وقت پر ہاتھ بڑھا کر فوراً اٹھا سکتا ہو، جیسا کہ ساتھ ہونے کی صورت میں، تو اس طرح سامنے رکھنا بھی کافی ہے۔ بلکہ ساتھ رکھنے سے نماز صحیح نہ ہوتی ہو تو سامنے قریب ہی رکھنا چاہئے۔

(۴) **شدت خوف کی حالت میں نماز:** شدت خوف کی صورت میں ہر کوئی اپنے طور پر جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھے۔ چاہے گھمسان کی لڑائی جاری ہو اور اسے چھوڑ کر ہٹ ہی نہ سکتے ہوں، یا یہ بات تو نہ ہو لیکن وہاں سے ہٹنے یا تقسیم کی صورت میں اچانک دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو۔ سوار یا پیدل جیسے ممکن ہو نماز پڑھے، رکوع سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارے سے ادا کرے، لیکن نماز کو وقت

سے موئخر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَاناً" (البقرہ ۲۳۹) (پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ (پیدل) پڑھ لو یا سوار)۔ دشمن کی وجہ سے قبلہ سے رخ ہٹنے میں حرج نہیں۔ لیکن سواری کے اڑیل پن سے زیادہ دیر بغیر قبلہ رو گذرے تو صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا قبلہ رو ہو کر یا بغیر قبلہ رو (جس طرح بن پڑے نماز پڑھو) امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپس میں بعض کی بعض اقتداء کر سکتے ہیں، امام و مقتدی کا رخ الگ الگ بھی ہو تو حرج نہیں جیسا کہ کعبۃ اللہ کے چاروں طرف نماز میں ہوتا ہے۔ حالت امن کی طرح یہاں بھی جماعت افضل ہے۔ حاجت کی وجہ سے عمل کثیر میں معذور سمجھا جائے گا، جیسے مسلسل نیزہ بازی اور تلوار بازی۔ چلّانے میں معذور نہ ہو گا کہ اس کی حاجت نہیں۔ ہتھیار میں غیر معاف نجاست ہو تو احتیاج کی صورت میں اُسے اٹھا سکتا ہے۔ البتہ یہ عذر نادر ہے۔ اس لئے بعد میں اس نماز کی قضاء کرلے، احتیاج نہ رہے تو اسے ڈال دے۔

درج ذیل صورتوں میں بھی خوف پایا جاتا ہے اسلئے مسافر ہو یا مقیم ان صورتوں میں صلاۃ الخوف کی اجازت ہو گی۔

(۱) ہر مباح قتال جیسے عادل کا باغی کے ساتھ قتال (۲) صاحب مال کا اس آدمی سے قتال جو ظلماً اس کا مال لینا چاہے (۳) آگ، سیلاب یا درندہ سے بچنے کے لئے بھاگنا اور دوڑنا جبکہ کوئی اور بچاؤ کا راستہ نہ ہو (۴) قرض خواہ پیچھے لگے، اور مقروض تنگدست ہو، اگر اس نے پکڑ لیا تو قید میں ڈال دیگا۔ نہ وہ اس کی تنگدستی کو تسلیم کر رہا ہے اور نہ اس کے پاس پیش کرنے کیلئے گواہ ہیں، لہٰذا اس کے ہاتھ سے بچنے کے لئے بھاگ رہا ہے۔

عشاء کو رک کر پڑھنے کی صورت میں حاجی کو وقوف عرفہ کے فوت ہونے کی وجہ سے حج فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ سفر کرتے ہوئے عشاء نہیں پڑھ سکتا، بلکہ عشاء کو بعد میں قضاء کرلے، کیونکہ نماز کی قضاء حج کی قضاء کے بہ نسبت آسان ہے۔

دور سے کچھ وجود نظر آیا اور اسے دشمن سمجھ کر یا دشمن کو اپنے سے دگنا سے زائد سمجھ کر صلاۃ الخوف پڑھی، بعد میں اس کے برعکس ظاہر ہوا، مثلاً وجود جانور کا تھا اور دشمن صرف دوگنا تھے، تو اس نماز کو قضاء کریں، کیونکہ جس گمان کی غلطی بالکل واضح ہو جائے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

فصل۔ لباس وغیرہ کے متعلق

مرد اور خنثیٰ پر خالص ریشم کا کپڑا اور ایسے کپڑا جس میں ریشم کی مقدار وزن کے اعتبار سے زائد ہو حرام ہے۔ صحیحین کی روایت میں مردوں کو اس سے روکا گیا ہے، احتیاطاً خنثیٰ پر بھی وہی حکم لگایا گیا۔ اکثر حصہ دوسرا کپڑا (غیر ریشم) ہو یا دونوں برابر ہو تو استعمال جائز ہے، کیونکہ اسے ریشمی کپڑا نہیں کہا جائے گا۔ اگر کوئی مجبوری ہو جیسے سخت اور ضرر رساں گرمی و سردی اور اچانک جنگ کا آجانا، اور دوسرا کوئی کپڑا میسر نہ ہو، تو یہ حرام نہ ہو گا۔ اسی طرح حاجت جیسے خارش ہو اور دوسرا کپڑا تکلیف دہ ہو یا جوں کی کثرت ہو تو یہ جائز ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف اور زبیر بن العوام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور ان حضرات نے جوں کی شکایت کی تو ریشمی قمیص کی اجازت دی۔ سفر و حضر میں یہی تفصیل ہو گی۔ جنگ جاری ہو اور ہتھیار کے دفاع میں ریشم جیسی کوئی چیز دستیاب نہ ہو تو ریشم کی اجازت ہو گی۔ ولی اور ذمہ دار کو اجازت ہے کہ بچہ اور پاگل کو ریشم پہنائے، کیونکہ وہ غیر مکلف ہے۔ چار انگلی کے برابر ریشم کی نقش و نگاری یا پیوند لگا ہو تو یہ حلال ہے۔ (مسلم) یا عادت کے مطابق کپڑے کے کنارے ریشم کا سنجاف (گوٹ) لگایا گیا ہو، تو یہ جائز ہے (مسلم) عورت کو ریشم مطلقاً جائز ہے۔ حتیٰ کہ اس کا بستر وغیرہ بھی کیونکہ حدیث میں ہے۔ "سونا اور ریشم میری امت کے

عورتوں کو حلال ہے اور مردوں پر حرام"۔(قال الترمذی حسن صحیح)

نجس اور متنجس تیل (جو پاک تیل نجس ہوا ہو) کو چراغ میں جلانا جائز ہے، کیونکہ آپ ﷺ سے اس چوہے کہ متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گرا تھا (اور مر گیا تھا) تو آپ ﷺ نے جواب دیا۔ "اگر گھی جامد (جما ہوا) ہو تو چوہا اور اطراف کا گھی پھینک دو (بقیہ استعمال کرو) اور اگر مائع (سیال اور پگھلا ہوا) ہو تو اسے چراغ میں استعمال کرو، یا اس سے نفع اٹھاؤ (رواہ الطحاوی و قال رجالہ ثقات) چراغ سے مسجد ملوث ہو تو ایسا تیل مسجد میں جلانا ممنوع ہو گا، اسی طرح دوسرے سے کرایہ یا عاریت پر لئے ہوئے مکان میں بھی منع ہو گا۔ کتے یا خنزیر کا تیل استعمال کرنا اس کے نجاست کی شدت کی وجہ سے مطلقاً منع ہے۔

ایسا متنجس (نجاست لگا ہوا) کپڑا جو تر نہ ہو پہننا جائز ہے۔ کیونکہ یہ نجاست عارضی اور وقتی اور بسہولت زائل ہونے والی ہے، لیکن نماز میں اس کی اجازت نہ ہو گی۔ نجس چیز جیسے مردار کی کھال (جسے دباغت نہ دی گئی ہو) پہننا جائز نہیں ہے، کیونکہ عبادت کی پابندی کے اعتبار سے انسان کو نجاست سے دوری اور اجتناب کا تعبدی حکم ہے۔ البتہ بالکل مجبوری کی صورت میں اجازت ہو گی۔

صلوٰۃ العیدین کا بیان (دونوں عید کی نماز)

عیدین کی مشروعیت: اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" (اپنے رب کیلئے نماز ادا کرو اور قربانی کرو) اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں صلوٰۃ سے عید الاضحیٰ کی نماز مراد ہے (الجامع لاحکام القرآن ۱۴۸/۲۰)

حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ جاتے اور سب سے پہلے نماز پڑھاتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر انھیں وعظ و نصیحت کرتے جبکہ تمام حضرات صف میں بیٹھے ہوئے رہتے (متفق علیہ)

عیدین کی نماز اس امت کی خصوصیت ہے، اور ۲ سنہ ھ میں مشروع ہوئی، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے ۲ سنہ ھ میں عید الفطر کی نماز ادا کی (حاشیۃ الجمل ۹۲/۲)

عید کی نماز کا حکم: عید کی نماز سنت موکدہ ہے اگر شہر کے تمام افراد اس نماز کو چھوڑ دیں تب بھی امام وقت (حاکم) ان سے قتال نہیں کر سکتا۔ اور یہ نماز منفرد مسافر، غلام، عورت، ہر ایک کیلئے مشروع ہے چاہے پھر گھر میں پڑھے یا کسی اور جگہ۔

عید کی نماز باجماعت سنت ہے، لیکن حاجی کو منیٰ میں اپنے حج کے اعمال کی کثرت کی وجہ سے تنہا پڑھنا افضل ہے (تحفہ) بلا حاجت عید کی ایک سے زائد جماعت مکروہ ہے، اور حاکم اس سے روک سکتا ہے (تحفہ ۳/ ۴۹۲)

وقت: عید کی نماز کا وقت سورج طلوع ہونے سے شروع ہو جاتا ہے البتہ ایک نیزے کے بقدر سورج بلند ہونے کے بعد پڑھنا افضل ہے (اور اس سے قبل خلاف اولیٰ ہے) اور آخری وقت عید کے دن زوال شمس تک ہے۔

نماز عید پڑھنے کیلئے افضل جگہ

عید کی نماز عید گاہ میں بھی پڑھنا جائز ہے اور مسجد میں بھی، البتہ ان دونوں کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔ اگر مکہ یا بیت المقدس میں ہو تو مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ میں پڑھنا افضل ہے (حاشیۃ الجمل ۹۹/۲) اور ان دونوں کے علاوہ کسی شہر (یا بستی) میں

پڑھنی ہے اور مسجد کشادہ ہو، یا مسجد کشادہ تو نہ ہو، مگر عید گاہ تک جانے کیلئے کوئی عذر درپیش ہو مثلاً بارش ہو یا راستے میں کیچڑ وغیرہ ہو، تو مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ اور اگر مسجد تنگ ہو تو عید گاہ میں ادا کرنا افضل ہے، بلکہ ایسی صورت میں مسجد میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ امام عید گاہ نماز پڑھنے کیلئے جائے تو بوڑھوں کو نماز پڑھانے کیلئے کسی کو اپنا نائب بنائے۔

عید کے رات و دن کی سنتیں

دونوں عیدوں میں سورج غروب ہونے سے لے کر امام کے عید کی نماز کیلئے تکبیر تحریمہ باندھنے تک تکبیر مُرسَل کا پڑھنا مستحب ہے (تکبیر مُرسَل کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ تکبیر کے بیان میں آئے گا)

عیدین کی رات عبادات کیلئے بیدار رہنا مستحب ہے۔

حدیث: جو شخص عیدین کی رات بیدار رہے تو اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن سارے قلوب مردہ ہو جائیں گے۔ (رواہ دارقطنی) اور رات کا اکثر حصہ عبادت کرنے سے پوری رات بیدار رہنے کا ثواب ملے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے جمعہ کی، عیدین کی، رجب کی پہلی اور نصف شعبان کی رات۔

عیدین کیلئے غسل کرنا، خوشبو لگانا، بالوں کو زائل کرنا (چاہے پھر موئے زیر ناف ہوں یا بغل کے ہوں) ناخن کاٹنا، بدبو زائل کرنا، اور اچھے کپڑے پہننا سنت ہے۔ البتہ سفید کپڑوں کا پہننا افضل ہے۔ عمامہ باندھنا بھی مستحب ہے۔ کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو اسے جمعہ اور عید کیلئے دھو کر پہننا مستحب ہے۔ عید کے غسل کا وقت نصف رات سے شروع ہوتا ہے مذکورہ امور (غسل وغیرہ) ہر آدمی کیلئے مستحب ہیں خواہ وہ نماز عید کیلئے جائے یا گھر میں بیٹھا رہے۔

عید الفطر میں نماز کیلئے جانے سے پہلے کوئی چیز کھانا مستحب ہے۔ اگر ممکن ہو تو کھجور طاق عدد کھانا سنت ہے۔ اور عید الاضحی میں نماز سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں نماز کیلئے جانے سے پہلے طاق عدد کھجور کھاتے تھے۔ (رواہ البخاری) **حدیث:** حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں نماز سے پہلے اور عید الاضحی میں نماز کے بعد کچھ نوش فرماتے (رواہ احمد۔ والترمذی۔ وابن حبان) عید کی نماز کیلئے امام کے علاوہ دیگر لوگوں کیلئے فجر بعد صبح سویرے جانا مستحب ہے تاکہ اپنے لئے جگہ پکڑیں اور نماز کا انتظار کرتے رہیں۔ البتہ امام کیلئے نماز کے وقت جانا مستحب ہے پھر مسجد یا عید گاہ پہنچتے ہی نماز عید شروع کرے۔

عید کی نماز کیلئے چل کر جانا سنت ہے۔ اگر بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے چل کر نہیں جاسکتا ہے تو سوار ہو کر جائے، البتہ واپس لوٹتے وقت تندرست آدمی کیلئے بھی سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ عید الفطر کی نماز تھوڑی تاخیر سے اور عید الاضحی کی جلدی پڑھنا مستحب ہے۔

نماز عید سے پہلے نفل کا حکم

امام کیلئے نماز عید سے پہلے اور بعد میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ مقتدی کیلئے مکروہ نہیں ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید سے پہلے اور بعد میں کوئی نفل نہیں پڑھی، (رواہ البخاری)

نمازعید کیلئے جانے اورلوٹنے کا سنت طریقہ

نماز عید کیلئے لمبے راستے سے جانا اور چھوٹے راستے سے واپس لوٹنا سنت ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس لوٹتے۔(رواہ البخاری)

اذان واقامت کا حکم۔ نماز عید کیلئے نہ اذان ہے اور نہ اقامت بلکہ اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہہ کر لوگوں کو جمع کیا جائے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اذان واقامت کے نماز عید ادا کی اور خطبہ دیا۔(متفق علیہ)

نمازعید کا طریقہ

عید کی نماز دو رکعت ہے اور ارکان وسنن وغیرہ میں دیگر نمازوں کی طرح ہے اور نیت نماز عید کی کرے اور یہ اس کا ادنی طریقہ ہے۔

اکمل طریقہ حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحی میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہا کرتے(احمد۔ابوداؤد۔ابن ماجہ۔ودارقطنی وصححہ احمد وعلی والبخاری/تلخیص)

تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے استفتاح(**یعنی وجہت**) پڑھے اس کے بعد پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ مزید سات تکبیریں کہے اور دوسری رکعت میں سجدہ سے اٹھنے اور رکوع کیلئے جھکنے کی تکبیر کے علاوہ پانچ زائد تکبیرات کہے۔ اور ان زائد تکبیرات میں ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک متوسط آیت کے بقدر ٹھہرنا مستحب ہے(تقریباً سورہ اخلاص کے بقدر ٹھہرے۔تحفہ)

اور ہر دو تکبیروں کے درمیان ایسے الفاظ پڑھنا مستحب ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد، کبریائی، بزرگی بیان ہو(بیہقی) اسی لئے ان الفاظ کا پڑھنا افضل ہے۔"سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا للّٰهُ وَاللهُ اَكْبَرُ" ان کلمات کے ساتھ دیگر کلمات کا اضافہ کرنا بھی جائز ہے۔(مثلاً"وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" پڑھے لیکن ذکر اتنا بھی طویل نہ ہو جائے کہ تکبیرات کے درمیان عرفاً طویل فاصلہ شمار ہو۔)(حاشیۃ الجمل ۲/۹۵)(ایک بات یہ ذہن میں رہے کہ) مذکورہ ذکر (پہلی رکعت میں) ساتویں تکبیر (اور دوسری رکعت میں) پانچویں تکبیر کے بعد نہ پڑھے، بلکہ اس تکبیر کے بعد تعوذ پڑھے۔ اسی طرح (پہلی رکعت میں) تکبیر تحریمہ اور زائد تکبیرات میں سے پہلی تکبیر کے درمیان اور (دوسری رکعت میں) پانچ تکبیروں میں سے پہلی تکبیر سے پہلے نہ پڑھے۔ امام نوویؒ نے المجموع میں امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ان زائد تکبیرات کے درمیان ذکر سے فصل نہ کرتے ہوئے پے درپے ان تکبیرات کو کہنا مکروہ ہے۔(المجموع۔۵/۱۷)

ان زائد تکبیرات کے بعد تعوذ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے(اگر پہلے تعوذ پڑھ لے تو تکبیرات فوت نہ ہوں گی) اگر سورہ فاتحہ شروع کرچکا تو زائد تکبیریں فوت ہو چکیں، لوٹ کر پڑھنا مسنون نہیں، لیکن رکوع سے قبل لوٹ کر ان تکبیروں کو پڑھے۔ تو نماز باطل نہ ہوگی، رکوع سے ان تکبیروں کیلئے لوٹے تو نماز باطل ہوگی۔(اعانۃ ۱/۲۶۲) سورہ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورہ ق اور دوسری رکعت میں سورہ قمر مکمل یا پہلی رکعت میں سورہ اعلی اور دوسری میں سورہ غاشیۃ پڑھنا سنت ہے(خواہ مقتدی راضی نہ ہوں)

حدیث(۱): آپ صلی اللہ علیہ وسلم "عید الفطر اور عید الاضحی میں سورہ ق اور سورہ قمر پڑھا کرتے تھے"(رواہ مسلم)

حدیث (۲) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ اعلی اور سورہ غاشیہ پڑھا کرتے تھے (رواہ مسلم) لیکن پہلی دو سورتوں کا پڑھنا افضل ہے (تحفہ)

زائد تکبیرات میں رفع یدین کا حکم

زائد تکبیرات میں رفع یدین (یعنی دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھانا) سنت ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان تکبیرات میں رفع یدین کرتے تھے (رواہ البیہقی) ہر تکبیر کے بعد (عام نمازوں کی طرح سینہ کے نیچے ناف کے اوپر) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے۔ نماز عید میں قرأت اور زائد تکبیرات جہراً کہنا سنت ہے۔ البتہ تکبیرات کے درمیان ذکر سراً کہے۔ (تکبیرات زوائد میں مقتدی کو بھی جہر مسنون ہے نیز قضاء پڑھنے کی صورت میں بھی مسنون ہے (الشروانی ۲/۴۹۵)

زائد تکبیرات میں شک: اگر تکبیرات کی تعداد میں شک ہو جائے تو کم سے کم عدد لے کر بقیہ تکبیرات پوری کرے۔ آٹھ تکبیرات کہنے کے بعد شک ہو جائے کہ ان میں سے کسی تکبیر سے تکبیر تحریمہ کی نیت کی یا نہیں، تو نئے سرے سے نماز شروع کرے اور یہ شک پیش آجائے کہ ان تکبیرات میں کس تکبیر سے تکبیر تحریمہ کی نیت کی، تو آخری تکبیر کو تکبیر تحریمہ قرار دیتے ہوئے زائد تکبیرات کا اعادہ کرے، کسی رکعت میں زائد تکبیرات کہنا بھول جائے، اور رکوع میں یا رکوع کے بعد یاد آجائے تو نماز جاری رکھے تکبیرات کہنے کیلئے واپس لوٹنے کی ضرورت نہیں، اگر لوٹے گا تو نماز باطل ہوگی۔ اگر قرأت کے بعد اور رکوع سے پہلے یاد آجائے تب بھی تکبیریں کہنے کی ضرورت نہیں۔ اور زائد تکبیرات کے چھوٹنے کی صورت میں (چاہے بھول سے چھوٹ گئی ہوں یا عمداً دونوں صورتوں میں) سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں (بلکہ عالماعامداً سجدہ سہو کرنے سے نماز باطل ہوگی) امام کو دوران قرأت یا دوران تکبیرات پالے تو مقتدی کیلئے فوت شدہ تکبیرات کہنے کی ضرورت نہیں۔ امام کو رکوع میں پائے تو مقتدی بھی امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے، زائد تکبیرات کہتے نہ بیٹھے۔ اگر مسبوق امام کو دوسری رکعت میں پائے تو امام کے ساتھ پانچ تکبیریں کہے اور پھر اپنی دوسری رکعت میں بھی پانچ ہی تکبیریں کہے۔ اگر ایسے امام کے اقتداء میں جو تین یا چھ تکبیرات کہنے کا قائل ہو نماز ادا کرے تو تکبیرات کی تعداد میں امام کی اقتداء کرے اس سے زائد تکبیریں نہ کہے۔

عید کی نماز با جماعت پڑھنا سنت ہے، جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہے۔ (الفقہ المنہجی)

عید کے خطبہ کا وقت اور اس کا طریقہ: عید کا خطبہ نماز کے بعد ہے۔

حدیث: (۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ سے پہلے نماز عید ادا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حدیث: (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الفطر اور عید الاضحی کے دن نکلا تو سب سے پہلے آپ نے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا (رواہ البخاری) لہٰذا امام نماز سے فراغت کے بعد منبر پر چڑھ کر سلام کر کے (جمعہ کی طرح بقدر اذان) بیٹھ جائے، پھر دوبارہ کھڑے ہو کر دو خطبے دے، اور ان دونوں خطبوں کے ارکان جمعہ کے خطبہ کے مانند ہیں۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا بھی مستحب ہے۔ ان خطبوں کو قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر دینا جائز ہے۔ اگر صرف نماز پڑھے اور خطبہ نہ دے تو اس سے نماز پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ کوئی منفرد (تنہا) نماز عید ادا کرے تو اُسے خطبہ دینے کی ضرورت نہیں۔ عید الفطر کے خطبہ میں صدقہ فطر کے

احکام اور عید الاضحی میں قربانی کے احکام بتلانا مستحب ہے۔ پہلے خطبہ کے ابتداء میں پے در پے (اور جدا جدا) نو تکبیرات اور دوسرے خطبہ کے ابتداء میں سات تکبیرات پڑھنا مستحب ہے۔ ان تکبیرات کے درمیان اللہ تعالیٰ کی حمد و تہلیل اور ثنا کے کلمات پڑھنا جائز ہے۔ اور مذکورہ نو اور سات تکبیرات نفس خطبہ میں سے نہیں ہیں، بلکہ یہ خطبہ کیلئے بطور مقدمہ کے ہیں۔ خطبہ کو دھیان و توجہ سے سننا مستحب ہے۔ اور نہ سننا مکروہ ہے عید کی نماز اگر عید گاہ میں پڑھی گئی اور نماز کے بعد دوران خطبہ کوئی آئے تو وہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر خطبہ سنے اور خطبہ ہونے کے بعد نماز عید چاہے عید گاہ میں ادا کرے یا اپنے گھر جا کر۔ اور اگر عید کی نماز مسجد میں پڑھی گئی اور نماز کے بعد دوران خطبہ کوئی آئے تو سب سے پہلے عید کی نماز ادا کرے، پھر خطبہ سنے اور تحیۃ المسجد الگ سے پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ تحیۃ المسجد کا ثواب نماز عید کے ضمن میں مل جائے گا۔ امام نماز سے پہلے ہی خطبہ دے تو خطبہ شمار نہ ہوگا جیسا کہ فرض کی پچھلی سنت فرض سے پہلے پڑھے تو شمار نہیں ہوتی۔

قضاء: عید کی نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضاء کرنا مستحب ہے۔ رمضان کی تیس تاریخ کو زوال سے اتنی دیر پہلے، جس میں لوگوں کا جمع ہو کر نماز عید ادا کرنا ممکن ہو دو عادل شخص گذشتہ رات (یعنی تیسویں رات) چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو روزہ توڑ کر نماز پڑھیں اور یہ نماز ادا شمار ہوگی۔ قضاء نہ ہوگی۔ اور اگر غروب شمس کے بعد گواہی دیں تو نماز کے سلسلے میں گواہی قبول نہ کریں کیونکہ گواہی قبول کرنے کی صورت میں سوائے نماز چھوڑنے کے کچھ فائدہ نہیں۔ لہٰذا دوسرے دن نماز اداءً پڑھے قضاء نہ ہوگی۔ اور اگر زوال کے بعد غروب سے پہلے، یا زوال سے اتنی دیر پہلے جس میں نماز پڑھنا ممکن نہ ہو گواہی دیں تو روزہ توڑ دیں البتہ نماز فوت ہو جائے گی۔ اب اس کی قضاء کرے، خواہ اسی دن قضاء کرے یا دوسرے دن۔ لیکن اگر شہر کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے لوگوں کا اُسی دن جمع ہونا ممکن ہو تو اسی دن پڑھنا افضل ہے، ورنہ دوسرے دن پڑھنا افضل ہے۔

حدیث: ایک قافلہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں آکر گذشتہ رات چاند دیکھنے کی گواہی دینے لگا تو آپ ﷺ نے انہیں روزہ افطار کرنے اور (دوسرے دن) صبح کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا (رواہ احمد۔ و نسائی و البیہقی و صححہ الخطابی) اور دوسرے دن ہی قضاء کرنا ضروری نہیں، بلکہ اس سے بھی موٴخر کرنا جائز ہے۔ دو آدمیوں نے زوال سے پہلے یا مغرب سے پہلے گواہی دی، اور زوال کے بعد یا مغرب کے بعد عادل قرار دئے گئے تو جس وقت عادل قرار دئے گئے، اس وقت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا پہلی صورت میں نماز قضاء پڑھے، اور دوسری صورت میں اداء پڑھے۔ اور یہ مذکورہ ساری تفصیل اس صورت میں ہوگی جبکہ تمام لوگوں کو اشتباہ ہو جائے، اور سب کی نماز فوت ہو جائے۔ لیکن اگر چند افراد کو اشتباہ ہونے کی وجہ سے نماز فوت ہو جائے (تو ادا کی گنجائش نہیں) بلکہ قضاء کرے اور قضاء کبھی بھی کرنا جائز ہے۔

جمعہ کے دن عید آجائے، اور عید کی نماز کیلئے ایسی بستیوں کے لوگ آجائیں، جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے تو ایسے لوگوں کو جمعہ چھوڑ کر واپس اپنی بستی میں جانے کی اجازت ہے۔ (لیکن اگر ان لوگوں کے جانے سے پہلے جمعہ کا وقت شروع ہو چکا ہو تو ایسی صورت میں جمعہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ (فتح الوہاب)

تکبیرات کا بیان

تکبیرات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک قسم تو وہ ہے جو نماز اور خطبہ میں پڑھی جاتی ہے جس کا بیان گذر چکا ہے اور دوسری قسم ان دونوں کے علاوہ ہے پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) تکبیر مُرسل (مطلق) (۲) تکبیر مُقیّد

تکبیر مرسل اُسے کہتے ہیں جو کسی ایک حال کے ساتھ خاص نہ ہو، بلکہ مسجدوں گھروں، راستوں اور رات و دن میں پڑھی جائے۔ اور تکبیر مقید اُسے کہتے ہیں جو صرف نماز کے بعد پڑھی جائے۔ تکبیر مرسل دونوں عیدوں میں مشروع ہے اور تکبیر مرسل کا وقت عید کی رات سورج غروب ہونے سے لے کر امام کا عید کی نماز کیلئے تکبیر تحریمہ باندھنے تک ہے۔ تنہا نمازی کے خود کے تکبیر تحریمہ کا اعتبار ہوگا۔(عید الفطر کی رات میں نماز کے بعد تکبیر پڑھنا مسنون نہیں۔مغنی المحتاج ۲/ ۳۱۴) تکبیر مرسل عیدین کی رات و دن گھروں، مسجدوں، بازاروں اور راستوں میں چاہے حضر میں ہو، یا سفر میں، عید گاہ جاتے وقت اور عید گاہ میں بلند آواز سے کہنا مستحب ہے۔

حدیث: آپ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحی میں عید گاہ آنے تک بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہتے (رواہ الحاکم والبیہقی) البتہ حاجی حضرات اس سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ عید الاضحی کی رات میں تکبیر نہ کہیں بلکہ تلبیہ پڑھیں، تکبیر مُقَیَّد صرف عید الاضحی میں مشروع ہے، عید الفطر میں نہیں۔ تکبیر مرسل اور مقید منفرد، باجماعت نماز پڑھنے والا، مرد، عورت، مقیم اور مسافر سبھی کو پڑھنا سنت ہے۔

تکبیرات کا وقت: عید الاضحی کے موقع سے لوگوں کی دو قسمیں ہونگی۔(۱) حجاج کرام (۲) حجاج کے علاوہ "حجاج کرام یوم النحر میں ظہر کے بعد سے تکبیر کی ابتداء کریں اور ایام تشریق کے آخری دن صبح کی نماز کے بعد ختم کریں اور حجاج کے علاوہ دیگر لوگ عرفہ کے دن فجر کے بعد سے ابتداء کریں اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کے بعد تک پڑھتے رہیں۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ ﷺ عرفہ کے دن صبح کی نماز کے بعد سے تکبیر کی ابتداء کرتے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر بعد ختم کرتے (رواہ الحاکم) ایام تشریق عید کے بعد تین دن ہیں، ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذوالحجہ (الفقہ المھنجی) اگر امام مقتدی کے مسلک کے خلاف تکبیر کہے، مثلاً امام عرفہ کے دن تکبیر کہے اور مقتدی اس دن تکبیر کا قائل نہ ہو یا اس کے برعکس ہو تو مقتدی تکبیر کہنے اور نہ کہنے میں اپنے مسلک پر عمل کرے امام کی موافقت ضروری نہیں (کیونکہ سلام پھیرتے ہی امام کی اتباع کا حکم اور دونوں کا تعلق ختم ہو چکا)

قضاء نماز اور نوافل کے بعد تکبیر پڑھنے کا حکم

دیگر ایام کی فوت شدہ نماز کی ایام تشریق میں قضاء کرے یا ایام تشریق کی فوت شدہ نماز ان ہی ایام میں قضاء کرے تو اس کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے۔ اسی طرح سنن رواتب، مطلق نوافل، اور نماز جنازہ کے بعد بھی تکبیر کہنا مستحب ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ایام تشریق میں جو بھی نماز پڑھی جائے اس کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے۔ ایام تشریق کی فوت شدہ نماز دیگر ایام میں قضاء کرے تو اس کے بعد تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی نماز کے بعد تکبیر کہنا بھول جائے تو یاد آنے پر تکبیر کہدے، فاصلہ کم ہو یا زیادہ۔ گرچہ اپنی جگہ سے اٹھ چکا ہو۔ مسبوق اپنی نماز پوری کرنے کے بعد تکبیر کہے۔

تکبیر مطلق (مرسل) کو نماز کے اذکار کے بعد پڑھے، اور مقید کو پہلے پڑھے۔ عمرہ کرنے والا اگر طواف یا سعی کے ذکر میں مشغول نہ ہو تو وہ بھی تکبیر پڑھے جو عید الفطر کی رات حج کا احرام باندھے اسے تلبیہ سنت ہے۔ ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں مویشیوں کو دیکھے یا ان کی آواز سنے تو ایک مرتبہ تکبیر سنت ہے۔(بغیہ ۸۹)

تکبیر کے کلمات: تکبیر کا طریقہ یہ ہے کہ۔ تین مرتبہ بالترتیب تکبیر کہے۔

"اَللّٰہُ اَکۡبَرُ ۔ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ ۔اَللّٰہُ اَکۡبَرُ" البتہ افضل اور مشہور الفاظ یہ ہیں۔ "اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا

اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" (فتح الوھاب) مذکورہ تین تکبیروں میں سے تیسری کے بعد ان کلمات کو بھی بڑھانا اچھا ہے۔

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْراً وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلاً لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلاَ نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ صَدَقَ وَعْدَہُ وَنَصَرَ عَبْدَہُ وَہَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ"

متفرق مسائل: عید کے دن آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینا اور مصافحہ کرنا مباح ہے۔(جمل ۲/۱۰۵) ممیز بچوں کو عید کی نماز کیلئے لانا مباح ہے۔(المجموع۔۵/۹)

عید کے دن اپنے اہل وعیال پر خرچ میں وسعت کرنا۔ اپنی حیثیت کے مطابق کثرت سے صدقہ کرنا مسلمان بھائی کی ملاقات کے وقت خوشی کا اظہار کرنا اور خوشی کے اظہار کیلئے رشتہ داروں کی ملاقات کرنا مندوب ہے۔(الفقہ الاسلامی۔ ۲/۱۴۱۵)

عید الفطر کی مبارکبادی کا وقت تکبیر کی طرح غروب سے اور عید الاضحی کا عرفہ کے دن فجر سے ہے۔(بغیہ ص۸۹) عورتوں کو گھر میں با جماعت نماز عید ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں ایک عورت (نماز بعد) ان کو وعظ و نصیحت کر سکتی ہے۔ جو عورتیں نماز کیلئے (عید گاہ وغیرہ) نہ جائیں انہیں زیب وزینت مندوب ہے۔ عید کی طرح دیگر عبادات میں بھی پیدل جانا اور آمد ورفت میں راستہ کی تبدیلی، نیز جاتے وقت طویل اور واپسی میں مختصر راستہ اختیار کرنا مستحب ہے۔ البتہ حج اور غزوہ میں سوار ہونا مسنون ہے۔ عید الفطر میں نماز سے قبل کھانے کی سنت راستہ یا مسجد میں بھی ادا کرے تو عذر کی وجہ سے یہ خلاف مروّت نہیں ہے۔ عید کی نماز میں زائد تکبیرات کا ترک اس میں کمی بیشی ان میں رفع یدین نہ کرنا، یا درمیانی ذکر کا ترک کرنا مکروہ ہے۔(بشری الکریم ۲/۱۸-۱۹)

صلوٰۃ الکسوف (سورج اور چاند گھن کی نماز کا بیان)

مشروعیت: ایک حدیث شریف میں ہے۔ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کے مرنے اور پیدا ہونے سے اس میں گہن نہیں لگتا، لہٰذا جب تم گہن دیکھو تو نماز پڑھ کر دعا کرو یہاں تک کہ گہن ختم ہو جائے۔

گہن کی نماز اس امت کی خصوصیت ہے۔ سورج گہن کی نماز ۲ھ میں مشروع ہوئی اور چاند گہن کی نماز ۵ھ جمادی الاخری میں مشروع ہوئی۔(حاشیۃ الجمل ۲/۱۰۵)

نماز گھن کا حکم اور وقت: لفظ کسوف اور خسوف کا چاند گہن اور سورج گہن دونوں پر اطلاق ہوتا ہے سورج اور چاند گہن کی نماز سنت موکدہ ہے۔

اور یہ نماز منفرد، عورت، مسافر غلام ہر ایک کیلئے پڑھنا سنت ہے۔ ممیز بچہ کے ولی کیلئے مسنون ہے کہ وہ بچہ کو نماز پڑھنے کا حکم دے۔(حاشیۃ الجمل ۲/۱۰۷) اس نماز کو باجماعت اور مسجد میں ادا کرنا مستحب ہے

حدیث: آپ ﷺ نے سورج گہن کی نماز باجماعت ادا کی تھی۔(متفق علیہ) اس نماز کو مکروہ اوقات میں بھی پڑھنا جائز ہے، اور جامع مسجد میں پڑھنا مستحب ہے اور اس کے لئے اقامت کے بجائے اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ کہنا مستحب ہے۔

نماز گھن کا طریقہ: صلوٰۃ الکسوف کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہہ کر رکعت باندھ لے پھر سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع کرے اور رکوع سے اٹھ کر دوبارہ سورہ فاتحہ پڑھے پھر دوبارہ رکوع کر کے رکوع سے اٹھے۔ اور اعتدال کے بعد سجدہ میں چلا جائے یہ ایک

رکعت ہوئی اسی طرح دوسری رکعت بھی پڑھے ہر رکعت میں دو قیام اور دو رکوع کرے اور ہر قیام میں سورہ فاتحہ پڑھے۔

حدیث: ”آپ ﷺ نے دو رکعت میں چار رکوع اور چار سجدہ کیئے (متفق علیہ) اگر سنت ظہر کی طرح دو رکعت ادا کرے تو یہ بھی کافی ہے۔ سنت ظہر کی طرح ادا کرنے کی نیت سے نماز شروع کرنے کے بعد ہر رکعت میں دو رکوع پر عمل کرنا جائز نہیں۔ (اعانۃ)

نماز گھن کا اکمل طریقہ: (مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق) پہلے قیام میں دعائے استفتاح تعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ پڑھے، سورہ بقرہ اچھی طرح یاد نہ ہو تو کسی اور جگہ سے اس کے بقدر پڑھے۔ اور دوسرے قیام میں سورہ ال عمران یا اس کے بقدر کہیں اور جگہ سے پڑھے، تیسرے قیام میں سورہ نساء یا اس کے بقدر کہیں اور جگہ سے، اور چوتھے قیام میں سورہ مائدہ یا اس کے بقدر پڑھے۔ ایک روایت میں ہے کہ پہلے قیام میں سورہ بقرہ پڑھے وہ یاد نہ ہو تو اس کے بقدر کہیں اور سے، اور دوسرے قیام میں سورہ بقرہ کی دو سو آیات کے بقدر، تیسرے قیام میں بقرہ کے ڈیڑھ سو آیات، اور چوتھے قیام میں سو آیات کے بقدر پڑھنا مستحب ہے۔ ہر قیام میں قرأت سے پہلے تعوّذ پڑھنا مستحب ہے۔

ان دو رکعت کے پہلے رکوع اور سجدہ میں تقریباً سورہ بقرہ کی سو آیات اور دوسرے رکوع وسجدہ میں بقرہ ہی کی اسّی (۸۰) آیات اور تیسرے رکوع وسجدہ میں ستّر (۷۰) آیات کے اور چوتھے رکوع وسجدہ میں پچاس (۵۰) آیات کے بقدر تسبیح پڑھے۔ (یعنی رکوع وسجدہ کو اتنا طویل کرے کہ اس میں تقریباً سو (۱۰۰) اسّی (۸۰) ستّر (۷۰) اور پچاس (۵۰) آیت کے بقدر تسبیح پڑھ سکے) اور ہر رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع (سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ) اور تحمید (رَبَّنَا لَکَ الۡحَمۡدُ الخ) پڑھنا بھی مستحب ہے۔ جلسہ بین السجدتین، دوسرے رکوع کے بعد اعتدال اور تشہد کو طویل نہ کرے گھن کی نماز میں امام کو پہلی رکعت یا دوسری رکعت کے پہلے رکوع میں پانے سے وہ رکعت مل جاتی ہے۔ اور دوسرے قیام یا دوسرے رکوع میں شریک ہونے سے وہ رکعت فوت ہو جاتی ہے۔

دوسری رکعت پانے کی صورت میں امام کے سلام کے بعد اپنی ایک رکعت پوری کرے اور اس میں بھی دو قیام اور دو رکوع کرے۔

گھن کافی دیر تک رہنے کی وجہ سے ایک رکعت میں دو سے زیادہ رکوع کرنا جائز نہیں۔ اگر پہلے ہی قیام میں گھن ختم ہو جائے تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی، بلکہ ایسی صورت میں بھی ہر رکعت میں دو قیام اور دو رکوع کر کے نماز مکمل کرے۔

سلام پھیرنے کے بعد ابھی گھن باقی ہو تو اس کی وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں، البتہ باجماعت اعادہ سنت ہے (بشری الکریم)

نماز گھن کے خطبہ کا حکم: نماز کے بعد دو خطبے دینا بھی مستحب ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: آپ ﷺ نے سورج گھن کے موقع سے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد خطبہ بھی دیا۔ (متفق علیہ)

دونوں خطبے ارکان وشرائط میں جمعہ کے خطبوں کے مانند ہیں۔ اور یہ خطبے باجماعت نماز پڑھنے والے کیلئے مسنون ہیں، خواہ نماز شہر میں ادا کریں یا مسافر حضرات جنگل میں پڑھیں (منفرد کیلئے خطبہ نہیں ہے۔ (مغنی المحتاج)

خطبہ میں امام لوگوں کو گناہوں سے توبہ کرنے، نیک کام کرنے، غلام آزاد کرنے، اور صدقہ کرنے پر ابھارے، اسی طرح غفلت اور دنیا کے دھوکے سے ڈرائے۔

حدیث: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ”آپ ﷺ نے سورج گھن کے موقع پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ (رواہ البخاری) چاند گھن کی نماز میں قرأت جہراً پڑھے اور سورج گھن میں سراً۔

کسوف کی قضاء

سورج گہن کی نماز (نماز شروع کرنے سے پہلے) مکمل طور پر گہن ختم ہونے یا گہن ہی کی حالت میں سورج غروب ہونے سے فوت ہو جاتی ہے۔ گہن کا کچھ حصہ ختم ہو جائے اور کچھ باقی ہو تو بقیہ کیلئے نماز شروع کرنا جائز ہے، جیسے کہ اتنی ہی مقدار میں گہن لگنے کی صورت میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ دوران نماز گہن ختم ہو جائے تو نماز توڑنے کی ضرورت نہیں، بلکہ نماز پوری کرے۔(المجموع ۵/۵۴) بادل حائل ہونے کی وجہ سے گہن کے ختم ہونے یا گہن لگنے کے متعلق شک ہو جائے تو اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ پہلی صورت میں نماز پڑھے، کیونکہ گہن کا باقی رہنا اصل ہے اور دوسری صورت میں نہ پڑھے۔

چاند گہن کی نماز (نماز شروع کرنے سے پہلے) گہن مکمل طور پر ختم ہونے یا سورج طلوع ہونے سے فوت ہو جاتی ہے۔

سورج طلوع ہونے کے بعد بھی گہن لگا ہوا ہو، تب بھی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ رات گہن ہی کی حالت میں چاند غائب ہونے اور گہن ہی کی حالت میں طلوع فجر سے یا طلوع فجر کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے گہن لگنے سے نماز فوت نہیں ہوتی، بلکہ نماز پڑھنا جائز ہے۔ دورانِ نماز سورج طلوع ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، جیساکہ دورانِ نماز گہن ختم ہونے کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر طلوع شمس کے بعد چاند گہن شروع ہو جائے تو نماز نہ پڑھے گہن کی نماز فوت ہونے پر اسکی قضاء کرنے کی ضرورت نہیں(الفقہ المنھجی) گہن کے متعلق نجومیوں کی بات پر عمل نہ کرے۔

ایک ہی وقت میں دو مختلف نمازوں کا جمع ہونا

ایک وقت میں دو مختلف نمازیں جمع ہو جائیں، تو جس نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، اُسے پہلے ادا کرے۔ اگر فوت ہونے میں دونوں برابر ہوں تو جو زیادہ موکد ہو، اُسے پہلے ادا کرے، جیسے عید اور کسوف یا جمعہ اور کسوف کی نماز ایک ساتھ جمع ہو جائیں، اور وقت کی تنگی کی وجہ سے عید یا جمعہ کی نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو عید یا جمعہ کی نماز پہلے ادا کرے۔ اور اگر عید یا جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر گہن کی نماز پہلے ادا کرے۔ دیگر فرائض کا حکم بھی جمعہ ہی کے مانند ہے۔ گہن اور وتر یا گہن اور تراویح کی نماز ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو گہن کی نماز پہلے ادا کرے۔ اس لئے کہ یہ نماز افضل ہے۔

جنازہ اور کسوف یا جنازہ اور عید کی نماز جمع ہو جائیں تو نماز جنازہ پہلے پڑھے اور نماز جنازہ پوری ہونے کے بعد امام دوسری نماز کی ادائیگی میں مشغول ہو جائے۔ امام قبر تک جنازہ کے ساتھ نہ جائے، اگر جنازہ حاضر نہ ہو یا حاضر تو ہو لیکن اس کا ولی حاضر نہ ہو، تو امام ایک جماعت الگ سے تیار کرے جو جنازہ کا انتظار کرتی رہے۔ اور خود امام دوسری نماز میں مصروف ہو جائے۔ جنازہ اور جمعہ کی نماز جمع ہو جائیں اور وقت تنگ نہ ہو تو نماز جنازہ پہلے ادا کرے۔ پھر جمعہ ادا کرے، وقت تنگ ہو تو جمعہ مقدم کرے۔

نماز عید اور کسوف جمع ہو جائیں تو دونوں نمازیں ادا کرنے کے بعد ایسے دو خطبے دے جس میں عید اور کسوف کے احکام کا ذکر ہو۔

نماز جمعہ اور کسوف ایک ساتھ جمع ہو جائیں۔ اور وقت کی تنگی کی وجہ سے جمعہ کو مقدم کرنا ہو تو پہلے جمعہ کا خطبہ دے، پھر جمعہ کی نماز ادا کر کے کسوف کی نماز پڑھے اس کے بعد کسوف کا خطبہ دے، اور اگر کسوف کی نماز پہلے ادا کرے تو نماز کسوف کے بعد (جمعہ کی نیت سے) جمعہ کیلئے ایسے دو خطبے دے، جس میں کسوف کے مسائل کا بھی ذکر ہو۔ چار خطبے دینے کی ضرورت نہیں (یعنی دو جمعہ کے اور دو کسوف کے) اور ان خطبوں میں جمعہ اور کسوف دونوں کی ایک ساتھ نیت نہ ہو، (بلکہ صرف جمعہ کے خطبہ کی نیت ہو) اسلئے کہ ایسی صورت میں فرض اور نفل کے

درمیان شرکت ہوگی، بخلاف عید اور کسوف میں کہ اس میں دونوں کے خطبوں کی ایک ساتھ نیت جائز ہے۔ کیونکہ دونوں سنت ہیں۔

زلزلہ وغیرہ میں نماز کا حکم

گہن کے علاوہ جتنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جیسے زلزلے، بجلی، کڑک، اور سخت ہوائیں چلنے کی صورت میں باجماعت نماز پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ البتہ تنہا نماز پڑھنا مستحب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے۔ اور خوب آہ وزاری کے ساتھ دعا کرنا بھی مستحب ہے۔ عورتیں بھی گہن کی نماز پڑھ سکتی ہیں۔

استسقاء کی نماز کا بیان

مشروعیت۔ حدیث: حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف بارش مانگنے کیلئے گئے، پھر قبلہ کی طرف رخ کرکے چادر کو پلٹا اور دو رکعت نماز ادا کی (رواہ الشیخان) استسقاء کی نماز اس امت کی خصوصیت ہے۔ اور ۶ ھ رمضان میں مشروع ہوئی، (حاشیۃ الجمل ۲/۱۱۴) استسقاء کے لغوی معنی ہے پانی طلب کرنا۔

شرعی تعریف: ضرورت کے وقت بندوں کا اللہ تعالیٰ سے بارش کا سوال اور دعا کرنا۔

پانی بالکل نہ ہو، کم ہو یا نمکین ہو، تو ان تمام صورتوں میں استسقاء مشروع ہو۔ (فتح المعین)

استسقاء کا حکم اور وقت: استسقاء کی نماز سنت مؤکدہ ہے اس نماز کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں، بلکہ رات ودن کسی بھی وقت پڑھ سکتے ہیں، یہاں تک کہ مکروہ وقت میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ سبب والی نماز ہے۔ (فتح الوہاب مع جمل۔ ۲/۱۲۰) استسقاء کی نماز جنگل (یعنی کھلے میدان) میں پڑھنا سنت ہے۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کی نماز کیلئے صحراء کی طرف جایا کرتے تھے۔ (تلخیص الحبیر)

نماز استسقاء کے آداب: امام استسقاء کیلئے نکلنے سے پہلے لوگوں کو گناہوں سے توبہ کرنے، نیک کام کرنے، صلہ رحمی، اور فقراء پر صدقہ اور زبردستی کسی کا حق دبایا ہے تو اسے ادا کرنے کا حکم دے، چاہے وہ حق خون کے قبیل کا ہو (یعنی ناحق کسی کو قتل کیا ہو) یا کسی کی آبروریزی کی ہو یا کسی کا مال چھین لیا ہو۔ اسی طرح مسلسل چار دن روزے رکھنے کا بھی حکم دے اور چوتھے دن روزے کی حالت میں ہی پرانے کپڑوں میں نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ زیب وزینت اور خوشبو کے بغیر، میدان کی طرف نکل پڑے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف زیب وزینت اختیار کئے بغیر نکلے اور عید کی طرح دو رکعت نماز پڑھائی، (رواہ احمد، حاکم، تلخیص) نماز استسقاء کیلئے جانے سے پہلے غسل کرنا، مسواک کرنا، اور بدبو زائل کرنا مستحب ہے، بچوں، بوڑھوں اور جانوروں کو بھی استسقاء کیلئے ساتھ لے جانا مستحب ہے اگر نماز کیلئے ذمی بھی نکلیں تو وہ مسلمانوں سے الگ تھلگ کھڑے رہیں۔

ہر آدمی کا اپنے نیک عمل کے وسیلے سے دعا مانگنا بھی مستحب ہے۔ اسی طرح اکابر حضرات اور نیک لوگوں کے خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے وسیلے سے دعا مانگے (یعنی ایسے حضرات کو دعا کیلئے آگے بڑھائے جو موجود ہو اور اب یہ جاننا ممکن نہیں)

استسقاء کے تین طریقے ہیں: (اور یہ تینوں سنت مؤکدہ ہیں) (۱) کسی نماز کے بغیر محض دعا کرنا، خواہ تنہا دعا کرے یا اجتماعی شکل میں (۲) متوسط طریقہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد (فرض ہو یا نفل) اور جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں دعا کرے۔

(۳) **افضل طریقه:** سب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے، پھر دو خطبے دے کر بارش کیلئے دعا کرے۔ اوراس نماز کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں عید کی طرح سات زائد تکبیرات اور دوسری رکعت میں پانچ زائد تکبیرات کہے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ق اور دوسری میں سورہ قمر یا پہلی میں سورہ اعلی (**سبح اسم ربک**) اور دوسری میں سورہ غاشیہ پڑھنا مستحب ہے۔ اور دونوں رکعت میں قراءت جہراً پڑھنا مستحب ہے۔ اوراس نماز کیلئے اقامت کے بجائے اَلصَّلَاۃُ جامعۃ کہہ کر لوگوں کو جمع کیا جائے، اور عید کی طرح اس نماز کے زائد تکبیرات کے درمیان ایک متوسط آیت کے بقدر ٹھہرنا اور ذکر پڑھنا مستحب ہے۔ (المجموع ۵/۷۴)

خطبه۔ نماز کے بعد دو خطبے دینا مستحب ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کیلئے نکلے اور دو رکعت نماز پڑھا کر خطبہ دیا۔ (رواہ احمد ابن ماجه) اور یہ خطبے ارکان وشرائط میں عید کے خطبوں کے مانند ہیں۔ البتہ چند امور میں عید اور استسقاء کے خطبوں میں فرق ہے۔

(۱) استسقاء کے خطبے میں ابتداء میں تکبیرات کے بجائے استغفار پڑھے۔ استغفار یہ ہے۔

"اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ" (پہلے خطبہ میں نو مرتبہ اور دوسرے میں سات مرتبہ استغفار پڑھے) خطبہ کے آخر میں استغفار پڑھے اور دوران خطبہ استغفار اور اس آیت (اِسْتَغْفِرُوا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّاراً یُرْسِلِ السَّمَائَ عَلَیْکُمْ مِدْرَاراً) اور اس دعا (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الْاَرْضِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ) اور (یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِیْثُ وَ مِنْ رَّحْمَتِكَ نَرْجُوْا فَلَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَ اَصْلِحْ لَنَا شَانَنَا کُلَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ) کو کثرت سے پڑھے۔ (مغنی المحتاج ۔ ۱/۳۲۴) (۲) دوسرے خطبہ میں قبلہ کی طرف رخ کرے (جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا)

(۳) پہلے خطبہ میں یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثاً مُّغِیْثاً ھَنِیْئاً مَرِیْئاً مَرِیْعاً غَدَقاً مُجَلِّلاً سَحّاً طَبَقاً دَائِماً اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ اَللّٰھُمَّ اِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ مِنَ اللَّأْوَائِ وَالْجُھْدِ وَالضَّنْكِ مَا لَا نَشْکُوْا اِلَّا اِلَیْكَ اَللّٰھُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ وَاَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ وَاسْقِنَا مِنْ بَرَکَاتِ السَّمَائِ وَ اَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجُھْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْیَ وَاکْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَائِ مَا لَا یَکْشِفُہٗ غَیْرُكَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ اِنَّكَ کُنْتَ غَفَاراً فَاَرْسِلِ السَّمَائَ عَلَیْنَا مِدْرَاراً"

ترجمه: اے اللہ بارش برسا تکلیف دور کرنے، اور فریاد رسی کرنے والی برکت و راحت والی، خوشگوار، شاداب، فراوانی والی شیرین جل تھل کرنے والی، لگاتار عام اور ڈھانپنے والی ہمیشہ اے اللہ ہمیں بارش سے سیر اب کر، اور ہم کو مایوس نہ کر، اے اللہ بیشک بندوں اور شہروں میں دشواری، مشقت اور تنگی ہے، جسکی ہم آپ کے پاس فریاد کر رہے ہیں اے اللہ ہمارے لئے کھیتی اُگا دے، اور جانوروں کے تھن سے دودھ عطا فرما۔ اور ہم پر آسمان کی برکتوں کا نزول فرما۔ اور زمین کی برکتیں ہمارے لئے اُگا دے اے اللہ ہم سے تنگی، بھوک اور برہنگی دور فرما۔ اور ہمارے اوپر سے ان آفتوں کو دور فرما جنہیں آپکے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اے اللہ ہم مغفرت مانگتے ہیں۔ بیشک آپ غفار ہیں لہٰذا ہمارے اوپر موسلا دھار بارش برسا)۔

پہلے خطبہ میں اور دوسرے خطبہ کے ابتداء میں لوگوں کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پیٹھ ہو البتہ دوسرا خطبہ تقریباً ایک تہائی ہونے کے بعد قبلہ کی طرف رخ کر کے سراً و جہراً خوب دعا کرے۔ اور امام جب آہستہ دعا کرے تو دیگر لوگ بھی آہستہ ہی کریں۔ اور امام

جب جہراً دعا کرے تو تمام لوگ اس کی دعا پر آمین کہیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں، جیسے کہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب بارش کیلئے دعا مانگی تو ہتھیلی کی پیٹھ کا رخ آسمان کی طرف تھا۔ کسی مصیبت کے دور ہونے کیلئے دعا کرتے وقت ہتھیلی کی پیٹھ کا رخ آسمان کی طرف رکھنا سنت ہے۔ اور کسی چیز کا سوال کرتے وقت ہتھیلی کے پیٹ کا رخ آسمان کی طرف رکھنا سنت ہے امام نوویؒ نے المجموع میں امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی حالت میں یہ دعا بھی مانگے "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اَمَرْتَنَا بِدُعَائِكَ وَوَعَدْتَنَا اِجَابَتَكَ وَقَدْ دَعَوْنَاكَ كَمَا اَمَرْتَنَا فَاَجِبْنَا كَمَا وَعَدْتَنَا اَللّٰھُمَّ امْنُنْ بِمَغْفِرَةِ مَا قَارَفْنَا وَاِجَابَتِكَ فِي سُقْيَانَا وَسَعَةِ رِزْقِنَا"

ترجمہ: اے اللہ آپ نے ہمیں دعا کا حکم دیا اور اس کی قبولیت کا وعدہ بھی کیا لہٰذا ہم آپ سے دعا کرتے ہیں جیسے آپ نے ہمیں حکم دیا۔ لہٰذا ہماری دعا قبول فرما۔ جیسے کہ آپ نے وعدہ کیا۔ اے اللہ ہم سے جو گناہ ہوئے ہیں انہیں معاف فرما اور بارش سے سیر اب فرما اور وسیع رزق عطا کر کے ہم پر احسان فرما۔) امام جب دعا سے فارغ ہو جائے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر انہیں وعظ و نصیحت کرے۔ پھر آپ ﷺ پر درود پڑھ کر مومن مرد و عورت کیلئے دعا کرے اور قرآن کی ایک دو آیات پڑھے اور آخر میں استغفر اللہ لی ولکم الخ کہہ کر خطبہ کو ختم کرے۔

دوسرے خطبہ میں (دعا کیلئے) قبلہ کی طرف رخ کرتے وقت امام کیلئے چادر کی تحویل مستحب ہے۔ اور چادر اگر چوکور ہو تو تحویل کے ساتھ تنکیس بھی مستحب ہے اور گول ہو تو صرف تحویل مستحب ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے استسقاء کے موقع پر تحویل رداء کی۔ (رواہ الحاکم) اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی تحویل کا ذکر ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ تحویل یعنی چادر کا وہ حصہ جو دائیں کندھے پر ہو اسے بائیں کندھے پر ڈالے اور جو بائیں کندھے پر ہو اسے دائیں کندھے پر ڈالے۔

تنکیس: یعنی چادر کے اوپری حصہ کو نیچے کرنا اور نچلے حصہ کو اوپر کرنا۔ اگر اس نچلے کنارے کو جو بائیں بازو پر ہے اسے دائیں کندھے پر اور جو دائیں بازو پر ہے اسے بائیں کندھے پر ڈالے تو تحویل و تنکیس ایک ساتھ حاصل ہو گی۔ امام کی طرح دیگر حضرات بھی اس وقت اپنی چادر میں تحویل و تنکیس کریں۔

تحویل وتنکیس کی حکمت: حالات بدل کر سر سبزی و شادابی کی طرف منتقل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نیک فالی کو پسند فرماتے تھے۔ (متفق علیہ) کپڑے نکالنے تک چادر کو تحویل ہی کی حالت میں رکھنا مستحب ہے، بارش مانگنے کے بعد بارش برسے تو ٹھیک ہے ورنہ اگر دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو جائے، تو دوبارہ سہ بارہ بھی نماز پڑھ کر بارش مانگ سکتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے اور دوبارہ جب بارش مانگنے کے لئے نکلے تو نکلنے سے پہلے پھر تین دن کے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں، نماز کے واسطے تیاری کرنے کے بعد نکلنے سے پہلے ہی بارش برسے تو وعظ و نصیحت، دعا اور شکر ادا کرنے کیلئے میدان کی طرف جائے، اور بطور شکر دو رکعت استسقاء کے نماز کی طرح ادا کرے۔ اور نیت بھی استسقاء کی کرے اور خطبہ بھی دے (فتح الوہاب مع حاشیۃ الجمل ۲/۱۱۵) بارش کا مانگنا تمام کیلئے مستحب ہے، چاہے وہ کسی بستی و دیہات یا شہر کے رہنے والے ہوں یا مسافر ہوں، پانی ختم ہو جائے اور فی الحال اس کی ضرورت نہ ہو تو پھر بارش مانگنے کی ضرورت نہیں۔ اگر مسلمانوں کی کسی بستی میں پانی ختم ہو جائے اور انہیں پانی کی ضرورت ہو تو دوسری بستی والوں کیلئے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بارش اور اپنے لئے پانی کی زیادتی کی دعا کرنا مستحب ہے۔ اگر امام استسقاء (بارش مانگنے کو) چھوڑ دے تو دیگر حضرات نہ چھوڑیں۔

اگر نماز سے پہلے خطبہ دے تو جائز ہے اور ایسا خطبہ و نماز صحیح ہے۔ ابو داود شریف میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے خطبہ دیا پھر نماز پڑھی اور بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ استسقاء کیلئے نکلے تو آپ نے دعا کی، قبلہ کی طرف رخ کیا اور چادر کو پلٹایا پھر دو رکعت نماز ادا کی بارش زیادہ برسنے کی وجہ سے مکانات اور کھیتوں کو نقصان پہنچنے لگے، تو اس کے لئے کوئی نماز مشروع نہیں۔ البتہ بارش کے کم ہونے کی دعا کرنا سنت ہے دعا یہ ہے "اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا" (**ترجمہ:** اے اللہ ہمارے اطراف میں، نہ کہ ہم پر) بعضوں نے بارش دور کرنے کی نیت سے تنہا نماز پڑھنا مسنون قرار دیا ہے۔ (بشری الکریم) سال میں پہلی بار بارش گرنے کے وقت (گھر سے) باہر نکل کر ستر کے علاوہ حصہ کھول کر بدن کو بارش سے تر کرنا مستحب ہے اور یہ اکمل طریقہ ہے ورنہ اگر بدن کے کسی ایک عضو کو مثلاً سر یا ہاتھ کھول کر تر کرے تب بھی اصل سنت حاصل ہو گی۔ (حاشیۃ الجمل ۱۲۵/۲)

جب بارش کے پانی سے وادی بہہ پڑے تو اس میں غسل اور وضو کرنا مستحب ہے۔ کڑک اور بجلی چمکنے کے وقت یہ تسبیح پڑھے "سُبْحَانَ مَنْ یُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَائِکَۃُ مِنْ خِیفَتِهٖ" (پاک ہے وہ ذات، جس کی تسبیح و تحمید گرج اور فرشتے اس کے خوف سے کرتے رہتے ہیں)

حدیث: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب کڑک کی آواز سنتے تو کلام ترک فرماتے اور (مذکورہ بالا دعا پڑھتے) (رواہ فی المؤطا) ترمذی میں اس دعا کے بعد یہ دعا پڑھنا بھی مروی ہے "اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ" (الفقہ الاسلامی)

ترجمہ: یا اللہ ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر، اور اس سے قبل ہی عافیت عطا فرما) بارش برستے وقت یہ دعا پڑھنا سنت ہے "اَللّٰھُمَّ صَیِّباً نَافِعاً" (یا اللہ نفع بخش بارش ہو) ہوا کو برا بھلا کہنا مکروہ ہے (خواہ ہوا خلاف عادت چلے) بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کے خیر کی دعا اور شر سے پناہ چاہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ جب ہوا تیز چلتی تو یہ دعا پڑھتے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا وَ خَیْرَ مَا فِیْھَا وَ خَیْرَمَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّ مَا فِیْھَا وَ شَرِّمَا اُرْسِلَتْ بِهٖ" (ترجمہ اے اللہ میں اس ہوا کے خیر کا اور جو کچھ اس میں خیر ہے اور جس خیر کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کا طالب ہوں۔ اور میں آپ کی اس کے شر سے اور جو کچھ اس میں شر ہے اور جس شر کے ساتھ یہ بھیجی گئی اس سے پناہ مانگتا ہوں) بارش برسنے کے بعد یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔ "مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ" (اللہ کے فضل رحمت سے ہم پر بارش ہوئی) بارش برستے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔ اور برسنے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے۔ اور "مطرنا بنوء کذا" (یعنی فلاں ستارہ فلاں برج میں جانے کی وجہ سے بارش ہوئی) کہنا مکروہ ہے۔ اگر یہ اعتقاد ہو کہ ستارہ ہی بارش برسانے والا ہے تو یہ کفر ہے اور اس سے آدمی مرتد ہو گا۔ کڑک اور بجلی چمکنے کے وقت اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ سلف صالحین اس کی طرف دیکھنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ جب ستارہ ٹوٹتے ہوئے دیکھے تو یہ الفاظ پڑھے۔ **ماشاء الله لا قوة الا بالله**۔ (رواہ ابن السنی والطبرانی، الفقہ الاسلامی)

کتاب الجنائز (جنازہ کے احکام)

موت کی یاد اور اس کی تمنا کرنے کا حکم: ہر آدمی کیلئے موت کو کثرت سے یاد کرنا مستحب ہے۔

حدیث: لذتوں کو توڑنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو یعنی موت کو"۔(رواہ الترمذی) کسی مصیبت اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے اگر تمنا ہی کرنا ہے تو اس طرح کہے۔"اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِی مَا کَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْراً لِّی وَتَوَفَّنِی اِذَا کَانَتِ الوَفَاۃُ خَیْراً لِّیْ (صحیحین)" **ترجمہ:** (اے اللہ مجھے زندہ رکھئے جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہے، اور موت دیجئے جب موت میرے لئے بہتر ہو۔) البتہ اگر دین کے سلسلے میں کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، تو موت کی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مرنے سے پہلے گناہوں سے توبہ کرے، اور ناحق کسی کا حق دبایا ہے تو اسے ادا کرے، مریض کیلئے تو مذکورہ دونوں چیزیں بدرجہ اولیٰ کرنا چاہئے۔

بیمار کیلئے بیماری پر صبر کرنا مستحب ہے، اور جہاں تک ہو سکے بیماری کی حالت میں کراہے نہیں، علاج کرانا مستحب ہے۔

عیادت کا حکم اور اس کے آداب: اگر کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا مستحب ہے۔

حدیث: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "کہ ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کے ساتھ جانے اور مریض کی عیادت کا حکم دیا۔(متفق علیہ) کوئی ذمی بیمار ہو تو اس کے مسلمان رشتہ دار یا پڑوسی یا دوست وغیرہ کیلئے اس کی بھی عیادت کرنا مستحب ہے، جیسا کہ ایک یہودی غلام کے بیمار ہونے پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی۔(رواہ البخاری) ذمی کی عیادت کرنا جائز ہے کافر کی بھی عیادت کرنا جائز ہے۔

عیادت کرنے والے کو مریض کے اچھے ہونے کی امید نظر آئے تو اس کے لئے دعا کر کے وہاں سے واپس لوٹے۔ اور اچھے ہونے کی امید نہ ہو تو اسے توبہ اور وصیت کی رغبت دلائے، مریض کے دل کو خوش کرنا مستحب ہے، مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔ اور نہ بار بار عیادت کرے، بلکہ کبھی کبھی عیادت کرے، لیکن اگر بیمار کو کسی آدمی (مثلاً دوست یا رشتہ دار) کے رہنے سے انسیت حاصل ہوتی ہو، تو ایسے شخص کیلئے بار بار عیادت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جس وقت عیادت کرنا مریض پر شاق گذرتا ہو، ایسے وقت عیادت کرنا مکروہ ہے۔ بیمار سے زیادہ پوچھ تاچھ نہ کرے۔ اور اُسے اچھے ہونے کی امید دلائے اور آہ و بکا کرنے سے ڈرائے۔(حاشیۃ الجمل ۲/ ۱۳۴) مریض کا زیادہ شکوہ شکایت کرنا مکروہ ہے۔ بیمار پر دوا پینے کیلئے زبردستی کرنا مکروہ ہے۔

سکرات کے وقت مطلوبہ امور: جس کی موت کا وقت قریب آچکا ہو، اسے قبلہ رخ کردے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر قبلہ رخ لٹائے جیسا کہ قبر میں رکھا جاتا ہے، اگر دائیں کروٹ پر لٹانا دشوار ہو تو بائیں کروٹ پر لٹائے۔ اور اگر کسی وجہ سے بائیں کروٹ پر بھی لٹانا دشوار ہو تو پھر چت لٹائے اس صورت میں پیر کے تلوے قبلہ رخ کرے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر تھوڑا اوپر اٹھائے تاکہ چہرہ قبلہ رخ ہو جائے۔(المجموع ۵/۱۱۶) نیز ایسے شخص کو شہادت کا کلمہ تلقین کرنا مستحب ہے۔

حدیث: (۱) اپنے مردوں (یعنی جس کی موت کا وقت قریب آچکا ہو) کو "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" تلقین کرو۔(رواہ مسلم)

(۲) جس کا آخری کلام "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" ہو گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔(رواہ الحاکم)

مگر کلمہ کی ادائیگی کیلئے اس پر اصرار نہ کرے اور نہ اس سے کہے کہ کلمہ پڑھ، بلکہ اس کے پاس کلمہ پڑھتا رہے، تاکہ وہ کلمہ سن کر خود پڑھ لے، یا اس کے پاس یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک ہے تو چلو ہم سب اللہ کا ذکر کریں، پھر کہے۔"سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَر" ایک مرتبہ کلمہ پڑھنے کے بعد دوبارہ اس سے نہ پڑھوایا جائے۔ جب تک کہ اس کے بعد کوئی دوسری بات نہ کرے۔ ورثاء کے علاوہ کسی اور شخص کا کلمہ تلقین کرنا مستحب ہے اور اگر ورثاء کے علاوہ کوئی موجود نہ ہو تو ورثاء میں سے اس پر جو زیادہ

مشفق ہو وہ تلقین کرے، اسے ٹھنڈا پانی پلانا بھی مستحب ہے۔(حاشیۃ الجمل ۲/۱۳۸۔ مغنی المحتاج) اسی طرح اس کے پاس سورہ یٰسین پڑھنا بھی مستحب ہے۔

حدیث: اپنے مردوں (یعنی جن کی موت کا وقت قریب آچکا ہو) پر سورہ یٰسین پڑھا کرو۔(رواہ ابوداود وابن حبان)

بعض تابعین نے سورہ رعد پڑھنے کو بھی مستحب قرار دیا ہے۔ سورہ یٰسین کا جہراً پڑھنا مسنون ہے۔ اور سورہ رعد سراً پڑھے گرچہ محتضر (جس کی موت کا وقت آچکا ہو) جہراً پڑھنے کا مطالبہ کرے۔(حاشیۃ الجمل ۲/۱۳۸) اور ایسے شخص کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے تین دن پہلے فرماتے ہوئے سنا تم میں سے ہر ایک کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہو۔(رواہ مسلم)

اور اس کے پاس بیٹھنے والے کیلئے مستحب ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے رحمت کی امید دلائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی ترغیب دے۔

روح قبض ہونے کے بعد مندوب (مستحب) امور: جب روح قبض ہو جائے تو میت کی آنکھیں بند کر دے۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی آنکھیں بند کر دیں۔(رواہ مسلم، تلخیص) اور چوڑی پٹی سے اس کے جبڑوں کو سر کے اوپر باندھے (تاکہ منہ کھلا نہ رہے) اس کے بعد میت کے تمام جوڑوں کو اسطرح نرم کرے کہ اس کی کلائی کو بازو تک، اور پنڈلی کو ران تک، اور ران کو پیٹ تک لے جاکر اس کی اصلی حالت پر لوٹائے۔ اور انگلیوں کو اس طرح نرم کرے کہ انگلیوں کو ہتھیلی کے پیٹ تک لے جاکر واپس اپنی اصلی حالت پر لوٹائے۔

جوڑوں کو نرم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ غسل دینے اور کفن پہنانے میں آسانی ہو۔ پھر جن کپڑوں میں موت واقع ہوئی ہے انہیں نکال دے اور پتلے کپڑے (یعنی چادر وغیرہ) کے ذریعے پورا بدن ڈھانکے۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو آپ کے بدن مبارک پر یمنی چادر ڈالی گئی تھی۔(متفق علیہ، تلخیص)

کپڑا اڈالنے کے بعد اس کے ایک طرف کا کنارہ سر کے نیچے اور دوسرے طرف کا کنارہ دونوں پاؤں کے نیچے دبائے تاکہ ہوا، وغیرہ کے ذریعے بدن کھل نہ جائے۔ میت کے پیٹ پر قرآن کے علاوہ کوئی معمولی وزنی چیز رکھ دی جائے (تاکہ میت کا پیٹ پھول نہ جائے) پھر میت کو کسی بلند چیز پر مثلاً چارپائی وغیرہ پر اس طرح چت لٹائے کہ پیر کے تلووں کا رُخ قبلہ کی طرف ہو اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھے تاکہ چہرہ کا رخ بھی قبلہ کی جانب ہو۔ میت کو چارپائی وغیرہ پر رکھنے کی صورت میں اس کے نیچے بستر نہ بچھائے، تاکہ بستر کی گرمی سے میت میں تغیر پیدا نہ ہو۔(فتح الوہاب مع حاشیۃ الجمل۔ ۲/۱۴۱) ان مذکورہ تمام امور کا میت کے محرم رشتہ داروں میں سے مشفق آدمی کیلئے جتنا سہولت و آسانی کے ساتھ ممکن ہو انجام دینا سنت ہے۔ اگر مرد کی میت ہو تو مرد اور عورت کی میت ہو تو عورت ان امور کو انجام دے۔ اگر محرم مرد کے ان امور کو کوئی محرم عورت انجام دے یا اس کے برعکس ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ اور فی الحال ممکن اور آسان ہو تو میت کے قرض کی ادائیگی اور وصیت کے نفاذ میں جلدی کرے میت کے پاس اچھی باتیں کرنا مستحب ہے۔

حدیث: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب تم مریض یا میت کے پاس آؤ تو خیر کی باتیں کرو۔ اس لئے کہ تم جو کہتے ہو ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں۔(رواہ مسلم)

میت کے پیشانی کو بوسہ لینا

میت کے رشتہ داروں اور دوستوں کیلئے میت کے چہرہ کا بوسہ لینا جائز ہے۔

حدیث:(۱) آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو ان کی وفات کے بعد بوسہ لیا۔(رواہ الترمذی)

(۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی جبین مبارک کو وفات کے بعد بوسہ لیا تھا۔(رواہ البخاری) زمانہ جاہلیت کی طرح میت کے اوصاف بیان کر کے اس کے موت کی خبر دینا مکروہ ہے۔ البتہ اس پر نماز وغیرہ پڑھنے کیلئے خبر دینے میں کوئی حرج نہیں (جیساکہ بخاری شریف کی روایات سے ثابت ہے)

باب میت کے غسل کا بیان

جب کسی کی موت کا یقین ہو جائے اور موت کی نشانیاں بھی ظاہر ہو جائیں مثلاً اس کے دونوں قدم ڈھیلے پڑ جائیں اور کھڑے نہ ہو سکیں، یا ناک ٹیڑھی ہو جائے یا دونوں کنپٹیاں اندر کو دھنس جائیں، یا چہرہ کی چمڑی پھیل جائے، یا دونوں ہتھیلیاں کلائی سے اکھڑ جائیں، یا دونوں خصیتیں اوپر کی جانب سکڑ جائیں، اور صرف چمڑی لٹکنے لگے، تو غسل اور تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور اگر موت کا یقین نہ ہو کہ بظاہر مرنے کا کوئی سبب نظر نہ آرہا ہو، اور احتمال ہو کہ اس پر سکتہ طاری ہوا ہو، یا گھبراہٹ وغیرہ کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں، تو ایسی حالت میں جب تک بدن کی بو وغیرہ میں تبدیلی کے ذریعے موت کا یقین نہ ہو غسل وغیرہ میں جلدی نہ کرے۔

میت کو غسل دینے کے حقدار: غسل دینے کے سلسلے میں اصول تو یہ ہے کہ مرد کی میت ہو تو مرد غسل دے اور عورت کی میت ہو تو عورت غسل دے۔

مرد کو غسل دینے کیلئے سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے واسطے امامت کیلئے بہتر ہے۔ لہٰذا نسبی رشتہ دار مرد دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہونگے۔ (یعنی سب سے پہلے باپ کا حق ہے۔ پھر دادا پھر بیٹا پھر پوتا اسی طرح نیچے تک پھر حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی (باپ شریک بھائی) پھر حقیقی بھتیجہ پھر علاتی بھتیجہ پھر حقیقی چچا پھر علاتی چچا۔ پھر حقیقی چچازاد بھائی پھر علاتی چچازاد بھائی اسی طرح آخر تک) اس کے بعد ذوی الارحام میں جو زیادہ قریبی ہے سب سے پہلے وہ پھر اس کے بعد والے رشتہ دار حقدار ہونگے۔ ان کے بعد اجنبی مردوں کو حق ہے پھر بیوی پھر محرم عورتوں کو حق ہے۔ عورت کو غسل دینے کیلئے ہر حال میں عورت ہی بہتر ہے۔ اور عورتوں میں بھی قریبی عورتیں بہتر ہیں۔ اور قریبی عورتوں میں بھی سب سے بہتر وہ عورت ہے جس کا اس میت عورت کے ساتھ محرمیت کا رشتہ ہو۔ اور محرمیت سے مراد یہ ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک کو مرد قرار دیں تو دوسرے کا اس سے نکاح حرام ہو گا۔ اور محرمیت سے نسبی رشتہ داری مراد ہے نہ کہ رضاعی (دودھ کے رشتے سے محرم) (حاشیۃ الجمل) جیسے ماں۔ بیٹی۔ پوتی۔ نواسی۔ بہن۔ اگر دونوں عورتیں محرمیت میں برابر ہوں تو جو عورت عصبی اعتبار سے بھی تعلق رکھتی ہو وہ مقدم ہو گی۔ جیسے خالہ کے ساتھ پھوپھی جمع ہو تو پھوپھی مقدم ہو گی۔ اور محرمی رشتہ والی کوئی عورت نہ ہو تو دیگر قریبی رشتہ داروں میں اقرب فالا قرب کے اعتبار سے مقدم ہو گی۔ جیسے چچازاد بہن، پھوپھی زاد بہن، ماموں زاد بہن، خالہ زاد بہن، ان کے بعد اجنبی عورتوں کو حق ہے پھر شوہر کو اور شوہر کے بعد محرم مردوں کو غسل کا حق ہے۔

بہر حال مذکورہ ترتیب کے مطابق غسل جو بھی دے، اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، اور میت کا قاتل نہ ہو۔ اگر کافر ہو تو اسے غسل دینے کا حق نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ ایک اجنبی مسلمان میت کے قریبی کافر پر مقدم ہو گا۔ غسل دینے کیلئے جسے پہلا حق حاصل

ہے اسے اپنا حق بعد والے کو دینا جائز ہے۔ اور بعد والے کو قبول کرنا بھی جائز ہے۔ مگر ایک شرط کے ساتھ کہ دونوں کی جنس ایک ہو مثلاً میت مرد ہے تو اپنا حق مرد ہی کو دے، ایسا نہیں کہ تمام مرد اپنا حق چھوڑ کر عورتوں کے سپرد کر دیں۔ اور عورت کی میت ہو تو عورت ہی کو اپنا حق دے، ایسا نہیں کہ تمام عورتیں اپنا حق چھوڑ کر مرد کے سپرد کر دیں۔

مرد کا عورت کو غسل دینا: تین اسباب میں سے کسی ایک سبب کے پائے جانے کی صورت میں مرد کیلئے عورت کو غسل دینا جائز ہے۔

(۱) **زوجیت:** مرد کیلئے اپنی مسلمان اور ذمی بیوی کو غسل دینا جائز ہے، خواہ اس مرد نے مرنے والی کی بہن سے یا اس کے علاوہ چار بیویوں سے شادی کی ہو۔

حدیث: آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تو مجھ سے پہلے وفات پا گئی تو میں تجھے غسل اور کفن دونگا۔ (رواہ ابن ماجہ۔ احمد۔ دارقطنی۔ والبیہقی) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ (اخرجہ الشافعی، دارقطنی)

(۲) **محرمیت۔** محرم مرد کیلئے محرم عورت کو غسل دینا جائز ہے۔

(۳) **مِلکِ یمین۔** آقا کیلئے اپنی باندی کو غسل دینا جائز ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ وہ کسی کے نکاح یا عدت میں نہ ہو۔

عورت کیلئے اپنے شوہر کو غسل دینا جائز ہے۔ لیکن شوہر نے اسے طلاق رجعی دی ہو اور عدت میں ان دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو دوسرے کو غسل دینا جائز نہیں، اس لئے کہ طلاق کی وجہ سے زندگی ہی میں ایک دوسرے کو دیکھنا حرام تھا۔

میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کو غسل دے تو اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر غسل دے تاکہ بدن کے کسی حصہ کو مس نہ ہو جائے۔ ہاتھ پر کپڑا لپیٹے بغیر غسل دے تو غسل تو صحیح ہو جائے گا، البتہ غاسل کا وضو ٹوٹ جائے گا جبکہ میت کو باوضو غسل دینا بہتر ہے۔ (جمل ۲/۱۵۱) کوئی مرد ایسی جگہ وفات پائے جہاں صرف اجنبی عورتیں موجود ہوں یا کوئی عورت مر جائے اور وہاں صرف اجنبی مرد موجود ہوں تو میت کو غسل نہ دیں بلکہ تیمم کرا کے دفن کریں۔ اور ہاتھ پر کپڑا وغیرہ لپیٹ کر تیمم کرائیں۔ (حاشیہ الجمل۔ ۲/۱۵۱) اتنا چھوٹا بچہ مر جائے جو ابھی حد شہوت کو نہ پہنچا ہو (لڑکا ہو یا لڑکی) تو اُسے مرد و عورت دونوں میں سے کوئی بھی غسل دے سکتا ہے۔ غسل دینے والوں میں سے ایک ہی درجہ کے دو آدمی جمع ہو جائیں مثلاً دو بھائی، یا دو بیویاں جمع ہو جائیں، اور ان میں سے ہر ایک غسل دینا چاہتا ہے تو قرعہ اندازی کی جائے جس کے نام قرعہ نکلے وہ غسل دے۔ (فتح الوہاب)

غسل کا حکم اور اس کا طریقہ: میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔ غسل کا ادنی درجہ یہ ہے کہ بدن پر جہاں نجاست لگی ہو اسے دور کرنے کے بعد مکمل بدن پر پانی بہائے۔ غاسلِ میت (غسل دینے والے) کیلئے غسل کی نیت کرنا ضروری نہیں، سنت ہے۔ کافر کا کسی مسلمان میت کو غسل دینا صحیح ہے۔ کوئی شخص ڈوب کر مر جائے (تو اس کا ڈوبنا غسل کیلئے کافی نہ ہو گا) بلکہ نعش ملنے کے بعد غسل دینا ضروری ہے۔

غسل کے آداب اور اس کا اکمل طریقہ: میت کو تنہائی میں غسل دینا واجب ہے۔ غسل کے وقت غسل دینے والے اور اس کا ہاتھ بٹانے والے کے علاوہ کوئی وہاں داخل نہ ہو۔ البتہ امام رویانیؒ اور دیگر حضرات نے ذکر کیا ہے کہ میت کے ولی کو وہاں جانے کی اجازت ہے، گرچہ وہ نہ غسل دے رہا ہو اور نہ اس کا ہاتھ بٹا رہا ہو۔ غسل دینے والوں کا طاق عدد میں ہونا مستحب ہے۔ غسل دینے والا

امانت دار ہو، غسل دیتے وقت میت میں کوئی اچھائی دیکھے (مثلاً چہرہ کا روشن ہونا۔ اور بدن سے خوشبو آنا) تو اسے لوگوں کے سامنے بیان کرنا مستحب ہے۔ اور کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے (مثلاً چہرہ کالا پڑنا۔ بدن سے بدبو کا آنا۔ صورت بدلنا) تو لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر بیان کرنے میں کوئی مصلحت ہو۔ مثلاً مرنے والا علی الاعلان بدعت کا کام کرتا تھا۔ تو اس کے عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ دیگر لوگ بدعت سے رک جائیں۔ (حاشیۃ الروضہ)

غسل کیلئے بڑے برتن (مثلاً بالٹی وغیرہ) میں ٹھنڈا پانی لے۔ اور گرم پانی کے مقابلے میں ٹھنڈے پانی سے غسل دینا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن بہت سردی یا بدن میں میل وغیرہ ہونے کی وجہ سے گرم پانی استعمال کرنا چاہے تو جائز ہے۔ کھارے پانی سے غسل دینا زیادہ بہتر ہے۔ اور کھارے پانی سے مراد وہ پانی ہے جو اصل کے اعتبار سے کھارا ہو (جیسے سمندر یا کھاڑی کا پانی) نہ کہ پانی میں نمک ملا کر کھارا کیا ہوا۔ (جمل ۲/۱۴۵) پانی کا برتن غسل کی جگہ سے دور رکھے تاکہ غسل کے وقت اس میں پانی کے چھینٹے نہ اُڑیں۔ غسل کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو پرانا کرتہ پہنا کر، اگر کرتہ نہ ملے یا کرتہ میں غسل دینا ممکن نہ ہو تو ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ کو چھپا کر، غسل دینے کیلئے بنائے گئے تخت پر رکھنے کے بعد آہستہ سے اس طرح بٹھائے کہ پیچھے کی جانب مائل ہو، اور غسل دینے والا اپنا دایاں ہاتھ میت کے کندھے پر رکھے اور انگوٹھا گدی کے گڑھے میں رکھے تاکہ سر کسی طرف جھک نہ جائے۔ اور میت کی پیٹھ کو اپنے داہنے گھٹنے سے ٹیک دے، پھر اپنے بائیں ہاتھ سے میت کے پیٹ کو اچھی طرح ملتا رہے تاکہ اندر سے فضلات نکل جائیں، اور معین شخص (ہاتھ بٹانے والا) کثرت سے پانی ڈالتا رہے تاکہ نکلنے والے فضلات کی بدبو نہ پھیلے۔ اس کے بعد میت کو چت لٹا کر بائیں ہاتھ کو صاف ستھرا کپڑا لپیٹ کر میت کی اگلی پچھلی شرمگاہ دھوڈالے۔ پھر اس کپڑے کو نکال کر بائیں ہاتھ کو صابن وغیرہ سے اچھی طرح دھوئے اور میت کے بدن پر جہاں کہیں گندگی لگی ہو اسکو بھی خوب دھیان سے دھوئے۔ اس کے بعد دوسرا کپڑا لپیٹ کر بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے دانتوں اور نتھنوں کو دھوئے۔ دھوتے وقت دانتوں کو نہ کھولے تاکہ پانی پیٹ میں نہ چلا جائے۔ پھر میت کو وضو کرائے (وضو کی نیت کرنا ضروری ہے اور نیت مسنون وضو کی کرے۔) (حاشیۃ الجمل۔ ۲/۱۴۶)

وضو میں ہر عضو کو تین تین بار دھوئے، مضمضہ اور استنشاق بھی کرائے، مگر مضمضہ اور استنشاق کے وقت سر کو تھوڑا مائل کرے، تاکہ پانی اندر نہ جائے۔ وضو سے فراغت کے بعد میت کے سر اور داڑھی کو ایسے پانی سے دھوئے جس میں بیری کے پتے ڈالے گئے ہوں۔ اگر سر اور داڑھی کے بال آپس میں چپکے ہوئے ہوں تو کشادہ دندانے والی کنگھی سے نرمی کے ساتھ کنگھی کرے، تاکہ کوئی بال اکھڑ نہ جائے۔ اگر کوئی بال اکھڑ جائے تو اسے کفن میں رکھے۔ اس کے بعد چت لٹانے کی حالت ہی میں دائیں اور بائیں بازو کے گردن سینہ ران اور قدم کے اگلے حصہ کو دھوڈالے۔

اس کے بعد بائیں کروٹ پر لٹا کر دائیں طرف کے پچھلے اعضاء کو گدی سے لے کر قدم تک تمام حصے کو دھوڈالے۔ پھر دائیں کروٹ پر لٹا کر بائیں طرف اسی طرح دھوئے۔ یہ مکمل غسل ایسے پانی سے دے جس میں بیری کے پتے ڈالے گئے ہوں۔ اس کے بعد خالص پانی سر سے لے کر قدم تک ڈالے۔ پھر تیسری مرتبہ خالص پانی میں تھوڑا کافور ملا کر سر سے پاؤں تک بہائے اور یہ تینوں ملا کر ایک مرتبہ غسل ہوا۔ اس طریقے سے تین مرتبہ غسل دینا مستحب ہے۔ اور تینوں مرتبہ خالص پانی میں کافور ملانا مستحب ہے۔ مگر آخری بار پانی ڈالتے وقت کافور ملانے کی زیادہ تاکید ہے۔ (تخت پر میت کے سر رکھنے کی جگہ تھوڑی اونچی وبلند ہو تاکہ میت کے نیچے پانی جمع نہ رہے)

حدیث: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسے وقت تشریف لائے جس وقت ہم آپ کی بیٹی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) کو غسل دے رہے تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے ایسے پانی سے جس میں بیری کے پتے ڈالے ہوئے ہوں“ تین یا پانچ مرتبہ یا اگر تم اس سے زیادہ تعداد میں غسل کی ضرورت محسوس کرو تو (زیادہ تعداد میں) غسل دو۔ اور آخری (غسل میں پانی میں) تھوڑا کافور ملاؤ۔ اور دائیں جانب سے اور مواضع وضو (وضو کی جگہوں) سے غسل کی ابتداء کرو۔ (رواہ البخاری و مسلم)

غسل دینے کیلئے سب سے بہترین صورت یہ ہے کہ مذکورہ طریقہ کے مطابق سب سے پہلے ایسے پانی سے غسل دے جس میں بیری کے پتے ڈالے گئے ہوں، پھر خالص پانی سر سے قدم تک بہائے، پھر دوبارہ بیری کے پتے ڈالے ہوئے پانی سے غسل دے، پھر خالص پانی بہائے پھر سہ بارہ بیری کے پتے ڈالے ہوئے پانی سے غسل دے پھر خالص پانی بہائے۔ اس کے بعد خالص پانی میں تھوڑا کافور ملا کر تین مرتبہ سر سے قدم تک بہائے (حاشیۃ الجمل۔ ۲/۱۴۷) اگر تین مرتبہ غسل دینے کے باوجود بھی صفائی حاصل نہ ہو تو صفائی حاصل ہونے تک غسل دیتا رہے، اگر مکمل صفائی جفت عدد میں غسل دینے سے حاصل ہو تو مزید ایک اور مرتبہ غسل دے کر طاق عدد کرنا مستحب ہے (یعنی مثلاً چار مرتبہ غسل دینے کے بعد مکمل صفائی حاصل ہو تو پانچویں مرتبہ بھی دینا مستحب ہے تاکہ طاق عدد کی رعایت ہو) ہر مرتبہ کے غسل میں پہلی اور دوسری بار جس پانی سے غسل دیا جاتا ہے وہ غسل شمار نہیں ہوتا۔ (کیونکہ پہلی بار استعمال ہونے والا پانی بیری کے پتے ہونے کی وجہ سے متغیر رہتا ہے اور دوسری بار استعمال ہونے والا پانی بدن سے پتوں کا اثر زائل کرنے کی وجہ سے کسی حد تک متغیر ہو جاتا ہے۔) البتہ تیسری مرتبہ کافور ملا کر جس پانی سے غسل دیا جاتا ہے وہ غسل شمار ہوتا ہے۔

غسل کے بعد سابقہ طریقے کے مطابق دوبارہ میت کے جوڑوں کو نرم کرے تاکہ کفن پہنانے میں آسانی ہو۔ غسل کے بعد میت کے بدن کو کسی کپڑے کے ذریعے اچھی طرح پونچھے تاکہ کفن تر نہ ہو جائے۔ میت کو (غسل کے وقت) اوندھا منہ لٹانا جائز نہیں۔ غسل دیتے وقت قریب میں انگیٹھی جلا کر اس میں خوشبو ڈال دے، تاکہ میت کے پیٹ سے نکلنے والے فضلات کی بدبو سے تکلیف نہ ہو۔ غسل دینے والا ہر مرتبہ کے غسل میں میت کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا رہے۔ اور پہلے غسل کے مقابلہ میں بعد والے غسل میں کچھ نرمی سے ہاتھ پھیرے۔ اگر آخری غسل میں یا غسل کے بعد کوئی نجاست نکلے تو صرف نجاست کا دھونا واجب ہے۔ نئے سرے سے غسل دینے کی ضرورت نہیں، چاہے پھر وہ نجاست اگلی پچھلی شرمگاہ سے نکلے یا کسی اور راستہ سے نکلے۔ میت کو کفن میں لپیٹنے سے پہلے نکلے یا بعد میں۔ مردہ عورت کو غسل دینے کے بعد اس کے بدن کو کسی مرد کے چھونے کی وجہ سے نہ دوبارہ غسل کی ضرورت ہے اور نہ وضو کی۔ اسی طرح غسل کے بعد کسی مردہ عورت سے صحبت کی گئی تب بھی اس مردہ پر نہ غسل واجب ہے اور نہ وضو۔ غسل دیتے وقت میت کے ستر (یعنی ناف سے گھٹنے تک کے حصہ) کو دیکھنا حرام ہے۔ چھوٹے بچے یا بچی کی میت اس سے مستثنیٰ ہے۔ (جمل) بلکہ غسل دینے والے کیلئے بلا کسی ضرورت میت کے بدن کے کسی حصہ کو دیکھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر ضرورت ہو جیسے غسل شدہ حصہ کو پہچاننا ہو تو دیکھنا جائز ہے۔ جو آدمی غسل دینے والے کے ساتھ بحیثیت مُعین ہو، وہ بلا ضرورت میت کے کسی بھی حصے کو نہ دیکھے۔

کوئی مسلمان جل کر مر جائے (اور جلنے کی وجہ سے اس کی ایسی حالت ہو گئی ہو) کہ غسل دینے کی صورت میں بدن کے گلنے کا اندیشہ ہو تو غسل نہ دے بلکہ تیمم کرائے۔

اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ غسل دیں گے تو قبر میں جلد بوسیدہ اور سڑ گل جائیگا تو ایسی صورت میں غسل ہی دیا جائے گا تیمم نہ کرائے، کیونکہ قبر میں تو سبھی کو بوسیدہ ہونا ہے۔

جنبی اور حائضہ عورت کو بلا کراہت میت کو غسل دینا جائز ہے۔ اگر جنبی یا حائضہ عورت مر جائے تو ایک ہی غسل کافی ہے (الگ الگ دو غسل دینے کی ضرورت نہیں، یعنی ایک جنابت اور حیض کا اور دوسرا موت کی وجہ سے) اگر کسی میت عورت کے بال لمبے ہوں تو اس کی تین چوٹیاں بنا کر پیٹھ پیچھے ڈالنا سنت ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں مروی ہے۔

کسی کی بیک وقت تمام بیویاں گرنے یا ڈوبنے یا کسی اور سبب سے مر جائیں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جسکے نام قرعہ نکلے گا اُسے پہلے غسل دے۔ کسی کا ایسی جگہ انتقال ہو جائے جہاں مسلمان عورتیں اور کفار مرد موجود ہوں تو کافر غسل دے اور عورتیں نماز جنازہ پڑھیں۔

میت کے بدن کو کسی کپڑے سے پونچھنے کے بعد وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔

مُحرم میت کا غسل: کوئی حالتِ احرام میں مر جائے تو اسے خوشبو لگانا، اس کے ناخن اور بال کاٹنا حرام ہے، اگر محرم مرد ہو تو اسے سلا ہوا کپڑا پہنانا اور اس کا سر ڈھانپنا جائز نہیں، عورت کا چہرہ ڈھانپنا جائز نہیں (خلاصہ یہ ہے کہ موت کے بعد بھی احرام کی پابندیوں کو ملحوظ رکھا جائے)

حدیث: ایک شخص کا حالت احرام میں انتقال ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اسے غسل دے کر کفن پہناؤ مگر خوشبو نہ لگانا اور نہ اس کا سر ڈھانپنا اسلئے کہ قیامت کے دن وہ تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھے گا۔(صحیحین)

محرم کو غسل دیتے وقت خوشبو کی دھونی دینے میں کوئی حرج نہیں جیسے کہ اگر محرم کسی عطر فروش کے پاس بیٹھے تو حرج نہیں (لیکن خوشبو کے لئے کسی محرم کا عطر کی دوکان میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ جمل)

محرم کے علاوہ دیگر میت کے بھی ناخن کاٹنا، بغل کے بال اور موئے زیر ناف نکالنا اور مونچھ کترنا مکروہ ہے، کیونکہ اس کے متعلق آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی معتمد چیز منقول نہیں، نیز میت کے اجزاء قابل احترام ہیں، تو ان کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔ کوئی ختنہ کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کی ختنہ کرنے کی ضرورت نہیں (اگر ختنہ کی چمڑی کے نیچے پانی نہ پہنچ پائے تو اس کی طرف سے تیمم کرائے۔ جمل ۱۵۴/۲)

کوئی عورت عدت وسوگ کی حالت میں مر جائے تو اسے خوشبو لگانا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص محرم میت کو خوشبو لگائے یا سلا ہوا کپڑا پہنائے تو ایسا شخص گنہگار ہوگا، مگر فدیہ دینے کی ضرورت نہیں۔ مونچھ کا استرے وغیرہ کے ذریعے حلق کرنا مکروہ ہے۔

کفن کا بیان

کفن پہنانا فرض کفایہ ہے۔ سفید رنگ کا کفن ہونا مستحب ہے۔

حدیث: سفید کپڑے پہنا کرو کہ تمہارے بہترین کپڑوں میں سے ہے، اور اسی میں مردوں کو کفنایا کرو،(رواہ الترمذی) میت کو زندگی میں جو کپڑا پہننا جائز تھا، اسی جنس کا کفن ہونا ضروری ہے۔ عورت کو ریشم کے، زعفرانی اور زرد رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے میں کفن دینا کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور مرد کیلئے حرام ہے۔ لیکن اگر ریشم کے علاوہ دوسرا کپڑا نہ ملے تو مرد کیلئے بھی ریشم کا کفن پہنانا جائز ہے (حاشیۃ الروضہ) مباح کفنوں میں میت کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ میت مالدار ہے تو کفن کیلئے عمدہ کپڑا استعمال کرے اور متوسط ہے تو متوسط اور غریب ہو تو موٹا اور کھردرا قسم کا کپڑا استعمال کرے۔

کفن میں غلو کرنا (یعنی اسراف کرنا) مکروہ ھے: کیونکہ ابوداؤد کی روایت ہے "کفن میں غلونہ کرو، اس لئے کہ وہ بڑی جلد سڑ گل جائے گا" (رواہ ابوداود باسناد حسن) امام قاضی حسینؒ فرماتے ہیں کہ کفن کیلئے نئے کپڑے کے بمقابل پرانا دھویا ہوا کپڑا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدید کپڑوں میں کفنایا گیا اور بظاہر صحابہ کے اتفاق سے تھا اس لئے بعض حضرات نے نقل و دلیل کی رو سے جدید کو بہتر سمجھا ہے۔ (جمل ۱۶۲/۲) کفن کا سفید صاف ستھرا اور موٹا ہونا مستحب ہے۔ قیمتی ہونا مستحب نہیں۔

کفن کی اقل واکمل مقدار: کفن کیلئے کم سے کم ایک کپڑا ہونا ضروری ہے اور ایک کپڑا اتنی مقدار میں ہونا ضروری ہے جس سے ستر عورت ہو سکے۔ اور ستر کی مقدار مذکر و مونث کے لحاظ سے مختلف ہو گی۔ اور کفن کی اکمل مقدار یہ ہے کہ مرد کیلئے تین کپڑے ہوں۔ اور عورت کیلئے پانچ۔ تہبند قمیص، اوڑھنی اور دو چادریں۔ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دینا افضل ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا اور اس میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔ (رواہ الشیخان)

اور اگر پانچ کپڑوں میں کفن دے تو جائز ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا۔ (رواہ البیہقی) کہ تین چادریں عمامہ اور قمیص تھا) لیکن یہ مستحب نہیں اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا مستحب ہے۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو پانچ کپڑوں میں کفن دینے کا حکم دیا، (رواہ ابوداود) اور پانچ سے زیادہ کپڑے استعمال کرنا مکروہ ہے۔

اگر مرد و عورت کے کفن کیلئے تین کپڑے استعمال کرے، تو مستحب یہ ہے کہ تین چادروں میں کفن دیا جائے اور تینوں چادریں لمبائی چوڑائی میں ایسی ہوں کہ ہر ایک چادر پورے بدن کو چھپائے، اور تین چادریں استعمال کرنے کی صورت میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں، البتہ پانچ کپڑے استعمال کرنے کی صورت میں فرق ہے۔ مرد کیلئے پانچ کپڑے استعمال کرے، تو اس میں تین چادریں ایک کرتہ اور عمامہ ہو۔ اور سب سے پہلے عمامہ اور قمیص پہنائے اس کے بعد تین چادریں لپیٹے۔ اور عورت کیلئے پانچ کپڑے استعمال کرے تو اس میں تہبند قمیص اوڑھنی اور دو چادریں ہوں۔ اور سب سے پہلے ازار یعنی تہبند پہنائے (اور تہبند سے ناف سے گھٹنے تک ڈھانکے) پھر قمیص (اور قمیص سے ناف سے اوپر تک کے حصہ کو ڈھانپے۔) پھر اوڑھنی۔ (اور اوڑھنی سے سر ڈھانپے) اس کے بعد دو چادریں لپیٹے۔ (اور چادروں سے پورا بدن ڈھانپے)

چادر لپیٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے اچھی اور کشادہ چادر پہلے بچھائے، پھر دوسری اور تیسری چادر بچھائے۔ اور ہر ایک پر خوشبو اور کافور چھڑکے (خوشبو کا ڈالنا مستحب ہے واجب نہیں) پھر میت کو اس پر آہستہ سے چت رکھے۔ اس کے بعد دھنی ہوئی تھوڑی روئی لے کر اس پر خوشبو اور کافور ڈال کر دو سرینوں کے درمیان اتنا ٹھوس دے کہ پچھلی شرمگاہ کے حلقہ تک پہنچ جائے تاکہ شرمگاہ سے کوئی چیز نہ نکل سکے۔ مگر شرمگاہ میں داخل نہ کرے۔ اور مزید مضبوطی کیلئے اوپر سے لنگوٹ کی طرح ایک کپڑا باندھے۔ پھر روئی میں خوشبو اور کافور ملا کر ناک کے نتھنے، کان، آنکھ، کھلے زخموں، اور سجدہ کی جگہوں (یعنی ان اعضاء پر جو سجدہ میں زمین پر لگ جاتے ہیں: پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں کا پیٹ، دونوں گھٹنے، اور دونوں قدم کی انگلیاں) پر رکھے۔ اس کے بعد بائیں جانب سے پھر دائیں جانب سے کفن لپیٹنا شروع کرے۔ سب سے پہلے اندرونی چادر لپیٹے پھر دوسری، پھر تیسری، کفن لپیٹنے کے بعد سر کے پاس چادر کا جو زائد حصہ ہو اُسے عمامہ کی طرح جمع کر کے چہرہ اور سینہ پر جہاں تک پہنچ سکے ڈال دے، اور پاؤں کے پاس جو زائد حصہ ہو اُسے قدم اور پنڈلی پر ڈال دے۔ بہتر تو یہ ہے کہ میت کو ابتداءً جب کفن

پر رکھے تو اس طرح رکھے کہ کفن کا زائد حصہ سر کے پاس زیادہ رہے پھر کفنوں کو رسی سے باندھے تاکہ اٹھاتے وقت کفن کھل نہ جائے، اور قبر میں اتارنے کے بعد اس رسی کو کھول دے۔ اگر میت محرم نہ ہو تو کفن کو عود کے ذریعہ دھونی دینا مستحب ہے۔ بڑے آدمی کی طرح چھوٹے بچہ کو بھی تین کپڑوں میں کفن دینا مستحب ہے۔ اگر ایسے کپڑے میں کفن دیا جائے، جس میں سر اور پیر پوری طرح نہیں چھپ رہے ہوں، تو صرف سر کو ڈھانپ دے۔ کسی میت نے یہ وصیت کی کہ اس کے کفن کیلئے ایک کپڑا بھی استعمال نہ کرے تو اس کی وصیت نافذ نہ ہو گی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ البتہ دوسرے اور تیسرے کپڑے کے ساقط کرنے کی وصیت کی تو یہ وصیت نافذ ہو گی، کیونکہ یہ میت کا حق ہے۔ اگر میت نے کفن کے متعلق کچھ وصیت نہ کی ہو مگر ورثاء کے درمیان اختلاف ہو گیا کہ ایک کپڑے میں کفن دیا جائے یا تین کپڑوں میں یا تمام اس پر متفق ہو گئے کہ ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے، تو ایسی صورت میں کفن کیلئے تین ہی کپڑے استعمال کریں۔

میت پر اتنا قرض ہو کہ اس کی ادائیگی میں سارا مال ختم ہو جائیگا، اور ایسی صورت میں قرض خواہ حضرات ایک ہی کپڑے میں کفن دینے کا مطالبہ کریں، تو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے۔

کفن کے مصارف (اخراجات): کفن کا خرچ ترکہ کے راس المال (یعنی کل ترکہ) میں سے لیا جائے اور یہ خرچ قرض کی ادائیگی، وصیت کے نفاذ اور میراث تقسیم کرنے سے پہلے نکالا جائے۔ کفن کیلئے شیءِ مرھون کو (یعنی رھن کے طور پر میت کی کوئی چیز کسی کے قرض کے مقابلہ رکھی ہوئی ہو) اور جانی (جانی سے مراد میت کا غلام جس نے کسی پر جنایت کی ہو) کو اور ایسے مال کو جس میں زکوۃ واجب ہو چکی ہو بیچا نہ جائے۔

اگر میت نے اپنے پیچھے کچھ مال نہ چھوڑا ہو، تو اُس کے تجہیز و تکفین کی ذمہ داری اس شخص پر ہو گی جس کے ذمہ اس کا نان نفقہ تھا۔ لہٰذا ایسی میت (یعنی جس نے کچھ مال نہ چھوڑا ہو) کے قریبی آدمی پر اس کے کفن کی ذمہ داری ہو گی۔ اور ایسے شخص پر میت کیلئے ایک سے زائد کپڑوں میں کفن دینا ضروری نہیں۔ اولاد کے کفن کی ذمہ داری باپ پر ہو گی۔ اولاد چھوٹی ہو یا بڑی، کیونکہ بچے موت کی وجہ سے کمانے سے عاجز ہو گئے، اور عاجز بچوں کا نفقہ واجب ہے، بیوی کے تجہیز و تکفین کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔ شوہر کے پاس مال نہ ہو، تو پھر بیوی کے مال سے کفن وغیرہ لایا جائے۔ میت کے پاس نہ کچھ مال ہے اور نہ اس کا ایسا کوئی قریبی رشتہ دار جس کے ذمہ اس کا نفقہ ہو، تو پھر اس کے تجہیز و تکفین کی ذمہ داری بیت المال پر ہو گی، لیکن ایسی صورت میں اسے ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے اور اگر ایسی کسی حالت میں اُس نے ایک ہی کپڑا اپنے پیچھے چھوڑا ہے تو اُسی کپڑے میں کفن دیا جائے اور بیت المال سے دیگر زائد کپڑے نہ لے۔ اور اگر بیت المال میں بھی مال نہ ہو (یا بیت المال کا کوئی نظم ہی نہ ہو) تو عام مسلمانوں پر اس کے تجہیز و تکفین کی ذمہ داری ہو گی۔ جن کے پاس اپنے سالانہ مصارف سے زائد تجہیز کی گنجائش ہو ایسے جن افراد سے تجہیز کا مطالبہ کیا جائے، ان پر لازم ہے تاکہ ایک دوسرے پر ٹالتے نہ رہیں۔ (جمل ۲/۱۶۴) مگر ایسی صورت میں ایک سے زائد کپڑوں میں کفن دینا ضروری نہیں۔ امام صمیریؒ فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنے لئے کفن تیار کرنا مستحب نہیں، تاکہ اس کا حساب دینا نہ پڑے، ہاں اگر کفن کے حلال کمائی سے ہونے کا کامل یقین ہو یا علماء، عابدین اور بزرگوں سے بطور ہدیہ ملا ہو تو اس کو کفن کے طور پر محفوظ رکھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے کیونکہ بعض صحابہ کرام سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

باب۔ جنازہ اٹھانے کا بیان (میت کو کندھا دینا)

جنازہ اٹھانے میں نہ ذلت ہے اور نہ اس سے مروءۃ ختم ہوتی ہے، بلکہ یہ تو ایک نیک کام ہے۔ اور میت کا اکرام ہے۔ اور

آپ ﷺ صحابہ کرام اور حضرات تابعینؒ کے فعل سے ثابت ہے۔ جنازہ اٹھانے کے ذمہ دار مرد ہیں، میت مرد کی ہو یا عورت کی۔ جنازہ غافل اور سست آدمی کی طرح نہ اٹھائے، اور نہ اس طریقہ پر اٹھائے جس سے میت کے گرنے کا اندیشہ ہو۔

جنازہ اٹھانے کا طریقہ: جنازہ اٹھانے کے دو طریقے ہیں (۱) دو ستون کے درمیان اور وہ اس طرح کہ آگے کے دو ستونوں کو ایک آدمی اپنے دونوں کندھوں پر اٹھائے اور پچھلے دو ستونوں کو دو آدمی اٹھائیں ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب اور پچھلے ستونوں کے درمیان کوئی نہ رہے کیونکہ اسے چلنے میں دشواری ہوگی۔ اگر آگے کا آدمی اکیلا نہیں اٹھا سکتا تو ستونوں کے باہر سے دو آدمی ایک ایک ستون کو اپنے کندھے پر اٹھا کر اس کا تعاون کریں۔

(۲) **تربیع:** یعنی آگے کے جانب دو آدمی ہوں ایک دائیں ستون کو اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دوسرا بائیں ستون کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے۔ اور پیچھے کے ستون کو بھی دو آدمی اسی طرح اٹھائیں۔

کوئی شخص تربیع والے طریقے کے مطابق جنازہ اٹھانا چاہتا ہے، تو آگے کے بائیں ستون سے ابتداء کرے کہ سب سے پہلے آگے کے بائیں ستون کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے، (کیونکہ اس میں اپنی اور میت کی دائیں جانب سے ابتداء پائی جاتی ہے۔ جمل) پھر اُسے دوسرے کے سپرد کرے، اس کے بعد پیچھے کے بائیں ستون کو دائیں کندھے پر اٹھائے، پھر جنازہ کے سامنے سے آگے بڑھ کر آگے کے دائیں ستون کو اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے، پھر پیچھے کے دائیں ستون کو بھی اسی طرح اٹھائے۔ اور اگر پہلے طریقہ کے مطابق اٹھانا چاہتا ہے تو سب سے پہلے آگے کے دونوں ستون کو اپنے دونوں کندھے پر اٹھائے، پھر پیچھے کے بائیں ستون کو دائیں کندھے پر اٹھائے، اس کے بعد جنازہ کے سامنے سے آگے بڑھ کر پیچھے کے دائیں ستون کو بائیں کندھے پر اٹھائے۔ (حاشیہ الجمل۔ ۲/۱۶۵) جنازہ اٹھانے کے مذکورہ دونوں طریقہ جائز ہیں۔ البتہ افضل یہ ہے کہ دونوں کے درمیان جمع کرے، یعنی کبھی تو پہلے طریقہ کے مطابق اٹھائے۔ اور کبھی دوسرے کے مطابق اگر کسی ایک طریقے کے مطابق ہی اٹھانا ہے تو پہلا طریقہ افضل ہے۔

فصل - جنازہ لے چلنا

سوار اور پیدل چلنے والے کیلئے جنازہ کے آگے چلنا اور اتنا قریب رہنا افضل ہے کہ اگر پیچھے مڑ کر دیکھے تو جنازہ نظر آئے۔

حدیث: (۱) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے میں نے آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمرؓ کو جنازہ کے آگے چلتے دیکھا (احمد۔ اصحاب السنن۔ دار قطنی۔ بیہقی)

(۲) حضرت عمرؓ لوگوں کو مار کر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جنازہ کے آگے چلاتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق)

(۳) حضرت صالح کا ارشاد ہے! میں نے حضرت ابو ہریرہؓ، ابو قتادہؓ، ابن عمرؓ، اور ابو اُسیدؓ، کو جنازہ کے آگے چلتے دیکھا ہے۔ (ابن ابی شیبہ) (تحفۃ الحوذی۔ ۴/۹۰) جنازہ کو چھوڑ کر پہلے ہی قبرستان نہ پہنچے (بلکہ ساتھ رہے) لیکن اگر کوئی جنازہ سے پہلے قبرستان پہنچ جائے تو حرج نہیں۔ پھر چاہے تو (قبرستان میں) کھڑے جنازہ کا انتظار کرتا رہے یا بیٹھ جائے۔ جنازہ کو جلدی جلدی لے چلنا سنت ہے۔

حدیث: جنازہ کو جلدی لے چلو، اس لئے کہ اگر وہ نیک ہے تو وہ بہت اچھی چیز ہے، جس کی طرف تم لے جا رہے ہو اور اگر اس

کے علاوہ ہو تو بری چیز ہے جس کو تم اپنے کندھوں سے اتار دیتے ہو۔ (متفق علیہ) لیکن اگر جلدی چلنے سے میت میں تغیر پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، تو پھر آہستہ چلے، اور جلدی چلنے سے مراد عادۃً جو چال ہے اس سے کچھ تیز چال کرے۔ بالکل تیز چلنا (دوڑنا) مراد نہیں، ہاں اگر میت میں تغیر پھٹنے یا پھولنے کا اندیشہ ہو تو پھر اور زیادہ تیز چلے۔ بلا عذر جنازہ کے ساتھ سوار ہو کر جانا مکروہ ہے کوئی عذر ہو تو حرج نہیں البتہ واپس لوٹتے وقت سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں (کیونکہ مسلم شریف میں آپ ﷺ کا واپسی میں سوار ہونا مذکور ہے۔ فتح الوہاب)

حدیث: ایک جنازہ میں آپ ﷺ نے بعض لوگوں کو سوار دیکھا تو فرمایا! تم لوگوں کو شرم نہیں آتی؟ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تو پیدل چل رہے ہیں اور تم لوگ جانوروں کی پشت پر ہو (ترمذی) اگر عورت کی میت ہو تو (مزید) ستر کے لئے اس کی نعش پر قبہ نما بنانا مستحب ہے (جیسا کہ آجکل ہوتا ہے)

جنازہ کے ساتھ جانا: مردوں کیلئے جنازہ کے ساتھ جانا سنت موکدہ ہے۔

حدیث: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے۔ ہمیں آپ ﷺ نے جنازہ کے ساتھ جانے کا حکم دیا الخ (متفق علیہ) عورتوں کیلئے جانا مکروہ ہے جبکہ جانے کی صورت میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ حرام ہے۔ مسلمان کیلئے اس کے قریبی (رشتہ دار) کافر کے جنازہ کے ساتھ جانے میں حرج نہیں۔ جنازہ کے ساتھ انگیٹھی وغیرہ میں آگ لے جانا مکروہ ہے۔ اسی طرح قبر کے پاس انگیٹھی کا ہونا، بھی مکروہ ہے جنازہ کے پیچھے نوحہ کرنا، چیخنا، چلاّنا حرام ہے، جنازہ کے ساتھ چلتے وقت شور کرنا دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے۔ (کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازہ کے ساتھ شور وغل کو ناپسند فرماتے تھے۔) (بیہقی) بلکہ مستحب یہ ہے کہ موت اور موت کے بعد آنے والے احوال اور دنیا کے فنا ہونے اور اس کے علاوہ دیگر امور آخرت کے متعلق غور کرے۔ تلاوت و ذکر وغیرہ بھی بلند آواز سے نہ کرے۔ آہستہ تلاوت و ذکر مسنون ہے (جمل) اگر کسی بیٹھے ہوئے آدمی کے پاس سے جنازہ گذرے اور جنازے کے ساتھ جانے کا ارادہ نہ ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا مستحب نہیں ہے۔ (بعض علماء نے اس صورت میں قیام کو مستحب قرار دیا ہے) اور ایسے آدمی کا اس میت کیلئے دعا کرنا اور تعریف کے لائق ہو تو تعریف کرنا اور ان الفاظ کا کہنا مستحب ہے۔ "سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوْتُ يا سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ" (مغنی المحتاج ۱/۳۴۰) طبرانی میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کا جنازہ دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ "هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا" نیز طبرانی نے آپ ﷺ سے اس روایت کو پیش کیا ہے: جو کسی جنازہ کو دیکھ کر یہ پڑھے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا" تو اس کے حق میں بیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (جمل ۲/۱۶۵)

باب۔ نماز جنازہ کا بیان

نماز جنازہ ۱ھ میں مدینہ میں فرض ہوئی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے اَسعد بن زُرَارہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور سب سے پہلے بَرَاء بن مَعْرُور کی قبر پر نماز ادا کی۔ اور سب سے پہلے غائبانہ نماز جنازہ نجاشی کی پڑھی۔ (حاشیۃ الجمل۔ ۲/۲۶) نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ جس پر نماز ادا کی جاتی ہے اس میں تین امور کا پایا جانا ضروری ہے (۱) میت ہو (۲) مسلمان ہو۔ (۳) شہید نہ ہو۔

کسی زندہ مسلمان (کے بدن) کا کچھ حصہ (مثلاً ہاتھ پیر وغیرہ) مل جائے تو اس ملے ہوئے جز پر نماز نہ پڑھے، بلکہ کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دے، اگر کسی مردہ آدمی کا کوئی جز ملے چاہے جز معمولی کیوں نہ ہو اسے غسل دے کر کپڑے میں لپیٹے پھر اس پر نماز جنازہ

پڑھ کر دفن کرے۔ عضو پر نماز پڑھنے کی صورت میں پورے میت کی نیت کرے، نہ کہ صرف متعلقہ عضو کی۔

حدیث: واقعہ جمل میں حضرت عبد الرحمن بن عتاب بن اسید کا انتقال ہوا تو ان کا ایک ہاتھ پرندہ نے اٹھا کر مکہ میں ڈالا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے ہاتھ پر نماز جنازہ ادا کی (فتح الوھاب) اگر صرف ایک بال یا ناخن ملے تو اس کیلئے نہ غسل ہے اور نہ نماز (حاشیۃ الروضہ۔جمل)

زندگی میں جدا ہونے والے اجزاء کا حکم: زندہ آدمی کے بدن سے نکلے ہوئے ناخن اور بال کو (مثلاً کنگھی وغیرہ کرنے سے بال نکل جائے یا ناخن کاٹنے کی وجہ سے الگ ہو جائے) اور پچھنے لگوانے اور حجامت کروانے کی وجہ سے نکلے ہوئے خون کو اور عورت کے پیٹ سے گرے ہوئے خون اور گوشت کے لوتھڑے کو دفن کرنا مستحب ہے۔

دارالاسلام میں کسی میت کا کوئی عضو یا پوری میت مل جائے، لیکن اس کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا کوئی علم نہ ہو، تو اسپر نماز جنازہ پڑھے، اسلئے کہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو گا۔

نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون: نماز جنازہ پڑھانے کے واسطے سب سے بہتر اس کا ولی ہے۔ اور ولی سے مراد اس کا رشتہ دار۔ لہٰذا کسی اجنبی کو رشتہ دار سے پہلے نماز پڑھانے کا حق نہ ہو گا۔ ہاں اگر قریبی کوئی عورت موجود ہو اور وہاں (قریبی مرد کے بجائے) صرف اجنبی مرد موجود ہو تو اجنبی مرد نماز پڑھانے کیلئے زیادہ بہتر ہے۔ بلکہ اگر کوئی اجنبی ممیز بچہ بھی موجود ہو، تو وہ اس قریبی عورت پر مقدم ہو گا۔ تمام نمازوں میں عورتوں کی امامت کیلئے عورت کے مقابلہ میں مرد زیادہ بہتر ہے۔ نماز جنازہ کی امامت کے لئے رشتہ داروں میں بھی سب سے بہتر میت کا باپ ہے پھر دادا اسی طرح اوپر تک۔ (یعنی پردادا، سکڑ دادا) پھر بیٹا۔ پھر پوتا ایسے ہی نیچے تک (یعنی پڑپوتا وغیرہ) پھر حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی (باپ شریک بھائی) پھر حقیقی بھتیجہ، پھر علاتی بھتیجہ، پھر حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر علاتی چچا کا بیٹا، پھر باپ کا چچا، پھر باپ کے چچا کا بیٹا، پھر دادا کا چچا، پھر دادا کے چچا کا بیٹا، یعنی وراثت کی ترتیب کے مطابق۔

اگر دو چچازاد بھائی ایک ساتھ جمع ہو جائیں اور ان میں سے ایک ماں شریک بھائی ہو تو ماں شریک بھائی مقدم ہو گا۔ (المجموع ۔۲۱۸/۵)

اگر میت کے عصبہ موجود نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام کو حق ہو گا۔ اور ذوی الارحام میں پہلے نانا کو حق ہو گا، پھر ماں شریک بھائی کو، پھر ماموں، پھر اخیافی چچا، (باپ کا ماں شریک بھائی) اگر میت کسی اجنبی شخص کو نماز پڑھانے کی وصیت کرے تو اس کی وصیت نافذ نہ ہو گی (یعنی اس وصیت کا نفاذ ضروری نہیں۔ گرچہ میت کی غرض کے پیش نظر اسے امام بنانا بہتر ہے۔) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صہیب رضی اللہ عنہ، کے متعلق اپنی نماز جنازہ کے امامت کی وصیت کی تھی۔ اوران کے ذمہ داروں نے اس کی اجازت دی (بشری الکریم۔ ۳۵/۲) اگر ایک ہی درجہ کے دو آدمی جمع ہو جائیں جیسے دو بیٹے یا دو بھائی اور دونوں میں نماز پڑھانے کے متعلق نزاع و اختلاف ہو جائے، تو دونوں میں عادل (یعنی جو بدعتی و فاسق نہ ہو) اور اسلام میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو وہ مقدم ہو گا۔ اگر عمر میں دونوں برابر ہوں، تو ان میں سے فقیہ کو مقدم کرے۔ اور اگر دونوں فقیہ ہوں تو قاری کو مقدم کرے۔ (المجموع۔۲۱۹/۵) دونوں میں ایک غلام اور ایک آزاد ہو تو آزاد مقدم ہو گا، چاہے غلام فقیہ اور قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ تمام رشتہ دار ہر اعتبار سے برابر ہوں اور ان میں سے کسی ایک کی امامت پر سب راضی ہوں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ قرعہ اندازی کریں۔

امام کہاں کھڑا ہو: امام کا نماز پڑھاتے وقت عورت کی کمر کے پاس اور مرد کے سر کے پاس کھڑا رہنا مستحب ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مرد کے جنازہ میں سر کے پاس اور عورت کے جنازہ میں کمر کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ تو آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کرتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا، جی ہاں (رواہ ابوداود والترمذی وحسنہ) اگر سامنے موجود جنازہ کے آگے یا قبر کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو صحیح نہ ہو گی۔

بیک وقت کئی جنائز: اگر بیک وقت کئی جنازے آجائیں، تو ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھنا جائز ہے، اور یہی زیادہ بہتر ہے، اور تمام پر ایک ہی نماز پڑھنا بھی جائز ہے، مگر ایسی صورت میں تمام جنازوں کو قبلے کی جانب امام کے سامنے ایک کے پیچھے ایک رکھے۔ خواہ تمام جنازے ایک ہی نوع کے ہوں (یعنی سارے جنازے مرد کے یا سارے جنازے عورت کے ہوں) یا مختلف النوع ہوں (یعنی مرد اور عورت دونوں کے ہوں) البتہ مختلف النوع جنازے بیک وقت آئے ہوں تو مرد کے جنازے کو امام کے قریب رکھے، پھر بچے کے، پھر خنثیٰ مشکل کے، پھر عورت کے جنازے کو رکھے۔

حدیث: (۱) حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن عمر بن الخطاب اور ان کی والدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کے جنازے پر بیک وقت نماز پڑھائی اور لڑکے کے جنازے کو پہلے (امام کے قریب) رکھا پھر ان کے والدہ کے جنازہ کو رکھا۔ اور اسی / ۸۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازے میں شریک تھے، اور تمام نے تصویب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سنت ہے۔ (رواہ ابوداود، والبیہقی، والنسائی، فتح العزیز)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے (بیک وقت) نو جنازوں پر نماز پڑھائی اور (ان میں) مرد کے جنازے امام سے قریب تھے اس کے بعد عورتوں کے تھے۔ (رواہ البیہقی۔ والدارقطنی۔ فتح العزیز ۲/۴۳۳، مغنی المحتاج) اور اگر بیک وقت ایک ہی نوع کے جنازے آئے ہوں تو ان میں سے جو افضل ہو گا، اسے امام کے قریب رکھے۔ اور یہاں افضل سے مراد وہ شخص ہے جس میں تقوی، پرہیز گاری وغیرہ ہو، آزادی کی وجہ سے کسی کو آگے نہیں رکھا جائیگا۔ اگر مرنے والے سبھی تمام صفات میں برابر ہوں۔ اور ان کے اولیاء کسی ایک جنازے کو امام کے قریب رکھنے پر راضی ہو جائیں، تو ٹھیک، ورنہ قرعہ اندازی کی جائیگی۔ ایک ہی نوع کے جنازے یکے بعد دیگرے آئے ہوں۔ تو جس کا جنازہ پہلے آیا ہو، اسے امام کے قریب رکھے، خواہ آخر میں آنے والا افضل ہو۔ اگر مختلف النوع جنازوں میں پہلے عورت کا جنازہ آیا ہو پھر مرد کا یا بچے کا تو عورت کے جنازے کو امام کے قریب نہ رکھے، بلکہ مرد یا بچے کے جنازے کو امام کے قریب رکھے۔ اگر بچے کے جنازے کو پہلے رکھنے کے بعد مرد کا جنازہ آئے، تو بچے کے جنازہ کو نہ ہٹائے، بلکہ مرد کے ولی سے کہا جائے کہ اپنا جنازہ بچے کے پیچھے رکھ، یا دوسری جگہ منتقل کر، تمام جنازے صرف خنثیٰ مشکل ہی کہ ہوں تو تمام کو ایک قطار میں رکھے (یعنی ہر ایک کا سر دوسرے کے پاؤں کے پاس رہے آگے پیچھے نہ رکھے) تمام جنازوں پر ایک ہی نماز پڑھنے کی صورت میں کسی میت کا ولی، دوسرے کی امامت سے راضی نہ ہو، تو وہ اپنے میت پر نماز پڑھے۔ اگر تمام اولیاء ایک ہی نماز پڑھنے سے راضی ہوں، تو جس کا جنازہ پہلے آیا ہو اس کا ولی امامت کرے۔ چاہے اس ولی کی میت مرد کی ہو یا عورت کی، اور تمام جنازے ایک ساتھ آئے ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے، جس کے نام قرعہ نکلے، اس کا ولی نماز پڑھائے۔

فصل۔ نماز جنازہ کا طریقہ۔

نماز جنازہ کے سات ارکان ہیں۔

(۱) نیت کرنا: نیت کا وقت وہی ہے جو دیگر نمازوں کے سلسلے میں گذر چکا۔ یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ نیت کرے۔ فرضیت کی

نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ اور مطلق فرض کی نیت کافی ہے، فرض کفایہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ اگر ایک میت ہو تو ایک پر اور ایک سے زائد ہوں تو تمام پر نماز کی نیت کرے۔ نیت میں میت کے تعیین کی اور پہچاننے کی ضرورت نہیں، بلکہ اگر اس طرح نیت کرے کہ امام جس پر نماز پڑھتا ہے میں بھی اس پر نماز پڑھتا ہوں تب بھی کافی ہے۔ اگر میت کی طرف اشارہ کئے بغیر تعیین کرے (مثلاً زید پر نماز پڑھتا ہوں) اور اس میں غلطی ہو جائے (مثلاً عمرو کی میت نکلی) تو نماز صحیح نہ ہو گی۔ لیکن اگر اشارہ کرے پھر غلطی ہو جائے تو نماز صحیح ہو گی۔ مقتدی پر اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے۔

(۲) **قیام:** قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں (۳) چار تکبیریں۔ (متفق علیہ)

حدیث۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر چار تکبیریں کہیں اور پہلی تکبیر کے بعد ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھی (رواہ الشافعی، والحاکم، تلخیص) اگر کسی نے بھول سے یا عمداً پانچ تکبیریں کہیں تو اس کی نماز باطل نہ ہو گی اگر امام پانچ تکبیریں کہے تو پانچویں تکبیر میں اس کی اتباع نہ کرے، بلکہ امام سے مفارقت (الگ ہونے) کی نیت کر کے سلام پھیرے۔ یا اس کا انتظار کرتا رہے اور اس کے ساتھ ہی سلام پھیرے، اور یہی صورت افضل ہے۔

(۴) **سلام۔** سلام کے ساتھ نماز سے نکلنے کی نیت کرنا سنت ہے، واجب نہیں۔ اور صرف "**السلام علیک**" کہنا کافی نہیں۔

(۵) پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا۔

حدیث: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی۔ (الشافعی۔ حاکم)

(۲) نماز جنازہ کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہنے کے بعد آہستہ سورہ فاتحہ پڑھے۔ پھر درود پڑھے (الشافعی ونحوہ البیہقی)

(۶) دوسری تکبیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا۔

حدیث: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نماز جنازہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (رواہ الحاکم و صححہ علی شرط الشیخین، فتح الوہاب) آپ کے آل پر درود پڑھنا سنت ہے۔ (فتح الوھاب)

(۷) تیسری تکبیر کے بعد میت کیلئے دعا کرنا (میت کیلئے بالخصوص اخروی دعا کرنا ضروری ہے، نیز دعا کسی اور تکبیر کے بعد ہو تو یہ کافی نہیں ہے) (حاشیۃ الجمل ۱۷۲/۲)

حدیث: جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لئے دعا کرو۔ (رواہ ابو داود۔ ابن ماجہ۔ والبیہقی) اور کم سے کم اتنی دعا کا ہونا ضروری ہے جس پر دعا کا اطلاق ہو سکے۔ اور افضل دعا کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

نماز جنازہ کا اکمل طریقہ

نماز جنازہ کی سنتیں (۱) چاروں تکبیرات میں رفع یدین کرنا۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ تمام تکبیرات میں رفع یدین کرتے تھے۔ (رواہ البیہقی)

(۲) دیگر نمازوں کی طرح ہر تکبیر کے بعد دونوں ہاتھ سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر باندھنا۔ (۳) سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا (۴) سورہ فاتحہ کے بعد دوسری کوئی سورت نہ پڑھنا۔ اگر مقتدی امام سے قبل سورہ فاتحہ سے فارغ ہو جائے تو دعا میں مصروف رہے، اسی طرح درود سے فارغ ہو جائے تو دعا، یا درود پڑھے۔ (جمل ۱۷۳/۲) نماز جنازہ میں دعائے افتتاح نہ پڑھے۔ البتہ تعوذ پڑھ سکتا ہے۔

سورہ فاتحہ کو سراً (آہستہ) پڑھے، دن ہو یا رات۔ دوسری تکبیر کے بعد درود سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا، آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے آل پر درود پڑھنا، اور مومن مردوں وعورتوں کیلئے دعا کرنا سنت ہے۔ اور ان تینوں کے درمیان ترتیب ضروری نہیں بلکہ بہتر ہے۔ تیسری تکبیر کے بعد کثرت سے میت کیلئے دعا کرنا سنت ہے۔ دعا کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف "اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ يَا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ" کہے (یا اللہ اس پر رحم فرما۔ یا اس کی مغفرت فرما) اور اکمل درجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جو منقول دعا ہے، وہ پڑھے۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ دعا پڑھے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ" (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: اے اللہ ہمارے زندہ و مردے کی، حاضر و غائب کی، چھوٹے و بڑے کی، مذکر و مونث کی، مغفرت فرما۔ اے اللہ ہم میں سے تو جس کو زندہ رکھے، اسے اسلام پر زندہ رکھ، اور جسے تو موت دے اسے ایمان کی حالت میں موت دے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

"اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدَيْكَ خَرَجَ مِنْ رَوْحِ الدُّنْيَا وَ سَعَتِهَا مَحْبُوْبِهٖ وَ اَحِبَّائِهٖ فِيْهَا اِلٰى ظُلْمَةِ الْقَبْرِ وَ مَا هُوَ لَاقِيْهِ كَانَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ وَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ نَزَلَ بِكَ وَ اَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهٖ وَ اَصْبَحَ فَقِيْرًا اِلٰى رَحْمَتِكَ وَ اَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ عَذَابِهٖ وَ قَدْ جِئْنَاكَ رَاغِبِيْنَ اِلَيْكَ شُفَعَائَ لَهٗ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِيْ اِحْسَانِهٖ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ وَلَقِّهٖ بِرَحْمَتِكَ رِضَاكَ وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَهٗ وَافْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَجَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ وَلَقِّهٖ بِرَحْمَتِكَ الْاَمْنَ مِنْ عَذَابِكَ حَتّٰى تَبْعَثَهٗ اِلٰى جَنَّتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"

ترجمہ: اے اللہ یہ تیرے بندہ اور تیرے دو بندوں کا بیٹا ہے۔ دنیا میں اپنے دوست و احباب کو چھوڑ کر دنیا کے آرام اور وسعت سے قبر کی تاریکی اور جو کچھ قبر میں پیش آنے والا ہے اس کی طرف چلا آیا۔ اور اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور حضرت محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں۔ اور تو اسے زیادہ جاننے والا ہے اے اللہ یہ تیرا مہمان ہوا، اور تو بہترین مہمان نواز ہے، اور تیری رحمت کا محتاج ہے، اور تو اس کے عذاب سے بے نیاز ہے، اور ہم لوگ تیرے پاس امیدیں لئے ہوئے اس کے لئے سفارشی بن کر آئے ہیں۔ اے اللہ اگر وہ نیک ہے تو، تُو اس کی نیکی میں اضافہ کر۔ اگر وہ برا ہے تُو تو اس سے درگذر فرما۔ اور اپنی رحمت سے اسے اپنی رضا نصیب فرما، قبر کے فتنہ اور اس کے عذاب سے بچا۔ اس کی قبر کو کشادہ فرما۔ اور زمین کو اس کے پہلوؤں سے دور کر دے، اور اپنی رحمت کے ذریعے اسے اپنے عذاب سے امن عطا فرما۔ یہاں تک کہ اے ارحم الراحمین اسے جنت میں داخل فرما) اگر عورت کی میت ہو تو اس طرح دعا پڑھے۔ "اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكَ وَ بِنْتُ عَبْدَيْكَ الخ" یعنی ضمائر مونث لائے، لیکن اگر ضمائر مونث لانے کے بجائے مذکر ہی لائے اور اس سے شخص مراد لے تب بھی حرج نہیں۔

اگر بچے کی میت ہو تو اس ثانی دعا کے بدلے پہلی دعا کے بعد یہ دعا پڑھے۔ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ فَرَطًا لِاَبَوَيْهِ وَسَلَفًا وَّ ذُخْرًا وَ عِظَةً وَاِعْتِبَارًا وَّ شَفِيْعًا وَّ ثَقِّلْ بِهٖ مَوَازِيْنَهُمَا وَاَفْرِغِ الصَّبْرَ عَلٰى قُلُوْبِهِمَا وَلَا تَفْتِنْهُمَا بَعْدَهٗ وَلَا تَحْرِمْهُمَا اَجْرَهٗ" (الفقہ المنہجی)

ترجمہ: اے اللہ اس بچہ کو اس کے والدین کیلئے آگے جانے والا سامان بنا اور انکے لئے ذخیرہ، نصیحت، اور عبرت بنا، اور سفارشی بنا، اور اس کے ذریعہ ان کے ترازو کو وزنی بنا، اور ان کے قلوب پر صبر کا فیضان فرما۔ اور اس کے بعد انہیں آزمائش میں نہ ڈال۔ اور اس کے اجر سے انہیں محروم نہ فرما۔)

امام بخاریؒ اور تمام حفاظ حدیثؒ فرماتے ہیں کہ جنازے کی سب سے زیادہ صحیح دعا یہ ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَائِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْہُ دَاراً خَیْراً مِنْ دَارِہٖ وَاَھْلاً خَیْراً مِنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجاً خَیْراً مِّنْ زَوْجِہٖ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَتِہٖ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ''(رواہ مسلم عن عوف بن مالک)

ترجمہ: اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما اسے عافیت عطا فرما، اسے معاف کر، اس کی اچھی طرح مہمان نوازی فرما، اوراس کے ٹھکانہ کو کشادہ کر، اوراسے پانی، برف اوراولے کے ذریعے دھودے، اور گناہوں سے ایسا صاف کر جیسے کہ تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کرتا ہے۔ اوراس کو اس(دنیا) کے گھر سے بہتر گھر اوراس کے گھر والوں سے بہتر گھر والے اوراس کے جوڑے سے بہتر جوڑا عطا فرما اوراسے جنت میں داخل فرما۔ اور قبر کے عذاب سے اوراس کے فتنہ سے اور(جہنم کے) آگ کے عذاب سے پناہ دے) اوراس دعا کو پہلی دونوں دعائوں(اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا الخ۔ اوراَللّٰھُمَّ ھٰذَا عَبْدُكَ الخ) سے پہلے پڑھنا مندوب ہے (حاشیۃ الجمل ۲/۱۷۳) چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھے۔ ''اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ''(رواہ ابوداود۔ الفقہ النھجی)

(اے اللہ اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ فرما۔ اوراس کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈال۔ اور ہماری اور اس کی مغفرت فرما) یہ ذکر واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ چوتھی تکبیر کے بعد طویل دعا کرنا مسنون ہے۔ اور یہ آپ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے جب اپنی بیٹی کے جنازہ کی نماز پڑھائی، تو چوتھی تکبیر کے بعد اتنی دیر کھڑے ہو کر دعا استغفار کرتے رہے جتنی دیر دو تکبیروں کے درمیان کھڑے رہے پھر فرمایا کہ آپ ﷺ اس طرح کرتے تھے۔ (رواہ الحاکم والبیہقی وقال الحاکم حدیث صحیح۔ حاشیۃ الروضہ)

اس کے بعد دو سلام پھیرنا مستحب ہے(جس میں پہلا واجب ہے) اگر مسبوق امام کو نماز کے دوران پائے، تو تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہو جائے اورامام کی اگلی تکبیر کا انتظار نہ کرتا رہے۔ تکبیر کہنے کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کرے، مسبوق اذکار میں اپنی ترتیب کو ملحوظ رکھے(یعنی مثلا دوسری تکبیر کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا ہے تو ایسا نہیں کہ مسبوق بھی امام کی طرح درود شریف پڑھنا شروع کرے بلکہ مسبوق سورہ فاتحہ پڑھے)

اگر امام مسبوق کے پہلی تکبیر سے فارغ ہوتے ہی فورا دوسری تکبیر بھی کہہ ڈالے، تو مسبوق بھی امام کے ساتھ دوسری تکبیر کہے اور مسبوق کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ دیگر نمازوں میں ہوتا ہے۔ مسبوق سورہ فاتحہ پڑھ ہی رہا تھا کہ امام نے دوسری تکبیر کہہ ڈالی تو بقیہ قرأت روک کر امام کے ساتھ آگے بڑھے اور بعد والی تکبیر میں بقیہ قرأت پوری کرنے کی ضرورت نہیں۔

اگر کسی سے کچھ تکبیریں فوت ہو جائیں، تو امام کے سلام کے بعد ان کا تدارک کرے، لیکن صرف تکبیرات پر اکتفا نہ کرے، بلکہ ذکر و دعا بھی پڑھے۔ مسبوق حضرات کی بقیہ نماز پوری ہونے تک جنازہ نہ اٹھانا مستحب ہے۔ اوراگر جنازہ اٹھایا گیا تو اس سے مسبوق کی نماز باطل نہ ہو گی۔ چاہے جنازہ قبلہ کی جانب سے ہٹایا گیا ہو، لیکن اگر جنازہ کی موجودگی میں نماز شروع کرنے سے پہلے ہی قبلہ کی جانب سے ہٹایا گیا تو نماز صحیح نہ ہو گی۔

اگر مقتدی بلا عذر امام سے ایک تکبیر پیچھے رہے اورامام دوسری تکبیر بھی کہہ ڈالے تو اس سے مقتدی کی نماز باطل ہو گی اور ایک

تکبیر پیچھے رہنا ایسا ہے جیسا کہ ایک رکعت پیچھے رہنا(مثلاً امام تیسری تکبیر بھی کہے اور مقتدی ابھی پہلی تکبیر میں ہو دوسری تکبیر نہ کہی ہو)

نماز جنازہ کے شرائط: دیگر نمازوں میں جو شرائط ضروری ہیں، اس نماز میں بھی ضروری ہیں، جیسے: طہارت، ستر عورت، قبلہ کے جانب رخ کرنا وغیرہ، البتہ مزید شرط یہ ہے کہ نماز سے پہلے میت کا غسل ہو چکا ہو کوئی کنویں میں مر جائے یا کان میں دب کر مر جائے اور اسے باہر نکال کر غسل دینا دشوار ہو تو اسپر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ کفن پہنانے سے پہلے نماز پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ نماز جنازہ کیلئے جماعت کا ہونا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔ صرف ایک مرد کے نماز ادا کرنے سے بھی فرض ذمہ سے ساقط ہو جائیگا، چاہے وہ ممیز (باشعور) بچہ ہی کیوں نہ ہو، مردوں کی موجودگی میں کوئی عورت یا خنثیٰ مشکل ادا کرے، تو فرض ساقط نہ ہو گا۔ ہاں اگر ایک بھی مرد موجود نہ ہو تو عورتیں تنہا نماز ادا کریں۔ باجماعت ادا کرنا ان کے لئے مستحب نہیں، چاہے مرد کا جنازہ ہو یا عورت کا۔(لیکن اگر باجماعت ادا کریں تو کوئی حرج نہیں۔ المجموع ۲۱۳/۵) اوران کے ذریعے فرض بھی ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ صرف عورتیں موجود ہوں، تو فرض کے ادائیگی کی ذمہ داری عورتوں پر ہو گی، اور اگر مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہوں تو فرض کے ادائیگی کی ذمہ داری عورتوں پر نہ ہو گی، بلکہ مردوں پر ہو گی، چاہے ایک ہی مرد کیوں نہ ہو۔

فصل۔ غائبانہ نماز جنازہ

حدیث: آپ ﷺ نے نجاشی کی موت پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کی (صحیحین) اپنے شہر سے غائب میت پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے اور ایسی صورت میں میت کا قبلہ کی جہت میں ہونا یا مسافت قصر کے فاصلہ پر ہونا ضروری نہیں البتہ نمازی کا قبلہ رو ہونا ضروری ہے۔ غائبانہ نماز بھی میت کو غسل دینے کے بعد ادا کرنا ضروری ہے، غسل سے پہلے صحیح نہیں (مغنی ۳۴۵/۱) اگر مصلی (نمازی) اور میت ایک ہی شہر میں ہو تو میت کا مصلی کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ امام ابو محمد جوینیؒ فرماتے ہیں کہ میت شہر میں ہونے کی صورت میں مصلی اور میت کے درمیان تقریباً تین سو ذراع (ہاتھ) سے زیادہ کا فاصلہ نہ ہو۔

فصل۔ نماز جنازہ کا تکرار

ایک بار نماز جنازہ باجماعت ادا کرنے کے بعد دیگر حضرات آجائیں (دفن سے پہلے آئیں یا بعد میں) تو انہیں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ باجماعت ادا کریں یا اکیلے اوران کی یہ نماز فرض ہی شمار ہو گی۔ البتہ دفن کے بعد آنے کی صورت میں قبر پر نماز ادا کریں۔

حدیث: (۱) رات میں ایک شخص کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام نے تاریکی میں آپ ﷺ کو بیدار کرنا مناسب سمجھا، اور اسے دفن کر دیا تو آپ ﷺ اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو گئے، اور صحابہ کرام نے پیچھے صف باندھی پھر اس پر نماز پڑھی۔ (متفق علیہ)

(۲) ایک مسکین عورت (ام محجن) کا رات میں انتقال ہوا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اطلاع دیئے بغیر (رات ہی میں) دفن کر دیا تو (دوسرے دن) آپ ﷺ نے ان کی قبر پر جا کر نماز ادا کی۔ (رواہ النسائی والبیہقی، باسنادہ صحیح)

کسی میت کو نماز پڑھے بغیر دفن کر دیں، تو دفن کرنے والے سبھی گنہگار ہونگے، نماز پڑھنے کیلئے قبر کھودنے کی ضرورت نہیں، بلکہ قبر پر ہی نماز پڑھے۔ قبر پر اسی شخص کی نماز صحیح ہو گی جس پر (اس میت کی) موت کے وقت نماز فرض تھی۔ (یعنی جو مسلمان مکلف طاہر ہو۔ حاشیہ الجمل۔ ۱۸۲/۲) نبی کی قبر پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم: مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں، بلکہ صحیح مسلم میں سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ

کے متعلق صحیح حدیث موجود ہونے کی وجہ سے فقہانے مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے (نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی۔)(تلخیص)

ابو دائود میں جو حدیث ہے کہ جو مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اس کے لئے کوئی چیز نہیں، اس کے تین جواب ہیں (۱) وہ حدیث ضعیف ہے (۲) سنن ابی دائود میں فلا شیء علیہ کا لفظ ہے (یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں) اور اگر فلا شیء لہ والی حدیث کو صحیح مان بھی لیں، تب بھی اس کو فلا شی علیہ والی حدیث محمول کریں گے، جیسے کہ قرآن میں ہے "اِنْ اَحسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا ۔ اَیْ فَعَلَیْهَا" (۳) اسے کامل اجر نہیں ملے گا جبکہ دفن تک جنازہ کے ساتھ نہ جائے۔

نماز جنازہ کیلئے
تین یا تین سے زیادہ صفوں کو بنانا مستحب ھے

حدیث: جب کوئی مسلمان مرتا ہے اور اس پر تین صفیں نماز ادا کرتی ہیں، تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (رواہ الحاکم وغیرہ وقال صحیح علی شرط مسلم۔ فتح الوھاب) امام اور مقتدی کی نیت الگ الگ ہونے سے نماز پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ مثلاً امام موجود میت پر نماز کی نیت کرے اور مقتدی غائب پر یا اس کے برعکس۔ خود کشی کرنے والے کو غسل بھی دے اور اس پر نماز بھی پڑھے۔

ایک مرتبہ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد مصلیوں کی زیادتی کیلئے اور (ولی کے علاوہ) کسی کے انتظار میں جنازہ میں تاخیر کرنا صحیح نہیں۔ البتہ میت میں تغیر کا اندیشہ نہ ہو تو ولی کا انتظار کرنے میں حرج نہیں (جبکہ جلد اس کی آمد متوقع ہو، ورنہ انتظار کرنا مندوب نہیں۔) (جمل) بعد میں آنے والے نمازی قبر پر نماز پڑھ لیں۔ اگر وہ قبر پر نہیں پڑھیں گے تو میت کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض فقہا نے نمازیوں کی کثرت کیلئے انتظار کرنا بہتر قرار دیا ہے۔ (جمل ۱۸۶/۲)

سِقْط (ایسا حمل جو چھ مہینے پورے ہونے سے پہلے گر جائے)

سقط کی دو حالتیں ہیں۔ (۱) پیدائش کے بعد زندگی کی کوئی علامت پائی جائے مثلاً چیخے، چلائے، روئے، یا حرکت کرے، پھر مر جائے تو اس کے لئے چار چیزیں واجب ہونگی۔ غسل۔ کفن۔ نماز۔ اور دفن

(۲) زندگی کی کوئی علامت اس میں پائی نہ جائے، البتہ اس میں خلقت کا ظہور ہوا ہو، تو نماز کے علاوہ بقیہ تینوں چیزیں واجب ہیں (یعنی غسل۔ کفن۔ دفن) اور اگر خلقت کا ظہور نہ ہوا ہو، تو اس کے لئے نہ غسل ہے اور نہ نماز بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرنا سنت ہے۔ اگر بچہ چھ ماہ مکمل ہونے کے بعد پیدا ہو، تو ایک بڑے شخص کے جنازہ کی طرح نماز اور دیگر تمام امور واجب ہیں، گرچہ وہ مردہ حالت میں پیدا ہو، اور اس سے پہلے اُس کی زندگی کا کچھ علم نہ ہو۔ (نہایۃ المحتاج ۴۹۵/۲)

فصل۔ کافر پر نماز جنازہ کا حکم

کافر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، چاہے وہ حربی ہو یا ذمی۔ اور مسلمانوں کو اُسے غسل دینا جائز ہے، واجب نہیں۔ اور غسل دینے کے لئے اس کے کافر رشتہ دار مسلمان رشتہ دار سے زیادہ بہتر ہیں۔ کوئی ذمی مر جائے تو مسلمانوں پر اسے کفن دینا اور دفن کرنا ضروری ہے۔ اگر کافر حربی ہو تو اس کا کفن دفنمسلمانوں پر ضروری نہیں، بلکہ اس کی نعش کتوں کے حوالہ کر دینا جائز ہے، البتہ دفن کرنا بہتر ہے،

تاکہ لوگوں کو اس کی بدبو سے تکلیف نہ ہو۔ اور مرتد کا حکم بھی کافر حربی کی طرح ہے۔

مسلمان میت کافر کے ساتھ یا شہید غیر شہید کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں، اور ان کے درمیان تمیز نہ ہو سکے، تو تمام کو غسل دینا اور تمام پر نماز پڑھنا واجب ہے۔ ان تمام پر بیک وقت ایک ہی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور یہی افضل ہے، لیکن ایسی صورت میں صرف مسلمان میت کا قصد ہو۔ اور اگر ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے البتہ ایسی صورت میں نیت اس طرح کرتے اگر یہ میت مسلمان ہو تو، اور دعا اس طرح کرے۔ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ اِنْ کَانَ مُسْلِماً'' (اے اللہ اس کی مغفرت فرما اگر یہ مسلمان ہو)

فصل شہید کا حکم

شہید پر نماز پڑھنا اور اسے غسل دینا دونوں حرام ہیں۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہیدوں کے متعلق حکم فرمایا کہ انہیں ان کے خون کے ساتھ دفن کیا جائے۔ اور انہیں نہ غسل دیا گیا اور نہ ان پر نماز پڑھی گئی۔ (رواہ البخاری)

غسل دینے سے شہادت کا خون زائل ہو، یا نہ ہو، اور شہید مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، بالغ ہو یا بچہ، ہر ایک کیلئے یہی حکم ہے۔

شہید کے اقسام

شہید کی دو قسمیں ہیں: (۱) جس پر نماز پڑھنا اور غسل دینا دونوں حرام ہیں۔ اور وہ ایسا شہید ہے جو کفار کے ساتھ جنگ کے سبب دورانِ جنگ ہی مر جائے خواہ اسے کسی کافر نے قتل کیا ہو۔ یا غلطی سے کسی مسلمان کا ہتھیار لگا ہو، یا اس کا ہی ہتھیار اس کی طرف لوٹ آیا (جس کی وجہ سے مر گیا) یا گھوڑے پر سے گر کر مر جائے۔ یا کسی جانور کے لات مارنے کی وجہ سے مر جائے۔ یا جنگ کے اختتام کے بعد مقتول ملے اور اس کے موت کا سبب معلوم نہ ہو سکے، اس پر خون کا اثر ہو یا نہ ہو۔

اگر کوئی کفار کے ساتھ جنگ کے دوران کسی بیماری کے سبب یا اچانک موت آنے کی وجہ سے مر جائے تو وہ شہید شمار نہ ہو گا۔ اگر لڑائی کے ختم ہونے کے بعد ایسے زخم سے مر جائے جو جنگ میں ہی پہنچا ہے اور زخمی میں حیاۃ مستقرۃ (یعنی ایسی زندگی جس میں اپنے اختیار اور مرضی سے حرکت پائی جائے) باقی ہو تو وہ شہید نہیں کہلائے گا۔ چاہے زخمی ہونے کے بعد کھانا کھایا ہو، بات چیت کی ہو، نماز پڑھی ہو، یا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہ کیا ہو، چاہے زمانہ زیادہ گذرا ہو یا کم۔ جنگ کے اختتام پر اس میں صرف حرکت مذبوح باقی ہو تو وہ شہید کہلائے گا۔ اگر جنگ کے ختم ہونے کے بعد اس کے زندگی کی امید ہو تو وہ شہید نہیں کہلائے گا۔ کوئی کافر حربی دارالاسلام میں داخل ہو کر کسی مسلمان پر حملہ کر کے قتل کر ڈالے، تو ایسا مسلمان شہید شمار نہ ہو گا۔

اگر کوئی باغی اہل عدل (امام برحق کے موافقین) میں سے کسی کو قتل کر ڈالے تو وہ شہید شمار نہ ہو گا، اسے غسل بھی دینا ہو گا، اور نماز بھی پڑھنی ہو گی۔ اسی طرح کسی باغی کو قتل کیا گیا تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہو گا۔ ڈاکو کسی کو قتل کرے تو مقتول شہید نہیں کہلائے گا۔

۲۔ ایسے شہداء جو مذکورہ تمام اوصاف سے خالی ہوں: مثلاً پیٹ کے درد سے مر جائے۔ طاعون کی بیماری میں مر جائے۔ ڈوب کر مر جائے۔ حالت اجنبیت اور غریب الوطنی میں مر جائے (یعنی کہیں سفر کیلئے گیا ہوا تھا تو وہیں انتقال ہو گیا) کوئی عورت دردِ زہ کی حالت میں مر جائے۔ اور ایسا شخص جسے ظلماً کوئی مسلمان یا ذمی یا باغی جنگ کے علاوہ کسی اور موقع سے قتل کرے، تو ان تمام کا حکم دیگر میت کے مانند ہے یعنی غسل بھی دے اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھے۔ گرچہ حدیث میں ان کے متعلق شہادت کا لفظ واقع ہوا ہے (اور اس سے

آخرت میں شہادت کے ثواب کا حصول مراد ہے)

حدیث: شہداء پانچ ہیں: طاعون کی بیماری میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا، اور اللہ کے راستے کا شہید (رواہ احمد، والترمذی) قصاصاً (یعنی کسی کے قتل کی پاداش میں) اور حداً قتل کیا جانے والا آدمی شہید نہیں کہلائے گا، (حد کی مثال مُحْصَنْ زانی کو سنگ سار کرنا)

کسی تارک صلوۃ (نماز چھوڑنے والے) کو قتل کیا جائے تو اس کے لئے بھی چاروں امور ضروری ہیں۔ غسل، کفن، نماز اور دفن اور اُسے مسلمان کے قبرستان میں ہی دفن کیا جائے اور دیگر قبروں کی طرح اس کی قبر کو معمولی اٹھایا جائے، جیسا کہ دیگر کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

ڈاکو کو اولاً قتل کرے، پھر غسل دے کر اس پر نماز جنازہ پڑھے، پھر کفن ہی کی حالت میں سولی پر چڑھائے، پھر تین دن کے بعد سولی پر سے اتا کر اُسے دفن کر دے۔

اگر کوئی جنبی اور حائضہ عورت شہید ہو جائے۔ تو اسے بھی غسل دینا اور اس پر نماز پڑھنا حرام ہے۔ شہید کے بدن پر شہادت کے خون کے علاوہ کوئی اور نجاست لگی ہو تو اسے دھونا ضروری ہے۔

شہید کو اس کے خون سے لت پت کپڑوں میں کفن دینا افضل ہے (خون نہ لگا ہو تب بھی اسی کپڑے میں کفن دینا مستحب ہے) اور اگر اس کے بدن پر اتنا کپڑا نہ ہو۔ جو پورے بدن کو ڈھانپ سکے، تو دوسرے کپڑے کے ذریعے اس کی تکمیل کرے۔ اگر ورثاء اس کے بدن کے کپڑوں کو نکال کر دوسرے کپڑوں میں کفن دینا چاہیں تو جائز ہے۔ البتہ اس کے بدن سے (لڑائی کے کپڑے) زرہ، چمڑا، پوستین، موزہ وغیرہ نکال دے۔

دفن کا بیان

دفن کرنا فرض کفایہ ہے۔ قبرستان کے علاوہ کسی اور جگہ دفن کرنا جائز ہے، البتہ قبرستان میں دفن کرنا افضل ہے۔ اگر میت کو عام قبرستان اور اس کی اپنی زمین میں دفن کرنے کے سلسلے میں ورثاء میں اختلاف ہو جائے، تو عام قبرستان میں ہی دفن کرے۔ بعض ورثاء نے میت کے ہی زمین میں دفن کیا تو دیگر ورثاء کیلئے میت کو وہاں سے منتقل کر کے عام قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے، لیکن ایسا نہ کرنا بہتر ہے۔ ورثاء میں سے کسی کا اپنی زمین میں دفن کرنے کا ارادہ ہو، تو دیگر وارثوں کیلئے اس کا قبول کرنا ضروری نہیں، اور اگر کسی وارث نے اپنی زمین میں دفن کیا تو ابن صباغؒ فرماتے ہیں کہ میت کو وہاں سے منتقل نہ کرے، کیونکہ ایسی صورت میں میت کی بے حرمتی ہو گی۔ اور میت کو وہیں رکھنے سے کسی کا حق بھی ضائع نہیں ہوتا۔ ورثاء نے میت کو اس کی زمین میں دفن کرنے کے بعد اس زمین کو بیچ دیا تو مشتری (خریدار) کو وہاں سے میت منتقل کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر مشتری بیع (خرید وفروخت) کے وقت اس بات سے ناواقف تھا تو اسے بیع فسخ کرنا جائز ہے۔ اور میت جب زمین کے اندر بالکل فنا و نابود ہو جائے، یا تمام ورثاء میت کو وہاں سے منتقل کرنے پر متفق ہو جائیں، تو ایسی صورت میں مشتری اس جگہ سے انتفاع کر سکتا ہے۔

قبر کی گھرائی: دفن کے لئے کم سے کم اتنا گہرا گڑھا ہونا ضروری ہے، جس میں سے میت کی بو ظاہر نہ ہو، اور درندوں سے اس کی حفاظت ہو سکے۔

اکمل درجہ یہ ہے کہ قبر کشادہ اور اتنی گہری ہو کہ اس میں ایک معتدل آدمی اپنے دونوں ہاتھ اوپر کی جانب اٹھا کر کھڑا رہ سکے یعنی تقریباً ساڑھے چار ہاتھ گہری ہو۔

حدیث: ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبر کو وسیع اور گہری کھودو“ (رواہ ابوداؤد۔ الترمذی) میت کو شق اور لحد (بغلی قبر) میں دفن کرنا جائز ہے۔ لحد یعنی قبر کی تہہ میں قبلے کی جانب اتنا کھودے جس میں میت سما(رہ) سکے۔ اور شق یعنی درمیان قبر نہر کے مانند کھودے۔ اگر زمین سخت ہو تو لحد کھودنا افضل ہے ورنہ شق

تدفین کامسنون طریقه: میت کو (قبرستان لانے کے بعد) قبر کی پائنتی کے پاس رکھ کر سر کی جانب سے آہستہ سے قبر میں اتارنا سنت ہے۔

حدیث: ”حضرت عبد اللہ بن یزید الخطمی رضی اللہ عنہ نے حضرت حارث کو قبر میں قبر کی پائنتی کی جانب سے اتارا پھر فرمایا کہ ”یہ سنت ہے“ (رواہ ابوداود باسناد صیحح)

مرد کی موجودگی میں مرد ہی قبر میں داخل ہوں، چاہے میت مرد کی ہو یا عورت کی، اور میت کو دفن کرنے کا حقدار وہی ہے، جو نماز پڑھانے کا حقدار ہے۔

البتہ بیوی کو دفن کرنے کیلئے شوہر زیادہ مستحق ہے۔ اس کے بعد اس کے محرم رشتہ دار، باپ، دادا، بیٹا، پوتا، بھائی، پھر بھتیجہ، پھر چچا مستحق ہیں پھر غلام پھر ممسوح، پھر مجبوب پھر غیر محرم عصبہ مثلاً، چچازاد بھائی، پھر غیر محرم ذورحم مثلاً ماموں زاد و پھوپھی زاد بھائی، ورنہ پھر کوئی نیک اجنبی شخص (جمل) میت کو قبر میں اگر اکیلا آدمی رکھ سکتا ہو۔ مثلاً کسی بچے کی میت ہو، تو اچھی بات ہے، ورنہ میت قبر میں رکھنے والوں کا طاق عدد میں ہونا مستحب ہے، تین یا پانچ جیسے ضرورت ہو۔

بوقت تدفین پرده اور دعا:- دفن کرتے وقت قبر پر پردہ کرنا مستحب ہے، چاہے (میت) مرد کی ہو یا عورت کی، لیکن عورت کی ہو تو زیادہ مؤکد ہے

میت کو قبر میں اتارتے وقت ان الفاظ کا پڑھنا مستحب ہے ”بِاسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰه“ (اللہ کے نام سے اور آپ ﷺ کی ملت پر)

حدیث: حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ آپؐ جب میت کو قبر میں رکھتے تو ”بِاسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ“ کہتے (رواہ ابوداود۔ ابن حبان۔ والحاکم۔ تلخیص) اس کے بعد یہ دعا پڑھتے ”اَللّٰهُمَّ اَسْلَمَهُ اِلَيْكَ آلَا شِحَّاءُ مِنْ وَّلَدِهٖ وَاَهْلِهٖ وَقَرَابَتِهٖ وَاِخْوَانِهٖ وَفَارَقَهُ مَنْ كَانَ يُحِبُّ قُرْبَهُ وَخَرَجَ مِنْ سَعَةِ الدُّنْيَا وَالْحَيَاةِ اِلٰى ظُلْمَةِ الْقَبْرِ وَضِيْقِهٖ وَنَزَلَ بِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهٖ اِنْ عَاقَبْتَهُ فَبِذَنْبِهٖ وَاِنْ عَفَوْتَ عَنْهُ فَاَهْلُ الْعَفْوِ اَنْتَ اَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ عَذَابِهٖ وَهُوَ فَقِيْرٌ اِلٰى رَحْمَتِكَ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ حَسَنَتَهُ وَاغْفِرْ سَيِّئَتَهُ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاجْمَعْ لَهُ بِرَحْمَتِكَ الْاَمْنَ عَنْ عَذَابِكَ وَاكْفِهِ كُلَّ هَوْلٍ دُوْنَ الْجَنَّةِ اَللّٰهُمَّ وَاخْلُفْهُ فِيْ تَرِكَتِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَارْفَعْهُ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَعُدْ عَلَيْهِ بِفَضْلِ رَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ“ **ترجمه:** اے اللہ اس کے بچوں، گھر والوں، رشتہ داروں اور بھائیوں نے چاہت کے باوجود اسے تیرے حوالہ کر دیا اور یہ اپنے محبوب لوگوں سے جدا ہو گیا۔ دنیا اور زندگی کی وسعتوں سے قبر کے اندھیرے اور اس کی تنگی کی طرف چلا آیا، اور تیرا مہمان ہوا اور تو بہترین مہمان نواز ہے۔ اگر تو اسے سزا دے تو یقیناً اس کے گناہوں کے سبب سے ہو گی، اور اگر تو معاف کر دے تو تو ہی معاف کرنے والا ہے۔ تو اس کے عذاب سے بے نیاز

ہے۔ اور یہ تیری رحمت کا محتاج ہے۔ اے اللہ تو اس کی نیکیوں کو قبول فرما اور برائیوں کو معاف فرما۔ اور اسے قبر کے عذاب سے بچا، اور اپنی رحمت سے اسے تیرے عذاب سے امن عطا کر اور جنت سے قبل ہر خوف وہولناکی سے اس کی کفایت فرما۔ اے اللہ اس کے پیچھے والوں میں اس کا جانشین بن۔ اور اعلی علیین میں اس کا درجہ بلند فرما۔ اور اے ارحم الراحمین اس پر بار بار اپنا فضل فرما۔)

میت کو لحد میں قبلہ رخ، دائیں کروٹ پر دیوار سے بالکل قریب رکھے اور پیٹھ کے پیچھے اینٹ وغیرہ لگادے تاکہ میت نہ اوندھا منہ ہوجائے اور نہ چت ہوجائے (پشت کے بل پلٹ جائے) میت کو قبر میں قبلہ رخ رکھنا واجب ہے۔ اگر قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے، یا چت لٹا کر دفن کر دیا اور بدن میں تغیر نہ ہوا ہو، تو قبر کھود کر قبلہ رخ رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر بدن میں تغیر ہو چکا ہو، تو پھر قبر نہ کھودے (بلکہ اسی حالت میں رہنے دے) قبر میں دائیں کروٹ پر لٹانا واجب نہیں (بلکہ مستحب ہے) میت کو قبر میں بائیں کروٹ پر قبلہ رخ رکھنا مکروہ ہے (اور اگر کسی نے ایسا کیا تو دائیں کروٹ پر کرنے کیلئے) قبر کھودنے کی ضرورت نہیں۔

کوئی ذمی حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ کا بچہ مسلمان کا ہو۔ (یعنی کسی مسلمان شوہر سے حاملہ رہ چکی ہو۔ اور ساتھ میں بچہ بھی مر گیا ہو) تو قبر میں اس عورت کی پیٹھ قبلہ کی طرف کر دے تاکہ اس جنین کا رخ قبلہ کی طرف ہوجائے کیونکہ جنین کا چہرہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے۔ اور اس ذمی عورت کو مسلمانوں اور کافروں کے قبرستان کے درمیان دفن کرے۔ اگر مسلمان اور کافروں کے مردے آپس میں خلط ملط ہوجائیں تو انھیں بھی دونوں کے قبرستان کے درمیان دفن کر دے۔

(قبر میں) میت کے سر کے نیچے کچی اینٹ یا پتھر رکھے، اور تھوڑا سا کفن ہٹا کر دائیں رخسار (گال) کو اینٹ یا مٹی سے لگادے۔

(قبر میں) سر کے نیچے تکیہ رکھنا، بستر بچھانا، اور کسی پیٹی (تابوت) میں رکھ کر دفن کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر زمین نرم ہو یا تر ہو تو پیٹی میں رکھ کر دفن کرنا مکروہ نہیں، ایسی صورت میں پیٹی کا خرچ ترکہ کے راس المال میں سے لے۔

مذکورہ صورت کے علاوہ اگر میت اپنی نعش پیٹی میں دفن کرنے کی وصیت کرے تو وصیت نافذ نہ ہوگی۔

میت کو لحد میں رکھنے کے بعد لحد کو کچی اینٹوں سے بند کر دے۔ اور جہاں کہیں معمولی شگاف (پھٹن) باقی رہ جائے اسے اینٹوں کے ٹکڑوں وغیرہ سے بند کر دے۔ پھر ہر آدمی دونوں ہاتھوں سے تین مٹھی مٹی ڈالے (بیہقی) اور پہلی بار مٹی ڈالتے وقت **"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ"** اور دوسری بار **"وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ"** اور تیسری بار **"وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى"** پڑھنا مستحب ہے اس کے بعد بیلچہ وکدال وغیرہ (پھاوڑے) کے ذریعے مٹی ڈالے۔

مستحب یہ ہے کہ (قبر کھودتے وقت) جتنی مٹی نکلی ہے، اس سے زیادہ مٹی قبر پر نہ ڈالے۔ (اگر کسی وجہ سے قبر کی مسنون مقدار کے لئے وہ مٹی ناکافی ہو تو مزید مٹی بقدر ضرورت ڈال سکتے ہیں۔) قبر کو ایک بالشت اونچا رکھے تاکہ پتہ چلے کہ یہ قبر ہے اور اس کی زیارت اور احترام کرنے میں سہولت ہو اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں مر جائے تو اس کی قبر اونچی نہ رکھے بلکہ مخفی رکھے تاکہ مسلمانوں کے وہاں سے لوٹنے کے بعد کافر اس قبر کی بے حرمتی نہ کریں۔

قبر کو چونا لگانا، اس پر نام لکھنا، قبر کو پختہ بنانا اور اس پر عمارت یا قبہ وغیرہ بنانا مکروہ ہے۔ موقوفہ یا عام قبرستان میں قبر پر عمارت بنانا یا اسے پختہ کرنا حرام ہے ایسی صورت میں اسے منہدم کیا جائے، اگر میت کی زمین میں ہو تو نہ گرائے۔

حدیث: "آپ ﷺ نے قبر کو چونا لگانے، اس پر عمارت بنانے، اس پر نام لکھنے اور اسے روندنے سے منع فرمایا"۔ (رواہ الترمذی والحاکم وقال الترمذی حسن صحیح)

قبر کو مٹی کے گارے سے لیپنے میں کوئی حرج نہیں۔

دفن کے بعد قبر پر (خالص) پانی چھڑکنا اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں اس پر ڈالنا اور بطور نشانی اس کے سرہانے پتھر رکھ دینا یا لکڑی وغیرہ گاڑ دینا مستحب ہے۔

حدیث: (۱) آپ ﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں ڈالیں" (الشافعی، ابوداود فی المراسیل والبیہقی، تلخیص)

(۲) "آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے (بطور نشانی) پتھر رکھا" الخ۔ (رواہ ابوداود باسناد جید)

قبر پر گلاب کا پانی چھڑکنا یا اس پر سائبان بنانا مکروہ ہے۔ قبروں کے درمیان چپل پہن کر چلنے میں کوئی حرج نہیں۔

قبر کو ہموار (مسطح) بنانا کوہان نما بنانے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ (جیسا کہ آپ ﷺ اور شیخین کی قبروں کو کیا گیا۔ ابوداود باسناد صحیح)

جنازہ سے واپس لوٹنے والوں کی چار قسمیں ھیں۔

(۱) صرف نماز پڑھ کر واپس لوٹا۔ (۲) میت کو قبر میں داخل کرنے تک ساتھ رہا، مگر مٹی ڈالنے سے پہلے واپس لوٹا۔ (۳) دفن ہونے تک ساتھ رہا البتہ دعا کئے بغیر واپس لوٹا۔ (۴) دفن کے بعد دعا وغیرہ کر کے واپس لوٹا۔ مذکورہ تمام قسموں میں فضیلت کے اعتبار سے یہی اعلیٰ ہے۔ جو آدمی صرف نماز پڑھ کر واپس لوٹے، اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن کے بعد لوٹے اسے دو قیراط ثواب ملتا ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو نماز ہونے تک جنازے کے ساتھ رہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے دو قیراط ثواب ملتا ہے۔ اور دو قیراط سے دو بڑے پہاڑ مراد ہیں۔ (رواہ بخاری ومسلم)

تلقین: دفن کے بعد قبر کے سرہانے بیٹھ کر تلقین پڑھنا مستحب ہے، الفاظ یہ ہیں۔

"يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ اَمَةِ اللّٰهِ اُذْكُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا شَهَادَةَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ حَقٌّ وَاَنَّ الْبَعْثَ حَقٌّ وَاَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ وَاَنَّكَ رَضِيْتَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا وَّبِالْقُرْآنِ اِمَامًا وَّبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَّ بِالْمُؤْمِنِيْنَ اِخْوَانًا"

ترجمہ: اے اللہ کے بندے اور اللہ کی بندی کے بیٹے، اس عہد کو یاد کر جس عہد کے ساتھ دنیا سے لوٹا ہے یعنی اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور جنت و جہنم، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہیں اور قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو قبروں سے اٹھانے والے ہیں اور تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر اور قرآن کے پیشوا اور کعبۃ اللہ کے قبلہ اور مومنین کے بھائی ہونے پر راضی تھا۔

(بچے کی میت ہو تو تلقین پڑھنے کی ضرورت نہیں) تلقین کے متعلق تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

قبر کے پاس قرآن کا کچھ حصہ پڑھنا بھی مسنون ہے اور پورا قرآن پڑھنا افضل ہے۔ (حاشیۃ البجیرمی ۲/۲۷۴) دفن کے بعد کچھ لوگ قبر کے پاس رک کر میت کے لئے فرشتوں کے سوالات کا صحیح جواب دینے کی دعا کرتے رہیں۔

حدیث: اللہ کے رسول ﷺ جب کسی میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہو کر کہتے: "اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی اور

ثابت قدم رہنے کی دعا کرو، اس لئے کہ اب اس سے سوالات کئے جائیں گے۔" (البزاز و قال الحاکم صحیح الاسناد)

حالتِ اختیاری (عام حالات) میں مستحب ہے کہ ایک قبر میں ایک ہی میت کو دفن کرے، اگر مجبوری ہو، مثلاً کئی جنازے ہوں (جنگ یا وباء وغیرہ کی وجہ سے) اور ہر میت کو الگ الگ قبر میں دفن کرنا دشوار ہو، تو پھر ایک میں دو یا تین کو دفن کر سکتے ہیں البتہ ایسی صورت میں ان میں سے جو افضل ہو گا اسے قبر میں قبلہ کی سمت پہلے رکھے، اور فرع کو اصل سے پہلے نہ رکھے، گو فرع افضل ہو (مثلاً بیٹے یا پوتے کو باپ دادا پر مقدم نہ کرے۔)

مرد و عورت کو ایک ساتھ دفن نہ کرے، ہاں اگر شدید ضرورت ہو (تو پھر اجازت ہے) اور مرد کو پہلے رکھے، گو بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر مرد، عورت، خنثیٰ مشکل اور بچہ کی میت ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو مرد کو پہلے رکھے پھر بچہ کو پھر خنثیٰ مشکل پھر عورت کو رکھے۔

دو میت (چاہے دونوں ایک جنس کے ہوں یا الگ الگ) ایک ساتھ دفن کرنے کی صورت میں دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ بنانا مندوب ہے۔

قبر پر بیٹھنا، چلنا وغیرہ: قبر کو میت کیعظمت کیخاطر قابل احترام چیز قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس پر بیٹھنا، ٹیک دینا، اور بلا ضرورت اس پر سے چلنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر اپنی میت کے قبر تک دوسرے کی قبر پر سے چلے بغیر نہیں پہنچ سکتے تو پھر اجازت ہے۔

زیارتِ قبر: مردوں کیلئے قبروں کی زیارت مستحب ہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا (لیکن اب) زیارت کرو۔ اس لئے کہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔" (رواہ ابوداود، مسلم، الترمذی)

عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت مکروہ ہے۔ (لیکن آپ ﷺ کے قبر کی زیارت عورت کے لئے بھی سنت ہے۔ الفقہ المنہجی)

کافر کے قبر کی زیارت مباح ہے۔ (فتح الوہاب مع حاشیۃ الجمل ۲/۲۰۹)

زائر (یعنی زیارت کرنے ولے) کے لئے اس دعا کا پڑھنا مسنون ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ (مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ: اے مومنین کی جماعت تم پر سلامتی ہو اور ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہُمْ (ابوداؤد)

اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ فرما اور ان کے بعد آزمائش میں نہ ڈال۔

مذکورہ دعا کے بعد ان الفاظ کا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبِّ ہٰذِہِ الْاَجْسَادِ الْبَالِیَةِ وَالْعِظَامِ النَّخِرَةِ الَّتِیْ خَرَجَتْ مِنَ الدُّنْیَا وَہِیَ بِكَ مُؤْمِنَةٌ اَنْزِلْ عَلَیْہَا رَحْمَةً مِّنْكَ وَسَلَامًا مِّنِّیْ (حاشیۃ الجمل ۲/۲۰۹)

ترجمہ: اے اللہ، جو ان بوسیدہ ہڈیوں اور بوسیدہ جسموں کا رب ہے، یہ لوگ اس حالت میں دنیا سے روانہ ہوئے ہیں کہ تجھ پر ایمان رکھتے تھے، آپ کی طرف سے ان پر رحمتیں اور میری جانب سے سلام نازل فرما۔

قبرستان میں تلاوت کرنا ایک موجودہ شخص کی طرح میت کے لئے رحمت و برکت کا باعث ہے۔ اسی لئے قبرستان میں تلاوت

مستحب ہے نیز تلاوت کے بعد دعا جلد قبول ہو گی اور دعا میت کو نفع پہنچائے گی۔ لہٰذا زائر قبلہ رو کھڑا ہو کر جتنا قرآن یاد ہو اسے پڑھے اور دعا کر کے میت کو ثواب پہنچائے۔ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں اور بیٹھنے کے مقابلے میں کھڑے ہو کر دعا وغیرہ کرنا افضل ہے۔ (حاشیۃالجمل ۲/۲۱۰)

تلاوت سے میت کو ان صورتوں میں نفع ہوگا۔

۱) میت (قبر) کے پاس تلاوت کرنا۔ (۲) میت کے قصد سے تلاوت کرنا (گرچہ وہ دور ہو)۔ (۳) میت کے حق میں دعا کرنا۔ (جمل) زیارت کے وقت قبر سے اتنا قریب رہے جتنا زندگی میں اس کی ملاقات کے وقت رہتا۔ قبر کو بوسہ لینا یا ہاتھ سے چومنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام کی زیارت کے لئے داخل ہوتے وقت چوکھٹ کو چومنا بھی مکروہ ہے۔ (حاشیۃالبجیرمی ۲/۲۶۲)

قبر کو کھودنا: کسی قبر کو بوسیدہ ہونے سے (یعنی میت کے اجزاء مٹی بن جانے سے) پہلے کھودنا جائز نہیں۔ ہاں کسی ضرورت کی بناء پر کھودے تو جائز ہے۔ مثلاً جس میت کو غسل دینا ضروری تھا، اسے بغیر غسل کے دفن کرے یا قبلہ کی طرف رخ کئے بغیر دفن کرے تو قبر کھودنا جائز ہے، لیکن اگر میت میں تغیر پیدا ہو چکا ہو تو پھر کھودنا جائز نہیں۔

یا غصب کی ہوئی زمین میں یا غصب یا چوری کئے ہوئے کپڑے میں کفن پہنا کر دفن کر دیا ہو۔ مالک اسے لوٹانے کا مطالبہ کرے، تو قبر کھودنا جائز ہے۔ لیکن مالک کے لئے مسنون ہے کہ اپنا حق معاف کرے۔

قبر میں کسی کی انگوٹھی یا مال گر جائے تو اس کو نکالنے کے لئے بھی قبر کھودنا جائز ہے۔

اگر کسی کو ریشم کے کپڑے میں، یا بلا کفن کے دفن کر دے تو کفن پہنانے کے لئے قبر کھودنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنا مال نگل کر مر جائے تو مال نکالنے کیلئے پیٹ نہ چیرے۔ ہاں اگر کسی دوسرے کا مال نگل لیا ہو، اور صاحبِ مال، مال لوٹانے کا مطالبہ کرے تو قبر کھود کر اس کے پیٹ کو چیر کر مال نکالے، لیکن اگر ورثاء اسی کے مثل مال یا اس کی قیمت ادا کرنے کی ضمانت لیں تو پھر قبر نہ کھودے۔

اگر قبر بالکل بوسیدہ ہو جائے اور میت مٹی میں مل جائے تو اسے کھود کر دوسرے کو اس میں دفن کرنا جائز ہے۔ اور قبر کی بوسیدگی کی معلومات کے لئے تجربہ کار حضرات سے رجوع کریں۔

عام قبرستان میں کسی بوسیدہ قبر کو اٹھا کر اس پر مٹی ہموار کرنا جائز نہیں، تاکہ لوگ اسے نئی سمجھ کر وہاں دفن کرنے سے رک نہ جائیں، البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کرامؒ کی قبریں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (فتح الوہاب)

اگر پورے قبرستان میں سیلاب کا پانی پہنچنے کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہوا ہو، تو وہاں سے میت کو منتقل کرنا جائز ہے، چاہے دوسرے شہر میں منتقل کرنا پڑے۔ (حاشیۃ الجمل ۲/۲۱۱) اگر کوئی کشتی میں مر جائے اور کشتی کسی ساحل یا جزیرہ کے قریب ہو اور ساحل تک پہنچنا ممکن ہو تو اس کے ساتھیوں کے لئے ساحل کی طرف نکل کر اسے غسل دینا، کفن پہنانا، نماز پڑھنا اور دفن کرنا واجب ہے اور اگر ممکن نہ ہو تو ساحل پر دفن کرنا ضروری نہیں بلکہ اسے غسل دے کر کفن پہنا کر نماز پڑھے پھر دو تختوں کے درمیان باندھ کر سمندر میں ڈال دے تاکہ سمندر کی موجوں سے کنارے پہنچ جائے شاید کسی کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے دفن کر دے چاہے ساحل والے کافر ہوں، اور اگر کسی وزنی چیز سے باندھ کر سمندر میں ڈال دے تاکہ نیچے تہہ تک پہنچ جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (مغنی ۱/۳۶۲) قبرستان میں رشتے داروں کو (مختلف جگہوں پر دفن کرنے کے بجائے) ایک ہی جگہ دفن کرنا مستحب ہے۔ (کیونکہ زیارت کرنے والے کے لئے اس میں آسانی ہو گی۔ مغنی)

حدیث: آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کے (قبر پر) سرہانے پتھر رکھ کر فرمایا "میں نے یہ علامت اس لئے رکھی تاکہ اپنے (رضاعی) بھائی کی قبر جان سکوں اور میرے رشتہ داروں میں سے جو بھی وفات پائے اسے وہاں دفن کروں" (رواہ ابوداود باسناد جید)

کسی میت کے مکمل طور پر بوسیدہ ہونے سے پہلے دوسری میت کو وہاں دفن کرنا حرام ہے۔

اگر قبر کھودتے وقت ہڈیاں مل جائیں تو قبر بند کرے، مزید نہ کھودے۔ لیکن اگر مکمل قبر کھودنے کے بعد کچھ ہڈیاں نکل آئیں، تو ان ہڈیوں کو اس قبر کے ایک جانب رکھ کر دوسری میت کو اس کے ساتھ دفن کردے۔

اگر ایک ہی وقت میں کسی کے رشتہ دار مر جائیں اور ہر ایک کو الگ الگ قبر میں دفن کرنا ممکن ہو، تو سب سے پہلے اس میت کو دفن کرے جس میں تغیر ہونے کا اندیشہ ہو، اس کے بعد دوسرے نمبر پر جس میں تغیر کا خدشہ ہو، اور اگر تغیر کا خدشہ نہ ہو تو سب سے پہلے باپ کو دفن کرے، پھر ماں، پھر اقرب فالا قرب کے اعتبار سے دفن کرتا جائے اور اگر دونوں بھائی ہوں تو بڑے بھائی کو پہلے دفن کرے، اور دونوں بیویاں ہو تو پھر قرعہ اندازی کی جائے۔

کسی مسلمان کو کافروں کے قبرستان میں دفن نہ کرے اور نہ کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں۔ رات میں دفن کرنا مکروہ نہیں۔ کیونکہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک شخص کو رات میں دفن کردیا پھر آپ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اس کے قبر پر نماز جنازہ ادا کی۔ (لیکن رات دفن کرنے پر انکار نہ فرمایا) نیز بخاری ہی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رات دفن کرنے کا ذکر موجود ہے ، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات میں دفن فرمایا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور عائشہ رضی اللہ عنہم کی تدفین بھی رات میں عمل میں آئی بلکہ مسند احمد کی ایک روایت میں خود آپ ﷺ کا رات دفن ہونا مروی ہے۔ (فتح الباری، مغنی، فتح الوہاب، تحفۃالاحوذی)

البتہ دن میں دفن کرنا مستحب ہے۔ اوقات مکروہہ میں بھی دفن کرنا مکروہ نہیں (لیکن سنت ہے کہ مکروہ وقت کے علاوہ دفن کرے۔فتح الوہاب)

اور جس حدیث میں ان اوقات میں دفن کرنے سے روکا ہے، وہ اس پر محمول ہے جبکہ بالقصد ان اوقات میں دفن کرے۔ قبرستان میں رات گذارنا مکروہ ہے۔ دفن کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف میت کو منتقل کرنا حرام ہے اور اگر مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو تو اس کی وصیت نافذ نہ ہوگی۔ ہاں اگر مکہ، مدینہ یا بیت المقدس سے قریب ہو، تو وہاں کے دفن کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر کوئی حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ (جنین) زندہ ہو۔ اور اس کے زندگی کی بھی امید ہو تو اس کے پیٹ کو چیر کر بچہ نکالے پھر دفن کرے اور اگر بچہ کے زندگی کی امید نہ ہو تو پیٹ نہ چیرے بلکہ بچہ مرنے تک اسے ایسے ہی چھوڑ دے، پھر دفن کردے۔

اگر کوئی قافلہ جنگل میں کسی ایسے میت کے پاس سے گزرے، جس کے کپڑوں پر غسل، کفن وغیرہ کا اثر نہ ہو، تو رک کر غسل وغیرہ دینا نماز پڑھنا اور دفن کرنا ضروری ہے، میت عورت کی ہو یا مرد کی۔ اور اگر میت پر غسل، کفن وغیرہ کا اثر ہو تو صرف دفن کرے اور اگر نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر پر پڑھے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس پر نماز پڑھی گئی ہوگی۔

تعزیت کا بیان

حدیث: ''کوئی مسلمان اپنے بھائی کی مصیبت کے وقت تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے شرافت کا لباس پہنائیں گے''۔(رواہ ابن ماجہ والبیہقی باسناد حسن)

تعزیت کرنا سنت ہے، تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے۔(یعنی گھر والے کسی ایک جگہ اس لئے بیٹھے رہیں، تاکہ لوگ آکر ان کی تعزیت کریں۔ بلکہ گھر والوں کو چاہئے کہ اپنے کام کاج میں مصروف رہیں) تمام گھر والوں کی تعزیت کرنا مستحب ہے، چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، البتہ جوان عورت کی صرف اس کے محرم رشتہ دار ہی تعزیت کریں۔ تعزیت چاہے نماز اور دفن سے پہلے کرے، یا دونوں کے بعد ہر حال میں مشروع ہے البتہ تعزیت دفن کے بعد کرنا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اگر میت والے زیادہ جزع وفزع (بے صبری کا مظاہرہ) کر رہے ہوں، تو انہیں صبر دلانے کے لئے دفن سے پہلے تعزیت کرنا بہتر ہے۔

تعزیت کرنے کا وقت موت کے وقت سے تین دن تک ہے، اس کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر تعزیت کرنے والا یا جس کی تعزیت کی جائے وہ فی الحال موجود نہ ہو، (تو پھر اس کے آنے کے بعد تین دن تک تعزیت کرے)

کسی کا مال گم ہونے کی وجہ سے بھی تعزیت کرنا اور اس کے لئے مناسب دعا کرنا مسنون ہے خواہ مال کم ہو لیکن اتنا ہو کہ جس کے گم ہونے سے افسوس ہو، (جمل)

تعزیت کے وقت مصافحہ کرنا بھی مسنون ہے۔(جمل ۲۱۲/۲)

کوئی غائب یا معذور ہو، تو خط وکتابت کے ذریعے بھی تعزیت ہو سکتی ہے۔(حاشیۃ البحیری ۲۷۱/۲، حاشیۃ الجمل ۲۱۳/۲)

(ذمی جیسے) محترم کافر کے کسی مسلمان یا کافر رشتہ دار کی میت پر اس کی تعزیت جائز ہے اگر اس کافر کے اسلام کی کچھ توقع ہو تو اس کی تعزیت مستحب ہے۔ حربی کافر یا مرتد کی تعزیت میں اس کی تعظیم پائی جارہی ہو، تو یہ حرام ہے، ورنہ پھر مکروہ ہے، اور اگر اس کے اسلام کی امید ہو تو اسکی تعزیت سنت ہے۔ کسی مسلم کے حربی یا مرتد رشتہ دار کے مرنے پر اس مسلم کی تعزیت نہ کی جائے۔(الجمل ۲۱۴/۲)

تعزیت کا مطلب یہ ہے کہ (میت کے گھر والوں کو) صبر کا حکم دے (اور صبر پر ملنے والے) اجر کے وعدہ کو یاد دلا کر صبر کی ترغیب دے اور جزع وفزع کے گناہ سے ڈرائے۔ اور میت کے لئے مغفرت کی اور مصیبت زدہ شخص کیلئے مصیبت کے تلافی کی دعا کرے۔

مسلمان کے انتقال پر کسی مسلمان کی تعزیت کرے تو یہ الفاظ ہے۔ ''**اَعۡظَمَ اللّٰہُ اَجۡرَكَ وَ اَحۡسَنَ عَزَائَكَ وَ غَفَرَ لِمَیِّتِكَ**'' (ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم اور صبر جمیل عطا کرے اور آپ کے میت کی مغفرت فرمائے۔) اور کسی کافر ذمی کے مرنے پر کسی مسلمان کی تعزیت کرے تو یہ الفاظ کہے۔ ''**اَعۡظَمَ اللّٰہُ اَجۡرَكَ وَاَخۡلَفَ عَلَیۡكَ**'' (ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا کرے اور اس کا بدلہ دے۔) یا یہ کہے۔ ''**اَعۡظَمَ اللّٰہُ اَجۡرَكَ وَاَلۡهَمَكَ الصَّبۡرَ**'' (ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کو بھرپور اجر دے اور صبر کی توفیق دے) یا یہ کہے ''**اَعۡظَمَ اللّٰہُ اَجۡرَكَ وَ جَبَرَ مُصِیۡبَتَكَ**'' (اللہ تعالیٰ آپ کو خوب ثواب دے اور آپ کی مصیبت دور کرے) اگر کسی مسلمان کے موت پر کسی کافر ذمی کی تعزیت کرے تو یہ الفاظ کہے۔ **غَفَرَ اللّٰہُ لِمَیِّتِكَ وَ اَحۡسَنَ عَزَائَكَ** '' (اللہ تمہارے میت کو بخش دے اور تمہیں صبر عطا کرے) مسلمان کسی ذمی کے قریبی ذمی رشتہ دار کی موت پر تعزیت کر سکتا ہے اور ایسی صورت میں یہ الفاظ کہے ''**اَخۡلَفَ اللّٰہُ عَلَیۡكَ وَلَانَقَصَ عَدَدَكَ**'' (اللہ تمہیں اس کا بدلہ دے، اور تمہاری تعداد کم نہ کرے)

حدیث: جب غزوہ موتہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے شہادت کی خبر موصول ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کو ایسی خبر ملی ہے کہ (کھانے کی طرف) ان کی توجہ نہیں رہے گی۔" (ابوداؤد وغیرہ و حسنہ الترمذی)

میت کے گھر والوں کا لوگوں کو کھانے کی دعوت دینا بدعت اور غیر مستحب فعل ہے۔

نوحہ کرنے والی عورتیں اگر جمع ہو گئی ہوں تو ان کے لئے کھانا پکانا جائز نہیں، کیونکہ اس میں گناہ کے کام پر تعاون ہے۔ میت پر موت سے پہلے اور موت کے بعد رونا جائز ہے، البتہ موت سے پہلے رونا بہتر ہے۔

حدیث: (۱) "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پر موت سے پہلے روئے۔" (رواہ الشیخان) (۲) اور "اپنی بیٹی کے قبر پر روئے" (رواہ البخاری) (۳) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے قبر کی زیارت کی تو اس وقت بھی روئے (رواہ مسلم)

ندب کرنا (یعنی میت کے اوصاف شمار کرنا جیسے واجبلاہ، ہائے میرا سہارا تو تو پہاڑ جیسا عظیم الشان شخص تھا وغیرہ) نوحہ (ماتم) کرنا، اور جزع و فزع کرنا (یعنی چہرہ پیٹنا، بال بکھیرنا، گریبان وغیرہ چاک کرنا۔ چہرہ پر سیاہی ملنا، خاک ڈالنا وغیرہ) حرام ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور تقدیر پر رضامندی کے منافی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے اس سے منع فرمایا ہے۔

احادیث: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جو چہرہ پیٹے، گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی چیخ و پکار پر عمل کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (بخاری شریف) (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "نوحہ کرنے والی عورت موت سے قبل توبہ نہ کرے تو بروز قیامت اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کو قطران اور خارش کا کرتہ پہنایا جائے گا۔" (مسلم)

قطران کولتار کے مانند ایک چیز کا نام ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس کے بدن پر خارش اور کھجلی کو مسلط کر دیا جائے گا۔ (الفقہ المنہجی ۱/۲۶۲)

رشتہ داروں کے نوحہ وغیرہ کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب نہ ہو گا اور جس حدیث میں میت کو عذاب ہونے کا ذکر آیا ہے اسکو اس پر محمول کیا گیا ہے جبکہ وہ نوحہ کرنے کی وصیت کرے۔

تلقین (بالمشافہ سمجھانا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے بھائیوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے اور تم اس کی قبر پر مٹی درست کر چکو، تو ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور کہے "یا فلان بن فلانہ' (اے فلاں بن فلانہ) کیونکہ وہ سنے گا، لیکن جواب نہ دے گا، پھر کہے، یا فلاں بن فلانہ، تو وہ سیدھے بیٹھ جائے گا۔ پھر کہے یا فلاں بن فلانہ، تب وہ کہے گا ہماری رہنمائی کیجئے، اللہ آپ پر رحم فرمائے، لیکن تم نہیں جانتے (محسوس نہیں کرتے۔)، پھر (اس طرح تلقین) کہے۔ "اُذۡکُرۡ مَا خَرَجۡتَ عَلَیۡهِ مِنَ الدُّنۡیَا شَهَادَةُ اَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ اَنَّكَ رَضِیۡتَ بِاللّٰهِ رَباً وَّ بِالۡاِسۡلَامِ دِیۡناً وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیّاً وَبِالۡقُرۡاٰنِ اِمَاماً" تب منکر و نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے۔ چلو جس شخص کو اس کی حجت (دلیل و برہان) تلقین کی گئی، وہاں ہمارا کیا کام:-

ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ اگر اس کی ماں (کے نام) کا علم نہ ہو تو؟ فرمایا: اس کی ماں حواء کی طرف منسوب کرے، یا فلاں بن حواء" (الطبرانی عن ابی امامہ واسنادہ صالح وقد قواہ الضیاء فی احکامہ واخرجہ عبدالعزیز فی الشافی)

حضرت راشد بن سعد، ضمرۃ بن جیب اور دیگر حضرات فرماتے ہیں: میت کی قبر درست کرکے لوگوں کے جانے کے بعد قبر کے پاس میت سے یہ کہنا مستحب سمجھا جاتا تھا: یافلاں! قل (کہو) ”لا الہ الا اللہ“ تین مرتبہ۔ قل (کہو) ”رَبِّیَ اللّٰہُ وَدِیۡنِیۡ الۡاِسۡلَامُ وَ نَبِیِّ مُحَمَّدٌ“ پھر چلا جائے حضرت حکم بن حارث نے فرمایا میرے دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑک دو تو قبر کے پاس قبلہ رو کھڑے ہو کر میرے حق میں دعا کرو۔ (طبرانی)

ابن ماجہ کی ایک روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً دفن کے وقت یہ دعا مروی ہے۔ اَللّٰھُمَّ جَافِ الۡاَرۡضَ عَنۡ جَنۡبَیۡھَا وَصَعِّدۡ رُوۡحَھَا وَلَقِّھَا مِنۡكَ رِضۡوَا ناً“ (رواہ الطبرانی) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بوقت موت فرمایا: ” میرے دفن کے بعد قبر کے پاس اتنا وقت رکو، جس میں ایک اونٹ کو ذبح کرکے گوشت تقسیم کیا جاسکے تاکہ تمہاری وجہ سے مجھے انسیت حاصل ہو اور پتہ چلے کہ میرے رب کے قاصدوں (منکر نکیر) سے کیا گفتگو ہوئی ہے (اور کیا جواب دیتا ہوں) (صحیح مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے، تو وہاں رک کر فرماتے: ”اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو، کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہوگا“ (ابوداؤد، حاکم، بزار عن عثمان) (تلخیص ۱۴۳/۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: دفن کے بعد میت کے تلقین کو ہمارے کئی فقہاء کرام نے مستحب قرار دیا ہے۔ قاضی حسین نے اپنی تعلیق میں، ان کے شاگرد ابو سعد متولی نے اپنی کتاب تتمہ ؔمیں، امام ابو الفتح نصر مقدسی اور امام رافعی وغیرہ حضرات نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

اور قاضی حسین نے اسے اصحاب شوافع سے نقل فرمایا ہے۔

امام ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ سے تلقین کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا: ہم تلقین کو اختیار فرماتے ہیں، اور اس پر ہمارا عمل ہے اور ہمارے کئی خراسانی علماء نے اس کا ذکر کیا ہے اس سلسلہ میں حضرت ابو امامہ سے ایک حدیث مروی ہے، جس کی سند قوی نہیں، لیکن دیگر شواہد اور اہل شام کے قدیمی عمل سے اس کی تائید و تقویت ہوئی ہے۔

علامہ محمد بن علان صدیقی فرماتے ہیں: تلقین اس لئے مستحب ہے کہ اس میں میت کے لئے تذکیر (یاد دہانی، وعظ و نصیحت) ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ”وَذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ“ **ترجمہ:** اور سمجھا تا رہ، کہ سمجھانا مومنین کو کام آتا ہے (نصیحت کرنا مسلمانوں کو نفع بخش ہے) اور اس وقت بندہ سب سے زیادہ تذکیر اور نصیحت و سمجھانے کا محتاج ہے۔

علامہ سخاویؒ نے مسئلہ تلقین پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ جس میں چاروں مسلک کے ائمہ کرام سے اس کے استحباب کو نقل فرمایا ہے۔ اور کافی طویل کلام کرتے ہوئے ابو امامہ کی متعلقہ روایت کے دس سے بھی زائد شواہد پیش کئے ہیں۔ (الاذکار مع شرح ابن علان ۱۹۴/۴ - ۱۹۶)

امام آجری فرماتے ہیں۔ دفن کے بعد کچھ دیر قبلہ رو ہو کر میت کے حق میں ثابت قدمی کی دعا کرنا مستحب ہے۔

امام حکیم ترمذی فرماتے ہیں: بوقت دفن قبر کے پاس کھڑے ہو کر ثابت قدمی کی دعا کرنا نماز جنازہ کے بعد میت کے حق میں مدد (مزید قوت و اعانت) ہے کیونکہ مومنین کی نماز جنازہ اس کے حق میں ایک فوج کی طرح ہے، جو کسی بادشاہ کے در پر اس کی سفارش کے لئے جمع ہوئے ہوں، اور قبر پر ثابت قدمی کی دعا کے لئے رکنا اس فوج کی مدد (مزید اعانت) ہے۔ کیونکہ یہ بڑی ہولناکی اور سوال کا وقت ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۰۶)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تلقین کے متعلق پوچھا گیا تو اسے مستحسن قرار دیا اور (امت کے) عمل سے استدلال کیا۔ ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ ابو امامہ کی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں: اگرچہ یہ روایت ثابت نہیں، لیکن علاقوں اور زمانوں میں اس پر مسلسل بلا انکار عمل اس پر عمل کے لئے کافی ہے" (الروح لابن قیم ص ۱۲)

مکلف کی میت کے دفن کے بعد اس کی قبر کے سرہانے چہرہ کے بالمقابل بیٹھ کر تلقین پڑھنا مستحب ہے۔ دیگر حضرات کو بوقت تلقین وہاں کھڑا رہنا مستحب ہے۔ جو غیر مکلف ہو (یعنی بچہ یا وہ پاگل جو کبھی مکلف نہ رہا ہو) اس کی قبر پر تلقین سنت نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے فتنۂ قبر نہ ہوگا۔ (مغنی المحتاج ۱/۳۶۷/فتاویٰ ابن زیادہ، ص ۱۰۶)

(بعض علماء جیسے ابن عبد السلام وغیرہ نے تلقین کو بدعت لکھا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کو اثبات یا نفی کے اعتبار سے اچھالنا اور متنازع و اختلاف پیدا کرنا غلط ہے۔)

ایصال ثواب (میت کو ثواب پہنچانا)

کئی حضرات نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ دعا میت کو نفع پہنچاتی ہے قرآن پاک سے اس پر یہ آیت دلیل ہے۔ "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ" (الحشر ۱۰) **ترجمہ**: "اے رب ہم کو بخش اور ہمارے بھائیوں کو، جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں" آپ ﷺ نے فرمایا: "میت تو قبر میں ایک ڈوبنے والے مدد کے لئے پکارنے والے کی طرح ہے، جو اپنے ماں باپ یا اولاد یا معتبر دوست کی دعا کا منتظر رہے، جب یہ دعا پہنچتی ہے تو اسے دنیا ومافیہا سے محبوب ہوتی ہے، نیز اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا کی وجہ سے پہاڑوں کے مثل اہل قبور پر (ثواب) داخل فرماتے ہیں اور زندوں کا مردوں کے حق میں ہدیہ ان کے لئے استغفار کرنا ہے" (بیہقی فی الشعب، دیلمی) علامہ خطیب شربینی فرماتے ہیں: "اجماع اور صحیح احادیث کی روشنی میں میت کے حق میں اس کے وارث یا اجنبی کی طرف سے صدقہ دینا، وقف کرنا، مسجد تعمیر کرنا اور کنواں کھودنا وغیرہ اور دعا نفع پہنچاتا ہے۔" (مغنی ۳/۶۹)

احادیث: (۱) ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا، اور اس نے وصیت نہیں کی، میرا خیال ہے، اگر اسے گفتگو کا موقع ملا ہوتا تو اس نے صدقہ دیا ہوتا، اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا اسے ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جی ہاں" (متفق علیہ) (۲) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ میری ماں کا انتقال ہوا، تو (اس کے حق میں) کون سا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا: "پانی" تو انہوں نے ایک کنواں کھودا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔ (احمد، سنن اربعہ)

میت کی جانب سے صدقہ دینے سے جس طرح میت کو نفع ہوتا ہے، صدقہ دینے والے کو بھی ہوتا ہے، اس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی، اسی لئے صدقہ کے وقت والدین کی طرف سے صدقہ کی نیت کرنا مستحب ہے۔ (مغنی)

حدیث: "تم میں سے کوئی نفلی صدقہ کرے تو اسے والدین کی جانب سے کرے، ان دونوں کو بھی ثواب ملے گا، اور اس کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔" (طبرانی، شرح الصدور صفحہ ۳۰۸)

امام نوویؒ نے شرح مسلم اور فتاویٰ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر حضرات سے یہ نقل فرمایا کہ میت کو نماز وغیرہ کی قضاء کا ثواب اور تلاوت کا ثواب نہیں پہنچے گا۔

لیکن شرح مسلم اور اذکار میں انہوں نے ایک قول ائمہ ثلاثہ کی طرح تلاوت کا ثواب پہنچنے کا نقل فرمایا ہے، جس کو کئی شافعی علماء نے اختیار کیا ہے، جیسے ابن الصلاح، محب طبری، ابن ابی الدم صاحب ذخائر اور ابن ابی عصرون، اور لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور جو کام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے۔ امام ابن الصلاح فرماتے ہیں: بہتر ہے کہ یہ کہے: یا اللہ ہم نے جو تلاوت کیا اس کا ثواب فلاں کو پہنچا، اس طرح دعا ہو جائے گی، اس میں قریب و بعید کا کوئی فرق نہیں۔ (مغنی)

تعزیت کی رسمی محفلوں میں قرأت اور چالیسویں وغیرہ کا انعقاد بدعت ہے۔ (الفقہ المنہجی ۱/۲۶۳)

مسائل متفرقہ

(۱) قبر کو زیادہ بلند کرنا منع ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی کو ایسی قبریں برابر کرنے کا حکم دیا تھا۔ (مسلم وغیرہ)

(۲) چالیسویں وغیرہ کی مناسبت سے اہل میت کا لوگوں کی دعوت کرنا بدعت ہے۔ اگر یہ دعوت میت کے ترکہ سے ہو اور وارثوں میں نابالغ بھی ہوں، تو یہ عمل شدید حرام ہے، کیونکہ یتیم کا مال کھانا اور بلا مصلحت ضائع کرنا ہے۔ (الفقہ المنہجی ۱/۲۶۳، اعانۃ، جمل)

امام احمد اور ابن ماجہ نے بسند صحیح حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا "ہم اہل میت کے پاس اجتماع اور ان کی طرف سے کھانے کے نظم کو نوحہ (ماتم) شمار کرتے تھے۔"

(۳) وارد ہے کہ جس امتی کی موت طہارت کی حالت میں ہو، حضرت جبرئیل اس کی میت پر حاضر ہوتے ہیں، لہٰذا مریض اس کا اہتمام کرے۔ اگر کراہنے سے کچھ سکون حاصل ہو، یا بلا اختیار کراہے، تو یہ مباح ہے، ورنہ خلاف اولیٰ ہے۔ اس کی جگہ تسبیح وغیرہ پڑھنا بہتر ہے۔ (بغیہ ۹۲)

(۴) جانوروں کو قبرستان میں داخل کرنا اور قبروں پر چلانا شدید مکروہ ہے، اگر کوئی کسی جانور کو قبر پر پیشاب کرتے دیکھے تو اسے چلّا کر ہٹانا واجب ہے۔ (بغیہ ص ۹۸)

(۵) موت (نزع) کے وقت مریض کے پاس سورہ یٰسین کی تلاوت مسنون ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ (ابوداؤد وصححہ ابن حبان)

بعض علماء نے اس کے پاس سورۃ الرعد کی تلاوت کو مستحب کہا ہے۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اس سے روح بسہولت نکلتی ہے۔ علامہ جیلی فرماتے ہیں کہ اسے ایک ایک گھونٹ سرد پانی ملانا مسنون ہے، کیونکہ نزع کی شدت کی وجہ سے شدید پیاس لگتی ہے، تو ایسے وقت شیطان کے گمراہ کرنے کا خدشہ ہے، کیونکہ وارد ہے: شیطان میٹھا خوشگوار پانی لے کر آتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے۔ کہو میرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو میں یہ پانی تجھے پلاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنے فضل و کرم سے بوقت موت ثابت قدم رکھے (آمین) نزع کے وقت حائضہ کو وہاں رکنا مکروہ ہے، کیونکہ حدیث میں وارد ہے، ملائکہ (فرشتے) اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا، تصویر اور جنبی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتے، تصویر اور دیگر وہ حضرات جن پر غسل واجب ہو، ان کا بھی یہی حکم ہے۔"
(مغنی المحتاج ۱/۱۳۱)

(۶) میت کو تحقیر آمیز انداز میں لے جانا حرام ہے۔ مثلاً تھیلے میں، یا ٹوکرے میں یا بڑے آدمی کی میت کو جنازہ کے بغیر ہاتھ پر یا کاندھے پر لے جانا۔ چھوٹے بچے کو ہاتھ پر لے جانے میں حرج نہیں۔ (مغنی ۱/۳۵۹)

(۷) قبر کے پاس یا میت کے ساتھ آگ لے جانا مکروہ ہے، ابوداود کی روایت میں جنازہ کے ساتھ آواز بلند کرنے اور آگ لے جانے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا انتقال ہو جائے تو ساتھ نہ آگ رہے اور نہ نوحہ کرنے والی (مسلم شریف) اگر رات کی تاریکی میں تدفین کی وجہ سے چراغ ساتھ لے جائیں تو مکروہ نہیں ہے تاکہ تدفین بہتر طور پر ہو سکے۔(نہایۃ ۳/۳۲)

(۸) کسی مسلمان کو کافروں کے قبرستان میں دفن کرنا اور اس کے برعکس جائز نہیں۔ دونوں کی لاشیں خلط ملط ہو جائیں تو مستقل قبرستان میں دفن کرے، حربیوں کا قبرستان بالکل ختم ہو جائے تو اسے مسلمانوں کا قبرستان یا مسجد بنانا جائز ہے۔ کیونکہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ایسی ہی تھی۔ کوئی شخص کسی قبرستان میں اپنے لئے قبر کھودے تو دوسرے کسی جنازہ پر یہ مقدم نہ ہو گا۔ کیونکہ پتہ نہیں یہ کس جگہ مرے گا، البتہ اس سے مزاحمت نہ کرنا بہتر ہے۔(مغنی ۱/۳۶۴)

(۹) قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کو علماء نے مشروع قرار دیا ہے۔

امام زعفرانیؒ نے اپنے استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس تلاوت کے متعلق پوچھا تو ارشاد فرمایا: ’’اس میں کوئی حرج نہیں۔‘‘ امام نوویؒ رحمۃ اللہ شرح المہذب میں فرماتے ہیں: قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہاں جتنا بسہولت ہو سکے تلاوت کرے، اس کے بعد ان کے حق میں دعا کرے۔ امام شافعیؒ نے اس کی صراحت فرمائی ہے اور اصحاب شافعیہ کا اس پر اتفاق ہے۔ ایک جگہ اور فرماتے ہیں ’’قبر پر مکمل قرآن ختم کریں تو یہ افضل ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انصاریوں میں کوئی انتقال ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر جا کر قرآن پڑھتے رہتے۔ (شرح الصدور صفحہ ۳۱۱)

(۱۰) کفن پر قرآن پاک، اللہ کے اسماء حسنیٰ، دیگر محترم اسماء مثلاً فرشتوں یا انبیاء کرام کے اسماء لکھنا حرام ہے، کیونکہ میت کے پیپ وغیرہ کی نجاست سے آلودہ ہو گا۔(اعانۃ ۲/۱۱۵)

(۱۱) اگر مرض یا قید وغیرہ عذر کی وجہ سے بستی کے جنازہ پر پہنچنے سے عاجز ہو، تو بعض علماء نے ایسے شخص کو غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت دی ہے۔(اعانۃ ۲/۱۳۳)

(۱۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ’’مومن کی روح جب تک اس کا قرض ادا نہ کیا جائے معلق رہتی ہے۔(یعنی اس کے معزز اور پسندیدہ مقام سے روک دیا جاتا ہے)(رواہ الترمذی وحسنہ وصححہ ابن حبان)

لہٰذا میت کے غسل وغیرہ سے پہلے ہی اس کے قرض کی ادائیگی اور اس میں مسارعت مستحب ہے۔

فی الحال ادائیگی مشکل ہو، تو ولی (ذمہ دار) قرض خواہوں سے درخواست کرے کہ میت کے ذمہ سے قرض کو معاف کرو، اور میں اسے اپنے حوالہ لے لیتا ہوں۔ اگر میت کے ترکہ سے ادائیگی ممکن ہو اور قرض خواہ مطالبہ کرے، یا میت ٹال مٹول وغیرہ کی وجہ سے اس تاخیر میں گنہگار ہو تو جلد از جلد ادائیگی واجب ہے، اسی طرح میت کی وصیتوں کو بھی جلد از جلد نافذ کرے۔(نہایۃ المحتاج ۳/۱۸)

(۱۳) بیماری میں علاج کرنا بالاجماع واجب نہیں ہے، کیونکہ اس سے شفا یقینی نہیں۔ ایک کافر معالج کے علاج اور مشورہ پر اعتماد کرنا جائز ہے، جبکہ کسی عبادت کے ترک وغیرہ کا مسئلہ نہ ہو۔

علامہ ابن البزری کا فتویٰ ہے کہ جس کا توکل قوی ہو، اسے علاج نہ کرنا اولیٰ ہے۔ اور جس کا نفس کمزور اور صبر ناقص ہو، اسے علاج کرنا افضل ہے۔(نہایۃ ۳/۱۹)

(۱۴) حدیث کی اتباع میں قبر پر سبز ٹہنی لگانا مستحب ہے۔ اور خشک ہونے سے قبل کسی اور کو اسے لینا حرام ہے۔ (نہایۃ ۳/۳۵) قبر پر درخت لگانا اور اس کو پانی ڈالنا حرام ہے جبکہ پانی کی تری یا درخت کی جڑیں میت تک پہنچتی ہوں۔ ورنہ شدید مکروہ ہے۔

(۱۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تدفین کے بعد اپنے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور انتہائی آیتوں کے تلاوت کی وصیت فرمائی تھی۔ (بیہقی، ابوبکر خلال بسند حسن شرح الاذکار ۴/۱۹۴)

(۱۶) کفار کے اولاد میں سے کوئی ممیز شہادتین کا اقرار کرے اور عبادت اور دیگر اسلامی امور کی پابندی کرے۔ پھر بلوغ سے قبل مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ ابن زیاد ۱۰۶)

(۱۷) میت کو زمزم کے پانی سے غسل دینا خلاف اولیٰ ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۲/۱۴۵)

تارک صلوٰۃ کا بیان

(پنج وقتہ فرض نماز کا چھوڑنے والا)

(۱) سرے سے نماز کے وجوب کا انکار کر کے چھوڑے، تو ایسا شخص مرتد ہو گا (یعنی اسلام سے نکل جائے گا) اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہونگے ہاں اگر ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوا ہو (تو اور بات ہے) کیونکہ ممکن ہے اسے نماز کے وجوب کے سلسلہ میں کچھ علم نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی ایسے اجماعی (متفق علیہ) حکم کا انکار کرے جس کے متعلق صراحۃً نص موجود ہو اور جس کے حکم شرعی ہونے کا ہر عام و خاص آدمی کو علم ہو (جیسے نماز، زکوٰۃ، حج کا فرض ہونا اور شراب و زنا کا حرام ہونا) تو ایسا شخص بھی کافر ہو گا۔

اور اگر ایسے اجماعی مسئلے کا جس کا صرف خواص کو ہی علم ہو (جیسے میراث میں حقیقی بیٹی کے ساتھ پوتی کا سدس حصہ کا مستحق ہونا۔ معتدہ سے نکاح کا حرام ہونا) یا ایسے نئے مسئلہ کا جس پر اہل زمانہ کا اجماع ہو چکا ہو، انکار کرے تو کافر نہ ہو گا، بلکہ اسے صحیح بات بتلادے تاکہ وہ اس کا قائل ہو جائے۔

(۲) نماز کا انکار کئے بغیر ترک کر دے، تو اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) کسی عذر کی وجہ سے چھوڑ دے مثلاً نیند کی وجہ سے یا بھول کی وجہ سے چھوڑ دے۔ تو ایسے شخص پر صرف قضاء ہے، اور قضا کے وقت میں وسعت ہے۔ (۲) شرعی عذر کے بغیر محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے چھوڑ دے، تو ایسا آدمی کافر نہیں کہلائیگا۔ البتہ اس سے اولاً توبہ کرائی جائے، اگر توبہ کر کے نماز پڑھے تو ٹھیک، ورنہ پھر کسی ایک نماز کے ترک کے بعد جب اس کا وقتِ ضرورت بھی نکل جائے تو اسے تلوار کے ذریعہ قتل کر ڈالے۔ مثلاً ظہر کے ترک کی وجہ سے غروب شمس کے بعد قتل کرے اور مغرب کے ترک کی وجہ سے طلوع فجر کے بعد قتل کرے (قتل کا استحقاق اسلامی حکومت کو ہے نہ کہ عام انسان کو) توبہ کے لئے اسے مہلت دینا ضروری نہیں (بلکہ فی الحال توبہ کا مطالبہ کافی ہے۔) تارک صلوٰۃ کے غسل اور کفن و دفن کا مسئلہ پیچھے گذر چکا۔

حدیث: ''مجھے لوگوں سے قتال کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ توحید و رسالت کی گواہی دیں اور نماز قائم کریں۔'' (متفق علیہ)

کوئی تارک صلوٰۃ یہ کہے کہ میں نے اپنے گھر میں نماز پڑھی، تو اسے قتل نہ کرے۔ (عمداً) بغیر وضو کے نماز پڑھنے پر بھی قتل کیا جائے گا۔ (اسی طرح کسی اجماعی رکن یا شرط کو ترک کرے تو قتل کیا جائے گا۔ جمل) بلا عذر جمعہ ترک کر کے ظہر پڑھے تو اس کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے۔

تارک صلوٰۃ کو مہلت کے زمانے میں کوئی قتل کر ڈالے تو قاتل گنہگار تو ہو گا۔ لیکن اس پر کوئی ضمان نہ ہو گا۔ اگر کوئی عذر کی وجہ

سے نماز چھوڑ دے۔(مثلاً بھول کر، ٹھنڈی کی وجہ سے یا پانی نہ ہونے کی وجہ سے چاہے وہ اعذار صحیح ہوں یا غلط)تو اسے قتل نہ کرے البتہ اسے نماز پڑھنے کا حکم دے۔

اگر کوئی کہے کہ میں نے بلا عذر جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی تو اسے قتل کیا جائے۔ چاہے وہ یہ کہے کہ میں نماز نہیں پڑھونگا یا خاموش رہے۔

کسی عذر کی وجہ سے نماز فوت ہو جائے تو اسے فوراً قضاء کرنا ضروری نہیں ہے۔

اور جو نماز بلا کسی عذر کے فوت ہو جائے اس کی فوراً قضا کرنا ضروری ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایسی حالت (اور تعلق) ہے کہ اسے نماز (وغیرہ) معاف ہے اور شراب اور لوگوں کا مال حلال ہے (جیسا کہ بعض جاہل صوفیت کے دعویدار کا حال ہے) تو اس کے قتل کے وجوب میں کوئی شبہ نہیں۔ بلکہ ایسے آدمی کا قتل کرنا اللہ کے نزدیک ۱۰۰ کافر کے قتل سے افضل ہے۔ کیونکہ اس سے ضرر اور نقصان (مسلمانوں پر) زیادہ ہوگا۔(حاشیۃ الجمل ۱۳۱/۲)

کتاب الزکوٰۃ (زکوٰۃ کا بیان)

زکات کے معنی: عربی زبان میں لفظ 'زکات'، تطہیر (پاک صاف کرنا) نشو ونما، برکت اور کثرتِ خیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

شرعاً مخصوص طریقہ سے مال یا بدن کی جانب سے نکالی جانے والی چیز کو 'زکات' کہتے ہیں کیونکہ زکات مال کو پاک کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کو گناہ سے پاک کرنے اور مال کے اضافہ و اصلاح اور آفات سے بچانے کا سبب ہے۔ زکات کی مختلف انواع ہیں، جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

زکات کی فرضیت قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اور اس کا دینی اہم رکن ہونا بالکل قطعی اور واضح ہے۔ لہٰذا جو زکات کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہو جائے گا۔(بشری الکریم ۴۰/۲)

جو زکات کی فرضیت کا قائل ہو، لیکن ادا نہ کرے، وہ فاسق و گنہگار ہے۔ آخرت میں سخت عذاب کا سزاوار ہے، اور حکومت اسلامیہ قہراً و جبراً اس سے زکات وصول کرے، چاہے اس کے لئے قتال کی نوبت آئے، جیسا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے طرز سے واضح ہے۔ (بخاری و مسلم)(الفقہ المنہجی ۱۴/۲)

آیات:(۱) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ "اور قائم رکھو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ،(البقرہ، آیت ۱۱۰)

(۲) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا "لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ(صدقہ) کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو"(سورہ توبہ آیت ۱۰۳)

(۳)"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورہ توبہ آیت ۳۴)(اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں۔(مثلاً زکوٰۃ نہ دیں اور حقوقِ واجبہ نہ نکالیں) سو ان کو خوشخبری سنادے دردناک عذاب کی۔"

(۴) وَوَيۡلٌ لِّلۡمُشۡرِكِيۡنَ○الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ "(حم السجدہ آیت ۶-۷)" ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں۔"

(۵) "وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرًا وَّ اَعۡظَمَ اَجۡرًا "(المزّمل ۲۰۰)" اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح (اخلاص سے) قرض دو۔ اور جو نیک عمل اپنے آگے (آخرت کا ذخیرہ بنا کر) بھیج دوگے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔

احادیث: (۱) حدیث جبرئیلؑ میں جب انہوں نے آپ ﷺ سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تم توحید ورسالت کی گواہی دو اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بصورتِ استطاعت بیت اللہ کا حج کرو" (متفق علیہ)

(۲) صحیحین کی ایک روایت میں آپ ﷺ نے اوپر کی پانچوں باتوں کو اسلام کی بنیاد قرار دیا۔

(۳) جس کو اللہ مال دے پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن اس کا مال گنجا، آنکھوں کے پاس دو سیاہ نقطے والا سانپ بن جائے گا (یعنی خطرناک اور بہت زہریلا سانپ) اور اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ پھر وہ اس کے جبڑے کو گرفت میں لے کر (ڈسے گا) اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی (وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ الخ)" (بخاری)

(۴) کسی کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں اور ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو بروز قیامت ان جانوروں کو سب سے زیادہ بڑی اور موٹی شکل میں لایا جائے گا۔ (پھر یہ جانور مالک کو) اپنے کھروں سے روندتے اور سینگوں سے مارتے رہیں گے۔ جب آخری جانور گزر جائے گا تو پھر پہلا لایا جائے گا (اور یہ سلسلہ سزا اور رسوائی کا جاری رہے گا۔) جب تک کہ لوگوں کا فیصلہ نہ ہو جائے۔" (متفق علیہ)

(۵) "جس مال میں بھی زکوٰۃ شامل ہو گا (یعنی جس میں سے زکات ادا نہ کی گئی یا بغیر حق کے جس نے زکات لے کر اپنے مال میں اسے شامل کیا) وہ برباد ہو جائے گا۔" (الشافعی، البخاری فی تاریخہ، حمیدی)

زکوٰۃ کے بنیادی مصالح اور اسرار

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:-

" جاننا چاہیئے کہ زکات میں سب سے اہم مصالح دو ہیں۔ پہلی مصلحت تہذیب نفس ہے، اس لئے کہ نفس اور حرص و بخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حرص بدترین اخلاق میں سے ہے۔ جو معاد میں (آخرت میں) انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔ جو حریص ہو گا مرتے وقت بھی اس کا دل مال میں اٹکا رہے گا، اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اگر زکوٰۃ کی مشق اس کو ہو گی تو یہ حرص اس سے ختم ہو چکی ہو گی، جو بالآخر اس کو نفع پہنچائے گی۔

انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد معاد میں سب سے اعلیٰ اخلاق سخاوت نفس ہے جس طرح رجوع الی اللہ انابت و عبودیت، دعا اور تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح سخاوت خسیس اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ بہیمیت کی ضد ہے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی) صفات غالب ہوں۔ اور بہیمانہ صفات ان سے دب

جائیں۔ بلکہ ان کے رنگ میں رنگ جائیں اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے۔ اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باوجود ضرورت و احتیاج کے راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے۔ ظالم کو معاف کیا جائے، مصائب پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف و مشکلات آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان و خوشگوار ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان تمام چیزوں کا حکم دیا ہے اور ان کے حدود مقرر فرمادیئے ہیں۔ ان میں مال کا خرچ کرنا بھی ہے۔ جو بہت سے حدود و قیود کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل نار کے بارے میں فرماتا ہے:

"قَالُوۡا لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ○ وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِیۡنَ○ وَكُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ○(مدثر ۴۳۔۴۵)

ترجمہ: وہ کہیں گے ہم تو نہ نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ہم غریبوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے۔"

دوسری مصلحت کا تعلق شہر سے ہے۔ اس لئے کہ ضعفاء اور اہل حاجت جمع ہوں گے۔ اگر ان کی ہمدردی اور اعانت کی یہ سنت نہ ہو تو وہ سب بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ شہروں کا نظام مال پر قائم ہوتا ہے۔ اور ان شہروں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مدبرین و منتظمین اپنی ان مشغولیات اور ذمہ داریوں کی وجہ سے کوئی باقاعدہ ذریعۂ معاش اختیار نہیں کر سکتے۔ ان کی معشیت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے۔ مشترکہ اخراجات یا چندے نہ سب کے لئے آسان ہیں نہ ممکن۔ اس لئے رعیت سے ان مصالح کے لئے مقررہ رقم وصول کرنا مناسب دستور ہے۔ اور چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دو مصالح باہم لازم وملزوم رہیں۔ اس کے لئے شرع نے بھی اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ ۲/۲۹)

علامہ بحر العلوم فرنگی محلی لکھتے ہیں:

"ادائیگی زکوٰہ کے وقت نیت کی درستی بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ بہت بڑی عبادت ہے۔" (رسائل الارکان ص ۱۶۳) (ارکان اربعہ ص ۱۵۰)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:۔

"انفاق کی ترغیب و فضیلت پر جو احادیث آئی ہیں، ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہر عمل سخاوت کے ساتھ ہو جو زکوٰۃ کی روح ہے۔ اور تہذیب نفس کا کام بہت حد تک اس سے انجام پاسکتا ہے بخل کی برائی بار بار اس لئے بیان کی گئی کہ حرص ایسی چیز ہے جو مانع زکوٰۃ کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے کہ "اَللّٰهُمَّ اَعۡطِ مُنۡفِقًا خَلَفًا وَّ اَللّٰهُمَّ اَعۡطِ مُمۡسِكًا تَلَفاً" (اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عنایت فرما، اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال تلف فرما۔) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حرص سے بچو اس لئے کہ حرص ہی نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے، دوسرے موقع پر ارشاد ہے "اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطۡفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ" بے شک صدقہ اللہ تعالیٰ کے عقاب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا "اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطۡفِئُ الۡخَطِیۡئَةَ" بے شک صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ، ۲/۳۱، ارکان اربعہ ۱۵۶)

باب - مویشیوں کی زکات

مویشیوں میں درج ذیل شرائط کی صورت میں زکوۃ واجب ہے۔

(۱) اونٹ، گائے یا بکری ہو، مذکر ہو یا مونث ہو، لہٰذا دیگر حیوانات جیسے گھوڑا اور غلام وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو جانور زکات والے اور غیر زکوٰۃ والے جانور کی جفتی سے پیدا ہو، اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

حدیث: مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔" (بخاری و مسلم)

(۲) نصاب مکمل ہو جس کی تفصیل آئندہ پیش ہو گی۔

(۳) اپنی ملکیت میں اس پر مکمل (اسلامی) سال گزر جائے۔ ابوداود وغیرہ کی روایت میں وارد ہے کہ "کسی مال میں سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہے" یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی صحیح آثار سے اس ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے۔ (اور قابل اعتماد اور استدلال شمار ہو گی) بلکہ فقہاء و تابعین کا اس پر اجماع ہے۔ (بشری الکریم ۲ / ۴۴) لیکن نصاب کے بقدر مویشیوں کی نسل کے لئے نصاب کا ہی سال شمار ہو گا، چاہے ان کی ماں مر جائے۔ (بچوں کے سال کی ابتداء ان کی پیدائش سے شمار نہیں ہو گی بلکہ وہ ماں کے تابع ہوں گے) یعنی جب ان بچوں کی وجہ سے دوسرے نصاب کو پہنچ جائے جیسے ۱۲۰ بکریاں ہوں اور ایک کو بچہ ہو اور ۱۲۱ ہو جائیں تو زکات میں دو بکری واجب ہو گی۔ اگر دوسرے نصاب کو نہ پہنچے تو بچوں سے کوئی فرق نہیں پڑے گا جیسے ۱۰۰ بکریاں ہوں اور ۲۰ بچے پیدا ہوں (تو اس صورت میں ایک ہی بکری واجب ہے۔) امام مالکؒ نے مؤطا میں حضرت عمر کا یہ فرمان نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے ساعی (زکوٰۃ وصول کرنے والا) سے کہا کہ "بچوں کو بھی شمار کرو" اور سال کی شرط میں مصلحت یہ ہے کہ مال میں نشو و نما اور اضافہ حاصل ہو اور بچے اہم نفع اور اضافہ میں داخل ہیں۔ لہٰذا سال میں اپنے اصل اور ماں کے تابع ہوں گے۔ ابتداءً جانور نصاب سے کم ہوں پھر بچے پیدا ہونے کی وجہ سے نصاب کو پہنچ جائیں، تو اب سے سال شروع ہو گا۔

اگر دوران سال مکمل نصاب یا بعض (فروخت وغیرہ کی وجہ سے) ملکیت سے نکل جائے پھر دوبارہ خریدنے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے اس کی ملکیت میں آئے تو اب سے از سر نو سال شروع ہو گا۔ اگرچہ زکات سے بچنے کے لئے اس طرح کرے لیکن زکات سے بچنے کی نیت سے اس طرح کرنا مکروہ ہے (بعضوں نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ اس سے باطناً (حقیقتاً) زکات سے سبکدوش نہ ہو گا۔ (بشری الکریم ۲ / ۴۴) مگر کسی ضرورت سے یا ایسے ہی کرنا مکروہ نہیں ہے۔

خرید، ھبہ، وراثت اور وصیت وغیرہ کے سبب ملکیت میں آنے والے جانور وغیرہ کا سال اب سے شروع ہو گا۔ پہلے سے موجود جانور کے ساتھ اس کا سال شمار نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ اولاد اور پیداوار کی طرح نہیں ہے۔ لیکن نصاب میں سابقہ مال کے ساتھ اسے شمار کریں گے۔ کیونکہ وہ کثرت کی وجہ سے مواسات اور غمگساری کے قابل ہے۔ لہٰذا ۳۰ گائے ملکیت میں ۶ ماہ ہوں پھر ۱۰ گائے خریدے تو ۳۰ کا پہلا سال مکمل ہونے پر ایک تبیع (ایک سالہ بیل یا گائے) واجب ہے۔ بعد میں ہر سال مُسِنَّہ (دو سالہ گائے) کا پونا حصہ اور ۱۰ کا سال مکمل ہونے پر مسنہ کا پاؤ واجب ہے۔ پہلا سال مکمل ہونے کے بعد پیدا ہونے والی اولاد کا اس سال میں شمار نہیں کریں گے بلکہ یہ دوسرے سال میں شمار ہوں گے۔ اگر مالک سال مکمل ہونے کے بعد بچوں کی پیدائش کا دعویٰ کرے تو مان لیں گے۔ اگر ساعی اسے متہم سمجھتا ہے تو اسے قسم دلانا سنت ہے۔

(۴) مالک یا اس کا قائم مقام سال بھر مویشی کو چراہ گاہ میں چرائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ”بکری اگر سائمہ ہے (یعنی چراہگاہ پر گزر بسر کرنے والی) تو اس میں ۴۰ سے ۱۲۰ تک ایک بکری واجب ہے۔“ لہٰذا اس کا مفہوم یہ نکلا کہ اگر چارہ وغیرہ لا کر کھلانا پڑتا ہے، تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ بکری پر اونٹ اور گائے کو بھی قیاس کیا جائے گا۔ عام جائز چراگاہ میں یا کسی کی مملوکہ چراگاہ (جس کی قیمت معمولی ہو) میں چرنے کی صورت میں چونکہ (خرچ کم) اور فائدہ زیادہ ہو رہا ہے، اس لئے صرف ایسے جانوروں میں زکات واجب کی گئی۔ اگر کوئی اپنے طور پر اتنا چارہ کھلائے کہ اس کے بغیر بھی نمایاں نقصان کے بغیر جانور جی سکتا ہو اور اس عمل سے چراگاہ بھیجنے کو روکنا بھی مقصود نہ ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ (بلکہ زکات واجب ہوگی)

اگر جانور خود چراگاہ میں چرے یا مالک کے علاوہ کوئی اور مثلاً غاصب چرائے، یا سائمہ جانور خود (گھر میں) چارہ کھائے، یا سال کا اکثر حصہ اسے چارہ کھلایا، یا اتنی مقدار کھلایا کہ اس کے بغیر یا تو وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا، یا نمایاں ضرر کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے، یا بغیر نمایاں ضرر و نقصان کے زندہ تو رہ سکتا ہے، لیکن اس طرح کھلانے سے مقصود چراگاہ کا سلسلہ ختم کرنا تھا، یا مویشی اسے وراثت میں ملے، اور (چراگاہ میں چرتے ہوئے) سال گذر گیا، لیکن اسے اس کا علم نہیں تھا تو ان تمام صورتوں میں زکات واجب نہیں ہے۔ کیونکہ مالک کی طرف سے شرط کے مطابق چراگاہ میں چرانا پایا نہ گیا۔ مویشی ایک دو دن بغیر چارہ کے گذر کر سکتا ہے نہ کہ تین دن۔

کھیتی باڑی وغیرہ کے کام کاج کے لئے جو جانور ہوں ان میں زکات نہیں ہے۔ کیونکہ وہ استعمال کے لئے پالے گئے ہیں، نہ کہ مال بڑھانے کیلئے جیسا کہ پہننے کے کپڑے اور گھر کے اسباب۔

سائمہ کی زکات ان کے پانی پینے کے لئے آتے وقت لینا مندوب ہے، کیونکہ اس وقت ان کی گنتی بسہولت ممکن ہے لہٰذا ساعی ان کو بستی میں لانے کا مکلف نہ بنائے، جیسا کہ اسے چراگاہ میں ان کی تلاش کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر جانور پانی پینے کو نہ آتے ہوں، تو ان کے گھر کے قریب زکوٰۃ وصول کرے، کیونکہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ ”جنگل و صحراء میں رہنے والوں کی زکوٰۃ پانی کے پاس یا ان کے گھر کے سامنے وصول کی جائے۔“

زکوٰۃ نکالنے والا معتبر ہو تو تعداد کے متعلق اس پر اعتماد کیا جائے گا، ورنہ ان کی گنتی کی جائے گی۔ اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ کسی تنگ راستے سے ان کو ایک ایک کر کے گذارا جائے اور مالک اور ساعی دونوں یا ان کے نائب کے ہاتھ میں چھڑی ہو، جس سے دونوں بھی ہر ایک جانور کی طرف اشارہ کریں اور اس کی پشت کو چھولیں۔ کیونکہ اس طرح شمار کرنے میں غلطی کا امکان بہت کم ہے شمار کے بعد تعداد میں دونوں کا اختلاف ہو اور اس سے زکوٰۃ کی مقدار کا فرق ہوتا ہو تو دوبارہ شمار کریں۔

اگر زکوٰۃ کی اہلیت رکھنے والے دو اشخاص نصاب میں شریک ہوں یا نصاب سے کم میں شریک ہوں اور ایک شریک نصاب کا مالک ہو، چاہے جانور ہوں یا کوئی اور زکوٰۃ کا مال جیسے سونا چاندی تو ایک شخص کی طرح زکات دیں گے۔ (یعنی یہ سارا مال ایک کا ہوتا تو جس طرح زکوٰۃ نکالی جاتی اسی طرح نکالی جائے) کیونکہ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ”زکات کے خوف سے نہ تو متفرق کو جمع کیا جائے گا اور نہ مجتمع کو متفرق (جدا) کیا جائے گا“ مالک کو زکوٰۃ کے وجوب یا کثرت کے خوف سے اور ساعی کو زکوٰۃ ساقط ہونے یا کم ہونے کے خوف سے جمع اور تفریق سے منع کیا گیا۔ مذکورہ روایت دراصل خُلْطۃُ الجِوَار (جس کا تذکرہ آئندہ آرہا ہے) کے متعلق ہے۔ لہٰذا خُلطہ شُیوع کا (شرکت کی جو مثال گذر چکی) بھی بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

نصاب کا اعتبار کرنے سے معلوم ہوا کہ جنس متحد ہونا چاہئے چاہے انواع مختلف ہوں، اور جن اموال میں سال کا اعتبار ہوتا ہے، اس

میں مکمل سال شرکت پائی جائے ورنہ وجوب زکوٰۃ کے وقت جیسے پھل و اناج خلطت میں سال کی ابتداء، خلطہ کے وقت سے شمار ہو گی، نصاب سے کم میں شرکت سے زکات اس وقت واجب ہو گی جب کہ کوئی ایک نصاب کا مالک ہو۔ مثلاً دو آدمی ۲۰ بکری میں برابر شریک ہوں اور ایک کے پاس الگ ۳۰ بکریاں ہوں تو اسے ایک بکری کا ۵ / ۴ اور دوسرے کو ۵ / ۱ (پانچواں حصہ) زکات میں دینا لازم ہے، لیکن کسی کے بھی پاس بقدر نصاب نہ ہوں چاہے دونوں کا مجموعی مال نصاب تک پہنچ جائے تو زکات واجب نہیں ہے۔ مثلاً دونوں کے پاس ۱۹/ ۱۹/ بکری ہوں اور دو بکری میں دونوں شریک ہوں۔

خُلطَۃ جِوَار:-(یعنی دونوں کے جانور یا کوئی اور مال ساتھ رہتے ہیں، لیکن ملکیت الگ الگ ہے اور شرکت نہیں ہے)

خلطۂ جوار کی صورت میں درج ذیل امور میں اتحاد ہو تو ایک مالک کی طرح زکات واجب ہو گی۔

(۱۰) مَشرَب (مویشیوں کے پانی پینے کی جگہ) (۲) مُراح (رات آرام کرنے کی جگہ) (۳) چرواہا (۴) ایک نوع کے جانور ہوں تو نر (جو جفتی کے لئے استعمال ہو) ایک ہو، انواع متفرق ہوں تو اس اعتبار سے نر کے الگ ہونے میں حرج نہیں نر ایک ہونے سے مقصود یہ ہے کہ مویشیوں میں آزاد چھوڑا گیا ہو چاہے کسی ایک کی ملکیت ہو۔ یا کسی ایک نے یا دونوں نے عاریت پر لی ہو (۵) مُحلب (دودھ دوہنے اور نکالنے کی جگہ) (۶) ناطور۔ (کھیتی اور باغ کا محافظ) (۷) کھلیان (۸) دوکان (۹) محفوظ رکھنے کی جگہ۔ اسی طرح چراگاہ، چراگاہ کا راستہ، پانی پینے کی نہر، ہل چلانے والا، ترازو، پیمانہ، وزن کرنے والا اور ناپنے والا بھی متحد ہوں۔ اتحاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف ایک ہی ہو، بلکہ دونوں کے مال کے لئے الگ الگ نہ ہوں۔ اب اگر زیادہ بھی ہوں اور دونوں کے لئے مشترک طور پر استعمال ہو تو اس سے خلطہ پر اثر نہ ہو گا۔

دودھ دوہنے والا، دودھ کا برتن، اون کترنے والا اور کترنے کا آلہ متحد ہونا ضروری نہیں ہے۔ خلطہ کی نیت ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ ان سہولتوں کے اتحاد سے خرچ میں جو کمی ہوتی ہے، اس کا قصد اور عدم قصد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذکورہ امور میں اتحاد اس لئے مشروط ہے، تاکہ دونوں مال جمع ہو کر ایک مال کی طرح ہو جائے۔ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے نیک بخت پر خرچ کا بار کم پڑے۔ جن امور میں اتحاد شرط ہے، دونوں مال میں طویل وقت تک (تین دن یا زائد) اتحاد نہ پایا جائے، یا قلیل مدت تک دونوں مالک یا ایک کی جانب سے بالقصد اتحاد نہ ہو، یا جانور خود جدا ہوں اور یہ اسی حال پر رکھیں، تو خلطہ کا حکم باقی نہ رہے گا۔

دونوں میں ایک مال موقوف یا ذمی کا یا بیت المال کا ہو تو خلطہ کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ بلکہ جو اہلِ زکات ہے اس کا مال نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ ہے، ورنہ نہیں۔

نصاب

اونٹ کا نصاب: اونٹ کے نصاب کی ابتداء پانچ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ۲۰ تک ہر ۵ میں دو سالہ ایک بکری یا بکرا یا ایک سالہ بھیڑ یا دنبہ واجب ہے۔ ۵ یا زائد اونٹ میں زکات میں نکالا جانے والا اونٹ بھی دے سکتے ہیں۔ ۲۵ اونٹ میں ایک بِنتِ مَخَاض یعنی ایک سالہ اونٹنی، ۳۶ میں ایک بِنتِ لَبُون یعنی دو سالہ اونٹنی، ۴۶ میں حِقَّہ یعنی تین سالہ اونٹنی، ۶۱ میں جَزَعَہ یعنی چار سالہ اونٹنی، ۶۷ میں دو بنت لبون، ۹۱ میں دو حقے، ۱۲۱ میں تین بنت لبون واجب ہیں۔ پھر ۹ کے اضافہ پر اور بعد میں ہر دس کے اضافہ پر واجب بدلتا رہے گا۔ لہٰذا ہر ۴۰ میں بنت لبون اور ہر ۵۰ میں حقہ واجب ہے۔ "بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "۔۔۔ پھر ۱۲۰ سے زائد ہو تو ہر ۴۰ میں

بنت لبون اور ہر ۵۰ میں حقہ واجب ہے" مطلب ایک کا اضافہ ہے نہ کہ اس سے کم جیسا کہ ابو داود کی روایت میں صراحت ہے"۔۔۔ پھر جب ۱۲۱ ہو جائے تو اس میں ۳ بنت لبون واجب ہے۔" آگے ۱۳۰ میں دو بنت لبون اور ایک حقہ، ۱۴۰ میں دو حقّے اور ایک بنت لبون، اور ۱۵۰ میں ۳ حقے، اور اسی طرح آگے واجب ہو گا۔

دو نصاب کے درمیان کی تعداد معاف ہے۔ اسے وَقص کہتے ہیں۔ اور اس سے واجب متعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا کسی کے پاس ۹/ اونٹ ہوں اور سال مکمل ہونے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے قبل ۴ تلف ہو جائیں، تب بھی ایک بکری واجب ہے۔ زکات میں ادا ہونے والے جانور مونث ہوں، تاکہ دودھ اور نسل کا فائدہ حاصل ہو۔

گائے بیل کا نصاب:- ہر ۳۰ میں ایک تَبِیْعَ یا تَبِیْعَہ (ایک سالہ بیل یا گائے) اور ہر ۴۰ میں ایک مُسِنَّۃ (دو سالہ گائے) واجب ہے۔ ترمذی شریف وغیرہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "آپ ﷺ نے مجھے یمن روانہ کیا تو حکم دیا کہ میں ہر ۴۰ گائے میں ایک مسنہ اور ہر ۳۰ میں ایک تبیع وصول کروں" (صححہ الحاکم وغیرہ)

بکری کا نصاب:- ۴۰ بکری میں ایک بکری، ۱۲۱ میں دو، ۲۰۱ میں تین اور ۴۰۰ میں چار بکری واجب ہیں۔ اس کے بعد ہر ۱۰۰ میں ایک بکری، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ زکات میں نکالی جانے والی بکری دو سالہ ہو، یا ایک سالہ دنبہ ہو، یا دنبہ کے آگے کے دانت گر چکے ہوں۔

خاتمہ

ساعی یا مستحق زکات لیتے وقت مالک کے حق میں مناسب دعا کرے۔ مثلاً یہ کہے "اللہ تمہیں اس کا اجر دے اور طہارت کا باعث بنائے اور بقیہ مال میں برکت عطا فرمائے" البتہ درود کے لفظ سے دعا دینا (اللھم صل علیہ کہنا) مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ انبیاء کرام اور ملائکہ کے ساتھ خاص ہے، البتہ تبعاً گنجائش ہے۔ انبیاء کرام کے علاوہ دیگر صالحین کے لئے ترضی اور ترحم (رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ جیسے الفاظ کہنا) سنت ہے۔ امام نووی ؒ نے مجموع میں فرمایا ہے کہ بعض علماء نے جو ترضی کو صرف صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، یہ ضعیف ہے۔ زکات، صدقہ، تدریس، تصنیف، تلاوت، تسبیح وذکر اور دیگر عبادات وقربت کے انجام دینے کے بعد "رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" کہنا سنت ہے۔

نباتات کی زکات

(زمینی پیداوار یعنی اناج وپھل کی زکات)

آیات: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام ۱۴۱) (اور اس میں (یعنی پھل اور کھیتی میں) جو حق واجب ہے، وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو)

(۲) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (البقرہ ۲۶۷) (اے ایمان والو خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کیا ہے۔)

اختیاری حالت میں بطورِ خوراک اور غذا استعمال ہونے والی اشیاء یعنی کھجور، انگور اور اناج (دانے) جیسے گیہوں، چاول، مسور، مکئی، چنا اور لوبیا میں زکات (عشر) واجب ہے۔

احادیث:(۱) آپ ﷺ نے کھجور کی طرح انگور کے خرص (مقدار کا اندازہ لگانا) کا حکم دیا، اور کھجور کی طرح خشک ہونے کے بعد اس کی زکات وصول کرنے کا حکم دیا۔(ترمذی، ابن حبان، ابوداود، نسائی)

(۲) آپ ﷺ نے جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو دین سکھانے کے لئے یمن روانہ کیا تو فرمایا: ''صرف ان چار اشیاء کی زکات لو۔ جو، گیہوں، خشک انگور (کشمش) اور کھجور'' (حاکم۔بیہقی)

مذکورہ اشیاء پر قیاس کرتے ہوئے ان کے مثل دیگر اشیاء میں بھی زکات واجب ہوگی۔

دوسری حدیث میں حصر اضافی ہے، کیونکہ حاکم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا'' بارش، بہنے والے پانی اور اپنے جڑوں سے پانی حاصل کرنے والے اشیاء میں عُشر (دسواں حصہ) اور پانی لاکر سیراب کرنا پڑے تو نصف عُشر (بیسواں حصہ) واجب ہے، اور یہ حکم کھجور، گیہوں اور دیگر دانوں (اناج) کا ہے۔ رہی ککڑی، خربوزہ، انار اور تروتازہ ساگ تو اسے آپ ﷺ نے معاف رکھا ہے۔(وقال صحیح الاسناد)

مذکورہ اشیاء کی بالقصد کھیتی کرے یا خودبخود اُگ آئے زکات واجب ہے۔ اختیاری خوراک کہنے سے بطور دوا، سالن مجبوری یا شوقیہ کھائی جانے والی اشیاء نکل گئیں، ان میں زکات واجب نہیں جیسے زیتون، زعفران، شفتالو، زردآلو، انجیر، اخروٹ، بادام، سیب اور اندرائن وغیرہ

نصاب: اناج اور پھل کا نصاب پانچ وسق ہے، اس سے کم میں زکات واجب نہیں ہے۔

حدیث:''پانچ وسق سے کم میں زکات نہیں ہے۔''(رواہ الشیخان)

پانچ وسق بغدادی ۱۶۰۰ رطل کے برابر ہے۔

وسق کی مقدار:-۵ وسق کی مقدار (۶۵۳) کلو گرام ہوگی۔(الفقہ الاسلامی للدکتور وہبۃ الزحیلی ۲/۸۱۱)

الفقہ المنہجی میں فرمایا:''وسق پیمانہ ہے جس کی مقدار ابن حبان کی روایت میں آپ ﷺ نے ۶۰ صاع بتلائی، ایک صاع ۴ مد کے برابر ہے۔ یعنی چار بڑے لپ بھر، ایک صاع کو دائرۃ المعارف الاسلامیہ (۱۴/۱۰۵) نے تین لیٹر کے برابر قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے وسق ۱۸۰ لیٹر اور اناج وغیرہ کا نصاب (۹۰۰) لیٹر ہوگا۔(الفقہ المنہجی ۲/۴۰)

ایک صاع وزن کے اعتبار سے تقریباً (۲۴۰۰) گرام (۲ کلو ۴۰۰ گرام) ہوگا۔(الفقہ المنہجی ۱/۲۳۰)(اس اعتبار سے ۵ وسق کا وزن تقریباً ۷۲۰ کلو ہوگا)۔

علامہ ہاشم مجذوب نے بعض اناج کا نصاب کلو گرام میں اس طرح بیان کیا ہے۔ مسور ۷۹۲ کلو، گیہوں ۷۴۴ کلو، چنا ۷۵۶ کلو اور جو ۶۰۶ کلو (ہامش عمدۃ السالک ص ۱۵۳) ایسا مکعب جس کے اضلاع کا طول ۶۵ء۹۷ سینٹی میٹر ہو، اس کا حجم ۵ وسق کے برابر ہوگا۔(ضمیمہ عمدۃ السالک)

علامہ قرضاوی کے تحقیق کے مطابق ایک صاع ۲۱۷۶ گرام (۲ کلو ۱۷۶ گرام) کے برابر ہوتا ہے۔(گیہوں کے وزن سے) اور یہ مقدار ۷۵ء۲ لیٹر پانی کے برابر ہے۔ لہٰذا نصاب تقریباً ۶۵۳ کلو گرام گیہوں کے برابر ہوگا۔(ترجمہ فقہ الزکوٰۃ ص ۲۰۰)

کھجور اور انگور بغیر نقص اور عیب کے خشک ہوتے ہوں تو خشک ہونے کے بعد نصاب کا اعتبار ہوگا۔ ورنہ تر حالت میں اندازہ لگایا جائے کہ خشک ہو کر بقدر نصاب ہوگا یا نہیں۔ اور امام (یا عامل) کی اجازت سے اسی حالت میں توڑ کر اس میں سے زکات ادا کرے، جیسا کہ

درخت کے نقصان کی صورت میں کیا جائے گا۔

بھوسہ اور جو چھلکا اناج کے ساتھ کھایا نہیں جاتا، اس کی صفائی کے بعد اناج کا بقدر نصاب ہونا ضروری ہے جس اناج کو چھلکے سمیت کھایا جاتا ہو جیسے مکئی، اس کا چھلکے سمیت اعتبار ہوگا۔ چاہے عیش و تنعم کے طور پر اس کا ازالہ کرے۔ جو اناج چھلکے سمیت محفوظ رکھا جاتا ہو اور چھلکا کھایا نہ جاتا ہو جیسے چاول اور گیہوں کے بعض اقسام تو ان میں غالباً دس (۱۰) وسق نصاب ہوگا۔ اگر دس (۱۰) وسق میں خالص پانچ (۵) وسق سے کم نکلے تو اس میں زکات نہیں ہے۔ اور دس سے کم میں ہی خالص ۵ وسق حاصل ہوں تو زکات واجب ہے۔

ایک ہی جنس کے مختلف انواع کو نصاب کی تکمیل میں آپس میں ملایا جائے گا۔ اور ہر نوع سے اس کی قسط کے مطابق زکات ادا کرے۔ (مثلاً ایک قسم کے چاول دو (۲) وسق اور دوسرے قسم کے تین (۳) وسق ہوں تو یہ بقدر نصاب ہے۔ اس میں زکات واجب ہوگی) (لہٰذا ہماری مثال میں ۲ حصہ زکات پہلی قسم سے اور ۳ حصہ دوسری قسم سے ادا کرے) اگر کثرتِ انواع اور ہر نوع کی مقدار کی کمی کی وجہ سے الگ الگ نکالنا دشوار ہو تو متوسط اور درمیانی قسم سے نکالے۔ لیکن دو مختلف جنسوں کو ملایا نہ جائے۔ (لہٰذا چاول دو (۲) وسق اور گیہوں تین (۳) وسق ہو تو زکات واجب نہ ہوگی۔)

ایک سال کی پیداوار کو نصاب کی تکمیل کے لئے دوسرے سال کی پیداوار کے ساتھ ملایا نہیں جائے گا، گرچہ پہلے سال کے پھل کٹنے سے پہلے ہی دوسرے سال کے نمودار ہونا شروع ہو جائیں۔ لیکن ایک ہی سال میں کٹنے والے اناج اور ظاہر ہونے والے پھلوں کو ملایا جائے گا۔ چاہے انواع اور علاقے کے اختلاف کی وجہ سے پکنے اور تیار ہونے کے اوقات الگ الگ ہی کیوں نہ ہوں۔ پھل کا ظہور ایک ہی سال میں ہو تو اسے آپس میں ملائیں گے اور اناج کا کٹنا ایک ہی سال میں ہو تو اسے ملایا جائے گا۔ سال سے اسلامی ۱۲ ماہ مراد ہیں۔ اگر محرم میں کھیتی لگائے اور رجب میں کاٹے پھر دوسرے سال صفر میں لگا کر جمادی الآخر میں کاٹے تو دونوں کھیتی کے درمیان ایک سال سے زائد عرصہ ہے۔ لیکن کاٹنا ایک ہی سال میں ہوا ہے اس لئے اسے ملایا جائے گا۔ اگر ایک ہی درخت پر سال میں دو مرتبہ کھجور آئیں تو اسے ملایا نہ جائے گا بلکہ اس کا حکم دو سال کے پھلوں کی طرح ہے۔

جن درختوں اور کھیتی کی سیرابی بارش، نہر اور نالی کے پانی سے ہو جائے یا پانی سے قریب ہونے کی وجہ سے اپنے جڑوں سے خود ہی پانی حاصل کرتے ہوں تو پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہے۔ نالی کھودنے میں اگر خرچ بھی ہو جائے تو عشر واجب ہے۔ کیونکہ یہ خرچ گاؤں کی اصلاح کے لئے ایک مرتبہ ہوگا پھر ہمیشہ بغیر خرچ کے پانی ملتا رہے گا۔

اگر نہر وغیرہ سے جانوروں پر پانی لا کر سیراب کرنا پڑے، یا رہٹ (چرخی) کے ذریعہ (یا مشین سے) سیراب کرنا پڑے تو نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہے، کیونکہ اس میں خرچ بڑھ جاتا ہے، بخلاف پہلی صورت کے۔

حدیث: ”بارش اور چشموں سے سیرابی ہو، یا جڑوں کے ذریعہ قریبی گڑھے کے پانی سے سیرابی حاصل ہو تو عشر واجب ہے اور اونٹ پر پانی لا کر سینچا گیا ہو تو نصف عشر واجب ہے“۔ (بخاری، ابن حبان، ابوداود، نسائی)

اگر دونوں ہی قسم کے پانی سے سیرابی ہو تو مدت کے اعتبار سے تقسیط ہوگی۔ مثلاً کھیتی کی ابتداء سے پختگی تک ۸/ ماہ درکار ہوں جس میں ۴ ماہ بارش سے اور بقیہ چار ماہ اونٹ وغیرہ پر پانی لا کر سینچا گیا ہو تو مدت کا اعتبار کرتے ہوئے عشر کا پونا حصہ یعنی (۳/۴) حصہ واجب ہوگا۔ یا ابتدائی ۶/ ماہ میں دو مرتبہ بارش سے سیرابی ہوئی اور بقیہ دو ماہ میں تین مرتبہ اونٹ کے ذریعہ تو عشر کا پونا حصہ اور عشر کا آٹھواں حصہ یعنی (۷/۸) واجب ہوگا۔ اگر مدت کا صحیح علم نہ ہو تو دونوں مدت کو برابر شمار کریں گے۔ اور پہلی مثال کی طرح ۳/۴۰ حصہ واجب

ہو گا۔ مالک اور ساعی کا سیر ابی کے متعلق اختلاف ہو کہ کس پانی سے ہوا ہے تو مالک کی بات کو تسلیم کریں گے۔ کیونکہ اصل زائد مقدار کا واجب نہ ہونا ہے۔ اگر ساعی مالک کو متہم سمجھے تو اسے قسم دلانا مستحب ہے۔

کسی شخص کی بعض کھیتی بارش سے اور بعض اونٹ وغیرہ کے ذریعہ (یعنی ذاتی خرچ سے) سینچی گئی ہو اور دونوں بھی تنہا بقدر نصاب نہ ہو لیکن مجموعی طور پر بقدر نصاب ہو تو زکات واجب ہے۔ اوّل میں عشر اور دوسرے میں نصف عشر نکالے۔

پھل میں زکات بُدُوِّ صَلَاح (اس کی پختگی اور رنگ بدلنے) کے بعد اور اناج میں دانے سخت ہونے کے بعد واجب ہو گی۔ بعض اناج اور پھل کا اس طرح ہونا کافی ہے۔ وجوب زکوۃ کا یہ مطلب نہیں کہ فی الحال نکالنا واجب ہے، بلکہ زکات کے وجوب کا سبب پایا جا چکا، لہٰذا اب مالک کو اس میں سے کھانا، صدقہ، ہدیہ وغیرہ تصرفات حرام ہیں۔ پھل کے توڑنے وخشک کرنے کا خرچ اور اناج کے کاٹنے اور صفائی وغیرہ کا خرچ مالک کو اپنی طرف سے برداشت کرنا ہے۔ زکات کے مال میں اس کا شمار نہیں ہو گا۔ (لہٰذا مکمل پیداوار میں سے زکوۃ نکالے، خرچ کو اس میں سے نفی نہیں کر سکتا)۔

پھل اور اناج میں ایک ہی مرتبہ زکات واجب ہے، بعد میں (سالہا سال اپنی ملکیت میں ہی باقی ہو، تب بھی) اس میں کچھ واجب نہیں، اناج و پھل توڑتے وقت اس میں سے کچھ فقراء کو خیرات کرنا مستحب ہے۔ (قلائد الخرائد ۱/۲۱۴)

سونے چاندی کی زکات

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورہ توبہ، آیت: ۳۴) **ترجمہ:** اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں۔ سو ان کو خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی۔" آیت میں کنز سے وہ مال مراد ہے جس کی زکات نہ ادا کی گئی ہو۔ زکات ادا کر دی جائے تو وہ شرعاً کنز نہیں ہے، چاہے مدفون ہو یا نہ ہو۔ (الحاوی ۳/۷۲)

۲۰ مثقال سونے اور ۲۰۰ درہم چاندی پر سال گذر جائے تو چالیسواں حصہ (۱/۴۰) زکات واجب ہے۔

احادیث: (۱) "پانچ اوقیہ (۲۰۰ درہم) سے کم چاندی میں زکات واجب نہیں ہے۔" (متفق علیہ)

(۲) "پانچ اونٹ سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور ۲۰ مثقال (سونے) سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور ۲۰۰ درہم (چاندی) سے کم میں کچھ واجب نہیں۔" (دارقطنی، واسنادہ ضعیف)

(۳) "(سونے میں) تم پر کچھ واجب نہیں یہاں تک کہ ۲۰/ دینار ہو جائے" "تمہارے پاس ۲۰ دینار ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں نصف دینار واجب ہے۔ زائد ہو تو اس میں بھی اسی حساب سے نکالے۔" (ابوداود، ترمذی) (تلخیص الحبیر ۲/۱۸۴)

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "چاندی میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔" چونکہ سونا اور چاندی منجانب اللہ سائمہ جانوروں کی طرح اضافہ کے لئے مہیا کئے گئے ہیں، اس لئے اس میں زکات کو واجب کیا گیا ہے۔ سونے چاندی اور زمینی پیداوار میں جانوروں کی طرح وقص (دو نصاب کے درمیانی تعداد پر زکات کی معافی) نہیں ہے، کیونکہ ان اشیاء میں بلا ضرر تقسیم ممکن ہے، بخلاف جانوروں کے۔ مذکورہ نصاب سے کم ہو تو زکات واجب نہ ہو گی۔ اگر ملاوٹ ہو تو ملاوٹ کے بغیر خالص سونے یا چاندی کی مقدار نصاب کے برابر ہو تو زکات واجب ہو گی۔ سونے، چاندی کے علاوہ ہیرے جواہرات وغیرہ میں زکات واجب نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں اس پر

زکات کا تذکرہ نہیں ہے، اور یہ اشیاء کام کاج اور استعمال کے جانوروں کی طرح استعمال کے لئے مہیا ہیں۔ اسی طرح سال مکمل ہونے سے قبل زکات واجب نہ ہوگی۔

دورِ حاضر میں نصاب

(۱) فقہ شافعی میں دورِ حاضر کی ایک مشہور اور معتبر کتاب "**الفقه المنهجي**" میں سونے کا نصاب ۹۶ گرام اور چاندی کا نصاب ۶۷۲ گرام قرار دیا ہے۔(الفقہ المنہجی ۲/۳۱)

(۲) دکتور وہبہ زحیلی نے سونے کا نصاب ۹۶ گرام (یا درہم عربی کا اعتبار کرتے ہوئے ۸۵ گرام) اور چاندی کا نصاب تقریباً ۶۴۲ گرام قرار دیا ہے۔(الفقہ الاسلامی ۲/۵۹۷)

(۳) فقہ الزکوٰۃ میں علامہ یوسف القرضاوی کی تحقیق کے مطابق ایک درہم ۲ء۹۷۵ گرام اور ایک دینار ۴ء۲۵ گرام کے مساوی ہے، لہٰذا سونے کا نصاب ۸۵ گرام اور چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام ہوگا۔(فقہ الزکوٰۃ القرضاوی ۱/۲۶۰)، (احتیاطاً کم مقدار کو اختیار کرنا بہتر ہے)

اگر کوئی برتن سونے چاندی سے مخلوط بنا ہو اور اکثر مقدار کس کی ہے معلوم نہ ہو تو احتیاط پر عمل کرنے کی صورت میں (جبکہ یہ برتن کسی مجبوری یعنی بچے پاگل وغیرہ کا نہ ہو) دونوں کو اکثر فرض کرکے زکات نکالے، واجب سے زائد مقدار سنت شمار ہوگی۔ لہٰذا برتن کا وزن ۱۰۰۰ ہو جس میں ایک ۶۰۰ اور دوسرا ۴۰۰ ہے تو ۶۰۰ سونے اور ۶۰۰ چاندی کی زکات نکالے۔ مکمل سونا فرض کرکے زکات نکالنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ایک جنس کی زکات دوسرے جنس سے ادا نہ ہوگی، گرچہ وہ اعلیٰ ہو۔ دوسرا طریقہ زکات کا یہ ہے کہ آگ پر تپا کر دونوں کو الگ کرکے ہر ایک کی زکات نکالے یا پانی کے ذریعہ اکثر و اقل کی تعیین کرے۔ وہ اس طرح کہ پانی میں ۱۰۰۰ سونا ڈالے اور پانی کی بلندی پر نشان لگائے۔ پھر ۱۰۰۰ چاندی ڈال کر نشان لگائے پھر مذکورہ مخلوط برتن کو ڈالے۔ اب پانی کی بلندی جس نشان سے قریب ہوگی وہی اس میں اکثر ہوگا۔

سونے چاندی کی حرام اشیاء جیسے برتن اور مکروہ جیسے زینت کی خاطر چاندی کا معمولی سا جوڑ اور پیوند یا حرام و مکروہ زیور میں زکات واجب ہے۔

زیورات میں زکات: مباح اور جائز زیورات میں زکات واجب نہیں۔(جیسے عورتوں کے کنگن) جبکہ مالک کو اس کا علم ہو اور ذخیرہ اور خزانہ کی نیت نہ ہو۔ کیونکہ سونا چاندی میں زکات کا تعلق، ان سے جائز انتفاع سے بے نیازی سے ہے نہ کہ ان کے جوہر (اور اصل مادے) سے، کیونکہ ان کی ذات میں کوئی غرض نہیں ہے۔ لہٰذا انتفاع ہی نہ ہو یا مکروہ و حرام انتفاع ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جائز انتفاع کی صورت میں واجب نہیں ہے کیونکہ وہ کام کاج کے جانوروں کے مشابہ ہے۔

زیورات میں عدم زکات کے دلائل: (۱) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارے علم میں کسی بھی خلیفہ نے زیورات کی زکات کا حکم نہیں دیا۔"(ابن ابی شیبہ)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹیوں اور کنیزوں کو سونے کے زیورات پہناتے اور اس کی زکات نہ نکالتے۔(مؤطا امام مالک)

(۳)حضرت عائشہؓ اپنے زیر پرورش یتیم بھتیجیوں کے زیورات کی زکوۃ نہ نکالتیں۔"(مالک،الشافعی)

(۴) ایک شخص نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے زیورات کے متعلق پوچھا تو فرمایا "اس کی زکات عاریت دینا ہے۔" (الشافعی۔ البیہقی)

(۵) امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور امام دار قطنی و بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے زیورات میں عدم زکات کو نقل فرمایاہے۔(تلخیص الحبیر ۱۸۹/۲)

اگر زیور ٹوٹ جائے اوراس کی اصلاح کا ارادہ ہو اور بغیر پگھلائے ممکن ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہے، اس کی صورت باقی رہنے اور اصلاح کے ارادے کی وجہ سے، اگر اصلاح کا ارادہ نہ ہو بلکہ بغیر ڈھالے ایسے ہی سونے چاندی کے ٹکڑے (بسکٹ) کے طور پر رکھنے کا ارادہ ہو یا دراہم یا خزانہ کا ارادہ ہو، یا بلا کسی ارادے کے ایسے ہی چھوڑ دے یا اصلاح کے لئے دوبارہ پگھلا کر ڈھالنے کی ضرورت ہو، تو ان تمام صورتوں میں زکات واجب ہے، کیونکہ فی الحال نہ یہ مستعمل ہے اور نہ قابل استعمال، ٹوٹنے کے وقت سے سال شمار کریں گے۔

مالک کو زیورات کا علم نہ ہو مثلاً وراثت میں مباح (جائز) زیور ملے اور سال گزرنے تک اسے اس بات کا علم نہ ہوا تو اس میں زکات واجب ہے، کیونکہ اس نے مباح استعمال کے لئے رکھنے کی نیت نہیں کی، اس طرح اگر کوئی ذخیرہ اور خزانہ کی نیت سے زیورات رکھے تو اس میں زکات واجب ہے۔

مرد یا خنثیٰ کے پہننے کے لئے کنگن اور پازیب بنانا حرام ہے۔ اگر کوئی مرد یہ زیور کسی عورت یا بچے کے پہننے کے لئے یا ان کو عاریت پر یا کرایہ پر دینے کے لئے بنائے یا بلا قصد بنائے یا ذخیرہ کے لئے بنائے تو جائز ہے، لیکن آخری صورت میں زکات واجب ہے۔ سونے چاندی سے کسی ذی روح کی تصویر بنانا ہر کسی کے لئے حرام ہے، اور اس میں زکات واجب ہے۔ مرد اور خنثیٰ کے لئے سونے چاندی کے زیورات حرام ہیں۔ سونے چاندی کے ہاتھ اور انگلیاں عورتوں کو بھی حرام ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سونا اور ریشم میری امت کے عورتوں کے لئے حلال اور مردوں پر حرام ہیں"۔(صححہ الترمذی) احتیاطاً خنثیٰ کو بھی مرد کے حکم میں رکھیں گے۔

مردوں کو ناک، انگلی کا پورا اور دانت (ٹوٹنے اور کٹنے کی صورت میں) سونے کا استعمال کرنا جائز ہے، گرچہ چاندی سے ممکن ہو تب بھی، کیونکہ سونا غالباً زنگ آلود نہیں ہوتا اور جگہ کو نہیں بگاڑتا۔

حدیث: حضرت عرفجہ ابن اسعد کی ناک جاہلیت میں ایک جنگ (یوم الکلاب) میں کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنالی، اس سے بدبو آنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سونے کی ناک بنوالی۔(ترمذی وحسنہ، ابن حبان وصححہ)

ناک پر دانت اور پورے کو قیاس کیا گیا، چاہے ایک دانت ہو یا زائد اور ایک ہی انگلی کا پورا ہو یا تمام، یہ اعضا کام دیتے ہیں، اس لئے اجازت ملی، لیکن انگلی اور ہاتھ سے یہ مقصد حل نہ ہو گا، لہٰذا ناجائز قرار دیا۔

چاندی کی انگوٹھی: چاندی کی انگوٹھی مردوں کو سنت ہے۔ اس کی مقدار، تعداد، اور پہننے کی جگہ میں اس جیسے لوگوں کی عادت کا اعتبار کیا جائے گا، لہٰذا ایک عالم صرف چھنگلی (چھوٹی انگلی) میں پہنے اور عامی آدمی ایک اور انگوٹھے میں بھی پہن سکتا ہے۔ عادت کے خلاف استعمال مکروہ یا حرام ہو گا، اور ان دونوں صورتوں میں زکوۃ لازم ہو گی۔ انگوٹھی پر سونے کا پانی چڑھانا حرام ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انگوٹھی کا وزن ایک مثقال (تقریباً سوا چار گرام) سے کم ہو۔ مختلف اوقات میں پہننے کی نیت سے کئی انگوٹھیاں بنا کے رکھنا جائز ہے، جبکہ

اسراف میں شمار نہ ہو، اور اس میں زکات لازم نہیں ہے۔ لیکن عادت سے زائد پہننے کی نیت ہو تو زکات واجب ہے۔ امام رملیؒ نے فرمایا کہ ایک وقت میں دو یا زائد پہننے کی نیت سے بنائے تو زکات واجب ہے۔

انگشتری دائیں ہاتھ کی چھنگلی اور بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں مستحب ہے، لیکن دائیں میں افضل ہے، کیونکہ یہ زینت ہے، اور دایاں اشرف ہے، مرد کو کسی اور انگلی میں انگشتری پہننا مکروہ ہے۔ (تحفۃ المحتاج ۴/۳۲۸) بہ یک وقت دونوں میں پہننا بھی جائز ہے۔ بعضوں نے ایک سے زائد انگوٹھی پہننا حرام قرار دیا ہے۔ (تحفۃ المحتاج) انگشتری نگینہ کے ساتھ، اور بلا نگینہ دونوں طرح پہن سکتے ہیں، نگینہ ہو تو اسے ہتھیلی کے باطن (پیٹ) کی طرف رکھنا افضل ہے۔ انگشتری پر ذکر اللہ یا کچھ اور نقش کرنا بلا کراہت جائز ہے، اپنا نام نقش کرے تو اسے مُہر کے لئے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ ذکر اللہ کے نقش کی صورت میں اس پر نجاست کے لگنے سے پرہیز واجب ہے۔ اگر بائیں میں پہنے اور استنجاء کے وقت اس پر پانی لگے تو یہ حرام ہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی استعمال فرمائی۔ (متفق علیہ)

آپ ﷺ کے انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ ﷺ تھا پہلی سطر محمد دوسری سطر رسول تیسری سطر اللہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نقش "**نِعْمَ الْقَادِرُ اللّٰه**" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نقش "**كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظاً يَا عُمَر**" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نقش "**اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ مُخْلِصاً**"، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقش "**اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ**" اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا نقش "**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**" تھا۔

مرد کے لئے بغیر اسراف کے چاندی سے جنگی ہتھیار مثلاً تلوار، نیزہ، تیر کا کنارہ وغیرہ آراستہ کرنا حلال ہے، کیونکہ یہ کفار کو غصہ دلانے کا باعث ہے۔ اسراف (حد سے تجاوز، زیادتی) ہو تو حرام ہے۔ زین، لگام اور رکاب جیسی اشیاء جو پہننے میں استعمال نہ ہوں، چاندی سے آراستہ کرنا برتن کی طرح ناجائز ہے۔ سونے سے ہتھیار وغیرہ کو آراستہ کرنے میں چونکہ زیادہ تکبر ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے۔ عورتوں کو ہتھیار آراستہ کرنا ممنوع ہے، کیونکہ اس میں مردوں سے تشبہ (مشابہت اختیار کرنا) ہے، جو کہ حرام ہے، جیسا کہ مردوں کو عورتوں سے تشبہ حرام ہے، کیونکہ اس پر لعنت وارد ہوئی ہے، اگرچہ بوقت ضرورت عورتوں کو بھی فی الجملہ ہتھیار سے لڑنے کی اجازت ہے۔ عورت کو لڑنے کا اتفاق ہو اور مذکورہ آراستہ ہتھیار کے علاوہ میسر نہ ہو تو اس کا استعمال حلال ہے۔

حدیث: "آپ ﷺ کے تلوار کے قبضہ پر چاندی کی گرہ تھی۔" (نسائی، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ) (تلخیص ۱/ ۶۴)

عورتوں کے زیور: عورتوں کو سونے چاندی کے مختلف زیورات پہننا جائز ہے جیسے ہار، انگشتری، کنگن، چپل، پازیب اور سونے چاندی سے بنے ہوئے کپڑے، لیکن ان اشیاء میں اسراف (حد سے تجاوز) حرام ہے جس زیور میں اسراف ہو اس کی پوری زکات واجب ہے، نہ کہ صرف زائد مقدار کی۔ مثلاً دونوں پازیب کا مجموعی وزن ۲۰۰ مثقال ہو تو عورت کو یہ پہننا حلال نہیں ہے کیونکہ عورتوں کو زیور کے جواز کا اصل مقصد شوہر کے لئے مزین ہونا ہے، جو کہ شہوت کے لئے محرک اور نتیجۃً کثرتِ نسل کا باعث ہے اور اسراف کی صورت میں کوئی زینت نہیں ہے، بلکہ اس کی بدصورتی سے نفس کو نفرت ہو گی۔ مذکورہ احکام میں نابالغ بچہ اور پاگل بھی عورت کی طرح ہے۔ (جو زیورات عورت کو جائز ہیں ان کو بھی جائز ہیں)

قرآن کو آراستہ کرنا: ہر کسی کو قران پاک چاندی سے آراستہ کرنا بطورِ اکرام جائز ہے اور عورت کو سونے سے آراستہ کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں مطلقاً سونا عورتوں کو حلال بتلایا۔ قرآن کے علاوہ حدیث اور دیگر دینی علوم کی کتابوں کو سونے چاندی سے

آراستہ کرنا جائز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر یا دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام وغیرہ کے قبروں کو بھی سونے چاندی سے آراستہ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا: "جس نے سونے سے قرآن لکھا بڑا اچھا کام کیا اور اس پر زکات واجب نہیں ہے۔ (یعنی اس سونے میں) چاہے مرد لکھے یا عورت، اسی طرح مرد یہ قرآن استعمال کر سکتا ہے۔"" **المجموع** "میں امام نوویؒ نے کئی فقہاء کرام سے نقل کیا کہ جن صورتوں میں سونے کو حرام قرار دیا گیا وہ اس وقت ہے جب کہ وہ زنگ آلود نہ ہو جائے، اگر زنگ آلود ہو جائے تو حرام نہیں ہے۔

معدن اور دفینہ (کان اور خزانہ) کی زکوٰۃ

کوئی اپنی ذاتی زمین یا موات (عام زمین جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو) میں معدن سے سونا یا چاندی بقدر نصاب نکالے تو فوراً اس میں چالیسواں حصہ (۲ء۵ فیصد) زکوٰۃ نکالنا لازم ہے۔ روایت گزر چکی ہے کہ چاندی میں چالیسواں حصہ واجب ہے اور امام حاکم کی صحیح میں روایت ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معادن قبلیہ (ایک جگہ کا نام) سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کی۔ سال گزرنے کا اعتبار اس لئے کیا جاتا ہے کہ آدمی اس مدت میں اپنا مال بڑھا سکے۔ اور معدن سے حاصل ہونے والی چیز تو مکمل اضافہ ہے، اس لئے یہاں سال گزرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ دیگر اموال زکوٰۃ کی طرح بقدر نصاب ہونا چاہئے، کیونکہ اس سے کم مقدار ہمدردی اور غمگساری کی متحمل نہیں ہے۔

معدن سے حاصل ہونے والی بعض مقدار کو بعض کے ساتھ ملائیں گے۔ (تکمیلِ نصاب کے لئے) جبکہ معدن ایک ہی ہو اور نکالنے کا عمل مسلسل ہو یا کسی عذر سے تسلسل ٹوٹے مثلاً مرض، سفر، اوزار کی اصلاح وغیرہ، اگرچہ عرفاً فاصلہ زیادہ ہو جائے، یا پہلے حاصل شدہ اپنی ملکیت سے نکل چکی ہو، لیکن معدن الگ الگ ہو، یا بلا عذر عمل منقطع ہو، تو تکمیلِ نصاب کے لئے اول دوسرے کے ساتھ نہیں ملائیں گے، چاہے درمیانی فاصلہ کم ہی ہو لیکن دوسرے کو پہلے کے ساتھ ملانے سے بقدر نصاب ہو تو اس دوسرے میں فی الحال زکوٰۃ واجب ہے اور اوّل میں اس پر سال گذرنے کے بعد واجب ہو گی۔

معدن سے نصاب سے کم سونا یا چاندی ملے، لیکن پہلے سے اس کی ملکیت میں موجود سونے چاندی کے ساتھ اسے ملانے سے بقدر نصاب ہو جاتا ہے تو معدن کا ابھی اور پہلے سے موجود کا سال گزرنے پر زکوٰۃ ادا کرے۔

مثال: پہلی مرتبہ کان سے ۱۹/ مثقال سونا حاصل ہوا اور دوسری مرتبہ ایک مثقال تو ۱۹/ مثقال میں زکوٰۃ واجب نہ ہو گی، ایک مثقال میں واجب ہو گی۔ اسی طرح ۱۹/ مثقال پہلے سے اس کے پاس موجود تھا۔ پھر ایک مثقال کان سے ملا تو ایک مثقال پر زکوٰۃ نکالے۔ دونوں صورتوں میں ایک مثقال ملنے پر دونوں کا سال شروع ہو جائے گا۔

سونے چاندی کے علاوہ لوہا، تانبہ، یاقوت، یا سرمہ وغیرہ معدن سے نکلے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ معدن کی زکوٰۃ اس کی صفائی اور خالص کرنے کے بعد نکالنا واجب ہے، اور یہ تمام مصارف مالک کے ذمہ ہیں۔ (سونے چاندی سے اس خرچ کو نفی نہیں کرے گا)

رِکاز (دفینہ):- دفینہ ملتے ہی اس میں خمس (پانچواں حصہ ۱/۵) نکالنا واجب ہے۔ جبکہ سونا یا چاندی ہو اور بقدر نصاب یا زائد ہو۔ نصاب سے کم ہو لیکن پہلے سے ملکیت میں موجود سونے چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب ہو جاتا ہو، تب بھی اس میں خمس نکالے۔ معدن

کے برعکس اس میں یا تو کچھ خرچ ہی نہیں ہوتا، یا بہت کم خرچ ہوتا ہے۔ لہٰذا پانچواں حصہ واجب قرار دیا۔ دفینہ کا خمس اور کان کی زکوٰۃ مستحقین زکوٰۃ پر زکوٰۃ کی طرح تقسیم کی جائے گی کیونکہ یہ زمین سے حاصل شدہ فائدہ پر واجب حق ہے، لہٰذا پھل اور کاشت کے مشابہ ہوا۔

رکاز سے وہ دفینہ مراد ہے جو جاہلی ہو، یعنی آپ ﷺ کی بعثت سے قبل مدفون ہو، اس پر کسی علامت کی وجہ سے یہ انداز ہو تو کافی ہے۔ اس طرح کا دفینہ کسی اہل زکوٰۃ (جس میں شرعاً زکوٰۃ کی فرضیت کے شرائط موجود ہوں) کو موات میں یا موات کو احیاء (آباد) کر کے مالک بننے کے بعد اس میں، یا کسی قلعہ میں یا جاہلیت کی قبروں یا کھنڈرات میں ملے تو اس کی زکوٰۃ (خمس ۲۰٪) ادا کرے۔

کسی مسجد میں یا سڑک پر ملے یا اسلامی دفینہ ہو (مثلاً اس پر قرآن کی آیت یا کسی مسلمان بادشاہ کا نام کندہ ہو) اور اصل مالک کا علم ہو تو اسے لوٹانا واجب ہے، اور مالک کا علم نہ ہو تو پھر لقطہ ہے، لہٰذا ایک سال تک اس کا اعلان کرنے کے بعد بھی مالک نہ ملے تو خود اس کا مالک بن سکتا ہے۔ اگر دفینہ پر کوئی خاص علامت نہ ہو، جس سے جاہلی یا اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکے تو وہ بھی لُقطہ ہے۔ اگر دفینہ کسی اور کی زمین میں ملے اور وہ شخص اس کا دعویٰ کرے تو بلا قسم کے اس کے حوالے کریں گے اگر وہ اپنا ہونے کا دعویٰ نہ کرے تو اس سے قبل اس زمین کے مالک کی ورنہ اس سے قبل مالک کی اسی طرح آخر میں اس زمین کو احیاء کرنے والے کی ملکیت ہو گی، چاہے وہ دعویٰ نہ کرے کیونکہ وہ احیاء کی وجہ سے زمین کے اندرونی اشیاء کا مالک بن چکا اور فروخت کی وجہ سے یہ ملکیت زائل نہ ہو گی کیونکہ یہ مدفون منقول شئ ہے۔ اصل مالک اور مستحق اوپر کی صورتوں میں انتقال کر چکا ہو تو اس کے ورثاء اس کے قائم مقام ہوں گے۔ اگر بعض وارث مورث کی ملکیت کا اقرار کریں اور بعض انکار تو اقرار کرنے والوں کا حصہ ان کے حوالے کیا جائے اور بقیہ کے متعلق اوپر کی ترتیب ملحوظ رکھے۔ اگر مالک کے تحقیق سے مایوسی ہو جائے تو امام وقت یا جس کے ہاتھ میں ہے وہ صدقہ کر دے۔

کسی دوسرے کی ملکیت میں ملے ہوئے دفینہ کے دو دعویدار ہوں تو مالک جس کی تصدیق کرے اس کے حوالے کریں گے۔

کسی زمین کا فروخت کرنے والا اور خریدنے والا یا کرایہ پر دینے والا اور لینے والا، یا عاریتاً دینے والا اور لینے والا دونوں دعویٰ کریں کہ دفینہ میرا ہے، میں نے دفن کیا تھا، تو جس کے قبضہ میں ہے (یعنی خریدنے والا، کرایہ پر یا عاریتاً لینے والا) اسے قسم دلا کر اس کے حق میں فیصلہ ہو گا، جبکہ کسی درجہ میں اس کی سچائی ممکن بھی ہو۔ اگر ممکن نہ ہو مثلاً اتنی کم مدت میں وہ دفن نہیں کر سکتا تو اس کی تصدیق نہ کرے۔ مذکورہ فروخت کرنے والے یا کرایہ یا عاریت پر دینے والے کے پاس زمین واپس لوٹنے کے بعد یہ اختلاف ہو اور یہ تینوں یوں کہیں کہ واپس لوٹنے کے بعد میں نے دفن کیا اور یہ ممکن بھی ہو تو قسم کے ساتھ ان کی تصدیق کریں گے، اگر یہ کہیں کہ میرے ہاتھ سے زمین نکلنے سے پہلے دفن کیا تھا تو بالمقابل لوگوں کی تصدیق کریں گے۔

تجارت کی زکوٰۃ [ماخوذ از الفقہ المنہجی)

آیت: ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ'' (البقرہ، ۲۶۷)

ترجمہ ''اے ایمان والو خرچ کرو صاف ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے'' امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تجارت کے متعلق نازل ہوئی۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹوں میں ان کی زکوٰۃ واجب ہے، گائے بیل میں ان کی زکوٰۃ واجب ہے، بکریوں میں زکوٰۃ واجب ہے، کپڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔'' (رواہ حاکم باسناد صحیح علی شرط الشیخین)

مراد برائے فروخت کپڑے ہیں، اس پر دیگر تجارتی اشیاء کو بھی قیاس کریں گے۔
حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو برائے فروخت اشیاء کا صدقہ (زکوٰۃ) نکالنے کا حکم دیتے تھے۔“(ابوداود)

اسباب تجارت میں زکوٰۃ کے شرائط: (۱) عقدِ معاوضہ کے ذریعہ ان اسباب واشیاء کا مالک بنا ہو، جیسے خریدنا، کرایہ اور مہروغیرہ۔ اگر وراثت، وصیت یا ہبہ کے ذریعہ مالک بنا ہو تو یہ اسباب تجارت میں شمار نہ ہو گا۔ (۲) تملک (مالک بننے) کے وقت اس میں تجارت کی نیت ہو اور یہ نیت مستمر (جاری) ہو۔ اگر تملک کے وقت تجارت کی نیت نہ ہو، تو یہ مالِ تجارت شمار نہ ہو گا۔ حتیٰ کہ بعد میں نیت کرنے سے بھی شمار نہ ہو گا۔ اسی طرح تجارت کی نیت سے خریدنے کے بعد تجارت کا ارادہ بدل جائے اور اپنی ہی ملکیت میں رکھنے کی نیت ہو تو مال تجارت سے نکل جائے گا۔ اور اس سے زکوٰۃ کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ (موَرِث کے مالِ تجارت میں جب تک وارث تجارت کی نیت سے تصرف نہ کرے، اس پر تجارت کی زکوٰۃ واجب نہ ہو گی، تصرف کے وقت سے تجارتی سال کی ابتداء ہو گی، اسی طرح کوئی بطور قرض کوئی چیز تجارت کی نیت سے لے، تو اس میں (فی الحال) زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ قلائد ۱/۲۲۰)

مالِ تجارت کا سال و نصاب اور اس میں واجب مقدار

مالِ تجارت سے وہ اشیاء مراد ہیں، جن کا معاوضہ کے مقابلہ میں نفع کی غرض سے تبادلہ اور لین دین ہوتا ہے۔ یہ اشیاء جس طرح کی بھی ہوں، مالِ تجارت میں اس کا شمار ہو گا لہٰذا ہر تجارتی مال چاہے اس میں براہِ راست زکوٰۃ واجب ہو (جیسے سونا، چاندی، پھل اور مویشی) یا نہ ہو (جیسے کپڑا، مختلف مصنوعات، زمین، جائیداد اور شیرز وغیرہ میں) اپنے شرائط کے ساتھ زکوٰۃ واجب ہے۔ (عورت جائز زیورات تجارت کی نیت سے خریدے، تو یہ مالِ تجارت شمار ہو گا۔ قلائد ۱/۲۱۸)

نصاب، سال کا گذرنا اور واجب مقدار ان تینوں مسائل میں مالِ تجارت سونے چاندی کی طرح ہے۔ مالِ تجارت کی رائج الوقت سکوں میں قیمت لگائی جائے گی، لہٰذا یہ قیمت ۲۰ مثقال سونا (۹۶ گرام) یا ۲۰۰ درہم چاندی کی قیمت کے مساوی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر مالِ تجارت سونے یا چاندی سے خریدا گیا ہو تو جس سے خریدا ہے اسی کے قیمت کا اعتبار ہو گا۔

تجارت شروع کرنے کے بعد اسلامی ایک سال مکمل ہونے پر مذکورہ نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔ ابتداء میں یا درمیان میں نصاب کی ضرورت نہیں ہے۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ تجارت کی نیت سے مالِ تجارت کا مالک بننے سے مکمل ایک قمری سال گذرنا چاہئے۔ لیکن مالِ تجارت سونے یا چاندی کے نصاب یا اس سے زائد سے حاصل کیا تھا تو جس نصاب سے سامان تجارت کو خریدا ہے اس نصاب کی ملکیت سے ہی سال شروع ہو گا۔

سابقہ تفصیل کی روشنی میں اختتامِ سال پر تاجر اپنے سارے تجارتی مال کی ایک مکمل فہرست بنا کر اس کی کل قیمت (حالیہ قیمت کے اعتبار سے نہ کہ وقت خرید کی قیمت) کا اندازہ لگائے۔ اور یہ قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے بھی نصاب کے قیمت کے برابر ہو تو قیمت کا چالیسواں حصہ (۱/۴۰ یعنی ۲ء۵ فیصد) زکوٰۃ نکالے۔ اور سونے چاندی کے نصاب سے قیمت کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

جو اشیاء برائے فروخت ہوں، صرف ان کی قیمت لگائے۔ دوکان، فرنیچر اور دوسرے وہ اسباب جو محض استعمال اور تجارت

میں استعانت اور مدد کے لئے ہوں، برائے فروخت نہ ہوں، ان کی قیمت شمار کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان اشیاء میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ چاہے کتنی ہی قیمتی ہوں۔

قیمت شمار کرنے میں راس المال (اصل پونجی) اور حاصل شدہ نفع دونوں کو شمار کرکے مجموعہ پر زکوٰۃ ادا کرے۔ مثلاً ۲۵/ہزار کی رقم سے تجارت شروع ہوئی اور سال کے آخر میں کل قیمت ۵۰/ہزار ہو تو پورے ۵۰/ہزار کی زکوٰۃ نکالے۔

تجارت کی زکوٰۃ میں کل قیمت کا چالیسواں حصہ دیا جائے جیسا کہ گزرا۔ اشیاء تجارت خود زکوٰۃ میں دینا کافی نہیں ہے، کیونکہ یہ اصل میں ایسی اشیاء نہیں ہیں، جن میں زکوٰۃ واجب ہو، محض تجارت کی نیت کی وجہ سے زکوٰۃ کا حکم صادر ہوا، اور قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوئی، اس لئے قیمت میں سے ہی زکوٰۃ نکالے۔ (الفقہ المنہجی ۲/۴۵)

بعض حالیہ مسائل

(ماخوذ از الفقہ الاسلامی - دکتور وہبہ الزحیلی)

دورِ حاضر میں سونے چاندی کے سکوں کا رواج بالکل ختم ہو چکا ہے اور سارے عالم میں لین دین اور تجارت وغیرہ کا مکمل انحصار اور دارومدار نوٹوں پر ہے، لہٰذا علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ کسی کے پاس سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر رقم (بشکل نوٹ و کرنسی) موجود ہو، اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں چالیسواں حصہ (۲٫۵ فیصد) زکوٰۃ واجب ہے۔ (الفقہ الاسلامی۔ ۲/۷۷۲)

شیئرز پر ہر سال کے اختتام پر اس کی حالیہ قیمت اور نفع دونوں کے مجموعہ پر ۲٫۵٪ زکوٰۃ واجب ہے۔ یہ حکم تجارتی شیئرز کا ہے۔ اگر کسی کارخانہ اور فیکٹری میں چند حضرات شریک ہوں تو عمارت اور فیکٹری میں استعمال ہونے والے آلات اور مشنیریوں کو چھوڑ کر شرکت کی جو قیمت ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

وہ عمارتیں جن سے کرایہ کے طور پر آمدنی حاصل ہوتی ہو، فیکٹری، جہاز، ہوائی جہاز اور موٹر گاڑیاں جو برائے کرایہ ہوں اور جانوروں کا فارم یا پولٹری فارم جیسے آمدنی کے وسائل میں براہِ راست زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ ان سے ہونے والی آمدنی میں زکوٰۃ واجب ہے، بشرطیکہ وہ بقدر نصاب ہو (یعنی سونے یا چاندی کے نصاب کی حالیہ قیمت کے برابر ہو) اور اس پر مکمل ایک اسلامی سال گذر جائے، اس صورت میں اس میں ۲٫۵٪ (۱/۴۰) زکوٰۃ واجب ہے۔

جو اپنے پیشہ کی بنیاد پر آزادانہ کماتے ہیں جیسے ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، درزی اور بڑھئی وغیرہ یا کہیں تنخواہ پر اس طرح گذر بسر کرتے ہیں، ان کی آمدنی بھی جب سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت کو پہنچ جائے اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں ۲٫۵٪ (چالیسواں حصہ) زکوٰۃ واجب ہے۔ (الفقہ الاسلامی ۲/۸۶۶) (یعنی مکمل آمدنی پر نہیں، بلکہ اپنے اخراجات وغیرہ کے بعد بچی ہوئی رقم بقدر نصاب یا زائد ہو، اور اس پر سال گذر جائے، تب اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ نصاب یا سال کی تکمیل سے قبل جو بھی رقم خرچ ہو، اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسی طرح نصاب کے بقدر ہونے کے بعد سال کی تکمیل سے قبل نصاب گھٹ جائے تو بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔)

پراویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ کے چند مسائل

۱) سرکاری نیم سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں ملازمین کی ہر ماہ تنخواہ میں سے کچھ رقم کاٹ لی جاتی ہے اور اس پر ادارہ ہر ماہ کچھ

رقم کا اضافہ کرتا ہے پھر مجموعہ پر کچھ رقم سالانہ بنام سود جمع کرتا ہے، شرعاً تنخواہ میں سے جو رقم کاٹی جاتی ہے اس کی اصل تنخواہ ہے اور زکوٰۃ اتنے ہی روپیہ پر فرض ہو سکتی ہے اور باقی دونوں رقم ادارہ کی طرف سے بطور امداد کے ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اگر اپنے اختیار سے فنڈ میں رقم کٹوائی جائے تو جو رقم ادارہ بنام سود جمع کرے گا تو وہ سود ہی ہوگا۔

۲) مذکورہ بالا مسئلہ اس وقت ہے جب کہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم نے اپنی طرف سے کسی شخص یا کمپنی کی تحویل میں نہ دلوائی ہو بلکہ ادارہ نے اپنے تصرف میں رکھی ہو یا ادارے نے کسی شخص یا کمپنی کو دی ہو تو اپنے طور سے اپنی ذمہ داری پر دی ہو اگر ملازم نے اپنی ذمہ داری پر یہ رقم کسی شخص یا بینک یا بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقل کمیٹی مثلاً ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوادی ہو تو یہ ایسا ہے جیسے خود وصول کر کے اس کی تحویل میں دے دی ہو لہٰذا پوری رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اب اگر بینک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دیں تو یہ شرعاً بھی سود ہوگا جس کا لینا ملازم کے لئے قطعاً حرام ہے، فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری۔

۳) پراویڈنٹ فنڈ میں جو رقم تنخواہ سے لازمی طور پر کٹتی ہے وہ ادارہ کے ذمہ قرض کے حکم میں ہے اور قرض واپس ملنے کی امید ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لہٰذا اپنی تنخواہ سے جمع شدہ رقم اور اپنے پاس جمع شدہ رقم ملا کر نصاب تک پہنچ جائے اور سال پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

حکومت کی طرف سے اضافہ شدہ رقم پر جب تک قبضہ نہ ہو جائے اور قبضہ کے بعد سال نہ گذر جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

جو لوگ حکومتی ٹیکس کی بچت کے لئے لائف انشورنس کراتے ہیں اور جو رقم جمع کراتے ہیں اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس لئے کہ وہ امانت کے حکم میں ہے۔

پگڑی وڈپازٹ رقم پر زکوٰۃ

مکان یا دوکان کرایہ پر دیتے وقت مالک ایک رقم ڈپازٹ کے نام سے لیتا ہے اور مکان کی واپسی کے وقت وہ رقم واپس کی جاتی ہے چونکہ وہ ایک امانت یا قرض کے حکم میں ہے لہٰذا رقم دینے والے پر اس کی زکوٰۃ ضروری ہے۔ لینے والا اگر اس کو بطور امانت رکھ دے یا خرچ کر دے تو لینے والے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

پیشگی کرایہ دینے والے پر زکوٰۃ نہیں ہے لینے والے پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب کہ اس پر سال گزر جائے۔

کبھی فون بک کرتے وقت دس ہزار یا تیس ہزار روپیہ ڈپازٹ کے طور پر جمع کیا جاتا ہے وہ پیشگی کرایہ ہوتا ہے لہٰذا اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی پگڑی کی رقم حق استعمال کی قیمت ہوتی ہے لینے والا اس کا مالک ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

سیونگ سرٹیفکٹ پر زکوٰۃ

آج کل بعض سرکاری کام کی انجام دہی کے لئے سیونگ سرٹیفکٹ لینا لازمی ہوتا ہے۔ سیونگ سرٹیفکٹ کی رقم بھی قرض کے حکم میں ہے لہٰذا اگر ہماری طرف سے جمع شدہ رقم بقدر نصاب ہو یا ہمارے پاس کی جمع شدہ رقم ملا کر بقدر نصاب ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اس سرٹیفکٹ پر ملنے والی سود کی پوری رقم کو بلانیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ماخوذ از کتاب الزکوٰۃ، مولانا محمد ایوب ندوی شافعی)

متفرقات

سال کی تکمیل کے وقت تجارتی مال جس جگہ ہو وہاں کے سکوں میں قیمت اور نصاب کا اندازہ لگایا جائے، اگر مال تجارت ایسی شئ ہو کہ براہ راست اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہو جیسے سائمہ جانور اور پھل اور صرف ایک زکوٰۃ کا نصاب مکمل ہو مثلاً چالیس بکریاں ہوں اور سال گذرنے پر قیمت نصاب کے برابر نہ ہو یا ۳۹ بکریاں ہوں اور ان کی قیمت بقدر نصاب ہو تو جو نصاب مکمل ہے اس کی زکوٰۃ نکالے۔ (پہلی مثال میں بکریوں کی اور دوسری مثال میں تجارت کی) اور دونوں نصاب مکمل ہوں تو عین کی زکوٰۃ (اس چیز کی زکوٰۃ) نکالے نہ کہ تجارت کی، کیونکہ زکوٰۃ عین پر اتفاق ہے جو اس کی قوت کا باعث ہے۔ بہر حال دونوں زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قراض (مضاربت) کے مال کی زکوٰۃ مالک کے ذمہ ہے، چاہے اس میں نفع کا ظہور ہو، کیونکہ فی الحال سارے مال پر مالک کی ملکیت ہے۔ عامل صرف ظہور سے اپنے حصہ کا مالک نہ بنے گا، بلکہ تقسیم کے بعد بنے گا۔ اگر مالک اس کی زکوٰۃ اپنے دوسرے مال میں سے ادا کرے تو فبہا (یعنی عامل سے وہ رقم نہیں لے سکتا) اور اسی مال میں سے ادا کرے تو وہ نفع میں شمار ہوگا جیسا کہ دیگر اس مال سے متعلقہ اخراجات (جیسے دلال کی اجرت وغیرہ) کا حکم ہے۔ (لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اب جو نفع ہوگا اس میں عامل کو مقررہ تناسب سے حصہ ملے گا)

زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد نکالنے سے قبل مالِ تجارت فروخت کرنا صحیح ہے، کیونکہ اس زکوٰۃ کا تعلق قیمت سے ہے جو فروخت کی وجہ سے فوت نہ ہوگا۔ مالک کو اسباب تجارت کے استعمال میں حرج نہیں جیسے سواری کرنا، عمارت میں رہنا، تجارت وحیوان یا پھل وغیرہ میں سے کھانا اسی طرح ھبہ کرنا، صدقہ کرنا، عاریت پر دینا اور اجرت پر دینا جائز ہے اور صدقہ یا کھانے وغیرہ کے ذریعہ جو چیز ختم ہو جائے اس میں تجارت باطل ہو گی اور اس پر اس کا بدلہ لازم نہیں ہے۔ خود استعمال کرنے میں اسے اجرت کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے سے حاصل شدہ اجرت کا مالِ تجارت میں شمار نہ ہو گا (یہ اور بات ہے کہ اجرت سکوں میں ہو تو اس کا حکم سونے چاندی کی طرح ہو گا) (حاشیۃ الجمل مع فتح الوہاب)

باب-زکوٰۃ الفطر (صدقۂ فطر)

احادیث: (۱) ''آپ ﷺ نے رمضان میں زکوٰۃ الفطر کو لوگوں پر فرض فرمایا، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو، ہر آزاد یا غلام، مذکر و مؤنث پر مسلمانوں میں سے''۔ (متفق علیہ)

(۲) آپ ﷺ نے روزہ دار کی لغو اور فضولیات سے پاکی اور مساکین کو کھلانے کی خاطر زکوٰۃ الفطر کو فرض فرمایا۔ جو نمازِ عید سے قبل ادا کرے تو یہ مقبول زکوٰۃ ہے، اور جو نماز کے بعد ادا کرے تو یہ ایک عام صدقہ ہے۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم)

(۳) ''آپ ﷺ نے صدقۂ فطر کو فرض فرمایا اور لوگوں کے نماز کے لئے جانے سے قبل اسے ادا کرنے کا حکم فرمایا''۔ (متفق علیہ) (تلخیص الحبیر ۱۹۴/۲)

صدقۂ فطر اس امت کی خصوصیت ہے اور مشہور یہ ہے کہ رمضان کے روزوں کی طرح ہجرت کے دوسرے سال عید سے دو روز قبل فرض ہوا۔ امام وکیع فرماتے ہیں: ''جس طرح سجدۂ سہو نماز کے نقصان اور کمی کی تلافی کرتا ہے صدقۂ فطر رمضان کے نقصان کی

تلافی کرتا ہے۔" ابن شاہین نے ترغیب میں اور ضیاء نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا: "ماہِ رمضان آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتا ہے، صدقۂ فطر کی ادائیگی کے بغیر بارگاہِ الٰہی میں اٹھایا نہیں جاتا" مطلب یہ ہے کہ اس ماہ کا عظیم ترین ثواب ایک قادر شخص کو صدقۂ فطر کی ادائیگی کے بغیر حاصل نہیں ہوگا۔

صدقۂ فطر بالاجماع فرض (واجب) ہے۔ ماہِ رمضان کا آخری لمحہ اور ماہِ شوال کا اوّل لمحہ پانے سے صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ صدقۂ فطر ایک مسلمان کو اپنی جانب سے اور شرعاً اپنے زیر کفالت مسلم (جن کا نان نفقہ اور اخراجات اس کے ذمہ واجب ہیں) افراد کی جانب سے نکالنا واجب ہے۔ فطرہ کے وجوب کے وقت جن کا نفقہ اس کے ذمہ ضروری ہے ان کی جانب سے نکالے، چاہے اس سے پہلے یا بعد میں نفقہ کا وجوب نہ پایا جائے۔ کافر پر اپنا فطرہ واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث میں "من المسلمین" (مسلمانوں میں سے ہونا) کی قید وارد ہے اور فطرہ پاکی کی خاطر ہے، اور ایک کافر اس کا اہل نہیں ہے

کسی پر اس کے باپ کی بیوی کا فطرہ واجب نہیں ہے۔ اگرچہ اعفاف کی وجہ سے نفقہ واجب ہے۔

رمضان کے آخری دن غروب کے بعد نکاح ہو تو اس بیوی کی جانب سے شوہر پر فطرہ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح غروب کے بعد کوئی اسلام قبول کرے یا بچہ پیدا ہو تو ان کا فطرہ واجب نہیں ہے۔ اگر شک واقع ہو کہ غروب سے قبل یہ امور ہوئے ہیں یا بعد میں تب بھی واجب نہیں۔

آخری دن غروب کے بعد کسی کے انتقال سے فطرہ ساقط نہ ہوگا۔ اگر شوہر غروب کے بعد بیوی کو طلاق دے، چاہے بائنہ طلاق ہی کیوں نہ ہو، اسے اس بیوی کا فطرہ ادا کرنا ہوگا۔ (بشری الکریم ۵۲/۲)

فطرہ کے اوقات: (۱) وقتِ وجوب۔ رمضان کے آخری دن کے غروب سے واجب ہوگا۔ (۲) وقتِ جواز۔ رمضان کا پورا مہینہ (۳) وقتِ فضیلت۔ نمازِ عید سے قبل (۴) وقت کراہت۔ نمازِ عید کے بعد (۵) وقتِ حرمت۔ عید کا دن گزر جانے کے بعد۔

عید کے دن نمازِ عید سے قبل ہی فطرہ ادا کرنا سنت ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس کا حکم گزر چکا۔ اگر نماز خلافِ معمول تاخیر سے ادا ہو تو دن کے ابتدائی حصہ میں ہی ادا کر دینا سنت ہے، تاکہ مستحقین کو کشادگی حاصل ہو جائے۔ بغیر عذر کے عید کا دن گذرنے تک تاخیر کرنا حرام ہے، کیونکہ اصل مقصود عید کے مبارک دن مستحقین کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بے نیاز کرنا ہے۔ فی الحال مال پاس نہ ہونا، یا مستحقین کا ہی موجود نہ ہونا عذر میں شمار ہوگا۔ بلا عذر تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اور فوراً اس کی قضاء کرنا لازم ہے۔

بوقتِ وجوب تنگدست اور غریب آدمی پر فطرہ واجب نہیں ہے۔ چاہے بعد میں دولت آجائے۔ لیکن عید کا دن گذرنے سے قبل ادائیگی کی قدرت ہو جائے تو ادا کرنا سنت ہے۔

فطرہ کے مسئلہ میں غریب آدمی سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اپنے اور اپنے زیر کفالت افراد کے لئے عید کے دن اور اس کے بعد والی شب کے کھانے پینے کے اخراجات، مناسب کپڑے، مکان، خادم (بصورت ضرورت واحتیاج)، قرض (چاہے موخر ہو اور صاحبِ قرض تاخیر سے متفق ہو) سے زائد مال نہ ہو، جو فطرہ میں ادا کر سکے۔ جس کے پاس مذکورہ اخراجات سے زائد مال ہو، اس پر فطرہ واجب ہے۔ (فطرہ کے لئے زکوٰۃ کی طرح بقدر نصاب مال کی شرط نہیں ہے) اس کے مناسب کپڑے، مکان کہنے سے برعکس صورت نکل گئی۔ لہٰذا اگر کسی کا مکان اعلیٰ درجہ کا ہو جسے فروخت کرکے اپنے مناسب مکان حاصل کرنے کے بعد فطرہ کے لئے رقم بچ سکتی ہے تو یہ لازم ہے اگر کسی کے ذمہ سابقاً (پہلے ہی) فطرہ واجب ہو چکا تھا تو اب ادائیگی کے لئے مکان فروخت کرے، نہ کہ لباس، کیونکہ اس صورت

میں یہ قرض کے حکم میں ہے۔ خادم کے احتیاج کا مطلب اپنے یا زیر کفالت افراد کی خدمت کے لئے احتیاج ہے، نہ کہ کھیتی باڑی میں کام کرنے یا جانوروں کی دیکھ ریکھ کا احتیاج۔

کسی عورت کا شوہر غریب ہو تو شوہر پر اس کا فطرہ واجب نہیں ہے۔ اگر عورت کے پاس مال ہو تو اسے اپنا فطرہ ادا کرنا سنت ہے۔

اگر عورت شوہر کی نافرمانی کرے اور نفقہ ساقط ہو جائے تو پھر عورت کو خود اپنا فطرہ ادا کرنا لازم ہے۔

جو شخص فطرہ کی کچھ مقدار ادا کر سکتا ہو، اسے وہ ادا کرنا لازم ہے تاکہ بقدر امکان واجب کی ادائیگی ہو سکے۔ جو شخص چند صاع دے سکتا ہو تو پہلے اپنا فطرہ مقدم کرے۔ کیونکہ مسلم شریف کی حدیث میں اپنی ذات سے ابتداء کا حکم موجود ہے کہ "پہلے اس پر (خود پر) صدقہ کرو پھر کچھ بچے تو اپنے اہل پر، مزید ہو تو دیگر رشتہ داروں پر" پھر بیوی کا فطرہ ادا کرے کیونکہ اس کے اخراجات زیادہ تاکیدی ہیں کہ معاوضہ ہے اور وقت گزر جانے سے ساقط نہیں ہوتا۔ پھر اپنے نابالغ بچے کا فطرہ ادا کرے کہ اس کا نان نفقہ نص اور اجماع سے ثابت ہے۔ پھر باپ دادا نانا وغیرہ پھر ماں دادی نانی وغیرہ کا فطرہ پھر بالغ اولاد کا جبکہ اپاہج یا پاگل ہوں، نفقہ میں ماں کو باپ پر مقدم کیا جاتا ہے، کیونکہ نفقہ احتیاج کے پیش نظر ہے، اور ماں نسبتاً زیادہ محتاج ہے، اور فطرہ تطہیر (پاکی) اور شرف کے لئے ہے، جس کا باپ زیادہ مستحق ہے، کیونکہ بیٹا اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اس کے شرف کی وجہ سے مشرف ہوتا ہے۔

فطرہ کی مقدار: ایک شخص کی طرف سے ایک صاع اناج ادا کرے جیسا کہ حدیث میں گزرا، حالیہ اوزان کے اعتبار سے اس کی تعیین کی تفصیل گزر چکی "فقہ منہجی" کے اعتبار سے ایک صاع تین لیٹر (تقریباً ۲ کلو ۴۰۰ گرام) کے مساوی ہے۔ (۱/ ۲۳۰)

فطرہ کی جنس: ایسا اناج جس میں عشر واجب ہوتا ہے جو صحیح اور بے عیب ہو اور پنیر یا دودھ جن سے مکھن نکالا نہ گیا ہو۔

ایسا عیب دار اناج جس میں خوراک بننے کی صلاحیت (اقتیات) نہ ہو، اور جسے زیادہ دن رکھا نہ جا سکے، اور گھن لگا ہوا اناج، یا تر اناج فطرہ میں ناکافی ہے۔ خشک ہو کر دوبارہ خوراک اور ذخیرہ کی صفت پر آ چکا ہو تو کافی ہے۔ اتنا قدیم اناج کہ اس کا مزہ یا رنگ یا بو بدل چکا ہو ناکافی ہے۔ قدیم سستا ہو لیکن تغیر نہ ہو تو کافی ہے۔

جس کا فطرہ ادا کیا جا رہا ہو اس کی بستی میں جو اناج سال بھر غالباً (زیادہ اور عموماً) استعمال ہوتا ہو، اس سے ادا کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ اشیاء کی قیمت علاقہ کے سکّوں میں ادا کی جاتی ہے اور اسی اناج کی طرف لوگوں کا زیادہ میلان بھی ہوگا۔ لہٰذا علاقوں کے اعتبار سے واجب جنس مختلف ہوگی۔ ادا کرنے والا اور جس کی جانب سے ادا کر رہا ہے دونوں الگ الگ مقام پر ہوں تو جس کا فطرہ ادا کیا جا رہا ہے اس کی بستی کا اعتبار ہوگا اور وہیں کے فقراء کو دیا جائے گا۔ (ادا کرنے والے کی بستی کا اعتبار نہ ہوگا)

کسی جگہ مختلف اناج مستعمل ہوں اور کسی کو غلبہ نہ ہو تو اختیار ہے ان میں سے جو چاہے ادا کرے۔ البتہ خوراک کی صلاحیت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا دینا افضل ہے، ان مختلف اناج میں کوئی غالب ہو تو وہی ادا کرے (اس سے کم درجہ کا جائز نہیں)

ادنیٰ اناج واجب ہو تو اس کی جگہ اعلیٰ دینا جائز ہے، کیونکہ اس میں خیر کی زیادتی ہے، اس کے برعکس جائز نہیں ہے، کہ یہ حق سے کم ہے۔

اعلیٰ اور ادنیٰ کی تعیین میں قیمت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اناج کے خوراک اور غذائیت کی صلاحیت کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اناج کی ترتیب اس طرح ہے گیہوں، جو، مکئی، چاول، چنا، اڑد، مسور، لوبیہ، کھجور، خشک انگور، پنیر، دودھ تو گویا فطرہ میں سب سے اعلیٰ گیہوں اور آخر میں دودھ کا درجہ ہے۔

ایک کی جانب سے واجب اناج اور دوسرے کی طرف سے اس سے اعلیٰ نکالنا جائز ہے۔ ایک ہی صاع جدا جنس سے نہیں ادا کر سکتا۔ (یعنی نصف صاع گیہوں اور نصف چاول ادا کرے تو صحیح نہیں ہے) جیسا کہ قسم کے کفارہ میں پانچ اشخاص کو اناج اور پانچ کو لباس دینا کافی نہیں ہے۔ اگر کہیں گیہوں اور جَو ملا کر کھانے کا معمول ہو اور دونوں کی مقدار برابر ہو تو کسی کا بھی ایک صاع ادا کرے ایک زیادہ ہو تو وہ ادا کرے۔ مخلوط دینا کافی نہیں ہے۔

سرپرست (ولی) اپنے مالدار ماتحت (زیر پرستی، مولی) کی جانب سے اپنے مال میں سے فطرہ ادا کر سکتا ہے کیونکہ اسے اس پر ولایت حاصل ہے اور یہ براہِ راست اسے مالک بنانے پر قادر ہے۔ وہ مال دار ہے تو اصل وجوب اس کے مال میں ہے لہٰذا اس میں سے ادا کرنا بھی صحیح ہے۔ اولاد رشید ہوں (یعنی بالغ ہوں اور مالی تصرفات کی صحیح سدھ بدھ رکھتے ہوں) تو اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے فطرہ ادا کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی اجنبی کی طرف سے بغیر اجازت فطرہ ادا کرنا جائز نہیں۔ کوئی شخص کسی کے اخراجات مروتاً برداشت کر رہا ہو (شرعاً واجب نہ ہو) تو اس کا فطرہ اس شخص پر واجب نہیں ہے، اور اس کی اجازت کے بغیر ادا کرے تو ادا نہ ہوگا۔

فطرہ میں قیمت، روٹی، ستو یا آٹا وغیرہ دینا کافی نہیں ہے۔ (نہایۃ المحتاج ۱۲۳/۳)

"الفقہ المنھجی" میں فرمایا: "امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے قیمت ادا کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ بستی کے غالب اناج کا ہی ادا کرنا لازم ہے، البتہ دورِ حاضر میں امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی اتباع کرتے ہوئے قیمت ادا کرنے میں حرج نہیں، کیونکہ آج کل اناج کے مقابلہ میں قیمت فقیر کے لئے زیادہ نفع بخش اور اصل مقصود کے حصول میں بہتر ہے۔" (الفقہ المنھجی ۲۳۰/۱) (لیکن حتی الامکان حدیث کے مطابق اناج ہی دینے کی کوشش کریں اگر کسی جگہ اس پر عمل تقریباً ناممکن ہو تو بدرجہ مجبوری قیمت ادا کریں۔)

باب - زکوٰۃ کن پر واجب ہے۔

زکوٰۃ آزاد مسلمان پر واجب ہے۔ ابتداء سے جو کافر ہے اس پر اس دنیا میں زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں ہے۔ کوئی مسلم دین سے ہٹ جائے (مرتد ہو جائے) اور اس دوران اس پر زکوٰۃ فرض ہو تو دوبارہ اسلام لانے کی صورت میں اس کی ادائیگی لازم ہے۔

بچہ، پاگل یا سفیہ (جس میں مالی تصرف کی صلاحیت نہ ہو) کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ لہٰذا ولی (سرپرست) ان کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ولی کوتاہی کرے تو گنہگار ہوگا اور صاحبِ مال خود اپنے کامل ہونے کے بعد (یعنی بچہ بالغ ہو یا پاگل اچھا ہو جائے اور سفیہ میں سمجھ بوجھ آجائے تو) سابقہ (گذشتہ) سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔

حدیث: (۱) آپ ﷺ سے مروی ہے "جو کسی یتیم کا ولی ہو، وہ اس کے مال میں تجارت کرے، اسے ایسے ہی نہ چھوڑے کہ صدقہ اسے کھا جائے" (یعنی تجارت نہ ہوئی اور ہر سال زکوٰۃ ادا ہوتی رہی تو اسی میں مال ختم ہو جائے گا)۔ ترمذی، دار قطنی، بیہقی) نیز ایجاب زکوٰۃ کے متعلق وارد صحیح احادیث کے اطلاق سے اس کی مزید تائید و تاکید ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے یتیم کے مال میں زکوٰۃ کا وجوب مروی ہے۔ (بیہقی، شافعی) امام مالک نے موطا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور دار قطنی و بیہقی اور ابن عبد البر نے کئی سندوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل فرمایا ہے۔ (تلخیص الحبیر ۱۶۷/۲)

الفقہ المنھجی میں بچے اور پاگل کے مال میں زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل میں فرمایا: "قرآن کی آیات اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مال کا مالک بنایا اور اس میں محروم افراد کا حق مقرر فرمایا اور آپ ﷺ کو حکم فرمایا کہ اپنے وقت میں یہ حق

وصول کریں تاکہ مال کی پاکی اور حفاظت کا باعث بنے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مالکوں کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی، جس طرح کہ مال کی تخصیص نہیں فرمائی۔

آیات: ''**خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً**''(التوبہ:۱۰۳)''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے''

(۲)**وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ** ''(المعارج۔۲۴۔۲۵)

''جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے۔''

اسی طرح بخاری شریف میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل روایت میں یہ لفظ موجود ہے ''**هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ**'' **ترجمہ**: یہ زکوٰۃ کا وہ فریضہ ہے جو آپ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض فرمایا ہے۔'' مسلمان کا لفظ عام ہے، جو بالغ اور نابالغ عاقل و پاگل سبھی کو شامل ہے۔ اور جب تک شارع کی جانب سے تخصیص کی دلیل نہ ہو، عام کو اپنے عموم پر رکھنا ہی اصل ہے۔

امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ''الام'' میں آپ ﷺ کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے ''یتیموں کے مال میں تجارت کرو تاکہ زکوٰۃ اسے ختم نہ کرے۔'' معلوم ہوا کہ بغیر تجارت کے مال کو یوں ہی رکھے تو زکوٰۃ کی وجہ سے ختم ہو گا، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے نکالنے سے ہی ختم ہو گا، اور بغیر وجوب کے اس کے نکالنے کا سوال ہی نہیں، کیونکہ ولی کو ان کے مال میں تبرع کا (بلا معاوضہ دینے کا) اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بچے کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ پاگل بھی بچے کے حکم میں ہے۔ اس لئے اس کو بھی اس پر قیاس کریں گے۔

بالاجماع بچے اور پاگل کی جانب سے صدقۂ فطر واجب ہے، تو جب بچپن اور پاگل پن ان کے بدن کی طرف سے صدقۂ فطر کیلئے مانع (رکاوٹ) نہیں ہے، تو ان کے مال میں زکوٰۃ سے مانع نہ ہونا چاہئے جبکہ وجوبِ زکوٰۃ کے شرائط مکمل ہوں۔

زکوٰۃ کا مقصد فقراء کی حاجت روائی اور مال کی پاکی و صفائی ہے، قطع نظر اس سے کہ مالک کون ہے، جبکہ وہ مسلمان اور اسلامی نظام کا متبع ہو، لہٰذا بچے اور پاگل کے مال سے بھی زکوٰۃ متعلق ہونا چاہئے۔

زکوٰۃ محض ایک بدنی عبادت نہیں ہے، کہ اس کے لئے مکلف ہونا ضروری ہو، بلکہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں مال کا پہلو غالب ہے، جس کے ذریعہ اقتصادی عدل اور بشمولِ کفایت کا تحقق مطلوب ہے۔ لہٰذا اس حکم کی اطاعت میں تمام اصحابِ مال مساوی ہوں گے۔ (الفقہ المنہجی۔۲/۱۸-۲۰)

غصب و قرض وغیرہ میں زکوٰۃ: غصب شدہ مال واپس مل جائے تو اس کی سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔ کسی کا مال گم ہو جائے یا دفن کر کے بھول جائے تو ملنے کے بعد سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔ کسی کے ذمہ قرض ہو یا کوئی چیز اس کے پاس ہو اور وہ انکار کر رہا ہو، اور مستحق فی الحال وصول کرنے پر قادر نہ ہو تو آئندہ جب بھی وہ مال ملے، اس میں گذشتہ ایام کی زکوٰۃ واجب ہے۔

کسی کا مال کہیں دور ہو تو اس میں بھی بصورتِ قدرت زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ کسی چیز کے خریدنے کے بعد قبضہ نہ ہوا ہو، تب بھی اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی، (بقیہ شرائط ہوں تو) کیونکہ ملکیت مکمل حاصل ہو چکی۔ کسی کا کسی پر تجارتی مال یا روپیہ پیسہ کا قرض لازم ہو جس کی واپسی کا وقت ہو چکا ہو اور واپسی ممکن بھی ہو تو فی الحال اُس کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ چاہے وہ واپس نہ لے، کیونکہ وہ واپس لینے پر قادر ہے تو گویا کہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر قرض مؤجّل (مؤخّر) ہو تو غصب کی طرح ہے یعنی قبضہ اور حصول کے بعد زکوٰۃ ادا

کرے۔ اگر قرض غیر لازم ہو یا مویشی کا ہو یا ایسی اشیاء کا جس میں عشر واجب ہے تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (تحفة المحتاج)

مقروض پر زکوٰۃ: کسی کے پاس بقدر نصاب مال ہو تو کسی بھی طرح کا کسی کا کتنا ہی قرض ہو، یہ زکوٰۃ کے وجوب سے مانع نہیں ہے۔ بلکہ زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کے دلائل مطلق ہیں اور اسی مال کا قرض میں ادا کرنا کوئی متعین نہیں ہے۔

ترکہ میں زکوٰۃ: کسی کے ذمہ زکوٰۃ اور انسانی قرض باقی ہو اور اس کا انتقال ہو جائے اور ترکہ میں دونوں کی گنجائش نہ ہو تو اللہ کے قرض کو مقدم کرتے ہوئے زکوٰۃ کو مقدم کریں گے۔ صحیحین کی ایک روایت میں ہے ”اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے“ زکوٰۃ ہی کی طرح حج اور کفارہ وغیرہ دیگر حقوق اللہ کا حکم ہے۔ (یعنی ان حقوق کی ادائیگی مقدم ہوگی)

کسی زندہ شخص کے مال میں یا ترکہ میں مختلف حقوق اللہ (جیسے زکوٰۃ، حج، کفارہ) واجب ہوں، اور سبھی کی گنجائش نہ ہو، تو ہر ایک کو بالتقسیط ادا کریں گے لیکن نصاب موجود ہو تو زکوٰۃ مقدم ہوگی۔

باب - زکوٰۃ کی ادائیگی

زکوٰۃ دیگر واجبات کی طرح فوراً ادا کرنا واجب ہے، جبکہ ادائیگی کی قدرت ہو جائے، کیونکہ مستحقین فی الوقت اس کے محتاج اور ضرورت مند ہیں، تاخیر کرنا حرام ہے۔ البتہ کسی رشتہ دار، پڑوسی، زیادہ محتاج شخص یا افضل شخص کے انتظار میں تاخیر کی اجازت ہے، جبکہ حاضرین کو زیادہ ضرر نہ ہو۔ لیکن اس صورت میں ادا کرنے سے قبل مال تلف ہو جائے تو ضامن ہوگا۔ (اپنے جیب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی)

قدرت کی صورتیں: غائب مال، مغصوبہ مال وغیرہ اپنے پاس آجائے، زکوٰۃ لینے والے موجود ہوں، پھل خشک ہو جائے، اناج اور معدنیات کی صفائی ہو جائے، مالک اہم دینی یا دنیوی امر جیسے نماز یا کھانے میں مشغول نہ ہو، کسی ایک جگہ موجود غائب مال تک پہنچ سکتا ہو، فی الحال واجب الاداء قرض حاصل کر سکتا ہو، کسی پر مفلسی کی وجہ سے حکومت نے تصرفات کی پابندی عائد کر دی ہو اور اس کے ذمہ زکوٰۃ ہو تو اس پابندی کے ہٹنے کے بعد (اسے ادا کرنا واجب ہے) اسی طرح کرایہ جتنا پختہ ہو جائے اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔ مثلاً گھر چار سال کے لئے ۱۰۰ دینار کرایہ پر دے دے اور کرایہ مکمل ۱۰۰/ دینار لے لے تو پھر سال کے گذرنے پر جتنا کرایہ یقینی ہو چکا اس کی زکوٰۃ نکالنا کافی ہے۔ کیونکہ بقیہ کرایہ میں ملکیت ضعیف ہے۔ اگر گھر منہدم ہو جائے تو آئندہ کا کرایہ واپس کرنا ہوگا۔ لہٰذا اس مثال میں پہلا سال گزرنے پر صرف ۲۵/ دینار کی زکوٰۃ نکالے اسی طرح آگے بھی۔

مہر کا جماع وغیرہ کے ذریعہ پختہ ہونا ضروری نہیں ہے، لہٰذا نکاح میں ۲۰/ دینار مہر مقرر ہوئی تو سال مکمل ہونے پر اس میں زکوٰۃ واجب ہے، چاہے ابھی جماع نہ ہوا ہو، یا بیوی کو ادا نہ کی گئی ہو۔

تنبیہ: مہر میں زکوٰۃ کے مسئلہ پر توجہ کی ضرورت ہے، کبھی سالہا سال تک مہر ادا نہیں کی جاتی، لیکن بیوی کی ملکیت اس پر مکمل ہے، اس لئے اگر شرائط موجود ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر بیوی ابھی حاصل کر سکتی ہو تو ابھی واجب ہے۔ اگر شوہر نہ دے تو جب بھی دے سابقہ ایام کی زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ واجب ہونے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی پر قدرت سے پہلے ہی مال تلف ہو جائے تو مالک پر کوئی ضمان نہیں ہے۔ لیکن مالک خود تلف کرے یا قدرت کے بعد موخر کرے اور تلف ہو جائے تو مالک کو ضمان لازم ہے۔ عدمِ تلف کی صورت میں جو زکوٰۃ دینی تھی اب بھی دینا لازم ہے، کیونکہ مستحقین کو ادا کرنے میں تاخیر اس کی غلطی ہے۔

مالِ باطن: سونا، چاندی، تجارتی اسباب، خزانہ

مالِ ظاھر: مویشی، کھیتی باڑی، پھل اور معدن

صاحب مال خود یا وکیل کے ذریعہ اپنے ظاہری و باطنی دونوں مال کی زکوٰۃ براہ راست مستحقین کو ادا کر سکتا ہے۔ لیکن ظاہر مال کی زکوٰۃ امام (اسلامی حکومت کا ذمہ دار) طلب کرے تو اس کے حوالہ کرنا واجب ہے۔ امام باطنی مال کی زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں کر سکتا، البتہ امام کو علم ہو کہ مالک باطنی مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کر رہا ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اسے حکم دے کہ خود ادا کرو یا ہمارے حوالہ کرو۔ صدقۂ فطر مالِ باطن کے حکم میں ہے۔

صاحب مال زکوٰۃ امام کے حوالہ بھی کر سکتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ اور خلفائے راشدین ساعی (عامل) کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے روانہ فرماتے تھے۔ خود تقسیم کرنے کے بجائے امام کے سپرد کرنا افضل ہے۔ کیونکہ وہ مستحقین سے زیادہ واقف ہے افضل اس وقت ہے جبکہ امام زکوٰۃ کی تقسیم ایمانداری اور عدل سے کرتا ہو، ورنہ خود تقسیم کرنا بہتر ہے۔ تقسیم کے لئے وکیل کے سپرد کرنے سے خود مالک کا تقسیم کرنا افضل ہے۔

نیت: زکوٰۃ میں نیت واجب ہے۔ دیگر نیتوں کی طرح یہاں بھی واجب دل سے نیت کرنا ہے۔ جیسے یہ زکوٰۃ ہے، یہ فرض صدقہ ہے، یہ میرے مال کا فرض صدقہ ہے۔

صرف میر امالی فرض کافی نہیں، کیونکہ یہ کفارہ اور نذر بھی ہو سکتا ہے اور نہ میر امالی صدقہ کافی ہے۔ کیونکہ صدقہ نفل بھی ہوتا ہے نیت میں کس مال کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، اس کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ۲۰۰/ درہم حاضر اور ۲۰۰ درہم غائب تھے۔ اور مالک نے ۵/ درہم مطلق زکوٰۃ کی نیت سے ادا کئے۔ پھر پتہ چلا کہ غائب مال تلف ہو چکا ہے تو اس ادا کردہ زکوٰۃ کو حاضر کی جانب سے قرار دے سکتا ہے۔ لیکن زکوٰۃ ادا کرتے وقت مخصوص مال کی تعیین کرے، تو وہ زکوٰۃ دوسرے مال کی طرف سے شمار نہیں ہو سکتی مذکورہ مثال میں ۵/ درہم زکوٰۃ میں غائب مال کی تعیین کر چکا تھا۔ تو اب اسے حاضر کی جانب نہیں پھیر سکتا۔ (حاضر کی زکوٰۃ مستقل ادا کرنی ہوگی) لیکن تعیین کے ساتھ یہ بھی نیت ہو کہ وہ معین مال تلف شدہ ہو تو پھر دوسرے مال کی طرف سے اور وہ تلف شدہ ظاہر ہو تو دوسرے مال کی طرف سے شمار ہو گا۔ یہاں غائب سے اس مجلس سے غائب ہونا مراد ہے، نہ کہ بستی سے، اس بناء پر کہ زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ اپنی جگہ مسئلہ آجائے گا۔

ولی اپنے بچے یا پاگل کی زکوٰۃ ادا کرے تو اسے نیت لازم ہے بغیر نیت کے ادا کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور اس پر ضمان لازم ہو گا۔ سفیہ کا ولی نیت اس کے سپرد کر سکتا ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار کو اپنے مال سے جدا کرتے وقت یا ادا کرتے وقت یا دونوں کے درمیان یا امام یا وکیل کے سپرد کرتے وقت نیت کافی ہے۔ امام اور وکیل بھی مستحقین کو دیتے وقت نیت کر لیں تو افضل ہے۔ تقسیم کے لئے جسے وکیل بنایا نیت میں بھی اسے وکیل بنا سکتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی اجازت کے بغیر امام یا کسی اور کا نیت کر لینا کافی نہیں ہے۔ لیکن کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے، اور امام جبراً اس سے زکوٰۃ وصول کرے تو امام کو نیت لازم ہے اور یہ نیت کافی ہے۔ اسے مالک کی نیت کے قائم مقام شمار کریں گے۔

مالک زکوٰۃ کی نیت سے دے اور لینے والا نفلی صدقہ یا ہدیہ وغیرہ کی نیت سے لے تو زکوٰۃ ادا ہو گی، جبکہ وہ مستحق ہو۔

حکومت کے ٹیکس زکوٰۃ کی نیت سے ادا کرنے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

کسی پر ۵/ درہم زکوٰۃ ہو اور وہ ۱۰/ درہم زکوٰۃ اور نفلی صدقہ کی نیت سے ادا کرے، تو تمام نفلی صدقہ شمار ہو گا، زکوٰۃ ادا نہ ہو گی، کیونکہ اس نے فرض و نفل کو مشترک کر دیا، جو مضر ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۲/۲۹۷)

تعجیل زکوٰۃ (قبل از وقت زکوٰۃ ادا کرنا)

حدیث: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل از وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت چاہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ (احمد، اصحاب سنن، حاکم، دارقطنی، بیہقی، تلخیص الحبیر ۲/۱۷۱)

کوئی شخص نصاب کا مالک ہو تو سال مکمل ہونے سے قبل زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ کسی نے مالِ تجارت نصاب سے کم مالیت کا بھی خریدا (۲۰۰/ درہم سے کم مالیت کا سامان) ہو، تو وہ سال سے قبل زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے، جبکہ سال کی تکمیل پر مالیت نصاب تک پہنچ چکی ہو یا ۲۰۰/ درہم مالیت کی اشیاء خرید کر تکمیل سال سے قبل ہی ۴۰۰/ درہم کی زکوٰۃ ادا کرے اور سال مکمل ہونے پر مالیت ۴۰۰/ درہم ہو چکی ہو تو یہ زکوٰۃ ادا کرنا معتبر ہو گا، کیونکہ تجارت میں صرف سال کے آخر میں نصاب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

ایک سال سے زائد کی زکوٰۃ ابھی نہیں دے سکتا، کیونکہ ابھی دوسرا سال شروع ہی نہیں ہوا اور انعقاد حول (سال شروع ہونے) سے قبل تعجیل جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ تجارت کے علاوہ اشیاء میں نصاب کی تکمیل سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا کسی کے پاس صرف ۱۰۰/ درہم ہو اور وہ ۵/ درہم بطورِ زکوٰۃ دے، تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ وجوب کا سبب (نصاب) نہیں پایا گیا۔ دو سال کی زکوٰۃ معجل دے تو صرف پہلے سال کی طرف سے کافی ہو گی۔ بیہقی کی روایت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سالہ زکوٰۃ لینے کا جو ذکر ہے، تو وہ روایت منقطع ہے۔ اگر معتبر فرض کریں تو یہ تاویل ہو گی کہ دو سال میں وصول کی۔ صدقۂ فطر ماہِ رمضان شروع ہونے کے بعد دے سکتا ہے، چاہے بالکل ہی ابتداء میں دے۔ کیونکہ فطرہ رمضان اور فطر (رمضان کا اختتام) ان دو اسباب سے واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک سبب (رمضان) پائے جانے کے بعد ادا کرنا معتبر ہو گا۔ رمضان سے قبل ادا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ دونوں سببوں پر مقدم ہو گا۔

پیداوار کی زکوٰۃ وجوب کے وقت سے قبل جائز نہیں ہے، مسئلہ گزر چکا کہ پھلوں میں وقتِ وجوب بُدُوِّ صَلَاح (پختگی) اور اناج میں دانوں کا سخت ہونا ہے، کیونکہ وقتِ وجوب سے قبل اس کی مقدار کا کوئی اندازہ نہیں ہو پائے گا۔

مُعَجَّل زکوٰۃ صحیح اور کافی ہونے کی شرائط: مستحق میں زکوٰۃ لیتے وقت اور واجب ہوتے وقت استحقاق کی صفت موجود ہو، درمیان میں یہ صفت نہ ہو تو حرج نہیں، مثلاً اب درمیان میں اسلام چھوڑ بیٹھا، لیکن سال مکمل ہونے سے قبل پھر اسلام لے آیا، اسی طرح سال کی تکمیل پر یا اس سے قبل وہ غائب ہو جائے اور اس کا زندہ رہنا یا محتاج ہونا معلوم نہ ہو تو یہ کافی ہے۔ مالک کا زکوٰۃ کی ادائیگی سے وجوب تک صفتِ وجوب پر باقی رہنا ضروری ہے۔

اگر دونوں میں سے کوئی وقت وجوب سے قبل مر جائے، یا مستحق مرتد ہو جائے، یا مال تلف ہو جائے، یا فروخت کیا جائے (جبکہ مال تجارت نہ ہو) تو معجل زکوٰۃ میں شمار نہ ہو گی۔ اگر معجل زکوٰۃ تلف ہو جائے تو حرج نہیں۔

صرف معجل زکوٰۃ کی وجہ سے یا معجل زکوٰۃ اور دوسرے مال کی وجہ سے لینے والا غنی (مالدار) ہو چکا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ زکوٰۃ دینے کا مقصد ہی اسے بے نیاز کرنا ہے۔ لہٰذا جو مقصود ہو، وہ کافی ہونے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ معجل زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال کی وجہ سے غنی ہو چکا ہو تو معجل زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔

مذکورہ شرائط میں سے کسی کی کمی کی وجہ سے جب معجل زکوۃ معتبر اور ادا نہ ہو تو سامنے والے سے اسے واپس لے لیں گے، جبکہ وہ چیز موجود ہو، ورنہ اس کا بدل بصورت مثل یا قیمت وصول کیا جائے گا، تلف کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہ ہو گا، بلکہ مستحق کے قبضہ کے وقت کا اعتبار ہو گا۔ کیونکہ اضافہ مستحق کی ملکیت میں حاصل ہوا اور اس کا وہ ضامن نہ ہو گا۔.....زیادتی جیسے دودھ اور اولاد وغیرہ کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ واپسی کے سبب سے قبل پایا گیا ہو مستحق نے اب تک زکوۃ کے جانور کا جو دودھ استعمال کیا یا اس جانور کو بچہ پیدا ہوا تو یہ مستحق کا ہے اسے مالک کو واپس لوٹانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ اضافہ اصل شئی سے جدا ہے، لیکن متصل زیادتی جیسے موٹاپا اور عمر کی زیادتی واپس لوٹائی جائے گی (اتنی مدت میں مستحق کے پاس جانور موٹا تازہ ہو چکا ہے اور اس کی عمر بڑھ چکی جس سے قیمت بھی بڑھ جائے گی، تب بھی مکمل جانور لوٹائیں گے۔ موٹاپے یا عمر کے اضافہ کا کچھ بدلہ اسے نہ ملے گا) اسی طرح واپسی کے سبب سے قبل اس میں جو نقص پیش آئے (جیسے جانور کا بیمار ہونا یا ہاتھ پیر وغیرہ کٹنا) اس کا تاوان ادا کرنے کی ضرورت نہیں (ناقص حالت میں صرف وہ شئی لوٹادے) لیکن لیتے وقت یہ زکوۃ کا مستحق نہیں تھا، تو زیادتی اور نقصان کا تاوان دونوں لوٹائے۔ واپسی کے سبب کے بعد کی زیادتی اور نقصان کا تاوان لوٹایا جائے گا۔

مذکورہ صورتوں میں معجل زکوٰہ واپس لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ ادا کرتے وقت یہ شرط لگادی ہو کہ کسی مانع کے پیش آنے کی صورت میں واپس لے لوں گا۔ یا یہ صراحت کر دی ہو کہ یہ زکوۃ معجل ہے یا کسی اور ذریعہ سے لینے والے کو اس کا علم ہو کہ یہ معجل زکوۃ ہے۔ تعجیل کا علم ادا کرتے وقت یا بعد میں لیکن اس میں تصرف کرنے سے پہلے ہونا لازم ہے، اگر ان میں سے کوئی شرط نہیں پائی گئی تو واپس نہیں لے سکتا، بلکہ وہ نفلی صدقہ شمار ہو گا۔

مالک اور مستحق کے مابین اختلاف ہو کہ واپسی کی شرائط پائی گئیں یا نہیں تو مستحق کو (اور وہ مر چکا ہو تو اس کے وارث کو) قسم دلائی جائے گی اور پھر اس کی تصدیق کریں گے (یعنی مال اسی کے پاس رہے گا واپس نہیں کیا جائے گا)

کل مال میں زکوۃ کا تعلق: جس مال میں زکوۃ واجب ہو زکوۃ کا اس مال سے شرکت کا تعلق ہوتا ہے۔ (گویا کہ مستحقین زکوۃ کی مقدار میں صاحب مال کے شریک اور پارٹنر ہیں) کیونکہ اگر مالک خود زکوۃ نہ دے تو امام جبراً اس سے وصول کرتا ہے جیسا کہ بعض شرکاء کے تقسیم سے انکار کی صورت میں جبراً مشترک مال شرکاء کے درمیان تقسیم کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مالک دوسرے مال سے زکوۃ ادا کرے تو ادا ہو جائے گا، کیونکہ اس کی بنیاد تساہل اور نرمی اور نفع رسانی پر ہے۔

چونکہ زکوۃ کا تعلق شرکت کی طرح ہے، اس لئے جس مال میں زکوۃ واجب ہو چکی ہو، اسے کچھ یا مکمل فروخت کرے تو زکات کی مقدار میں بیع (فروخت) باطل ہو گی، چاہے پہلی صورت میں بقدرِ زکوۃ باقی رکھے، کیونکہ مستحقین کا حق تمام مال میں شائع (پھیلا ہوا) ہے، لہٰذا جتنا بھی فروخت کرے، مالک اور مستحقین دونوں کا اس میں حق ہے، البتہ فروخت کے وقت زکوۃ کے مقدار کو مستثنیٰ رکھے اور سامنے والے کو اس کی مقدار کا علم بھی ہو، تو بقیہ میں لین دین صحیح ہے۔

مالِ تجارت کو وجوبِ زکوۃ کے بعد بھی فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بیع باطل نہ ہو گی، کیونکہ تجارت کی زکوۃ بجائے تجارتی اشیاء کے ان کی قیمت میں واجب ہے، جو بیع کی وجہ سے فوت نہ ہو گی، لیکن اگر بلا معاوضہ مال تجارت دے تو اتنی مقدار میں باطل ہے، مثلاً ۴۰/ مثقال کی چیز ۲۰/ مثقال میں فروخت کرے تو نصف مثقال کی چیز میں بیع باطل ہے، جو بقیہ ۲۰/ کے زکوۃ کی مقدار ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ (زکوٰۃ کے مستحقین)

آیت: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَاۤءِ وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا وَالۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ وَفِی الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِیۡنَ وَفِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ "(سورہ توبہ۔۶۰)

ترجمہ: "(فرض) صدقات تو صرف (ان لوگوں کا حق ہے) غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں (صرف کیا جاوے) اور قرضداروں کے قرضہ (ادا کرنے) میں اور جہاد کرنے (والوں کے سامان) میں اور مسافروں کی (امداد) میں۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور بڑے حکمت والے ہیں۔"

احادیث: (۱) دو حضرات آپ ﷺ کی خدمت میں صدقہ (زکوٰۃ) مانگنے حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا "تم چاہو تو میں دے دوں۔ اس میں کسی مالدار یا قوی کمانے والے کا کوئی حق نہیں ہے۔"(احمد، ابوداؤد، نسائی، دارقطنی)

(۲) "صدقہ کسی مالدار اور قوی صحیح الاعضاء شخص کے لئے حلال نہیں ہے"۔(نسائی، دارقطنی، ابن حبان، حاکم)

(۳) "صدقہ صرف ان پانچ افراد کو حلال ہے: اللہ کے راستے میں غزوہ کرنے والا، یا عامل، مقروض یا جو شخص اپنے مال سے خریدے یا وہ شخص جس کے مسکین پڑوسی کو صدقہ ملے اور وہ اس غنی کو ہدیہ میں دے۔"(ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، مالک، احمد، ابن خزیمہ، دارقطنی، بیہقی)

(۴) "زکوٰۃ پر برحق عامل گھر لوٹنے تک فی سبیل اللہ غازی کی طرح ہے۔"(ابوداود، ترمذی)(مشکوٰۃ)

مستحقین زکوٰۃ کے متعلق مذکورہ آیات میں پہلے چار مستحقین کی طرف زکوٰۃ کو لامِ ملک کے ذریعہ اور بقیہ چار کی طرف ظرفیت کے فی کے ذریعہ منسوب کیا گیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ پہلے چاروں میں مطلق ملکیت کافی ہے اور آخری چاروں میں مذکورہ مقاصد کے لئے ملکیت ہے۔ لہٰذا ان میں متعلقہ مقاصد میں صرف نہ ہوا تو واپس لے لیا جائے گا۔ بخلاف پہلے چاروں مستحقین کے۔

زکوٰۃ آٹھ قسم کے لوگوں کا حق ہے

۱) **فقیر:** جس کے پاس اتنا مال نہ ہو اور نہ اس کے مناسب کمائی کا ایسا ذریعہ ہو جس کی آمدنی اس کی ضروریاتِ زندگی کے لئے کسی بھی درجہ میں کفایت کر جائے اگر اس کے مناسب حال حلال آمدنی کا ذریعہ (نوکری وغیرہ) ممکن ہو، اور وہ اسے اختیار نہ کرے تو اسے زکوٰۃ نہ دے۔ ضروریات میں کھانا پینا، لباس اور مکان وغیرہ ضروریات داخل ہیں جو کہ اس کے اور زیر کفالت افراد کے مناسب ہوں۔ مثلاً کسی کو ۱۰/روپئے کی ضرورت ہو اور اس کا مال یا کمائی صرف ۲، ۳ یا ۴ روپئے ہوں، (یعنی نصف سے کم ہو) چاہے اس کا مال بقدر نصاب یا کم و بیش ہو، (لیکن اس کے مصارف اور ضروریات کے اعتبار سے اوپر کی تفصیل میں داخل ہو تو وہ فقیر کہلائے گا)

اپاہج ہونا یا اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا فقیر کے لئے ضروری نہیں ہے، یعنی جو صحیح الاعضاء ہو اور کسی سے سوال نہ کرتا ہو، لیکن اوپر کی تفصیل پائی جارہی ہو تو وہ فقیر ہے۔

۲) **مسکین:** اوپر کے مقابلہ میں اس کی ضروریات زندگی کے لئے کسی درجہ میں کفایت کر جاتا ہے، لیکن اطمینان سے کافی نہیں ہوتا۔ جیسے اصل ضرورت ۱۰/روپئے کی ہو لیکن صرف ۷، ۸ روپئے ہو (یعنی نصف سے زائد ہو) فقیر اور مسکین دونوں کے غالب عمر کی

کفایت مُراد ہے۔ مناسب ذریعہ آمدنی کہنے سے غیر مناسب خارج ہو جاتا ہے وہ نہ ہونے کی طرح ہے۔ اس کا اعتبار نہ ہو گا۔ (یعنی اس شخص کے لئے نامناسب کمائی کا ذریعہ ہو اور وہ نہ اختیار کرے تو زکوٰۃ دے سکتے ہیں)

کسی کے پاس بھلے مال نہ ہو، لیکن شرعاً اس کا نفقہ دوسرے پر واجب ہو جیسے شوہر، والدین یا اولاد اور وہ ساری ضروریات پوری کریں، تو یہ فقیر و مسکین شمار نہ ہو گا۔ اور اُسے زکوٰۃ نہیں دے سکتے، کیونکہ یہ غیر محتاج ہے، جیسا روز اپنی ضروریات کے بقدر کمانے والا، لیکن مذکورہ ذمہ دار نفقہ اور خرچ نہ دے سکے یا نہ دے یا ناکافی مقدار دے، تو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ کوئی نفلی عبادتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے کما نہ سکے تو یہ فقیر نہ شمار ہو گا۔ لیکن کوئی شرعی علوم کی تحصیل میں مشغول ہو اور اس میں اس کی صلاحیت بھی ہو اور کمانا طلبِ علم میں حرج ڈالتا ہو تو اسے بحیثیت فقیر یا مسکین زکوٰۃ دے سکتے ہیں کیونکہ دینی علوم کا حصول فرض کفایہ ہے۔

کسی شخص کے پاس اس کے مناسب مکان، کپڑے اور کتابیں (جن کی اسے ضرورت ہو) موجود ہوں، تب بھی وہ فقیر شمار ہو گا۔ کسی کا مال دو مرحلہ (منزل) یا اس سے دور ہو تو مال ملنے تک یا کسی کے ذمہ اس کے موٴجل قرض (موخر اور بعد میں ملنے والا قرض ہو تو ادائیگی کا وقت آنے تک ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، کیونکہ فی الحال یہ فقیر یا مسکین شمار ہونگے۔)

۳) **عامل:** اسلامی حکومت کی جانب سے اجتماعی طور پر زکوٰۃ کے جمع و تقسیم کا نظم ہو، تو اس سلسلہ میں کام کرنے والے افراد مثلاً ساعی (زکوٰۃ جمع کرنے والا)، منشی (جو ان تفاصیل کو لکھے) اور حاسب (حساب کتاب لکھنے والا) عامل کہلائیں گے۔ اور ان کی تنخواہ زکوٰۃ سے ادا کی جائے گی۔ (گرچہ وہ امیر ہوں) امام کے وصولیابی کے بعد مال کی حفاظت اور جانوروں کے چرانے کا خرچ کل مالِ زکوٰۃ سے ادا کرے (صرف عامل کے حصہ سے نہیں)، مالک کے مال سے زکوٰۃ کی مقدار الگ کرنے کے لئے وزن، ناپ یا شمار کرنے والوں کی اجرت مالک کے ذمہ ہے۔ یہی کام زکوٰۃ کے مال میں مستحقین کے حصوں کی تقسیم کے لئے عمل میں آئے تو اس کی اجرت عامل کے حصہ سے ادا ہو گی۔ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ امام (اسلامی حکومت کا ذمہ دار) مالِ زکوٰۃ جمع کر کے تقسیم کرے اور عامل کے لئے بیت المال سے جدا تنخواہ نہ رکھے۔ اگر مالک خود ہی زکوٰۃ تقسیم کر دے یا امام عامل کو بیت المال سے معاوضہ دے تو عامل کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ قاضی (جج) اور حاکم و گورنر کا عامل میں شمار نہ ہو گا اور زکوٰۃ میں ان کا حق نہیں ہے، بلکہ ان کی تنخواہ مال غنیمت کے اس خمس سے ادا ہو گی جو مصالح عامہ کی خاطر ہو۔

(۴) **مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوبُ** (جن کی تالیف قلب اور محبت مقصود ہو) ان کی چار قسمیں ہیں۔

ا) وہ نو مسلم جو ابھی اسلام میں پختہ نہ ہو، اسے زکوٰۃ سے تعاون کریں گے تا کہ ایمان پر جم جائے۔

۲) وہ نو مسلم جو پختہ ہو لیکن اپنے قوم کے شریف (اور ذمہ دار) لوگوں میں سے ہے، اور اس کے تعاون سے دیگر ہم قوم کے افراد کے اسلام کی توقع ہو تو اسے بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔

۳) وہ مسلمان جو اپنے قرب وجوار کے مانعینِ زکوٰۃ (زکوٰۃ نہ دینے والے) کی طرف سے کفایت کرے اور انہیں ڈرا کر یا ان سے لڑ کر زکوٰۃ امام تک پہنچائے۔

۴) وہ مسلمان جو اپنے قرب وجوار کے کفار اور باغیوں سے قتال کر کے مسلمانوں کو ان کے شرور سے بچائے۔

آخری دونوں قسموں کو زکوٰۃ اس وقت دیں گے جب کہ اس مقصد کے لئے باقاعدہ فوج روانہ کرنے کے مقابلہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں زیادہ سہولت ہو۔ اسی طرح ان دو قسموں کا مذکر ہونا شرط ہے۔ پہلی دو قسموں میں یہ شرط نہیں ہے۔ موٴلفۃ القلوب امیر بھی ہو تو اسے

زکوٰۃ دی جائے گی۔

یہ تفصیلات مولفۃ المسلمین کی تھیں۔ کسی کافر کو اس کے اسلام کی امید پر یا اس کے شر کے ڈر سے زکوٰۃ یا کسی اور مد سے مال دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت و قوت اور سربلندی عطا فرمائی ہے اور ان کی تالیف سے بے نیاز کر دیا ہے۔ لیکن اگر مسلمان ایسی مصیبت میں پھنس جائیں کہ ان کو مال دینے پر مجبور ہو جائیں تو گنجائش نکل آئے گی۔

۵)**مُکَاتَبْ کی آزادی میں**: وہ غلام جو صحیح مُکاتَب ہو اور خود زکوٰۃ ادا کرنے والے کا غلام نہ ہو، ان کو بدل کتابت کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ سے تعاون کریں گے، جبکہ ان کے پاس مکمل رقم نہ ہو، ان کے آقاؤں کی اجازت یا رقم کی ادائیگی کا وقت ہونا ضروری نہیں ہے۔

۶)**مقروض** (غارم):- اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱) جس نے اپنی مباح ضرورت کے لئے قرض لیا ہو، اطاعت کا کام ہو یا نہ ہو، اور چاہے بعد میں غلط کام میں صرف کیا ہو، لیکن یہ معلوم ہو کہ لینا مباح مقصد کے لئے تھا، یا کسی نے غلط کام مثلاً شراب کے لئے قرض لیا اور اب تائب ہو چکا ہے اور بظاہر توبہ میں سچا ہے، بھلے ہی زیادہ مدت نہ گزری ہو، یا غلط کام کے لئے لینے کے بعد (اس میں صرف نہ کرے) بلکہ مباح کام میں استعمال کرے، تو ان لوگوں کو بصورتِ حاجت زکوٰۃ دی جائے۔ یعنی قرض کی ادائیگی کا وقت آجائے اور ان کے پاس ادائیگی کی سبیل نہ ہو۔ اگر حاجت نہ ہو تو زکوٰۃ نہ دے۔

اگر گناہ کے کام کے لئے قرض لیا اور اس میں صرف بھی کیا اور ابھی تائب نہیں ہوا تو اسے زکوٰۃ نہ دی جائے۔

۲) مسلمانوں کے دو گروہوں میں کسی مسئلہ پر لڑائی کا خطرہ ہو، مثلاً کسی مقتول کے قاتل کے متعلق اختلاف ہو، جس کے نتیجہ میں لڑائی کا اندیشہ ہو، اور کوئی قرض لے کر مقتول کی دیت ادا کر دے، تا کہ فتنہ اور لڑائی ٹل جائے، تو اسے قرض کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ دی جائے گی۔ چاہے وہ شخص مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہاں اگر فقر کا اعتبار کریں گے تو لوگ ایسے اہم کاموں میں آگے نہیں بڑھیں گے۔ اگر اس نے قرض نہیں لیا، بلکہ اپنے ذاتی مال سے ادا کیا، یا قرض لیا تھا لیکن اسے اپنے ذاتی مال سے چکا دیا تو اب اسے زکوٰۃ نہیں دیں گے۔

۳) کوئی شخص کسی دوسرے کے قرض کا ضامن بنے اور کسی تیسرے سے قرض لے کر ضامن اسے ادا کرے تو اس صورت میں اگر اصل مقروض (اصیل) کی اجازت کے بغیر ضامن بنا ہو اور ضامن غریب ہو، یا اجازت سے ضامن رہا ہو اور دونوں غریب ہوں، تو قرض کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ سے تعاون کیا جائے گا۔ اجازت سے ضامن ہو اور اصیل امیر ہو، تو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ مقروض کے مد سے جب ضامن کا قرض ادا ہو تو وہ اصیل سے نہیں لے سکتا۔

جو مصالح عامہ مثلاً مہمان نوازی، قیدی کی رہائی اور مسجد کی تعمیر جیسے امور کے لئے قرض لے، اسے زکوٰۃ دی جائے، گرچہ وہ امیر ہو۔ (فتح المعین مع الترشیح ۱۵۴)

۷)**فی سبیل اللّٰہ**:- اس کا لغوی مفہوم ہے اللہ تک پہنچانے والا راستہ، پھر اس کا بکثرت استعمال جہاد کے لئے ہونے لگا، کیونکہ یہ شہادت کا سبب ہے جو اللہ سے ملاتی ہے پھر بلا معاوضہ مجاہدین پر اس کا اطلاق ہوا، کیونکہ یہ اوروں سے افضل ہیں۔

یہاں فی سبیل اللہ سے وہ غازی مراد ہیں جو اللہ کے راستہ میں بلا معاوضہ جہاد کے لئے جائے، لہٰذا اس کو غزوہ پر تعاون کے طور پر

زکوۃ دی جائے گی، گرچہ وہ امیر ہو، جس مجاہد کو فئی کے مال سے تنخواہ اور روزی ملتی ہو اسے زکوۃ نہیں دی جائے گی، اگر فئی کا مال نہ ہو، تب بھی زکوۃ نہ دے بلکہ اس کی اعانت و امداد مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

۸) **ابن سبیل** (مسافر): جو زکوۃ کی بستی سے سفر شروع کر کے کہیں جا رہا ہو یا بطورِ مسافر وہاں سے گذر رہا ہو، اور معصیت کا سفر نہ ہو، تو بصورتِ احتیاج اسے زکوۃ دی جائے۔ گرچہ کہیں اور اس کا مال موجود ہو، چاہے طاعت کا سفر ہو جیسے حج و زیارت یا مباح سفر ہو جیسے تجارت وغیرہ۔ اگر اس کے پاس اشیاء ضروری موجود ہوں، یا معصیت کا سفر ہو یا بلا کسی صحیح مقصد کے آوارہ گردی کر رہا ہو تو ایسے مسافروں کو زکوۃ نہ دی جائے۔

مستحقین کے شرائط:

۱) **آزادی:** مکاتب کے علاوہ دیگر کسی غلام کا زکوۃ میں کوئی حق نہیں ہے۔

۲) **اسلام۔** کافر کا زکوۃ میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ صحیحین کی حدیث میں ہے

"ان کے (مسلمانوں کے) اغنیاء سے لے کر انہیں کے فقراء کو دی جائے گی۔" البتہ حمال اور ناپ تول وغیرہ کے لئے کافر کو عامل کے مد سے مزدوری پر رکھ سکتے ہیں، کیونکہ یہ بطور اجرت اور مزدوری ہے زکوۃ نہیں ہے۔

۳) **ھاشمی یا مطلبی نہ ھو:** ہاشمی یا مطلبی سادات کو زکوۃ حلال نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "یہ صدقات (زکوۃ) تو لوگوں کا میل کچیل ہے اور یہ نہ محمد ﷺ کے لئے حلال ہے اور نہ آلِ محمد ﷺ کے لئے" (مسلم شریف) اور فرمایا: "اے اہل بیت! میں تمہارے لئے صدقات میں سے کچھ بھی حلال نہیں قرار دیتا اور نہ ہاتھوں کا غُسالہ (یعنی دھوون، مراد قلیل مقدار یا زکوۃ ہے) تمہارے لئے خمس کے خمس میں اتنا حق ہے جو تم کو کافی ہو جائے یا مستغنی کر دے"۔ (طبرانی)

ان حضرات کو خمس کا خمس نہ بھی ملے تو زکوۃ نہ دی جائے۔ دیگر واجبات جیسے نذر اور کفارہ کا بھی یہی حکم ہے۔ نفلی صدقات ان کے لئے حلال ہے، لیکن آپ ﷺ کے مقام عالی کی وجہ سے آپ پر یہ سب حرام تھا لیکن ہدیہ حلال تھا۔ (کیونکہ وہ بطور اکرام دیا جاتا ہے)

ہاشمی یا مطلبی کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کو بھی زکوۃ حلال نہیں ہے، ایک روایت ہے: "کسی قوم کا مولیٰ بھی انہیں کا ایک فرد شمار ہوگا۔" (صححہ الترمذی وغیرہ)

کئی متقدمین و متاخرین فقہاء کرام نے جب سادات کو بیت المال سے خمس کا خمس نہ ملے تو زکوۃ دینا جائز قرار دیا ہے، جن میں اصطخری، ھروی، ابن یحییٰ، ابن ابی ہریرہ، فخر رازی، قاضی حسین، ابن شکیل ابن زیاد، ناشری اور ابن مطیر داخل ہیں۔ (بغیۃ المسترشدین ص ۱۰۶)

فقہ منہجی میں بھی حالات حاضرہ کے تحت سادات کو زکات کی ادائیگی کے جواز پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ ان کا حق خمسِ خمس ان کو ملتا نہیں، تب زکات بھی نہ دینا ان کے لئے بربادی کا باعث ہے۔ (الفقہ المنہجی ۲/۶۷)

فاسق کو زکوۃ دینا جائز ہے، البتہ معلوم ہو کہ وہ گناہ میں صرف کرے گا تو دینا حرام ہے۔ جو بلوغ کے وقت سے سستی کی وجہ سے نماز ترک کرتا ہو یا بچہ یا پاگل ہو تو ان کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب شرعاً مجور (تصرفات سے روکے ہوئے) ہیں۔ لہٰذا ان کی زکوۃ ان کے ولی (سرپرست اور ذمہ دار) کے حوالہ کرے۔

اگر فقیر یا مسکین اپنے مناسب اسباب معیشت اختیار کر کے گذر بسر کی آمدنی حاصل کر سکتے ہوں (چاہے سستی کی وجہ سے نہ کریں

) تو ان کو زکوٰۃ دینا اور ان کا قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

رشتہ داروں کو زکوٰۃ: جن لوگوں کا نفقہ (مصارف) زکوٰۃ ادا کرنے والے کے ذمہ واجب ہو وہ انہیں زکوٰۃ نہیں دے سکتا، کیونکہ اس نفقہ کی وجہ سے وہ غیر محتاج ہیں اور ان کو دینا خود اپنے آپ کو دینے کی طرح ہے، کیونکہ اس کا فائدہ اسی کی طرف لوٹ رہا ہے، لہٰذا والدین یا دادا، دادی، نانا، نانی اوپر تک، ان کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، کیونکہ ان کا نفقہ فرع (اولاد) پر واجب ہے، اسی طرح نابالغ اولاد یا بالغ لیکن پاگل یا اپاہج اولاد کو اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا، کیونکہ ان کا نفقہ باپ دادا پر واجب ہے، شوہر، بیوی کو زکوٰۃ نہ دے، کہ اس کا نفقہ تو شوہر پر واجب ہے۔

مذکورہ لوگوں کو مسکین یا فقیر کے مد سے زکوٰۃ نہ دی جائے، لیکن ان میں کوئی مقروض یا فی سبیل اللہ وغیرہ صفت میں داخل ہو تو اس وصف کی مناسبت سے جس پر نفقہ واجب ہے، وہ بھی انہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

اسی طرح مذکورہ افراد کو دیا جانے والا نفقہ ناکافی ہو تو دیگر حضرات اپنی زکوٰۃ سے اس کا تعاون کر سکتے ہیں۔(الفقہ المنہجی ۲/۶۵)

بیوی کا شوہر کو زکوٰۃ دینا: اگر بیوی پر زکوٰۃ واجب ہو اور شوہر فقیر ہو تو اسے سنت ہے کہ اپنی زکوٰۃ شوہر کو دے۔ اسی طرح اولاد غریب ہوں تو ان پر خرچ کرنا مستحب ہے، کیونکہ شوہر اور اولاد کا نفقہ بیوی اور ماں پر واجب نہیں ہے۔

احادیث: (۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر اور زیر پرورش یتیموں پر خرچ کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں، اس کو دوہرا اجر ہے، ایک رشتہ داری کا اور ایک صدقہ کا"۔ **(صحیحین)**

(۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی یتیم اولاد پر خرچ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان پر خرچ کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا۔" **(صحیحین)**

جن رشتہ داروں کا نفقہ واجب نہیں ان کو زکوٰۃ دینا: زکوٰۃ ادا کرنے والے کے ایسے رشتہ دار جن کا نفقہ اس پر لازم نہیں جیسے بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد وغیرہ یہ فقیر یا مسکین یا دیگر مستحقین زکوٰۃ میں داخل ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح وہ بڑے بیٹے جن کی آمدنی ان کے گزر بسر کے لئے ناکافی ہو ان کو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (کیونکہ ان کا نفقہ باپ پر نہیں ہے۔)

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "مسکین کو صدقہ دینا (صرف) صدقہ ہے، اور رشتہ دار کو دینا صدقہ اور صلہ رحمی دونوں ہے۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) (الفقہ المنہجی ۲/۶۶)

فصل - مستحقین کو زکوٰۃ کی تقسیم

زکوٰۃ ادا کرنے والے کے علم میں جو زکوٰۃ کا مستحق ہو، اسے بلا طلب زکوٰۃ دے، اور جو مستحق نہ ہو، اسے نہ دے، اگر اسے علم نہ ہو اور وہ ضعف اسلام، فقر، مسکنت، غازی یا مسافر ہونے کا دعویٰ کرے، تو بلا قسم اور بینہ (گواہوں) کے اسے سچا سمجھ کر زکوٰۃ دے، گرچہ وہ متہم ہو۔ کیونکہ ان امور پر گواہی پیش کرنا اس کے لئے مشکل ہو سکتا ہے۔ دیگر مستحقین استحقاق کا دعویٰ کریں تو گواہی ضروری ہے، کیونکہ بسہولت پیش کر سکتے ہیں۔ فقیر و مسکین اگر اہل و عیال کا دعویٰ کریں یا اس مال کے تلف ہونے کا دعویٰ کریں جس کا ہمیں علم تھا، تو اس پر

بینہ کا مطالبہ ہو گا، کیونکہ بسہولت ممکن ہے۔

غازی اور مسافر زکوٰۃ لینے کے بعد غزوہ یا سفر میں نہ جائیں تو ان سے واپس لی جائے، کیونکہ استحقاق کی صفت پائی نہیں گئی۔ اگر جا کے واپس آجائیں اور غازی کی تنگی کے ساتھ خرچ کرنے کی وجہ سے کچھ بچ گیا ہو، یا باقاعدہ خرچ کے باوجود معمولی مقدار بچ گئی ہو تو اس سے بقیہ واپس نہ لے، ورنہ واپس لے، مسافر سے مطلقاً واپس لے۔ اسی طرح مکاتب زکوٰۃ کی رقم کے بغیر ہی آزاد ہو جائے یا مقروض بری ہو جائے تو ان سے زکوٰۃ کی رقم واپس لی جائے گی۔

استحقاق کی صفت کے لئے بینہ سے مراد دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا اس کی اطلاع دینا ہے۔ دیگر معاملات کی طرح قاضی کے پاس دعویٰ، انکار اور گواہی کا مطالبہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر صفت استحقاق لوگوں میں مشہور و مستفیض ہو، یا مقروض کی قرض خواہ خود تصدیق کرے یا مکاتب کی آقا تصدیق کرے، تو یہ بھی کافی ہے، بینہ کی ضرورت نہیں۔

مقدار زکوٰۃ۔ اگر فقیر یا مسکین میں تجارت یا کسی صنعت و حرفت کے ذریعہ گذر بسر کی صلاحیت نہ ہو، تو اس کو اتنی مقدار زکوٰۃ دی جائے کہ اس سے کوئی ایسی جائیداد جانور وغیرہ خرید سکے جس کی آمدنی پر اس کا گذر بسر ہو سکے اور آئندہ زکوٰۃ کا محتاج نہ رہے۔ فقیر و مسکین کے عمر غالب (تقریباً ساٹھ سال) کے مصارف کا اعتبار ہو گا۔ اس کے بعد جو ضرورت مند ہو، اسے ایک ایک سال کا خرچ دیتے رہیں۔ امام خود بھی جائیداد خرید کر اسے دے سکتا ہے۔ اسے مذکورہ جائیداد فروخت کرنا جائز اور صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں عام مصلحت ہے۔

جو کسی پیشہ اور حرفت کے ذریعہ کما سکتا ہو، اسے اتنی رقم دی جائے کہ متعلقہ پیشہ کے آلات خرید سکے اور جو تجارت کر سکتا ہو اسے متعلقہ تجارت کے اسباب خریدنے کے لئے اتنی رقم دی جائے کہ اس کا نفع اس کے گذر بسر کے لئے غالباً کفایت کر جائے۔

مکاتب اور مقروض جتنی رقم کی ادائیگی سے عاجز ہوں، اتنی رقم انہیں دے دی جائے (لیکن گزر چکا کہ اصلاح بین المسلمین کی خاطر جو مقروض ہے، اسے باوجود مالداری کے دی جائے) مسافر کو منزل تک یا اپنے مال تک پہنچنے کے مصارف دیئے جائیں۔ مدتِ مسافر سے زائد اقامت کے مصارف اور واپسی کا ارادہ نہ ہو تو واپسی کے مصارف نہ دیں۔

غازی کو اس کے آمد و رفت اور اقامت میں ضروریات یعنی اس کا اور اس کے اہل و عیال کا نفقہ و لباس، ہتھیار کی قیمت، گھوڑے پر قتال کرے تو گھوڑے کی قیمت وغیرہ دے۔ چاہے دورانِ غزوہ اس کی اقامت کی مدت طویل ہو کیونکہ اس کے باوجود وہ غازی ہی کہلائے گا، بخلاف مسافر کے۔

مذکورہ اشیاء کا غازی مالک بن جائیگا، لہٰذا واپس نہیں لیا جائے گا، بجز اس کے جو بچ جائے جیسا کہ گزر چکا۔ امام اس مد سے ہتھیار وغیرہ خرید کر وقف کر دے تو یہ بھی جائز ہے، پھر اسے عاریتاً غازی کو دے یا کہیں سے کرایہ پر حاصل کر کے دے تو جائز ہے۔ بوقت ضرورت سفر اور زادِ راہ کے لئے سواری مہیا کی جائے گی، لیکن یہ واپسی پر لوٹائی جائے گی۔ جیسا کہ مسافر کو بھی بصورت ضرورت مہیا کی جائے گی اور پھر واپس لی جائے گی۔

مؤلفۃ القلوب کو امام یا مالک جتنا مناسب سمجھیں، زکوٰۃ دے۔

عامل کو اس کے خدمات کے مناسب معاوضہ دیا جائے۔ اگر زکوٰۃ میں اس کا حصہ معاوضہ سے زائد ہو تو بقیہ دیگر مستحقین پر صرف کیا جائے اور معاوضہ سے کم ہو تو مالِ زکوٰۃ سے یا مصالح کے مال سے اسکی تکمیل و تلافی کی جائے۔

کسی شخص میں استحقاقِ زکوٰۃ کی دو صفت ہوں، مثلاً فقیر مقروض ہو تو کسی ایک ہی صفت کی بنیاد پر لے گا، دونوں صفت کے اعتبار

سے نہ لے، جبکہ ایک زکوٰۃ سے لے (دو مختلف زکوٰتوں میں سے ایک سے فقر کی وجہ سے اور دوسرے سے قرض کی وجہ سے لے تو جائز ہے) بیک وقت دونوں صفتوں کے اعتبار سے لینا ممنوع ہے۔ اگر پہلے قرض کے مد سے لے کر قرض خواہ کو دے دیا تو اب دوبارہ فقیر کے مد سے لے سکتا ہے۔

زکوٰۃ کو میت کی تکفین یا مسجد کی تعمیر وغیرہ پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ کوئی اپنے مقروض کو اس شرط سے زکوٰۃ دے کہ وہ قرض میں واپس لوٹا دے تو یہ جائز نہیں ہے اور اس سے اداء قرض صحیح نہیں ہے دونوں بلا شرط اس کی نیت رکھیں تو حرج نہیں ہے، اگر مقروض سے کہا کہ تیرے ذمہ جو قرض ہے وہ تمہارے لئے زکوٰۃ سمجھو تو یہ کافی نہیں ہے، جب تک اس پر قبضہ کر کے پھر واپس نہ کر دے۔ (الفتح مع الترشیح ص ۱۵۴)

فصل - اصناف کا استیعاب (تمام اصناف کو زکوٰۃ دینا) وغیرہ

بصورتِ امکان زکوٰۃ آیت میں مذکورہ آٹھوں اصناف پر تقسیم کرنا واجب ہے، یعنی جب امام تقسیم کرے اور یہ سارے اصناف پائے جائیں۔ آیت کا ظاہری تقاضہ یہی ہے کہ زکوٰۃ اور فطرہ دونوں کا یہی حکم ہے، لیکن کئی علماء نے صرف ایک کو فطرہ دینا کافی قرار دیا ہے۔

تمام اصناف موجود نہ ہوں مثلاً مالک خود تقسیم کرے تو عامل کا سوال نہیں یا امام ہی تقسیم کرے لیکن بعض اصناف ہی موجود ہوں تو موجود تمام اصناف کو دے، کیونکہ معدوم (غیر موجود) کا کوئی حصہ نہیں۔ آج کل عام طور پر فقراء، مساکین، مقروض اور مسافر یہ چار صنف پائے جاتے ہیں۔ (بشری الکریم ۲/۵۸) اتفاقاً کوئی بھی صنف موجود نہ ہو، تو ان کے وجود تک زکوٰۃ محفوظ رکھے۔

امام کو ہر صنف کے تمام مستحق افراد تک زکوٰۃ پہنچانا واجب ہے، کیونکہ اس کے حق میں یہ مشکل نہیں ہے، اگر بستی میں مستحقین کی تعداد محدود ہو اور ان کا ضبط و شمار آسان ہو، اور زکوٰۃ ان سب کو ادا کرنے کی مقدار میں ہو، تو مالک کے ذمہ بھی تمام مستحقین تک پہنچانا واجب ہے۔ اور تعداد محدود نہ ہو یا محدود ہو لیکن مقدار زکوٰۃ کم ہو (اور تمام کے حوائج کو کافی نہ ہو) تو ہر صنف کے تین یا زائد افراد کو دینا واجب ہے۔ کیونکہ آیت میں مستحقین کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (اور عربی زبان میں جمع کا صیغہ کم از کم تین کے لئے مستعمل ہے) فی سبیل اللہ اور ابن سبیل جو جنس کے لئے ہے اور اس سے بھی یہی مراد ہے۔ مالک خود تقسیم کرے تو عامل کا سوال نہیں، ایک ہی عامل سے کام چل جائے تو وہ بھی کافی ہے۔ (تین ضروری نہیں)

امام یا مالک کسی صنف یا فرد کو (جسے دینا لازم تھا) نہ دے تو اس کا ضامن ہوگا۔ امام زکوٰۃ کے مال سے اس کا حق ادا کر دے اور مالک اپنے ذاتی مال سے، مال کی تھوڑی مقدار دینا بھی کافی ہے۔

عامل کے علاوہ دیگر اصناف میں مساوات لازم ہے، چاہے بعض اصناف زیادہ محتاج ہوں (لیکن ایک صنف پر تقسیم کرنے کے بعد ان کا حصہ ابھی بچا ہو تو دوسرے ضرورت مند صنف پر صرف کرے) کیونکہ آیت میں مستحقین کو واو تشریک کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر صنف کا مساوی حق ہو۔

ایک صنف کے مختلف مستحق افراد میں مساوات لازم نہیں ہے، کمی بیشی کر سکتا ہے۔ لیکن امام تقسیم کرے اور ان کی ضروریات یکساں ہوں تو ایسی صورت میں افراد کے درمیان بھی مساوات لازم ہے۔

جس بستی میں زکوٰۃ واجب ہو، وہاں مستحقین موجود ہوں تو مالک کو دوسری جگہ زکوٰۃ منتقل کرنا تاکہ وہاں کے مستحقین کو تقسیم کرے

جائز نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ صحیحین کی روایت میں ہے: "ان کے امیروں سے زکوٰۃ لے کر انہیں کے فقراء کو لوٹائی جائے گی" اور ہر بستی کے مستحقین کی نگاہ اور امیدیں اس بستی کے زکوٰۃ سے وابستہ ہوگی، اور یہ نقل ان کی وحشت کا باعث ہوگا۔

تنبیہ: کئی فقہاء شافعیہ مثلاً ابن الصلاح، ابن الفرکاح وغیرہ نے نقل زکوٰۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اپنے ذاتی مسئلہ میں ان کے فتویٰ پر عمل کرے تو جائز ہے۔

اگرچہ امام شافعی کا اصل مسلک زکوٰۃ کے موجودہ تمام مستحقین کو دینے کا وجوب ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک ہی صنف کو دینا بھی جائز ہے اور (فقہاء شوافع میں سے) ابن عجیل اور اصبحی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے اور اکثر متاخرین نے اسے اختیار کیا ہے لہٰذا زکوٰۃ کے منتقل کرنے اور ایک ہی شخص کو زکوٰۃ ادا کرنے کے جواز میں ان حضرات کی تقلید جائز ہے۔ (بغیۃ المسترشدین ۱۰۵)

اصل مسلک شافعی تو یہ ہے کہ زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل نہ کرے، صرف امام اور حاکم اپنے زیر ولایت علاقوں میں منتقل کر سکتے ہیں، اسی طرح مذکورہ آٹھوں اصناف کو دینا بھی واجب ہے، لہٰذا مشقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن فقہاء کرام نے منتقل کرنے اور صرف تین یا ایک شخص کو زکوٰۃ دینے کی اجازت دی ہے، ان کی تقلید جائز ہے۔ کسی جگہ زکوٰۃ کے اظہار میں کسی ظالم سے خطرہ ہو تو منتقل کرنا مطلقاً جائز ہے۔ (فتاویٰ ابن زیاد بہامش البغیہ ۱۱۰)

ابن عجیل سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کے تین مسائل میں خلافِ مسلک فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ (۱) زکوٰۃ کو منتقل کرنا (۲) ایک ہی صنف کو زکوٰۃ دینا (۳) ایک شخص کی زکوٰۃ کسی ایک ہی آدمی کو دینا۔ (ترشیح المستفیدین ۱۵۵)

کسی شخص کی ۲۰ر بکریاں ایک بستی میں اور ۲۰ر بکریاں دوسری بستی میں ہوں تو کسی ایک جگہ ایک بکری ادا کرنا کراہت کے ساتھ کافی ہے، مال پر سال کی تکمیل کے وقت مال کسی صحرا، جنگل (غیر آباد علاقہ) یا سمندر میں ہو تو اس سے قریب ترین بستی کے مستحقین کو زکوٰۃ ادا کی جائے۔

کسی بستی میں مستحقین کی کوئی صنف (قسم) موجود نہ ہو، یا ان کو دینے کے بعد زکوٰۃ باقی ہو، تو اس سے قریب ترین بستی کے مستحقین پر صرف کی جائے۔ اگر بعض اصناف موجود نہ ہوں، یا بعض اصناف کو بقدرِ کفایت دینے کے بعد ان کا حصہ باقی ہو اور دیگر مستحقین کو اپنے حصہ سے بقدر کفایت نہ مل سکے تو دیگر اصناف کی بقیہ زکوٰۃ ان مستحقین پر صرف کرے، نقل نہ کرے، کیونکہ اصل استحقاق اسی بستی والوں کا ہے، لیکن دیگر مستحقین کو بقدر کفایت مل چکا ہے تو قریب ترین بستی کے انہیں اصناف پر صرف کرے۔

اصل مسلک کے اعتبار سے نقل زکوٰۃ میں یہ ساری تفصیلات اس وقت ہیں، جب کہ مالک خود تقسیم کرے۔ امام (مسلمان حاکم) کے حق میں چونکہ سارے فقراء اسلام ایک بستی کے فقراء کی طرح اور تمام زکوٰۃ ایک زکوٰۃ کی طرح ہے، اور اس کی ولایت (حکومت و گورنری) عام ہے، اس لئے بلا کسی شرط اور تفصیل کے وہ اپنی اور رعایا کی زکوٰۃ منتقل کر سکتا ہے۔

چونکہ زکوٰۃ کا قبول کرنا فرض کفایہ ہے۔ اس لئے سارے ہی مستحقین اگر قبول کرنے سے باز رہیں، تو ان سے قتال کیا جائے گا۔

عامل کے شرائط: گواہی کا اہل ہو، یعنی مسلمان، مکلف، عادل وغیرہ جو گواہ کے شرائط ہیں موجود ہوں۔ زکوٰۃ کے مسائل کا علم ہو کہ کس سے کتنا لینا ہے، کیونکہ یہ شرعی ولایت ہے، لہٰذا قاضی کی طرح یہ امور ضروری ہیں۔ اگر اسے بتا دیا جائے کہ کس سے کتنا لینا ہے تو علم زکوٰۃ، آزادی اور مذکر ہونے کی شرط نہیں ہے۔ عامل ہاشمی یا مطلبی نہ ہو اور نہ ان کا مولیٰ، کیونکہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ ان لوگوں کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ اگر امام نے انہیں عامل بنایا تو مال مصالح سے معاوضہ دے نہ کہ زکوٰۃ سے۔ کیونکہ یہ ان کے حق میں حرام ہے۔

امام کے لئے سنت ہے کہ زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے کسی مہینے کی تعیین کرے تاکہ مالک حضرات بروقت ادائیگی کے لئے اور مستحقین لینے کے لئے تیار رہیں۔ ماہ محرم کی تعیین سنت ہے، کیونکہ یہ شرعی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ یہ تعیین ان اموال میں ہے جس میں سال کی تکمیل کا اعتبار ہوتا ہے، جو کہ لوگوں کے حق میں مختلف ہوگا۔ جس کا سال متعینہ ماہ سے پہلے ہی مکمل ہو اور مستحقین موجود ہوں، اور کوئی عذر نہ ہو تو اسے فوراً ادا کرنا لازم ہے۔ متعینہ ماہ تک مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔

کھیتی باڑی اور پھلوں میں جب زکوٰۃ واجب ہوتی، اس وقت عامل کو روانہ کرے اور ایک ہی علاقہ میں اس وقت میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔ اغنیاء زکوٰۃ نہ دیں یا شک ہو تو امام کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عامل کا روانہ کرنا واجب ہے۔

جانوروں کو داغ لگانا: زکوٰۃ اور فیئی کے جانوروں کو بطور علامت داغ لگانا مسنون ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو دستِ مبارک میں داغ لگانے کا آلہ تھا، جس سے صدقہ کے اونٹ کو داغ لگا رہے تھے۔ (بخاری شریف)

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے جانوروں سے یہ ممتاز ہوگا اور گم ہونے کی صورت میں پانے والا لوٹا دے گا اور خود زکوٰۃ دینے والا اس کا مالک نہیں بنے گا، کیونکہ کسی چیز کو صدقہ کرنے کے بعد دوبارہ سامنے والے سے (خرید وغیرہ کے ذریعہ) اس کا مالک بننا مکروہ ہے، وراثت میں مل جائے تو کراہت نہیں ہے۔

داغ مضبوط اور ٹھوس ظاہری جگہ میں جہاں زیادہ بال نہ ہوں، دے تاکہ جلد نظر آسکے اور جانوروں کے لئے زیادہ تکلیف دہ نہ ہو۔ بکریوں میں کان اور اونٹ گائے میں ران پر دینا بہتر ہے۔ بکریوں کو بالکل ہلکا، گائے کو اس سے بڑھ کر اور اونٹ کو اس سے بھی بڑھ کر داغ دے۔ زکوٰۃ اور فیئی کے علاوہ جانوروں کو داغ دینا مباح ہے، نہ تو مندوب ہے اور نہ ہی مکروہ۔ گھوڑا، خچر، گدھا اور ہاتھی بھی داغ کے مسئلہ میں ان مویشیوں کی طرح ہیں، محل داغ میں اونٹ و گائے کا حکم ہے۔

چہرہ پر داغ لگانا حرام ہے، کیونکہ مسلم شریف کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ ایک گدھا جس کے چہرہ پر داغ لگا تھا گذرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ اس داغ لگانے والے پر لعنت بھیجے"(مسلم شریف)

زکوٰۃ کے مویشیوں کے داغ میں زکوٰۃ یا صدقہ یا طھرہ (پاکی) یا لِلّٰہ (اللہ کے لئے) لکھے "لِلّٰہ" لکھنا بہتر اور بابرکت ہے۔

بطور علامت انسان کو داغ لگانا حرام ہے۔ معتبر واقف حضرات کے مشوروں سے بوقت احتیاج (علاج کے لئے) آدمی اور دیگر جانوروں کو داغ لگانا جائز ہے۔ انسان اور دیگر جانوروں کے چہرہ پر مارنا (چاہے ہلکی مار ہو) حرام ہے۔

کمسن ماکول (جس کا گوشت حلال ہے) جانور کو گوشت کی بہتری کے لئے خصی کر سکتے ہیں، دیگر جانورں کو (یعنی بڑی عمر کے یا جن کا گوشت حرام ہے) خصی کرنا حرام ہے۔ جانوروں میں جفتی کرانا جبکہ مضر نہ ہو جائز ہے۔ حدیث میں گھوڑے اور گدھے کے درمیان جفتی کی ممانعت کراہت کے لئے ہے تاکہ گھوڑوں کی قلت نہ ہو۔

زکوٰۃ میں قیمت کی ادائیگی:

تجارت کی زکوٰۃ میں قیمت کا ادا کرنا اصل ہے، جیساکہ گزر چکا۔

دیگر اشیاء میں قیمت کا ادا کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ اسی چیز میں واجب ہوتی ہے لہٰذا (عموماً) اسی میں سے دینا لازم ہے (جس کی تفصیل گزر چکی) لیکن امام بلقینیؒ نے سونا چاندی کی زکوٰۃ رائج سکوں میں نکالنے کی اجازت دی ہے، لہٰذا حالات اور فقراء کے فائدہ کو پیشِ

نظر رکھتے ہوئے ان کے اس فتویٰ پر عمل کرنے میں حرج نہیں۔ کیونکہ ان کا شمار اہل تخریج وترجیح علماء میں ہوتا ہے۔(فتاویٰ ابن زیاد ص ۱۱۲، ترشیح ص ۱۰۵)

نفلی صدقہ (خیرات)

آیت: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْن "(آل عمران۔۹۲) تم خیر کامل (یعنی ثواب عظیم) کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی (بہت) پیاری چیز کو (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کروگے۔"

۲) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًی لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۲۶۲)

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (جس کو دیا ہے اس پر زبان سے) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (اس کو) آزار پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان (کے عمل) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس جاکر اور نہ (قیامت کے دن) ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ لوگ مغموم ہوں گے۔"

احادیث: (۱) "جو ایک کھجور کے برابر پاک اور حلال مال سے صدقہ کرے، اور اللہ تعالیٰ حلال کے علاوہ قبول نہیں کرتے، تو اللہ اسے اپنے یمین (دائیں) سے قبول کرتے ہیں، پھر اس کی ایسی پرورش (نگہداشت) کرتے ہیں، جیسا تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے چھوٹے بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ (کھجور) پہاڑ کے مانند ہوجاتا ہے۔" (متفق علیہ)

۲) صدقہ کی وجہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ (مسلم شریف) (یہاں برکت اور آخرت میں بے انتہا ثواب ملے گا)

۳) اے مسلمان خواتین! ہرگز کوئی پڑوسن اپنے پڑوسن کے حق میں (ہدیہ لینے اور دینے میں) حقارت کا جذبہ نہ رکھے، چاہے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو" (یعنی معمولی سی چیز جو بھی میسر ہو اس کا لین دین رکھیں) (متفق علیہ)

۴) "کسی بھی نیکی اور حسن سلوک کو ہرگز حقیر نہ سمجھو، گرچہ اپنے (مسلمان) بھائی سے بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملاقات ہی کیوں نہ ہو۔" (مسلم شریف)

۵) "اے لوگو! سلام کو رواج دو اور کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات میں لوگ جب سو رہے ہوں نماز پڑھو، بڑی سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤگے۔" (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

۶) "صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔" (ترمذی)

۷) "ایک مسلمان اللہ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اپنے اہل خانہ پر جو صرف کرے، اس کے لئے صدقہ (کا ثواب) ہے۔" (متفق علیہ)

۸) "جب سالن پکاؤ تو پانی کچھ زیادہ ڈال دو، اور پڑوسیوں کا بھی خیال رکھو۔" (مسلم شریف)

۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنا صدقہ دیا ہوا گھوڑا خریدنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنا صدقہ واپس نہ لو کیونکہ صدقہ واپس لینے والا قئے کرکے پھر اسے چاٹنے والے کتے کی طرح ہے۔" (متفق علیہ)

۱۰) "سائل کو کچھ نہ کچھ دے کر ہی واپس کرو، چاہے ایک جلا ہوا کھر ہی ہو" (جو بھی میسر ہو دے دو) (مالک، نسائی،

ترمذی)

۱۱)"مسکین کو صدقہ صدقہ ہے اور رشتہ دار کو صدقہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں ہے۔"(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

۱۲) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے "اگر میرے پاس احد پہاڑی کے مثل سونا ہو تو مجھے یہ بات پسند آتی کہ تین رات تک اس میں سے کچھ باقی نہ رہے، سوائے اس مقدار کے جو قرض کی ادائیگی کے لئے سنبھال رکھوں۔"(بخاری)

۱۳)"اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ابن آدم (راہِ خدا میں) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔"(متفق علیہ)

۱۴)"اے ابن آدم جو کچھ بچ رہے (زائد ہو) اس کا خرچ کرنا تیرے حق میں بہتر ہے، اور روکے رکھنا بدتر ہے، البتہ بقدر کفاف (جو اپنی ضروریات کے بقدر اور سوال سے بچانے والا ہو) روکنے پر کوئی ملامت نہیں (خرچ کرنے میں) اپنے زیرِ کفالت افراد (کنبہ) سے پہل کرو۔"(مسلم شریف)

۱۵) رب کعبہ کی قسم وہ لوگ بڑے خسارہ اور نقصان میں ہیں جو بڑے مالدار ہیں، سوائے ان کے جو آگے پیچھے دائیں بائیں (جو بھی راہِ خیر میں صرف کے مواقع ہوں اس میں) صرف کرتے رہیں، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔"(متفق علیہ)

۱۶)"جو لوگوں سے مال مانگے اپنی دولت بڑھانے کے لئے تو یہ (جہنم کے) آگ کا شعلہ مانگ رہا ہے، چاہے کم مانگے یا زیادہ"(مسلم شریف)

۱۷)"آدمی لوگوں سے (بھیک) مانگتا رہتا ہے، یہاں تک کہ قیامت میں اس حال میں آئیگا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔"(وہاں بڑی ذلت ورسوائی کا سامنا ہو گا)(متفق علیہ)(مشکوٰۃ المصابیح ۱/۱۶۲-۱۷۱)

صدقہ کی فضیلت میں بکثرت آیات و احادیث وارد ہیں، اس لئے یہ سنت موکدہ ہے، کسی عارض کی وجہ سے حرام بھی ہو جائے گا، جیسے یہ معلوم ہو کہ لینے والا اسے گناہ پر صرف کرے گا تو اسے دینا حرام ہے۔

مال یا پیشہ کی وجہ سے جو امیر ہو اسے بھی صدقہ حلال ہے، اور دینے والے کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ صحیحین کی حدیث میں امیر کو صدقہ دینے کا ذکر موجود ہے اور اس کا یہ فائدہ مذکور ہے کہ شاید اسے عبرت حاصل ہو اور خود بھی اللہ کے راہ میں خرچ کرے، لیکن امیر کو صدقہ لینے کے درپے ہونا مکروہ ہے اور اس سے دور رہنا مستحب ہے۔

کسی شخص میں فقر، صلاح و نیکی، نسب یا علم وغیرہ کسی وصف کی موجودگی کا گمان کرتے ہوئے اس کی وجہ سے اسے صدقہ، ہدیہ، وصیت، ہبہ، نذر یا وقف کا مال دیا جائے، لیکن حقیقتاً اس میں وہ وصف نہ ہو، یا کسی میں ایسا مخفی وصف ہو کہ جس کا علم ہوتا تو اسے نہ دیا جاتا تو ان تمام صورتوں میں اسے لینا حرام ہے۔ کسی صفت کا گمان کرکے دے اور حقیقتاً ایسا نہ ہو، اور حقیقت معلوم ہوتی تو نہ دیا ہوتا، تو اس صورت میں لینے کے باوجود وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔ امیر شخص کو سوال کرنا حرام ہے، سوال کی وجہ سے جو ملے اسے لینا بھی حرام ہے، گرچہ لینے کی صورت میں وہ مالک بن جائے، لیکن اپنی غریبی اور فقر و فاقہ کا اظہار کیا اور سامنے والے نے اسی بنیاد پر دیا ہے، تو مالک نہ بنے گا۔

شرح مسلم وغیرہ میں ہے کہ کسی سے مانگنے میں اپنے آپ کو ذلیل کرے یا بہت الحاح اور اصرار سے مانگے اور اس طرح مانگے کہ سامنے والے کو ایذاء و تکلیف ہو تو بالاتفاق حرام ہے، چاہے مانگنے والا محتاج ہو۔ (بالکل اضطراری اور مجبوری کی شکل ہو تو جائز ہے) جس کو مانگنا جائز ہو اُسے معلوم ہو کہ دینے والا اس سے یا دیگر حاضرین سے حیا و شرم کی وجہ سے دے رہا ہے، ورنہ دیا نہ ہوتا تو احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اس کا لینا حرام ہے اور واپس لوٹانا لازم ہے۔

صدقہ کے حلال ہونے میں شک ہو، یا لینے میں ہتک مروت ہو یا خست وذلت کا باعث ہو، یا یہ گمان ہو کہ کسی غرض ومقصد سے دے رہا ہے (چاہے اخروی مقصد ہو) تو قبول نہ کرنا بہتر ہے۔ کسی کے مال میں حرام بھی ہو، بھلے کثیر مقدار میں، اس سے صدقہ لینا حرام نہیں ہے۔ البتہ جو چیز دے رہا ہے وہی حرام ہے تو منع ہے۔ اللہ کے وجہ (چہرہ) کے وسیلہ سے سوال اور سفارش مکروہ ہے۔ (ابوداود کی روایت میں ایسے سوال سے منع کیا گیا ہے) ایسے سوال وسفارش کو رد کرنا بھی مکروہ ہے۔ ایک غریب شخص اپنے ایک سالہ ضروریات کے لئے سوال کر سکتا ہے، لیکن فی الحال اپنا ضرورت مند ہونا ظاہر کرے تو سوال حرام ہے۔ سائل کا امیر ہونا معلوم ہو تو اسے دینا حرام نہیں ہے۔ دوست واحباب آپس میں بے تکلفی کی وجہ سے جو مطالبہ کرتے ہیں اور لیتے دیتے ہیں باوجود مالداری کے یہ حرام نہیں ہے۔ کمانے پر قادر شخص طلبِ علم میں مکمل وقت صرف کرنے کی وجہ سے کمانہ پائے تو اسے سوال کرنا حرام نہیں ہے۔

فتاویٰ السیوطی میں ہے کہ مسجد میں مانگنا مکروہ تنزیہہ ہے۔ (معقول مجبوری ہو تو مکروہ نہیں ہے) اور سائل کو مسجد میں دینا باعثِ ثواب ہے، مکروہ نہیں ہے، کافر کو صدقہ دینا جائز ہے، صحیحین کی روایت میں ہے: "ہر ذی روح (کے ساتھ حسنِ سلوک) میں ثواب ہے۔

جہراً اور علانیہ صدقہ دینے کے بجائے سراً اور مخفی دینا، غیر رمضان کے بجائے ماہِ رمضان میں دینا، اوروں کے بجائے رشتہ دار، بیوی، دوست پھر پڑوسی (جو قریب ہو وہ مقدم ہوگا) کو دینا افضل ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث سے یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ظاہری اموال کی زکوۃ علانیہ دینا افضل ہے۔

ماہِ رمضان میں، اپنے حاجتوں کے وقت، سورج گہن اور چاند گہن کے وقت، بیماری کے وقت، سفر کے وقت، حج میں، جہاد میں اور فاضل وقت اور مقامات جیسے عشرہ ذوالحجہ، جمعہ، رمضان کا آخری عشرہ اور ایام عید نیز مکہ ومدینہ میں صدقہ کی کثرت سنت ہے۔

اپنے اور زیر کفالت افراد کے ضروریات کا صدقہ حرام ہے، اگر خود فقر وفاقہ پر صبر کی ہمت رکھتا ہو تو اپنی ضروریات کا صدقہ وایثار حرام نہیں ہے۔ ایک انصاری جوڑے نے اپنے آپ کو بھوکا رکھ کر مہمان کو کھلایا تو اس کی تعریف میں قرآن پاک کی آیت "وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر ۹)" نازل ہوئی۔ (ترجمہ آیت) اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔"

اگر قرض ہو تو قرض کی ادائیگی کی رقم صدقہ کرنا حرام ہے، جبکہ کہیں اور سے بظاہر اس کی ادائیگی کی امید نہ ہو، کیونکہ واجب سنت پر مقدم ہے۔ قرض کی ادائیگی کی کوئی اور صورت ہو تو صدقہ کرنا حرام نہیں ہے۔

آیت: يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۔ قُلِ الْعَفْوَ" (البقرۃ ۲۱) ترجمہ "لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔"

اپنے اور زیر کفالت افراد کے ایک دن رات کے مصارف وضروریات اور متعلقہ موسم کے پوشاک اور ادائ قرض کی رقم سے زائد مقدار کا صدقہ کر دینا سنت ہے، جبکہ محتاجگی اور تنگی پر صبر ہو سکتا ہو۔ ورنہ مکروہ ہے۔ (اسی تفصیل پر بظاہر مختلف ومتعارض روایات کو محمول کیا جائے گا)

اپنے ایک سالہ ضروریات سے زائد مقدار کو روکے رکھنا مکروہ ہے۔ کسی بھی گناہ کے سرزد ہونے کے بعد صدقہ کرنا سنت ہے۔ نیا کپڑا پہننے والے کے لئے پرانا صدقہ کرنا سنت ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ "بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی بے نیازی کے بعد ہو۔ (متفق علیہ، ابوداؤد، وصححہ الحاکم)

ترمذی کی ایک صحیح روایت میں ہے کہ (ایک موقع پر) "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا۔" اپنے

ضروریات سے زائد میں سے بعض کا صدقہ مطلقاً مسنون ہے۔ لیکن بڑی مقدار ہو جو کل مال کے قریب ہو تو مذکورہ تفصیل کے مطابق حکم ہو گا۔ جہاں پانی کی ضرورت ہو، وہاں پانی کا صدقہ (کنویں یا نل کے انتظام کے ذریعہ یا کسی اور طرح) افضل ہے۔ ورنہ پھر کھانے کا صدقہ۔ ہر دن جو بھی میسر ہو، صدقہ کرنا سنت ہے۔ گرچہ قلیل مقدار ہی ہو، اس سے عار کرنے اور رکنے کی ضرورت نہیں۔ (ترشیح)

مَنّ (احسان جتلانا): - آیت: لَاتُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (البقرہ ۲۶۴) تم احسان جتلا کر یا ایذاء دے کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو۔"

حدیث: "تین لوگوں سے اللہ نہ گفتگو کریں گے اور نہ ان کی طرف نظر (التفات و کرم) کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱) کپڑا (ٹخنہ سے نیچے) لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا (۳) جھوٹی قسم کے ذریعہ سامان فروخت کرنے والا۔ (مسلم شریف)

صدقہ کر کے اس پر احسان جتلانا حرام اور ثواب کو ختم کرنے والا ہے۔ اپنے صدقہ کا اظہار و تذکرہ، شکر، دعا، خدمت، تعظیم، مجلس میں تقدیم اور اپنی اتباع کے ذریعہ سامنے والے سے (جس کو صدقہ کیا ہے) بدلہ کی خواہش اور تمنا منّ (احسان جتلانا) میں داخل ہے۔ (ترشیح)

جس کے پاس حلال و حرام دونوں مال ہوں، اس سے (صدقہ وغیرہ) لینا مکروہ ہے۔ شبہ کی قلت و کثرت کے اعتبار سے کراہت کم و بیش ہو گی۔ جو چیز لے رہا ہے اس کا حرام ہونا معلوم ہو تو لینا حرام ہے۔ سنت ہے کہ اپنی پسندیدہ چیز، بشاشت اور خوشدلی سے، اپنی کمائی سے، بسم اللہ کہہ کر اور محض اللہ کی رضاجوئی میں صدقہ کرے، اگر نعمت کے شکر یا مصیبت کے ٹالنے کی نیت سے دے تو جائز ہے۔ (ترشیح: ۱۵۸)

بہتر چیز ہوتے ہوئے گھٹیا اور ردی کا صدقہ کرنا مکروہ ہے۔ پرانے کپڑے کا صدقہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ قلیل مقدار صدقہ کرنے کو ناپسند کرنے اور اس سے رُکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ قبول کرے وہ کثیر ہے۔ اور قرآن میں ہے "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (سورہ زلزال) یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا، وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور حدیث میں ہے "جہنم کی آگ سے اپنی حفاظت (کی کوشش) کرو گرچہ ایک ٹکڑا کھجور (صدقہ کر کے) کیوں نہ ہو۔" (بخاری) (بشری الکریم ۲/۶۳)

کتاب الصوم (روزہ کا بیان)

ارشاد باری ہے۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ـ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ" (البقرہ۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴) اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ اس توقع پر کے تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ (کیونکہ روزہ رکھنے سے عادت پڑے گی نفس کو اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی اور اسی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقویٰ کی سو) تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو (ان تھوڑے دنوں سے مراد رمضان ہے)

پھر آگے فرمایا "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ " (البقرہ۔ ۱۸۵) (وہ تھوڑے ایام جن میں روزے کا حکم ہوا ہے) ماہ رمضان ہے جس

میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے۔ جس کا ایک وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور واضح الدلالۃ ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنے والی ہیں۔ سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیئے اور جو شخص (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر) یا (شرعی) سفر میں ہو تو (اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایام رمضان کے) دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے۔

کچھ آگے ارشاد فرمایا ”وَكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَـكُمُ الۡخَـيۡطُ الۡاَبۡيَضُ مِنَ الۡخَـيۡطِ الۡاَسۡوَدِ مِنَ الۡفَجۡرِ‌ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيۡلِ “(البقرہ۔۱۸۷) اور کھاؤ اور پیئو اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (کہ وہ نور ہے) صبح (صادق) کا (جبکہ وہ بالکل شروع ہی شروع میں طلوع ہوتی ہے) متمیز ہو جائے سیاہ خط سے (کہ عبارت ہے تاریکی کی اس حد فاصل سے جو کہ خطِ نور صبح سے ملا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مراد متمیز ہونے سے یہ کہ صبح صادق طلوع ہو جائے) پھر (صبح صادق سے) رات (آنے) تک روزہ کو پورا کیا کرو۔“ (من بیان القرآن)

احادیث: (۱) ماہ رمضان شروع ہو تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں او رشیاطین مقید کر دیئے جاتے ہیں“ (متفق علیہ)

(۲) جنت کے آٹھ دروازے ہیں جس میں ایک دروازے کا نام ”اَلرَّیَّان“ ہے اس میں صرف روزہ دار داخل ہونگے۔ (متفق علیہ)

(۳) جو ماہ رمضان میں ایمان (اخلاص نیت اور تصدیق کامل) اور ثواب کی توقع و امید کے ساتھ روزہ رکھے، اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور جو رمضان میں ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ قیام کرے (نماز و عبادات انجام دے) اس کے گذشتہ خطائیں معاف ہونگی۔ اور جو شب قدر میں ایمان اور بہ نیت ثواب قیام کرے اس کے گذشتہ گناہ معاف ہوں گے۔ (متفق علیہ) (مراد یہاں حقوق اللہ سے متعلق صغیرہ گناہ ہیں۔)

(۴) آپ ﷺ نے فرمایا ”ابن آدم کا ہر عمل دوچند ہوتا ہے، ایک نیکی دس گنا سے ۷۰۰ گنا تک دوچند ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سوائے روزہ کے، کہ وہ تو میرے لئے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، (روزہ دار) میری خاطر اپنی خواہشات اور کھانے کو ترک کرتا ہے، روزہ دار کو دو خوشی ملے گی، ایک افطار کے وقت اور دوسری اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت، اور روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے اور روزہ ڈھال ہے، تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو فحش اور قبیح گفتگو نہ کرے، اور چیخے چلائے نہیں، اگر کوئی اسے برا بھلا کہے یا اس سے لڑے تو یہ کہہ دے، میں روزہ دار ہوں‘ (متفق علیہ)

روزہ کے مقاصد اور زندگی پر اس کے اثرات

(از ارکان اربعہ - سید ابو الحسن علی ندوی)

امام غزالیؒ نے اپنے مخصوص انداز بیان میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے ”روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اخلاق الٰہیہ میں سے ایک اخلاق کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے جس کو ”صمدیت“ کہتے ہیں۔ وہ امکانی حد تک فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے خواہشات سے دست کش ہو جائے، اس لئے کہ فرشتے بھی خواہشات سے پاک ہیں، اور انسان کا درجہ بھی بہائم سے بلند ہے، نیز خواہشات کے مقابلہ کے لئے اس کو عقل و تمیز کی روشنی عطا کی گئی ہے۔ البتہ وہ فرشتوں سے اس لحاظ سے کم تر ہے کہ خواہشات اکثر اس پر غلبہ پالیتی ہیں اور

اس کو ان سے آزاد ہونے کے لئے سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے چنانچہ جب وہ اپنے خواہشات کی رو میں بہنے لگتا ہے تو اسفل السافلین تک جا پہنچتا ہے اور جانوروں کے ریوڑ سے جا ملتا ہے اور جب اپنی خواہشات پر غالب آتا ہے تو اعلیٰ علیین اور فرشتوں کے آفاق تک پہنچ جاتا ہے۔“ (احیاء العلوم ج ا ص ۲۱۲)۔

علامہ ابن قیمؒ اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”روزہ سے مقصود یہ ہے کہ نفسِ انسانی خواہشات اور عادتوں کے شکنجہ سے آزاد ہو سکے، اس کے شہوانی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو اور اس کے ذریعہ سے وہ سعادت ابدی کے گوہر مقصود تک رسائی حاصل کر سکے اور حیات ابدی کے حصول کے لئے اپنے نفس کا تزکیہ کر سکے، بھوک اور پیاس سے اس کی ہوس کی تیزی اور شہوت کی حدّت میں تخفیف ہو اور یہ بات یاد آئے کہ کتنے مسکین ہیں جو نانِ شبینہ کے محتاج ہیں۔ وہ شیطان کے راستوں کو اس پر تنگ کر دے اور اعضاو جوارح کو ان چیزوں کی طرف مائل ہونے سے روک دے جن میں اس کی دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے اس لحاظ سے یہ اہل تقویٰ کی لگام، مجاہدین کی ڈھال اور ابرار و مقربین کی ریاضت ہے۔ روزہ جوارح ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے۔ فاسد مادہ کے جمع ہو جانے سے انسان میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس سے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جو چیزیں مانع صحت ہیں ان کو خارج کر دیتا ہے۔ اور اعضاو جوارح میں جو خرابیاں ہَوا و ہوس کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں وہ اس سے دفع ہوتی ہیں، وہ صحت کے لئے مفید اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں بہت مدو معاون ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ترجمہ۔ ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں۔ عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔“ (سورہ بقرہ۔ ۱۸۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ“ (روزہ ڈھال ہے) چنانچہ ایسے شخص کو جو نکاح کا خواہشمند ہو اور استطاعت نہ رکھتا ہو روزہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، اس کو اس کا تریاق قرار دیا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ روزہ کے مصالح اور فوائد چونکہ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کی رو سے مسلّم تھے، اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کی خاطر محض اپنی رحمت اور احسان سے فرض کیا ہے“ (زاد المعاد ج ۱/ص ۱۵۲)

اسی سلسلہ کلام میں آگے ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ”چونکہ قلب کی اصلاح اور استقامت حال، سلوک الی اللہ اور جمعیت باطنی پر منحصر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف بالکلیہ توجہ و انابت پر اس کا دارومدار ہے، اس لئے پراگندہ خاطری اس کے حق میں سخت مضر ہے۔ کھانے پینے کی زائد مقدار، لوگوں سے زیادہ میل جول، ضرورت سے زیادہ گفتگو وہ چیزیں ہیں جن سے جمعیت باطنی میں فرق آتا ہے، اور انسان اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو کر مختلف راستوں پر بھٹکنے لگتا ہے، بعض اوقات محض اسی وجہ سے اس کی راہ کھوئی ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی مقتضی تھی کہ اپنے بندوں پر روزہ فرض کرے اور اس کے ذریعہ کھانوں کی زائد مقدار اور خواہشات کے فضلہ کا ازالہ و تنقیہ ہو سکے۔ جس کی وجہ سے آدمی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے۔ وہ اس سے دنیا و آخرت دونوں جگہ فائدہ اٹھا سکے۔ اور اس کی عارضی اور مستقل کسی مصلحت کو نقصان نہ پہونچے“ (زاد المعاد ج ۱/ ص ۱۶۸) (ارکان اربعہ ص ۲۳۲۔۲۳۵)

رمضان کے روزے ہجرت کے دوسرے سال ماہ شعبان میں فرض ہوئے ماہ رمضان افضل ترین ماہ ہے۔ اور یوم عرفہ سال کے تمام ایام میں سب سے افضل دن ہے۔ آپ ﷺ نے ۹/ سال رمضان کے روزے رکھے جس میں ایک یا دو سال کامل (۳۰ دن) تھے اور بقیہ ناقص (۲۹/ دن) اس میں امت کے لئے تسلی ہے کہ ایام سے قطع نظر نفس رمضان سے متعلقہ فضائل میں کامل و ناقص مساوی ہے۔ البتہ تیسویں دن کے واجب روزے کا ثواب اور سحری و افطار کے مستحبات کا ثواب ناقص کے مقابلہ میں زائد ہے۔ روزے کی فرضیت اور

اسلام کا اہم رکن ہونا ایسی قطعی اور واضح حقیقت ہے کہ اس کا منکر کافر ہو جائے گا۔

رمضان کے روزوں کی حکمت

(۱) حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "جنت الفردوس کا ولیمہ تناول کرنے کے لئے اپنے آپ کو بھوکا رکھو"

(۲) بھوک کو لازم قرار دیا تاکہ بھوکوں پر رحم کریں۔ (۳) نیزہ اور کمان وغیرہ ٹیڑھی اشیاء کو آگ میں تپا کر سیدھا کیا جاتا ہے، لہٰذا اطاعت ربانی سے کجی اختیار کرنے اور منہ موڑنے والے نفوس کو سیدھا کرنے اور اصلاح کے لئے بھوک کی آگ اور بھٹی میں تپانے کا حکم دیا، حقیقی آگ کا اللہ نے اپنے فضل و کرم سے حکم نہ دیا۔ (۴) فرشتوں نے مومنین کے گناہوں کی کثرت کی شکایت کی۔ جب رمضان کے روزے رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "اگر خارج رمضان میری نافرمانی کی تو رمضان میں میری خاطر مشقتوں کو برداشت کیا لہٰذا فرشتوں نے شکایت کے بجائے سفارش شروع کی قرآن میں ان کے الفاظ نقل ہوئے۔ **فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَا تَّبَعُوْا سَبِيلَكَ**
ترجمہ: "سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک و کفر سے) توبہ کرلی ہے اور آپکے رستے پر چلتے ہیں۔" (المومن آیت ۷)

(۵) روزے کی برکت سے واجب اور سنت زہد حاصل ہوتا ہے۔

(۶) خیر خواہ طبیب اور معالج بیماری میں پرہیز کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا اللہ نے گناہوں کے بیمار پر نرمی برتتے ہوئے پرہیز (بھوک پیاس وغیرہ) کا حکم دیا۔

(۷) شیطان انسان کا دشمن ہے جو مستقل اس کے درپے آزار و ہلاکت ہے، لہٰذا ایک مومن کا کام یہ ہے کہ بھوکا پیاسا رہ کر اس کے راستوں کو بند کر دے، یہی مفہوم ہے اس فرمان کا کہ شیطان انسانی بدن میں خون کی طرح چکر لگاتا ہے لہٰذا اس کی گذر گاہ کو بھوک و پیاس سے تنگ کر دو۔

لفظ "صوم" (روزہ) کا مفہوم عربی زبان میں روکنا ہے۔ اور شرعی مفہوم ہے "پیٹ، شرمگاہ اور منہ کی شہوت کو اللہ کی اطاعت میں نیت کے ساتھ قبل فجر سے غروب تک روکنا۔"

رمضان کا روزہ ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے واجب ہو گا۔ (۱) شعبان کے ۳۰ دن مکمل ہو۔ (۲) کسی کو ۲۹ ر کو چاند نظر آئے تو اسے روزہ رکھنا واجب ہے چاہے وہ فاسق ہو، آئنہ وغیرہ کے واسطہ سے نظر آنے کا اعتبار نہ ہو گا منجم اور حاسب کی بات کا بھی اعتبار نہ ہو گا۔ (۳) جسے خود نظر نہ آئے اس کے حق میں ایک عادل گواہ کے ذریعہ چاند کی رویت کا ثبوت ہونا چاہئے۔

احادیث (۱) "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ اور بادل وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آسکے تو شعبان کی گنتی ۳۰ ر تک مکمل کرو" (بخاری و مسلم)

(۲) "حضرت ابن عمرؓ نے آپ ﷺ کو یہ خبر دی کہ انہوں نے چاند دیکھا تو آپ ﷺ نے بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ کا حکم دیا" (ابوداود وصححہ ابن حبان)

(۳) ایک اعرابی نے آپ ﷺ کے روبرو چاند کی گواہی دی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو روزہ کا حکم دیا (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان دار قطنی اور بیہقی)

(اکثر مسائل میں اور دیگر مہینوں کے ثبوت کے لئے دو گواہ ضروری ہیں لیکن) رمضان کے لئے احتیاطاً شریعت نے ایک عادل گواہ

بھی کافی قرار دیا ہے گواہ کے لئے جو شرائط ہیں اس کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا فاسق، غلام اور عورت کی گواہی کافی نہیں ہے، لیکن اس کے اندرونی تقوی کا گہرائی سے علم ہونا ضروری نہیں ہے ظاہری حالت کافی ہے، یعنی بظاہر جو متقی ہو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

رمضان کی گواہی شہادت حِسبَہ ہے، اسلئے پہلے کسی دعوی کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، البتہ کسی ایسے قاضی کے سامنے گواہی ہو جس کے احکام اور فیصلوں کا نفاذ ہوتا ہو۔ امام بغویؒ اور بعض دیگر علماء نے کہا کہ کسی کو ایسا شخص جو اس کے نزدیک معتمد اور معتبر ہو رویت ہلال کی خبر دے اور وہ اسے سچا یقین کرے تو اسے روزہ رکھنا واجب ہے، چاہے وہ قاضی کے سامنے نہ کہے۔ اسی طرح فاسق، غلام یا عورت خبر دے اور یہ ان کی تصدیق کرے تو اسے روزہ واجب ہے۔

شهادت

شہادت میں یہ کہنا کافی ہے۔ 'میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے چاند دیکھا۔' ایک ہی گواہ سے رمضان کا ثبوت صرف روزے اور اس کے تابع امور جیسے تراویح کے حق میں ہوگا۔ قرض کی ادائیگی کا وقت پہلا رمضان مقرر ہو یا چاند پر طلاق معلق ہو تو ان امور کے لئے ایک گواہ سے ثابت ہونا کافی نہیں۔ (بلکہ دو گواہ ضروری ہیں) لیکن خود گواہ سے متعلق ہو تو کافی ہے کیونکہ وہ خود اعتراف کر رہا ہے کہ رمضان شروع ہو چکا۔

ایک یا دو عادل گواہ کی وجہ سے روزہ شروع کرنے کے بعد ۳۰/ دن مکمل ہو جائیں اور شوال کا چاند نظر نہ بھی آئے اور بدلی وغیرہ نہ ہو، تب بھی دوسرے دن عید منائیں گے، کیونکہ ۳۰/ دن گذرنے سے مہینہ مکمل ہوتا ہے۔ یہاں ایک گواہ سے عید منانے کا اشکال وارد نہ ہوگا، کیونکہ ایک چیز مقصوداً ثابت نہ بھی ہو، تو ضمناً ثابت ہو جاتی ہے۔

اتحاد و اختلاف مطالع: ایک جگہ چاند نظر آئے تو اس سے قریب علاقوں میں بھی اسے تسلیم کیا جائیگا، نہ کہ دور و دراز علاقوں میں۔ قرب و بعد کا دار و مدار اختلاف مطالع پر ہے۔ جن دو مقامات کے طلوع شمس یا طلوع فجر یا طلوع کواکب (ستارے) اور ان کے غروب کے اوقات مختلف ہوں ان کے درمیان اختلاف مطالع ہوگا ورنہ اتحاد مطالع۔ بعضوں نے کہا کہ دو مقامات اتنے فاصلہ پر ہوں کہ ایک جگہ چاند کی رویت کے باوجود غالباً دوسری جگہ چاند نظر نہ آتا ہو تو ان میں اختلافِ مطالع ہوگا اور یہ بعید شمار ہونگے۔ لہٰذا ایک جگہ نظر آنے سے دوسری جگہ ثابت نہ ہوگا۔ جیسا کہ طلوع فجر و طلوع شمس اور غروب (اور اس کی وجہ سے نماز کے اوقات اور سحری و افطار کے اوقات میں) قریب و بعید علاقہ میں فرق ہوتا ہے۔ اگر مشرقی علاقہ میں چاند نظر آئے تو اسی جہت (سمت) اور عرض میں مغربی علاقہ میں نظر آنا لازمی ہے۔ (اگر مطالع کے اتفاق و اختلاف میں شک ہو، تو اختلاف پر محمول کریں گے۔ تاج تبریزی فرماتے ہیں کہ ۲۴/ فرسخ (۷۲) میل سے کم میں اختلافِ مطالع ممکن نہیں۔ نہایۃ ۱۵۶/۳)

حدیث: حضرت کریب فرماتے ہیں ''میں نے شام میں (رمضان کا) چاند دیکھا پھر مدینہ منورہ آیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں نے چاند کب دیکھا، میں نے کہا جمعہ کی شب میں، دریافت فرمایا۔ کیا تم نے دیکھا؟ میں نے کہا جی ہاں اور لوگوں نے بھی دیکھا اور انہوں نے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لیکن ہم لوگوں نے سنیچر کی شب دیکھا ہے، لہٰذا ہم (۳۰ کی) گنتی مکمل ہونے تک روزہ رکھیں گے۔ میں نے عرض کیا، تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رویت اور ان کا روزہ رکھنا آپ کے لئے کافی نہیں؟ فرمایا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہی حکم دیا ہے (مسلم)

جس جگہ چاند نظر آئے وہاں سے کوئی شخص دوسری جگہ سفر کرے جہاں ۲۹؍ کو چاند نظر نہ آیا تھا تو آخری روزہ میں ان کی موافقت کرے۔ (چاہے اس کے ۳۱؍ روزے ہو جائیں) اگر اپنی بستی میں عید منا کر وہاں پہنچا (اور وہاں ابھی روزہ ہو) تو ان کے ساتھ امساک کرے۔ (یعنی روزے دار کی طرح بغیر کھائے پیئے بقیہ دن گذارے) چاہے اس کے ۳۰؍ روزے پورے ہو چکے ہوں، کیونکہ اب یہ بھی دوسری بستی والوں کے حکم میں ہے، بعد میں اس روزے کی قضاء کرلے۔ (اسی طرح کوئی مثلاً مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد سفر کر کے ایسی جگہ پہنچے جہاں ابھی سورج غروب نہیں ہوا تو وہاں کے غروب کے بعد پھر مغرب پڑھے)

اس کے برعکس جہاں چاند نظر نہیں آیا وہاں سے کوئی نظر آنے والی بستی میں پہنچے تو ان کے ساتھ عید منائے گرچہ ابھی اس کے اٹھائیس ۲۸؍ روزے ہوئے ہوں۔ یعنی رمضان ۲۹؍ کا ہو تو اس کی عید ان کے ساتھ ۲۹؍ ویں روزے کو ہوگی۔ اس کے ۲۹؍ روزے ہو چکے ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس بستی میں رمضان ۳۰؍ دن کا ہو۔ اسے صرف ۲۸؍ روزے ملے ہوں تو بعد میں ایک روزہ قضاء کرے کیونکہ ۲۸؍ کا مہینہ نہیں ہوتا۔ لیکن اسے ۲۹؍ دن مل چکے تو قضا کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مہینہ ۲۹ کا بھی ہوتا ہے (چاہے جس بستی سے چلا تھا وہاں رمضان ۳۰؍ دن کا ہو تب بھی قضا کی ضرورت نہیں ہے) دن میں چاند نظر آئے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر رمضان کی ۳۰؍ تاریخ کو زوال سے پہلے بھی چاند نظر آئے تو روزہ نہ توڑے، اور شعبان کی ۳۰؍ کو اس طرح نظر آئے تو امساک کی ضرورت نہیں۔ حضرت شقیق بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط آیا کہ چاند بعض بعض سے بڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا دن میں نظر آئے تو روزہ نہ توڑو جب تک کہ دو گواہ گواہی نہ دیں کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا۔ (دارقطنی، بیہقی باسناد صحیح)

کسی بھی وقت چاند پر نظر پڑے تو یہ دعا پڑھے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الْغَاسِقِ "(بغیۃ ص ۱۱۱) کسی بھی ماہ پہلی تاریخ کا چاند نظر آئے تو یہ دعا پڑھنا سنت ہے: اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبُّنَا وَرَبُّکَ اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الشَّھْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ الْقَدْرِ وَمِنْ شَرِّ الْمَحْشَرِ (ھِلَالَ خَیْرٍ وَرُشْدٍ دو مرتبہ اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَکَ (تین مرتبہ) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ذَھَبَ بِشَھْرِ کَذَا وَجَاءَ بِشَھْرِ کَذَا (پہلی کذا کی جگہ گذشتہ ماہ کا اور دوسرے کذا کی جگہ جو ماہ شروع ہوا اس کا نام لے) (بغیہ ص ۱۱۱ نہایۃ ۳/۱۵۷)

روزے کے ارکان

روزے کے تین ارکان ہیں۔ (۱) نیت (۲) امساک (مفطرات سے رکنا) (۳) روزہ دار

(۱) **نیت:** مشہور حدیث ہے۔ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ صحاح ستہ وغیرہ)

دیگر عبادات کی طرح ہر روزہ کے لئے نیت واجب ہے (رمضان۔ نذر یا کفارہ کے) فرض روزے کے لئے رات میں نیت کرنا واجب ہے، غروب کے بعد اور صبح صادق سے پہلے کسی بھی وقت نیت کرنا کافی ہے۔

حدیث: جو صبح صادق سے قبل (رات میں) روزے کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہے۔ (احمد۔ ابوداود۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن خزیمہ۔ دارقطنی) آگے آنے والی حضرت عائشہ کی روایت کے پیش نظر اس روایت کا تعلق فرض روزے سے ہے فرض روزہ کی نیت میں روزہ کی تعیین (یعنی رمضان یا نذر یا کفارہ کا ہے) بھی لازم ہے۔ اگر دو رمضان کے قضا روزے یا مختلف قسم کے کفارے کے روزے ذمہ میں ہوں اور صرف قضاءِ رمضان کی یا کفارہ کی نیت کرے، سال اور سببِ کفارہ کی تعیین نہ کرے، تو یہ جائز ہے

مخصوص ایام کے سنت روزوں میں (جیسے عرفہ، عاشورہ، ایام بیض اور شوال کے چھ ۶/روزے) تعیین لازم نہیں ہے، کیونکہ ان ایام میں روزے اسی میں شمار ہوں گے، بلکہ کسی اور روزے کی نیت کرے تو بھی یہ حاصل ہوں گے۔ جیسا کہ تحیۃ المسجد کا ثواب کسی اور نماز سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اصل مقصود ان ایام میں روزوں کا پایا جانا ہے۔

نیت کے بعد روزے کے منافی (مخالف عمل) پایا جائے تب بھی نیت صحیح ہوگی جیسے نیت کے بعد جماع کرنا یا از خود قئے کرنا۔ اسی طرح نیت کے بعد سو جائے یا حیض کا سلسلہ اکثر مدت کے بعد یا عادت کے مطابق ختم ہو جائے تو یہ نیت صحیح ہے۔ تجدید نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کوئی سبب روزے کی نیت کے منافی نہیں ہے۔ اگر فجر سے قبل نیت ہی ختم کر دے تو روزہ نہ ہوگا۔ صبح صادق سے قبل پھر نیت کرنا ضروری ہے۔ لیکن دن میں نیت کے ختم کرنے سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔ البتہ ردّت (اسلام چھوڑنا) دن میں بھی ہو تو روزہ ختم ہو جائے گا۔ سنت (نفل) روزوں کی نیت زوال سے قبل کرنا بھی صحیح ہے۔

حدیث: ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا "کیا تمہارے پاس (کھانے کے لئے) کچھ ہے؟ عرض کیا "یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" فرمایا: "پھر میں روزہ رکھتا ہوں۔" (مسلم، ابوداود۔ ابن حبان) ایک روایت میں ہے "کیا تمہارے پاس کچھ ناشتہ ہے"۔

زوال کے قبل نیت کرنے سے نفلی روزہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ صبح صادق کے بعد سے روزے کے منافی کوئی بات (جیسے کھانا۔ جماع۔ کفر۔ حیض۔ نفاس۔ پاگل پن۔) نہ پائی جائے ورنہ روزہ صحیح نہ ہوگا۔

کامل نیت: نَوَیْتُ صَوْمَ غَدٍ عَنْ اَدَاءِ فَرْضِ رَمْضَانِ هٰذِهِ السَّنَةِ لِلّٰهِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: "میں نے کل اس سال کے رمضان کے فرض روزے کی ادائیگی کی نیت کی۔" تاکہ اس کے برعکس صورتوں سے متمیز ہو جائے۔ نیت کا اصل محل دل ہے۔ دل میں نیت ہو اور زبان سے نہ کہے تو کافی ہے لیکن زبان سے کہے اور دل میں نہ ہو تو یہ کافی نہیں۔ اگر سحری کرے تا کہ روزہ رکھے یا پانی پئے تا کہ دن میں پیاس نہ لگے یا صبح صادق کے خوف سے کھانے پینے یا جماع سے باز آئے اور تصور میں روزہ اپنے شرعی صفات کے ساتھ موجود ہو جس کا نیت میں خیال ہونا ضروری ہے تو یہ بھی نیت کہلائے گی۔ کیونکہ روزے کے قصد کو متضمن ہے۔

۳۰/ رمضان کی رات کل رمضان کے روزے کی نیت کرے اور (چاند نظر نہ آیا اور) رمضان ہی تھا تو یہ روزہ صحیح ہے۔ لیکن ۳۰/ شعبان کی شب میں اس طرح نیت کرنے سے روزہ صحیح نہ ہوگا۔ (کیونکہ ابھی رمضان کا ثبوت نہیں ہوا، اس لئے پختہ نیت نہ ہوگی) البتہ اس کے نزدیک کسی معتبر شخص کے کہنے سے رمضان کا گمان ہو تو بالجزم نیت کی وجہ سے روزہ صحیح ہے۔

اگر یوں نیت کرے کہ کل شعبان ہو تو نفل روزہ اور رمضان ہو تو فرض روزہ (اور کوئی علامت نہ ہو) تو شعبان ہونے کی صورت میں نفل روزہ صحیح ہوگا کیونکہ اصل بقائے شعبان ہے اور رمضان ہو تو فرض یا نفل دونوں صحیح نہیں ہے۔

اگر کسی کو قید و بند میں ہونے کی وجہ سے رمضان کا علم نہ ہو سکے تو مختلف علامتوں کی روشنی میں اندازہ لگا کر روزہ رکھے اگر واقعتاً یہ روزے رمضان میں ہی رکھے ہیں تو ادا ہیں اور بعد میں ہیں تو قضاء ہیں۔ اور پہلے ہیں اور پھر رمضان مل جائے تو اس میں ادا کرے ورنہ بعد میں قضا کرے اگر آئندہ سال کے رمضان میں واقع ہو تو اس کی طرف سے ادا ہوں گے نہ کہ سابقہ سال کی قضاء۔

(۲) جو معذور جاہل نہ ہو اور مختار ہو اور روزہ یاد ہو اس شخص کو مندرجہ ذیل امور سے رکنا لازم ہے۔

(الف) جماع

(ب) عمداً قئے کرنا، لہٰذا جو روزہ دار ہونا یاد ہوتے ہوئے اپنے اختیار سے حرمت کے علم کے باوجود (یا علم نہ ہو لیکن اس میں کوتاہی کی ہو) جماع کرلے یا ازخود قئے نکالے تو اس کا روزہ باطل ہو گا (ٹوٹ جائیگا) جماع کے مسئلہ میں اجماع ہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا۔" جسے روزہ میں خود بخود قئے ہو جائے تو اس پر قضاء نہیں اور جو ازخود قئے نکالے وہ قضاء کرے (سنن۔دارمی۔ابن حبان۔دارقطنی۔حاکم)

اگر (روزہ ہونا) بھول کر یا کسی کے مجبور اور زبردستی کرنے سے بے اختیار یا مسئلہ کی لاعلمی کی وجہ سے جبکہ اس لاعلمی میں وہ قصوروار نہ ہو یعنی تازہ نومسلم ہو یا علماء سے (یعنی اس مسئلہ کے جاننے والے عالم سے) دور دراز علاقہ میں پلا بڑھا ہو اور جماع یا قئے کرے تو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ ازخود قئے ہو جانے سے بھی روزہ باطل نہ ہو گا۔ عمداً قئے کرنا خود ہی مبطل ہے، گرچہ واپس پیٹ میں ایک قطرہ بھی نہ جائے۔ اندر سے بلغم نکال کر تھوکنے میں حرج نہیں۔ اگر دماغ سے بلغم اترے اور منہ کے حد ظاہر تک (یعنی لفظ 'ح' کے مخرج تک) پہنچ جائے اور اسے تھوکنے پر قادر تھا اور نہ تھوکا اور پیٹ میں چلا گیا تو روزہ باطل ہو گا۔ اگر تھوک نہ پایا تو باطل نہ ہو گا۔

کسی بھی عین (چیز) کا منفذِ مَفتوح (کھلے ہوئے راستے) سے جوف (خالی جگہ میں) جانا، گرچہ اس جوف میں غذا یا دوا کو بدلنے (اور ہضم کرنے) کی قوت نہ ہو، جیسے حلق، دماغ، کان کا اندرونی حصہ، پیٹ، پیشاب اور پستان کا سوراخ اور مثانہ صرف ہوا داخل ہو یا ذائقہ محسوس ہو تو حرج نہیں، کیونکہ یہ عین نہیں ہیں (دھواں اندر چلا جائے تو روزہ نہ ٹوٹے گا لیکن بیڑی وغیرہ کے دھوئیں سے ٹوٹ جائیگا۔ بشری الکریم ۶۸/۲) تیل یا سرمہ مسامات کے ذریعہ اندر پہنچے تو حرج نہیں، جیسا کہ پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں، چاہے اس کا اثر اندر محسوس ہو، کیونکہ یہ منفذِ مفتوح کے ذریعہ نہیں پہنچے۔ خالص پاک تھوک اپنے معدن (منہ) سے پیٹ میں جائے گرچہ منہ میں جمع کرنے کے بعد یا زبان باہر نکالنے کے بعد اس پر موجود تھوک ہو، اس سے روزہ باطل نہ ہو گا۔ کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے۔ تھوک نجس ہو یا اس میں کسی اور چیز کی آمیزش ہو یا منہ سے باہر نکالنے کے بعد (گرچہ ظاہری ہونٹ پر ہی کیوں نہ ہو) پیٹ میں جائے تو روزہ باطل ہو گا۔ جس کے مسوڑھوں سے ہمیشہ خون نکلتا رہے، وہ اچھی طرح تھوک کر منہ کو صاف کرے کہ تھوک سفید ہو جائے تو یہ کافی ہے، اسے مشقت کی وجہ سے کلی کرنے اور منہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ کان میں سخت تکلیف کی وجہ سے دوا ڈالنے کی نوبت آئے اور اس میں فائدہ کی تحقیق ہو تو استعمال کی اجازت ہے اور مجبوری کی وجہ سے روزہ صحیح ہو گا۔ معتبر ڈاکٹر کے کہنے سے کسی بیماری میں قئے کرنی پڑے تو اس سے روزہ باطل ہو گا۔ (بغیۃ المسترشدین ص ۱۱۱)

مکھی، مچھر، راستہ کا غبار یا آٹا چھانتے وقت اس کے ذرات پیٹ میں جائے تو روزہ باطل نہ ہو گا، کیونکہ پہلی دونوں صورتوں میں عمداً نہیں کیا اور آخری صورتوں میں اس سے احتیاط کافی دشوار ہے۔ اگر بھول سے کوئی چیز جوف میں پہنچ جائے یا اسے لوٹانے پر قادر نہ ہو یا زبردستی اور جبراً ایوں ہو یا مسئلہ سے لاعلمی اس کا سبب ہو جبکہ لاعلمی میں اس کا قصور نہ ہو تو ان صورتوں میں روزہ باطل نہ ہو گا۔

حدیث: کوئی شخص روزہ میں بھول کر کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ مکمل کرلے، اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے"۔ (متفق علیہ) ابن حبان اور دارقطنی وغیرہ کی روایت میں ہے "اس پر قضاء لازم نہیں" (تلخیص الحبیر ۲/۴۰۷)

اگر بواسیر کے مسے باہر نکلیں اور انہیں اندر داخل کرے تو حرج نہیں، اگر مجبوراً انگلی بھی ساتھ داخل کرنی پڑے تو وہ بھی معاف ہے۔ مجبوری نہ ہو اور انگلی داخل کرے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

پانی کے غیر مطلوب استعمال سے وہ پیٹ وغیرہ میں چلا جائے تو روزہ باطل ہو گا، جیسے کلی اور استنشاق میں مبالغہ کرنا، وضو میں چوتھی

مرتبہ کلی واستنشاق کرنا۔ اگر منہ سے نجاست دور کرنے کیلئے۔ مبالغہ کرے یا وضو میں مبالغہ نہ کرے اور بلا اختیار پانی پیٹ میں چلا جائے تو روزہ باطل نہ ہو گا

واجب یا مسنون غسل میں پانی کان وغیرہ میں چلا جائے تو حرج نہیں، اگر غوطہ لگانے سے کان میں پانی جاتا ہو اور اس سے بچنا مشکل ہو تو غوطہ لگانا حرام ہے۔ اور کان میں پانی جانے سے روزہ باطل ہو گا۔ صرف ٹھنڈک حاصل کرنے یا صفائی و نظافت کے لئے غسل کرے اور کان میں پانی چلا جائے تو روزہ باطل ہو گا۔

(د) استمناء (قصداً اپنی منی نکالنا)۔ اپنے یا بیوی یا کسی اور کے ہاتھ سے بلا حائل یا حائل کے ساتھ منی نکالے تو روزہ باطل ہو گا، کیونکہ بغیر انزال کے جماع سے جب روزہ باطل ہو تا ہے تو شہوت کے اس عمل سے بصورت انزال بدرجہ اولی باطل ہو گا۔ اسی طرح بلا حائل بیوی کو چھونے، بوسہ لینے یا ساتھ لیٹنے سے منی نکلے تو روزہ باطل ہو گا لیکن اگر حائل ہو (چاہے پتلا کپڑا ہی کیوں نہ ہو) تو روزہ باطل نہ ہو گا۔ کھجلی وغیرہ کی وجہ سے شرمگاہ کو کھجائے اور انزال ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

صرف کسی کو دیکھنے یا کچھ سوچنے کی وجہ سے انزال ہو تو روزہ باطل نہ ہو گا۔ جیسا کہ احتلام کی وجہ سے باطل نہیں ہو گا۔ اگر تحریک شہوت (انزال) کا اندیشہ ہو تو (فرض روزے میں) بیوی کو چھونا اور بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے، اگر ایسا کوئی خطرہ نہ ہو تو یہ جائز ہے لیکن اسکا ترک اولی اور بہتر ہے، کیونکہ روزہ دار کو شہوتوں کا ترک کرنا مسنون ہے۔ حرمت کا حکم نہیں لگا یا کیونکہ اس صورت میں انزال کا احتمال ضعیف ہے۔

حدیث: (۱) آپ ﷺ بعض ازواج مطہرات کا روزہ میں بوسہ لیتے، آپ ﷺ کو اپنی حاجت پر مکمل قابو تھا۔ (متفق علیہ)

(۲) آپ ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو روزہ میں مباشرت (بیوی کے ساتھ صرف لیٹنے وغیرہ) کی اجازت دی اور دوسرے شخص کو جو جوان تھا منع فرمایا۔(ابوداود۔بیہقی)

ورد وغیرہ کے ذریعے وقت کا اندازہ لگا کر (تحری سے) افطار کرنا جائز ہے صرف ظن (گمان) سے افطار کی اجازت نہیں کیونکہ اصل دن کا باقی رہنا ہے، لیکن غروب کا یقین ہو جائے (مشاہدہ وغیرہ سے) پھر افطار کرے تو یہ بہتر ہے، تاکہ غلطی سے محفوظ رہے۔ سحری کا وقت باقی رہنے میں شک بھی ہو تو سحری کر سکتا ہے کیونکہ اصل ابھی رات کا باقی ہونا ہے۔ لہٰذا روزہ صحیح ہو گا جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ صبح صادق ہونے کے بعد سحری ہوئی۔

تحری کر کے اندازہ لگا کر سحری یا افطار کرنے کے بعد معلوم ہو جائے کہ اندازہ غلط تھا تو روزہ صحیح نہ ہو گا، کیونکہ ایسا ظن و گمان جس کی غلطی واضح ہو چکی ہو معتبر نہیں۔ اگر بغیر تحری کے سحری یا افطار کرے اور کچھ پتہ نہ چلے تو سحری تو صحیح ہے لیکن افطار غلط ہے (اور روزہ نہ ہو گا) اگر بعد میں دونوں کا اپنے وقت میں ہونا معلوم ہو تو دونوں صحیح ہیں۔ اور دونوں کی غلطی واضح ہو تو دونوں غیر معتبر ہیں۔ اگر صبح صادق کے وقت منہ میں کھانا ہو اور اس میں سے کچھ بھی نہ نگلے بلکہ پھینک دے یا منہ میں ہی رکھے تو روزہ صحیح ہے۔ پھینکنے کی صورت میں بلا اختیار کچھ اندر چلا بھی جائے تو حرج نہیں لیکن دوسری صورت میں اگر اندر چلا گیا تو روزہ باطل ہو گا۔

دوران جماع صبح صادق ہو اور فوراً ترک جماع کی نیت سے جدا ہو جائے تو روزہ صحیح ہے۔ گرچہ بعد میں انزال ہو جائے۔ اگر ترک جماع کی نیت کے بغیر یا لذت حاصل کرنے کے لئے جدا ہوا ہو تو روزہ باطل ہو گا۔ اگر صبح صادق ہوتے ہی جدا نہ ہوا چاہے صبح صادق کا علم

ہو یا نہ ہو تو روزہ صحیح نہ ہو گا۔

انجکشن: روزہ کی حالت میں بطور علاج انجکشن لگوانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے روزہ فاسد نہ ہو گا۔(من فتاوی الصیام)

(۳)**روزہ دار**: روزہ دار کے لئے مکمل دن (صبح صادق سے غروب تک) اسلام، عقل اور حیض ونفاس سے پاکی شرط ہے لہٰذا دن کے کسی بھی حصہ میں ان صفات میں سے کسی کی ضد پائی گئی تو روزہ صحیح نہیں۔ لہٰذا دن میں ایک سیکنڈ بھی کفر یا پاگل پن پایا گیا تو روزہ نہ ہو گا۔ حائضہ ونفساء کو روزہ کی نیت سے امساک حرام ہے لیکن کسی مفطر (روزے کے منافی عمل جیسے کھانا وغیرہ) پر عمل کرنا واجب نہیں ۔ صرف روزہ کی نیت نہ ہونا کافی ہے، جیسے عید کا حکم ہے۔ بچہ کی ولادت ہو یا علقہ یا مضغہ کا اسقاط ہو گرچہ بغیر تری کے تو روزہ صحیح نہ ہو گا سارا دن سوتا رہا تو روزہ ہو جائیگا۔ دن کے بعض حصہ میں بے ہوشی یا نشہ پایا جائے تو روزہ صحیح ہے۔ لیکن مکمل دن بے ہوش رہا، یا نشہ میں رہا تو روزہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں صفت انسان کو اہلیت خطاب سے خارج کرتے ہیں۔ بخلاف نیند کے کیونکہ نیند سے فوت شدہ نماز کی قضا لازم ہے۔ بخلاف بے ہوش کے اور اس نشہ کے جس میں اس کی غلطی نہ ہو، لہٰذا اگر کوئی رات میں شراب پئے اور دن کے بعض حصے میں ہوش میں ہو تو روزہ صحیح ہو گا۔ ممیز کا روزہ صحیح ہے، غیر ممیز کا صحیح نہیں ہے۔

وقت کے اعتبار سے روزہ کے صحت کی شرط: روزہ دن میں رکھا جائے نہ کہ رات میں، عید الفطر اور عید الاضحی کا دن نہ ہو۔ صحیحین کی حدیث میں دونوں عید کے روزے سے منع فرمایا ہے۔ ایام تشریق (یعنی ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ) میں بھی روزہ رکھنا منع ہے، چاہے تمتع کے طریقہ پر حج کرنے والا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ ابو داؤد کی ایک صحیح روایت میں ان ایّام کے روزوں سے روکا گیا ہے۔ یوم الشک (شک کے دن) میں بغیر معتبر سبب کے روزہ نہ رکھے۔ کیونکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو یوم الشک میں روزہ رکھے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔(رواہ الترمذی وغیرہ وصححہ)

فرض یا سنت روزہ کی قضاء، نذر کا روزہ اور ورد کا روزہ شک کے دن رکھنا بلا کراہت صحیح ہے۔ ورد کا مطلب یہ کہ کسی کی روزہ کی کوئی خاص عادت ہو جیسے پیر یا جمعرات کا روزہ رکھنا یا ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا، اور شک کے دن اس کی ترتیب کے مطابق روزہ کا دن ہو تو رکھنا صحیح ہے یوم الشک سے قبل ایک مرتبہ بھی رکھنے سے وہ ورد میں شمار ہو گا۔ مذکورہ روزوں کو کوئی عمداً موخر کرے تاکہ ۱۵/ شعبان کے بعد یا یوم الشک میں رکھے تو حرام ہے، اور صحیح نہ ہوں گے۔

حدیث: رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ شروع نہ کرو۔ البتہ جو شخص کوئی روزہ رکھتا تھا تو وہ رکھ سکتا ہے" (صحیحین) مثلاً کوئی ہمیشہ یا داؤدی روزہ کا عادی ہو۔ ورد پر بقیہ روزوں کو بھی قیاس کر لیں گے سببیت میں اشتراک کی وجہ سے۔

یوم الشک: یوم الشک سے مراد شعبان کی ۳۰/ تاریخ ہے، جبکہ لوگوں میں چاند کا چرچا اور افواہ ہو۔ لیکن کسی نے گواہی نہ دی ہو یا ایسے ایک سے زائد لوگوں نے گواہی دی ہو جو قبول نہ ہو، جیسے بچے، عورتیں، غلام اور فاسق وبدکار لوگ، لیکن جن لوگوں کو مذکورہ گواہی کی سچائی کا ظن اور گمان ہو ان کے حق میں یہ یوم الشک نہ ہو گا۔ لہٰذا وہ روزہ کی نیت کر سکتے ہیں، بلکہ ان پر روزہ واجب ہے۔ اور رمضان ثابت ہو جائے تو یہ روزہ کافی ہو جائے گا۔ (قضاء کی ضرورت نہیں) اگر لوگوں میں چاند دکھائی دینے کا چرچا ہی نہیں ہوا اور کسی نے گواہی بھی نہیں دی یا مذکورہ لوگوں میں سے صرف ایک نے گواہی دی تو یہ یوم الشک نہیں، بلکہ شعبان کی ۳۰/ تاریخ ہے، گرچہ مطلع ابر آلود ہو، کیونکہ صحیحین کی روایت میں اس صورت میں شعبان کے ۳۰/ دن مکمل کرنے کا حکم موجود ہے۔

۱۵ شعبان کے بعد روزہ: ۱۵/ شعبان کے بعد بلا سبب روزہ رکھنا حرام ہے جبکہ سابق سے نہ ملائے۔ یعنی کوئی ۱۵/ شعبان کو روزہ رکھے اور آگے بھی رکھتا چلا جائے تو جائز ہے۔ اگر ۱۵/ کو نہیں رکھا تو آگے نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح ۱۵/ سے رکھتا رہا پھر مثلاً ۲۰/ کو چھوڑ دیا، تو اب آگے نہیں رکھ سکتا۔ قضاء، نذر اور ورد کے روزے ان ایام میں جائز ہیں۔

روزے کی سنتیں

(۱) **سحری کرنا:** ایک حدیث کی رو سے سحری کھجور سے سنت ہے، اس کا وقت نصف شب سے شروع ہوتا ہے، سحری اس امت کی خصوصیت ہے، سابقہ امتیں سونے سے قبل کھالیا کرتے، عشاء کے وقت سے ان پر کھانا پینا حرام تھا۔ قلیل و کثیر مقدار سے سحری حاصل ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے ''سحری کرو، اگرچہ ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو''

احادیث: (۱) سحری کیا کرو کیونکہ اس میں برکت ہے'' (متفق علیہ)

(۲) ''سحری کے کھانے کے ذریعہ روزے پر اور قیلولہ کے ذریعہ قیام اللیل پر مدد حاصل کرو''۔ (ابن ماجہ، حاکم)

(۳) اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے فرشتہ سحری کرنے والوں پر درود بھیجتے ہیں''۔ (ابن حبان)

سحری میں تاخیر مستحب ہے۔ حدیث میں ہے ''۔ آپ ﷺ کی سحری اور نماز (فجر) میں پچاس آیتوں کی تلاوت کے بقدر فاصلہ تھا'' (متفق علیہ) سحری کی تاخیر میں یہود نصاریٰ کی مخالفت ہے۔ اور عبادت پر قوت حاصل کرنے کے لئے بھی معین و مددگار ہے۔ سحری اور تاخیرِ سحری اس وقت مستحب ہے جبکہ ابھی رات باقی ہونے کا یقین ہو۔

(۲) **افطار جلد کرنا:** آپ ﷺ نے فرمایا ''لوگ بھلائی پر قائم رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے'' (متفق علیہ)۔ ترمذی کی روایت میں ہے ''اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک محبوب ترین بندے جلد افطار کرنے والے ہیں'' جب رات ہونے کا یقین ہو جائے تو افطار میں تعجیل (جلدی کرنا) مستحب ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو افضل ہے کہ تعجیل نہ کرے۔ بلکہ بغیر تحری کے تعجیل حرام ہے۔ جیسا کہ تفصیل گذر چکی۔ قصداً اور فضیلت سمجھ کر افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے، ورنہ کراہت نہیں ہے۔ افطار کے وقت کوئی راستہ سے گذر رہا ہو تب بھی اسے تعجیل سنت ہے اور اس کی وجہ سے اس کی مروت پر اثر نہ پڑے گا۔ (یعنی اس صورت میں راستہ میں کھانے میں حرج نہیں عام حالات میں یہ خلاف مروت ہے)

(۳) **کھجور سے افطار کرنا:** کھجور سے افطار کرنا سنت ہے اصل سنت ایک کھجور سے حاصل ہوگی اور اقل کمال تین کھجور سے، زائد میں بھی طاق کی رعایت کرے، کھجور نہ ہو تو پانی سے افطار کرے ورنہ کسی اور میٹھی اور شیریں چیز سے۔ دوسروں کو افطار کرانا سنت ہے کسی نے افطار کے لئے کھجور دیا تو اُسے افطار ہی میں استعمال کرنا چاہئے۔ وقت ہونے کے بعد کھجور کا انتظار کرنے کے بجائے پانی سے جلد افطار کرنا افضل ہے۔

اگر رُطب (تازہ کھجور) ہو تو اسے تمر (خشک کھجور) پر مقدم رکھے۔

حدیث: (۱) جسے کھجور میسر ہو وہ اسی سے افطار کرے اور جسے کھجور نہ ملے وہ پانی سے افطار کرے۔ کیونکہ وہ طہور ہے'' (پاک اور پاک کرنے والا) (اصحاب السنن، احمد، ابن حبان، حاکم)

(۲) ''آپ ﷺ نماز سے پہلے چند رطب (تر کھجور) پر افطار فرماتے وہ نہ ہو تو تمر (خشک کھجور) پر ورنہ چند گھونٹ پانی پیتے''

(احمد، ترمذی، نسائی) کسی روزے دار کو افطار کرانا مسنون ہے، یعنی اسے کھانا کھلائے، اس سے مجبور ہو تو کھجور یا پانی کے گھونٹ سے افطار کرائے۔

حدیث ”جو کسی روزہ دار کو افطار کرائے، اسے اس کی طرح ثواب ملے گا، نیز روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی بھی نہ ہوگی“ (ترمذی وصححہ)(المنتہی)

(۴) روزے کے تعلق سے ان امور کا ترک مسنون ہے۔

(الف) ہر قبیح و فحش امر جیسے جھوٹ، غیبت وغیرہ کو ترک کرے گناہ ہونے کے اعتبار سے تو ان کا ترک واجب ہے لیکن روزہ کے کامل ثواب کے حصول کے پیشِ نظر اسے روزہ کے سنت میں شمار کیا گیا۔

حدیث: (۱) ”جو جھوٹی بات اور اس پر عمل کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے سے رکنے سے کوئی مطلب نہیں“ (بخاری۔اصحاب السنن)

(۲) روزہ ڈھال ہے، لہٰذا کوئی روزہ میں فحش اور گندی بات اور جہالت (کے کام) نہ کرے، اگر کسی نے اس سے گالی گلوچ یا لڑائی کی تو یہ کہدے کہ میرا روزہ ہے۔ (نسائی) پہلے فقرہ کے علاوہ بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

(ب) ایسی خواہش اور رغبتیں جو روزہ کو باطل نہ کرے اسے ترک کرنا سنت ہے، جیسے خوشبو سونگھنا، پھولوں کو چھونا اور دیکھنا وغیرہ۔ رات خوشبو استعمال کرے اور دن میں اس کا اثر باقی ہو تو بعض علماء کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے۔ روزہ دار کے لئے سرمہ نہ لگانا بہتر ہے، کیونکہ اس میں زینت ہے، نیز تاکہ امام مالکؒ کے اختلاف سے بچ جائیں۔ کیونکہ وہ (سرمہ کی وجہ سے) روزہ فاسد ہونے کے قائل ہیں۔ (اعانۃ)

(ج) فصد اور سینگی کا ترک مستحب ہے۔ کیونکہ یہ کمزوری کا باعث ہے۔

(د) کھانا وغیرہ نہ چکھے کہ مکروہ ہے، کہیں حلق میں نہ چلا جائے۔ اگر چھوٹے بچے کو کچھ چبا کر دینا پڑے تو کراہت نہیں۔

(ھ) گوند جیسی چیز نہ چبائے، یہ مکروہ ہے۔

(۵) فرض غسل رات ہی (صبح صادق سے پہلے) کر لینا سنت ہے تاکہ روزہ کے ابتداء سے پاکی رہے۔

(۶) افطار کے بعد یہ دعا پڑھے: (۱) اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (ابوداؤد باسناد حسن مرسل)

ترجمہ: اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا۔

(۲) ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ“ (ابوداؤد، نسائی، دارقطنی حاکم)

ترجمہ: پیاس ختم ہوئی اور رگیں تر ہوئیں اور انشاء اللہ اجر ثابت ہوا۔

(۷) رمضان میں صدقہ اور تلاوت قرآن کی کثرت رکھے۔ اہل و عیال کے خرچ میں اور دیگر رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک میں مزید توسّع سے کام لے۔ کیونکہ اس ماہ میں نیکیوں کا ثواب بہت بڑھ جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا جود وسخا رمضان میں بالکل عروج پر ہوتا (متفق علیہ) روزہ داروں کو رات کے کھانے وغیرہ کے ذریعہ افطار کرائے، ورنہ جتنا میسر ہو، کم از کم پانی سے ہی کیوں نہ ہو، تاکہ روزہ کھلوانے کا ثواب ملے۔ یہ سارے امور شرعاً ہمیشہ مطلوب ہیں، لیکن رمضان میں تاکید بڑھ جاتی ہے۔ تلاوت قرآن ہر جگہ

(سوائے نجس مقامات کے) مستحب ہے حتی کہ راستہ وغیرہ میں بھی جبکہ اس پر توجہ ہو۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان میں ہر شب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ایک دوسرے کو قرآن سنایا کرتے۔ (بخاری ومسلم) مصحف شریف میں دیکھ کر، قبلہ رو ہو کر اور جہراً (آواز سے) تلاوت مستحب ہے۔ جبکہ ریاکاری کا اندیشہ نہ ہو اور جہر سے کسی نمازی یا سونے والے کو تکلیف نہ ہو۔ (ورنہ آہستہ تلاوت کرے)

رمضان میں اعتکاف کرنا سنت ہے، اعتکاف اور دیگر مذکورہ عبادات کی تاکید عشرہ اخیرہ میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں وصال تک اعتکاف فرماتے رہے، اور آپ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف فرمایا"۔ (متفق علیہ) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے درمیانی عشرہ میں اعتکاف فرمایا" (متفق علیہ) "ایک سال سفر کی وجہ سے آپ ﷺ اعتکاف نہ کر سکے لہٰذا آئندہ سال دو عشرہ کا اعتکاف فرمایا۔ (مستدرک) آپ ﷺ آخری عشرہ میں دیگر ایام کے مقابلہ میں عبادات میں اور بھی کوشش فرماتے (مسلم)

فصل رمضان کے روزہ کے وجوب کے شرائط۔

(۱) **اسلام**۔ کوئی مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام لائے تو ایام ردت کے روزوں کی قضا واجب ہے۔ ابتداء سے ایک کافر شخص اسلام قبول کرلے تو اسے سابقہ روزوں وغیرہ کی قضا کی ضرورت نہیں، بلکہ قضا کرے بھی تو منعقد نہ ہو گی۔

(۲) **مُکلف ہو**۔ یعنی عاقل اور بالغ ہو۔ بچہ، پاگل، بے ہوش اور نشہ میں مست آدمی پر (فی الحال) روزہ فرض نہیں ہے، لیکن بے ہوش اور مست آدمی کو بعد میں قضا لازم ہے۔ بچہ اور پاگل کو قضا لازم نہیں ہے۔ لیکن ردت یا نشہ میں جو پاگل پن پایا جائے ان ایام کی قضا لازم ہے۔ بچہ پانچ سات سال کی عمر میں باشعور ہوں اور روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو ان کو روزہ کا حکم دینا اور دس سال کی عمر کے بعد اس کے ترک پر ان کو مارنا ولی کے ذمہ واجب ہے، تاکہ ابھی سے روزہ کے عادی بنیں۔

(۳) **روزہ رکھنے کی طاقت ہو**۔ صحت مند ہو اور مقیم ہو جو حساً یا شرعاً روزہ نہ رکھ سکے۔ بڑھاپے، وہ مرض جس سے شفاء سے مایوسی ہو، حیض وغیرہ کی وجہ سے یا مسافر یا بیمار ہو تو ان پر (فی الحال) روزہ واجب نہیں ہے۔ جس مرض میں روزہ رکھنے سے ایسا ضرر لاحق ہو جس سے (بجائے وضو کے) تیمم کی اجازت ملتی ہو تو رخصت پر عمل کی نیت سے روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ روزہ رکھنے کے بعد یہ صورت پیش آئے تو توڑ سکتا ہے۔

آیت: وَ مَنۡ كَانَ مَرِيۡضاً اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ (البقرہ۔۱۸۵) ترجمہ: اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا (اس پر واجب ہے) اگر روزہ سے ہلاکت کا یا کسی عضو کے منفعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا واجب ہے، اگر مرض کا سلسلہ جاری ہو تو ابتداء سے نیت ہی چھوڑ سکتا ہے، مرض آتا جاتا ہو اور صبح صادق کے وقت ہو تو نیت نہ کرے لیکن صبح صادق کے وقت مرض نہ ہو تو نیت کرلے۔ اگر دن میں مرض آگیا اور تکلیف ہو تو افطار کر سکتا ہے۔

اپنے یا زیر کفالت افراد کے گذر بسر کے لئے ناگزیر اور ضروری مقدار کمانا روزہ کی حالت میں ناممکن ہو (اور رات میں نہیں کما سکتا) تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہو گی۔ (لیکن صرف بقدر مجبوری) اگر کفار مسلمانوں کے علاقہ پر حملہ آور ہوں اور مقابلہ کے لئے افطار کی ضرورت ہو تو اس کی اجازت ملے گی بلکہ شدید خطرے میں افطار (روزہ نہ رکھنا یا رکھا ہو تو توڑنا) واجب ہے۔

معمولی بیماری جیسے سر درد، دانت درد اور کان درد وغیرہ میں روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ البتہ روزہ کی وجہ سے کسی بیماری کے شدت اور اضافہ کا خطرہ ہو تو اجازت ملے گی۔ جو بھوک یا پیاس کی شدت سے ایسا مغلوب ہو کہ روزہ کی وجہ سے تیمم کو جائز کرنے والی بیماری کا اندیشہ ہو تو روزہ ترک کر سکتا ہے (بشری الکریم ۷۲/۲)

سفر: ایسا سفر جس میں نماز قصر کرنا جائز ہے اس میں روزہ ترک کر سکتا ہے۔ اگر روزہ رکھنے میں ضرر ہو تو ترک افضل ہے۔ ضرر اور تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔

احادیث: (۱) فتح مکہ کے سفر میں آپ ﷺ رمضان میں روانہ ہوئے اور مقام کُدید تک روزہ رکھتے رہے، پھر آپ ﷺ نے افطار فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم بھی افطار فرمایا (بخاری)

(۲) ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہم آپ ﷺ کی مصاحبت میں ۱۶/ رمضان کو غزوہ کے لئے روانہ ہوئے تو بعضوں نے روزہ رکھا اور بعضوں نے نہیں رکھا۔ پس نہ روزہ دار نے بے روزہ پر اعتراض کیا اور نہ اس نے روزہ دار پر" (مسلم)

(۳) حضرت حمزہ بن عمرو بکثرت روزہ رکھا کرتے، انہوں نے آپ ﷺ سے دوران سفر روزہ کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا چاہو تو رکھو، ورنہ مت رکھو، (متفق علیہ)

(۴) ایک سفر میں ایک صحابی روزہ کی وجہ سے پریشان اور بدحال ہوئے اور ان کی وجہ سے دیگر صحابہ کرام بھی پریشان ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "سفر میں روزہ کوئی نیکی نہیں ہے" (متفق علیہ) یعنی جب اللہ کی طرف سے رخصت ہے تو اپنے آپ کو اور دوسروں کو اتنی مصیبت میں ڈالنا مطلوب نہیں ہے۔

جو شخص مستقل سفر ہی میں رہتا ہو (کبھی بھی مقیم نہ ہوتا ہو کہ روزہ قضا کر سکے) تو ایسے مسافر کو روزہ ترک کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ ورنہ حقیقتِ وجوب ہی بدل جائیگی۔ حالت اقامت میں روزہ شروع کرنے کے بعد سفر پر نکلے یا مسافر روزہ رکھنے کے بعد مقیم ہو جائے یا مریض روزہ رکھنے کے بعد تندرست ہو جائے تو ان حضرات کو روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔

قضا و امساک: مرض، سفر، حیض و نفاس، ردت، نشہ، بے ہوشی اور ترک نیت کی وجہ سے جو روزہ چھوٹ جائے اس کی قضا واجب ہے۔ رمضان کی قضا میں تتابع اور تسلسل واجب نہیں، سنت ہے۔

بچہ روزہ رکھے اور دن میں بالغ ہو جائے تو اس روزہ کی تکمیل واجب ہے۔ بعد میں اسے پھر قضا کی ضرورت نہیں۔ دن کے دوران بچہ بالغ ہو جائے اور اس کا روزہ نہ ہو یا پاگل اچھا ہو جائے، یا کافر اسلام لائے، تو ان پر اس دن کی قضاء لازم نہیں، کیونکہ جو وقت اب ان کو مل رہا ہے اس میں روزہ ممکن نہیں ہے، البتہ ان کو قضا کرنا مستحب ہے۔ مذکورہ تینوں افراد کو اور اس مسافر و مریض کو جن کا روزہ نہ تھا اور ان کا سفر و مرض کا عذر ختم ہو چکا، رمضان میں بقیہ دن امساک سنت ہے۔ (امساک یعنی روزہ دار کی طرح کھانا پینا وغیرہ ترک کرنا)۔ دن میں عورت کا حیض و نفاس ختم ہو جائے تو اسے بھی امساک سنت ہے۔

جس نے روزہ نہ رکھنے میں خطاء اور غلطی کی ہو اسے امساک لازم ہے۔ مثلاً بغیر عذر کے روزہ نہ رکھنا، یا توڑنا، نیت بھول جانا، ابھی رات باقی سمجھ کر کھالیا پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی تھی، یوم الشک میں روزہ نہ رکھا پھر پتہ چلا کہ آج رمضان ہے، یہ حکم وقت کی حرمت کی وجہ سے ہے۔ اور نیت کو بھول جانا عبادت کے معاملہ میں بے توجہی پر دلالت کر رہی ہے۔ جو اس کی کسی حد تک تقصیر ہے، اور یوم الشک کا روزہ درحقیقت اس پر واجب تھا، البتہ لاعلمی کی وجہ سے رکھنا منع تھا اور نہ رکھا، اسی لئے عید کے بعد فوراً اس کی قضاء واجب

ہے۔ رمضان کے علاوہ نذر اور قضاء روزہ میں امساک مشروع نہیں ہے۔ امساک کرنے والا در حقیقت شرعی روزہ میں نہیں ہے اگرچہ اس پر اسے ثواب ملے گا، لہٰذا واجب امساک کی خلاف ورزی کی (کھایا، پیا یا جماع کیا) تو گناہ کے علاوہ کچھ اور لازم نہ ہو گا۔

مانع حیض گولی: اگر عورت رمضان کے مبارک ماہ میں روزہ اور دیگر عبادات کی فضیلت کی تحصیل کی نیت سے مانع حیض دوائی استعمال کرے۔ (اور اس میں طبی نقطۂ نظر سے اسے کوئی خاص خطرہ و نقصان نہ ہو) تو اس میں حرج نہیں، اگر محض یہ نیت ہو کہ روزہ کا قرض ذمہ میں باقی نہ رہے، تو یہ مناسب نہیں، گرچہ روزہ تو ادا ہو جائے گا۔ (من فتاویٰ الصیام للشیخ ابن جبرین)

صومِ وصال (وصال کا روزہ)

حدیث: ''آپ ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا'' (متفق علیہ من حدیث ابن عمر و ابی ہریرۃ و عائشہ و انس) دو روزوں کے درمیان افطار واجب ہے، فرض روزہ ہو یا سنت کیونکہ وصال حرام ہے۔ صوم وصال کا مطلب ہے دو یا زائد دن مسلسل روزہ رکھنا اور رات میں بلا عذر عمداً کچھ کھانا پینا اور جماع وغیرہ نہ کرنا۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کو صوم وصال کی اجازت تھی۔

فصل - روزہ کا فدیہ

کسی کا رمضان، نذر یا کفارہ کا واجب روزہ عذر کی وجہ سے فوت ہو اور اس کی قضا کے امکان اور قدرت سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو جائے، تو اس کے تدارک اور تلافی کی ضرورت نہیں اور نہ وہ گنہگار ہو گا۔ مثلاً کوئی بیمار ہو جائے اور روزہ فوت ہو اور موت تک بیمار ہی رہے یا سفر میں فوت ہو اور موت تک سفر جاری رہا، یا حاملہ اور دودھ پلانے والی کا روزہ فوت ہو اور اسی حال میں انتقال ہو، اگر بلا عذر فوت ہو تو گناہ بھی ہو گا اور تدارک بھی لازم ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

اگر بلا عذر یا عذر کی وجہ سے روزہ فوت ہو اور قضا کے امکان کے بعد انتقال ہو، تو اس کے ترکہ میں سے ہر دن کے روزہ کے بدلے ایک ایک مُد فطرہ کی جنس سے (یعنی گیہوں وغیرہ جس کی تفصیل صدقہ فطر میں گذری) فدیہ ادا کرے، یا اس کا کوئی رشتہ دار اس کی جانب سے روزہ رکھے یا کوئی اجنبی رشتہ دار کی اجازت یا میت کی وصیت سے روزہ رکھے۔ (امکان کے بعد انتقال ہو تو دونوں صورتوں میں گناہ ہو گا۔ اس لئے موقع ملتے ہی فوراً قضا کرنا بہتر ہے)

حدیث (۱) کسی کا انتقال ہو اور ذمہ میں روزہ ہو تو اس کی جانب سے ہر دن کے بدلہ ایک مسکین کو طعام دیا جائے (الترمذی وصحح وقفہ علی ابن عمر)

(۲) کسی کا انتقال ہو اور اس کے ذمہ روزہ باقی ہو، تو اس کا ولی اس کی جانب سے روزہ رکھے'' (متفق علیہ)۔

(۳) ایک عورت کی والدہ کا انتقال ہوا۔ اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے تو اس کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنی امی کی جانب سے تم روزہ رکھو'' (مسلم)

کسی مرنے والے کے ذمہ نماز یا اعتکاف باقی ہو تو یہ عبادات نہ اس کی جانب سے انجام دے اور نہ ہی فدیہ دے، کیونکہ یہ ثابت نہیں۔ ایک قول میں یہ دونوں بھی انجام دے یا ہر نماز کے بدلہ ایک مد اناج دے۔ امام سبکیؒ نے اپنے بعض اقارب کی جانب سے نماز ادا کی۔ اگر کوئی روزہ کے ساتھ اعتکاف کی نذر مانے تو ولی اس کی جانب سے اس نذر کو پورا کرے اسی طرح حج بدل میں طواف کی دو رکعت بھی اس کی جانب سے ادا کرے۔

جو شخص ایسے عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑے جس کے ختم ہونے کی کوئی توقع وامید نہ ہو جیسے بوڑھاپا یا ایسا مرض جس سے شفایابی کی امید نہ ہو تو ہر روزہ کے بدلہ ایک مد اناج دے۔ آئندہ روزہ قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔ آیت **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنَ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**۔ (البقرہ آیت ۱۸۴) **ترجمہ:** جو شخص تم میں سے (ایسا) ہو جو بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے اور (دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی یہ ہے کہ) جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا کھلا دینا یا دے دینا ہے اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر (خیرات) کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا (اس حال میں) زیادہ بہتر ہے اگر روزے کی فضیلت سے) خبر رکھتے ہو"۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں: یعنی جو نوجوانی میں روزہ پر قادر تھے اور اب بڑھاپے میں عاجز ہیں، ان کے ذمہ ایک فقیر کا کھانا فدیہ ہے۔ (تفسیر بغوی)

اگر مشقت اٹھا کر روزہ رکھے تو یہ کافی ہے۔ فدیہ ادا کرنے سے قبل (اتفاقاً اور خلافِ توقع) عذر زائل ہو جائے تب بھی فدیہ ادا کر سکتا ہے۔ روزہ رکھنا واجب نہیں۔ دن سے قبل رات ہی میں اس دن کا فدیہ ادا کر سکتا ہے۔ رات سے بھی قبل آئندہ کا فدیہ ادا کرنا جائز نہیں۔

درج ذیل افراد کو روزہ کی قضا اور فدیہ (ایک مد) دونوں لازم ہیں۔ (۱) کسی آدمی یا حیوانِ محترم کی زندگی بچانے یا کسی عضو کو یا منفعت کو تلف ہونے سے بچانے کے لئے روزہ توڑنا پڑے۔ مثلاً کوئی ڈوب رہا تھا اور اس کے بچانے میں پانی اندر چلا گیا اور روزہ ٹوٹ گیا۔

(۲) حاملہ عورت صرف اپنے حمل (جَنین) کو نقصان اور خطرہ کی وجہ سے روزہ نہ رکھے۔

(۳) مُرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) شیر خوار بچہ کو نقصان وخطرہ ہونے کی وجہ سے روزہ نہ رکھے۔

جنین اور بچہ کو روزہ سے نقصان ہو تو روزہ نہ رکھنا واجب ہے۔ مرضعہ کا بچہ اپنا ہو یا دوسرے کا یہی حکم ہے۔ مذکورہ تینوں صورتوں میں افطار سے دو اشخاص کو فائدہ پہنچا اس لئے فدیہ سمیت قضاء لازم ہوا۔ آخری دو صورتوں کے لئے آیت سابقہ سے بھی استدلال کیا گیا۔ کیونکہ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں کے حق میں یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ (رواہ البیہقی)

حاملہ اور مرضعہ کو صرف اپنے جان کا خطرہ ہو یا اپنی اور بچوں کی تکلیف کا مسئلہ ہو یا کوئی بلا عذر روزہ نہ رکھے یا کسی مال کو بربادی سے بچانے کے لئے روزہ توڑنا پڑے یا اوپر کی مثالوں میں متحیرہ عورت (مستحاضہ کی ایک قسم) روزہ نہ رکھے، تو ان تمام صورتوں میں صرف قضا کافی ہے، فدیہ کی ضرورت نہیں۔

جس شخص کو رمضان کے روزوں کے قضا کا موقع ملے (یعنی بلا عذر روزہ رکھنے کے ایام میسر ہوں) اور وہ نہ رکھے، یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا، تو اسے قضا کے ساتھ ہر روزہ کے بدلہ ایک مد فدیہ دینا واجب ہے۔ کیونکہ ۶/ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی فتویٰ دیا ہے اور ان کے مخالف کسی اور صحابی سے مروی نہیں۔ جتنے سال تاخیر ہوگی اتنے ہی فدیے واجب ہونگے، جبکہ ہر سال رکھنے کی گنجائش کے باوجود موخر کرے۔ کیونکہ مالی حقوق میں تداخل نہیں ہوتا (مثلاً کسی نے باوجود گنجائش کے ۵/ روزے ۳ سال مؤخر کئے تو ۵/ روزوں کی قضا کے ساتھ ہر روزہ کے بدلہ تین تین مد اناج لازم ہے۔) بھول کی وجہ سے یا تاخیر کی حرمت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے قضا میں تاخیر ہوئی تو فدیہ کی مقدار میں اضافہ نہ ہوگا۔ مذکورہ صورت میں ایک سال تاخیر کے بعد روزہ کی قضا سے قبل انتقال کر جائے تو اس کے ترکہ سے ہر روزہ

کے بدلہ دو مد نکالے، ایک روزہ کا اور ایک تاخیر کا۔ اور ولی اس کی جانب سے روزہ رکھے، تو صرف ایک مد تاخیر کا نکالے۔ مذکورہ فدیہ کا مصرف فقیر و مسکین ہیں۔ کیونکہ مسکین کا ذکر آیت و حدیث میں ہے۔ اور فقیر اس سے بھی زیادہ تنگدستی میں ہوتا ہے۔ سارے مد ایک ہی فقیر یا مسکین کو بھی دے سکتا ہے، کیونکہ ہر دن مستقل عبادت ہے لہٰذا سارے مد مختلف کفّاروں کی طرح ہیں۔ ایک ہی مد دو میں تقسیم نہ کرے۔ (بلکہ ایک مد مکمل ایک شخص کو دے)

رمضان کے روزہ میں جماع

کسی نے رمضان کا روزہ ماہ رمضان میں ایسے وطی (جماع) سے فاسد کیا جس میں روزہ کے تعلق سے وہ گنہگار ہو اور کوئی شبہ نہ ہو تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے۔ مذکورہ شرائط کی روشنی میں درج ذیل لوگوں پر کفارہ واجب نہیں ہے۔

(۱) جس سے وطی کی جائے۔ کیونکہ حدیث میں کفارہ کا مُخاطب فاعل (جماع کرنے والا) ہے۔

(۲) بھول کر، اکراہ (زبردستی) کی وجہ سے، یا لاعلمی کی وجہ سے وطی کرنے والا، کیونکہ ان کا روزہ فاسد نہ ہوا۔

(۳) جس پر امساک واجب ہو کیونکہ اس کا روزہ نہیں ہے کہ وطی سے فاسد ہو۔

(۴) جو بلا عذر وطی کرے، پھر دن ہی میں پاگل ہو جائے یا مر جائے کیونکہ اس سے یہ واضح ہوا کہ اس کا ایک مکمل دن کا روزہ فاسد نہیں ہوا۔

(۵) روزہ کے علاوہ نماز وغیرہ کا وطی سے فاسد کرنے والا۔

(۶) دوسرے کا روزہ فاسد کرنے والا جیسے مسافر اپنی بیوی سے وطی کر کے اس کا روزہ فاسد کرے۔

(۷) ماہ رمضان کے علاوہ کوئی روزہ مثلاً قضا یا نذر کا روزہ فاسد کرے، کیونکہ حدیث رمضان کے ماہ میں روزے کے متعلق ہے اور رمضان کے بعض خصوصی فضائل ہیں جس میں کسی اور کی شرکت نہیں۔

(۸) وطی (جماع) کے علاوہ کھانے پینے یا استمناء وغیرہ کے ذریعے فاسد کرے، کیونکہ حدیث وطی کے متعلق ہے، اور دیگر اسبابِ فساد وطی کی طرح نہیں۔

(۹) رات سمجھ کر وطی (جماع) کرے یا رات کا شک ہو اور وطی کرے اور معلوم ہوا کہ دن کا وقت تھا۔

(۱۰) بھول کر کچھ کھا گیا اور سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا، پھر وطی کیا۔

(۱۱) بچہ (نابالغ) وطی کرے، کیونکہ بچہ غیر مکلف ہونے کی وجہ سے اسے گناہ نہ ہو گا، اور بقیہ صورتوں میں شبہ کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو گا۔ اور بغیر تحری کے رات شروع سمجھ کر یا شک کے ساتھ وطی کے علاوہ صورتوں میں گناہ بھی نہ ہو گا۔

(۱۲) مسافر زنا کرے بہ نیت ترخص یا جماع کرے بغیر نیت رخصت کے، کیونکہ اس صورت میں محض روزہ کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوا۔ بلکہ یا تو زنا کی وجہ سے یا نیت ترخیص نہ ہونے کی وجہ سے گناہ ہو گا۔ بہ نیت ترخص جائز جماع کرے تو کفارہ کا کوئی سوال نہیں۔

جتنے روزے جماع کے ذریعہ مذکورہ شرائط کے ساتھ فاسد کرے اتنے کفارے واجب ہوں گے۔ اگر دو دن جماع کیا تو دو کفارے واجب ہیں، پہلا کفارہ دوسرے جماع سے قبل ادا کر چکا ہو یا نہیں، کیونکہ ہر دن کا روزہ مستقل عبادت ہے، لہٰذا کفارہ میں تداخل نہ ہو گا۔ ایک ہی دن میں دو مرتبہ جماع کرے تو ایک ہی کفارہ واجب ہے، کیونکہ دوسرے جماع سے روزہ فاسد نہیں ہوا۔ جماع کرنے

کے بعد سفر، مرض یاردت پائی جائے تو اس سے کفارہ ساقط نہ ہو گا۔ کیونکہ اس نے تکلیف کی اہلیت کے باوجود روزہ کے حرمت کو پامال کیا ہے۔ البتہ مسافر ایسی جگہ پہنچے جہاں لوگ عید منا رہے ہوں اور اس کا مطلع اس کی بستی کے مطلع سے جدا ہو تو کفارہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ ان میں شمار ہو گا۔ جو شخص فجر سے قبل جماع کرے اور طلوع فجر کا علم ہونے کے بعد بھی اسی حالت پر ہو تو اس پر بھی کفارہ لازم ہے۔

کفارہ

حدیث: ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں ہلاک ہو گیا دریافت فرمایا کیا بات پیش آئی؟ جواب دیا۔ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کیا" پوچھا کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ کہا" جی نہیں" دریافت کیا۔ تو کیا دوماہ مسلسل روزہ رکھ سکتے ہو" جواب دیا نہیں" پوچھا "کیا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ کہا نہیں۔ پھر وہ بیٹھ گئے۔ بعد میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایک ٹوکرا کھجوروں کا آگیا تو اس سے فرمایا" اسے صدقہ کرو" تو کہا" یارسول اللہ! کیا ہم سے بڑھ کر فقیر و نادار پر اللہ کی قسم مدینہ منورہ کے دونوں سیاہ چٹانی سلسلوں کے درمیان (یعنی مدینہ منورہ کی بستی میں) کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ محتاج نہیں ہے" تو آپ ﷺ ہنسے یہاں تک کہ دندانِ مبارک نظر آئے۔ پھر فرمایا۔ جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ" (صحیحین) بخاری کی ایک روایت میں امر کا صیغہ وارد ہے۔ یعنی "ایک غلام آزاد کرو (ورنہ) پھر دوماہ روزہ رکھو (ورنہ) پھر ۶۰ / مساکین کو اناج دو" ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے "کھجوروں کی ٹوکری آئی جس میں ۱۵ / صاع کی مقدار تھی"

جماع کا یہ کفارہ مرتب ہے، پہلے ایک مومن غلام آزاد کرے، اگر غلام میسر نہ ہو تو دوماہ مسلسل روزہ رکھے، اگر چاند کی ایک تاریخ سے روزہ شروع کرے تو چاند کے اعتبار سے دوماہ رکھنا کافی ہے (چاہے ۲۹ / کا مہینہ ہو یا ۳۰ / کا) لیکن درمیان سے شروع کرے اور پہلا مہینہ ۲۹ / کا ہو تو تیسرے ماہ سے اتنے ہی روزے رکھے کہ پہلا اور تیسرا مل کر ۳۰ / ہو دوسرے مہینہ میں چاند کا اعتبار ہو گا، اگر درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹ جائے گرچہ عذر سے ہو تو از سر نو دوماہ روزہ رکھے۔ البتہ حیض، نفاس، جنون یا مکمل دن بیہوشی کی وجہ سے چھوٹ جائے تو حرج نہیں۔ ان روزوں میں رات ہی سے نیت کرنا اور کفارہ کی نیت کرنا واجب ہے۔ کفارہ کی تعیین ضروری نہیں ہے۔ بوڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے اس طرح مسلسل روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو ۶۰ / ایسے فقراء یا مساکین کو اناج دے، جو زکوۃ کے مستحق ہوں، ایک ایک کو ایک مد ایسا اناج دے جو فطرہ میں دیا جاتا ہے۔ (بشری الکریم ۲ / ۷۷)

سنت روزے (نفل روزے)

حدیث: "جو ایک دن اللہ کے راستہ میں روزہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ جہنم سے ۷۰ سال دور کر دیں گے" (صحیحین)

(۱) عرفہ کے دن (۹ ذوالحجہ کو) روزہ سنت ہے۔ البتہ مسافر کے لئے اس دن روزہ نہ رکھنا سنت ہے۔ اگر حاجی اس دن مکہ مکرمہ یا کہیں اور مقیم ہو اور (عید کی) رات میں میدان عرفات پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے یہ روزہ سنت ہے۔ جو حاجی دن میں میدان عرفات پہنچے (جیسے عموماً ہوتا ہے اور افضل بھی یہی ہے) اسے عرفہ کا روزہ سنت نہیں ہے۔ بلکہ نہ رکھنا سنت ہے چاہے قوی ہو۔ تاکہ دعا وغیرہ عبادات کے لئے قوت حاصل ہو۔ اگر روزے سے ان اعمال میں کمزوری نہ آئے تب بھی نہ رکھے۔ اگر رکھے تو خلاف اولی ہے۔

حدیث: (۱) آپ ﷺ کا ارشاد ہے، عرفہ کے روزہ کے متعلق اللہ سے امید ہے کہ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ (کے گناہوں) کا کفارہ ہو جائیگا، اور عاشورہ کے روزہ میں اللہ سے توقع ہے کہ گذشتہ ایک سال کا کفارہ ہو جائیگا (مسلم)

(۲) آپ ﷺ نے میدان عرفات میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا۔ (متفق علیہ)
(۳) آپ ﷺ نے میدان عرفات میں عرفہ کے روزہ سے منع فرمایا۔ (احمد، ابوداؤد۔ نسائی، ابن ماجہ)
عرفہ کے ساتھ آٹھ تاریخ کا بھی روزہ رکھنا احوط ہے، بلکہ روضہ میں فرمایا کہ ایک سے ۸/ تک رکھنا سنت ہے اور اس میں حاجی وغیر حاجی دونوں برابر ہیں۔

(۲) عاشوراء و تاسوعاء: محرم کی دس اور ۹/ تاریخ کو روزہ سنت ہے اوپر مسلم کی روایت میں عاشورہ کی فضیلت گذر چکی صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے (نہایۃ عن الام)

حدیث: (۱) عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے (ابن حبان)
(۲) آپ ﷺ کا ارشاد ہے "اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو بالضرور ۹/ محرم کو روزہ رکھونگا" (مسلم)
(۳) آپ ﷺ کا فرمان ہے "اگر میں آئندہ سال تک رہا تو بالضرور عاشوراء سے ایک دن قبل یا ایک دن بعد روزہ کا حکم دوں گا۔ (بیہقی) ۹/ محرم کا روزہ بطور احتیاط اور یہود کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ اسی لئے ۹/ کو نہ رکھا تو ۱۱/ محرم کو رکھے۔ بلکہ "الام" وغیرہ میں ہے کہ ۹/ ۱۰/ اور ۱۱/ تین روزے مستحب ہیں۔ امام غزالیؒ نے ۱/ محرم سے لیکر ۸/ تک کے روزوں کو سنت قرار دیا ہے۔ (نہایۃ المحتاج)

عاشورہ کی بدعات

عاشورہ کے دن کی مشہور و شائع نماز، انفاق (خرچ کرنا) خضاب، تیل لگانا سرمہ لگانا اور مخصوص پکوان وغیرہ موضوع و افتراء ہے اس دن سرمہ کا اہتمام بدعت ہے جسے قاتلین حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے گھڑا۔ عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر خرچ میں توسیع کرنا سنت ہے۔ تاکہ سال بھر اللہ اسے کشادگی عطا فرمائے جیسا کہ حدیث حسن میں ہے بہت سے محدثین نے اسے آزمایا تو مجرب پایا (کردی علی بافضل) امام منادی فرماتے ہیں کہ اہل وعیال پر توسیع کی حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن مختلف سندوں سے وارد ہے اسلئے مجموعی طور پر قوت حاصل ہوتی ہے بعض سند کو زین عراقی اور ابن ناصر الدین نے صحیح قرار دیا۔ (حاشیۃ الشیروانی علی تحفۃ المحتاج۔ ترشیح المستفیدین ص ۱۷۰)

(۳) پیر اور جمعرات کا روزہ

حدیث: آپ ﷺ بالقصد پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے اور فرماتے "اعمال پیر اور جمعرات کو (بارگاہ الٰہی میں) پیش ہوتے ہیں تو مجھے یہ محبوب ہے کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں پیش ہوں" (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، احمد)

(۴) ایام بیض کے روزے:

یعنی چاند کی ۱۳/ ۱۴/ اور ۱۵ تاریخ کے روزے۔

حدیث: آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ایام بیض یعنی ۱۳/ ۱۴/ ۱۵ تاریخ کے روزوں کی وصیت فرمائی۔ (نسائی، ترمذی، ابن حبان) احتیاطاً ۱۲/ تاریخ کو روزہ رکھنا بہتر ہے۔ ذوالحجہ کے مہینہ میں ۱۳/ کے بجائے ۱۶/ کو روزہ رکھے۔ کیونکہ ۱۳/ کو یوم تشریق کی وجہ سے روزہ حرام ہے۔ ان تاریخوں میں چونکہ ساری رات چاندنی ہوتی ہے، اس لئے انہیں ایام بیض (روشن ایام یعنی روشن

راتیں) کہا گیا۔

(۵)ایام سود:

یعنی ۲۸/۲۹/ اور ۳۰ کا روزہ سنت ہے۔ یہ راتیں چاند کے غائب ہونے کی وجہ سے مکمل تاریک ہوتی ہیں، اس لئے ایام سود (تاریک) کہا گیا۔ ان کے ساتھ ۲۷/ تاریخ کو بھی روزہ رکھنا بہتر ہے۔ اگر ۲۸/ سے شروع کرے اور مہینہ ۲۹/ کا ہو تو آئندہ ماہ کی ایک تاریخ کو رکھ کر تین کی تعداد پوری کرے۔

(۶)شوال میں چھ ۶/ روزے سنت ہیں۔

حدیث: جو رمضان کا روزہ رکھے اور اس کے بعد شوال میں ۶/ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ (سال بھر) روزہ رکھنے کی طرح ہے"۔ (مسلم)۔ نسائی کی روایت میں ہے۔ ماہ رمضان کے روزے دس ماہ کے برابر اور ۶/ روزے (شوال کے) دو ماہ کے برابر ہیں۔ اور اس طرح سال بھر کے روزے ہوئے۔ یعنی سال بھر فرض روزے کا ثواب ملیگا۔ ورنہ مذکورہ روزے کی کوئی خصوصیت نہیں، کیونکہ ایک نیکی کا (کم از کم) دس گنا ثواب ہوتا ہے۔ (لہذا کسی وقت بھی ۶/ روزے کا ثواب دو ماہ سنت روزے کے برابر ہوگا) ان روزوں کو عید کے بعد متصل اور مسلسل رکھنا افضل ہے، عبادت کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے (شوال میں کسی بھی وقت اور متفرق رکھنے سے بھی اصل سنت حاصل ہوگی)

اگر کسی عذر سے رمضان کا روزہ نہ رکھ سکا تب بھی یہ روزے سنت ہیں۔ جو بلا عذر رمضان کے روزے نہ رکھے اسے یہ روزے حرام ہیں۔ (کیونکہ اسے فوراً رمضان کی قضاء واجب ہے) اگر شوال میں یا عاشوراء وغیرہ کے روز قضا یا نذر کا روزہ رکھے تو ان ایام کے سنت روزہ کا ثواب بھی ملے گا۔ جیسا کہ رملی، بارزی، اسنوی، ناشری، اور فقیہ علی بن صالح الحضرمی وغیرہ علماء کرام کا فتوی ہے۔ البتہ مطلوبہ کامل ثواب حاصل نہ ہوگا۔ شوال کا یا کوئی اور سنت روزہ فوت ہو جائے تو آئندہ اس کی قضاء مستحب ہے۔

(۷)صوم دَھر (ہمیشہ روزہ رکھنا)

اگر کسی ضرر و نقصان کا اندیشہ نہ ہو اور کوئی حق فوت نہ ہو تو عیدین اور ایام تشریق کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھنا سنت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو ہمیشہ روزہ رکھے اس پر جہنم یوں تنگ ہو جائے گی اور ۹۰ کا اشارہ کیا۔ (یعنی شہادت کی انگلی کو انگوٹھے کے نیچے لگا کر مختصر دائرہ کی شکل میں اشارہ کیا)" (بیہقی) یعنی اتنی تنگ ہوگی کہ داخل نہ ہو پائے گا۔ یا اندر اس کے لئے جگہ نہ ہوگی۔ (گویا جہنم سے محفوظ رہیگا)

اگر صوم دہر سے ضرر کا اندیشہ ہو یا حق فوت ہو تو یہ مکروہ ہے۔ اور اسی صورت پر مسلم کی اس روایت کو محمول کریں گے۔ "اس کا روزہ نہیں جو ہمیشہ روزہ رکھے" امام سبکیؒ نے فرمایا کہ اگر صوم دھر سے کوئی واجب حق فوت ہو تو یہ حرام ہے۔ اور روزہ سے بڑھ کر سنت حق فوت ہو تو مکروہ ہے، اور روزے کے برابر درجہ کا ہو تو کراہت نہیں۔

(۸)صوم داؤدی: یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا (یعنی مسلسل ایک دن آڑ روزہ رکھنا)

حدیث: افضل روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ (روزہ نہ رکھتے)۔ اس سے افضل صورت نہیں۔ (صحیحین)۔

امام متولی، سبکی اور اذرعی وغیرہ نے فرمایا کہ صوم دہر کے استحباب کے باوجود صوم داؤدی زیادہ افضل ہے، کیونکہ حدیث میں اس کی

صراحت آئی ہے، اور یہ طریقہ نفس پر زیادہ شاق بھی ہوگا۔ کیونکہ روز عادت بدلتی رہے گی۔ صوم دہر میں مستقل سحری اور رات کھانے کی عادت بن جائیگی تو اتنا احساس نہیں ہوگا۔ امام ابن عبد السلام اور امام غزالی نے صوم دہر کو اس سے افضل قرار دیا ہے۔(نہایۃ المحتاج۔ حاشیۃ الجمل)

(۹)ہر ماہ تین روزے سنت ہیں۔

تاکہ دس گنا کے اعتبار سے مکمل ماہ روزے کا ثواب ملے۔ چاہے یہ روزے ایام بیض میں رکھے یا کسی اور ایام میں۔ ایام بیض میں رکھے تو دونوں سنت پر عمل ہو جائے گا۔(نہایۃ المحتاج)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میرے خلیل (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے ہر ماہ تین روزہ کی وصیت فرمائی ہے (متفق علیہ)

(۱۰)اشھُرحُرُم(حرمت والے مهینے)وشعبان:

رمضان کے بعد حرام مہینے (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) کے روزے افضل ہیں۔ رمضان کے بعد سب سے افضل محرم کے روزے ہیں، پھر بقیہ تین حرام مہینے، پھر شعبان کے روزے، پھر بقیہ مہینے برابر درجہ میں ہیں۔(بشری الکریم ۸۲/۲)

حدیث:(۱)حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں (سنت) روزہ رکھتے نہیں دیکھا" (مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

(۲)حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان اور رمضان کے علاوہ مسلسل دو ماہ روزہ رکھتے نہیں دیکھا"(اصحاب السنن)

(۳)رمضان کے بعد افضل روزہ اللہ کے ماہِ محرم کا روزہ ہے، اور فرض نماز کے بعد افضل نماز صلوۃ اللیل (تہجد) ہے۔(مسلم)

(۱۱)ابتدائی تین روزے۔

ہر ماہ کے ابتدائی تین دن روزہ رکھنا سنت ہے (تحفۃ المحتاج ۴/۳۶۲)

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے ابتدائی تین دن روزہ رکھتے اور جمعہ کے دن بہت کم افطار کرتے (افطار یعنی روزہ نہ رکھنا)(ترمذی۔ نسائی)(مطلب جمعہ کے آگے یا پیچھے ایک دن ملا کر)

مکروہ روزے

حدیث:(۱)تم میں سے کوئی جمعہ کا روزہ نہ رکھے، الّا یہ کہ اس سے قبل ایک دن یا بعد ایک دن روزہ رکھے"(متفق علیہ)

(۲)سنیچر کے دن صرف فرض روزہ رکھا کرو"(احمد، اصحاب السنن، ابن حبان، حاکم)

صرف جمعہ یا سنیچر یا اتوار کو بلا سبب نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہود سنیچر کی اور نصاریٰ اتوار کی تعظیم کے قائل ہیں۔ اگر تینوں دن یا دو دن کو جمع کرے تو مکروہ نہیں، کیونکہ مجموعی طور پر کوئی تعظیم کا قائل نہیں۔ نذر، قضا یا کفارہ کا روزہ ان ایام میں مکروہ نہیں۔ اسی طرح کسی سبب سے رکھے، مثلاً کوئی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (صوم داؤدی) کا عادی ہو اور روزہ کا دن ان ایام میں آئے تو کراہت نہیں، جیسا کہ یوم الشک کا روزہ۔ اور مسلم کی روایت میں ہے "جمعہ کو دیگر ایام میں سے روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، الّا یہ کہ تم میں سے کسی کے (عادت کے

)روزہ کے دن آجائے" جمعہ پر دیگر روزوں کو بھی قیاس کیا گیا۔ عرفہ یا عاشورہ جیسے روزے ان ایام میں آئیں، تو رکھنے میں کوئی کراہت نہیں۔

نفل عبادت کو توڑنا

حج اور عمرہ کے علاوہ دیگر نفلی عبادت کو بلا عذر توڑنا جائز ہے، لیکن مکروہ ہے۔

آیت: وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ (سورہ محمد: ص ۳۳)

ترجمہ: اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔

احادیث: (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے کہا "ہمارے یہاں حَیس (کھجور، گھی اور پنیر سے بنی ہوئی مٹھائی) ہدیہ میں آیا ہے" تو فرمایا "مجھے بتاؤ۔ میں نے آج روزہ رکھا تھا" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نوش فرمایا۔ (مسلم)

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "نفلی روزہ دار اپنے نفس کا امیر ہے۔ (اسے اختیار ہے) چاہے تو روزہ رکھے (پورا کرے) اور چاہے تو توڑ دے، (احمد ترمذی، حاکم، و قال صحیح الاسناد) صحابہ کرام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی سنت کو توڑنے کا جواز مروی ہے۔ (الحاوی للماوردی ۳/۴۶۸) روزہ پر دیگر عبادتوں کو بھی قیاس کیا گیا۔ اگر کچھ عذر ہو، مثلاً میزبان کا روزہ کی وجہ سے مہمان کے ساتھ کھانے میں عدم شرکت اسے گراں گذرے، یا اس کے برعکس مہمان کا روزہ میزبان کے لئے باعث دل شکنی ہو تو نفلی روزہ توڑنا مکروہ نہیں ہے۔ بلا عذر توڑنے پر سابق پر کچھ ثواب نہ ملے گا، البتہ عذر کی وجہ سے ہو تو ثواب ملے گا۔ حج و عمرہ کے اپنے مخصوص احکامات ہیں، لہٰذا یہ نفل بھی ہوں تو مکمل کرنا لازم ہے۔ اور توڑنا حرام ہے۔

روزے وغیرہ نفلی عبادات کو توڑنے کی صورت میں بعد میں ان کی قضاء واجب نہیں ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو نفل روزہ بلا قضا توڑنے کی اجازت دی تھی (ابوداود) روزہ پر دیگر عبادات کو بھی قیاس کریں گے۔ لیکن بعد میں قضاء کر لینا مستحب ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے نفل روزہ توڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قضاء کا حکم دیا۔ (مؤطا، عبد الرزاق، احمد، ترمذی، بیہقی، الحاوی مع التعلیق ۳/۴۶۹)۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی نے روزہ توڑا تو فرمایا "چاہو تو قضاء رکھ لو ورنہ مت رکھو۔ (الحاوی ۳/۴۶۹)

فرض کو توڑنا

کسی بھی فرض عین عبادت کو شروع کرنے کے بعد توڑنا اور قطع کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، گرچہ وہ فوری نہ ہو۔ جہاد، نماز جنازہ، حج اور عمرہ کے علاوہ دیگر فرض کفایہ کو توڑنا حرام نہیں۔

عورت کا نفلی روزہ

حدیث: کسی عورت کے لئے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ حلال نہیں ہے (صحیحین)

عورت شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے، شوہر کی رضامندی کا علم بھی کافی ہے۔ عاشوراء جیسے موکد نفلی روزے اجازت کے بغیر حرام نہیں۔ شوہر کی غیر موجودگی میں روزہ رکھنا قطعاً جائز ہے۔ نفل نماز کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں،

کیونکہ اس کا وقت بمقابلہ روزہ مختصر ہوتا ہے۔

کتاب الاعتکاف (اعتکاف کا بیان)

آیت: ''وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ'' (البقرہ۔۱۸۷)

ترجمہ: اور ان بیبیوں (کے بدن) سے اپنا بدن بھی (شہوت کے ساتھ) مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو (جو کہ) مسجدوں میں (ہوا کرتا ہے) (من بیان القرآن)

حدیث: ''آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں وصال تک اعتکاف فرمایا کرتے'' (متفق علیہ)

عربی زبان میں اعتکاف کا مطلب ہے ٹھہرنا، روکے رکھنا، ہمیشہ لازم رہنا۔ شرعاً مخصوص شخص کا نیت کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کہلاتا ہے۔ اس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ اعتکاف ہر وقت سنت ہے چاہے بغیر روزے کے یا صرف رات میں اعتکاف کرے، کیونکہ کسی وقت کی قید اور تعیین مروی نہیں۔ رمضان کے آخری عشرہ میں دیگر ایام کے مقابلہ میں زیادہ افضل ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اس کی پابندی فرمائی ہے۔ (شیخین) اور اس کی اصل حکمت لیلۃ القدر کی تلاش اور اس کے حصول کی کوشش ہے۔ جو قرآن کی رو سے ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ یعنی اس ایک رات کی عبادت ایسے ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے، جس میں لیلۃ القدر نہ ہو۔

حدیث: (۱) جو لیلۃ القدر میں ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کرے (اللہ کی عبادت کرتا رہے) اس کے سابقہ گناہ معاف ہوں گے۔ (متفق علیہ) (مراد اس سے حقوق اللہ سے متعلق صغیرہ گناہ ہیں۔

(۲) شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو (متفق علیہ)

امام شافعیؒ کے نزدیک آخری عشرہ کے ہر شب میں لیلۃ القدر کا امکان ہے، لیکن زیادہ احتمال طاق راتوں میں اور اس میں بھی ۲۱، یا ۲۳ کی رات میں ہے۔ ۲۱ویں شب پر شیخین کی روایت اور ۲۳ویں شب پر مسلم کی روایت دلالت کرتی ہے۔ امام مزنی اور ابن خزیمہ وغیرہ نے فرمایا کہ شب قدر منتقل ہوتے رہتی ہے۔ (ہر سال ایک ہی متعین رات نہیں ہوتی) امام نوویؒ نے روضہ، مجموع اور فتاوی میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ جمع بین الاحادیث میں امام شافعیؒ کے کلام کا بھی یہی تقاضا ہے۔ شب قدر کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کی صبح جب سورج طلوع ہوگا، تو بالکل سفید ہوگا، اس میں زیادہ شعاع نہ ہوگی۔ شب قدر اس امت کی خصوصیت ہے۔ یہ سال کی سب سے افضل رات اور تا قیامت باقی ہے۔ یہ درحقیقت نظر آتی ہے، جسے نظر آئے اسے یہ چھپانا سنت ہے، کیونکہ یہ نظر آنا ایک کرامت ہے اور کرامت کا پوشیدہ رکھنا سنت ہے۔ شب قدر میں ساری رات نماز، تلاوت، دعا وغیرہ عبادات میں مصروف رہے۔ شب قدر میں یہ دعا بکثرت پڑھے۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا'' (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: (اے اللہ! بے شک تو ہی معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے پس ہمیں معاف فرما۔) شب قدر کا علم نہ ہو سکے تب بھی اس رات کی عبادت کرنے سے اس کی فضیلت فی الجملہ حاصل ہوگی (کامل فضیلت بغیر علم کے حاصل نہ ہوگی) اس کی ایک علامت اس میں گرمی و سردی کا نہ ہونا ہے۔ (یعنی رات معتدل ہوگی) شب قدر کے بعد دن میں بھی کثرتِ عبادت مستحب ہے۔

اعتکاف کے ارکان:

اعتکاف کے چار ارکان ہیں۔ (۱) نیت۔ (۲) مسجد (۳) اتنا ٹھہرنا جسے عکوف کہہ سکیں۔ (۴) معتکف

(۱)نیت: دیگر عبادات کی طرح اعتکاف میں نیت واجب ہے۔ اگر نذر کا اعتکاف ہے تو فرضیت کی نیت واجب ہے تاکہ نفل سے متمیز ہو۔

کسی مدت کی تعیین کے بغیر مطلق اعتکاف کی نیت کرلے تو یہ کافی ہے، چاہے طویل وقت اعتکاف میں ٹھہرا رہے۔ لیکن واپسی کے ارادے کے بغیر مسجد سے باہر جائے اور بعد میں واپس لوٹے تو دوبارہ نیت کرے، قضاء حاجت کے لئے گیا ہو یا کسی اور کام سے، کیونکہ جتنا وقت اعتکاف میں گذرا وہ مکمل عبادت ہے، اگر اعتکاف کے لئے واپس لوٹنے کے ارادے سے جائے تو یہ ارادہ بھی نیت کے قائم مقام ہے۔ (واپسی کے بعد پھر نیت کی ضرورت نہیں)

اگر نیت میں مدت کی تعیین کرے مثلاً ایک دن کا اعتکاف یا ایک ماہ کا اعتکاف اور قضاء حاجت کے علاوہ کسی مقصد سے مسجد سے باہر جائے اور لوٹے تو پھر نیت کرلے چاہے زیادہ فاصلہ نہ گذرا ہو، کیونکہ اس سے اعتکاف منقطع ہوتا ہے۔ بول و براز (پیشاب، پاخانہ) کے لئے جائے تو دوبارہ نیت کی ضرورت نہیں، چاہے زیادہ وقت گذر جائے کیونکہ یہ لازمی ضرورت ہے، اس لئے گویا کہ بوقت نیت ہی مستثنیٰ ہے۔

اگر متعین مدت میں مسلسل (متتابع) اعتکاف کی نذر مانے اور کسی ایسے عذر سے نکلے جس سے تسلسل ختم نہیں ہوتا، تو لوٹنے کے بعد تجدید نیت کی ضرورت نہیں۔ قضاء حاجت کے لئے گیا ہو یا کسی اور عذر سے، کیونکہ اس کی نیت اس مکمل مدت کو شامل ہے۔ بول و براز، مرض اور حیض ایسے اعذار ہیں جن سے اعتکاف کا تسلسل ختم نہیں ہوتا۔

عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر اعتکاف جائز نہیں۔

(۲)**مسجد:** اعتکاف شرعی مسجد میں ہو، کیونکہ شیخین کی روایت سے آپ ﷺ کا عمل یہی ثابت ہوتا ہے۔ کسی اور جگہ اعتکاف صحیح نہیں، چاہے وہ جگہ نماز کے لئے رکھی گئی ہو۔ لہٰذا امام شافعیؒ کے قول جدید میں عورت اپنے گھر میں نماز کے لئے متعین مخصوص جگہ میں اعتکاف نہیں کرسکتی۔ (قول قدیم کی رو سے اس کی گنجائش ہے)۔

عام مساجد کے بجائے جامع مسجد میں اعتکاف افضل ہے، (عموماً) کثرت جماعت کی وجہ سے، بعض علماء نے جامع مسجد کو واجب کہا ہے ان کے اختلاف سے بچنے کے لئے بھی یہی بہتر ہے۔ اور جمعہ کے لئے مسجد چھوڑ کر جانے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے گی۔ کسی نے مسلسل اتنے ایام کے اعتکاف کی نذر مانی، جس میں جمعہ کا دن آتا ہو اور اس پر جمعہ واجب ہو اور نذر میں جمعہ کے لئے جانے کی شرط نہ لگائی ہو، تو ایسے شخص کو جامع مسجد ہی میں اعتکاف واجب ہے، کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد سے باہر جانے سے تسلسل (تتابع) باطل ہوگا۔

کسی نے نذر میں مسجد مکہ یا مسجد مدینہ یا مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی تعیین کی ہو تو متعین ہوجائے گا۔ دیگر مساجد ان کے قائم مقام نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان مساجد میں مزید فضیلت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "کجاوے نہ کسے جاویں (باقاعدہ سفر نہ کیا جائے) مگر صرف تین مساجد کے لئے، میری یہ مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ" (صحیحین) پہلی (مسجد مکہ) بعد والے دونوں کے قائم مقام ہوگی، کیونکہ وہ سب سے افضل ہے اور حج و عمرہ کا تعلق اس سے ہے۔ اور مسجد نبوی بیت المقدس کے قائم مقام ہوگی۔ کیونکہ اسے زیادہ فضیلت حاصل ہے، بہ نسبت بیت المقدس کے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے "میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد میں ایک ہزار نماز سے بھی افضل ہے۔ اور مسجد حرام میں ایک نماز میری مسجد میں سو نماز سے بھی افضل ہے۔ (رواہ الامام احمد وصححہ ابن ماجہ) اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ آخری دو پہلے کے اور تیسرا دوسرے کے قائم مقام نہ ہوگا۔ (یعنی مسجد حرام کی نذر کہیں اور

پوری نہ ہو گی۔ اور مسجد نبوی کی نذر بیت المقدس میں ادانہ ہو گی) ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں تعین کرے تو وہ متعین نہ ہو گا۔ (کسی بھی مسجد میں اعتکاف کر لینا کافی ہے) اگر اعتکاف کے وقت کی تعیین کرے، تو وقت متعین ہو گا۔ متعینہ وقت سے پہلے اعتکاف کرے تو نذر ادانہ ہو گی۔ اور موئخر کرے تو قضا شمار ہو گی۔ اور عمداً مؤخر کرنا باعث گناہ ہے۔

(۳)**مسجد میں رکوع وغیرہ میں طمانینت** کی مقدار سے کچھ زائد (ایک ہی لمحہ کیوں نہ ہو) ٹھہرنا اور رکنا پایا جائے، اگر چہ بلا سکون ہو، لہٰذا صرف مسجد میں چلتا پھرتا رہے (ایک جگہ سکون سے نہ بیٹھے) تو یہ بھی کافی ہے۔ بغیر ٹھہرے ہوئے صرف گذر جانا کافی نہیں۔ اعتکاف مطلق کی نذر ہو (یعنی صرف اعتکاف کی نذر ہو، مدت کا ذکر نہ ہو) تو تھوڑی سی دیر اعتکاف کر لینا کافی ہے، زیادہ دیر کرے تو پورا واجب شمار ہو گا، مکمل ایک دن اعتکاف کر لینا مستحب ہے، کیونکہ آپ ﷺ اور کسی صحابی سے اس سے کم اعتکاف ثابت نہیں۔

(۴)**مُعتَکِف**: (اعتکاف کرنے والا) معتکف کے لئے اسلام، عقل اور حدثِ اکبر سے پاک ہونا شرط ہے، لہٰذا کافر، پاگل اور حدثِ اکبر والے کا اعتکاف صحیح نہ ہو گا۔ کیونکہ کافر و پاگل کی نیت کا اعتبار نہیں۔ اور حدثِ اکبر میں مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے۔

ان صورتوں میں اعتکاف اور اعتکاف کا تتابع (تسلسل) ختم ہو جائے گا: مرتد ہونا، نشہ آنا (جبکہ اس میں گنہ گار ہو) حیض جبکہ مدتِ اعتکاف غالباً اس سے خالی رہتا ہو، بخلاف ایسی مدت کے جو اس سے خالی نہ رہے، جیسے مکمل ایک ماہ۔ ایسی جنابت جس سے روزہ باطل ہو تا ہو، ایسی جنابت جس سے روزہ باطل نہ ہو، لیکن فوراً اسے دور نہ کرے۔ مذکورہ سارے امور قضاء حاجت کے لئے مسجد سے باہر جانے کے بعد پیش آئیں تب بھی یہی حکم ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک بلا عذر بدنی عبادت کے منافی ہے۔

ایسی جنابت ہو جس سے روزہ نہ ٹوٹے (مثلاً نسیاناً یا لاعلمی میں ہو، یا احتلام ہو جائے) اور جلد ہی پاکی حاصل کرے یا جنون یا بے ہوشی طاری ہو تو اعتکاف اور تتابع منقطع نہ ہو گا۔

حدث اکبر کے بعد بغیر ٹھہرے مسجد ہی میں طہارت کا حصول مشکل ہو تو فوراً نکلنا واجب ہے، کیونکہ اس حالت میں مسجد میں رکنا گناہ ہے۔ اگر مسجد میں طہارت ممکن ہو (مثلاً تالاب وغیرہ ہو) تو فوراً نکلنا واجب نہیں۔ (بلکہ فوراً وہیں غسل کرے لیکن وہیں غسل واجب نہیں ہے غسل کے لئے باہر جانا بھی) جائز ہے۔ اور اس پر لازم ہے کہ جلد غسل کرے تاکہ اعتکاف کا تتابع ختم نہ ہو۔ نیند اور بے ہوشی کا وقت اعتکاف میں شمار ہو گا، بقیہ امور جو گذر چکے ان سے اعتکاف نہ بھی ٹوٹے تو وہ وقت اعتکاف میں شمار نہ ہو گا۔ مثلاً جنون۔ حیض وغیرہ (لہٰذا واجب مدت کی تکمیل کے لئے ان اوقات کی تلافی لازم ہے)

اعتکاف میں جائز امور

اعتکاف کی حالت میں خوشبو کا استعمال، زینت (مثلاً غسل، مسیں (مونچھ) کترنا، بالوں میں تیل ڈالنا اور کنگھی کرنا، اچھے لباس پہننا) نکاح کرنا اور نکاح کرانا، اور پیشہ و کاریگری (مثلاً کپڑا سینا) جائز ہے۔ کاریگری زیادہ ہو تو مکروہ ہے۔ کتابت علم کسی دوسرے کے لئے بھی کثرت کے ساتھ مکروہ نہیں۔ مسجد میں اپنے معاشی امور کی اصلاح کا حکم دینا اور جائداد وغیرہ کا خیال اور فکر کرنا اور کھانا پینا جائز ہے۔ بہتر ہے کہ دستر خوان پر کھائے، اور کسی برتن وغیرہ میں ہاتھ دھوئے اور لوگوں کی نگاہوں سے دور ہو۔

مسجد میں فصد اور سینگی برتن میں مکروہ ہے۔ استحاضہ وغیرہ بدن سے نکلنے والے دیگر خون کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر مسجد خون سے ملوث ہو، یا پیشاب پاخانہ کرے (گرچہ کسی برتن میں ہو) تو یہ حرام ہے۔ بغیر حاجت کے مسجد میں نجاست کا داخل کرنا حرام ہے۔ حاجت

ہو تو حرام نہیں، جیسے نجس جوتے چپل اندر لے جاسکتے ہیں جبکہ مسجد کی گندگی کا خطرہ نہ ہو۔
معتکف کے لئے بہتر یہ ہے کہ علم دین، تلاوت، احادیث کا سننا سنانا وغیرہ عبادات میں لگا رہے۔ کنگھی کرنے کے بعد جھڑے ہوئے بال مسجد میں نہ ڈالے۔ اگر بال کاٹنے یا مونڈنے کی ضرورت ہو تو اپنے گھر جائے، مسجد میں نہ انجام دے۔ (گرچہ حائل کی صورت میں گنجائش ہے) اعتکاف بغیر روزہ کے اور صرف رات میں بھی کرسکتا ہے، کیونکہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں ہے۔

حدیث: معتکف کو روزہ لازم نہیں ہے اِلاّ یہ کہ وہ خود لازم کرلے (رواہ الحاکم وصححہ علی شرط مسلم)

یوں نذر مانے کہ کسی ایسے دن اعتکاف کروں گا جس میں روزہ ہو تو روزہ کی حالت میں اعتکاف لازم ہے، اب وہ روزہ رمضان وغیرہ کا فرض روزہ ہو یا کوئی اور نفل روزہ، البتہ روزے کے ساتھ اعتکاف لازم ہے دونوں الگ الگ پایا جانا کافی نہیں۔

اگر نذر یوں ہو کہ روزے کی حالت میں اعتکاف کروں گا یا اعتکاف کی حالت میں روزہ رکھوں گا تو دونوں بھی لازم اور دونوں کا ایک ساتھ پایا جانا بھی لازم ہے۔ اس صورت میں رمضان وغیرہ کا فرض روزہ کافی نہیں۔

کسی نے نماز کے حالت میں اعتکاف یا اعتکاف کی حالت میں نماز کی نذر مانی تو دونوں کا ایک ساتھ پایا جانا لازم نہیں۔ الگ الگ ادا کرے تو بھی کافی ہے۔ حج وعمرہ میں قِران کی نذر ہو تب بھی دونوں کو الگ الگ ادا کرسکتا ہے، بلکہ وہ افضل ہے، اور دم دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (قِران یعنی ایک ہی احرام سے حج وعمرہ دونوں کی ادائیگی کی نیت کرنا)

اعتکاف کی نذر

معین یا غیر معین کسی مدت کے اعتکاف کی نذر تتابع کی شرط کے ساتھ مانے مثلاً: اللہ کے لئے مجھ پر ایک ماہ کا مسلسل اعتکاف یا فلاں ماہ کا مسلسل اعتکاف واجب تو ادا میں ہر حال میں تتابع واجب ہے اور معین مدت کی صورت میں قضا میں بھی واجب ہے، کیونکہ اس نے لفظاً اسے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ اگر شرط نہ لگائے تو صرف معین مدت کے ادا اعتکاف میں لازم ہے۔ (قضا اور غیر معین میں نہیں) صرف دل میں اعتکاف کی نذر مانے یا تتابع کی شرط لگائے (الفاظ میں زبان سے ادا نہ کرے) تو یہ لازم نہیں۔ اگر تفریق کی شرط لگائے (یعنی جدا جدا مدت کی شرط لگائے) تو تتابع کے ساتھ اعتکاف سے بھی نذر ادا ہوگی کیونکہ یہ افضل ہے۔

ایک دن اعتکاف کی نذر ہو تو تفریق جائز نہیں۔ (مثلاً آج نصف دن کرے پھر کل بقیہ کرے تو یہ کافی نہیں) کیونکہ ایک دن کا مفہوم متصل اور ایک ساتھ ایک دن ہے۔ لہٰذا صبح صادق سے غروب ہونے تک اعتکاف کرے۔ البتہ دن کے دوران اعتکاف شروع کرکے دوسرے دن اس وقت تک اعتکاف میں رہے تو یہ کافی ہے۔ (مثلاً آج دوپہر ۱۲ بجے اعتکاف شروع کیا اور دوسرے دن ۱۲ بجے تک اعتکاف میں رہا تو یہ کافی ہے۔)

تتابع اور تسلسل کے شرط کے ساتھ کسی ایسے عارض (سبب) کی وجہ سے نکلنے کی شرط لگاوے جو مقصود و جائز ہو، اور اعتکاف کے منافی نہ ہو، تو یہ شرط صحیح ہے (مثلاً بیمار کی عیادت، جنازہ میں شرکت، کسی ضرورت سے بادشاہ کی ملاقات وغیرہ) کیونکہ اعتکاف اپنے پر لازم کرلینے سے لازم ہوتا ہے لہٰذا جن شرائط کے ساتھ لازم کیا ہے، اس کا اعتبار ہوگا اگر کسی خاص عارض کی تعین کرے مثلاً مریضوں کی عیادت تو صرف اس کے لئے جاسکتا ہے، کسی اور عارض کی وجہ سے نہیں جاسکتا۔ اور مطلقاً عارض کی شرط ہو تو ہر دینی یا جائز دنیوی عارض کی وجہ سے جاسکتا ہے۔ اگر مدت معین ہو (مثلاً اس ماہ کا اعتکاف) تو مذکورہ عارض کے مدت کے تدارک اور تلافی کی ضرورت نہیں کیونکہ

درحقیقت نذر اس کے علاوہ مدت کی ہے۔ اگر مدت معین نہ ہو جیسے ایک ماہ تو تدارک واجب ہے تاکہ مدت مکمل ہو۔ اور شرط کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ عارض قضاء حاجت کے حکم میں ہو جائے گا کہ اس کی وجہ سے تتابع منقطع نہ ہو گا۔

عارض کے بغیر یوں شرط لگائے کہ اگر مجھے نکلنا ہو تو نکلوں گا یا حرام عارض کی شرط لگائے مثلاً چوری یا شراب پینا یا غیر مقصود عارض کی شرط لگائے جیسے سیر و تفریح یا اعتکاف کے منافی ہو جیسے جماع تو یہ شرط صحیح نہیں اور سرے سے نذر ہی منعقد نہ ہو گی۔

"المجموع" میں ہے کہ ایک دن کے اعتکاف کی نذر ہو اور رات اعتکاف کرے یا اس کے برعکس (یعنی رات کی نذر ہو اور دن میں اعتکاف کرے) تو وقت معین کیا اور فوت ہو چکا تو یہ کافی ہے کیونکہ قضا ہے، ورنہ کافی نہیں (بلکہ معین وقت میں ہی کرے)

مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے تتابع منقطع نہ ہو گا:

(۱) بول و براز کے لئے جانا۔ چاہے اپنے گھر جائے جو مسجد سے بہت زیادہ دور نہ ہو اور اس سے قریب اس کا دوسرا امکان نہ ہو۔ اگر گھر بہت زیادہ دور ہو اور راستے میں اس کے مناسب کوئی اور جگہ نہ ہو تو گھر جا سکتا ہے۔ مسجد کے عام بیت الخلاء میں یا مسجد کے قریب کسی دوست وغیرہ کے گھر جانا واجب نہیں، پہلی صورت میں مشقت اور دوسری صورت میں احسان کی وجہ سے۔ اگر قریب دوسرا گھر ہو یا اپنا گھر بہت دور ہو اور راستہ میں مناسب محلِ استنجاء موجود ہو تو تتابع منقطع ہو گا۔ کیونکہ واپسی تک پھر حاجت محسوس ہو سکتی ہے اور لوٹنا پڑے گا اور پورا دن اسی چکر میں گزرے گا۔ گھر بہت دور ہونے سے مطلب اتنا فاصلہ ہونا ہے کہ نصف سے زیادہ وقت آنے جانے میں ہی گذر جائے۔

بول و براز کے لئے نکلے تو تیز رفتاری کی ضرورت نہیں، اپنی عام رفتار سے آمد و رفت کافی ہے۔ استنجاء سے فراغت کے بعد باہر سے ہی وضو کر کے آسکتا ہے، کیونکہ یہ استنجاء کے تابع ہے۔ لیکن مسجد میں وضو ممکن ہونے کے باوجود وضو کے لئے باہر جانا جائز نہیں۔

(۲) قضاء حاجت کے لئے جانے کے بعد راستہ میں ہی کسی مریض کی عیادت کر لے یا سفر سے آنے والے کی ملاقات کر لے جبکہ وہاں زیادہ نہ رکے، اور اپنا راستہ بدلنا نہ پڑے، اگر راستہ سے ہٹ کر جانا پڑا یا زیادہ رکا تو تتابع ختم ہو گا۔

(۳) جنون یا بے ہوشی یا ایسا مرض جس میں مسجد میں قیام دشوار ہو مثلاً خادم کی یا ڈاکٹر کی آمد و رفت کی ضرورت ہو یا مسجد کے گندگی کا اندیشہ ہو (جلاب وغیرہ کی وجہ سے) اگر مرض ایسا ہو کہ مسجد سے نکلنے کی ضرورت نہیں جیسے سر درد، معمولی بخار وغیرہ تو اس کی وجہ سے تتابع منقطع ہو گا۔

(۴) چور یا آگ کے ڈر سے نکلنا۔

(۵) اعتکاف ہی کو یا تتابع کی قید کو بھول گیا اور مسجد سے نکلا، بھول کر کافی وقت باہر گذرا تب بھی یہ عذر ہے۔

(۶) موذن راتب (وہ مؤذن جو مستقل اذان کی خدمت پر مقرر و متعین ہو) کا اذان کے لئے مسجد سے جدا مسجد ہی کے قریبی منارہ پر جانا، کیونکہ یہ مسجد کے لئے تعمیر شدہ اور اسی کی ماتحتی میں ہے۔ اور مؤذن بھی اس کا عادی اور لوگ اس کی اذان سے مانوس ہیں۔ اگر مؤذن راتب کے علاوہ کوئی مذکورہ منارہ پر جائے یا مؤذن راتب مسجد کے مینارہ کے علاوہ دوسری جگہ جائے یا مسجد کے منارہ پر اذان کی ضرورت کے بغیر جائے یا مسجد سے دور منارہ پر جائے تو تتابع ختم ہو گا۔ جو منارہ مسجد سے متصل ہو کہ اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہو تو اس پر اذان کے بغیر بھی جانے میں حرج نہیں، کیونکہ وہ مسجد سے خارج شمار نہ ہو گا۔ مسجد کی سمت سے ہٹی ہوئی ہو تب بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے۔

(۷) مسجد میں لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہو تو کھانے کے لئے باہر جا سکتا ہے گرچہ مسجد میں ممکن ہو، کیونکہ مسجد میں کھانے سے آدمی شرماتا ہے۔ پانی مسجد میں میسر ہو تو پانی پینے باہر نہیں جا سکتا۔

(۸) بغیر حق کے کوئی اکراہ اور جبر سے نکالے۔

(۹) اس حد (سزا) کے لئے نکلنا جو گواہوں سے ثابت ہو، اپنے اقرار سے ثابت ہو تو اس کے لئے نکلنے سے تتابع ختم ہو گا۔
(۱۰) وہ جاہل جو مذکورہ مسائل سے ناواقف ہو۔
مسلسل اعتکاف کے نذر میں جو وقت ایسے عذر کی وجہ سے مسجد سے باہر گذرے جس سے تسلسل ختم نہ ہو، اس کی قضاء واجب ہے جیسے حیض، نفاس اور مذکورہ جنابت وغیرہ قضاء حاجت، کھانا اور مؤذن راتب کے اذان کے اوقات کی قضاء واجب نہیں۔ کیونکہ یہ لابدی (ضروری) اور مستثنیٰ ہیں۔ اوران اوقات میں بھی وہ حکماً معتکف شمار ہو گا۔

کتاب الحج (حج کا بیان)

لفظ 'حج' عربی زبان میں قصد وارادہ اور زیارت یا کسی معظم ومحترم کے بکثرت قصد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
شرعاً، آئندہ سطروں میں پیش ہونے والی مخصوص عبادت کی خاطر کعبۃ اللہ کے قصد کو حج کہتے ہیں۔
لفظ 'عمرہ' عربی میں زیارت وملاقات اور قصد کے لئے مستعمل ہے، اور شریعت میں آئندہ آنے والی مخصوص عبادت کے لئے کعبۃ اللہ کے قصد وزیارت کو عمرہ کہتے ہیں۔
حج قدیم شریعتوں میں بھی مشروع تھا لیکن اس کیفیت کے ساتھ اس امت کی خصوصیت ہے۔ وارد ہے کہ ہر نبی نے حتی کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بیت اللہ کا حج کیا ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں حج کے اعلان کا حکم دیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میری آواز کہاں تک پہنچ پائیگی؟
ارشاد باری ہوا تم اعلان کرو، پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے، لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بآواز بلند اعلان فرمایا: "یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ کَتَبَ عَلَیۡکُمُ الۡحَجَّ فَحَجُّوۡا" (اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہٰذا تم حج کرو۔) اس آواز کو آسمان وزمین والوں نے سنا، حتی کہ جو ابھی باپ کے پشت اور ماں کے رحم میں تھے (یعنی آئندہ پیدا ہونے والی نسلیں) انھوں نے بھی سنا، پس جس نے ایک مرتبہ جواب دیا وہ ایک مرتبہ حج کریگا جس نے دو مرتبہ دیا وہ دو مرتبہ، اور جس نے تین مرتبہ دیا وہ تین مرتبہ جس نے اس سے زیادہ مرتبہ دیا وہ اتنی ہی مرتبہ حج کریگا۔
وقت فرضیت: راجح قول کے مطابق ۵ نہ ھ میں فرض ہوا۔ آپ ﷺ نے ۹ نہ ھ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا اور انھوں نے اس فریضہ کو انجام دیا بعض مالدار صحابہ مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جہاد اور دشمن کے ساتھ مصروفیت کے بغیر آپ ﷺ کی طرح اس سال حج میں نہ گئے، بلکہ ۱۰ نہ ھ میں آپ ﷺ کی معیت میں حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔
آپ ﷺ نے قبل نبوت اور بعد نبوت اور قبل ہجرت کئی حج وعمرے کئے جن کی تعداد کا صحیح علم نہیں ہجرت کے بعد ایک حج "حجۃ الوداع" ادا فرمایا۔
حج کا حکم: حج اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک ہے۔ اسکا اسلامی رکن ہونا بالکل قطعی اور واضح ہے۔ کوئی اس کا انکار کردے تو کافر ہو گا۔ البتہ تازہ نو مسلم ہو، یا ان مسائل سے واقف حضرات سے دور دراز علاقہ میں پلا بڑھا ہو، تو اسے معذور سمجھیں

گے۔(اور معلوم ہونے تک کفر کا حکم نہ لگے گا)

حج نماز کے علاوہ دیگر تمام عبادات سے افضل ہے۔کیونکہ یہ بدن اور مال دونوں پر مشتمل ہے۔ صحیح اور مبرور حج (جس میں سارے ارکان وآداب کی رعایت ہو اور ابتداء سے انتہاء تک گناہ کا دخل نہ ہو) کی وجہ سے صغیرہ گناہ بالاتفاق معاف ہونگے۔راجح قول کے مطابق کبائر بھی معاف ہوں گے۔ جس گناہ کا تاوان وبدلہ یا قضالازم ہے،(مثلاً کسی کا قرض وغیرہ۔ قضا نمازیں وغیرہ) حج کے بعد ان کو انجام دیناواجب ہے۔البتہ دوران حج یا فراغت کے بعد ان کی ادائیگی کا موقعہ ملنے سے پہلے ہی مر جائے۔تو انشاء اللہ یہ بھی معاف ہونے کی امید ہے۔

حج وعمرہ کی فرضیت

حج وعمرہ اصل شرع کی رو سے زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔آئندہ ادائیگی کے ارادے کے ساتھ تاخیر کی گنجائش ہے۔جبکہ نذر، قضایابے بس ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے وقت تنگ نہ ہو۔نذر یا قضا کی صورت میں مزید حج یا عمرہ بھی فرض ہو جاتا ہے۔

آیت:(۱)"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا"(آل عمران۔آیت۹۷) اور اللہ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا (فرض) ہے۔یعنی اس شخص کو جو کہ طاقت رکھے وہاں تک (پہنچنے) کی سبیل کی۔

(۲)"وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ"(البقرۃ۔۱۹۶) اور حج اور عمرہ کو اللہ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو۔یعنی ان دونوں کو مکمل اور تام طریقہ سے انجام دو۔

حدیث:(۱) آپ ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، تو تم حج کرو" تو ایک شخص نے پوچھا "اے اللہ کے نبی! کیا ہر سال؟" تو آپ ﷺ چپ رہے۔یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہتا تو واجب ہو جاتا اور تم نہ کر پاتے"(مسلم)

(۲) حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا "ہمارا یہ عمرہ اس سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے"(دارقطنی باسناد صحیح)

حج وعمرہ کی صحت

حج وعمرہ صحیح ہونے کے لئے صرف اسلام شرط ہے۔کافر و مرتد کا حج صحیح نہ ہو گا۔صرف صحت کے لئے مکلف ہونا لازم نہیں لہٰذا بچے کا (ولیِ مال) مالی سرپرست اور ذمہ دار (یعنی باپ پھر دادا پھر وصی پھر حاکم یا اس کا قیم) ممیز یا غیر ممیز بچہ اور پاگل کی طرف سے احرام باندھ کر اسے حج کرا سکتے ہیں۔مالی ذمہ دار کے علاوہ جیسے بھائی یا چچا وغیرہ کو اس کی اجازت نہیں۔

حدیث: ایک عورت نے ایک بچے کا ہاتھ پکڑ کر آپ ﷺ سے پوچھا "کیا اس کا حج ہو گا" تو جواب دیا "ہاں! اور تم کو اجر ملے گا۔"(موطأ، مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی۔ابن حبان)

بچہ وپاگل کی طرف سے احرام کا طریقہ یہ ہے کہ اسے محرم بنانے کی نیت کرلے، تو وہ محرم ہو جائیگا۔اس کا موجود ہونا یا ولی کی طرف متوجہ ہونا شرط نہیں ہے۔غیر ممیز بچہ کو لے کر ولی طواف کرائے۔طواف سے پہلے طواف کے شرائط ستر عورت وضو وغیرہ) بھی کرائے، اس کو سعی بھی کرائے۔(طواف وسعی خود ولی کا ہونے کے بعد اسے لے کر کرائے) اس کی جانب سے ولی طواف کی دو رکعت ادا

کرے۔ ولی اسے مواقف (وقف کے مقامات مثلاً عرفہ، مزدلفہ) میں لے جائے بغیر ولی کے وہ اپنے طور پر جائے تو یہ کافی نہیں ہے۔ اگر وہ رمی کرسکتا ہے۔ توکنکر اس کو تھمادے۔ تاکہ وہ رمی کرے، نہیں کرسکتا، تو ولی یا اس کی اجازت سے دوسرا کرے، جبکہ خود اس کے ذمہ میں رمی نہ ہو۔ ممیز (باشعور) بچہ خود ہی طواف، نماز، سعی، مواقف کی حاضری اور رمی کے اعمال انجام دے۔ کسی بے ہوش کی بے ہوشی کے ختم ہونے کی امید ہو تو اس کی جانب سے دوسرا احرام نہ باندھے۔ اگر اب ہوش میں آنے کی امید نہ ہو یا تین دن سے زائد مدت ہو چکی۔ تو ولی اس کی طرف سے احرام باندھ سکتا ہے۔

ازخود انجام دینا

بذات خود حج عمرہ کی انجام دہی کے لئے اسلام کے ساتھ تمیز (باشعور ہونا) بھی شرط ہے لہٰذا ایک ممیز بچہ اپنے ولی کی اجازت سے خود ہی احرام باندھ کر حج وعمرہ کے اعمال ادا کرسکتا ہے۔

اسلامی فریضۂ حج

اسلام نے جو ایک حج وعمرہ زندگی میں فرض کیا ہے اس کی ادائیگی اور فرضیت سے سبکدوش ہونے کیلئے یہ شرائط ہیں۔ (۱) اسلام (۲) تمیز (۳) بالغ ہونا (۴) آزادی۔

فریضہ کی ادائیگی کیلئے استطاعت شرط نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی غریب آدمی تکلیف اٹھا کر کسی طرح حج کرلے تو اس کا فریضہ ادا ہو گیا۔ (آئندہ مالدار اور مستطیع ہونے کے بعد دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں)۔ کیونکہ وہ کامل ہے۔ جیسا کہ مریض تکلیف اٹھا کر جمعہ میں شریک ہو تو اس کا جمعہ ہو جائیگا (گرچہ اس پر فرض نہ تھا)۔ بچہ اور غلام کا حج اسلامی فریضہ کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ بچہ بالغ ہونے اور غلام آزاد ہونے کے بعد (بصورت استطاعت) ان پر دوبارہ حج لازم ہے۔ کیونکہ یہ ناقص الحال ہیں۔

حدیث: ''کوئی بچہ حج کرے پھر بالغ ہو تو اسپر اسلامی حج لازم ہے۔ اور کوئی غلام حج کرے پھر آزاد ہو تو اس پر اسلامی حج فرض ہے'' (ابن خزیمه، حاکم، بیهقی، ابن حزم وصححه، خطیب)

اگر حج میں وقوف عرفہ سے قبل یا دوران وقوف بچہ بالغ ہو جائے یا غلام آزاد ہو تو یہ اسلامی حج کیلئے کافی ہے۔ اگر سعی طواف قدوم کے بعد کر چکا تھا، تو اب دوبارہ کرے۔ عمرہ میں طواف سے قبل یا دوران طواف بلوغ یا آزادی پائی جائے تو یہ عمرہ فریضہ کی طرف سے کافی ہے۔ البتہ دوران طواف ہے تو طواف از سرِ نو لوٹائے۔

وجوب حج وعمرہ

حج وعمرہ کے وجوب کے لئے یہ شرائط ہیں (۱) اسلام (۲) تمیز (۳) بالغ ہونا (۴) آزادی (۵) استطاعت۔ لہٰذا ایک کافر پر اس دنیا میں مطالبہ کے اعتبار سے حج واجب نہیں (گرچہ آخرت میں اس پر گرفت ہو) اس لئے کوئی کفر میں حج پر قادر ہو' لیکن اسلام قبول کرتے وقت قادر نہ ہو (تنگ دست ہو) تو اس پر حج فرض نہ ہوگا۔ لیکن کوئی مرتد قادر تھا تو دوبارہ اسلام لانے کے بعد یہ فریضہ اس کے ذمہ باقی رہے گا۔ غیر ممیز یا ممیز نابالغ پر اور غلام پر حج فرض نہیں۔ اسی طرح جو حج کی قدرت واستطاعت نہ رکھتا ہو، اس پر بھی فرض نہیں۔

آیت: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران ۹۸)

حدیث: آپ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ حج کب واجب ہو گا، تو فرمایا "جب توشہ اور سواری ہو۔" (ترمذی وقال حدیث حسن)

حدیث سے قرآن کے لفظ استطاعت کی وضاحت ہوتی ہے۔

استطاعت (طاقت وقدرت)

استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (الف) بذات خود ادا کرنے کی استطاعت (ب) استطاعت بالغیر۔

استطاعت کے تحقق کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے پاس اتنا مال ہو جو حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے کافی ہو۔ یعنی آمد ورفت کا کرایہ اور کھانے پینے کے مصارف اور حکومتیں جن امور کو ضروری قرار دیتی ہیں۔ مثلاً پاسپورٹ، پروانہ راہ داری، مطوف کا خرچ وغیرہ۔ اور یہ سارا مال اس کے قرض اور اہل وعیال کے مصارف کے علاوہ ہو، جب تک کہ وہ حج و عمرہ کیلئے غائب رہے۔

(الف) **بذات خود ادا کرنے کی استطاعت:** آدمی قادر، تندرست ہو کہ بغیر شدید نقصان اور مشقت کے خود سفر کر کے مناسک کو ادا کر سکتا ہو۔

(ب) **استطاعت بالغیر:** آدمی اتنے مال کا مالک ہو کہ اسکے ذریعہ کسی اور کو نائب بنا کر زندگی میں یا موت کے بعد حج کرا سکتا ہو، جبکہ شدید مرض یا بڑھاپے وغیرہ کے وجہ سے خود حج کرنے پر قادر نہ ہو۔

بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، اور ادائیگی سے قبل وفات پاگئی۔ تو کیا میں ان کی جانب سے حج کروں، تو آپ ﷺ نے جواب دیا۔ "ہاں تم ان کی طرف سے حج کرو" نسائی کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے اپنے وفات شدہ والد کا حج ادا کرنے کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

صحیحین میں ہے کہ ایک عورت نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے فریضہ حج کے وقت ابّا بالکل بوڑھے اور سواری پر بیٹھ کر سفر کرنے کے ناقابل ہیں تو کیا میں ان کی جانب سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں"۔

ملاحظات

(۱) جس کے پاس تجارت کا رأس المال ہو، اسے حج و عمرہ کی ادائیگی میں صرف کرنا واجب ہے۔ کسی کے پاس زمین ہو اس کی آمدنی پر اس کا گذر بسر ہو تو حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے اسے فروخت کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اگر اس کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو مال تجارت اس میں ادا کرنا واجب ہوتا۔ تو اسی طرح حج و عمرہ کا حکم ہو گا۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا فروخت کرنا اس پر لازم نہیں۔

(۲) رہنے کا مکان اور گھر کا اثاثہ اور اسباب حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے فروخت کرنا واجب نہیں کیونکہ یہ ان ضروریات میں سے ہیں جن سے انسان بے نیاز نہیں، لہٰذا ان کے فروخت کا مکلف نہ ہو گا۔

(۳) جس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان دو مرحلہ سے کم فاصلہ ہو (مسافت قصر سے کم یعنی تقریباً ۸۱ کلو میٹر سے کم) اور وہ چلنے کی قوت رکھتا ہو تو اسے سواری میسر نہ بھی ہو تو پیدل جا کر حج و عمرہ کرنا لازم ہے۔

(۴) جس کے پاس صرف بقدرِ حج رقم ہو اور وہ اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کی دو حالتیں ہو نگی۔

(الف) نکاح کی حاجت ہو، لیکن اپنے نفس پر ضبط و قابو (کنٹرول) حاصل ہو، تو اس پر حج واجب ہے۔ اور نکاح سے قبل حج کر لینا افضل ہے۔

(ب) زنا اور گناہوں کے ارتکاب کا اندیشہ ہو، تو اس پر بھی حج واجب ہے، لیکن پہلے نکاح کر لینا افضل ہے۔ خلاصہ یہ کہ نکاح کی حاجت سے حج کا وجوب ختم نہ ہوگا۔

(۵) عورت پر حج و عمرہ کے وجوب کیلئے سابقہ شرائط کے ساتھ مزید دو شرطیں ہیں۔

(۱)-(الف) اس کے ساتھ اس سفر میں اس کا شوہر ہو۔

(ب) یا نسبی یا غیر نسبی کوئی مَحرَم ہو۔ کیونکہ صحیحین کی حدیث میں ہے۔ "عورت بغیر مَحرَم کے سفر نہ کرے۔"

(ج) یا اس کے ساتھ معتبر، پاکباز اور دین دار عورتیں ہوں۔ کم از کم دو اور عورتیں ہوں یعنی کل تین۔ ان عورتوں میں سے کسی کا شوہر یا محرم ساتھ ہونا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح معتبر عورتوں کی اجتماعی صورت میں فتنوں سے امن حاصل ہوگا۔

اگر عورت کو حج میں جانے والا کوئی محرم وغیرہ نہ مل سکے تو اس پر محرم کی اجرت بھی واجب ہے۔ جبکہ اسکے پاس موجود ہو۔

یہ شرط حج میں جانے کے وجوب کے لئے تھی۔ جہاں تک جواز کا مسئلہ ہے، تو اس میں صرف ایک عورت بھی کافی ہے۔ بلکہ راستہ پر امن ہو، تو تنہا عورت بھی جا سکتی ہے۔ (لیکن جانا واجب نہیں) یہ مسئلہ فرض حج کا ہے۔ سنت حج یا دیگر اسفار کے لئے شوہر یا محرم کا ہونا ضروری ہے۔ فرض حج کے لئے تنہا عورت کا جانے کے جواز کی دلیل بخاری شریف کی یہ روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ "اگر تم زیادہ عرصہ زندہ رہے تو بالضرور یہ منظر دیکھو گے کہ ایک خاتون تنہا مقام حِیرہ (ایک جگہ کا نام) سے آکر کعبۃ اللہ کا طواف کریگی اور اسے اللہ کے علاوہ کسی کا ڈر نہ ہوگا۔"

(۲) عورت طلاق یا وفات کی عدت میں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (سورۃ الطلاق - ۱)

آیت: "لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ" (عدت میں) ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں۔ (بیان القرآن)

(۶) عورت شوہر کی اجازت کے بغیر حج میں نہیں جا سکتی، اگر حج پر قدرت کے باوجود شوہر کے روکنے کی وجہ سے نہ جا سکی اور پھر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے ترکہ میں سے اس کا حج بدل کروایا جائے گا، اور اس میں عورت گنہگار شمار نہ ہوگی۔ (الفقہ المنہجی ۱۲۶/۳)

میت کا حج بدل: کسی میت کے ذمہ فرض حج یا عمرہ باقی ہو، تو اس کے ترکہ میں سے اسے ادا کروانا واجب ہے۔ جیسا کہ دیگر قرضوں کو ادا کیا جاتا ہے۔ (اور میت کے ان مالی حقوق کی ادائیگی کے بعد وارثوں میں وراثت تقسیم ہوگی) اگر میت کا ترکہ نہ ہو، تو وارث کے لئے سنت ہے کہ اس کی جانب سے انجام دے۔ اگر کوئی اجنبی وارث کی اجازت یا بغیر اجازت کے انجام دے تو یہ بھی جائز ہے۔

غریب مَعْضُوب (عاجز): جو شخص معضوب ہو، یعنی شدید بڑھاپے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے خود حج کو نہ جا سکتا ہو، اور غریب ہو کہ کسی اور کو بھی روانہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اسکے اصول و فروع میں سے کوئی یا کوئی اجنبی شخص اپنی جانب سے بخوشی اس کا حج کرنے پر راضی ہو، تو فوراً اسے اجازت دے کر حج کروانا واجب ہے، جبکہ وہ شخص خود عاجز نہ ہو اور معتبر ہو اور اس کے ذمہ کوئی فرض حج نہ ہو، البتہ کوئی اسے اپنی جانب سے مال دے، تاکہ یہ کسی کے ذریعہ حج کرائے، تو اس مال کا لینا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نسبتاً زیادہ احسان پایا جاتا ہے۔ البتہ اصول و فروع میں سے کوئی خود ہی مال دے کر کسی کو روانہ کرنا چاہے، یا اس سے یہ کہے کہ تم کسی کو حج کے لئے روانہ کرو، ہم

اس کو اجرت دیں گے، تو قبول کرنا لازم ہے، (براہِ راست رقم اسے دے تو لازم نہیں) اور اجنبی شخص کا یہ مطالبہ قبول کرنا لازم نہیں۔

انواعِ نیابت: معضوب یعنی جو خود حج کرنے سے عاجز ہو، وہ فرض اور نفل دونوں میں دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے بلکہ فرض میں واجب ہے، میت کی طرف سے فرض حج مطلقاً جائز ہے، نفل حج میت کی وصیت ہو تو جائز ہے ورنہ صحیح نہیں ہے۔ جو شخص خود حج کر سکتا ہو، اس کے لئے کسی اور کو نائب بنانا مطلقاً منع ہے۔ (یعنی فرض ہو یا نفل)

میقات

میقات لغت میں حد یا کسی فعل کے لئے متعینہ وقت کو کہتے ہیں۔ اور شرعاً اس باب میں عبادت کی ادائیگی کے لئے متعین وقت اور جگہ کو کہا جائے گا۔

میقات زمانی (یعنی حج وعمرہ کا وقت)

آیت: ''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ'' (البقرہ۔آیت ۱۹۷)۔ (زمانہ افعال) حج (کا) چند مہینے ہیں۔ جو (مشہور) معلوم ہیں (ایک شوال۔ دوسرا ذی قعدہ تیسرا دس تاریخیں ذی الحجہ کی) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔

حج کا احرام ایک شوال سے عید الاضحی (۱۰/ ذی الحجہ) کے فجر تک کسی بھی وقت باندھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور وقت کسی نے حج کا یا مطلق (حج وعمرہ کی قید کے بغیر) احرام باندھا تو وہ احرام بطورِ عمرہ منعقد ہو گا۔ کیونکہ احرام کا تعلق کافی قوی اور شدید ہوتا ہے۔ لہٰذا جو احرام باندھا، وقت اسے قبول نہیں کر سکتا، تو جو قبول کرتا ہے وہی شمار ہو گا۔ اور اس عمرہ سے اسلامی فرض عمرہ ادا ہو جائیگا۔ چاہے لاعلمی میں ایسا کرے یا جان بوجھ کر۔

عمرہ کا احرام سال بھر کسی بھی وقت باندھ سکتے ہیں، کیونکہ صحیحین وغیرہ کی روایات میں مختلف اوقات میں عمرے ثابت ہیں، البتہ حاجی کے لئے نفر (منیٰ میں رمی کے اعمال سے فارغ ہو کر چلے آنے) سے قبل عمرہ کی اجازت نہیں۔ (فی الحال گرچہ حاجی احرام میں نہیں لیکن) احرام کے احکام کا باقی رہنا احرام کے باقی رہنے کی طرح ہے۔ اور ابھی تحلل حاصل نہیں ہوا۔ (حج کا احرام نہیں کھلا) تو حج پر عمرہ داخل کرنا منع ہے۔ اور تحلل کے بعد حج کے بقیہ اعمال کی وجہ سے فی الحال عمرہ کے اعمال ادا نہ کر پائے گا۔

میقات مکانی

جو حرم مکہ میں ہو اور عمرہ کرنا چاہے، اسے احرام کے لئے حرم سے باہر حل میں جانا لازم ہے صحیحین کی روایت میں ہے کہ ''آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حج کے بعد تنعیم روانہ فرمایا، اور انھوں نے وہاں سے عمرہ ادا کیا۔'' تنعیم مکہ سے سب سے قریبی حل ہے۔ حل میں عمرہ کے احرام کے لئے سب سے افضل مقام ''جعرانہ'' ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین سے واپسی پر اسی مقام سے رات جا کر عمرہ انجام دیا۔ (صحیحین) یہ طائف کے راستہ میں مکہ مکرمہ سے ۶/ فرسخ (۱۸/ میل) کے فاصلہ پر ہے۔ پھر تنعیم افضل ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے وہیں سے عمرہ کروایا، اب وہیں مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا موجود ہے۔ یہ مکہ مکرمہ

سے ایک فرسخ (۳؍ میل) دور ہے۔ پھر حدیبیہ سے عمرہ افضل ہے، جو مکہ سے ۶؍ فرسخ کی مسافت پر ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے سال ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد مقام حدیبیہ سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن مشرکین آڑے آئے۔) لہٰذا امام شافعیؒ نے جس پر آپ ﷺ نے عمل کیا اسے مقدم رکھا، پھر جس کا آپ ﷺ نے حکم دیا، پھر جس کا آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا۔

اگر کوئی مکہ سے ہی احرام باندھ کر عمرہ کرے اور حل میں نہ جائے تو یہ عمرہ صحیح ہو جائے گا اور اس سے اسلامی فرض عمرہ بھی ادا ہو گا، لیکن میقات سے احرام کے ترک کی وجہ سے اس پر دم واجب ہو گا۔ اور وہ گنہگار بھی ہو گا۔ لیکن احرام باندھنے کے بعد کسی اور عمل کے ادا کرنے سے قبل میقات (حل) میں جا کر آئے تو دم لازم نہیں، کیونکہ اس نے میقات سے مکہ کی مسافت احرام کی حالت میں طے کی۔ اور تمام اعمال بعد میں انجام دے تو گویا کہ میقات سے ہی احرام باندھا، اگر پہلے سے میقات جانے کا ارادہ تھا تو اس تقدیم احرام سے گنہگار نہ ہو گا۔

مکہ سے حج کا احرام باندھنے کے لئے میقات خود مکہ ہی ہے۔ (چاہے قِران کا احرام ہو یا وہ شخص غیر مکی ہو)

آفاقی یعنی دنیا کے مختلف علاقوں سے حج یا عمرہ کے لئے آنے والوں کے میقات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(۱) مدینہ منورہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے ذوالحلیفہ میقات ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے تقریباً دس مرحلہ کے فاصلہ پر اور مدینہ منورہ سے ۶؍ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جو آج کل اَبْیَار علی کے نام سے معروف ہے۔

(۲) شام، مصر اور مغرب سے آنے والوں کے لئے جُحفہ میقات ہے۔

(۳) تہامۃ الیمن، چین اور ہندوستان کی طرف سے آنے والوں کے لئے یلملم میقات ہے جو ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے۔

(۴) نجدِ یمن اور نجدِ حجاز کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقاب قَرْن ہے، جو مکہ سے دو مرحلہ کی مسافت پر ایک جگہ کا نام ہے۔

(۵) مشرق یعنی عراق وغیرہ کی طرف سے آنے والوں کا میقات ذاتِ عِرق ہے، جو مکہ سے دو مرحلہ پر ہے۔

حدیث ۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میقات کی اس طرح تعیین فرمائی۔ ”اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لئے جحفہ، اہلِ نجد کے لئے قرن، اہل یمن کے لئے یلملم اور فرمایا کہ یہ ان علاقوں کے لوگوں کے لئے اور دوسرے علاقوں سے اس طرف سے گذرنے والوں کے لئے میقات ہے۔ جو کہ حج اور عمرے کے ارادے سے آئیں۔ جو ان حدود سے (مکہ مکرمہ کی طرف) اندر ہوں، وہ جہاں سے (حج یا عمرہ کا سفر) شروع کریں (وہی ان کے لئے میقات ہے) یہاں تک کہ اہل مکہ، مکہ ہی سے احرام باندھیں (صحیحین)

۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ آپ ﷺ نے اہلِ مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہلِ شام، مصر اور مغرب کے لئے جحفہ کو میقات قرار دیا۔ (الشافعی فی الام)

۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”آپ ﷺ نے اہل عراق کے لئے ذاتِ عرق کو میقات مقرر کیا ہے۔ (ابوداود وغیرہ باسناد صحیح کما فی المجموع)

اگر کوئی کسی کی نیابت میں حج کو جائے، تو اس نائب بنانے والے کے میقات کا یا اس سے دور جس مقام کی اس نے تعیین کی ہو، اس

کا اعتبار ہو گا۔

جو شخص میقات سے دور اور پرے رہتا ہو، اسے میقات سے احرام افضل ہے، نہ کہ گھر سے کیونکہ آپ ﷺ نے بالا جماع حجۃ الوداع میں ذوالحلیفہ سے احرام باندھا (نہ کہ مدینہ منورہ سے)، اسی طرح عمرۃ الحدیبیہ میں بھی (رواہ البخاری) اپنے گھر سے بھی احرام باندھ سکتا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے ایسا کیا ہے میقات پر پہنچنے تک عورت کو حیض یا نفاس شروع ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلے ہی احرام باندھنا سنت ہے۔

میقات کے ابتدائی حصہ سے (یعنی جو مکہ سے نسبتاً دوری پر ہو) احرام افضل ہے، بہ نسبت درمیانی اور آخری حصے کہ، تاکہ بقیہ میقات سے احرام کی حالت میں گذرے، لیکن ذوالحلیفہ میں اس مسجد سے احرام افضل ہے جہاں سے آپ ﷺ نے احرام باندھا تھا۔

جس حاجی کے راستہ میں مذکورہ میقات میں کوئی نہ پڑتا ہو، وہ دورانِ سفر دائیں یا بائیں جانب کسی میقات کے محاذات (سیدھ) میں جب پہنچ جائے، تو وہی اس کے لئے میقات ہے۔ دونوں طرف میقات ہو تو جو زیادہ قریب ہو اس کا اعتبار ہو گا۔ دونوں ایک ہی فاصلہ پر ہو، تو جو مکہ سے زیادہ دور ہو اس کا اعتبار ہو گا۔ اگر کوئی بھی میقات محاذات میں نہ آئے، تو مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ (مسافت قصر) کی دوری پر اس کا میقات شمار ہو گا، کیونکہ مکہ مکرمہ سے اس سے کم فاصلہ پر کوئی میقات نہیں۔

جو شخص میقات سے اندر مکہ کی طرف رہتا ہو اور آگے کوئی اور میقات نہ ہو تو اس کے لئے جہاں سے حج کا ارادہ ہو وہی جگہ میقات ہے اسی طرح کوئی باہر سے آکر میقات سے گذرے اور فی الحال حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہو پھر میقات گذرنے کے بعد آگے جاکر ارادہ ہوا تو جہاں سے ارادہ ہوا وہیں سے احرام باندھے۔ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو، اور اپنے میقات سے آگے بغیر احرام کے بڑھ جائے تو اسے اپنی میقات کی طرف، یا اسی مسافت کے کسی اور میقات کی طرف لوٹنا، تاکہ وہاں سے احرام باندھے لازم ہے۔ اگر احرام باندھ چکا ہے، تو اسی حالت میں میقات پر لوٹے۔ اگر کوئی معقول عذر ہو مثلاً وقت تنگ ہو، راستہ پر خطرہ ہو، رفقاء سے کٹ جائے یا پر مشقت بیماری ہو، تو واپسی لازم نہیں۔

عذر کی وجہ سے یا بلا عذر واپس میقات کی طرف نہ لوٹا، اور مطلقاً عمرہ کا یا اسی سال حج کا احرام باندھ چکا تو اس پر دم لازم ہے۔ اسی طرح حج و عمرہ کے کسی عمل کو ادا کرنے کے بعد (چاہے وہ رکن ہو جیسے وقوف عرفہ، یا سنت ہو جیسے طوافِ قدوم) لوٹے تب بھی دم لازم ہے، ان دونوں صورتوں میں بلا احرام میقات سے گذرنے کا گناہ بھی ہو گا۔ کوئی لاعلمی یا بھول کی وجہ سے بلا احرام میقات سے گذرا تب بھی دم لازم ہے، البتہ گناہ نہ ہو گا حج و عمرہ کے کسی عمل کو ادا کرنے سے قبل ہی لوٹے تو دم نہ ہو گا۔ اور پہلے سے واپسی کا ارادہ موجود تھا تو گناہ بھی نہ ہو گا۔

احرام

نیت کے ساتھ حج یا عمرہ میں داخل ہونے کو احرام کہتے ہیں۔

پہلے ہی تعیین کر لینا (کہ حج ہے یا عمرہ ہے یا دونوں) زیادہ افضل ہے۔ مطلقاً بھی احرام درست ہے۔ یعنی صرف احرام کی نیت ہو، (حج یا عمرہ وغیرہ کی تعیین نہ ہو)، مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ (حجۃ الوداع میں) نکلے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”جو حج و عمرہ کا احرام باندھنا چاہے باندھے، جو حج کا احرام باندھنا چاہے تو وہ باندھے اور جو عمرہ کا احرام باندھنا

چاہے وہ وہی باندھے“ امام شافعیؒ کی روایت میں ہےکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام احرام باندھ کر (تلبیہ پڑھتے ہوئے) وحی کا انتظار کرتے ہوئے نکلے، تو یہ حکم ہوا کہ جس کے پاس ہدی کا جانور نہ ہو وہ اپنا احرام عمرہ کا کردے، اور جس کے پاس ہدی ہو، وہ حج کا کرے۔“

بغیر تعیین کے مطلقاً حج کے مہینوں میں احرام باندھا تو اس احرام کو حج یا عمرہ یا دونوں، جو چاہے قرار دے، پھر اس کے اعمال انجام دے، تعیین سے قبل عمل معتبر نہ ہوگا، اگر حج کا وقت باقی نہ ہو تو عمرہ قرار دے۔ حج کے مہینوں کے علاوہ ایام میں مطلق احرام باندھے تو وہ عمرہ شمار ہوگا۔ حج کے ایام آنے کے بعد اسے حج کی طرف نہیں پھیر سکتا۔

کسی نے مثلاً یہ کہا کہ میں نے زید کی طرح احرام باندھا، تو یہ صحیح ہے اور زید محرم ہے تو اس کا احرام بھی اسی قسم کا شمار ہوگا اگر محرم نہیں یا احرام فاسد ہے تو مطلق محرم ہوگا۔ اگر زید کے احرام کی معرفت اس کی موت یا جنون وغیرہ کی وجہ سے متعذر اور مشکل ہو، تو قِران کی نیت کرکے اس کے اعمال انجام دے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آپ ﷺ کے احرام کی طرح احرام باندھا، تو آپ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی۔ (شیخین)

احرام کی سنتیں

(۱) دل سے نیت واجب ہے، ساتھ میں زبان سے بھی ادا کرنا سنت ہے لہٰذا یوں کہے: ”نَوَیْتُ الْحَجَّ وَاَحْرَمْتُ بِهٖ لِلّٰهِ تَعَالٰی“ (میں نے حج کی نیت کی اور اللہ کے لئے اس کا احرام باندھا) عمرہ میں یہ کہے۔ ”نَوَیْتُ الْعُمْرَةَ وَاَحْرَمْتُ بِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰی“ (میں نے عمرہ کی نیت اور اللہ کے لئے اس کا احرام باندھا) قِران یعنی حج وعمرہ دونوں ایک ساتھ ہوں تو یوں کہے۔ ”نَوَیْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَاَحْرَمْتُ بِهِمَا لِلّٰهِ تَعَالٰی“ (میں نے حج وعمرہ کی نیت کی اور اللہ کے لئے ان دونوں کا احرام باندھا) نیت کے بعد متصلاً تلبیہ پڑھے اور اس تلبیہ میں اپنے احرام کی نوعیت بھی ذکر کرے۔ مثلاً حج ہے تو ”لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ بِحَجَّةٍ الخ“ عمرہ ہے تو ”لَبَّیْک اَللّٰهُمَّ بِعُمْرَةٍ لَبَّیْكَ الخ“ اور دونوں ہے تو لَبَّیْک اَللّٰهُمَّ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ لَبَّیْک الخ“ اس پہلے تلبیہ کو زور سے نہ پڑھے، آہستہ پڑھے۔ آئندہ تلبیہ کے کلمات زور سے پڑھے۔ احرام کی نوعیت کا ذکر صرف اس پہلے تلبیہ میں مستحب ہے۔ آئندہ تلبیہ میں مستحب نہیں اگر کسی دوسرے کی جانب سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ رہا ہے تو یوں نیت کرے۔ ”نَوَیْتُ الْحَجَّ (الْعُمْرَةَ) عَنْ فُلَانٍ وَاَحْرَمْتُ بِهٖ عَنْهُ، لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ عَنْ فُلَانٍ الخ“ (میں نے فلاں کی طرف سے حج (عمرہ) کی نیت کی اور اس کی جانب سے احرام باندھا) دونوں لفظ فلاں کی جگہ جس کی طرف سے حج یا عمرہ ادا کررہا ہے۔ اس کا نام لے۔

طواف اور سعی میں تلبیہ مستحب نہیں کیونکہ ان میں مخصوص اذکار پڑھے جاتے ہیں۔

(۲) احرام کے لئے غسل (ورنہ تیمم) کرنا سنت ہے۔ اس غسل کا ترک مکروہ ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ ہر سنت جس کا بالقصد حکم ہو، اس کا ترک مکروہ ہے، امام ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ مطلوبہ مواقع میں غسل ترک نہ کرے، کیونکہ ان غسلوں کا قلوب کی نورانیت اور غفلت کے ازالہ میں بڑا دخل ہے۔

حدیث: آپ ﷺ نے احرام کے لئے کپڑے تبدیل کئے اور غسل فرمایا۔“ (ترمذی وحسنه۔ دارقطنی۔ بیہقی۔ طبرانی) یہاں اور آئندہ آنے والے غسلوں میں تیمم کو غسل پر قیاس کیا گیا۔ (لہٰذا مطلوبہ مقامات میں غسل سے مجبور ہو تو تیمم کرلے)۔

درج ذیل موقعوں پر غسل سنت ہے۔

مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام میں ہو یا بغیر احرام کے، جو شخص ذوطویٰ کے راستہ داخل ہو، اسے مقام ذی طوی میں غسل کرنا افضل ہے۔

حدیث: آپ ﷺ مقام ذی طوی میں رات بسر فرماتے، پھر فجر پڑھ کر غسل فرماتے" (متفق علیہ)

دوسرے راستہ سے آرہا ہو تو ذوطویٰ کی طرف جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اپنے راستہ میں اسی فاصلہ پر غسل کرلے۔ اگر مکہ سے قریب ہی غسل احرام کرکے احرام باندھے اور مکہ آئے تو دوبارہ دخول کے لئے غسل سنت نہیں لیکن بدن سے بو آرہی ہو تو پھر غسل مسنون ہے۔ مدینہ منورہ اور حرم پاک میں داخل ہونے کے لئے غسل مسنون ہے۔

زوال کے بعد وقوف عرفہ کے لئے، مزدلفہ میں ۱۰ / ذوالحجہ کی صبح یا نصف شب کے بعد اور ایام تشریق میں ہر روز رمی کے لئے غسل سنت ہے۔ ہر دن فجر سے غسل کا وقت شروع ہوگا اور غروب یا رمی کرنے سے وقت ختم ہوگا۔ بطور قربت اور لوگوں کے ان مقامات میں اجماع و بھیڑ کی وجہ سے بدبو کے ازالہ اور نظافت کے لئے غسل کو مسنون قرار دیا۔

(۳) احرام سے قبل ہی موئے زیر ناف، بغل کے بال دور کرے اور مونچھ (مسیں) اور ناخن تراشے ان امور کو غسل سے قبل انجام دے، اگر جنبی نہ ہو تو، ورنہ غسل کے بعد انجام دے، جو حاجی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہونے سے قبل یہ امور انجام دے (کیونکہ ذوالحجہ شروع ہونے کے بعد قربانی سے قبل یہ امور مکروہ ہیں)

(۴) احرام کے لئے (احرام سے قبل) بدن میں خوشبو استعمال کرنا مرد و عورت کو سنت ہے۔ اگر اس کے اجزاء باقی رہیں تو بھی حرج نہیں۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے۔ "میں آپ ﷺ کو احرام کے لئے احرام سے قبل خوشبو لگاتی تھی اور تحلل (احرام کھولنے کے وقت) کے لئے بیت اللہ کے طواف سے قبل خوشبو لگاتی۔" (متفق علیہ)

کپڑے میں خوشبو لگانا اور بعد میں بدن یا کپڑے کی اس خوشبو کو باقی رکھنا حلال ہے کیونکہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ "گویا کہ میں خوشبو کی چمک کو آپ ﷺ کے مانگ میں احرام کی حالت میں دیکھ رہی ہوں۔" اگر احرام کے بعد بدن یا کپڑے سے اس خوشبو کو ہٹا کر دوبارہ استعمال کرے، یا خوشبودار کپڑا اتار کر پھر دوبارہ پہنے، تو فدیہ لازم ہوگا۔ کپڑے میں خوشبو باقی نہ ہو، لیکن پانی چھڑکنے سے ظاہر ہو سکتی ہو، تو پہننا ممنوع ہے ورنہ نہیں۔

(۵) عورت کو احرام کے لئے دونوں ہاتھ گٹوں تک مہندی سے رنگنا مسنون ہے کیونکہ کبھی ان کے کھلنے کی نوبت آتی ہے۔ اور ابن عمر نے اسے سنت قرار دیا ہے۔ چہرے پر بھی کچھ مہندی لگائے، کہ اس کے کھلا رکھنے کا حکم ہے۔ تو چمڑی کا رنگ مہندی کے رنگ سے چھپ جائے گا، (مہندی سے بالجملہ ستر کے باوجود اجنبی مرد کو دیکھنا جائز نہیں) احرام کے بعد مہندی مکروہ ہے، کیونکہ یہ زینت ہے۔ اور محرم پر اگندہ اور غبار آلود ہوتا ہے۔ لیکن لگائے تو فدیہ واجب نہیں، مرد اور خنثیٰ کو مہندی سنت نہیں بلکہ حرام ہے۔

احرام اور غیر احرام میں مرد کے لئے بغیر عذر کے ہاتھ پیر جیسے اعضاء میں مہندی لگانا حرام ہے اور سر، داڑھی کے بالوں میں لگانا جائز بلکہ سنت ہے۔ جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں صراحت فرمائی ہے۔ شادی شدہ عورت کے لئے نقش و نگار، سیاہ رنگنا، پوروں کو

مہندی اور سیاہی ملا کر رنگنا اور چہرہ کو سرخ رنگنا سنت نہیں، شوہر کی اجازت کے بغیر یہ امور حرام ہیں۔ جیسا کہ غیر شادی شدہ کے لئے حرام ہیں۔

(۶) مرد احرام سے پہلے ہی محیط کپڑے (جو بدن کو گھیرے) اتار دے، تاکہ احرام کی حالت میں ان کا پہننا نہ پایا جائے، جو کہ حرام ہے۔ زیادہ معتمد قول یہ ہے کہ یہ اتارنا واجب ہے لیکن بعض علماء نے اسے سنت قرار دیا ہے۔

(۷) مرد کو احرام کے لئے سفید تہبند اور سفید چادر اوڑھنا (اور چپل پہننا) سنت ہے، جو جدید ہوں، ورنہ دھلے ہوئے۔

حدیث: ''تم میں سے کوئی تہہ بند، چادر اور چپل میں احرام باندھے'' (ابوعوانہ فی صحیحہ)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے سفید کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے۔

(۸) احرام سے قبل (یعنی حج یا عمرہ کی نیت سے قبل) احرام کی دو رکعت سنت ادا کرے، جبکہ مکروہ وقت نہ ہو۔ اگر حرم مکہ میں ہے تو کسی بھی وقت پڑھ سکتا ہے۔ اگر نماز اور احرام میں عرفاً زیادہ فاصلہ ہو جائے تو یہ فوت ہو جائے گی۔ دوبارہ اعادہ سنت ہے۔ تاکہ احرام اس کے بعد پایا جائے۔ کسی فرض نماز یا سنت نماز کے بعد احرام باندھے تو یہ بھی کافی ہے۔ اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں اخلاص پڑھنا سنت ہے۔

سنتِ احرام کی دو رکعت کی روایت مسلم میں حضرت جابر سے، صحیحین میں ابن عمر سے اور ابو داود، احمد اور حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۹) نماز کے بعد جب حاجی مکہ کی طرف اپنا سفر شروع کرے، (پیدل ہو یا سواری پر) اس وقت احرام (یعنی حج و عمرہ کی نیت) افضل ہے۔

حدیث: آپ ﷺ کی سواری جب آپ ﷺ کو لے کر اٹھی، اسی وقت آپ ﷺ نے نیت کی (اور تلبیہ شروع کیا)۔ (متفق علیہ)

تلبیہ

مُحرِم کے لئے تلبیہ کی کثرت سنت ہے، جیسا کہ آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ (رواہ مسلم) مرد کو بلند آواز سے تلبیہ سنت ہے، کیونکہ جبرئیل امین نے آپ ﷺ سے کہا کہ صحابہ کرام کو بآواز بلند تلبیہ کا حکم دیں (مؤطا، احمد، اصحاب السنن وقال الترمذی ہذا حدیث صحیح) اتنی بلند آواز سے پڑھے کہ تکلیف اور ضرر نہ ہو۔ اگر کسی قاری، ذاکر، نمازی، طائف یا سونے والے کو زور سے تلبیہ پڑھنے سے زیادہ تشویش اور حرج ہو تو یہ حرام ہے، معمولی تشویش ہو تو مکروہ ہے۔

تلبیہ کی تاکید کے اوقات: تغیر احوال کے وقت تلبیہ کی کثرت زیادہ موکد ہے، مثلاً سوار ہونا، سواری سے اترنا، بلندی پر چڑھنا، نشیب میں اترنا، رفقاء سے ملاقات واختلاط۔ بعد نماز۔ رات کی آمد۔ دن کی آمد۔ سحری کا وقت۔ نیند، بیداری، ہواؤں کا چلنا زوال شمس۔

احرام باندھتے وقت پہلا تلبیہ آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ عورت اور خنثیٰ زور سے نہ پڑھیں بلکہ دوسرں کو آواز جائے تو مکروہ ہے۔ دیگر اذکار کی طرح تلبیہ بھی محل نجاست میں زبان سے ادا کرنا مکروہ تنزیہ ہے۔ دل میں اس کا جاری کرنا مکروہ نہیں ہے۔

تلبیہ کے الفاظ: ”لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ،لَاشَرِیْكَ لَكَ“(متفق علیہ)’وَالْمُلْكَ‘ پر معمولی وقف سنت ہے۔(تحفہ)

ان الفاظ کو تین تین مرتبہ دوہرانا سنت ہے۔ ان کلمات میں کمی بیشی نہ کرنا مستحب ہے ان الفاظ کے پڑھنے کے بعد کچھ اضافہ کرلے تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ صحیحین میں ہے۔ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ پر ان الفاظ کا اضافہ فرماتے ” لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ وَالْخَیْرُ بِیَدَیْكَ وَالرُّغْبَاءُ اِلَیْكَ وَالْعَمَلُ“(الشروانی علی التحفہ)لبیک کا مطلب ہے میں آپ کی اطاعت کا دم بھرتا ہوں۔ اور بار بار آپ کی پکار کو قبول کرکے اس کا جواب دے رہا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام“ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی، تو آسمان وزمین کے درمیان سبھی نے سنا، کیا تم لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ زمین کے مختلف گوشوں سے تلبیہ پڑھتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

جب کوئی پسندیدہ یا ناپسندیدہ بات دیکھے تو یہ پڑھنا سنت ہے۔ ”لَبَّیْكَ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ“(حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے) میدان عرفات میں جب صحابہ کرام کے جم غفیر کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات ادا فرمائے۔ (الشافعی وغیرہ عن مجاہد مرسلاً) جنگ خندق کے لئے خندق کھودتے وقت شدید پریشانی کے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے(رواہ الشافعی) اگر احرام میں ہے تو لبیک کے ساتھ یہ کلمہ پڑھے، ورنہ ”اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ“ پڑھے۔

تلبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آل واصحاب پر دورد پڑھے، اسے بھی تین مرتبہ پڑھنا افضل ہے، کوئی سادرود پڑھ سکتا ہے، لیکن دورد ابراہیمی افضل ہے۔ درود کے بعد اللہ تعالیٰ سے جنت اور اس کی رضامندی کی دعا کرے اور جہنم سے اللہ کی پناہ چاہے،(رواہ الشافعی وغیرہ قال فی المجموع وضعفہ الجمہور)

مثلاً یوں دعا پڑھے:”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ“(اے اللہ۔ میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور تیرے غضب اور جہنم کی آگ سے تیری پناہ چاہتا ہوں) دوران تلبیہ گفتگو مکروہ ہے۔ البتہ سلام کا جواب مستحب ہے۔ لیکن تلبیہ مکمل کرکے جواب دینا بہتر ہے۔ دوران تلبیہ سلام کرنا مکروہ ہے۔(الشیروانی مع التحفہ ۱۰۹/۵)

حج کی صفت

(ابتداء سے انتہا تک ترتیب سے مکمل کیفیت)

حاجی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی اقتداء میں وقوفِ عرفہ سے قبل مکہ مکرمہ میں داخل ہونا افضل ہے۔ ثَنِیَّۃ کَدَاء کے راستہ مکہ میں داخل ہونا افضل ہے۔(متفق علیہ، عن ابن عمر وعائشہ) چاہے یہ اس کے راستے میں نہ پڑے، غیر محرم کے لئے بھی یہی راستہ افضل ہے۔

جب بیت اللہ پر نگاہ پڑے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھے۔

”اَللّٰھُمَّ زِدْ ہٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفاً وَّ تَعْظِیْماً وَّ تَکْرِیْماً وَّ مَهَابَةً وَزِدْ مَنْ شَرَّفَهُ وَکَرَّمَهُ مِمَّنْ حَجَّهُ اَوِ اعْتَمَرَهُ تَشْرِیْفاً وَّ تَکْرِیْماً وَّ تَعْظِیْماً وَّ بِرًّا“(رواہ الشافعی والبیہقی وقال انہ منقطع) پھر یہ پڑھے۔”اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ‘(قالہ عمر رضی اللہ عنہ رواہ عنہ البیہقی قال فی المجموع واسنادہ لیس بقوی)

پھر مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہو (جس کا نام آج کل باب السلام ہے۔برماوی)
آپ ﷺ اسی دروازے سے داخل ہوئے۔(رواہ البیہقی باسناد صحیح۔طبرانی)
یہ دروازہ کعبۃ اللہ کے دروازہ اور حجر اسود کی طرف ہے جب اپنی بستی میں جانے کے لئے مسجد حرام سے نکلے تو باب الحَزْورہ (باب الوادع) یہاں سے مشکل ہو تو باب بَنِی سَہم (باب العمرۃ) سے نکلے۔

طوافِ قدوم: مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد پہلے طواف قدوم کرے، یہ طواف سنت ہے، بعضوں نے اسے واجب کہا ہے۔اسی لئے اس کا ترک مکروہ ہے۔

حدیث: مکہ مکرمہ میں تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ نے وضو کر کے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا۔(متفق علیہ)
بیت اللہ کا تحیہ طواف ہے۔طواف کے بعد کی دو رکعت سنت ادا کرنے میں تحیۃ المسجد بھی حاصل ہو گی۔اسی لئے داخل ہونے کے بعد پہلے تحیۃ المسجد پڑھنے کے بجائے طواف کر لے۔

ان اعذار کی صورتوں میں طواف کو ان سے مؤخر کرلے: کسی فرض یا جنازہ یا سنت کی جماعت تیار ہو، کسی نماز کا وقت تنگ ہو (کہ طواف کرنے سے قضاء ہو جائے)، کوئی قضاء نماز یاد آجائے، دورانِ طواف بھی یہ امور پیش آئیں تو پہلے انھیں ادا کرے۔بیٹھ جانے اور تاخیر کی وجہ سے طوافِ قدوم فوت نہ ہو گا۔البتہ اس سے قبل وقوفِ عرفہ ہو تو یہ فوت ہو گا۔طوافِ قدوم کو طواف قادم، طوافِ ورود، طوافِ وارد اور طواف تحیہ بھی کہتے ہیں۔
طوافِ قدوم حلال (بلا احرام شخص) کے لئے اور اس حاجی کے لئے سنت ہے جو وقوفِ عرفہ سے قبل مکہ میں جائے۔وقوفِ عرفہ کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے حاجی اور عمرہ کرنے والے شخص کے لئے یہ مطلوب نہیں، کیونکہ ان دونوں کے لئے فرض طواف کا وقت ہے۔
جو شخص حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے (مثلاً کسی کی ملاقات یا تجارت وغیرہ کے لئے) حرم مکہ کا ارادہ کرے، اسے حج یا عمرہ کا احرام سنت ہے۔اس کا ترک مکروہ ہے۔بار بار جانا پایا جائے یا نہیں۔(کئی ائمہ کرام اس کے وجوب کے قائل ہیں۔)

طواف کے واجبات

طواف کے واجبات آٹھ ھیں۔

(۱) ستر عورت (نماز کی طرح)
(۲) حدثِ اصغر اور اکبر سے پاکی (یعنی باوضو ہو اور غسل کی حاجت نہ ہو) اور نجاست سے پاکی۔کیونکہ آپ ﷺ نے طواف کو نماز قرار دیا۔(ترمذی، حاکم، دارقطنی، وصححہ ابن السکن وابن خزیمہ وابن حبان)
اگر دورانِ طواف بے وضو ہو جائے یا کپڑا یا بدن ناپاک ہو جائے، تو دوبارہ پاکی حاصل کر کے سابقہ طواف پر بناء کرے، خواہ عمداً اس طرح کیا ہو، چاہے فاصلہ کم ہو یا زیادہ، کیونکہ طواف میں وضو کی طرح موالات (پئے در پئے) شرط نہیں۔(مثلاً تین چکر کے بعد وضو ٹوٹے تو اب وضو کر کے بقیہ چار چکر پورے کر لینا کافی ہے۔) لیکن از سر نو طواف دوہرانا سنت ہے تاکہ جن علماء نے اسے واجب کہا ہے ان کے اختلاف سے بچ جائے اگر طوافِ رکن (طوافِ افاضہ) سے قبل عورت کو حیض شروع ہو اور کسی مجبوری کی وجہ سے پاکی تک رکنا نا

ممکن ہو (مثلاً خرچ کی رقم ختم ہو جائے۔ ساتھی سب نکل جائیں۔ ٹکٹ میں اتنی تاخیر کی گنجائش نہ ہو وغیرہ) تو وہ امام ابو حنیفہؒ یا امام احمدؒ کے ایک روایت کی تقلید کرتے ہوئے اسی حال میں طواف کرلے اور اس پر ایک اونٹ کا دم لازم ہو گا۔ اور اس حال میں مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے گنہگار ٹھہرے گی۔ (حاشیۃالشیروانی مع التحفہ ۵/۱۳۰)

(۳) طواف میں آگے کی طرف چلتا رہے اور بیت اللہ اس کی بائیں جانب ہو، اس کا مکمل بدن کعبہ سے باہر اور الگ ہونا واجب ہے لہٰذا شاذروان اور حجر (حطیم) کے باہر سے طواف کرے، کعبہ کی دیوار سے باہر تقریباً دو تہائی ہاتھ حصہ قریش نے تعمیر کعبہ کے وقت مصارف کی تنگی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، جسے کعبہ کے اطراف میں بالکل پست دیوار نما کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔ اسے ہی شاذروان کہتے ہیں۔ اسی طرح حطیم کا حصہ بھی حقیقۃً بیت اللہ میں داخل ہے۔ جسے قریش نے قلتِ رقم کی وجہ سے خارج کر دیا (صحیحین)

اگر کوئی کعبہ کی طرف رخ کرکے (سرکتا ہوا) طواف کرے یا کعبہ کی طرف پشت کرلے یا کعبہ کو اپنے دائیں طرف کرے یا بائیں طرف کرکے رکن یمانی کی طرف پیچھے چلتا ہوا طواف کرے تو ان صورتوں میں طواف صحیح نہ ہو گا کیونکہ یہ شرعی طواف کی کیفیت کے مخالف ہے۔

(۴) طواف کی ابتداء حجر اسود سے ہو اس کا بدن حجر اسود کے محاذات میں (بالمقابل) ہو کر گذرے، کسی اور جگہ سے طواف شروع کرے تو معتبر نہ ہو گا، جب طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود کے پاس پہنچے تو اب طواف شروع ہو گا، اگر حجر اسود اپنی جگہ سے زائل ہو جائے۔ (والعیاذ باللہ) تو اس کی جگہ سے طواف شروع کرے اور اس صورت میں اسی جگہ کا استلام، بوسہ اور اس پر سجدہ کرنا (یعنی اپنی پیشانی کا اس پر رکھنا) سنت ہو گا۔

(۵) بالیقین سات چکر ہوں۔ اگر شک ہو تو کم پر بنا کرے جیسا نماز کی رکعت میں (مثلاً ۴ چکر ہوئے یا ۵ شک ہو تو ۴ مان کر مزید ۳ چکر پورے کرے)۔ اس کا خیال ہو کہ طواف مکمل ہو چکا اور دوسرا معتبر شخص کہے کہ ۶ چکر ہوئے تو مزید ایک چکر لگا لینا سنت ہے۔ طواف مکمل ہونے کے بعد تعداد میں شک ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(۶) طواف مسجد کے اندر ہو، چاہے مسجد جتنی وسیع ہو، البتہ حرم کے حدود میں طواف ہونا ضروری ہے۔ اگر مسجد کی چھت پر طواف کرے (اگرچہ چھت کعبہ سے بلند ہو)، یا طواف کرنے والے اور کعبہ کے درمیان کچھ حائل ہو، (مثلاً ستون وغیرہ) تب بھی طواف صحیح ہے، لیکن مکروہ ہے بلکہ خارج مطاف طواف مکروہ ہے۔ گرچہ کچھ حائل نہ ہو، کیونکہ بعض علماء کے نزدیک بغیر مطاف کے طواف صحیح نہ ہو گا۔

(۷) نیت: اگر مستقل طواف کرے تو نیت واجب ہے، حج یا عمرہ کا فرض طواف یا طوافِ قدوم ہو تو نیت واجب نہیں، کیونکہ حج و عمرہ کی نیت اس کو بھی شامل ہے۔

(۸) کعبہ کے گرد اپنے چکر کو کسی اور طرف نہ پھیرے۔ مثلاً مقروض کا پیچھا کرنے کی نیت سے چکر لگائے تو یہ طواف شمار نہ ہو گا۔

طواف کی سنتیں

مرض وغیرہ عذر نہ ہو تو مکمل طواف پیدل کرے، آپ ﷺ کی اتباع میں (رواہ مسلم) اور یہ تواضع اور ادب کے بھی زیادہ مناسب ہے، بلا عذر رینگ کر طواف مکروہ ہے اور سوار ہو کر خلاف اولیٰ ہے۔ کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف میں حرج نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مرض کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کرنے کی اجازت دی تھی (صحیحین)

طواف کی ابتداء میں حجر اسود کا استلام کرے، بوسہ لے اور اس پر سجدہ کرے (یعنی اپنی پیشانی رکھے)۔ استلام اور بوسہ کا ذکر بخاری

و مسلم کی روایت میں اور سجدہ کا ذکر بیہقی میں موجود ہے، یہ تینوں عورتوں کے لئے مردوں کی غیر موجودگی میں سنت ہے۔ استلام کا مطلب ہے ہاتھ سے چھونا۔ دائیں ہاتھ سے استلام افضل ہے۔ دایاں نہ ہو (یا کچھ مجبوری ہو) تو بائیں سے کرلے۔ تینوں ممکن نہ ہو تو جو ممکن ہو اس پر عمل کرے۔ ہاتھ سے استلام نہ کرسکے اور ہاتھ میں لکڑی وغیرہ ہو تو اس سے استلام کرکے اسے بوسہ دے۔ اس سے بھی عاجز ہو تو دائیں ہاتھ سے یا ہاتھ میں جو چیز ہو اس سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرکے اسے بوسہ دے۔ استلام، بوسہ اور سجدہ کو ہر چکر میں تین تین مرتبہ انجام دینا سنت ہے۔ تین مرتبہ استلام، پھر تین مرتبہ بوسہ پھر تین مرتبہ سجدہ افضل ہے یا ایک مرتبہ استلام پھر بوسہ پھر سجدہ کرے اسی ترتیب سے تین مرتبہ۔

حدیث: آپ ﷺ نے اونٹنی پر طواف فرمایا، پس جب بھی حجر اسود پر پہنچتے اپنے پاس کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور تکبیر پڑھتے۔ (بخاری)

رکنِ یمانی کا استلام کرے اور بعد میں ہاتھ کو بوسہ دے۔ (صحیحین) اگر استلام نہ کرپائے تو ہاتھ سے یا کسی چیز سے اشارہ کرکے اسے بوسہ دے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حجرِ اسود کے علاوہ کہیں بوسہ لینا سنت نہیں اور حجر اسود اور رکنی یمانی کے علاوہ کسی حصہ کا استلام سنت نہیں۔ اس کی خلاف ورزی مکروہ نہیں، مباح ہے۔

طواف کی ابتداء میں استلام کے وقت یہ پڑھے۔ "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَر! اَللّٰهُمَّ اِيْمَاناً بِكَ وَ تَصْدِيْقاً بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاِتِّبَاعاً لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (سلف وخلف کا اس پر عمل رہا ہے۔) کعبہ کے دروازے کے سامنے پہنچے تو یہ پڑھے "اَللّٰهُمَّ الْبَيْتُ بَيْتُكَ وَالْحَرَمُ حَرَمُكَ . وَالْاَمْنُ اَمْنُكَ وَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ" (ہذا کہتے وقت دل سے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کرے)۔

دونوں رکن یمانی کے درمیان (یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان) یہ دعا سنت ہے۔ "رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (رواہ ابوداود)

اس کے علاوہ اپنے اور دوسروں کے لئے جائز دعا، جو چاہے مانگتا رہے، آخرت کی دعا پر اکتفاء کرنا افضل ہے۔ آپ ﷺ یا صحابہ کرام سے منقولہ دعا و ذکر کا پڑھنا افضل ہے۔ اس کے بعد تلاوت افضل ہے۔ تلاوت کے بعد غیر منقولہ دعا افضل ہے یہ سب سراً (آہستہ آواز میں) سنت ہے، کہ خشوع کے لئے بہتر ہے کسی کو تکلیف نہ ہو تو اوروں کی تعلیم کے لئے جہراً سنت ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وہاں ۱۵ر جگہ دعا مقبول ہوتی ہے۔ مطاف میں، ملتزم کے پاس، میزاب تلے، کعبہ میں، زمزم کے پاس، صفا پر، مروہ پر، محل سعی میں، مقام ابراہیم کے پاس، عرفات میں، مزدلفہ میں، منیٰ میں، اور تینوں جمروں کے پاس۔

استلام اور بعد کے سارے امور کی رعایت ہر چکر میں سنت ہے۔ لیکن پہلی مرتبہ زیادہ موکد ہے۔

رَمَلْ: جس طواف کے بعد سعی کرنا ہو اس طواف کے پہلے تین چکروں میں مردوں کو رمل سنت ہے۔ عمرہ میں آتے ہی جو طواف کریگا، اس میں اور حج میں طواف قدوم کے بعد سعی کرنا ہو تو اس میں اور طواف افاضہ کے بعد سعی کرنا ہو تو طواف افاضہ میں رمل کرے۔ (مکہ سے ہی حج کا احرام باندھنے کی صورت میں طواف میں رمل ہوگا۔)

حدیث: آپ ﷺ نے حجر اسود سے حجر اسود تک تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں (عام رفتار سے) چلے" (متفق علیہ)

رمل کا مطلب ہے قریب قریب قدم رکھتے ہوئے تیز رفتاری سے چلنا، اور کاندھوں کو ہلانا، رمل کو ترک کرنا یا زیادہ تیز رفتاری اختیار

کرنا مکروہ ہے۔

بقیہ چار چکر عام رفتار سے چلے۔ ابتدائی تین چکروں میں رمل نہ کرے، تو بقیہ میں اس کی تلافی نہ کرے، کیونکہ بقیہ چکروں میں سکینہ سے چلنا مطلوب ہے، لہٰذا اسے تبدیل نہ کرے۔ رمل میں یہ دعا پڑھے "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجاً مَبْرُوْراً وَّ ذَنْباً مَغْفُوْراً وَّ سَعْیاً مَّشْکُوْراً" بقیہ چار چکروں میں یہ پڑھے۔ "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمْ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

جس طواف میں رمل سنت ہے، اس پورے طواف میں مرد کے لئے اضطباع سنت ہے۔ (ابوداود) اس کے بعد سعی میں بھی اضطباع کرے۔ (طواف پر قیاس کرتے ہوئے)

اضطباع: چادر کا درمیانی حصہ دائیں بغل کے نیچے لے اور دونوں کنارے بائیں کاندھے پر ڈال دے۔

طواف اور سعی کے درمیان طواف کی دو رکعت نماز میں اضطباع نہ کرے کہ نماز میں مکروہ ہے۔

مرد تبرکاً کعبہ سے قریب ہو کر طواف کرے، اس سے استلام اور بوسہ میں بھی سہولت رہے گی۔ البتہ بھیڑ وغیرہ کی وجہ سے خود کو تکلیف ہو یا اپنے سے کسی اور کو تکلیف پہنچے تو دوری بہتر ہے۔ قریب سے طواف کی صورت میں بھیڑ وغیرہ کی وجہ سے رمل نہ کر سکے اور انتظار کرنے کی صورت میں آگے کشادگی حاصل ہو کر رمل کی گنجائش نہ ہو، تو دوری کے ساتھ طواف کرنا تاکہ رمل کی سنت حاصل ہو، زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ رمل کا تعلق براہِ راست عبادت سے ہے۔ اور قرب کا تعلق مقام عبادت سے، دوری میں عورت کے لمس کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا اندیشہ ہو، تو قریب طواف کرنا بہتر ہے۔ اگرچہ رمل فوت ہو۔ جب رمل نہ کر سکے تو چلنے میں حرکت کرنا اور سوچنا کہ ممکن ہو تا تو رمل کرتا، سنت ہے، یہی مسئلہ سعی کے دوران دوڑنے کا ہے۔ (جیسا کہ آئے گا)

عورت کو رمل و اضطباع مکروہ ہے، بلکہ مرد کی مشابہت کے قصد سے ہو تو حرام ہے۔ عورت کو مطاف کے کنارے سے طواف سنت ہے تاکہ مردوں سے اختلاط نہ ہو، اگر مطاف مردوں سے خالی ہو تو اسے بھی قرب سنت ہے۔

طواف کے تمام چکروں میں، اس کے بعد دو رکعت نماز میں، بعد میں استلام میں اور پھر سعی میں آپس میں موالات (پئے در پئے اور تسلسل) سنت ہے۔

طواف کے بعد دو رکعت نماز سنت ہے، یہ نماز مقام ابراہیم کے پیچھے افضل ہے۔ (صحیحین)

مقام ابراہیم کے پاس نہ پڑھے تو حجر (حطیم) میں ورنہ پھر مسجد حرام میں، ورنہ پھر حرم پاک میں، ورنہ جہاں چاہے اور جب چاہے پڑھے۔ اس کے موت تک وقت باقی ہے۔ کوئی مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا رہے اور اس سے دوسروں کو وہاں سنت طواف کی فضیلت میں رکاوٹ ہو تو یہ حرام ہے۔ (جمل ۳/ ۵۷۱)

طواف کی دو رکعت میں سورہ کافرون اور سورۂ اخلاص تلاوت کرے (رواہ مسلم) رات میں اور فجر سے طلوع تک (یعنی غروب سے سورج نکلنے تک) اس نماز کو جہراً پڑھے، طلوع سے غروب تک سراً پڑھے اگر طواف کے بعد کوئی فرض نماز یا نفل پڑھے اور اس کی بھی نیت کر لے تو یہ کافی ہے، نیت نہ ہو تو طلب ساقط ہو گی۔

طواف میں سکون و وقار ملحوظ رکھے، بجز خیر کے گفتگو نہ کرے، عمرہ کرنا طواف سے افضل ہے۔ جبکہ دونوں کا وقت مساوی ہو۔ وقوف عرفہ طواف سے افضل ہے۔ طواف میں اپنی نگاہ کی حفاظت کرے، کسی پرائی عورت یا امردِ حسین پر نگاہ نہ ڈالے، اپنے نگاہ و دل کو

ضعفاء وناقص الخلقت افراد کی تحقیر سے محفوظ رکھے، مسائل سے ناواقف افراد کو حقیر نہ جانے، بلکہ نرمی سے اسے مسئلہ سمجھائے۔

طواف کے مکروھات: طواف میں بلا عذر تھوکنا، دونوں ہاتھ پشت پر کندھوں پر باندھنا، ہاتھوں کو منہ پر رکھنا، انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسانا، انگلیاں چٹخانا(بجانا)، بول وبراز کی حاجت کو روک کر طواف کرنا، اور کھانا حاضر ہو اور اس کی طرف اشتیاق ومیلان ہو تو اسے چھوڑ کر طواف کرنا اور طواف میں کھانا پینا مکروہ ہے۔ جمائی کی وجہ سے منہ پر ہاتھ رکنا مستحب ہے، تھوک کی ضرورت پیش آئے تو اپنے کپڑے میں تھوکے۔ مطاف میں تھوکنا حرام ہے۔ ہاتھوں کو پشت پر باندھنا طواف کے علاوہ بھی مکروہ ہے۔

کئی طواف مسلسل کرے تو ہر طواف (سات چکر) کے بعد دو رکعت پڑھنا افضل ہے ورنہ پھر سارے طواف کے بعد ہر ہر طواف کی دو دو رکعت پڑھے، سارے طواف کی طرف سے آخر میں دو رکعت پڑھ لے، تو یہ بھی کافی ہے۔ طواف دن رات میں کسی بھی وقت جائز ہے، کسی وقت مکروہ نہیں پیدل، سوار یا رینگتے ہوئے عذر کی وجہ سے یا بلا عذر طواف جائز ہے۔

مُلْتَزَم

طواف کی دو رکعت سے قبل ملتزم پر آئے، جو حجر اسود اور دروازہ کے درمیان کی جگہ ہے۔ اپنے چہرے اور سینہ کو کعبہ کی دیوار سے چمٹائے اور دایاں رخسار اس پر رکھے، دایاں ہاتھ دروازے کی طرف اور بایاں حجر اسود کی طرف پھیلائے اور پردہ سے چمٹ کر دعا مانگے۔ ''اَللّٰھُمَّ رَبَّ ہٰذَا الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ أَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَ وَسَاوِسِہٖ'' (اے اللہ۔ اس بیت عتیق کے رب، میری گردن جہنم سے آزاد کر اور شیطان مردود اور اس کے وساس سے پناہ عطا فرما) جو جو دعا چاہے مانگے۔

ایک دوسرے کو اٹھا کر طواف کرانا

حامل: اٹھانے والا، محمول: جس کو اٹھایا جائے (کاندھے پر یا گود میں یا پالکی وغیرہ میں) بیمار یا چھوٹا بچہ ہونے کی وجہ سے یا بغیر کسی عذر کے ایک شخص یا زائد اشخاص دوسرے کو اٹھا کر طواف کریں، تو اس کی مختلف درج ذیل صورتیں ہونگی۔

حامل کی صورتیں: (۱) حلال ہو (۲) محرم ہو اور اپنا طواف کر چکا ہو (۳) محرم ہو اور اپنے طواف کا وقت نہ ہوا ہو (۴) محرم ہو اور اپنے طواف کا وقت ہوا ہو، لیکن ابھی اپنا طواف نہ کر چکا ہو۔

اور محمول محرم ہو، اس کے طواف کا وقت ہو چکا ہو لیکن ابھی طواف باقی ہو، اب حامل محمول کے طواف کی نیت کرے، یا مطلق ہو (کسی کی تعیین نہ ہو)، یا دونوں کی کرے یا صرف اپنی تو یہ چار صورتیں ہوئیں۔ اس کو پہلے چار میں ضرب دیں تو ۱۶/ شکلیں ہوئیں، پھر جن صورتوں میں حامل نے محمول کے لئے نیت کی ہو، یا مطلق نیت ہو تو محمول کا طواف شمار ہو گا، ان دو کو ابتدائی چار میں ضرب دینے سے ۸/ شکلیں نکلیں۔ اس میں ایک شکل میں حامل کا طواف شمار ہو گا۔ جبکہ نیت مطلق ہو اور محرم حامل کے طواف کا وقت ہوا ہو اور ابھی اس کا طواف باقی ہو۔ اور جب اپنے یا دونوں کے طواف کی نیت کرے تو حامل کا طواف شمار ہو گا، ان دو صورتوں کو ابتدائی چار میں ضرب دینے سے آٹھ شکلیں ہو گی۔

خلاصہ یہ کہ ۱۶ میں ۹ شکلوں میں حامل کا اور ۷/ شکلوں میں محمول کا طواف شمار ہو گا (اور دونوں کا طواف نہ ہو گا۔ کسی ایک ہی کا ہو گا۔) (حاشیۃ الشیروانی علی التحفہ ۱۶۶/۵)

اگر سعی میں کوئی دوسرے کو اٹھا کر چلے تو اس میں بھی مذکورہ بالا تفصیل پر عمل ہو گا۔

اگر کسی گاڑی یا سائیکل کرسی وغیرہ پر بٹھا کر کوئی کھینچے یا دھکیلے تو اس صورت میں دونوں کا طواف ایک ساتھ ہو گا۔

صفا ومروہ کی سعی

آیت: ”اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا“ (البقرہ۔ ۱۵۸) تحقیقاً صفا اور مروہ (اور ان کے درمیان میں سعی کرنا) منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں، سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمدورفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ میں آنے کے بعد پہلے طواف میں تین چکر رمل کرتے اور چار عام رفتار سے چلتے پھر دو رکعت نماز ادا کرتے پھر صفا ومروہ کے درمیان سعی فرماتے (متفق علیہ)

طواف اور نمازِ طواف سے فارغ ہو کر حجر اسود کا استلام کرنا سنت ہے، پھر باب الصفا سے سعی کرنے کے لئے نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں۔ (رواہ مسلم)

سعی کے شرائط: (۱) صفا سے ابتداء کرے (۲) مروہ پر ختم کرے، اس کے برعکس مروہ سے شروع کرے تو پہلا چکر شمار نہ ہو گا۔ (۳) سات چکر لگائے، صفا سے مروہ تک ایک چکر پھر مروہ سے صفا تک دوسرا چکر شمار ہو گا، اسی طرح سات چکر مکمل کرے۔ جو مروہ پر مکمل ہو گا۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا سے ابتداء فرمائی اور مروہ پر ختم کیا، (مسلم)

(۴) طوافِ رکن (طوافِ افاضہ) یا طوافِ قدوم کے بعد سعی کرے، طوافِ قدوم اور سعی کے درمیان وقوفِ عرفہ حائل نہ ہو۔ لہٰذا طوافِ قدوم کے بعد سعی کرنا ہو تو وقوف سے پہلے ہی کر لے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور آپ کا فرمان ہے کہ ”اپنے مناسک (حج وعمرہ کے اعمال) کو مجھ سے حاصل کرو“۔ اگر طوافِ قدوم کے بعد وقوف پایا جائے تو اب طوافِ فرض کے بعد ہی سعی کر سکتا ہے۔ نفلی طواف کے بعد سعی ناکافی ہے۔ سعی کو دوہرانا سنت نہیں، بلکہ مکروہ ہے۔ اسی لئے طوافِ قدوم کے بعد سعی کی ہو تو طوافِ رکن کے بعد دوبارہ نہ کرے، کیونکہ یہ بدعت ہے۔

سعی کے سنن وآداب: مرد کے لئے صفا مروہ پر ایک آدمی کی قامت چڑھ جانا سنت ہے کیونکہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر اسی طرح چڑھے یہاں تک کہ کعبہ نظر آ گیا“ (رواہ مسلم) عورت کے لئے یہ سنت نہیں۔ جو اوپر نہ چڑھے اس کے حق میں واجب یہ ہے کہ جہاں سے جا رہا ہے اس کو ایڑی اور جہاں جا رہا ہے اس کو پنجہ چھو جائے۔

صفا مروہ دونوں جگہ ہر کسی کو ہر چکر میں درجِ ذیل حدیث میں وارد ذکر سنت ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے... ”جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کے قریب پہنچے تو ”اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ“ تلاوت فرمائی، اور فرمایا جہاں سے اللہ نے ابتداء کی (قرآن میں) میں بھی وہیں سے ابتدا کرتا ہوں، پھر صفا پر اتنا چڑھ گئے کہ بیت اللہ نظر آ گیا تو قبلہ رو ہو کر توحید وتکبیر کے کلمات کہے اور پڑھا ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ“ پھر دعا مانگی۔ اس طرح تین مرتبہ پڑھا (یعنی ذکر ودعا کو تین مرتبہ دوہرایا)... پھر مروہ پر بھی صفا کی طرح عمل کیا“۔ (مسلم۔ ابوداود)

ہر چکر کے ابتداء وانتہا میں عام رفتار سے چلے درمیان میں دو سبز نشانات کے درمیان (جو معروف ہیں) مرد تیز دوڑے (رواہ

مسلم) عورت کو دوڑنا سنت نہیں۔

سعی کے دوران یہ دعا پڑھنا سنت ہے ''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمْ'' پھر یہ پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجّاً مَبْرُوْراً وَّ ذَنْباً مَّغْفُوْراً وَّ سَعْياً مَّشْكُوْراً وَّ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْر ''سعی میں قرآن کی تلاوت افضل ہے۔ سعی کے ساتوں چکروں کو مسلسل (پئے درپئے) ادا کرے۔ اسی طرح طواف اور سعی کے درمیان بھی تسلسل ہو۔

سعی کے لئے طہارت یا ستر شرط نہیں، البتہ طواف کے شرائط اور سنتیں یہاں سنت ہیں سوار ہو کر سعی کرنا جائز ہے، لیکن عذر نہ ہو تو پیدل بہتر ہے، سعی کے دوران گفتگو وغیرہ کے لئے رکنا اور اسکے بعد دو رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔

وقوف عرفہ

آیت: (۱) ''فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ...'' (البقرہ۔ ۱۹۸) پھر جب تم لوگ عرفات (میں ٹھہر کر وہاں) سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس (یعنی مزدلفہ میں آکر شب کو وہاں قیام کرکے) خدا تعالیٰ کی یاد کرو۔

(۲) ''ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ'' (البقرہ ۱۹۹) پھر (اس میں اور بات بھی یاد رکھو کہ جیسا قریش نے دستور رکھا تھا تمام حجاج تو عرفات ہو کر پھر وہاں سے مزدلفہ کو آتے تھے اور وہ مزدلفہ میں ہی رہ جاتے تھے عرفات نہ جاتے تھے یہ جائز نہیں بلکہ) تم سب کو ضرور ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں۔

حدیث: (۱) آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''حج عرفہ ہے۔ جو شب جمع (۱۰/ ذوالحجہ کی شب) فجر سے قبل (عرفہ) پہنچ جائے، اس کا حج مکمل ہوا''۔ (احمد، اصحاب السنن، ابن حبان حاکم، دار قطنی، بیہقی) (حج عرفہ ہے، یعنی وقوف عرفہ حج کا اہم ترین رکن ہے، کہ وہ فوت ہو گیا تو اس سال حج فوت ہو گیا)

(۲) آپ ﷺ نے یوم الترویۃ (۸/ ذوالحجہ) سے قبل خطبہ دیا، جس میں مناسک سے آگاہ فرمایا۔ (حاکم۔ بیہقی)

سنت ہے کہ امام یا اس کا نائب ۷/ ذوالحجہ کو (جس کو یوم الزینۃ کہتے ہیں) ظہر کی نماز کے بعد (اور جمعہ کا دن ہو تو جمعہ کی نماز کے بعد) ایک خطبہ دے، جس میں حجاج کرام کو دوسرے دن ۸/ تاریخ کو (جس کا نام یوم الترویۃ ہے) صبح زوال سے قبل منیٰ روانگی کا حکم دے۔ ۹/ ذی الحجہ کو یوم عرفہ، ۱۰/ کو یوم النحر، ۱۱/ کو یوم القرّ، ۱۲/ کو یوم النفر الاول اور ۱۳/ ذوالحجہ کو یوم النفر الثانی کہا جاتا ہے۔ اس خطبہ میں آئندہ مسجد ابراہیم (نیا نام مسجد نمرہ) کے خطبہ تک کے مناسک سکھلائے سارے خطبوں میں آئندہ کے سارے مناسک واعمال سکھائے، تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ تمتع کرنے والے حضرات اور مکی حضرات کو احرام کے بعد مکہ سے روانگی سے قبل طواف وداع کا بھی حکم دے، کہ یہ ان کے لئے مستحب ہے، لیکن مفرد اور قارن کے لئے مستحب نہیں۔

سنت ہے کہ امام دوسرے دن ۸/ تاریخ کو نماز فجر کے بعد حجاج کرام کو لے کر منیٰ کے لئے روانہ ہو۔ اگر جمعہ کا دن ہو تو جس پر جمعہ لازم ہے وہ قبل فجر ہی روانہ ہو۔ منیٰ میں ظہر سے ۹/ تاریخ کی فجر تک پانچ نمازیں ادا کرے اور شب باشی کرے۔

حدیث: آپ ﷺ منیٰ میں سورج طلوع ہونے تک ٹھہرے رہے۔ (مسلم)

۹/ ذوالحجہ کو سورج کی روشنی پھیلنے کے بعد عرفہ کے لئے روانہ ہو اور عرفہ کے قریب میدانِ نمرہ میں زوال تک رُکے۔ پھر امام لوگوں کے ساتھ مسجد ابراہیم علیہ السلام جائے اور دو خطبہ دے، پہلے خطبہ میں عید کے خطبہ تک آئندہ پیش آنے والے مسائل سے آگاہ

کرے، اور بکثرت دعاو تہلیل کی ترغیب دے، خطبہ خفیف ہو، پھر بقدر سورۂ اخلاص بیٹھ جائے پھر دوسرے خطبہ کے لئے کھڑا ہو تو موذن اذان شروع کرے، اور اذان ختم ہونے تک خطبہ سے بھی فارغ ہو جائے دوسرے خطبہ میں صرف ذکر و دعا مقصود ہے۔ اس لئے ساتھ ہی اذان کو بھی مشروع کیا گیا تاکہ جلد نماز شروع ہو جائے بعد میں ظہر و عصر بطور جمع تقدیم ادا کرے (مسلم)

عرفات و مزدلفہ میں جمع اور قصر سفر کی وجہ سے ہے، لہٰذا جو شرعی مسافر ہو، وہی اس پر عمل کرے۔ جو مکی ہو یا مکہ میں مقیم ہو، وہ جمع و قصر نہ کرے۔ البتہ جو حج کے اعمال سے فارغ ہو کر مدت اقامت تک مکہ میں رُکے بغیر اپنے وطن لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ بھی شرعی مسافر ہے اور جمع و قصر کر سکتا ہے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد غروب تک آپ ﷺ کی اتباع میں عرفات میں وقوف کرے۔ (رواہ مسلم) غروب تک تلبیہ، ذکر واذکار، تلاوت و درود اور دعاؤں میں مصروف رہے۔ ترمذی کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "افضل دعا عرفہ کے دن ہے۔ اور میں نے اور سابقہ انبیاء کرام نے جو پڑھا اس میں افضل یہ ہے۔ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ يُحۡيِيۡ وَيُمِيۡتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡئٍ قَدِيۡر" بیہقی میں یہ اضافہ ہے۔ "اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡ فِيۡ قَلۡبِيۡ نُوۡراً وَّفِيۡ سَمۡعِيۡ نُوۡراً وَّفِيۡ بَصَرِيۡ نُوۡراً اَللّٰهُمَّ اشۡرَحۡ لِيۡ صَدۡرِيۡ وَيَسِّرۡ لِيۡ اَمۡرِيۡ (اے اللہ میرے قلب میں نور عطا فرما، اور میرے کان اور میری نگاہ میں، یا اللہ مجھے شرح صدر عطا فرما اور میرے امور آسان فرما)

مستغفری کی روایت میں ہے کہ "جو عرفہ کے دن ہزار مرتبہ قل اللہ احد کی تلاوت کرے، جو مانگے عنایت ہوگا"۔ سورہ حشر کی تلاوت اور تمام مومنین اور مؤمنات کے لئے دعا سنت ہے۔

میدانِ عرفات کا یہ مجمع دنیا کا عظیم ترین مجمع ہے، جس میں اللہ کے اولیاء کرام اور مخصوص بندے بے شمار موجود ہیں، اور یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ وقوف کرنے والے حجاج کرام کی وجہ سے ملائکہ کے روبرو فخر فرماتے ہیں، لہٰذا اپنے ظاہر و باطن کو تمام نامناسب اور مذموم صفات سے فارغ اور پاک وصاف کرکے ممکنہ حد تک خشوع و خضوع اور تذلل وزاری کے ساتھ دعا و ذکر میں خوب کوشش کرے، یہ ایسی مبارک جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔ اور لغزشوں کی معافی ہوتی ہے، دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا رہے، دعا وغیرہ کو زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھے۔ عذر نہ ہو تو سایہ میں نہ رہے، بلکہ دھوپ میں رہے۔ اس دن خوب صدقہ کرے۔ اور اللہ سے حسنِ ظن رکھے۔ آج کے دن سب سے زیادہ لوگوں کو جہنم سے خلاصی حاصل ہوتی ہے۔ درمیان عرفہ جبل الرحمۃ پر چڑھنے سے گریز کرے، یہ بدعت ہے۔ وقوفِ عرفہ میں طہارت اور استقبال قبلہ کو ملحوظ رکھے۔

مُزدَلِفہ کی روانگی

آیت: "فَإِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِنۡ عَرَفَاتٍ فَاذۡكُرُوۡا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰ ا كُم" (البقرۃ ۱۹۸)

پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر الحرام کے پاس (یعنی مزدلفہ میں آخر شب کو وہاں قیام کرکے) خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور (یاد کرنے کے طریقے میں اپنی رائے کو دخل مت دو بلکہ) اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو (اللہ تعالیٰ نے) بتلایا ہے۔

غروب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کے لئے روانہ ہو آپ ﷺ کی اتباع میں مغرب وعشاء کو جمع تاخیر کے طور پر مزدلفہ میں ادا کرے۔ (صحیحین) یہ جمع بھی سفر کی وجہ سے ہے نہ کہ حج کی وجہ سے۔ (اس لئے جو شرعی مسافر ہوں، وہی جمع کریں۔ بقیہ حضرات

دونوں نمازیں اپنے وقت میں ادا کریں) سکون ووقار کے ساتھ یہ سفر طے کرے، سامنے راستہ خالی ملے تو رفتار بڑھادے۔

واجب وقوف: وقوف عرفہ میں واجب یہ ہے کہ مُحرِم عبادت کی اہلیت کے ساتھ (گرچہ نیند میں ہو یا کسی اور کام سے وہاں سے گذر جائے) ۹/ ذوالحجہ کے زوال سے ۱۰/ ذوالحجہ کے صبح صادق کے درمیان کسی بھی وقت عرفہ کے کسی بھی حصہ میں پایا جائے۔ (گرچہ ایک لحظہ ہی کیوں نہ پایا جائے) بے ہوش، مدہوش اور پاگل میں چونکہ عبادت کی اہلیت نہیں، اس لئے ان کا وقوف کافی نہ ہوگا۔ البتہ پاگل کا نفل حج شمار ہوگا۔

کوئی غروب سے قبل ہی میدان عرفہ چھوڑ دے اور واپس نہ لوٹے تو اسے دم دینا سنت ہے۔ تاکہ اسے واجب سمجھنے والوں کے اختلاف سے بچ سکے۔ اگر واپس لوٹا گرچہ رات میں ہو تو دم کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس نے وقوف عرفہ مین رات اور دن کے جمع کرنے کی سنت پر عمل کر لیا۔

اگر چاند میں غلطی کی وجہ سے ۱۰/ ذوالحجہ کو وقوف ہو اور ان کی تعداد کم نہ ہو، تو یہ وقوف کافی ہے۔ آئندہ قضا کی ضرورت نہیں۔

مزدلفہ میں شب باشی (مَبِیتِ مُزدَلِفہ)

عرفات سے روانہ ہونے کے بعد رات کے دوسرے نصف حصہ میں (کم از کم) ایک لحظہ مزدلفہ میں رکنا واجب ہے۔ جیساکہ احادیث صحیح کی روسے آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ نصف اول گذرنے کے بعد مزدلفہ سے آگے روانہ ہونا جائز ہے، آئندہ حج کے کئی اعمال انجام دینا ہے، لہٰذا اس تخفیف کو روا رکھا گیا۔ جو نصف ثانی میں مزدلفہ میں نہ ہو، یا نصف ثانی سے قبل ہی روانہ ہو جائے، اور واپس نہ لوٹے تو اس پر دم لازم ہے، کیونکہ ایک واجب ترک ہوا کسی عذر کی وجہ سے وقوف مزدلفہ ترک ہو تو گناہ اور دم لازم نہ ہوگا۔ مثلاً خوف، یا ۱۰/ کی رات کو وقوف عرفات کے لئے پہنچا اور اس میں مصروف ہونے کی وجہ سے وقت پر مزدلفہ نہ پہنچ سکا، یا عرفہ سے طواف رکن کے لئے مکہ مکرمہ چلا گیا، جس سے وقوف مزدلفہ فوت ہو گیا تو کچھ لازم نہیں۔

۱۰/ تاریخ کی رمی کے کنکر مزدلفہ ہی سے رات یا فجر بعد جمع کر لینا سنت ہے، آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو یوم النحر کی صبح اپنی رمی کے لئے کنکر چننے کا حکم دیا۔ (رواہ البیہقی وغیرہ باسناد صحیح علی شرط مسلم) عورتوں اور کمزوروں کو نصف شب کے بعد ہی مزدلفہ سے منیٰ روانہ کر دینا سنت ہے، تاکہ بھیڑ بڑھنے سے قبل ہی رمی کر لیں، صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اجازت سے مزدلفہ سے نصف اخیر (نصف ثانی) میں ہی کوچ کر گئیں، آپ ﷺ نے ان کو اور ساتھ جانے والے دیگر حضرات کو دم کا حکم نہ دیا، صحیحین مین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے ضعیفوں (کمزوروں) کے ساتھ مجھے شب مزدلفہ جلد ہی روانہ کر دیا۔

دیگر حجاجِ کرام کو سنت ہے کہ غَلَس (اول وقت) میں فجر پڑھنے تک مزدلفہ میں رُکیں، جیساکہ آپ ﷺ نے کیا۔ (صحیحین) شیخین کی روایت کی روشنی میں یہاں فجر کا وقت ہوتے ہی (تاریکی میں) نماز پڑھنا دیگر ایام کے مقابلہ میں زیادہ مؤکد اور مطلوب ہے تاکہ آئندہ کے اعمال حج کی ادائیگی کے لئے کشادہ وقت میسر ہو۔

فجر کے بعد تلبیہ کے ساتھ منیٰ کے لئے روانہ ہو، اور جب مشعر الحرام پر پہنچے (جو مزدلفہ کے آخر میں ایک پہاڑی ہے) تو قبلہ رو ہو اور رُک کر اِسفار تک (روشنی پھیلنے تک) ذکر واذکار اور دعا میں مصروف رہے۔ (رواہ مسلم)

پھر طلوع سے قبل سکون سے آگے بڑھے، طلوعِ آفتاب تک رُکنا مکروہ ہے۔ آگے کشادگی نظر آئے تو رفتار تیز کرے۔ راستہ میں وادی مُحَسِّر میں پہنچے تو پیدل و سوار اپنی رفتار تیز کریں، وادی سے پار ہو جائیں تو پھر سکون سے عام رفتار سے آگے بڑھیں۔

سورج نکلنے کے بعد منیٰ پہنچ جائے تو ہر حاجی جمرہ عقبہ پر سات کنکر مارے۔ (رواہ مسلم) رمی کی ابتدا کے ساتھ ہی تلبیہ کا سلسلہ روک دے۔ کیونکہ اب تحلل کے اسباب پر عمل شروع کر چکا، جیسا کہ عمرہ کرنے والا طواف کی ابتدا کے ساتھ ہی تلبیہ روک دیتا ہے۔ ہر کنکر کے ساتھ تکبیر (اللہ اکبر) کہے۔ (رواہ البخاری و مسلم) یہ رمی منیٰ کا تحیّۃ ہے، لہٰذا منیٰ پہنچنے کے بعد کسی اور کام سے قبل فوراً رمی سے فارغ ہو جائے۔ رمی دائیں ہاتھ سے کرے اور مرد ہاتھ اتنا بلند کرے کہ بغل کی سفیدی نظر آئے۔ عورت ہاتھ اوپر نہ اٹھائے، حلق کے وقت اور اسکے بعد بھی تکبیر پڑھتا رہے، جیسا کہ سلف کا عمل رہا ہے۔ جس کے پاس ہدی کا جانور ہو، اسے ذبح کرے اور سر مونڈے یا بال کترے۔ (حلق یا تقصیر کرے)

آیت: "ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَالْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ" (الحج ۲۹) پھر (قربانی کے بعد) لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں۔ (یعنی احرام کھول ڈالیں اور سر منڈالیں یا بال کٹادیں اور ناخن اور لب بنوالیں) اور اپنے واجبات کو (خواہ نذر سے قربانی وغیرہ واجب کرلی ہو، یا بلا نذر ابتداء جو افعال حج کے واجب ہیں جیسے رمی جمار کہ ایام منیٰ میں ہوتی ہے ان سب کو) پورا کریں اور اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں (یہ طوافِ زیارت کہلاتا ہے، جو کہ فرض ہے۔)

احادیث: (۱) "حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے اور بعض صحابہ کرام نے سر مونڈا اور بعض صحابہ کرام نے صرف بال کترے۔" (متفق علیہ)

(۲) آپ ﷺ نے حجۃ الوادع میں حلق کرنے والوں کو (سر مونڈنے والوں کو) تین مرتبہ اور کترنے والوں کو ایک مرتبہ دعا دی" (متفق علیہ)

(۳) عورتوں کو حلق مشروع نہیں، وہ صرف بال کتریں" (ابوداؤد۔ دارقطنی۔ طبرانی۔ اسنادہ حسن کما فی التلخیص)

(۴) "آپ ﷺ نے عورتوں کو بال منڈانے سے منع فرمایا"۔ (ترمذی)۔

مذکر کے لئے حلق افضل ہے اور دوسروں کے لئے صرف بال کترنا۔ مجموع میں ہے کہ عورت اور خنثیٰ کو حلق مکروہ ہے۔ عورت کے لئے پیدائش کے ساتویں دن بال کے برابر صدقہ کے لئے اور معالجہ کے لئے حلق مشروع ہے، ورنہ مکروہ ہے، شوہر کی اجازت کے بغیر حرام ہے۔

بال مونڈنے اور کترنے سے مراد احرام کی حالت میں موجود بالوں کا ازالہ کرنا ہے۔ لہٰذا اس وقت (۱۰ر تاریخ کو) بال نہ ہوں، تو بعد میں اگنے والے بالوں کا ازالہ واجب نہیں ہے۔ حلق یا تقصیر سے یہ مقصود نہیں کہ احرام ختم ہونے کی وجہ سے جائز ہو گیا، لہٰذا اس پر عمل کر رہا ہے۔ (بلکہ یہ ایک مقصود و مطلوب عمل ہے) حج و عمرہ کا مستقل رکن اور باعثِ ثواب عمل ہے۔

تنبیہ: کوئی حج سے قبل ایسے وقت عمرہ کرے کہ عمرہ میں حلق کرنے کی صورت میں دوبارہ یوم النحر (۱۰ر ذوالحجۃ) تک دوبارہ سر میں بال نہیں آئیں گے، تو اسے عمرہ میں تقصیر افضل ہے۔

حلق اور تقصیر کی اقل مقدار یہ ہے کہ سر کے تین بال کا ازالہ کرے۔ چاہے لٹک کر سر کے حد سے باہر نکلے ہوں یا الگ الگ مقام سے ازالہ کرے۔ جس کے سر پر بال نہ ہوں اسے استرا پھرالینا مستحب ہے، تاکہ حلق سے مشابہت حاصل ہو۔

پورے سر کا حلق یا تقصیر افضل ہے۔ عورتوں کو بھی پورے سر کے بالوں سے ایک پورے کی مقدار کترنا مستحب ہے۔ داڑھی اور مونچھ کے بال کو کچھ کترنا اور ناخن تراشنا مستحب ہے۔

طوافِ افاضہ

(طوافِ رکن، طوافِ زیارت، طوافِ فرض، طوافِ صدر)

آیت: "وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ" (الحج۔آیت ۲۹)۔اور (ان ہی ایام معلومات میں) اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔(یہ طوافِ زیارت کہلاتا ہے جو کہ فرض ہے)۔

منیٰ کے مذکورہ اعمال سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ روانہ ہو اور طوافِ رکن انجام دے (متفق علیہ) طواف کے بعد سعی کرے (سعی حج کا رکن ہے) کوئی حج کے احرام سے مکہ مکرمہ میں آئے اور طواف قدوم کے بعد سعی کرلے تو اسے اب دوبارہ سعی کرنے کی ضرورت نہیں۔(لیکن اکثر حضرات مکہ سے حج کا احرام باندھ کر نکلتے ہیں اس لئے طوافِ قدوم کے بعد سعی کا سوال نہیں، لہٰذا ان سبھی حضرات کو طوافِ افاضہ کے بعد سعی فرض ہے۔ منیٰ کی روانگی سے قبل ہی کسی نفل طواف کے بعد سعی ناکافی ہے)

طواف اور سعی سے فارغ ہو کر پھر منیٰ لوٹ جائے، تاکہ وہاں شب گذاری ہو، یوم النحر کے اعمال کو اسی ترتیب سے انجام دینا مستحب ہے، یعنی پہلے رمی پھر ذبح پھر حلق یا تقصیر اور پھر طواف و سعی، یہ ترتیب واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے رمی سے قبل حلق کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اب رمی کرلو کوئی حرج کی بات نہیں" دوسرے نے آکر عرض کیا کہ میں نے رمی سے قبل ہی طواف افاضہ کرلیا تو فرمایا "اب رمی کرلو کوئی بات نہیں۔" (مسلم) صحیحین کی روایت میں ہے کہ "آج کے دن (۱۰/ ذوالحجہ کو) آپ ﷺ سے کسی بھی عمل کے تقدیم و تاخیر کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا (بقیہ اعمال) انجام دو۔ کوئی حرج کی بات نہیں۔" تقریباً انجام دی جانے والی ہدی کی قربانی کے علاوہ بقیہ مذکورہ اعمال کا وقت ۱۰/ ذوالحجۃ کی نصف شب کے بعد ہو جائے گا، جبکہ اس سے قبل وقوفِ عرفہ کا فریضہ انجام دے چکا ہو۔

حدیث: "آپ ﷺ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو لیلۃ النحر (عید الاضحی کی رات) میں (منی) روانہ فرمایا، تو انھوں نے فجر سے قبل رمی کرلی، پھر طوافِ افاضہ کیا" (ابوداود، باسناد صحیح علی شرط مسلم کما فی المجموع) بقیہ اعمال کو بھی اس پر قیاس کرلیا گیا۔

یوم النحر کی رمی کا اختیاری وقت اس دن غروب تک ہے۔ ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے مَسَا کے وقت رمی کی تو آپ نے فرمایا "کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔" (بخاری شریف) مَسَا زوال سے غروب تک وقت کو کہا جاتا ہے، وقت جواز ایام تشریق کے آخر تک باقی رہے گا۔ امام رافعیؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ ۱۰/ تاریخ کی رمی کا افضل وقت زوال تک ہے تو گویا ۱۰/ تاریخ کی رمی کے تین اوقات ہوئے۔ (۱) وقتِ فضیلت طلوع سے زوال تک۔(۲) وقتِ اختیار زوال سے غروب تک۔(۳) وقتِ جواز۔ غروب سے ایام تشریق کے آخر تک۔

حلق (یا تقصیر) اور طوافِ افاضہ (اور سعی باقی ہو تو وہ بھی) کا کوئی آخری وقت نہیں، زندگی میں کبھی بھی ادا کرے تو ادا ہو جائے گا اور حج صحیح ہو گا۔ اور اس کی ادائیگی تک احرام کا حکم باقی رہے گا۔ لیکن ان امور کو یوم النحر میں ہی انجام دینا افضل ہے۔ یوم النحر سے

مؤخر کرنا مکروہ ہے، ایام تشریق سے بھی مؤخر کرے تو کراہت شدید ہوگی۔ مکہ مکرمہ سے ان امور کو انجام دیئے بغیر نکلنا اور بھی شدید مکروہ ہے۔ چونکہ حدیث میں ان اعمال کے لئے وقت کی کوئی حدبندی نہیں ہے۔ اس لئے تاخیر کو جائز قرار دیا گیا۔

ہدی کے وقت کا ذکر مُحرّمات احرام میں آئے گا۔

تحلُّل (حلال ہونا۔ احرام کھُلنا)

تحلل کا مطلب ہے احرام کی پابندی کا ختم ہونا۔

چونکہ حج کا وقت طویل اور اعمال حج کثیر ہیں، اس لئے حج میں دو تحلل ہیں۔ تحلل اوّل کے بعد بعض پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور بقیہ تحلل ثانی کے بعد ختم ہوتی ہیں اس کے برعکس عمرہ میں ایک ہی تحلل ہے۔

تحلل اوّل: یوم النحر کے تین اعمال رمی، حلق (یا تقصیر) اور طوافِ رکن (سعی باقی ہو تو مع سعی) میں کسی بھی دو عمل کے انجام دینے سے تحلل اوّل حاصل ہوگا۔ یعنی اب نکاح، جماع (صحبت) اور جماع کے مقدمات (مثلاً بوس و کنار) کے علاوہ دیگر محرمات احرام جائز ہو جائیں گے۔ یعنی سلا ہوا لباس، حلق یا تقصیر، ناخن تراشنا، شکار، خوشبو، تیل، مرد کو سر چھپانا اور عورت کو چہرہ چھپانا جائز ہو جائے گا۔ نکاح، جماع اور مقدمات جماع اب بھی حرام ہیں۔

کسی کے سر پر بال ہی نہ ہو تو رمی اور طواف میں کسی ایک کے انجام دیتے ہی تحللِ اوّل حاصل ہوگا۔

حدیث: "جب تم رمی اور حلق کر چکو تو تم کو خوشبو، کپڑے اور ہر چیز حلال ہے، سوائے عورتوں کے۔" (احمد، ابوداود، دارقطنی، بیہقی)" تلخیص ۲/۲۷۹)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے احرام سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی اور تحلل کے وقت (کعبہ کے طواف سے قبل بھی خوشبو لگائی) (متفق علیہ)

تحلل ثانی (تحللِ دوّم): یوم النحر کے مذکورہ تین اعمال میں سے جب تیسرا بھی انجام دے، تو بقیہ تینوں محرمات بھی جائز ہوں گے۔ (اب احرام کی پابندی بالکل ختم ہو چکی، صرف منیٰ کی شب باشی۔ اور رمی انجام دینا باقی ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے)

کسی کی یوم النحر کی رمی فوت ہو، (ایام تشریق کے آخر تک نہ کر سکا) اور اس کا بدل یعنی دم یا روزہ لازم ہوا، تو جب تک وہ بدل انجام نہ دے تحلل حاصل نہ ہوگا۔

ایّام تشریق میں منیٰ میں شب باشی

آیت: "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ"۔ (البقرہ-۲۰۳)

ترجمہ: اور (منیٰ میں) اللہ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص (کنکریاں مار کر دسویں تاریخ کے بعد) دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی گناہ نہیں۔ اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے (یعنی بارھویں کو نہ آئے بلکہ تیرھویں کو آئے) اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔"

ایام تشریق: ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ: مذکورہ تینوں رات کا اکثر حصہ میدان منیٰ میں بسر کرنا واجب ہے۔ (مثلاً غروب

سے صبح صادق تک ۱۰/ گھنٹے ہوں تو ۵/ گھنٹہ سے کچھ زائد وقت گذارنا واجب ہے۔) کیونکہ صحیح احادیث سے آپ ﷺ کا یہ عمل ثابت ہے، اور آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے حج وعمرہ کے اعمال کو مجھ سے حاصل کرو۔

ایام تشریق کی رمی

ایام تشریق کے ہر روز زوال کے بعد تینوں جمروں کی رمی واجب ہے، (۱) جمرہ اُولیٰ جو مسجد خیف کے قریب ہے اس کو جمرہ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ جمرہ عقبہ کو بھی جمرہ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ (۲) جمرہ وسطیٰ۔ (۳) جمرہ عقبہ۔ یہ منیٰ میں داخل نہیں، بلکہ یہاں منیٰ کی حد ختم ہوتی ہے۔

اگر کوئی ۱۲/ ذوالحجہ کو رمی کے بعد منیٰ سے نَفرِ اوّل کے ارادے سے روانہ ہو جائے اور دوبارہ ۱۳/ کی شب باشی کے لئے لوٹنے کا ارادہ نہ ہو، (اور اس سے قبل دو شب منیٰ میں گذار چکا ہو، یا عذر کی وجہ سے ترک کیا ہو) تو یہ جائز ہے۔ اور ۱۳/ تاریخ کی رمی اور شب باشی ساقط ہو جائے گی۔ اسے نَفرِ اول کہتے ہیں روانگی کا سفر شروع ہو جائے اور میدان منیٰ سے نکلنے سے قبل ہی غروب ہو جائے۔ یا روانگی کے بعد کسی سبب سے یا بلا سبب دوبارہ منیٰ میں جائے تب بھی ۱۳/ تاریخ کی شب باشی اور رمی لازم نہ ہو گی۔

اگر بلا عذر ۱۱ اور ۱۲ کی شب باشی ترک کرے، یا ۱۲/ کو قبل زوال ہی روانہ ہو جائے، یا بعد زوال بغیر رمی روانہ ہو جائے، تو اُسے نفر اول کی اجازت نہیں۔ اور ۱۳/ کی شب باشی اور رمی ساقط نہ ہو گی البتہ آخری دو صورتوں میں ۱۲ کو غروب سے قبل منیٰ لوٹ کر رمی کر لے، تو اب نفر اوّل پر عمل کر سکتا ہے۔

۱۳/ تاریخ کی شب باشی اور رمی کے بعد منیٰ سے روانہ ہونے کو نفرِ ثانی کہتے ہیں امام، ۱۰/ ذوالحجہ کو نمازِ ظہر کے بعد ایک خطبہ دے، جس میں حجاج کرام کو ایام تشریق کی رمی اور نفر اوّل کے مسائل وغیرہ اور الوداعی پیغامات دے۔

رمی کی صحت کے شرائط

رمی کے درج ذیل چھ/۶ شرائط ھیں۔

(۱) **ترتیب:** پہلے جمرہ اولیٰ کی رمی کرے (جو مسجد خیف کے قریب ہے) پھر جمرہ وسطی کی پھر جمرۂ عقبہ کی، جیساکہ آپ ﷺ سے مروی ہے۔ (بخاری) لہٰذا جمرہ اولیٰ کی رمی مکمل ہونے سے پہلے دوسرے یا تیسرے کی رمی کرے تو یہ معتبر نہ ہو گا اسی طرح وسطی کی تکمیل سے پہلے جمرۃ عقبہ کی رمی کا اعتبار نہ ہو گا۔

(۲) **سات مرتبہ رمی کرنا:** یہی آپ ﷺ سے صحیح احادیث میں ثابت ہے۔ اگر سات کنکر ایک ہی مرتبہ مارے تو ایک ہی شمار ہو گا۔ ایک کنکر دائیں ہاتھ سے، اور ایک بائیں ہاتھ سے بہ یک وقت مارے تب بھی ایک ہی شمار ہو گا، اگر یکے بعد دیگرے ہو تو دو شمار ہوں گے۔ ایک ہی کنکر کو سات مرتبہ مارے تو یہ کافی ہے۔ کنکر کو صرف رمی کی جگہ میں رکھ دے تو یہ کافی نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ رمی (پھینکنا اور مارنا) نہیں کہلاتا، اور حدیث میں وارد تفصیل کے خلاف ہے۔

(۳) **ھاتھ سے رمی کرے:** جیساکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ قدرت کے باجود کمان، پیر یا گوپھن وغیرہ سے رمی کرنا کافی نہیں۔ اگر ہاتھ سے رمی کرنے سے عاجز ہو (ہاتھ کٹا ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے) تو کمان سے ورنہ پیر سے ورنہ پھر منہ سے رمی کرے، ورنہ پھر کسی اور کو نائب بنائے۔

(۴) **کنکر وپتھر ہو:** کیونکہ احادیث میں حَصیٰ (کنکری) کا ذکر ہے، اور کنکری پتھر سے ہی ہے، لہٰذا پتھر کے سبھی انواع کافی ہیں، اگرچہ یاقوت و عقیق وغیرہ ہی کیوں نہ ہو۔ (ان سے رمی تو ہو جائے گی، لیکن اضاعت مال ہو، تو پھر اس اعتبار سے حرام ہے) سونا، چاندی، لوہا (اور جوتے چپل) وغیرہ اشیاء سے رمی حاصل نہ ہو گی۔ (کیونکہ یہ پتھر کے انواع میں داخل نہیں)

(۵) **مَرمیٰ (محلِ رمی) کا قصد:** اگر کوئی ہوا وغیرہ میں کنکر مارے اور وہ مرمیٰ میں جا گرے، تو اس سے رمی حاصل نہ ہو گی۔ جمرہ میں ستون کی شکل میں جو نشانی لگائی گئی ہے، اس کے اطراف احاطہ کے اندر کی جگہ مرمیٰ (محل رمی) ہے۔ اور اسی کو جمرہ کہا جاتا ہے۔ (عوام اس ستون نما علامت کو جمرہ سمجھتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ) کوئی اس ستون کو مارنے کی نیت سے رمی کرے، تو یہ کافی نہیں، بھلے ہی کنکری ستون کو لگ کر مَرمیٰ میں گر جائے۔ اگر مَرمیٰ کے قصد سے ستون پر مارے، اور کنکری اس پر لگ کر مَرمیٰ میں گرے۔ تو یہ کافی ہے۔ جمرہ میں علامتی ستون آپ ﷺ کے دور میں نہیں تھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کنکریاں جمع ہوتی ہیں اور ان کا ڈھیر لگتا ہے۔ وہ جمرہ ہے۔ (بعض عوام ستون کو مقصود اور شیطان تصور کرتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے)

(۶) **کنکری یقینا جمرہ میں پہنچی ہو،** جمرہ میں گرنے کے بعد اچھل کر باہر نکل جائے، تو حرج نہیں۔ اگر جمرہ میں گرنے میں شک ہو تو یہ کافی نہیں۔

پہلی شرط صرف ایام تشریق کی رمی کے لئے ہے، بقیہ شرائط یوم النحر اور ایام تشریق کی رمی میں ضروری ہیں۔

مسلم کی حدیث کی وجہ سے سنت ہے کہ رمی چھوٹے کنکروں سے (جو کہ گوپھن یا غلیل میں استعمال ہوتے ہیں یا دو انگلیوں سے پھینکنے میں استعمال ہوتے ہیں) کی جائے۔ جو انگلی کے پورے سے کچھ چھوٹی ہو، لوبیا کے دانے کے برابر ہو۔ اس سے چھوٹی یا بڑی کنکری سے رمی مکروہ ہے۔ کنکری انگوٹھے پر رکھ کر شہادت کی انگلی کے سرے سے اسے اڑانا مکروہ ہے۔ صحیح حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ (رمی کے علاوہ بھی یہ حرکت مکروہ ہے)۔

سنت ہے کہ قبلہ رو ہو کر، تکبیر کہتا ہوا، یکے بعد دیگرے سات کنکریاں جمرۂ اولیٰ میں مارے پھر اس سے ہٹ کر کچھ آگے بڑھے اور ایسی جگہ رکے جہاں کنکر آکر نہ لگے، اور قبلہ رو ہو کر حضورِ قلبی اور خشوع کے ساتھ اللہ کی حمد، تکبیر، تہلیل، تسبیح اور دعاؤں میں تقریباً سورۂ بقرہ کی تلاوت کے بقدر وقت تک مصروف رہے۔ پھر جمرۂ وسطیٰ کی بھی اسی طرح رمی کر کے دعا و ذکر میں مصروف رہے، پھر جمرۂ عقبہ کی اسی طرح رمی کرے (جس کی یوم النحر میں رمی کی تھی)، اس کے بعد دعا کے لئے نہ رُکے۔ (یہ تفصیل بخاری شریف کی روایت سے سامنے آتی ہے) ایک جمرہ کی ساتوں کنکریوں کی رمی کے درمیان اور ہر جمرہ کی رمی کے درمیان موالات (تسلسل) سنت ہے۔

آخری دن جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد تکبیر و تہلیل پڑھتے ہوئے منیٰ سے نکل جائے۔ اور ظہر منیٰ میں نہ ادا کرے۔ اگر ادا کرے تو جائز ہے لیکن خلافِ افضل ہے۔

رمی میں نیابت: جو کسی ایسے عذر کی وجہ سے رمی سے عاجز ہو، جو رمی کا وقت ختم ہونے سے پہلے دور ہونے کی امید نہ ہو، تو کسی اور کو اپنی رمی کا نائب بنانا (کسی اور کے ذمہ رمی سونپنا) واجب ہے، خواہ اسے اجرت دینی پڑے، بعد میں اتفاقاً عذر ختم ہو جائے، تب بھی نائب کی رمی معتبر ہو گی، لیکن اب اسے خود اس کا اعادہ کر لینا سنت ہے۔

نائب جب تک اپنی رمی مکمل نہ کر لے دوسرے کی طرف سے رمی نہیں کر سکتا۔ ایام تشریق کے ہر دن نائب پہلے تینوں جمروں کی اپنی رمی مکمل کر لے۔ پھر دوسرے کی طرف سے نیابت میں رمی کرے۔ ہر دن مستقل شمار ہو گا۔ ایک دن کی اپنی رمی مکمل کر لینے کے

بعد دوسرے کی نیابت ادا کر سکتا ہے۔ اگر اپنی رمی کا ایک کنکر بھی باقی ہو تو نیابت ادا نہ ہو گی۔ اپنی رمی سے پہلے دوسرے کی نیت سے رمی کرے تب بھی اپنی ہی رمی شمار ہو گی۔

ایک شخص کو کئی لوگ نائب بنائیں تو یہ جائز ہے، لہٰذا نائب اپنی رمی کے بعد ایک کی مکمل رمی کرنے کے بعد دوسرے کی رمی کرے۔ اسی طرح تیسرے اور چوتھے وغیرہ کی۔

نیابت کی صورت میں ممکن ہو تو سنت ہے کہ اصل شخص نائب کو کنکری تھمائے اور تکبیر کہے۔ ورنہ یہ بھی نائب ہی انجام دے۔

یوم النحر یا ایام تشریق کی کوئی رمی رہ جائے، تو ایام تشریق کے ختم ہونے سے قبل دن یا رات کسی بھی وقت اس کا تدارک کرے، اور یہ ادا ہو گی۔ چرواہوں اور اہل سقایہ کے حق میں یہ اجازت حدیث سے ثابت ہے، اوروں کو ان پر قیاس کر لیا گیا۔ متروکہ رمی اور بعد کی رمی میں ترتیب واجب ہے۔ (مثلاً ۱۰ر تاریخ کی رمی یا ایک کنکر بھی باقی ہو تو جب تک وہ مکمل نہ ہو ۱۱ر تاریخ کی رمی معتبر نہ ہو گی)۔ متروکہ رمی رات میں اور زوال سے قبل بھی کر سکتا ہے۔

اگر رمی کی تلافی نہ ہوئی، تو تین یا زائد کنکریوں کے ترک سے دم لازم ہو گا، صرف آخری ایک کنکری ترک ہو تو ایک مد اناج اور دو کنکری ترک ہو تو دو مد اناج لازم ہے۔

ایام تشریق کی شب باشی مکمل ترک کر دے تو دم لازم ہے، ایک رات ترک کرے تو ایک مد اناج اور نَفْر اول نہ کرے تو دو رات کے ترک میں دو مد اناج، اور نَفْر اول کرے تو دو رات کے ترک میں دم لازم ہے، کیونکہ شب باشی کی جنس مکمل ترک ہو رہی ہے۔

کوئی معقول عذر ہو (مثلاً جانور چرانا، حجاج کرام کو پانی پلانا، مریض کی دیکھ ریکھ وغیرہ) جس کی وجہ سے منی کی شب باشی ترک ہو، تو دم وغیرہ لازم نہیں۔

طوافِ وداع

حدیث: (۱) آپ ﷺ نے اعمالِ حج سے فارغ ہونے کے بعد طواف (وداع) فرمایا۔" (بخاری)

(۲) "لوگوں کو حکم دیا گیا کہ آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہو، البتہ حائضہ عورت کو رخصت ہے۔" (متفق علیہ)

(۳) "حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو طوافِ افاضہ کے بعد حیض شروع ہوا، تو آپ ﷺ نے انہیں (طواف وداع کے بغیر) مکہ سے روانگی کی اجازت مرحمت فرمائی۔" (صحیحین)

جو مکہ مکرمہ سے مسافتِ قصر کے لئے روانہ ہو، اسے طواف وداع واجب ہے۔ چاہے مکی ہو یا غیر مکی، حاجی یا معتمر ہو، یا نہ ہو، جا کر وہاں رکنا ہو یا مکہ لوٹنے کا ارادہ ہو اپنے وطن جا رہا ہو یا کہیں اور مسافتِ قصر سے کم فاصلہ کے لئے وہاں اقامت کی نیت سے روانہ ہو یا وہاں اس کا وطن ہو تو طوافِ وداع واجب ہے۔ اور اقامت کی نیت نہ ہو، تو سنت ہے حاجی مکہ مکرمہ سے منیٰ یا عرفات کے لئے روانہ ہو یا کوئی عمرہ کرنے نکلے (مسجد عائشہ وغیرہ کی طرف) تو ان حضرات کو طواف وداع سنت ہے حاجی منیٰ سے ہی اپنے گھر جانا چاہے تو اسے مکہ آکر طوافِ وداع کرنا لازم ہے۔ (حاجی جب مکہ سے مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے روانہ ہو، تو طوافِ وداع واجب ہے۔)

مکہ سے روانگی کے وقت کسی عورت کو حیض یا نفاس ہو تو اس پر طواف وداع واجب نہیں ہے۔ مکہ کے حدود سے نکلنے سے قبل پاک ہو جائے، تو لوٹ کر طواف وداع کرنا لازم ہے۔ مکہ سے باہر جانے کے بعد پاکی حاصل ہو تو لوٹنے کی ضرورت نہیں۔

جس پر طواف وداع لازم ہو وہ اسے ترک کر دے تو دم لازم ہے، کیونکہ ایک واجب ترک ہوا۔ بلا طواف روانگی کے بعد اپنے وطن اور مسافتِ قصر سے قبل لوٹ کر طواف کر لے تو دم لازم نہیں۔ طوافِ وداع کے بعد وہیں ٹھہر ا رہا تو دوبارہ طواف لازم ہے۔ البتہ سفر کی تیاری میں رکنا پڑا، یا اقامت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہوا، تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔

طوافِ وداع کے بعد مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت طواف کی ادا کرے اور ملتزم سے چمٹ کر خوب دعا کرے، اعمالِ حج کی ادائیگی کی توفیق پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے قبولیت کی دعا کرے۔ دیگر دنیوی واخروی دعا مانگے۔ پھر زمزم کا پانی پئے، اور لَوٹ کر حجر اسود کا استلام اور بوسہ لے کر روانہ ہو جائے۔ حائضہ عورت کو مسجد کے دروازے پر مذکورہ دعا مانگ کر روانہ ہونا مستحب ہے۔ مسجد حرام سے نکلتے وقت کعبہ کی طرف پشت کر کے نکلے، کعبہ کی طرف رخ کر کے الٹے قدم لوٹنا مکروہ ہے، اس کے متعلق کوئی سنت مروی نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد سے روانگی کے وقت مسجد کے دروازہ پر کعبہ کو دیکھتے کھڑا رہنے کی کراہت منقول ہے، بلکہ سب سے آخری عمل طواف کر کے نکل جائے۔

نفلی عمرہ اور طواف کی کثرت اور مکہ کے مشہور مقاماتِ فضل کی زیارت مستحب ہے۔ کعبہ کی طرف ایمان واحتساب (ثواب کی نیت سے) دیکھتے رہنا سنت ہے۔ بیہقی کی شعب الایمان میں روایت ہے کہ ہر دن رات اللہ تعالیٰ کی ۱۲۰ رحمتیں ہیں، جو کعبہ پر نازل ہوتی ہیں، ۶۰ر طواف کرنے والوں کو، ۴۰ نمازی کو اور ۲۰ دیکھنے والوں کو۔ صدقہ و دیگر عبادات و نیکیوں کو بکثرت انجام دینا سنت ہے، کیونکہ یہاں ایک نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ طوافِ وداع کو طوافِ صَدْر بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد اپنے وطن کی طرف صدور (رجوع اور واپسی) ہوتی ہے۔ طوافِ رکن کو بھی طوافِ صَدَر کہتے ہیں۔

زَمْزَم

حدیث: (۱) مسلم شریف میں حضرت جابر سے حجۃ الوداع کے متعلق مروی طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ "آپ ﷺ نے طوافِ افاضہ سے فارغ ہو کر زمزم کا پانی نوش فرمایا۔"

(۲) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ "آپ ﷺ سِقایہ (پانی پلانے کی جگہ) کے پاس تشریف لے گئے، اور اس میں سے زمزم کا پانی نوش فرمایا"۔ (بخاری)

(۳) "زمزم کا پانی جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ مقصد حاصل ہو گا" (احمد، ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، بیہقی)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ "زمزم کا پانی قبلہ رو ہو کر، بسم اللہ کہہ کر، تین سانس میں خوب سیر اب ہو کر پیو، جب فارغ ہو جاؤ تو الحمد للہ کہو، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا، "ہمارے اور منافق کی امتیازی نشانی یہ ہے کہ وہ زمزم شکم سیر ہو کر نہیں پیتے۔" (دارقطنی، حاکم)

زمزم کا پانی (جب بھی موقع ملے) پینا سنت ہے۔ کیونکہ یہ مبارک اور قلب کی تقویت کا باعث ہے۔ اس کے کئی نام ہیں۔ زمزم، ہزمۃ جبریل، سُقیا اللہ اسمٰعیل، بَرَکہ، سَیّدۃ، نافعہ، مصونۃ، عونہ، بشری، صاحبہ، برۃ، عصمۃ، سالمہ، میمونۃ، مغذیہ، کافیہ، طاہرہ، حرمیۃ، مُرَوِیّۃ، مُؤنِسَہ، طیبۃ، شباعۃ العیال، طعام طعم، شفاء سقم۔ یہ جنت کے پانی سے ہے، اور آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے بعض مرتبہ بطور معجزہ جو پانی نکلا اس کے بعد زمزم کا پانی سب سے افضل ہے۔ مسلم کی حدیث میں اسے مبارک اور غذا کے قائم مقام قرار دیا

ہے۔ ابو داؤد طیالسی کی روایت میں مزید اسے بیماری سے شفا بھی قرار دیا ہے۔ اس لئے ہر کسی کو زمزم کا پینا سنت ہے۔ اور اس سے اپنے دنیوی واخروی مقاصد کے حصول کا قصد کرے۔ پیتے وقت قبلہ رو بیٹھنا سنت ہے۔ آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے کھڑے ہو کر پیا تھا۔ پینے سے قبل اللہ سے دعا کرے کہ "یا اللہ مجھے آپ ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ زمزم کا پانی جس مقصد سے پی لے، وہ حاصل ہو گا۔ یا اللہ میں اسے فلاں مقصد کے لئے پی رہا ہوں، لہٰذا آپ محض اپنے فضل و کرم سے یہ عنایت فرمادیں۔" پھر بسم اللہ کہہ کر خوب سیر اب ہو کر تین سانسوں میں اسے پی لے۔ زمزم کے پانی میں سانس چھوڑنا مکروہ ہے۔ زمزم اپنے ساتھ وطن لے جانا، تاکہ خود اور دوسروں کو سنت وبرکت حاصل ہو، سنت ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمزم کا پانی لے جاتیں اور فرماتیں کہ آپ ﷺ بھی لے جایا کرتے تھے۔ (حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم، وفی اسنادہ خلاد بن یزید وہو ضعیف) (تلخیص ۲/۲۰۸)

مکہ کے علاوہ بھی کہیں زمزم پئے تو اپنے مقصد کے لئے دعا کرے۔ حضرت ابن عباس زمزم پیتے وقت یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْماً نَافِعاً وَرِزْقاً وَاسِعاً وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ (یا اللہ مجھے علم نافع، وسیع وکشادہ رزق اور ہر بیماری سے شفا عطا فرما) علماء نے مختلف مقاصد کے لئے پیا اور اپنا مطلوب حاصل کر لیا۔ کنویں کے قریب جا کر نگاہ ڈالنا اور اپنے سر، چہرے اور سینہ پر زمزم کا پانی چھڑکنا سنت ہے۔

مکہ میں مکمل قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ (قرآن ختم کرے) روانگی کے وقت کعبہ نظروں سے اوجھل ہونے تک اس کے فراق پر افسوس کرتے ہوئے بار بار پلٹ کر کعبہ کا دیدار کرے۔ مکہ سے روانگی کے وقت یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَہَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ" (آپ ﷺ غزوہ، حج یا عمرہ سے لوٹتے تو یہ دعا پڑھتے، متفق علیہ)

مدینہ منورہ

احادیث: (۱) آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میرے قبر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے، اور میرا منبر میرے حوض (یعنی حوض کوثر) پر ہے۔" (صحیحین)

(۲) تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف کجاوے نہ کسے جاویں (یعنی باقاعدہ سفر نہ اختیار کیا جائے) مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد" (مسجد نبوی) (صحیحین)

(۳) "جو بھی مجھ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اس کو جواب دوں۔ (احمد، ابوداود)

(۴) آپ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا "معاذ! شاید اس سال کے بعد میری تمہاری ملاقات نہ ہو، شاید کہ تم میری اس مسجد اور قبر کے پاس سے گذرو" (احمد بسند صحیح) ظاہر ہے کہ یہاں لعلَّ (شاید) طلب وامید کے معنی میں ہے۔

آپ ﷺ کے قبر اطہر کی زیارت سنت ہے۔ بہ اتفاق صحابہ کرام و تابعین عظام یہ بڑی قربت اور نیکی ہے۔ (الفقہ المنہجی)۔ حاجی اور معتمر کے حق میں اس کی زیادہ تاکید ہے کیونکہ دور ودراز سے مدینہ منورہ کے اتنے قریب آ کر بغیر زیارت کے لوٹ جانا بڑی بُری بات ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی کی جو حد تھی اس میں نماز پڑھنے کی بڑی پابندی کرے کہ وہاں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے۔ آپ ﷺ کے قبر اطہر کا طواف نہ کرے۔ پشت یا پیٹ قبر کی دیوار (جالی) سے چپکانا شدید مکروہ ہے، اس کا ہاتھ سے

مسح اور بوسہ مکروہ ہے، بلکہ ادب یہ ہے کہ دور کھڑا رہے، جیسا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں رہتا۔ مدینہ کے قیام کے دوران حتی المقدور روزے رکھے اور آپ ﷺ کے پڑوسیوں پر (وہاں کے ہوں یا بیرونی) صدقہ و خیرات کرے۔

مدینہ منورہ کی زیارت کے قصد سے سفر کرنے والا راستہ میں بکثرت درود و سلام پڑھتا رہے۔ حرم مدینہ اور وہاں کے درخت دکھائی دیں تو درود و سلام میں اور اضافہ کرے اور اللہ سے اسے نفع بخش بنانے اور قبول کرنے کی دعا کرے۔ مدینہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کرلے، ورنہ داخل ہونے کے بعد مسجدِ نبوی میں جانے سے قبل کرلے۔ پھر سب سے نظیف اور صاف ستھرے (سفید ہو تو وہ بہتر ہے) کپڑے پہن کر مسجد جائے مسجد میں داخل ہونے کے بعد روضہ (قبر اور منبر کے درمیانی جگہ) میں جاکر (ممکن ہو تو) منبر کے پاس دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے اور اس نعمتِ عظمیٰ پر اللہ کا شکر ادا کرے۔

نماز کے بعد قبر اطہر کے پاس جاکر قبلہ کی طرف پشت کر کے قبر کی طرف رُخ کرے، نگاہ نیچی رکھے، اور دنیوی علائق سے دل کو بالکل فارغ کر کے پست آواز میں سلام عرض کرے۔

اقلّ سلام: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)

آپ ﷺ پر اکمل سلام: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ ۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقّاً. بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَ اَدَّیْتَ الأَمَانَةَ وَ نَصَحْتَ الأُمَّةَ وَكَشَفْتَ الغُمَّةَ وَجَلَوْتَ الظُّلْمَةَ وَجَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۔ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جُوْزِیَ نَبِیٌّ عَنْ اُمَّتِهِ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ وازْوَاجِكَ وَاَهْلِ بَیْتِكَ اَجْمَعِیْنَ۔ اگر کسی نے آپ ﷺ کو اس کی جانب سے سلام عرض کرنے کی درخواست کی ہو تو یوں کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ مِنْ فلان بْنِ فلان (فلان بن فلاں کی جگہ اس کا اور اس کے والد کا نام لے)

پھر دائیں جانب تقریباً ایک ہاتھ ہٹ کر (جالی میں دوسرے سوراخ کے سامنے) حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں سلام عرض کرے:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا بَكْر ، جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ خَیْراً

پھر ایک ہاتھ آگے بڑھ کر (جالی میں تیسرے سوراخ کے سامنے) حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا عُمَر ، جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ خَیْراً

پھر دوبارہ آپ ﷺ کے قبر اطہر کی طرف آکر اپنے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ چاہے، اور اللہ کے حضور آپ ﷺ کی شفاعت و سفارش چاہے، پھر قبلہ رو ہو کر اپنے اور امتِ مسلمہ کے لئے مناسب دعائیں کرے۔ (قبلہ رو ہونے میں پشت آپ کی طرف نہ ہو)

جب مدینہ منورہ سے روانگی کا ارادہ ہو تو مسجد میں الوداعی دو رکعت ادا کرے اور حسبِ سابق قبرِ اطہر پر جاکر درود و سلام پیش کرے، اور دارَین کی سلامتی و عافیت کے لئے دعا کرے۔ اور بار بار یہ بابرکت موقع نصیب ہونے کی دعا کرے۔ وہاں سے روانہ ہو تو عادت کے مطابق آگے کی طرف چلے۔ عوام کی طرح پیچھے کی طرف چلنے کی ضرورت نہیں۔

مدینہ منورہ جانے والا مسجد نبوی کی زیارت، اس میں نماز اور قبر اطہر کی زیارت کی نیت کرے۔ مدینہ میں داخل ہونے کے بعد واپسی تک آپ ﷺ کی تعظیم اور ہیبت کا استحضار رہے۔

ہر روز آپ ﷺ کی زیارت کے بعد بقیع کی زیارت کیلئے جائے، بالخصوص جمعہ کے دن، وہاں پہنچ کر یوں سلام کرے

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم دَارَ قَوْمٍ مُؤمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَہْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَھُمْ " احادیث میں بقیع کے قبروں کی اور ان کی زیارت کی فضیلت وارد ہے۔

شہداء احد کی قبروں کی زیارت مستحب ہے، جمعرات کے دن افضل ہے۔

مسجد قباء کی زیارت تقرب اور نماز کی نیت سے موکدہ مستحبات میں سے ہے، ترمذی وغیرہ کی صحیح روایت میں مسجد قباء میں نماز کو عمرہ کی طرح قرار دیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل اور سوار مسجد قباء تشریف لے جاتے ،اور اس میں دو رکعت ادا کرتے، ایک صحیح روایت میں ہے کہ آپ ہر سنیچر وہاں تشریف لے جاتے۔

سفر سے واپسی کے آداب: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ سے لوٹتے تو ہر اونچائی پر تین مرتبہ تکبیر کہتے، پھر یہ پڑھتے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ۔ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَائِحُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَہَزَمَ الاَحْزَابُ وَحْدَہٗ"(بخاری و مسلم)

(۲) وطن سے قریب پہنچے تو کسی کو آگے روانہ کر کے پہلے ہی خبر دینا سنت ہے، تاکہ اچانک گھر نہ پہنچے۔ (اگر فون وغیرہ کا انتظام ہو تو اس سے اطلاع کافی ہے۔)

(۳) (بلا اطلاع کے اچانک) رات میں گھر نہ آئے، صبح یا شام کے وقت آئے۔

(۴) بستی میں پہنچنے پر پہلے مسجد جا کر دو رکعت ادا کرنا سنت ہے، پھر جب گھر پہنچے تو گھر میں بھی دو رکعت پڑھ کر دعا کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے۔

(۵) حاجی کی خدمت میں ملاقات و سلام کے لئے آنے والا اسے یوں دعا دے "قَبِلَ اللّٰہُ حَجَّکَ وَغَفَرَ ذَنْبَکَ وَاَخْلَفَ نَفَقَتَکَ" (اللہ آپ کا حج قبول کرے، اور گناہ معاف کرے اور خرچ کا بدلہ دے)

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اے اللہ! حاجی کی اور حاجی جس کے حق میں استغفار کرے اس کی مغفرت فرما" (حاکم)

(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی میں گھر میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا اَوْبًا لَا یُغَادِرُ حَوْباً۔ (یعنی ایسی توبہ اور اللہ کی طرف رجوع کا سوال جس کے بعد کوئی گناہ باقی نہ رہے)

(۸) حج سے واپسی کے بعد دینداری اور عبادت و نیکیوں میں ماضی کے مقابلہ میں اضافہ ہو، کہ یہ حج کے قبولیت کی علامت ہے، عبادات کا سلسلہ ہمیشہ بڑھتا رہے۔

(۹) کسی بھی سفر سے واپسی پر اپنے گھر والوں کے لئے ہدیہ لائے (چاہے مختصر سفر ہو)

(۱۰) حاجی کو مستحب ہے کہ دوسروں کی مغفرت کی دعا کرے۔ اگرچہ وہ مطالبہ نہ کرے، دوسروں کو حاجی سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا مستحب ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب حاجی سے ملاقات کرو تو سلام و مصافحہ کرو اور اپنے حق میں دعا کی درخواست کرو، کہ اس کے گناہ بخشے گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ حاجی کے اپنے گھر میں داخل ہونے سے قبل ہی درخواست کرے۔

(۱۱) مسافر کو گھر لوٹنے پر دعوت کرنا مستحب ہے۔ (اسے نَقِیعۃ کہتے ہیں) بعض علماء نے فرمایا کہ اس کے لوٹنے پر دوست واحباب دعوت کریں۔

حج وعمرہ کے ارکان اور ان کی ادائیگی کے طریقے

حج کے ارکان: حج کے ارکان چھ ہیں۔

۱) **احرام:** یعنی حج میں داخل ہونے کی نیت کرنا کیونکہ مشہور حدیث ہے ’’اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔‘‘

۲) **وقوفِ عرفہ:**

۳) **طوافِ افاضہ:**

۴) **سعی۔** کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ’’اے لوگو! سعی کرو۔ کیونکہ سعی تم پر لکھی گئی ہے (یعنی فرض کی گئی ہے) (دار قطنی باسناد حسن کمافی المجموع)

۵) **حلق یا تقصیر** (سر مونڈنا یا بال کٹوانا) کیونکہ تحلل اس پر موقوف ہے اور طواف کی طرح اس کی بھی دم سے تلافی نہیں ہوتی۔ (وقوف اور طواف کی دلیل گذر چکی)

۶) **اکثر میں ترتیب:** احرام سب پر مقدم ہو، وقوفِ عرفہ، طوافِ افاضہ اور حلق یا تقصیر پر مقدم ہو۔ اگر طوافِ قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو تو اب سعی طوافِ افاضہ کے بعد انجام دے۔ یہی ترتیب آپ ﷺ کے قول وفعل سے سامنے آتی ہے۔

کسی رکن کا تدارک اور تلافی دم سے نہ ہوگی۔

حج کے واجبات: (۱) میقات سے احرام باندھنا (۲) یوم النحر اور ایام تشریق کی رمی (۳) مزدلفہ کی شب باشی (۴) ایام تشریق میں منی کی شب باشی (۵) محرماتِ احرام سے پرہیز کرنا- طوافِ وداع بھی واجب ہے جیساکہ گذرا۔ لیکن وہ مستقل واجب ہے، اس کا حج وعمرہ کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔

مذکورہ واجبات بھی ضروری ہیں۔ لیکن ان کے ترک سے دم کے ذریعہ ان کی تلافی ہو جائے گی اور حج صحیح ہو جائے گا (بخلاف رکن کے) واجبات کو ابعاض (واخذ بعض) بھی کہتے ہیں۔

ارکان وواجبات کے علاوہ جو بھی تفصیلات گذریں، وہ سب سنت اور ہیئت (جمع: سنن وہیئات) ہے۔ مثلاً طوافِ قدوم، اذکار ودعا، حجر اسود کا استلام، رمل، اضطباع وغیرہ۔

عمرہ کے ارکان: وقوفِ عرفہ کے علاوہ بقیہ عمرہ کے بھی ارکان ہیں، یعنی عمرہ میں پانچ ارکان ہیں (۱) احرام، عمرہ کی نیت (۲) طواف (۳) سعی (۴) حلق یا تقصیر (۵) ترتیب۔ عمرہ میں مطلقاً ترتیب ضروری ہے۔

حج وعمرہ کی ادائیگی کی مختلف صورتیں

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ’’ہم حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کی معیت میں روانہ ہوئے، بعضوں نے حج کا احرام باندھا، تو بعضوں نے عمرہ کا، اور بعضوں نے حج وعمرہ دونوں کا‘‘ (متفق علیہ)

حج وعمرہ کی ادائیگی کی تین صورتیں ہیں۔

۱) **اِفراد:** پہلے صرف حج کرے، حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ ادا کرے (اگر عمرہ نہ کرے تب بھی اسے اِفراد کہیں گے)

۲) **تَمَتُّع:** افراد کے برعکس، یعنی پہلے عمرہ کرے، (گرچہ اپنی بستی کی میقات نہ ہو)، پھر حج کرے، خواہ حج کا احرام مکہ ہی سے

باندھے، یا عمرہ کے میقات سے، یا اس کے مثل مسافت سے، یا اس سے قریب سے، اس طریقہ سے حج و عمرہ انجام دینے والا متمتع کہلاتا ہے، کیونکہ اسے حج و عمرہ کے درمیان محرماتِ احرام کے تمتع (فائدہ اٹھانے) کا موقع ملا، یا دوبارہ میقات تک نہ لوٹنے کا فائدہ حاصل ہوا۔

۳) **قِران:** حج و عمرہ دونوں احرام حج کے مہینوں میں بہ یک وقت (ایک ساتھ) باندھنا، یا پہلے عمرہ کا احرام باندھے، (حج کے مہینے میں ہو یا قبل) پھر حج کے مہینے میں اسی پر حج کا احرام بھی داخل کرے، (یعنی حج کی بھی نیت کرلے) جبکہ عمرہ کا طواف ابھی شروع نہ کیا ہو، ان دونوں صورتوں میں حج و عمرہ کی نیت کے بعد صرف حج کے اعمال ادا کرے، اور اسی سے حج و عمرہ دونوں حاصل ہوگا (عمرہ کی صرف نیت کافی ہے، عمرہ کے اعمال کو اس صورت میں مستقل ادا کرنے کی ضرورت نہیں)۔

حدیث: (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج و عمرہ دونوں کا تلبیہ کہتے سنا۔" (متفق علیہ)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع میں عمرہ کا احرام باندھا۔ لیکن ان کو حیض شروع ہوا تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے احرام کا اور اعمال حج کی ادائیگی کا (بجز طواف کے) حکم دیا، اور فرمایا کہ (پاکی کے بعد) تمہارا طواف حج و عمرہ دونوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ (متفق علیہ)

عمرہ کا طواف شروع کرنے کے بعد اس کے ساتھ حج کی نیت ملانا صحیح نہیں۔ کیونکہ عمرہ کا اصل مقصود اور افضل عمل شروع ہو چکا، تو اب یہ (احرام) صرف عمرہ ہی کا ہوگا، اب کسی اور طرف پھیر نادرست نہیں۔

صرف حج کا احرام باندھنے کے بعد اس کے ساتھ عمرہ کو شامل کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ اس صورت میں مزید کسی عمل کا فائدہ نہ ہوگا، بخلاف برعکس صورت کے کہ اس میں وقوف، رمی اور شب باشی کا اضافہ ہوگا۔

مذکورہ تینوں صورتوں میں سے اِفراد افضل ہے، جبکہ اسی سال (یعنی ذوالحجہ کے اختتام تک) عمرہ بھی کرلے، اگر اس سال عمرہ نہ کرے تو بقیہ دونوں صورتیں اس سے افضل ہوں گی، کیونکہ عمرہ کو اس سال سے مؤخر کرنا مکروہ ہے، پھر تمتع قران کے مقابلہ میں افضل ہے۔ افضلیت کی ترتیب میں علماء کرام کا اختلاف ہے، جس کی بنیاد حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کی نوعیت میں راویوں کا اختلاف ہے۔ صحیحین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کے متعلق افراد اور تمتع اور قران تینوں ہی روایتیں ہیں۔ کثرتِ روات کی وجہ سے اول کو ترجیح دی گئی۔ مزید برآں حضرت جابر نے جو قدیم صحابی ہیں، مناسک کی تفصیل اور ضبط و عنایت میں خصوصی توجہ دی ہے، (اور ان سے افراد ہی مروی ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائً افراد ہی کو اختیار فرمایا، بعد میں اس پر عمرہ کو داخل کرکے قارن ہوئے، تاکہ اس عظیم مجمع میں جاہلیت کے اس تصور کی تردید ہو جائے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ بدترین برائی ہے، گرچہ قبل بھی اس کی تردید ہو چکی تھی (البتہ آئندہ کسی کے لئے حج پر عمرہ کا احرام داخل کرنے کی اجازت نہیں جیسا کہ گذر چکا) تمتع میں چونکہ حج و عمرہ کے اعمال اکمل (اور مستقل) ادا ہوتے ہیں (بجز اشتراک میقات کے)، بخلاف قران کے، اس لئے تمتع کو قران سے افضل قرار دیا گیا۔

آیت: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرۃ۔۱۹۶)

ترجمہ: جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر متنفع ہوا (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو فقط اس کو ضروری ہے کہ جو کچھ قربانی میسر ہو (ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ کیا ہو یا صرف حج کیا ہو اس پر حج یا عمرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو (مثلاً غریب ہے) تو (اس کے ذمہ بجائے قربانی کے) تین دن کے روزے ہیں۔ (ایامِ) حج میں (کہ آخر ان ایام

کانویں تاریخ ذی الحجہ کی ہے) اور سات (دن کے) ہیں جبکہ تم حج سے لوٹو، یہ پورے دس (دن کے روزے) ہوئے، یہ اس شخص کے لئے ہیں، جس کے اہل (وعیال) مسجد حرام کے قرب (ونواح) میں نہ رہتے ہوں۔ (یعنی قریب ہی کا وطن دار نہ ہو)۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کی جانب سے یوم النحر میں گائے ذبح فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سب حج قران ادا کر رہی تھیں۔

لہٰذا مذکورہ آیت و حدیث کی روشنی میں متمتع اور قارن (تمتع اور قران کے طریقے پر حج کرنے والے) پر دم لازم ہے۔ جبکہ حرم کے حاضرین میں سے نہ ہو۔ اور متمتع نے اپنے حج کے سال ہی حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کیا ہو، اور حج کے احرام کیلئے کسی میقات تک (گرچہ وہ میقات عمرہ کے بہ نسبت مکہ سے قریب ہو) یا میقات عمرہ کی مسافت تک نہ گیا ہو۔ اگر کسی میقات تک یا عمرہ کے میقات کے مسافت کے بقدر لوٹ کر حج کا احرام باندھے یا مکہ سے احرام باندھ کر میقات تک جائے، یا قارن عرفہ سے قبل مکہ میں داخل ہو پھر دوبارہ میقات تک لوٹے تو دم لازم نہ ہو گا۔ حاضرینِ حرم سے مراد وہ حضرات ہیں، جن کا مکان حرمِ مکہ سے دو مرحلہ (مسافتِ قصر) کے اندر ہو۔ حاضرینِ حرم کو تمتع یا قران کی صورت میں دم کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کو ترک میقات (یعنی میقات عامہ) کا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

آفاقی شخص (میقات کے حدود سے باہر کہیں بھی بسنے والا) میقات سے آگے بڑھ جائے، (گرچہ حج و عمرہ کا ارادہ نہ ہو) پھر ارادہ ہو جائے، اور مکہ میں داخل ہونے سے قبل یا بعد عمرہ کا احرام باندھے، تو اس پر دم تمتع لازم ہے، کیونکہ یہ اس کا وطن نہیں، اسلئے حاضرینِ حرم میں شمار نہ ہو گا۔

اگر عمرہ حج کے مہینوں سے قبل ادا کرے، یا حج کے مہینوں میں ادا کرے اور حج آئندہ سال ادا کرے، یا عمرہ کا احرام حج کے مہینوں سے قبل باندھے لیکن اعمال حج کے مہینوں میں ادا کرے، پھر حج ادا کرے تو ان صورتوں میں دم لازم نہیں۔

دم (هدی) کا وقت: متمتع حج کا احرام باندھے تو دم واجب ہو گا۔ عمرہ سے فارغ ہو کر حج کے احرام سے قبل دم دینا جائز ہے۔ اس دم کے لئے وقت کی تعیین نہیں ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یوم النحر میں ذبح کرنا افضل ہے (ائمہ ثلاثہ نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ ان کے اختلاف سے بھی بچ نکلے گا)

روزے: کوئی شخص حساً یا شرعاً ادائیگی کے وقت حرم میں دم سے عاجز ہو، تو (یعنی ہدی کا جانور نہ ملے، عام قیمت سے زیادہ پر ملے، یا موجودہ رقم اپنے خرچ یا قرض کی ادائیگی کے لئے ضروری ہو، یا رقم بستی میں ہو پاس نہ ہو، یا غریب ہو کہ ہدی کا جانور خرید ہی نہیں سکتا تو ان تمام صورتوں میں) اسکے عوض روزے رکھنا واجب ہے، تین روزے یوم النحر سے قبل رکھنا واجب ہے، سنت ہے کہ عرفہ سے قبل ہی ان تینوں روزوں سے فارغ ہو جائے، کیونکہ حاجی کیلئے عرفہ میں روزہ نہ رکھنا سنت ہے۔ یوم النحر (۱۰/ ذی الحجہ) یا ایام تشریق (۱۱/ ۱۲/ اور ۱۳) میں یہ روزے جائز نہیں، جیسا کہ روزہ کے باب میں گذر چکا۔ اسی طرح حج کے احرام سے قبل بھی یہ روزے نہیں رکھ سکتا، کیونکہ یہ بدنی عبادت ہے، لہٰذا اسے اپنے وقت سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں (بخلاف دم کے کہ عمرہ کے بعد جائز ہے کیونکہ وہ مالی عبادت ہے) لہٰذا ۶/ ذی الحجہ سے قبل ہی احرام باندھنا بہتر ہے، تاکہ ۶، ۷ اور ۸ کو روزہ رکھ سکے۔

مذکورہ شخص مزید سات روزے اپنے وطن میں رکھے، راستہ میں یا مکہ مکرمہ میں ان روزوں کا رکھنا کافی نہیں، اگر کوئی مکہ کو ہی وطن بنالے، (وہیں بس جائے) گرچہ فراغت حج کے بعد ہو، تو یہ روزے مکہ مکرمہ میں ہی ادا کرے (کیونکہ یہ اس کا وطن بن چکا) اگر مذکورہ تین روزے ایام حج میں فوت ہو جائیں، تو ان کی قضا اور بقیہ سات روزوں میں بقدر ادا فصل اور تفریق لازم ہے۔ (مسلسل دس روزے

نہیں رکھ سکتا) لہٰذا چار دن اور گھر لوٹنے کے لئے عادتاً ممکنہ ایام کے بقدر فاصلہ ضروری ہے۔ (مثلاً کسی کو مکہ سے اپنے گھر پہنچنے میں دو دن لگتے ہوں، تین روزے کی قضا کے بعد درمیان میں کم از کم ۶/ دن کا فاصلہ کر کے پھر بقیہ سات روزے رکھے) اگر مکہ ہی کو وطن بنالے، تو صرف چار دن کا فاصلہ کافی ہے۔

تین اور سات روزوں کو ادا و قضا کی شکل میں تتابع (تسلسل) کے ساتھ انجام دینا سنت ہے، جلد سے اس عبادت اور ذمہ داری سے سبکدوش ہونے اور اسے (یعنی تسلسل کو) واجب قرار دینے والے علماء کے اختلاف سے بچنے کی خاطر اسے سنت قرار دیا گیا۔

محرمات احرام (احرام کی وجہ سے حرام امور)

احرام میں کئی امور حرام ہیں، حکمت یہ ہے کہ ان میں ایک طرح کا تَرَفُّہ (آرام، آسودہ حالی وخوش حالی) ہے، اور مُحرم تو حدیث کی رو سے پراگندہ حال وبال اور غبار آلود ہوتا ہے، لہٰذا ترفہ اسے مناسب نہیں۔ مزید اصل مقصد یہ ہے کہ اس ادا کے ذریعہ میدان حشر میں بالکل تہی دست بارگاہِ الٰہی میں حاضری کی یاد تازہ ہو، اور سراپا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، کسی اور طرف توجہ نہ ہو، حاصل یہ کہ حج کا اصل مقصود ظاہری تجرد ہے تاکہ اس کے ذریعہ باطنی تجرد حاصل ہو جائے اور روزہ میں اس کے برعکس معاملہ ہے۔

حدیث: (۱) "مُحرم قمیص نہ پہنے، اور نہ عمامہ، اور نہ پاجامہ، اور نہ بَرَانِس اور نہ کوئی ایسا کپڑا پہنے جس میں زعفران یا وَرس لگی ہو" (صحیحین) بخاری میں یہ اضافہ بھی ہے۔ "عورت نقاب سے چہرہ نہ چھپائے اور نہ دستانے پہنے۔" برانس یہ بُرنُس کی جمع ہے، جو لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں اور وَرس ایک زرد پودہ ہے، جسے رنگنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) آپ ﷺ نے قمیص اور قبا اور پاجامہ اور موزہ پہننے سے منع فرمایا، البتہ چپل نہ ہو (تو موزے کی گنجائش ہے)۔ (بیہقی باسناد صحیح) احرام کی وجہ سے (یعنی حج یا عمرہ کی نیت کر لینے سے) درج ذیل امور حرام ہیں۔

۱) مرد کو سر کا کچھ حصہ چھپانا، (جبکہ ایسی چیز سے چھپائے جسے عام طور پر چھپانے میں شمار کرتے ہوں) مثلاً ٹوپی پہننا، رومال رکھنا، پٹی باندھنا، عمامہ (دستار) باندھنا وغیرہ۔

جو ساتر شمار نہ ہو مثلاً سایہ کے لئے چھتری وغیرہ استعمال کرنا (گرچہ وہ سر سے چھو جائے)، تکیہ یا عمامہ پر سر رکھنا، ٹوکری، صندوق یا کوئی بوجھ سر پر اٹھانا (لیکن یہ مکروہ ہے)، پانی میں غوطہ لگانا یا اپنا یا کسی اور کا ہاتھ سر پر رکھنا حرام نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے وقت ایک صحابی آپ ﷺ کے مبارک سر پر کپڑا تان کر سایہ کر رہے تھے۔ (مسلم، نسائی، ابوداود)

۲) مرد کا کسی محیط (پورے عضو کو گھیرنے والا) کو عادت کے مطابق پہننا، سلائی کے ذریعہ محیط ہو جیسے قمیص یا بننے کی وجہ سے (جیسے سوئٹر یا بنیان وغیرہ) یا بٹنے یا باندھنے کی وجہ سے محیط ہو۔ مذکورہ تفصیل کے مطابق محیط نہ ہو تو پہن سکتا ہے، جیسے تہبند (لنگ جبکہ آپس میں سلی نہ ہو) اور چادر۔

تہبند کو گرہ لگانا یا اس پر دھاگہ (پٹہ وغیرہ) باندھنا، تاکہ ٹکا اور جمارہے یا اس میں نیفہ جیسا بنا کر اس میں ازار بند ڈال کر باندھنا اور چادر کے کنارے کو تہبند کے اندر داخل کرنا (پھنسانا) جائز ہے، (لیکن آخری دو صورتیں مکروہ ہیں)

سوچے سے چادر کے دو کناروں کو جوڑنا، دونوں کناروں کو سلائی سے جوڑنا یا کاج وبٹن کے ذریعہ جوڑنا جائز نہیں (یہ حکم چادر یعنی اوپری حصے میں اوڑھنے کے کپڑے کا ہے۔) تہبند میں قریب قریب کاج بٹن لگا کر ایک دوسرے میں داخل کر کے جوڑنا جائز نہیں ہے،

اگر دور دور ہوں تو بعض علماء نے اجازت دی ہے۔

۳) احرام میں عورت پر دستانے پہننا یا اپنا چہرہ کسی ساتر سے چھپانا حرام ہے، آزاد عورت کو چہرہ کا کنارہ اتنا چھپانا لازم ہے جس کے بغیر سر مکمل نہ چھپ سکے۔ عورت کو سر وغیرہ میں محیط کپڑا پہننا جائز ہے۔ کسی لکڑی وغیرہ کے سہارے چہرہ پر کپڑا اس طرح لٹکانا کہ چہرہ کو مس نہ ہو جائز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ لوگ احرام میں ہمارے پاس سے گذرتے، تو ہم چادر سر سے چہرے پر لٹکا لیتے، جب آگے بڑھ جاتے تو چہرہ کھول دیتے (ابوداود) بلا اختیار یہ کپڑا چہرہ سے مس ہو اور فوراً ہٹائے تو فدیہ نہیں ہے۔ اگر عمداً مس کرے، یا اتفاقاً مس ہونے کے بعد اسے نہ ہٹائے تو فدیہ واجب ہے، عورت کو پیروں میں موزے پہننا یا آستین کو ہتھیلیوں تک لمبا کر کے اس میں ہتھیلیوں کو چھپانا یا کسی کپڑے کو ہتھیلی پر لپیٹنا جائز ہے، لیکن عورت کو ہتھیلی کھلی رکھنا مستحب ہے۔

نابالغ کا حکم: نابالغ بچہ بھی احرام کی پابندیوں میں بالغ کی طرح ہے، ولی کو لازم ہے کہ بچوں کو ان محرمات سے روکے۔ خلاف ورزی کی صورت میں ولی گنہگار ہو گا۔ اگر بچہ ممیز ہو تو فدیہ ولی پر واجب ہو گا۔ لیکن کسی دوسرے نے بچہ سے یہ کروایا مثلاً اسے خوشبو لگائی، تیل لگایا یا سلا کپڑا پہنایا تو اس شخص پر فدیہ لازم ہو گا۔ غیر ممیز بچہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے فدیہ لازم نہ ہو گا۔

کسی مجبوری یا حاجت کی وجہ سے سر چھپانے کی اور دیگر ممنوعہ امور کی گنجائش ملے گی۔ مثلاً محیط کے علاوہ دوسرا کپڑا میسر نہ ہو، معالجہ کے لئے سر پر پٹی وغیرہ باندھنے کی ضرورت ہو، یا گرمی یا سردی کی پریشانی کی وجہ سے مذکورہ خلاف ورزی ہو، چادر نہ ہونے کی وجہ سے قمیص نہیں پہن سکتا بلکہ اسے چادر کی طرح لپیٹ لے۔ البتہ بلا حاجت مذکورہ امور کی وجہ سے فدیہ کی طرح بصورت حاجت بھی فدیہ لازم ہو گا۔ لیکن غیر محیط کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے پاجامہ پہنے (جسے بطورِ تہبند نہیں لپیٹ سکتا) یا چپل نہ ہونے کی وجہ سے موزے ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہنے تو فدیہ لازم نہ ہو گا چپل کی عدم موجودگی میں مذکورہ طریقہ پر موزہ صرف حاجت کی شکل میں پہن سکتا ہے۔

احرام میں وہ چپل جائز ہے جو پورے قدم کا احاطہ نہ کرے یا تمام انگلیوں کو نہ چھپائے جیسے سلیپر۔

۴) **خوشبو:** احرام میں ہر کسی کو اپنے بدن یا کپڑے میں یا کھانے پینے اور چپل وغیرہ میں ایسی اشیاء کا استعمال حرام ہے، جس سے خوشبو مقصود ہوتی ہو۔ جیسے مشک، عود، کافور، صندل زعفران اور عطر وغیرہ، جن اشیاء سے خوشبو مقصود نہ ہو، بھلے اس میں خوشبو ہو، جیسے خوشبودار پھل، سیب، لیمو وغیرہ، وہ حرام نہیں، اسی طرح دار چینی، لونگ، مصالحہ، سونف اور مہندی وغیرہ بھی حرام نہیں۔ خوشبودار سرمہ کا استعمال حرام ہے، جن کھانے کی اشیاء میں خوشبو یا اس کا مزہ ظاہر ہو (بھلے نظر نہ آئے) اسے کھانا حرام ہے، (حلوہ کے بعض اقسام میں زعفران وغیرہ خوشبو کے اثرات ہوتے ہیں۔ احرام میں اسے کھانا حرام ہے) خوشبو اس چیز میں بالکل گھل کر ختم ہو جائے، یا صرف رنگ باقی ہو تو استعمال حرام نہیں۔ خوشبو دوسری کسی چیز میں بالکل مغلوب ہو جائے، مثلاً معمولی گلاب پانی کافی پانی میں گھل جائے اور اس کا کوئی مزہ یا خوشبو محسوس نہ ہو، تو اس کا استعمال حرام نہیں۔

عادت کے مطابق کپڑے یا بدن کے ظاہر یا باطن میں خوشبو کا استعمال حرام ہے۔ عطر کی دوکان میں بیٹھنا یا ایسی جگہ جہاں خوشبو کی دھونی دی جا رہی ہو بیٹھنا حرام نہیں، اگر خوشبو سونگھنے کی نیت سے بیٹھا ہے، تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔

اگر خوشبو کسی چیز میں بندھی ہوئی، یا عطر کی بالکل بند بوتل، یا کسی برتن میں گلاب اٹھائے تو یہ جائز ہے۔ خوشبودار بستر یا جگہ میں بیٹھے یا لیٹے، اور اس کا بدن یا کپڑا اسے چھوئے، تو گنہگار ہو گا اور فدیہ لازم ہو گا۔ اگر کوئی اور کپڑا بچھا کر بیٹھے یا لیٹے تو فدیہ لازم نہیں، لیکن کپڑا باریک (پتلا) ہو تو مکروہ ہے۔ خوشبودار صابون کا استعمال حرام ہے۔ (الفقہ المنہجی۔ ۲/ ۱۳۴)

قصداً خوشبو کا استعمال حرام، اور فدیہ کے وجوب کا باعث ہے، کسی کو اپنے احرام کا خیال نہ ہو، یا خوشبو کی حرمت کا علم نہ ہو، یا کسی نے زبردستی استعمال کروایا، تو گنہگار نہ ہو گا اور نہ فدیہ لازم ہو گا خوشبو کی حرمت کا علم ہو، لیکن وجوبِ فدیہ کا علم نہ ہو، تو فدیہ لازم ہے۔ خوشبو کی حرمت کا تو علم ہے، لیکن جو چیز استعمال کر رہا ہے، اس کا خوشبودار ہونا معلوم نہیں۔ تو گناہ اور فدیہ لازم نہیں۔

حرمت کی صورتوں میں بدن یا کپڑے پر خوشبو لگے تو گنہگار ہو گا اور فدیہ لازم ہو گا اور فوراً اس کا ازالہ کرے۔ اگر تاخیر کرے گا تو مزید گنہگار ہو گا، لیکن فدیہ میں اضافہ نہ ہو گا۔ جن صورتوں میں حرام نہیں اور فدیہ لازم نہیں، یعنی بھول کر یا لاعلمی یا زبردستی کی وجہ سے یا ہوا میں آکر خوشبو لگے تو ان صورتوں میں بھی فوراً اس کا ازالہ واجب ہے، ازالہ کے امکان کے باوجود تاخیر کرے تو گناہ اور فدیہ لازم ہے، خشک خوشبو ہے تو اسے فوراً جھٹک کے دور کر دے۔ ورنہ دھو کر یا کسی اور طریقے سے اس کا ازالہ کرے۔ کسی اور کے ذریعہ دھلا کر دور کرنا بہتر ہے، اگر خود بھی کرے تو حرج نہیں۔ کوئی اپاہج یا ہاتھ کٹے ہونے کی وجہ سے ازالہ نہ کر سکے تو اس پر گناہ اور فدیہ نہیں، کیونکہ وہ معذور ہے۔

غسل: احرام میں غسل یا کپڑے دھونا مکروہ نہیں ہے، نہانے کے لئے خطمی یا بیری کے پتے کا استعمال حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے میل کچیل دور کرنا مقصود ہوتا ہے، نہ کہ تزئین اور بالوں کو بڑھانا، لیکن اس کا استعمال خلافِ اولیٰ ہے۔

حدیث: آپ ﷺ احرام میں اپنا سر دھوتے تھے۔ (متفق علیہ)

۵) **تیل:** سر یا داڑھی کے بال میں تیل گھی وغیرہ لگانا حرام ہے۔ (خوشبودار ہو یا نہ ہو) کیونکہ حدیث کی رو سے مُحرم غبار آلود اور پراگندہ حال ہوتا ہے اور تیل کے استعمال میں اختیارِ زینت ہے، جو اس کے منافی ہے۔ تیل استعمال کیا تو فدیہ لازم ہے۔ چہرہ کے بقیہ بال مثلاً مِسیں (مونچھ)، بھنویں، ریش بچہ کا بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا اس بات پر توجہ دینی چاہئے کہ گوشت وغیرہ کھاتے وقت مونچھ یا ریش بچہ پر تیل و چکناہٹ نہ لگے۔ کیونکہ عمداً مسئلہ جانتے ہوئے یہ حرام ہے اور اس سے فدیہ لازم ہو گا۔ پیشانی یا رخسار کے بال، گنجے کے سر میں گنج کی جگہ، امرد کی ٹھوڑی پر اور بدن کے دیگر حصوں پر تیل لگانا جبکہ خوشبودار نہ ہو جائز ہے۔ کیونکہ اس سے تزئین مقصود نہیں ہوتی۔ حضرت ابن عمر کا ارشاد ہے کہ آپ ﷺ احرام میں غیر خوشبودار تیل استعمال فرماتے (ترمذی) کسی کا سر منڈا ہو، تو اس پر تیل لگانا جائز نہیں، کیونکہ یہ آئندہ نکلنے والے بال کی تحسین کا باعث ہو گا۔

۶) **ناخن اور بال تراشنا:** احرام میں بدن کے کسی بھی حصہ کا بال یا ہاتھ پیر کے ناخن تراشنا حرام ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "**وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ**(سورہ بقرہ ۱۹۶) اور اپنے سروں کو (احرام کھولنے کی غرض سے) اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی (کا جانور) اپنے موقع پر نہ پہنچ جاوے۔"

آیت میں مذکور پر بقیہ کو قیاس کیا گیا ہے کہ دونوں میں ترفُّہ ہے۔ حاجت کی وجہ سے مثلاً جُو کی کثرت یا زخم کے علاج کیلئے اس کی اجازت ہو گی، لیکن فدیہ لازم ہو گا۔ اگر مجبوری ہو مثلاً آنکھ میں بال اُگ آئے جس سے تکلیف ہو یا بال آنکھ کو چھپا دے یا ناخن ٹوٹ جائے اور اس سے تکلیف کی وجہ سے صرف اتنا جدا کر دیا تو فدیہ بھی لازم نہیں، جیسا کہ بے ہوش، پاگل اور غیر ممیز بچہ پر ان امور کی وجہ سے فدیہ نہیں۔ اگر چمڑی جدا کرے جس کی وجہ سے اس پر کے بال بھی جدا ہوئے یا ناخن سمیت پورہ کاٹ ڈالے تو اس سے فدیہ لازم نہیں ، البتہ سنت ہے۔

بال کو حلق، تقصیر، اکھاڑنا یا جلانا کسی بھی طرح دور کرنا حرام ہے، ایک بال بلکہ بعض حصہ بھی دور کرنا حرام ہے۔ ناخن کا بھی یہی

حکم ہے، سر یا داڑھی میں کنگھی کرنے سے بال جھڑیں تو کنگھی کرنا حرام ہے۔ ورنہ مکروہ۔

مُحرم کو غیر مُحرم (حلال) کے بالوں کا ازالہ جائز ہے، اور حلال شخص کو مُحرم کے بالوں کا ازالہ حرام ہے۔

فدیہ: ایک بال یا ایک ناخن یا ایک کا کچھ حصہ زائل کرے تو ایک مد فدیہ دے، دو بال یا دو ناخن میں دو مد دے، روزہ اختیار کرے تو ایک بال یا ایک ناخن میں ایک دن کا روزہ اور دو میں دو دن کا روزہ رکھے۔ اگر تین یا زائد بال یا ناخن متصلاً جدا کرے، (یعنی عرفاً ایک ہی وقت اور جگہ میں) تو مکمل فدیہ لازم ہے۔

آیت: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضاً اَوْ بِهٖ اَذىً مِنْ رَأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ" (سورہ بقرہ۔۱۹۶)"البتہ اگر کوئی تم میں سے (کچھ) بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ (زخم یا درد یا جوؤں وغیرہ کی) تکلیف ہو (اور اس بیماری یا تکلیف کی وجہ سے پہلے ہی سر منڈانے کی ضرورت پڑ جاوے) تو (اسکو اجازت ہے کہ وہ سر منڈا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی بدلہ) دیدے۔ (خواہ تین) روزے سے یا خیرات دینے سے یا (اقلِ درجہ ایک بکری) ذبح کر دینے سے۔"

حدیث: آپ ﷺ نے مقامِ حدیبیہ میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جُوان کے چہرے پر گرے جا رہے تھے، تو ان کو سر مونڈنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ایک فَرَق (تین صاع) اناج چھ مساکین کو دو، یا تین دن روزے رکھو، یا قربانی کرو (بکری ذبح کرو) (متفق علیہ)

جب عذر میں فدیہ کا حکم ہے تو بلا عذر تو بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ سر پر ناخن کو بھی قیاس کیا گیا سر اور بدن کے سارے بال ایک ہی وقت میں صاف کرے تو ایک ہی فدیہ لازم ہے، کسی دوسرے نے مُحرم کے بال مونڈے، اور یہ باوجود قدرت کے اسے نہ روکے تو فدیہ اسی مُحرم پر لازم ہے۔

۷) **صحبت:** احرام میں جماع (صحبت) حرام ہے، جبکہ عاقل ہو، مسئلہ معلوم ہو، احرام یاد ہو اور بلا جبر ہو،

آیت: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (سورہ بقرہ ۱۹۷) (سو جو شخص ان ایّام میں اپنے ذمہ حج مقرر کرے، حج کا احرام باندھ لے) تو پھر (اس شخص کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع (و تکرار) زیبا ہے، (بلکہ اس کو چاہئے کہ ہر وقت نیک ہی کاموں میں لگا رہے)۔

صحبت کے مقدّمات (مثلاً بوس و کنار) بھی شہوت کے ساتھ حرام ہیں، اور اس کی وجہ سے بھی دم لازم ہے، لیکن اس کے بعد صحبت کر لے، تو یہ دم ساقط ہو گا کیونکہ وہ جماع کے دم میں داخل ہو جائے گا۔ استمناء بھی حرام ہے اور انزال ہو جائے تو دم لازم ہے (ورنہ نہیں)۔

تحلل اول سے بھی پہلے صحبت کرنے سے حج فاسد ہو گا۔ دیگر محرمات کی وجہ سے، یا تحلل اولیٰ کے بعد تحلل ثانی سے قبل صحبت سے حج فاسد نہ ہو گا۔ عمرہ میں احرام کھلنے سے قبل صحبت کرنے سے عمرہ فاسد ہو گا۔ (چاہے تین بالوں میں سے آخری بال کے ازالہ سے قبل ہو) حج کے ساتھ عمرہ کی نیت ہو تو وہ صحت و فساد میں حج کے تابع ہے۔

حج یا عمرہ کو فاسد کرنے والی صحبت کی وجہ سے مرد پر ایک ایسے اونٹ کی قربانی لازم ہے، جس میں قربانی کے صفات و شرائط ہوں (حج و عمرہ فرض ہو یا نفل) امام مالک نے اسے موطا میں کئی صحابہ کرام سے نقل فرمایا ہے، اور ان کا کوئی مخالف بھی نہیں، اگر اونٹ سے عاجز ہو تو گائے (بیل) کی قربانی دے، اس سے بھی عاجز ہو تو سات بکریوں کی قربانی کرے۔ اس سے عاجز ہو تو اونٹ کی مکہ مکرمہ میں جو قیمت ہو، اس سے اناج خرید کر فقراء و مساکینِ حرم کو صدقہ کرے۔ اس سے بھی عاجز ہو تو ہر مُد اناج کی جگہ ایک روزہ رکھے۔ (مثلاً اونٹ

کی قیمت میں ۱۰۰ ار مد اناج ملتا ہو تو ۱۰۰ اروزہ رکھے) عورت بھی احرام میں ہو، اور اس گناہ میں شریک ہو، تب بھی اس پر کفارہ لازم نہیں۔
دیگر عبادات فاسد ہو جائیں، تو وہیں ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن حج وعمرہ کی یہ خصوصیت ہے کہ فاسد ہونے کے باوجود اسے ترک کرنا اور احرام سے نکلنا جائز نہیں ہے، بلکہ آخر تک سارے اعمال انجام دینا لازم ہے، کیونکہ حج وعمرہ کے اتمام کے عموم میں فاسد بھی داخل ہے۔ مزید فوراًفاسد کردہ حج یا عمرہ کی قضا (اعادہ) بھی لازم ہے، چاہے فرض ہو یا نفل، کیونکہ نفل حج وعمرہ شروع کرنے کے بعد فرض کی طرح واجب الاتمام ہے۔ دیگر نوافل شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتے۔ فاسد عمرہ مکمل کر کے دوبارہ فوراً قضا عمرہ انجام دے، اور حج آئندہ سال انجام دے، اعادہ فاسد کی طرف سے واقع ہو گا اور فاسد فاسد نہ ہوتا تو اس سے فریضہ اسلام یا نذر جو بھی مقصود تھا وہ اس اعادہ سے حاصل ہو گا۔ (یعنی کسی نے اپنے اسلامی فرض حج کو صحبت سے فاسد کیا، تو آئندہ سال اس کے اعادہ سے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا) کوئی اعادہ میں پھر جماع کرے تو پھر اس کا کفارہ لازم ہو گا۔ لیکن اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ اصل کا پھر اعادہ لازم ہے، اصل اور ادا میں میقات یا اس سے قبل جہاں سے احرام باندھا تھا وہیں سے اعادہ میں بھی احرام ضروری ہے، اعادہ میں دوسرا راستہ اختیار کیا تو ادا کے محلِ احرام کے بقدر مسافت سے احرام باندھے۔ لیکن ادا میں بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھا تھا تو بجائے محلِ احرام کے میقات سے مسافت کا اعتبار ہو گا۔ ادا میں جس وقت احرام باندھا تھا۔ اعادہ میں اسی وقت سے باندھنا ضروری نہیں ہے۔

۸) **شکار:** احرام میں خشکی کے ماکول وحشی جانور کا شکار اور اس سے تعرض حرام ہے۔

آیت: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُماً۔ (سورہ مائدہ ۹۶)

ترجمہ: اور تم پر جنگل (خشکی) کا شکار حرام ہوا، جب تک تم احرام میں رہو۔"

حدیث: (۱) حضرت صعب بن جثّامہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں جنگلی گدھا بطور ہدیہ پیش کیا تو لوٹا دیا اور اعتذار فرمایا کہ" ہم نے محض احرام میں ہونے کی وجہ سے اسے لوٹایا ہے۔" (متفق علیہ)

(۲) "شکار کا گوشت احرام میں تم لوگوں کو حلال ہے، جبکہ خود شکار نہ کرو، یا تمہارے خاطر شکار نہ کیا جاوے۔" (ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) غیر ماکول (یعنی جس کا گوشت حلال نہ ہو) سے تعرض حرام نہیں، غیر ماکول میں جو طبعاً موذی (تکلیف دینے والے) ہیں، ان کا قتل مسنون ہے، جیسے کوا، چیل، بچھو، چوہا، کاٹ کھانے والا کتا، شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، گدھ، عقاب، پسو، کھٹمل، بھڑ اور جو وغیرہ۔ محرم کے بدن یا کپڑے سے جو، دور کرنا مکروہ نہیں ہے، البتہ سر یا داڑھی کے جو سے تعرض مکروہ ہے، تاکہ بال نہ اکھڑے، اگر اسے قتل کیا تو ایک کے فدیہ میں ایک لقمہ سہی، دینا مندوب ہے۔

حدیث: (۱) پانچ جانداروں کو حرم پاک یا احرام کی حالت میں قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں، چوہا، کوا، چیل، بچھو، کاٹ کھانے والا کتا (متفق علیہ)

(۲) مُحرم حملہ آور درندے (یعنی جو قتل یا زخمی کرتے ہوں جیسے شیر چیتا بھیڑ وغیرہ) کو قتل کر سکتا ہے۔ (ترمذی، ابو داود، ابن ماجہ) مسلم کی ایک روایت میں سانپ کے مارنے کا جواز اور ابو داود کی مرسل روایت میں بھیڑیئے کو مارنے کا جواز موجود ہے۔

جن جانوروں میں نفع ونقصان دونوں ہو اُسے قتل کرنا نہ مسنون ہے نہ مکروہ، جیسے شکرہ (چرغ)، تیندوا اور باز وغیرہ

جن جانداروں میں نفع ونقصان ظاہر نہ ہو، اسے مارنا مکروہ ہے، جیسے کیکڑا، گبریلا وغیرہ

نملِ سلیمانی، شہد کی مکھی، مینڈک، بندر، بلی، ہدہد اور بے ضرر کتے کو مارنا حرام ہے (احرام میں ہو یا بغیر احرام کے) سلیمانی چیونٹی

کے علاوہ چھوٹی چیونٹی کو بغیر جلائے مارنا جائز ہے۔ اگر بغیر جلائے دفع نہ ہوں، تو جلانے کی گنجائش ہے۔

بحری شکار (یعنی صرف پانی میں زندہ رہنے والے حیوانات) احرام اور حرم میں حلال ہیں، جو خشکی اور تری دونوں جگہ زندہ رہے، وہ خشکی کے حکم میں ہے۔ پالتو جانور (اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بکری، مرغی وغیرہ) احرام میں جائز ہیں۔

حرم پاک میں مُحرم و غیر مُحرم کو شکار (جو احرام میں منع ہے) حرام ہے۔ شکار اور شکاری دونوں حرم میں ہوں یا کوئی ایک، یا صرف پیر حرم میں ہوں یا (دونوں خارج حرم ہوں لیکن) ہتھیار حرم سے ہو کر گذرے (اور شکار کو لگے) تو یہ تمام صورتیں حرام ہیں۔ صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا۔ "یہ شہر (مکہ) اللہ کے حکم کی وجہ سے حرام ہے۔ یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ یہاں کے شکار کو ڈرایا (اور بھگایا) جائے۔" مکہ مکرمہ پر بقیہ حرم کو قیاس کیا جائے گا۔ لیکن خارجِ حرم کسی حلال (غیر مُحرم) نے شکار کیا، اور حرم میں کوئی اس سے وہ شکار خریدے یا ذبح کرکے کھائے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ حِل (خارج حرم) کا شکار ہے۔

شکار کے تمام اجزاء سے تعرض حرام ہے، مثلاً دودھ، انڈا، بال و پر، شکار کرنے کی طرح کسی کو شکار میں اعانت کرنا (اشارہ کرنا، آلہ ذبح دینا وغیرہ) بھی حرام ہے۔ اس کے تعرض کی وجہ سے وہ شکار یا کوئی جز تلف ہو جائے تو اس کا ضمان واجب ہے۔

آیت: لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ "(مائدہ ۹۵)

ترجمہ: اے ایمان والو، وحشی شکار کو (باستثناء ان کے کہ جن کو شرع نے مستثنیٰ کر دیا) قتل مت کرو، جبکہ تم حالت احرام میں ہو، اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی، جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔"

مُحرم پر حلال مذکور (یعنی حرم میں شکار کرنے والے) کو قیاس کیا گیا، کہ دونوں کو شکار سے تعرض حرام ہے۔ لہٰذا مُحرم اور حلال مذکور کو (استثنائی صورتوں کے علاوہ) اس کے ہاتھ سے جو تلف ہو، (ودیعت ہی کیوں نہ ہو) اسکا ضمان لازم ہے۔ کسی کی ملکیت میں کوئی شکار ہو اور وہ احرام باندھے تو اس شکار سے اس کی ملکیت ختم ہو گی۔ اور اسے چھوڑ دینا لازم ہے۔ کسی سے شکار خریدے تو مالک نہ ہو گا، کیونکہ اس کا خریدنا صحیح نہیں، بلکہ مالک کو لوٹانا لازم ہے۔ حلال شخص کے حرم میں داخل ہونے سے شکار کی ملکیت ختم نہ ہو گی، اور اسے شکار خریدنا جائز ہے۔ لیکن وہ حرم میں شکار کرے تو اس کا مالک نہ ہو گا۔

شکار عمداً کرے، اختیار سے کرے، کسی کے جبر سے کرے، مسئلہ سے لاعلمی کی وجہ سے کرے، احرام میں ہونا بھول کر یا خطاءً کرے۔ سبھی صورتوں میں ضمان لازم ہے۔ لیکن جبر و اکراہ کی صورت میں جبر کرنے والے سے وصول کر لے۔ آیت میں "مُتَعَمِّداً" کی قید غالب کے پیشِ نظر لائی گئی ہے، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف معتبر نہ ہو گا۔

استثناء: ان صورتوں میں شکار کے قتل و تعرض سے ضمان لازم نہیں ہے: کوئی شکار اس پر حملہ آور ہوا تو اس نے دفاعاً قتل کر دیا، کوئی پاگل پن میں شکار کو قتل کرے، ٹڈی راستوں میں اتنی کثرت سے ہوں کہ ان کے روندے بغیر گذرنا مشکل ہو اور روندنے سے وہ مر جائیں، انڈا توڑ دے اور اس میں چوزہ تیار ہو چکا ہو اور وہ اڑ جائے، اسے کوئی نقصان نہ پہنچے، کسی شکار کو درندہ کے چنگل سے نجات دلایا اور اپنے پاس رکھا کہ علاج اور نگہداشت کرے، پھر وہ مر گیا۔

ضمان: جس شکار کا تقریباً ہم مثل موجود ہو، اس کے ضمان میں وہی مثل جانور کی قربانی دے۔ اور جس کا مثل نہ ہو، اس کی قیمت کا ضامن ہو گا۔ جبکہ اس کے متعلق (اسلاف سے کچھ) نقل نہ ہو۔ پہلی قسم میں بعض شکار کے متعلق آپ ﷺ اور بعض اسلاف سے نقل موجود ہے۔ لہٰذا اسی کی اتباع کی جائے گی۔

لہٰذا اشتر مرغ کے شکار میں اونٹ، وحشی گدھے یا نیل گائے میں گائے، ہرن میں بکرا، ہرنی میں بکری، خرگوش میں بکری کا ایک سال کے اندر کا بچہ جو قوی ہو، کبوتر میں (یعنی جو غٹر غوں کرے اور جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پیئے) بکری (بحکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) بطورِ ضمان واجب ہے جس شکار کے متعلق اسلاف سے نقل نہ ہو اس کے مثل کا دو عادل اور اس مسئلہ سے واقف حضرات فیصلہ کریں گے۔

آیت: يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ (مائدہ۔۹۵)

ترجمہ: "جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں" (کہ دین داری میں بھی قابلِ اعتبار ہوں اور تجربہ و بصیرت میں بھی)۔

مذکر کے فدیہ میں مؤنث اور اس کے برعکس اور عیب دار کے بدلہ عیب دار (جبکہ ایک ہی طرح کا عیب ہو) کافی ہے۔ جن جانداروں کا مثل نہ ہو، (جیسے ٹڈی اور چڑیا وغیرہ) ان کی قیمت کا فیصلہ بھی دو عادل شخص کریں گے۔

۹) **نکاح:** ہر وہ نکاح جس میں ولی، شوہر، بیوی یا وکیل مُحرم ہو باطل ہے۔

میاں بیوی حلال ہوں لیکن گواہ مُحرم ہو تو جائز ہے۔ احرام میں رجعت کرنا اور نکاح کا پیغام دینا مکروہ ہے۔ (ترشیح ص ۱۹۳)

مسلم کی روایت میں ہے "مُحرم نہ نکاح کرے اور نہ کرائے۔"

حرم کے درخت اور جھاڑیوں کا حکم: حرم پاک کے خود رو جھاڑیوں اور درختوں سے تعرض حرام ہے، (مُحرم ہو یا غیر مُحرم) کیونکہ صحیحین کی روایت میں درخت کاٹنے اور تر گھاس پھوس اکھاڑنے (یا کاٹنے) کی ممانعت وارد ہے۔ خشک درخت اور جھاڑیوں سے تعرض جائز ہے، لیکن گھاس پھوس اگر مرے نہ ہوں، تو اکھاڑنا حرام ہے، کاٹنا حرام نہیں، خارج حرم اُگنے والا پودہ حرام نہیں، خواہ بعد میں اسے حرم میں لاکے لگایا جائے، اس کے برعکس حرم کا پودہ خارجِ حرم جانے کے بعد بھی حرام رہے گا۔ گیہوں اور جَو وغیرہ جس کی انسان خود کاشت کرتا ہے، اس سے تعرض حرام نہیں، حرم کے نباتات چارہ کیلئے استعمال کرنا یا حرم میں جانور کو چرنے چھوڑ دینا یا دوائی کے لئے لینا یا اذخر (ایک مخصوص گھاس) کا استعمال حرام نہیں، کیونکہ صحیحین کی روایت میں اذخر کی گھروں میں اور لوہاروں کو عام ضرورت کی بناپر حضرت عباس کی درخواست پر آپ ﷺ نے اس کا استثناء فرمایا۔

درخت کی شاخیں سڑکوں پر آکر مسافروں کی تکلیف کا باعث بنے تو اسے کاٹ سکتے ہیں، اصلاح کے لئے درختوں کو چھانٹنا اور کترنا جائز ہے، بغیر جھاڑتے ہوئے پتے توڑنا، پھل توڑنا اور مسواک وغیرہ کیلئے چھوٹی ٹہنی توڑنا جائز ہے۔

درختوں سے ناجائز تعرض کی صورت میں شکار کی طرح ضمان لازم ہے، عرفاً بڑے درخت میں اونٹ گائے اور تقریباً اس کے ساتویں حصے کے برابر درخت میں ایک بکری دے۔ اسے امام شافعیؒ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ اب مذکورہ جانور کو حرم میں ذبح کرکے مساکین حرم پر صدقہ کرے۔ یا اس کی قیمت سے اناج خرید کر صدقہ کرے، یا ہر مد کی جگہ ایک روزہ رکھے، تر گھاس پھوس کاٹنے کے بعد پھر اگے تو اس میں ضمان نہیں، ورنہ اس میں اور چھوٹے پودوں اور درختوں میں قیمت واجب ہوگی۔

حرم مدینہ اور، وَجّ (طائف کی وادی) شکار اور درختوں سے تعرض کی حرمت میں مکہ کی طرح ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ "حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کو حرام قرار دیا۔ اور میں نے مدینہ منورہ کو (یعنی اس کے دوطرف کے دوسیاہ چٹانی سلسلہ کے درمیان کی جگہ کو) حرام قرار دیا۔ یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں۔" مسلم میں یہ اضافہ ہے۔ "وہاں شکار نہ کیا جائے۔" اور ابوداود میں بسند صحیح روایت ہے۔ "وہاں تر گھاس پھوس اکھاڑی (اور کاٹی) نہ جائے۔ اور نہ شکار کو بھگایا جائے۔" اور ابوداود و ترمذی میں ہے۔ "آگاہ رہو! مقام وَجّ کا شکار اور درخت حرام ہے۔" ان دونوں مقامات میں خلاف ورزی سے ضمان لازم نہ ہوگا کہ یہ اداءِ حج

وعمرہ کی جگہ نہیں۔

تمام محرماتِ احرام میں گناہ اس وقت ہو گا جب عمداً احرام ہونے کا علم ہوتے ہوئے، اپنے اختیار سے (بلا جبر وزبر دستی) اور مکلف ہوتے ہوئے اسکا ارتکاب کرے۔ ورنہ گناہ نہ ہو گا۔ اسی طرح جو امور استمتاع (فائدہ اٹھانے) کے قبیل سے ہیں، ان میں فدیہ بھی لازم نہ ہو گا۔ جیسے لباس، خوشبو، جماع اور تیل کا استعمال۔ جو اتلاف میں شمار ہو اس میں فدیہ لازم ہے، جیسے شکار کا قتل، بال یا ناخن کاٹنا وغیرہ۔ کیونکہ اتلاف کے فدیہ میں جہل اور بھول سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مذکورہ محرمات میں جماع اور شکار کبیرہ ہیں، بقیہ صغیرہ ہیں۔ (ترشیح المستفیدین ص ۱۹۲)

محرماتِ احرام کی چار قسمیں

(۱) جو حاجت کی وجہ سے جائز ہے، اس میں نہ حرمت ہے اور نہ فدیہ۔ تہبند نہ ہونے کی وجہ سے پائجامہ پہننا، چپل نہ ہونے کی وجہ سے موزہ ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہننا، سلسلۃ البول (پیشاب کے قطرات) کی بیماری کی وجہ سے ذکر (شرم گاہ) پر کپڑا باندھنا جبکہ اس کے بغیر نہ ٹکے، بال سمیت چمڑی دور کرنا، آنکھ میں اُگے ہوئے یا آنکھ کو ڈھانکنے والے بال کو دور کرنا، عضو سمیت ناخن کو دور کرنا، ناخن کا کٹا ہوا حصہ تکلیف کی صورت میں دور کرنا، حملہ آور شکار کو بطورِ دفاع قتل کرنا، اپنے بستر پر شکار کا انڈا ہو تو اسے دور کرنا یا لاعلمی میں اس کا تلف ہونا۔ شکار کو درندہ کے منہ سے نجات دے اور وہ مر جائے۔ ترفہ کے امور یعنی لباس یا خوشبو پر بھول، لاعلمی یا جبر واکراہ (زبردستی) کی وجہ سے عمل ہو جائے۔

(۲) جس میں گناہ ہو گا، فدیہ لازم نہ ہو گا، عقدِ نکاح، شہوت کے ساتھ مباشرت جبکہ کچھ حائل ہو (مباشرت سے بدن کا چھونا مراد ہے نہ کہ جماع) شہوت سے دیکھنا، شکار کے قتل میں تعاون کرنا۔ کسی نے اس کے لئے شکار کیا یا اس کا اس شکار میں دخل ہوا اور پھر یہ اس سے کھائے۔ شکار کو خرید کر یا پکڑ کر اپنے قبضہ میں لینا (جبکہ تلف نہ کرے اور نقصان نہ پہنچے)۔ شکار کو بھگانا، مُحرم کے جنازہ کے ساتھ محرمات احرام میں سے کسی عمل کو کرنا (مثلاً اسے خوشبو لگانا)

(۳) جس میں فدیہ لازم ہے، لیکن گناہ نہ ہو گا۔ مرض جیسے عذر کی وجہ سے مرد کو لباسِ ممنوعہ کی حاجت ہو، یا عورت کو چہرہ چھپانا پڑے، یا بال و ناخن کاٹنے کی ضرورت پیش آئے، کوئی ممیز لاعلمی میں بال دور کرے، بلا قصد شکار کو بھگایا اور اس میں وہ تلف ہو گیا، بھوک کی وجہ سے شکار کو ذبح کرنے پر مجبور ہوا، خلاصہ یہ کہ سابقہ دو قسموں کے علاوہ جو حاجت کی وجہ سے جائز ہوں اس میں فدیہ ہے، گناہ نہیں، یہاں حاجت سے مراد جس میں شدید مشقت ہو کہ عادۃً اس کا برداشت کرنا مشکل ہو۔

(۴) جس میں گناہ اور فدیہ دونوں لازم ہیں۔ اس میں محرمات کی بقیہ صورتیں سب داخل ہوں گی۔ (بغیۃ المسترشدین ص ۱۱۸ و ترشیح المستفیدین ص ۱۹۲ ملخصا)

خلاصہ یہ کہ محرمات میں جو اتلاف کی قسم سے ہو (جیسے شکار کا قتل) یا جس میں فی الجملہ اتلاف اور ترفہ دونوں کا دخل ہو (جیسے بال یا ناخن کا ازالہ) تو اس میں مطلقاً ضامن ہو گا، بھول، لاعلمی وغیرہ اعذار سے یہ ساقط نہ ہو گا۔ اور جو محض ترفہ کی قسم سے ہو (جیسے خوشبو) اس میں عقل، اختیار اور مسئلہ کی واقفیت کی صورت میں ضمان ہو گا۔ (بغیۃ المسترشدین ص۱۱۸)

حرمِ مکہ کی خصوصیات: (۱) شکار کی حرمت (۲) درخت کاٹنے کی حرمت (۳) ہدی کا جانور ذبح کرنا (۴) اس کا

گوشت حرم ہی میں تقسیم کرنا (۵) مناسک سے متعلق اناج حرم میں تقسیم کرنا (ان تینوں میں مُحصَر مستثنیٰ ہے) (۶) نذر کی وجہ سے پیدل وہاں جانے کا وجوب (۷) احرام ہی سے داخل ہونا (وجوباً یا استحباباً) (۸) تحلل حرم ہی میں ہو گا۔ (سوائے مُحصَر کے) (۹) حرم میں قتل سے دیت مغلظ ہو گی۔ (۱۰) وہاں کے لقطہ کا اٹھانے والا مالک نہ بنے گا۔ (۱۱) کوئی کافر و مشرک وہاں داخل نہیں ہو سکتا (۱۲) کافر و مشرک کو وہاں دفن نہ کیا جائے (۱۳) اگر حل میں جانے کا ارادہ نہ ہو، تو حرم سے عمرہ کا احرام نہیں باندھ سکتا۔ (۱۴) وہاں کے باشندوں پر قِران یا تمتع کی صورت میں دم واجب نہ ہو گا۔ (بغیۃ المسترشدین ص ۱۱۵)

حج میں کوتاهی اور خلل

حج میں خلل کے اسباب اور ان کے احکام کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱) **واجبات حج میں سے کسی واجب کا ترک کرنا:** مثلاً میقات سے احرام نہ باندھے، رمی ترک کرے، مزدلفہ میں شب باشی نہ کرے۔ منیٰ کی شب باشی ترک کرے، طوافِ وداع نہ کرے۔

کسی واجب کے ترک سے جو خلل واقع ہو، اس کی تلافی کے لئے ایک بکری (جو قربانی میں چلے) ذبح کرنا لازم ہے۔ اگر بکری نہیں دے سکتا تو ایام حج میں تین روزے اور گھر لوٹ کر سات روزے رکھے۔

۲) **حج کے کسی رکن کو ترک کرنا:** اگر وقوفِ عرفہ ترک ہو جائے، تو درج ذیل امور جائز ہیں۔

الف: بکری ذبح کرے اور عاجز ہو تو روزہ رکھے، (تمتع کی طرح) دم یا روزہ کا وقت قضا کے احرام کے بعد داخل ہو گا۔

ب: عمرہ کے اعمال انجام دے کر احرام کھول دے، یعنی طواف کرے اور طوافِ قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو تو سعی کرے، اور حلق یا تقصیر کرے۔ لیکن یہ فرض عمرہ میں شمار نہ ہو گا۔ اگر عمل عمرہ ممکن نہ ہو تو محصر کی طرح حلال ہو۔

ج: اس حج کو آئندہ سال فوراً قضا کرے۔ برابر ہے کہ فرض حج تھا یا نفل، بغیر عذر کے قضا کو مؤخر کرنا جائز نہیں۔ وقوفِ عرفہ نیند یا بھول وغیرہ عذر سے ترک ہو یا بلا عذر مذکورہ احکام کی پابندی لازم ہے۔ موطا امام مالک میں حضرت ہبار بن الاسود سے بسند صحیح مروی ہے کہ وہ یوم النحر میں حضرت عمر کی خدمت میں پہنچے جبکہ وہ ہدی ذبح فرمارہے تھے۔ اور عرض کیا امیر المؤمنین! ہم سے تاریخ کے شمار میں غلطی ہوئی اور ہمارا گمان تھا کہ آج عرفہ کا دن ہے تو حضرت عمر نے فرمایا "تم اور دیگر احباب مکہ جا کر طواف و سعی کرو اور ہدی کا جانور ہو تو ذبح کرو۔ پھر حلق یا تقصیر کرو۔ پھر لوٹ جاؤ۔ آئندہ سال پھر حج کرو اور ہدی ذبح کرو۔ میسر نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں اور سات واپسی کے بعد رکھو۔" یہ فیصلہ صحابہ کرام میں مشہور ہوا، لیکن کسی نے اس پر نکیر نہ کی، تو گویا اجماع ہو گیا۔

وقوفِ عرفہ کے علاوہ کوئی رکن (طوافِ افاضہ و سعی یا حلق) ترک ہو تو اس کا تلافی سے کوئی تعلق نہیں، جب تک اس متروکہ رکن کو ادا نہ کرے، خلل دور نہ ہو گا۔ اور حج اس رکن کی ادائیگی تک معلق رہے گا، چاہے جتنا وقت گذر جائے۔ (زندگی میں جب بھی ان ارکان کو ادا کرے گا حج مکمل ہو گا۔ اس وقت تک احرام کا حکم باقی رہے گا)

۳) گذشتہ محرمات احرام میں سے کسی کا ارتکاب کرنا، اس خلل کی تلافی و تدارک کی تفصیل محرمات کے ضمن میں گزر چکا۔

دم کے اقسام

دم (خون) سے مراد تغلیباً جانور کی قربانی یا اناج کا صدقہ یا روزہ ہے، حج میں واجب دم کے پانچ اقسام ہیں۔

۱) **مُرتَب ومقدّر دَم**:(اس میں ترتیب ضروری ہے، اور تفصیل شریعت کی طرف سے متعین ہے) حج کے واجبات میں سے کسی واجب کے ترک سے یہ واجب ہوتا ہے۔ اگر کوئی واجب ترک ہو تو پہلے ایک بکری (قربانی کے صفات پر) ذبح کرے یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ۔ اس میں سے کسی پر عمل نہ کرسکے تو اس کے بدلہ میں ۱۰/روزے رکھے، تین ایام حج میں اور سات اپنے وطن لوٹ کر۔ اسی قسم میں تمتع کا دم، قران کا دم اور وقوفِ عرفہ کے ترک کی وجہ سے فواتِ حج کا دم بھی داخل ہے۔

۲) **مُخَیّر ومُقَدّر دم**:(اس میں ترتیب ضروری نہیں ہے، اختیار ہے کہ کسی پر بھی عمل کرے، لیکن تفصیل شرعاً متعین ہے) حلق و تقصیر یا ناخن کاٹنا یا اس کے مشابہ دیگر ممنوعہ امور کے ارتکاب سے یہ دم لازم ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں ایک بکری ذبح کرے یا تین دن روزہ رکھے یا تین صاع گیہوں یا جو حرم کے چھے مساکین کو دے، ہر مسکین کو نصف صاع، صرف تین بال یا ناخن کاٹے، تب بھی یہ فدیہ لازم ہوگا۔

۳) **مُخَیّر ومُعَدّل دَم**: نباتات کے کاٹنے اور شکار کے قتل کرنے سے یہ واجب ہے، تفصیل محرماتِ احرام میں گذر چکی۔

۴) **مُرَتّب وَمُعَدّل دَم**: یہ احصار کی وجہ سے لازم ہے، حج کے احرام کے بعد رکاوٹ پیش آئے (اور حج نہ کرسکے) تو اولاً جس جگہ رکاوٹ پیش آئے، ایک بکری ذبح کرے، دینے پر قادر نہ ہو تو اس کی قیمت کا اناج فقراء و مساکین پر تقسیم کرے، اس سے بھی عاجز ہو تو ہر ایک مد اناج کی جگہ ایک روزہ رکھے۔

۵) یہ بھی مرتب اور معدل دم ہے، کوئی تحلل اول سے قبل جماع کرے، اس پر ایک اونٹ کی قربانی واجب ہے، اس سے عاجز ہو تو ایک گائے کی قربانی دے، یہ نہ ہوسکے تو سات بکریوں کو ذبح کرے، اس سے بھی عاجز ہو تو اونٹ کی قیمت کا اناج اہلِ حرم کو صدقہ کرے، صدقہ پر بھی قادر نہ ہو تو ہر ایک مد کے بدلے ایک روزہ رکھے، (مثلاً اونٹ کی قیمت میں ۲۰۰ مد اناج ملتا ہو تو ۲۰۰ روزے رکھے)۔

مذکورہ تمام صورتوں میں قربانی اور صدقہ حرم پاک ہی میں ضروری ہے، روزہ جہاں چاہے رکھ سکتا ہے (لیکن حرم کی فضیلت کے باعث وہیں رکھنا افضل ہے) مذکورہ دم میں ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اول پر عمل کرنے سے عاجز نہ ہو دوّم کی طرف نہیں منتقل ہوسکتا۔ یہ تخیر کی ضد ہے، تخیر میں اسے اختیار ہے کہ کسی پر بھی عمل کرلے۔ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ جس بدل کا حکم ہے، شریعت نے خود اسے مقرر کردیا ہے، چاہے ترتیب ہو یا تخیر۔ اس کے مقابلہ میں تعدیل (معدل) ہے۔ یعنی قیمت کا اندازہ لگا کر بدل کی طرف عدول کیا جائے اور بدل کو مقرر کیا جائے۔ (الفقہ المنہجی۔ ۲/۱۶۴) غیر حاجی کی طرح حاجی کو بھی قربانی سنت ہے۔

کسی مامور کے ترک یا ممنوع کے ارتکاب کی وجہ سے واجب ہونے والے دم کی ادائیگی کیلئے کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ اصل عدمِ تخصیص ہے اور اس کے خلاف کوئی دلیل وارد نہیں، لیکن قربانی کے ایام (۱۰ سے ۱۳) میں ذبح کرنا افضل ہے، البتہ امام سبکی وغیرہ نے فرمایا کہ اگر سبب دم حرام ہو تو فوراً دم دینا واجب ہے۔ احصار کے علاوہ ذبح کا حرم پاک میں ہونا ضروری ہے۔

آیت: **"هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ"** (سورہ مائدہ ۹۵) (وہ پاداش کا جانور) نیاز کے طور پر کعبہ (کے پاس) تک (یعنی حرم کے اندر) پہنچائی جاوے۔"

اور ذبیحہ کا گوشت اور دیگر اجزاء یا اس کے بدلہ میں اناج حرم کے مساکین (حرم کے باشندے ہوں یا بیرون سے آئے ہوئے) پر صرف کرنا لازم ہے۔ حرم کے باشندوں پر صرف کرنا افضل ہے۔ (جبکہ غیر باشندے زیادہ محتاج نہ ہوں)۔ حاجی کو جانور ذبح کرنے کے لئے افضل جگہ منیٰ ہے۔

ھدی

بطورِ تقرب حرم مکہ میں ذبح کرنے کے لئے جو جانور اپنے ساتھ لے جایا یا کسی کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے، اسے ہَدی کہتے ہیں۔ اپنی بستی سے ساتھ ہدی کا جانور (اونٹ، گائے یا بکری اور مینڈھا) لے جانا مستحب ہے۔ منیٰ سے خرید لے تو بھی اصل سنت حاصل ہوگی۔ (آج کل عموماً اسی پر عمل ہے)، اگر کوئی نذر مان لے تو واجب ہوگی۔ ہدی کا جانور بھی حرم پاک میں ذبح کرنا واجب ہے۔ (احصار کی صورت میں محل حصر میں ذبح کرے) ہدی کے جانور کے ذبح کا وقت قربانی کا وقت ہے۔ (یعنی ۱۰/ ذوالحجہ سے ۱۳/ تک) کوئی اور دن نذر میں متعین کرے تو وہی معین ہوگا۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ حج کے ایام کے علاوہ عمرہ میں یا ایسے ہی کوئی ہَدی لے جائے تو اسے اسی وقت ذبح کرنا جائز ہے، قربانی کے ایام تک انتظار کی ضرورت نہیں، حج کی ہَدی ایامِ قربانی میں ذبح نہ کیا اور واجب تھا (نذر کی وجہ سے) تو بعد میں بطورِ قضا ذبح کرے، واجب نہیں تھا، تو فوت ہوگیا۔ اگر ذبح کرے بھی تو عام گوشت کے حکم میں ہے، واجب ہدی کو مکمل مساکینِ حرم پر صرف کرنا لازم ہے۔ اور نفل کے بطور نفل واقع ہونے کیلئے بھی ان پر صرف لازم ہے، البتہ نفل قربانی کی طرح خود بھی کھا سکتا ہے۔ حج و احرام سے متعلق سارے قربانیوں پر بھی ہدی کا اطلاق ہوتا ہے۔

اِحْصَار

آیت: "فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" (سورہ بقرہ ۱۹۶) "پھر اگر (کسی دشمن کی جانب سے حج وعمرہ کے پورا کرنے سے) روک دیئے جاؤ تو (اس حالت میں یہ حکم ہے کہ) قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرے اور احرام کھولے)"

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ کو جب مشرکین نے عمرہ سے روکا تو مقام حدیبیہ میں ہی حلال ہوئے، (احرام کھولا)، لہٰذا (ہدی کو) نحر فرمایا، پھر حلق کیا اور اپنے صحابہ کرام سے بھی ارشاد فرمایا کہ "اٹھ کر نحر کرو پھر حلق کرو۔"

کسی حاجی یا معتمر کو مسلمان یا غیر مسلم دشمن تمام راستوں سے روک دے جس کی وجہ سے حج وعمرہ کے ارکان کی ادائیگی سے مجبور ہو تو آئندہ بتائے گئے طریقہ سے احرام کھول سکتا ہے۔ تمام کو روکے، یا چند ساتھیوں کو، واپسی سے بھی روکے یا نہ روکے۔ اگر وقت طویل ہو تو انتظار کرنا اور تحلل کو مؤخر کرنا افضل ہے۔ اگر حج کا احرام ہو اور وقت تنگ ہو، تو جلد تحلل اختیار کرنا افضل ہے۔ اگر حج میں ایسے وقت رکاوٹ کے دور ہونے کا یقین ہو کہ اس کے بعد حج مل جائیگا یا عمرہ میں تین دن میں دور ہونے کا یقین ہو تو امام ماوردی نے فرمایا کہ تحلل منع ہے۔ قتال یا مال خرچ کر کے آگے بڑھ سکتا ہو تو یہ لازم نہیں، بلکہ کفار کو اس طرح مال دینا مکروہ ہے، مسلمان کو دینا مکروہ نہیں۔ اگر دشمن کفار ہوں اور قتال کی قدرت ہو تو ان سے قتال کر کے آگے بڑھنا بہتر ہے۔ تاکہ حج اور جہاد و نصرت اسلام دونوں فضیلت حاصل ہو، اگر قتال سے عاجز ہو یا دشمن مسلمان ہوں تو تحلل بہتر ہے، تاکہ مسلمانوں کی جانیں تلف نہ ہوں۔

اگر رمی یا شب باشی وغیرہ کسی واجب کی ادائیگی میں رکاوٹ پیش آئے تو تحلل کی اجازت نہیں۔ کیونکہ وہ طواف و حلق پر عمل کر سکتا ہے اور واجب کے بدلہ دم دینا کافی ہے۔ (بشری الکریم ۲/ ۱۴۱)

اِشتِراط: اگر ابتدا میں احرام کے وقت ہی یہ شرائط لگادے کہ مرض یا کوئی اور عذر پیش آئے تو میں احرام کھول دوں گا تو مذکورہ عذر کے وقت احرام کھولنا جائز ہے۔

حدیث: آپ ﷺ ضُباعہ بنت الزبیر کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا "کیا حج کا ارادہ ہے؟" اس نے جواب دیا

"واللہ! میں تو اپنے آپ کو بیمار پارہی ہوں۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم حج کرو اور یہ شرط لگادو کہ اے اللہ! جہاں آپ (یا بیماری وعذر) مجھے روک دیں گے میں حلال ہو جاؤنگی" (صحیحین) علامہ ابن حجر نے فتویٰ دیا کہ کسی نے احرام کے وقت شرط لگائی کہ کوئی بھی دینی یا دنیوی عذر پیش آئے تو میں احرام کھول دونگا، (حلال ہو جاؤنگا) تو یہ شرط صحیح ہے، اب اگر ہدی کی شرط نہیں لگائی تو مذکورہ عذر کی صورت میں بلا ہدی صرف نیت سے حلال ہو جائے۔ ہدی کی شرط ہو تو ہدی بھی لازم ہے۔ (بغیہ ص ۱۱۶) حج پر عمرہ کو بھی قیاس کیا گیا۔ اگر یہ کہہ دے کہ "اگر میں بیمار ہوا تو حلال" تو بیمار ہوتے ہی بغیر تحلل کے خود بخود حلال ہو گا۔ اگر احرام کے وقت شرط نہ لگائی، تو بیماری وغیرہ اعذار کی وجہ سے احرام نہیں کھول سکتا، بلکہ صبر کے ساتھ عذر ختم ہونے کا انتظار کرے، اور اس کے بعد عمرہ کا احرام ہے، تو عمرہ کرے۔ اور حج کا احرام ہے اور وقت نکل چکا، تو عمرہ کے اعمال ادا کر کے احرام کھولے۔

احصار یا (بصورت شرط) مرض وغیرہ کی وجہ سے جہاں احصار یا مرض پیش آئے، وہیں بکری یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ ذبح کرے پھر حلق (یا تقصیر) کرے، دونوں کام تحلل کی نیت سے انجام دے، مرض وغیرہ اعذار میں ذبح اس وقت ضروری ہے جبکہ شرط میں ذبح کا تذکرہ کیا ہو، ورنہ صرف نیت اور حلق سے حلال ہو گا، مُحْصَر کے لئے دم لازم ہے، شرط لگائے یا نہ لگائے۔

اگر احصار خارج حرم ہو تو جانور کو حرم میں روانہ کرنا لازم نہیں، کیونکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے حدیبیہ میں ذبح کیا اور وہ حرم سے باہر ہے، اگر ممکن ہو تو حرم میں روانہ کرنا بہتر ہے۔ احصار کی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ حِل (خارجِ حرم) میں ذبح جائز نہیں، جہاں ذبح کرے وہیں کے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دے، وہاں فقراء نہ ہوں تو قریب کے فقراء پر تقسیم کر دے۔

معذور پر جو دم لازم ہو، یا ہدی ساتھ لایا ہو، تو وہ بھی محل عذر میں ذبح کرے۔

اگر دم سے عاجز ہے تو دم کی قیمت کا اناج محل عذر میں صدقہ کرے اور ساتھ حلق و نیت تحلل بھی ہو، اناج سے عاجز ہو تو جہاں چاہے روزے رکھے۔ اور تحلل کی نیت کے ساتھ حلق کرے۔ ہر مد کے بدلہ ایک روزہ رکھے۔ آخری مد کم ہو تو اس کے بدلہ میں بھی ایک روزہ رکھے۔ (سابقہ روزوں میں بھی یہی مسئلہ ہے) روزہ کی صورت میں فوراً بھی نیت کے ساتھ حلق کر کے حلال ہو سکتا ہے، تحلل روزہ رکھنے پر موقوف نہیں، بخلاف ذبح اور اطعام کے۔ کیونکہ روزہ کا وقت بڑھ جائے گا، اور اس سے فارغ ہونے تک احرام کی حالت میں رہنا باعثِ مشقت ہے۔

اگر بیوی شوہر کے بلا اجازت حج یا عمرہ کا احرام باندھے، تو وہ اسے احرام کھولنے کا حکم دے سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے مستحق منافع سے محروم ہو رہا ہے، لہٰذا بیوی مُحصَر کی طرح تحلل اختیار کرے۔ (گویا بغیر اجازت کے اس کا احرام صحیح ہے) اگر بیوی احرام نہ کھولے (حلال نہ ہو) تب بھی شوہر اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اور گناہ بیوی کو ہو گا۔ اگر شوہر کی اجازت سے احرام باندھا ہے، تو اسے کھولنے کا حکم دینا جائز نہیں ہے۔ اگر طلاق رجعی یا بائنہ کی عدت میں ہو، تو احرام کھولنے کا حکم نہیں دے سکتا، البتہ عدت تک روک سکتا ہے۔

مُحصَر پر آئندہ اس حج یا عمرہ کا اعادہ لازم نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں تقریباً ۱۴۰۰ صحابہ کرام کو احصار پیش آیا اور آئندہ سال عُمْرَةُ الْقَضِيَّة میں ان میں سے بعض نے (زیادہ سے زیادہ ۷۰۰ نے) ہی عمرہ کیا، اور جو نہ گئے ان کو قضا کا حکم منقول نہیں ہے، اور یہ فوات احصار کی وجہ سے ہے جس میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ (مُحرم کا کوئی قصور نہیں)

ان صورتوں میں محصر پر قضا لازم ہے (۱) امن کے عدمِ توقع کے باوجود تحلل کو مؤخر کرے، حالانکہ تحلل ممکن تھا اور حج فوت ہو جائے (۲) حج فوت ہونے کے بعد احصار پیش آئے (۳) احصار ختم ہونے کے بعد وقت باقی تھا، اس لئے حلال نہ ہوا اور حج کے لئے

آگے بڑھا، لیکن حج فوت ہو گیا(۴) دوسرا راستہ جو پہلے کے مساوی یا اس سے مختصر تھا اختیار کیا اور وقوف فوت ہو گیا(پہلے راستہ کے مقابلہ میں اس راستہ کی تطویل یا مزید صعوبتوں کی وجہ سے حج فوت ہو تو اعمالِ عمرہ ادا کر کے احرام کھولے، قضا لازم نہیں) مذکورہ صورتوں میں قضاء کا لزوم فوات کی وجہ سے ہے، نہ کہ احصار کی وجہ سے۔ احصار کے زوال کی امید پر احرام ہی میں رہا اور حج فوت ہو گیا، تو عملِ عمرہ کر کے حلال ہو، اب آئندہ اعادہ واجب نہیں۔

فریضۂ اسلام میں احصار: اگر احصار شدہ حج فرض تھا اور مُستقِر ہو چکا تھا، (یعنی فرضیت پختہ اور اس پر لازم ہو چکی تھی) تو اس کے ذمہ باقی رہے گا۔ حج کے استطاعت و امکان کے بعد پہلا سال گذر جائے یا اعادہ یا نذر کا حج ہو، تو یہ سب مستقر حج ہیں، جیسا کہ کوئی فرض نماز شروع کر کے مکمل نہ کرے، تو اسکے ذمہ باقی رہے گی۔

اگر ابھی مستقر نہیں ہوا (مثلاً حج کے امکان کے بعد پہلے ہی سال فرض حج کی روانگی میں احصار پیش آئے) تو حصر کے ازالہ کے بعد استطاعت کا اعتبار ہو گا، آئندہ پھر استطاعت ہو، تو حج کی ادائیگی واجب ہے، ورنہ نہیں۔

والدین میں سے ہر کوئی (یا دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ اوپر تک) اپنے بیٹے پوتے وغیرہ اولاد کو، جبکہ وہ مکی نہ ہو، نفل حج یا عمرہ کے احرام سے روک سکتا ہے، بلا اجازت احرام باندھے تو اسے کھولنے کا حکم بھی دے سکتا ہے، اس حکم پر اسے حلال ہونا لازم ہے۔ حج و عمرہ کے ساتھ طلبِ علم یا تجارت وغیرہ کا بھی قصد ہو (اور تجارت کا نفع سفر خرچ سے زائد ہو) اور راستہ پر امن ہو، تو اجازت کی ضرورت نہیں۔ مکی اولاد کو حج و عمرہ سے نہ روکے۔ (کہ اس میں زیادہ مشقت و کلفت نہیں) فرض حج و عمرہ (اسلامی رکن ہو یا قضا یا نذر) سے اولاد کو روکنا جائز نہیں، لیکن والدین (اوپر تک) سے اجازت لینا مستحب ہے اگر اجازت نہ دیں تو موئخر کرنا بہتر ہے، جبکہ شرعاً فوراً ادا کرنا لازم نہ ہو (جیسے قضا)۔ راستہ پر خطر ہو، یا کوئی اور صحیح شرعی غرض ہو (جیسے غیر معتبر لوگوں کے ساتھ سفر کرنا یا قدرت نہ ہونے کے باوجود پیدل سفر کرنا وغیرہ) تو فرض سے بھی روک سکتا ہے۔ کسی پر والدین کا نفقہ واجب ہو، تو جب تک اس کے نفقہ کا معقول انتظام نہ کرے، اولاد کو سفر سے روک سکتے ہیں۔ اسی طرح بیوی کے نفقہ کا بھی انتظام کرے ورنہ (وہ راضی نہ ہو تو) اسے طلاق دے، البتہ حاکم اس پر جبر نہیں کر سکتا۔ (بشری الکریم۔ ۱۲۳/۲)

کسی کو ظلماً قید میں ڈالا جائے، (مثلاً قرض کی وجہ سے کسی غریب کو قید میں ڈالنا) تو وہ احصار کی طرح تحلل پر عمل کر سکتا ہے۔ (ترشیح المستفیدین ص ۱۹۸)

کسی کے قرض کی ادائیگی کا مقررہ وقت آ چکا ہو، اور مقروض ادا کرنے کی حیثیت رکھتا ہو، تو صاحبِ قرض اپنا قرض وصول کرنے کے لئے اسے حج کے سفر میں جانے سے روک سکتا ہے، احرام کھولنے کا حکم نہیں دے سکتا، کیونکہ اسکے احرام سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اگر قرض کی ادائیگی کا وقت نہ آئے، یا وقت تو ہو چکا لیکن مقروض غریب ہے، (کہ ادا نہیں کر سکتا) تو اسے نہیں روک سکتا، کیونکہ اس پر (فی الحال) قرض کی ادائیگی لازم نہیں۔ (ترشیح المستفیدین ص ۱۹۸)

حج کی حکمتیں اور اسرار

(ماخوذ از ارکان اربعہ ملخصًا)

حج اور اس کے تمام اعمال و مناسک نیز اس سلسلہ کے تمام واقعات و حوادث جو ان اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں، مظاہر سے بے نیازی اور انانیت و خود پرستی سے رہائی و آزادی کا وہ لباس زیبا جو حاجی زیب تن کرتا ہے اور احرام، وقوف، افاضہ، رجم (رمی)، سعی اور طواف کے

تمام وہ اعمال جو بجالاتا ہے، دراصل توحید، اسباب کی نفی، خدا پر توکل، اس کے راستہ میں قربانی اوراس کی اطاعت وخوشنودی کو اپنی زندگی میں موثر، پائدار اور فعال بنانے کی سعی وتدبیر ہے، وہ عادات، رسم ورواج، جھوٹے معیار اور مصنوعی قدروں کے خلاف ایک کھلی ہوئی بغاوت اور طاقتور ایمان، سچی محبت، بے نظیر قربانی اور اعلیٰ درجہ کے ایثار وبے غرضی کی تجدید ہے۔ حج ان اعلیٰ مقاصد، صالح جذبات، روحانی اورایمانی قدروں، نیز اس انسانی واسلامی اخوت کی بقاوترقی کا ضامن ہے، جو مصنوعی قومیتوں اور نسل ووطن کے محدود اور ناقص پیمانوں سے بالاتر ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے راستہ اور مسلک پر چلنے ان کی روح کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ہر جگہ اور ہر دور میں ان کی دعوت کے پرچم کو بلند رکھنے کی دعوت ہے۔

" مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۝ هُوَسَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَمَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ"(سورہ حج۔۷۸)

ترجمہ:"تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت (پر قائم رہو) اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں، اور تم (سب) لوگوں کے مقابلہ گواہ ٹھہرو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو، وہی تمہارا کارساز ہے، سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار۔"

حضرت ابراھیم علیہ السلام سے تجدید تعلق: حج کا ایک بڑا اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملت حنیفی کے امام اور مؤسس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تجدید تعلق کیا جائے، ان کی میراث کی حفاظت کی جائے، ان کی زندگی اپنے سامنے رکھ کر اپنی زندگی کا موازنہ کیا جائے۔ مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے اور ان کی زندگی میں جو غلطیاں، فساد اور تحریف نظر آئے اس کو دور کیا جائے اور اس کے اصل سرچشمہ کی طرف رجوع کیا جائے، اس لئے کہ حج ایک قسم کا سالانہ اجتماع ہے۔ جس کے ذریعہ مسلمان اپنے اعمال اور اپنی زندگی کا احتساب و تجزیہ کرسکتے ہیں اوران قوموں اور سوسائٹیوں کے اثرات سے چھٹکارا پاسکتے ہیں جن کے بیچ میں وہ رہتے ہیں۔

شعائر اللہ اوران کی حکمت: ایک ایسی چیز کی آرزو اور جستجو ہر بشر کی سرشت میں داخل ہے۔ جس کو وہ اپنی ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ اس کے ذریعہ اپنے جذبۂ شوق کی تسکین کرسکے اور قرب ووصال اور تعظیم وتسلیم کے اس شدید تقاضے کی آسودگی کا سامان کرسکے جو ہمیشہ سے اس کے ضمیر میں ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ظاہری اور محسوس چیزیں مقرر کی ہیں جو اس کی ذات اقدس کے ساتھ کچھ خصوصیت رکھتی ہیں، اسی کی طرف منسوب ہیں، اس کی ہی کہلائی جاتی ہیں اوران پر اس کی رحمت کی اس قدر تجلی اور عنایت کی ایسی نظر ہے کہ ان کو دیکھ کر ہی خدا یاد آتا ہے۔ اسکے علاوہ ان کے ساتھ بہت سے ایسے واقعات ومعاملات اور اعمال واحوال وابستہ ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور اس کے انعامات، اس کا دین توحید اور اس کے رسولوں کا جہاد اور صبر یاد دلاتے ہیں۔ ان چیزوں کا نام اس نے "شعائر اللہ" رکھا۔ ان کی تعظیم اپنی تعظیم قرار دی اور ان میں کوتاہی اپنے حق میں کوتاہی کے مرادف بتایا۔ اور انسانوں کو اس کی اجازت بلکہ دعوت دی کہ اسکے ذریعہ وہ اپنی پوشیدہ ومستور محبت اور مشاہدہ وقرب کے فطری جذبہ کو تسکین دیں اور اپنی آسودگی کا سامان کریں۔ ارشاد ہے:

"ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرُاللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ(سورہ حج۔۳۲)

ترجمہ:"یہ بات ہوچکی اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔"

دوسری جگہ آتا ہے۔

"ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهٖ"(سورہ حج۔۳۰)

ترجمہ: یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا، سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا۔"

جذبۂ عشق کی تسکین: امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔"اگر اللہ تعالیٰ سے لِقا کا شوق ہے تو مسلمان اس کے وسائل و اسباب اختیار کرنے پر لامحالہ مجبور ہوگا۔عاشق اور محب ہر اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے جس کی اضافت اس کے محبوب کی طرف ہو، کعبہ کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہے۔ اسلئے مسلمان کو قدرتی طور پر اس کا سب سے زیادہ مشتاق ہونا چاہئے۔علاوہ اس اجر وثواب کی طلب واحتیاج کے جس کا وعدہ بھی اس سے کیا گیا ہے۔"(احیاءالعلوم ۱/ ۲۴)

حضرت شاہ ولی اللہ بھی اسی نکتہ کو حج کی بنیادی حکمت بتاتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔"کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ اشتیاق ہوتا ہے اور محبت جوش مارتی ہے اور وہ اس شوق کی تسکین لئے اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے۔"(حجۃاللہ البالغۃ ۱۰/ ۵۹)

عقل ومادیت کے پرستاروں کے خلاف نعرہ بغاوت: امام غزالیؒ نے حج کی حقیقت وروح کو بڑے عجیب اور بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔لکھتے ہیں۔"اس(بیت اللہ)کی وضع اور شکل ایک شاہی دربار یا شاہی ایوان کی طرح ہے، جہاں پر عُشاق واہلِ فراق ہر دشوار اور دور ودراز مقام سے افتاں وخیزاں، آشفتہ سر اور پراگندہ مُوہو کر پہنچتے ہیں۔ رب البیت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے، اپنی حقارت کا احساس لئے ہوئے، اس کی عزت وجلال کے سامنے اپنے کو فراموش کئے ہوئے، اس علم واعتراف کے ساتھ کہ وہ اس سے پاک اور بلند وبرتر ہے کہ کوئی گھر اور چہار دیواری اس کو گھیر سکے، یا کوئی شہر اس کا احاطہ کرسکے تاکہ اس کی عبودیت ورقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور اطاعت وانقیاد اور تسلیم ورضا میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

اسی لئے ان کو ایسے اعمال اور نقل وحرکت کا پابند کیا گیا ہے، جن سے نہ نفس انسانی کو کوئی لگاؤ ہے۔نہ عقل کی وہاں تک رسائی ہے، مثلاً رمی جمار(شیطان کو ایک خاص جگہ پہنچ کر پتھر مارنا)صفاومروہ کے درمیان بار بار دوڑنا، اس قسم کے اعمال کمالِ عبودیت اور غایت درجہ فنائیت کو ظاہر کرتے ہیں۔زکوۃ ایک قسم کی رحم دلی وغمخواری ہے، اس کا مفہوم بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے، اور عقل بھی اس کو قبول کرتی ہے، روزہ نفس کشی اور ان خواہشاتِ بشری کی سرکوبی کے لئے ہے، جن کو شیطان اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کرتا ہے، اس میں دوسرے مشاغل کم کر کے عبادت میں انہماک واشتغال کا پہلو واضح ہے، نماز میں رکوع وسجود اور ان افعال اور حرکات کے ذریعہ جن سے تواضع کی روح پیدا ہوتی ہے خدا کے سامنے اس کی کبریائی اور اپنے عجز کا اظہار ہے، اور اس سے دلوں کو خاص لگاؤ محسوس ہوتا ہے۔ لیکن رمیٔ جمار اور سعی اور اس طرح کے دوسرے اعمال ایسے ہیں، جن سے دل کو کوئی حظ اور سرور حاصل نہیں ہوتا، طبیعت بشری بھی ان کی طرف مائل نہیں ہوتی اور عقل بھی ان کے معنی ومفہوم سے قاصر رہتی ہے، چنانچہ یہ عمل یا اقدام صرف اطاعت ہی کے جذبہ سے کیا جاتا ہے، یہ سمجھ کر کہ یہ خدا کا ایک حکم ہے جو بہر صورت واجب الاتباع ہے۔اس سے مقصود عقل کو اس کے اختیارات سے محروم کردینا اور نفس وطبیعت کو ان چیزوں سے دور رکھنا ہے، جن سے اس کو لگاؤ اور انس پیدا ہوسکتا ہے، اسلئے کہ جب کوئی چیز عقل سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے تو طبیعت اس کی طرف خود بخود چلنے لگتی ہے، اور طبیعت کا یہ رجحان خود اس عمل کا باعث اور محرک بن جاتا ہے اور اس میں کمال عبدیت اور مجرد

اطاعت کی شان باقی نہیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقع پر خصوصیت سے یہ لفظ کہے: "لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ حَقّاً تَعَبُّداً وَرِقّاً" (لبیک حج پر سچے دل کے ساتھ غلامی اور عبدیت کے جذبہ کے ساتھ) حج کے علاوہ یہ الفاظ آپ نے کسی اور عبادت حتی کہ نماز کیلئے بھی استعمال نہیں فرمائے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مخلوق کی نجات کا دارومدار اس پر رکھا ہے کہ ان کے اعمال اطاعت و انقیاد اور تسلیم و عبودیت کے طریقہ اور سنت پر ہوں، اس لئے وہ اعمال و عبادت (جن کے اسرار و معانی عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہیں) تزکیہ نفوس اور رجحان وطبیعت، اخلاق و فضائل سے ہٹا کر عبودیت کاملہ سے روشناس کرنے میں زیادہ موثر ہیں اس بات کی تہہ تک پہونچ جانے کے بعد یہ بات ہماری سمجھ میں خوب آجائے گی کہ ان افعال اور حرکات و سکنات پر تعجب دراصل ان عبادتوں کے مخصوص اسرار و مقاصد کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اور حج کی اصل بنیاد اور حقیقت سمجھنے کے لئے انشاء اللہ اتنا ہی کافی ہے۔" (احیاء العلوم ۱/۲۴۰)

رمیٔ جمار کے متعلق کہتے ھیں: "اس سے مقصود مجرد امتثال امر ہے تاکہ مکمل عبودیت کا مظاہرہ ہوسکے۔ عقل اور نفس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، مزید برآں اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبہ ہے۔ اس لئے کہ ابلیس ملعون اسی جگہ ان کے حج میں شبہ پیدا کرنے یا کسی معصیت میں مبتلا کرنے آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اس کو کنکریاں ماریں تاکہ وہ ان کے پاس سے دفع ہوجائے اور اسکو ان سے کوئی توقع ہی باقی نہ رہ جائے، اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ ان کے سامنے شیطان حقیقت میں آگیا تھا، اس لئے انہوں نے اس کو مارا، میرے سامنے تو شیطان نہیں ہے کہ میں اس کو ماروں تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ یہ خیال بھی شیطان ہی کا پیدا کردہ ہے اور وہی ہے جس نے یہ خیال تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ شیطان کو ذلیل و خوار کرنے کا جو عزم اور ارادہ تمہارے اندر تھا وہ کمزور پڑ جائے۔

"تم کو جاننا چاہئے کہ ظاہر میں تم جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارتے ہو لیکن حقیقت میں وہ کنکریاں شیطان کے منہ پر پڑتی ہیں، اور اس کی کمر توڑ دیتی ہیں، اسلئے کہ اس کی تذلیل و توہین سب سے زیادہ اس تعمیل حکم سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اطاعتِ محض کے جذبہ کے ساتھ ہو، نفس یا عقل کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔" (احیاء العلوم ۱/۲۴۳)

قربانی کے سلسلے میں کہتے ھیں: جاننا چاہئے کہ یہ امتثال امر (یعنی قربانی) تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، چنانچہ یہ حکم بھی فوراً بجالانا چاہئے اور یہ امید اللہ تعالیٰ کی ذات سے رکھنی چاہئے کہ اس کے ایک ایک جز کے بدلہ میں تمہارا ایک ایک جز آگ سے محفوظ رکھے گا، حدیث میں اسی طرح آیا ہے، قربانی جتنی بڑی ہوگی اور اس کے اجزا جتنے زیادہ ہوں گے آگ سے فدیئے بھی اسی قدر زیادہ ہوسکیں گے۔ (ایضاً)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے:- یہ بات بھی طہارت نفس میں داخل ہے کہ آدمی ان جگہوں میں اترے اور قیام کرے جہاں صالحین اور اولیاء اللہ ہمیشہ سے دل کی تعظیم اور ارادت کے ساتھ اترتے آئے ہیں اور اس کو خدا کے نام سے معمور کرتے رہے ہیں۔ یہ اہل خیر کے حق میں ملائکہ اور ملاء اعلیٰ کو متوجہ کرنے کا باعث ہوگا اور جب وہ وہاں اترے گا تو ان کا رنگ اس پر بھی چڑھ جائے گا۔" (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۵۹)۔ (۳۰۳) حج کے مزید فوائد و مصالح کے لئے کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔

حجۃُ الوِداع

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ نو برس تک مدینہ میں رہے اور حج نہیں کیا۔ پھر دسویں سال لوگوں میں

اعلان ہوا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حج کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، تو مدینہ منورہ میں بہت سارے لوگ جمع ہوگئے، سب کی خواہش تھی کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیروی کریں اورآپ کی طرح عمل (حج) کریں۔ غرض ہم سب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ ذوالحلیفہ پہنچے، اور وہاں حضرت اسماء بنت عمیس کی زچگی ہوئی اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ تولد ہوئے، تو انہوں نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہلا بھیجا کہ میں کیا کروں؟ فرمایا۔ ”غسل کرلو اور ایک کپڑے کا لنگوٹ باندھ لو اور احرام باندھ لو“۔ پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسجد میں دو رکعت پڑھیں، اور قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب وہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو لے کر مقام بَیْدَاء (ایک مقام ہے مثل ٹیلہ کے) پر سیدھی ہوئی، تو میں نے دیکھا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے آگے کی جانب دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف تاحد نظر سوار اور پیادے ہی نظر آرہے تھے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمارے درمیان تھے، اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر قرآن نازل ہوتا اور آپ اس کی تاویل (وحقیقت) کو خوب جانتے تھے، اورآپ نے جو بھی عمل کیا ہم نے بھی وہی کیا۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے توحید کے ساتھ لبیک پکاری۔ ”لَبَّيْكَ اللهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔“ اور لوگوں نے بھی یہی لبیک پکاری جو اب لوگ پکارتے ہیں اور آپ اپنی لبیک پکارتے رہے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ہم حج کے سوا اور کچھ ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اور عمرہ کو پہچانتے ہی نہ تھے۔ (بلکہ ایام حج میں عمرہ بجا لانا ایام جاہلیت سے برا سمجھتے تھے۔ لیکن اسلام نے اس جہالت کا قلع قمع فرمایا) یہاں تک کہ جب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ہم بیت اللہ میں آئے تو آپ نے رکن (حجر اسود) کا استلام کیا (چھوا) اور تین چکر میں رمل فرمایا (اچھل اچھل کر چھوٹے چھوٹے ڈگ (قدم) رکھ کر شانیں اچھال اچھال کر چلے) اور چار چکر عادت کے موافق (عام رفتار سے) چلے۔ پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی، (وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاہِیْمَ مُصَلًّی) (یعنی مقرر کرو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ) اور مقام (ابراہیم) کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کیا۔ پھر میرے والد کہتے تھے اور میرے علم میں انہوں نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ہی ذکر کیا ہوگا۔ کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور ان میں قل یا ایہا الکفرون اور قل ہو اللہ احد کی تلاوت فرمائی۔ پھر حجر اسود کی طرف لوٹے پھر اسے استلام کیا پھر دروازہ سے صفا کی طرف تشریف لے گئے۔ جب صفا (پہاڑی) کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ (یعنی صفا اور مروہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں) اور فرمایا کہ ”جس سے اللہ نے شروع کیا اسی سے ہم شروع کرتے ہیں“۔ لہٰذا صفا سے (سعی) کو شروع کیا۔ تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صفا پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ کو دیکھا اور قبلہ کی طرف چہرہ انور کیا۔ اور اللہ کی توحید و کبریائی بیان کی۔ (یعنی لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہا) اور کہا۔ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَہَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ“ پھر اس کے بعد دعا کی، پھر ایسا ہی کہا، پھر دعا کی، غرض تین بار ایسا ہی کیا، پھر اتر کر مروہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قدم میدان کے درمیان میں اترے تو دوڑے یہاں تک کہ جب چڑھ گئے، تو پھر آہستہ چلنے لگے یہاں تک کہ مروہ پر پہنچے۔ پھر مروہ پر بھی وہی کیا جو صفا پر کیا تھا۔ (یعنی کلمات مذکورہ، دعا، قبلہ رو ہونا وغیرہ) پھر مروہ پر طواف (سعی) مکمل ہوا (یعنی سات چکر ہو چکے)، تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ”جو بات بعد میں سامنے آئی، اگر پہلے ہی آئی ہوتی تو میں ہَدی ساتھ نہ لے آتا (بلکہ مکہ ہی میں خرید لیتا) اور اپنے اس احرام حج کو عمرہ کر ڈالتا، تو اب تم میں سے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ احرام کھولدے، اور اس کو عمرہ (شمار) کرلے۔“

پھر سُراقہ بن مالک بن جُعْشُم کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ ”یا رسول اللہ کیا یہ اسی سال کے لئے خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے اجازت ہے“ (حج کے ایام میں عمرہ کا جواز مراد ہے۔ نووی رحمہ اللہ) تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انگلیوں کو آپس میں پھنسا کر (تشبیک کرکے) ارشاد فرمایا کہ ”عمرہ حج

میں داخل ہو چکا۔ دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا نہیں (یعنی اس سال کی خصوصیت نہیں) بلکہ ہمیشہ کے لئے ہمیشہ کے لئے۔"

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے نبی ﷺ کے اونٹ لے کر آئے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ احرام کھول دیا ہے، اور رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اور سرمہ لگائے ہوئی ہیں۔ تو حضرت علی نے اسے غلط سمجھا اور برا مانا، تو انہوں نے فرمایا کہ میرے والد محترم نے اس کا حکم فرمایا ہے، راوی نے فرمایا کہ حضرت علی عراق میں فرماتے تھے کہ میں حضرت فاطمہ کے احرام کھولنے کے سبب ان پر غصہ کرتا ہوا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تاکہ ان کی نقل کردہ بات کی تحقیق و استفسار کروں، اور عرض کی کہ میں نے ان کے احرام کھولنے پر ناراضگی کا اظہار کیا، تو آپ نے فرمایا کہ "فاطمہ نے سچ کہا (میں نے ہی ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا تھا) تم نے جب حج کا قصد کیا (اور احرام باندھا) تو کیا کہا۔" عرض کیا۔ "یا اللہ میں اہلال کرتا ہوں (احرام باندھتا ہوں) جیسا کہ آپ ﷺ نے اہلال کیا۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میرے ساتھ ہدی ہے، (اس لئے میں نے احرام نہیں کھولا)، اب تم بھی احرام نہ کھولو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر وہ اونٹ جو حضرت علی یمن سے لائے اور جو نبی ﷺ اپنے ساتھ لائے سب مل کر سو اونٹ ہو گئے، فرمایا: پھر سوائے آپ ﷺ کے اور ان صحابہ کے جن کے ساتھ ہدی کے جانور تھے، دیگر تمام صحابہ نے احرام کھول دیا، اور بال کترا لئے۔ پھر جب ترویہ کا دن ہوا، (یعنی ۸/ ذوالحجہ) تو سب لوگ منیٰ کو چلے اور حج کا احرام باندھا۔ آپ ﷺ سوار ہو کر نکلے۔ منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور (۹/ ذی الحجہ کو) فجر کی نماز ادا فرمائی، پھر کچھ دیر ٹھہرے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوا، اور نَمِرہ (عرفات کے قریب ایک جگہ، جو عرفات میں داخل نہیں ہے) میں بالوں کا ایک خیمہ لگانے کا حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ چلے اور قریش کو یقین تھا کہ آپ ﷺ مشعر حرام (مزدلفہ کی ایک پہاڑی) میں وقوف کریں گے، جیسا کہ قریش جاہلیت میں کیا کرتے تھے، آپ ﷺ وہاں سے آگے بڑھ گئے، یہاں تک کہ عرفہ پہنچ گئے، تو دیکھا کہ مقام نمرہ میں آپ کیلئے خیمہ لگ چکا ہے، لہٰذا آپ ﷺ اس میں اترے، پھر جب زوال ہوا تو آپ کے حکم سے قصوا اونٹنی کسی گئی اور آپ ﷺ وادی کے بیچ میں پہنچے۔

پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا، فرمایا: "تمہارا خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر حرام ہیں، جیسے آج کے دن (۱۰/ ذی الحجہ) کی حرمت ہے، اس مہینے کے اندر، اس شہر کے اندر (یعنی حرم پاک میں) سن لو! زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے دونوں قدموں تلے پامال ہے، (یعنی اسلام کی روشنی کے آگے اب ان چیزوں کا کوئی اعتبار نہیں) اور جاہلیت کے خون بے اعتبار ہو گئے، (اب اس کے بدلہ کی گنجائش نہیں)، اور پہلا وہ خون جو میں اپنے خونوں میں سے معاف کئے دیتا ہوں، ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے، جو قبیلۂ بنو سعد میں دودھ پیتا تھا اور اس کو قبیلۂ ہذیل نے قتل کر ڈالا۔"

"زمانۂ جاہلیت کا سود سب چھوڑ دیا گیا، اور سب سے پہلے ہم ہمارا سود یعنی حضرت عباس بن عبد المطلب کا سود چھوڑ دیتے ہیں، وہ سب معاف کر دیا گیا۔ اور تم لوگ اب ڈرو اللہ سے کہ عورتوں پر زیادتی نہ کرو، اس لئے کہ ان کو تم نے اللہ کی امان میں لیا ہے، اور ان کے ستر (فرج و شرمگاہ) کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے حلال کیا ہے، اور ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے بچھونے پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں (یعنی تمہارے گھر میں) جس کا آنا تم کو ناگوار ہو، پھر اگر وہ ایسا کریں (اور تمہارا یہ حکم نہ مانیں) تو ان کو ایسا مارو کہ سخت چوٹ نہ لگے۔ (یعنی ہڈی وغیرہ نہ ٹوٹے، کوئی عضو ضائع نہ ہو، حسن صورت میں فرق نہ آئے) اور ان کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ ان کا رزق (کھانا پینا) اور لباس دستور کے موافق تمہارے ذمہ ہے۔"

"اور تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں، کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہو، (اس پر قائم اور کاربند رہو) تو ہر گز کبھی

گمراہ نہ ہو۔(اور وہ اہم ترین نور ہدایت) اللہ کی کتاب (ہے۔یعنی قرآن مجید)۔اور تم لوگوں سے (بروز قیامت) میرے متعلق سوال ہوگا، تو تم کیا جواب دوگے؟'' صحابہ کرام نے عرض کیا۔''ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ تبارک و تعالیٰ کا پیغام اور دینِ حق) پہنچایا اور (رسالت کا حق) ادا فرمایا اور (امت کے ساتھ) خیر خواہی کا معاملہ فرمایا''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت (کلمہ کی انگلی) سے بایں طور اشارہ فرمایا کہ اسے آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور لوگوں کی جانب جھکاتے تھے اور فرماتے تھے۔''یا اللہ گواہ رہو'' تین بار (یہی فرمایا اور یوں ہی اشارہ کیا)

پھر اذان و اقامت ہوئی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت ہوئی اور عصر کی نماز پڑھی اور ان دونوں کے درمیان کچھ (سنت وغیرہ) نہیں پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوکر مَوقِف (وقوف کی جگہ) پہنچے، پھر اپنی قصواء اونٹنی کا پیٹ پتھروں کی طرف کر دیا اور پگڈنڈی کو اپنے آگے کر لیا، اور قبلہ رو ہوکر وقوف فرمایا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا، زردی تھوڑی تھوڑی جاتی رہی اور سورج کی ٹکیہ ڈوب گئی۔ اور حضرت اسامہ کو (اپنی سواری پر) پیچھے بٹھالیا اور لوٹے۔ اور قصواء کی مہار اس قدر کھینچی ہوئی تھی کہ اس کا سر کجاوہ کے آگے مَوْرِک میں لگ گیا تھا۔ (مَوْرِک وہ جگہ ہے جہاں بعض وقت سوار تھک کر اپنا لٹکا ہوا پیر رکھتا ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے (اور فرماتے تھے)''اے لوگو! سکون واطمینان سے چلتے رہو۔'' اور جب کسی ریت کی ڈھیری پر آتے (جہاں بھیڑ کم پاتے) تو ذرا مہار ڈھیلی کر دیتے، یہاں تک کہ اونٹنی چڑھ جاتی۔

آخر مزدلفہ پہنچ گئے، اور وہاں مغرب و عشاء ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی، دونوں کے درمیان کوئی سنت نہیں پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے یہاں تک کہ صبح صادق ہوئی، جب فجر خوب واضح (ظاہر) ہوئی تو اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی، پھر قصواء پر سوار ہوکر مشعر حرام تشریف لائے۔ اور قبلہ کی طرف رخ کرکے دعا، تکبیر، تہلیل اور تحمید میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ خوب روشنی پھیل گئی، تو طلوع آفتاب سے قبل ہی وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور حضرت فضل بن عباس کو اپنے پیچھے سوار کر لیا، وہ نوجوان، خوبصورت بالوں والے، گورے چٹے خوبصورت انسان تھے۔ جب آپ روانہ ہوئے تو ایک گروہ عورتوں کا (اونٹ پر سوار) چلا جاتا تھا، اور فضل ان کی طرف دیکھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل کے چہرہ پر اپنا دست مبارک رکھا، اور فضل نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور دیکھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا ہاتھ ادھر پھیر کر ان کے منہ پر رکھ دیا تو فضل نے وہاں سے چہرہ پھیر لیا اور دیکھنے لگے۔

پھر آپ بطن مُحَسِّر میں پہنچے تو اونٹنی کو ذرا تیز چلایا اور بیچ کی راہ لی جو جمرۂ کبریٰ پر جا نکلی ہے، یہاں تک کہ اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے پاس ہے، (اسی کو جمرۂ عقبہ کہتے ہیں) اور سات کنکریاں اس کو ماریں۔ ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے (ایسی کنکریاں ماریں) جو چٹکی سے ماری جاتی ہیں (اور باقلا کے دانہ کے برابر ہوں) اور بطن وادی سے (وادی کے بیچ سے) کھڑے ہوکر ماریں (کہ منی اور عرفات ومزدلفہ دائیں طرف اور مکہ بائیں طرف تھا)۔ پھر نحر کی جگہ (قربانی کی جگہ) آئے اور اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے، بقیہ حضرت علی کے حوالہ کئے اور انہوں نے نحر کئے۔ اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہدی میں شریک کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہر اونٹ میں سے ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ہانڈی میں ڈال کر پکایا گیا۔ پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی) دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربہ پیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوکر بیت اللہ شریف تشریف لے گئے، اور طوافِ افاضہ کیا، اور مکہ میں ظہر پڑھی، اور بنی عبد المطلب کے

پاس آئے کہ وہ لوگ زمزم پر پانی پلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اے اولادِ عبد المطلب پانی نکالو (اور بھرو) اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ بھیڑ کر کے تمہیں پانی بھرنے نہ دیں گے، تو میں بھی تمہارا شریک ہو کر پانی بھرتا۔ (یعنی آپ بھرتے تو سنت ہو جاتا اور ساری امت بھرنے لگتی اور ان کی سقایت جاتی رہتی) پھر ان لوگوں نے ایک ڈول آپ کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے اس میں سے پانی پیا۔“ (رواہ مسلم وابوداود)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ (آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضمیمہ

جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا ہے، نئی سائنسی تحقیقات اور مختلف میدانوں میں مختلف نئے طریقے وجود پاتے رہتے ہیں، ایسی صورت میں ایک مسلمان کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ شرعی اصولوں کی روشنی میں اس کا شرعی حکم معلوم کرے۔ مختلف علماء کرام یا ان کی مجلس تحقیق و جستجو کے بعد ایسے امور کے فیصلے صادر کرتی ہے، لہٰذا تحفۃ الباری کی تیسری طباعت میں دو ضمیمے پیش کئے جارہے ہیں، پہلے ضمیمہ میں ”نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے“ کتاب کی روشنی میں بعض مسائل کی تلخیص پیش کی گئی ہے، اس کتاب میں ”مجمع الفقہ الاسلامی الھند“ کے مختلف سیمیناروں کے فیصلوں کو جمع کیا گیا ہے۔

دوسرے ضمیمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت قائم 'اسلامی فقہ اکیڈمی' مکہ مکرمہ کے ”فقہی فیصلے“ نامی کتاب کے بعض مسائل کو ملخصاً پیش کیا گیا ہے۔

دونوں ضمیموں کے مسائل مختلف ابواب سے متعلق ہیں، لیکن فی الوقت ضمیمہ کی شکل میں ان مسائل کو یکجا پیش کیا جارہا ہے۔

”نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے“

سے ماخوذ چند مسائل

(۱) **مسجد کی شرعی حیثیت:** اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سیمینار متفقہ طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بابری مسجد یا کسی اور مسجد کے بارے میں ایسی کوئی صلح شرعی اعتبار سے قطعاً جائز نہیں کہ جس کا مقصد مسجد کی حیثیت کو تبدیل کرنا یا نعوذ باللہ اسے بت خانہ بنانا ہو، اور یہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے۔ (ص:۴۰)

(۲) حکومت سعودیہ کے انتظامی احکامات کی پابندی تمام ہی لوگوں پر ضروری ہے، یہ امر بالمعروف ہے، جس کی اطاعت لازم ہے، لہٰذا حکومت سعودیہ کے احکام و ضوابط کے مطابق سعودیہ میں مقیم مسلمانوں کو اگر ہر سال حج کرنے سے منع کیا جائے تو اس کی پابندی شرعاً ضروری ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرتے ہوئے بھی احرام حج باندھ کر میقات سے آگے بڑھ جائے اور پھر پکڑا جائے اور اسے انتظامیہ واپس کردے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو شرعاً محصر عن الحج کا ہے۔ (ص:۴۳)

(۳) بلادِ عرب میں عموماً وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کی جاتی ہیں، احناف کے لئے بھی ایسے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے، اگر امام وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ (ص:۴۴)

(۴) **زکوٰۃ:** زکوٰۃ کی وصولیابی میں مہتمم یا اس کا نائب (سفیر و محصل) طلبہ کا وکیل ہے، مہتمم یا اس کے نائب (سفیر و محصل) کو دے دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (گو وہ رقم فوری طور پر خرچ نہ ہو)۔ مہتمم مدرسہ کا فرض ہے کہ زکوٰۃ کی رقم حسب احکام شرع طلبہ پر صرف کرے۔ (ص:۶۲)

(۵) بیت المال، مدارس یا دیگر رفاہی اداروں میں جمع شدہ رقوم پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (ص:۶۳)

(۶) کمیشن پر زکوۃ کی وصولیابی کا مروجہ طریقہ جائز نہیں۔ (ص:۶۴)

(۷) زکوۃ دینے والے شخص یا زکوۃ دینے والوں کی جماعت کی طرف سے زکوۃ میں نکالی ہوئی رقوم کو کسی نفع بخش کاروبار میں لگا دینا تاکہ مستقبل میں اس کا نفع فقراء ومساکین اور دیگر مستحقین زکوۃ پر تقسیم کیا جاتا رہے، جائز نہیں ہے، اس طرح زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ (ص:۶۸)

(۸) عام شرکاء سمینار کا خیال یہ ہے کہ دورِ حاضر میں دینی اور دعوتی کاموں کے لئے درکار سرمایہ کی فراہمی میں پیش آنے والی دشواری کے باوجود شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ زکوۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کا دائرہ وسیع کر کے اس میں تمام دینی اور دعوتی کاموں کو شامل کر لیا جائے، کیونکہ قرونِ اولیٰ میں اس تعمیم وتوسیع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ (ص:۶۹)

(۹) **روزہ:** امراضِ قلب سے متعلق جو دوا زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس کا استعمال کیا جائے، اور اس کے اجزاء یا اس دوا کے ملے ہوئے لعاب کو نگلنے سے مکمل طور پر بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (ص:۸۶)

(۱۰) تنفس وغیرہ کے مرض میں انہیلر (Inheller) کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (ص:۸۶)

(۱۱) جو دوا بھاپ کی شکل میں منہ یا ناک کے ذریعہ کھینچی جائے، خواہ مشین کے ذریعہ کھینچی جاتی ہو یا کسی اور طریقے سے، ان سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (ص:۸۶)

(۱۲) انجکشن کے ذریعہ جو دوا رگوں یا گوشت میں پہنچائی جاتی ہے، خواہ اس سے محض دوا کی ضرورت پوری کی جائے یا غذا کی، روزہ اس سے نہیں ٹوٹتا، البتہ روزہ کی حالت میں غذائی ضرورت کی تکمیل اور تقویت کے لئے بلاضرورت انجکشن لینا مکروہ ہے۔ (ص:۸۶)

(۱۳) گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ چونکہ یہ ایک درجہ میں انسان کی غذائی ضرورت کو بھی پوری کرتا ہے، اس لئے بلاعذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے۔ (ص:۸۶)

(۱۴) **فون، ویڈیو کانفرنسنگ اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح:** نکاح کا معاملہ بہ مقابلہ عقد بیع (خرید وفروخت) کے زیادہ نازک ہے، اور گواہان کی شرط بھی ہے، اس لئے انٹرنیٹ، ویڈیو کانفرنسنگ اور فون پر راست نکاح کا ایجاب وقبول معتبر نہیں، البتہ اگر ان ذرائع ابلاغ پر نکاح کا وکیل بنایا جائے اور وہ گواہان کے سامنے اپنے مؤکل کی طرف سے ایجاب وقبول کر لے تو نکاح درست ہو جائے گا، اس صورت میں یہ بات ضروری ہوگی کہ گواہان وکیل بنانے والے غائب شخص سے واقف ہوں یا ایجاب وقبول کے وقت اس کا نام مع ولدیت ذکر کیا جائے۔ (ص:۹۵)

(۱۵) مہر کی سونے یا چاندی کے ذریعہ تعیین عمل میں آئے تاکہ پوری طرح عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے، اور سکوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہنچے۔ (ص:۱۰۲)

(۱۶) **مسلم وغیر مسلم تعلقات:**

۱- اسلام کا اپنا ایک مستقل نظامِ حکمرانی ہے۔ لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے، لہٰذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

۲- مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھرپور طریقے سے استعمال کریں۔
۳- جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں، اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو۔
۴- جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملّی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں۔
۵- ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے، اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔
۶- مسلمانوں کو ایسی جگہ رہائش اختیار کرنی چاہئے جہاں وہ اپنے دین وایمان اور اپنے تشخص کو برقرار رکھ سکیں، اور تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کرنا چاہئے جس سے وہ اپنے دینی وملی تشخص کی حفاظت کرسکیں۔
۷- اسلام میں غیر مسلم پڑوسیوں اور اہل تعلق کے بھی بعض حقوق ہیں، اس لئے ان کی بیماری وغم کے موقعوں پر ان کی عیادت وتعزیت کی جائے گی۔
۸- وندے ماترم جیسے گیت میں شرکیہ الفاظ ہیں اور ہندوستان کی سرزمین کو معبود کا درجہ دیئے جانے کا تصور پایا جاتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے اس جیسے گیت کا پڑھنا شرعاً حرام ہے، اور ان پر اس سے احتراز لازم ہے۔
۹- اگر غیر اسلامی قانونِ شہادت یا دوسرے قوانین کی بنیاد پر کسی مسلمان کے حق میں خلاف شرع فیصلے ہوجائیں تو اس کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہے۔ یہ سمینار تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ اپنے تنازعات 'دار القضاء' میں لے جائیں اور وہاں جو فیصلہ ہو اس کو قبول کریں اور اس کے مطابق عمل کریں، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض مقدمات میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ہی شرعاً معتبر ہے۔
۱۰- وحدتِ ادیان کا تصور غیر اسلامی ہے اور کتاب وسنت کی رو سے باطل اور عملی طور پر غیر مفید ہے، بلکہ یہ دراصل اسلام کے تشخص کو مٹانے کی ایک گہری سازش اور مسلمانوں کو گمراہی پر ڈالنے کی ایک ناپاک کوشش ہے، اس لئے مسلمانوں کو ایسے فتنہ سے بچنا چاہئے۔
۱۱- اسلام انسانیت کا احترام کرتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے حتی المقدور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مظلوم غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنا ان کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔
۱۲- مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے خدمت خلق کے اداروں مثلاً ہاسپیٹل وغیرہ کے ذریعہ بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کی خدمت واعانت کرنی چاہئے، یہی انسانی ہمدردی اور اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے، البتہ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف مستحق مسلمانوں ہی پر خرچ کی جائے۔
۱۳- اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ قدرتی آفات کے موقع پر مسلم تنظیموں کی جانب سے برادرانِ وطن کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا جائے اور ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ (ص: ۱۰۸--۱۱۰)
(۱۷) فون اور ویڈیو کانفرسنگ کے ذریعہ بیع میں ایجاب وقبول معتبر ہوگا، انٹرنیٹ پر بھی اگر بیک وقت عاقدین موجود ہوں اور ایجاب کے فوراً بعد دوسرے کی طرف سے قبول ظاہر ہوجائے تو بیع منعقد ہوجائے گی۔
(۱۸) اگر انٹرنیٹ پر ایک شخص نے بیع کی پیشکش کی، اور دوسرا شخص اس وقت انٹرنیٹ پر موجود نہیں تھا، بعد کو اس نے اس

پیشکش کرنے والے کا پیغام حاصل کیا، یہ صورت تحریر وکتابت کے ذریعہ بیع کی ہوگی، اور جس وقت وہ دوسرا شخص اس پیشکش کو پڑھے، اسی وقت اس کی جانب سے قبولیت کا اظہار ضروری ہوگا۔(ص:۱۲۱)

(۱۹) کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت:

۱-کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں ہے، بلکہ ثمن ہے، اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے۔

۲-کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے، لہٰذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

۳-دوملکوں کی کرنسیاں دواجناس ہیں، اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

۴-کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ لازم ہے۔(ص:۱۲۲--۱۲۳)

(۲۰) خرید وفروخت:

۱-ادھار خرید وفروخت میں نقد معاملہ کے مقابلہ میں قیمت کی زیادتی ربا(سود) کے تحت نہیں آتی، جیسے نقد خرید وفروخت میں جو بھی قیمت ہو وہ مبیع یعنی خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے، اسی طرح ادھار خرید وفروخت کے مقابلہ میں بھی طے شدہ قیمت خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے۔

۲-متعینہ مدت میں قیمت یا قسط کے ادانہ کرنے کی صورت میں مزید کسی طرح کی زیادتی کا مطالبہ اور معاملہ سود کے تحت داخل ہے، خواہ معاملہ کرتے وقت اس طرح کی شرط لگائی گئی ہو، یا یہ کہ بعد میں اس طرح کا مطالبہ کیا جائے۔

۳-جس شخص نے بطور رہن (گروی) کوئی سامان اپنے پاس رکھا ہو، اس کا رہن رکھے ہوئے سامان سے نفع اٹھانا سود ہے، جو کسی حال میں جائز نہیں۔

۴-طے شدہ مدت تک بعض قسطوں کو ادا کردینے کے بعد بقیہ قسطوں کے ادانہ کرنے کی صورت میں بائع (فروخت کنندہ) کو یہ حق نہیں ہے کہ فروخت کردہ شئ کو واپس لے لے اور ادا کردہ قسطوں کو واپس نہ کرے۔

۵-قرض کی دستاویز (رسیدات، پرچیاں وغیرہ) کا کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا کہ اب وہ قرض وصول کرے اور مالک ہوجائے، قرض دینے والا یا واجبات کا مستحق واجب رقم سے کم لے کر اس معاملہ سے علیحدہ ہوجاتا ہے، اس طرح خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔(ص:۱۲۵--۱۲۶)

(۲۱) اگر ایک شخص کسی بائع (فیکٹری وغیرہ) سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردے، اور ابھی خریدا ہوا مال فیکٹری سے روانہ بھی نہ کیا ہو تو یہ صورت بیع قبل القبض میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے۔(ص:۱۳۲)

(۲۲) شیئرز اور ان کی خرید وفروخت:

۱-کسی کمپنی کا خرید کردہ اکویٹی شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، وہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے۔

۲-ایسے کمپنیوں کے شیئرز کی ابتدائی خریداری جو ابھی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مرحلے سے گزر رہی ہیں، شرعاً خریداری نہیں، بلکہ

اس کمپنی میں شرکت ہے۔

۳- عام طور پر کمپنیوں کی دوسری املاک نقد سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے کمپنیز کے شیئرز کی خریداری درست ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ ادا کردہ نقد اس مقدار نقد کے برابر یا اس سے کم ہے جس کی شیئرز نمائندگی کرتا ہے، تو ایسی صورت میں شیئرز کی خریداری اس کی مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر درست نہ ہوگی۔

۴- جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً شراب وخنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵- چونکہ فی الحال ایسی کمپنیاں ہندوستان میں موجود نہیں ہیں، یا بہت کم ہیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہوں، اس لئے جنمسلمانوں کے پاس نقد سرمایہ ہو اور اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے جائز تجارت میں اس سرمایہ کو لگانا قابل عمل نہ ہو، ان کے لئے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے، جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو (مثلاً انجینئرنگ کے سامان یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا) اگرچہ انہیں بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۶- جنمسلمانوں نے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے، لیکن کمپنیز حتمی طور پر بعض ناجائز تصرفات میں بھی ملوث ہوتی ہیں، انمسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شیئرز ہولڈرس کی سالانہ میٹنگ میں کمپنی کو آئندہ ایسے ناجائز تصرفات سے روکنے کی کوشش کریں، اور دوسرے شیئر ہولڈرس کو افہام وتفہیم کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی کریں کہ وہ بھی ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے میٹنگ میں ان کی تائید کریں۔

۷- اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر صدقہ بلانیت ثواب کردینا ضروری ہے۔

۸- اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے، اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے نکال کر بلانیت ثواب اپنی ملک سے نکال دینا ضروری ہے۔

۹- حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے۔

۱۰- فیوچر سیل (Futuresale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا، بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، اسلامی شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے، کیونکہ یہ کھلا ہوا جوا ہے۔

۱۱- غائب سودا (Forwordsale) جس میں بیع تو ہو جاتی ہے، لیکن اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، بیع نہیں وعدہ بیع ہے، مقررہ تاریخ آنے پر ایجاب وقبول ہونے کے بعد ہی بیع وجود میں آئے گی۔

۱۲- حاضر سودے (Cashsale-Spotsale) میں شیئر سرٹیفیکٹ پر قبضہ سے پہلے خریدکردہ شیئرز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۳- شیئر سرٹیفکٹ حاصل ہونے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ متحقق ہو جاتا ہے، اگرچہ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کمپنی میں اس کا نام اندراج نہ ہو سکا ہے، لہٰذا اس شیئر کو خریدار فروخت کر سکتا ہے۔

۱۴- جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے، ان کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، ناجائز اور حرام

کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت میں بحیثیت بروکر کام کرنا جائز نہیں ہے۔(ص:۱۳۵-۱۳۷)

(۲۳) ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے، اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان ان کے شیئرز خرید سکتا ہے۔(ص:۱۳۸)

(۲۴) ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، ان کے شیئرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔(ص:۱۳۸)

(۲۵) **پگڑی کی شرعی حیثیت:**

۱- مالک مکان زرضمانت وڈپوزٹ کے نام سے کرایہ دار سے جو پیشگی رقم وصول کرتا ہے، بہتر ہے کہ اس کو بعینہٖ محفوظ رکھا جائے، اگر اس کو خرچ کر دے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہوتے ہی وہ رقم کرایہ دار کو فوراً واپس کر دے۔

۲- اگر کوئی مکان یا دوکان کرایہ پر دیا جائے اور مالک مکان مروجہ پگڑی کے نام پر اصل ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی نقد رقم کرایہ دار سے وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالک مکان نے بحیثیت مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کر لیا ہے۔ یہ رقم اس کے لئے اس حق کے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگی۔ آئندہ اگر مالک مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کے عوض جس پر ہر دو فریق راضی ہو جائیں مالک مکان سے وصول کرلے، اور اسی طرح کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو اس نے اصل مالک سے عوض دے کر حاصل کیا تھا دست بردار ہو سکتا ہے۔

۳- مالک مکان نے پگڑی لئے بغیر مکان کرایہ پر دیا اور اجارہ کی مدت معاہدہ میں مقرر نہیں کی گئی ہو تو اس صورت میں مالک مکان کو حق ہوگا کہ جب چاہے مکان خالی کرالے۔ البتہ مالک مکان کو چاہئے کہ خالی کرانے کا نوٹس اور خالی کرنے کی تاریخ کے درمیان ایسی مہلت دے جو مقامی حالت کے پیش نظر مناسب ہو اور جس میں مالک اور کرایہ دار کو کوئی خاص ضرر لاحق نہ ہو، اور کرایہ دار کو چاہئے کہ اس مناسب مہلت میں مکان خالی کر دے۔

۴- جو مکان یا دوکان بغیر پگڑی لئے کرایہ پر دی گئی ہو، پھر مالک مکان کو مکان واپس کرتے وقت کرایہ دار کے لئے اس سے پگڑی طلب کرنا جائز نہ ہوگا۔

۵- سمینار مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اپنے معاملات میں شریعت کا خاص خیال رکھیں، شریعت چاہتی ہے کہ کسی بھی معاہدہ کے بارے میں معاہدہ کے ہر دو فریق تمام ضروری متعلقہ امور کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ باہم طے کرلیں تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو، اور فریقین ضرر سے محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں سمینار خصوصیت سے یہ سفارش کرتا ہے کہ کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت مدت کا تعین کرلیا جائے اور اگر مالک مکان عوض لے کر ہمیشہ کے لئے اپنے مکان خالی کرانے کے حق سے دستبردار ہونا چاہتا ہے تو فریقین صراحۃً آپس میں اس کو طے کرلیں۔(ص:۱۳۹-۱۴۰)

(۲۶) **بنک انٹرسٹ (سود):** بنک انٹرسٹ کے سود ہونے پر شرکاء سمینار کا اتفاق ہے۔ اس سلسلہ میں طے پایا کہ:

۱- بنکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے، بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے۔

۲- بینک کے سود کی رقم کو بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر خرچ کر دیا جائے، اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳- سود کی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہِ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء ومساکین تک محدود رکھنا چاہئے۔ (ص:۱۴۱)

(۲۷) **انشورنس:** مروجہ انشورنس اگرچہ شریعت میں ناجائز ہے، کیونکہ وہ ربوٰ (سود)، قمار (جوا)، غرر جیسے شرعی طور پر ممنوع معاملات پر مشتمل ہے، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ مسلمانوں کی جان ومال، صنعت وتجارت وغیرہ کو فسادات کی وجہ سے ہر آن شدید خطرہ لاحق رہتا ہے، اس کے پیش نظر ''الضرورات تبیح المحظورات''، رفع ضرر، دفع حرج اور تحفظ مال کی شرعاً اہمیت کی بنا پر ہندوستان کے موجودہ حالات میں جان ومال کا بیمہ کرانے کی شرعاً اجازت ہے۔

(واضح رہے کہ فقہ اکیڈمی کی طرف سے یہ تجویز اور سمینار میں شریک اہل علم کی طرف سے اس کی تائید کا یہ مطلب نہیں کہ انشورنس مسلمانوں کی حفاظت کا ضامن ہے، اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس انشورنس کے بعد جو بھی صورت پیش آئے اس میں ملنے والی سب رقم انشورنس کرانے والوں کے لئے جائز ودرست ہوگی، بلکہ اس میں تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ صرف فسادات کی صورت میں جان ومال کے نقصان کے بعد جو کچھ ملے اور جو حق قانون وضابطہ میں بتایا جائے، اس کے مطابق ملنے والا مال تو انشورنس کرانے والوں کے لئے جائز ودرست ہوگا اور بقیہ صورتوں میں صرف اپنی جمع کردہ رقم کے بقدر لینا اور استعمال کرنا جائز ہوگا، زائد کا نہیں، اور انشورنس کی صورت میں زائد کے جواز کی جہت حکومت کی نااہلی اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے اس کی طرف سے اور اس پر ضمان کی ہے۔)

(۲۸) **سود:**

۱- ربوٰ (سود) قطعی حرام ہے، اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے۔

۲- سود ادا کرنے کی حرمت بذات خود نہیں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سود خواری کا ذریعہ ہے، اس لئے بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کرکے قرض لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ کون سا عذر معتبر ہے اور کون سا نہیں، اور کون سی حاجت قابل لحاظ ہے اور کونسی قابل لحاظ نہیں، اس سلسلہ میں معتمد اصحاب افتاء کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔

۳- ہندوستان میں محض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن پر سرکار کی طرف سے چھوٹ (Subsidy) دی جاتی ہے، اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے۔ اگر سود کے نام سے لی جانے والی اضافی رقم چھوٹ (Subsidy) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں۔

۴- ہندوستان میں حکومت جب اراضی مملوکہ کو اکوائر کرتی ہے (یعنی بحکم سرکاری وہ اراضی مفاد عامہ کے لئے خریدی جاتی ہیں) اور حکومت اس کی قیمت مالکان اراضی کو اپنے ضابطوں کے پیش نظر اپنی منشا کے مطابق ادا کرتی ہے۔ مالکان اراضی سرکاری حکم کے خلاف عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں، عدالتیں عادلانہ قیمت کا تعین کرتی ہیں اور مالکان اراضی کو اکوزیشن کی تاریخ سے بذریعہ فیصلہ عدالت اس قیمت کے علاوہ اضافی رقم بھی سود کے نام سے دلاتی ہیں۔ سمینار کی رائے میں یہ اضافی رقم سود نہیں، بلکہ قیمت کا جزء ہے، جس کا لینا اور اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے۔ (ص:۱۵۱-۱۵۰)

(۱۲۹) اسلامی مالیاتی ادارہ کو ریزروبینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایہ کا پانچ فیصد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے، تو شرکاء سمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بتدریج محفوظ سرمایہ بنا دیا جائے اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔ (ص:۱۵۲)

(۳۰)بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ:

۱- چونکہ معاملہ میں اصل اباحت ہے، اس لئے اے ٹی ایم کارڈ جس کے ذریعہ مشین سے اپنی جمع کردہ رقم نکالی جاتی ہے، کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

۲-ڈیبٹ کارڈ کا استعمال، اس کے ذریعہ خرید وفروخت اور ایک کھاتہ سے دوسرے کھاتہ میں رقم کی منتقلی درست اور جائز ہے۔

۳-اے ٹی ایم کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ کے حصول اور استعمال کے لئے جو رقم ادا کی جاتی ہے، وہ کارڈ کا معاوضہ اور سروس چارج ہے، اس لئے اس کا ادا کرنا جائز ہے۔

۴- کریڈٹ کارڈ کی مروج صورت چونکہ سودی معاملہ پر مشتمل ہے، لہٰذا کریڈٹ کارڈ یا اس قسم کے کسی کارڈ کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔(ص:۱۶۳)

(۳۱)نیٹ ورک مارکٹنگ:

۱- ملٹی لیول مارکٹنگ کی مروجہ شکلیں مختلف مفاسد کو شامل ہیں، اس میں دھوکہ، غرر، مبیع کو ایک غیر متعلق چیز کے ساتھ مشروط کرنا، ایک معاملہ کو دو معاملوں سے مرکب بنادینا اور شبہ قمار وغیرہ خلاف شرع باتیں پائی جاتی ہیں، اور خریداروں کا اصل مقصد سامان خریدنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ غیر معمولی کمیشن حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لئے اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔

۲- چونکہ اس میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے دوسروں کو اس میں شریک کرنا اور نیچے کے ممبروں کی وساطت سے کمیشن حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔(ص:۱۶۴)

(۳۲)خواتین کی ملازمت:

۱- عام حالات میں شریعت نے خواتین پر کسب معاش کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے، لیکن شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کے لئے کسب معاش مباح ہے۔

۲- شریعت نے اصولی طور پر خواتین پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے، البتہ بعض حالات میں ان پر نفقہ کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔

۳-شرعی حدود وشرائط کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے عورت کے لئے معاشی جدوجہد جائز ہے۔

۴- عورت کے اندرون خانہ کسب معاش کے لئے کوئی صورت اختیار کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ اس سے شوہر اور بچوں کے حقوق متاثر نہ ہوں۔

۵- شوہر یا ولی (سرپرست) اگر عورت کی کفالت کررہے ہوں تو پھر عورت کے لئے کسب معاش کی غرض سے باہر جانے کے لئے ان کی اجازت ضروری ہے۔

۶-رات میں کسب معاش کی خاطر عورت کے باہر نکلنے کے لئے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

۷-خواتین کسب معاش کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

الف: ولی یا شوہر کی اجازت شامل ہو، سوائے اس کے کہ ولی یا شوہر نفقہ نہ دیتا ہو اور اس کے لئے خود کسب معاش کے سوا چارہ نہ ہو۔

ب: شرعی پردہ کی مکمل رعایت ہو۔

ج: لباس مردوں کے لئے باعث کشش نہ ہو۔

د: خوشبو کے استعمال سے پرہیز ہو۔

ہ: مردوں سے اختلاط بالکل نہ ہو۔

و: اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی کی نوبت نہ آئے۔

ز: شوہر اور بچوں کے حقوق سے بے اعتنائی نہ ہو۔

۸- ملازمت کرنے والی خواتین ایسے اداروں میں کام کریں جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں، لیکن ادارہ کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ادارہ کا کوئی مرد تنہائی میں کسی خاتون کارکن سے بات نہ کرے، اگر ذمہ دار مردوں کے ساتھ تبادلہ خیال کی ضرورت ہو تو خواتین پردہ کے اہتمام کے ساتھ بیٹھیں، اپنی آواز میں لوچ سے پرہیز کریں، اسی طرح خواتین کارکن ذمہ دار مردوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور بے تکلفی کا ماحول ہرگز نہ بنائیں۔

۹- جوان عورتوں کے لئے ایسے اداروں میں کام کرنا جائز نہیں جہاں ان کے ساتھ مرد کارکن بھی شریک کار ہوں۔

۱۰- ملازمت کی غرض سے عورت کا اپنے گھر اور اپنے اقارب سے دور تنہا مستقل قیام کرنا جائز نہیں، اگر کسی عورت کے ساتھ بہت مجبوری ہو تو پھر وہ مفتی سے رابطہ کر کے اپنی مشکل کا حل تلاش کر سکتی ہے۔(ص ۱۷۰-۱۶۸)

(۳۳) طبّی مسائل:

۱- علاج کرنے کا حق اس شخص کو حاصل ہے جو فن کا علم رکھتا ہو اور تجربہ کار ہو، اور اس کے علم اور تجربہ کی کسی مستند و معتبر ذریعہ نے تصدیق کی ہو، صحیح علم و تجربہ کے بغیر علاج و معالجہ کرنا جائز نہیں۔ جس شخص کو علاج معالجہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اگر اس کے علاج کی وجہ سے مریض کو غیر معمولی ضرر لاحق ہو جائے تو ضمان عائد ہوگا۔

۲- اگر کسی مستند معالج (ڈاکٹر، حکیم) نے علاج میں کوئی کوتاہی کی اور اس کی وجہ سے مریض کو ضرر پہنچ گیا تو معالج ضامن ہوگا۔

۳- قدرت کے باوجود مریض یا اس کے اولیاء (سرپرست و ذمہ دار حضرات) کی اجازت کے بغیر اگر ڈاکٹر مریض کا آپریشن کر دے اور آپریشن مضر یا مہلک ثابت ہو تو ضمان لازم آئے گا۔

۴- اگر مریض بے ہوش ہو، اور اس کے اولیاء وہاں موجود نہ ہوں اور ڈاکٹر یہ محسوس کرتا ہو کہ اس کی جان یا عضو کی حفاظت کے لئے فوری آپریشن ضروری ہے، اور اس نے اجازت کے بغیر آپریشن کر دیا مگر مریض کو نقصان پہنچ گیا تو ڈاکٹر ضامن نہ ہوگا۔

۵- ڈرائیور کی بینائی متاثر ہونے کی صورت میں ڈاکٹر پر ضروری ہے کہ وہ متعلقہ محکمہ کو باخبر کر دے، اسی طرح ہوائی جہاز کا پائلٹ یا ٹرین اور بس کا ڈرائیور اگر نشہ کا عادی ہو اور اس سے مسافروں کو خطرہ لاحق ہو تو ڈاکٹر پر لازم ہوگا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو آگاہ کر دے۔

۶- اگر ڈاکٹر کو اپنے مریض کے جرم کی اطلاع ہو اور جرم میں کوئی بے گناہ شخص ماخوذ ہو رہا ہو تو اس بے گناہ شخص کی براءت کے لئے ڈاکٹر پر حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے، رازداری سے کام لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔(ص:۱۷۳--۱۷۴)

(۳۴) ضبطِ ولادت:

۱- جو بچہ موجود ہے، اس کی پرورش، رضاعت (دودھ پلانا) اور نشو و نما میں اگر ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ

ہے تو ایسی صورت میں مناسب وقفہ قائم رکھنے کی خاطر عارضی مانع حمل تدابیر اختیار کرنا جائز ہے۔

۲- دائمی منع حمل کی تدابیر کا استعمال مردوں کے لئے کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، عورتوں کے لئے بھی منع حمل کی مستقل تدابیر ممنوع ہیں، سوائے ایک صورت کے، وہ استثنائی صورت یہ ہے کہ ماہر قابل اعتماد اطباء کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کی جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا ظن غالب ہو، تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کرادینا تاکہ استقرار حمل نہ ہوسکے، جائز ہے۔(ص:۱۷۵--۱۷۶)

(۳۵) اعضاء کی پیوند کاری:

۱- کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہوچکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کے لئے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے:

الف: غیر حیوانی اجزاء کا استعمال (جائز ہے)

ب: ایسے جانوروں کے اعضاء کا استعمال جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو بطریقۂ شرعی ذبح کئے گئے ہوں (جائز ہے)

ج: جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے، یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کئے گئے ہیں تو ان کا استعمال جائز ہے۔ اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیز کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں۔

۲- ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

۳- اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

۴- اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کرسکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت میں ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے، تو ایسی ضروری، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوند کاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

۵- اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے، اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے، تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔

۶- اگر کسی نے ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء پیوند کاری کے لئے استعمال کئے جائیں، جسے عرف عام میں وصیت کہا جاتا ہے، از روئے شرع اسے اصطلاحی طور پر وصیت نہیں کہا جاسکتا اور ایسی وصیت اور خواہش شرعاً قابل اعتبار نہیں۔(ص:۱۷۷--۱۷۸)

(۳۶) ایڈز:

۱- اگر کوئی ایڈز کا مریض ہو مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کر لیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہو گا۔ اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے اور خطرناک حد تک پہنچ جائے تو خاتون کے لئے فسخ نکاح کا حق ہو گا۔

۲- ایڈز کی مریضہ اگر حاملہ ہو جائے اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہے کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہو گا، تو ایسی صورت میں حمل میں جان آنے سے پہلے جس کی مدت فقہاء نے ۱۲۰/ دن لکھی ہے، اسقاط کرانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۳- ایڈز کے مریض کو اگر مرض نے پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور وہ زندگی کے معمولات کو ادا کرنے سے معذور ہو گیا ہو تو ایسے شخص کو مرض موت کا مریض سمجھا جائے گا۔

۴- ایڈز کے مریض کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقین کو اس مرض سے مطلع کر دے اور خود بھی احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھے۔ (ص:۱۷۹)

(۳۷) کلوننگ:

۱- کلوننگ کے سلسلہ میں جو تفصیلات اور صورتیں اب تک سامنے آئی ہیں، اور ان کی وجہ سے جن اخلاقی اور سماجی نقصانات کا خطرہ ہے، ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی بھی طریقہ پر انسانی کلوننگ حرام ہے۔

۲- نباتات وحیوانات میں ایسی کلوننگ جو انسانی مفاد میں ہو اور جو انسان کے لئے دینی، اخلاقی اور جسمانی اعتبار سے مضرت رساں نہ ہو، جائز ہے۔ (ص:۱۸۱)

(۳۸) الکحل:

۱- الکحل ایک کیمیائی مادہ ہے، جو مختلف پھلوں اور اناج کے نشاستہ (Carbohydrate) یا شکر سے بنایا جاتا ہے، اس کی بہت ساری قسمیں ہیں، جن میں صرف ایک قسم نشہ آور ہے۔

۲- بعض دوائوں میں ایتھائل الکحل (EthylAlcohal) کا استعمال ہوتا ہے، یہ الکحل نشہ آور ہے، اور دوا میں شامل ہونے کے بعد بھی اس کی حقیقت نہیں بدلتی، لیکن علاج ومعالجہ کے باب میں شریعت نے جو سہولت روا رکھی ہے، اس کے تحت مجبوراً الکحل آمیز ادویہ کا استعمال درست ہے۔

۳- عطریات میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، فنی ماہرین کی تحقیق واطلاع کے مطابق وہ نشہ آور نہیں ہے، اس لئے یہ ناپاک نہیں ہے۔ (ص:۱۸۳)

(۳۹) میڈیکل انشورنس:

۱- میڈیکل انشورنس، انشورنس کے دوسرے تمام شعبوں کی طرح بلاشبہ مختلف قسم کے ناجائز امور پر مشتمل ہے، لہٰذا عام حالات میں میڈیکل انشورنس ناجائز ہے، اور اس حکم میں سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲- اگر قانونی مجبوری کے تحت میڈیکل انشورنس لازمی ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن جمع کردہ رقم سے زائد جو علاج میں خرچ ہو، صاحب استطاعت کے لئے اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ص:۱۸۴)

(۴۰) جنیٹک ٹسٹ:

۱- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ ثابت ہو جائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ایسا ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہے، جو نا قابل علاج ہے اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لئے تکلیف دہ رہے گی تو ایسی صورت میں حمل پر ایک سو بیس (۱۲۰) دن گذرنے سے پہلے پہلے والدین کے لئے اس کا اسقاط جائز ہے۔

۲- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقص کے امکانات ہیں، تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلہ تولید کو روکنا قطعاً نا جائز ہے۔

۳- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ کسی شخص کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ آئندہ جنون یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو سکتا ہے، جو شرعاً فسخ نکاح کا سبب ہے، تو فسخ نکاح کے لئے محض یہ ٹسٹ کافی نہیں ہو گا۔

۴- علاج کی غرض سے امراض کی شناخت اور تحقیق کے لئے جنیٹک ٹسٹ کرانا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ (ص:۱۸۵)

(۴۱) ڈی این اے ٹسٹ:

۱- جس بچہ کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو، اس کے بارے میں ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

۲- اگر کسی بچہ کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچہ کا نسب ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ متعین کیا جا سکتا ہے۔

۳- جو جرائم موجب حد و قصاص ہیں، ان کے ثبوت کے لئے منصوص طریقوں کے بجائے ڈی این اے ٹسٹ کا اعتبار نہیں ہو گا۔

۴- حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹسٹ سے مدد لی جا سکتی ہے اور قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔ (ص:۱۸۶)

(۴۲) موت کی حقیقت اور مصنوعی آلہ تنفس:

۱- جب سانس کی آمد و رفت پوری طرح رک جائے اور موت کی علامات ظاہر ہو جائیں، تب ہی موت کے واقع ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اور اسی وقت سے موت سے متعلق وصیت کا نفاذ، میراث کا اجراء اور عدت کا آغاز وغیرہ احکام جاری ہوں گے۔

۲- اگر مریض مصنوعی آلۂ تنفس پر ہو، لیکن ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس نہ ہوئے ہوں اور امید ہو کہ فطری طور پر تنفس کا نظام بحال ہو جائے گا، تو مریض کے ورثہ کے لئے اسی وقت مشین کا ہٹانا درست ہو گا جبکہ مریض کی املاک سے اس علاج کو جاری رکھنا ممکن نہ ہو، نہ ورثہ ان اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور نہ کوئی اور ذریعہ میسر ہو۔

۳- اگر مریض آلۂ تنفس پر ہو اور ڈاکٹروں نے مریض کی زندگی اور فطری طور پر نظام تنفس کی بحالی سے مایوسی ظاہر کر دی ہو تو ورثہ کے لئے جائز ہو گا کہ مصنوعی آلۂ تنفس علاحدہ کر دیں۔ (ص:۱۸۷)

(۴۳) یوتھینزیا کا حکم:

۱- کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے یا اس کے متعلقین کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات دلانے کے لئے عمداً ایسی تدبیر کرنا کہ جس سے اس کی موت واقع ہو جائے حرام ہے اور یہ قتل نفس کے حکم میں ہے۔

۲- ایسے مریض کو گو مہلک دوا نہ دی جائے، مگر قدرت کے باوجود اس کا علاج ترک کر دیا جائے تاکہ جلد سے جلد اس کی موت واقع ہو جائے، یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (ص:۱۸۸)

(۴۴) **پلاسٹک سرجری:**

۱- جسمانی عیب دور کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز ہے، اور عیب سے مراد جسم میں پائی جانے والی ایسی صورت ہے، جو معروف و معتاد اور عمومی تخلیقی کیفیت سے مختلف ہو، چاہے پیدائشی ہو یا بعد میں پیدا ہو جائے۔

۲- جسمانی تکلیف کے ازالہ کے لئے - اگر ڈاکٹر کا مشورہ ہو - پلاسٹک سرجری جائز ہے۔

۳- درازی عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی ظاہری حیثیت میں جو تغیر آتا ہے، جیسے جھریوں کا پیدا ہو جانا وغیرہ، ان کو ختم کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہے۔

۴- ناک اور دوسرے اعضاء خلقی طور پر کم خوبصورت اور غیر مناسب ہوں، مگر انسان کی عمومی معتاد خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں تو زینت اور محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

۵- اپنی شناخت چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں، سوائے اس کے کہ مظلوم کو ظالم سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑے۔ (ص:۱۸۹)

(۴۵) **وظیفہ طلبہ:** مدرسہ میں طلبہ کے قیام و طعام اور تعلیم وغیرہ پر جو مجموعی مصارف آتے ہیں، ان کا حساب لگا کر ہر طالب علم پر واجب الادا ماہانہ اخراجات کے بقدر مد زکوٰۃ سے ادا کئے جائیں، یہ ادائیگی بصورت نقد یا چیک طالب علم کو دی جائے، اور خود مہتمم مدرسہ بھی یہ رقم زکوٰۃ اکاؤنٹ سے نکال کر مدرسہ کے عام اکاؤنٹ میں اس کی طرف سے جمع کر سکتا ہے، بشرطیکہ بوقت داخلہ، فارم داخلہ میں طالب علم کی طرف سے اور نابالغ ہو تو اس کے ولی کی طرف سے یہ تصریح کرا دی جائے کہ مہتمم مدرسہ اس کی طرف سے از مد زکوٰۃ اس کے اخراجات مدرسہ کو ادا کرنے کا مجاز ہو گا۔ (ص:۲۰۹)

”اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے“

سے ماخوذ

(۱) **انشورنس:** تجارتی بیمہ کی تمام صورتیں حرام ہیں، خواہ جان کا بیمہ ہو یا سامان تجارت کا بیمہ یا کسی اور چیز کا۔ (ص:۵۷)

(۲) **قسم کھاتے وقت توریت یا انجیل پر ہاتھ رکھنا:** کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ قسم کھاتے وقت توریت یا انجیل پر ہاتھ رکھے۔۔۔۔ اگر کسی غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم لینے والے کے لئے ان پر ہاتھ رکھنا ضروری قرار دیتی ہو تو مسلمان کو چاہئے کہ وہ عدالت سے قرآن پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے، اگر اس کا مطالبہ نہ مانا جائے تو مجبوراً تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ (ص:۱۱۹--۱۲۰)

(۳) **خطبہ و نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:** خطبہ جمعہ و عیدین، نماز میں قراءت اور تکبیروں میں لائوڈا سپیکر کے استعمال میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، انسان کی ایجاد کردہ ہر نئی چیز سے کوئی شرعی غرض یا اسلام کے کسی واجب کی تکمیل ہوتی ہے اور

ایسی کامیابی ملتی ہے جو اس کے بغیر نہیں ملتی تو وہ چیز اسی درجہ میں مطلوب ہو گی، جس درجہ میں اس سے شرعی مقاصد پورے ہوتے ہوں، معروف اصولی قاعدہ ہے کہ 'واجب کی تکمیل جس چیز پر موقوف ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے'۔ (ص:۱۳۵)

(۴) **کرنسی نوٹ:**

۱- کرنسی نوٹ بذات خود نقد ہے، اور اس پر سونے چاندی کا حکم جاری ہو گا، چنانچہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی اور اس میں زیادتی اور ادھار دونوں قسم کے سود جاری ہوں گے۔

۲- مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف جنس ہوں گی۔

۳- ایک جنس کی کرنسی کا باہم تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، خواہ نقد ہو یا ادھار۔

۴- ایک جنس کی کرنسی سے دوسری جنس کی کرنسی کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، البتہ ادھار تبادلہ جائز نہیں ہے۔

۵- کرنسی نوٹ کی قیمت سونے اور چاندی کے نصاب میں سے کمتر نصاب کے بقدر ہو جائے یا دیگر نقود یا سامان تجارت کے ساتھ مل کر نصاب پورا ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

۶- بیع سلم اور کمپنیوں میں کرنسی نوٹ کو رأس المال بنانا درست ہے۔ (ص:۱۳۸--۱۳۹)

(۵) **غیر اسلامی تقریبات:** غیر اسلامی تہواروں اور تقریبات میں مسلمانوں کی شرکت شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے، مسلمانوں کے لئے ان میں نہ شرکت جائز ہے، نہ ان کے ذمہ داروں کو ہدیہ پیش کرنا اور نہ ان کی رسومات میں ان کی موافقت کرنا اور نہ ان کے مقامات کی زیارت کرنا، کیونکہ ان میں اسلام مخالف امور انجام پاتے ہیں۔ (ص:۱۵۹)

(۶) **قرآنی رسم الخط:** قرآن کے عثمانی رسم الخط میں تبدیلی جائز نہیں ہے اور موجودہ رسم الخط میں اسے باقی رکھنا واجب ہے، تاکہ ایک دائمی دلیل وحجت اس بات کی ہو کہ قرآن کے متن میں کسی قسم کی تحریف یا تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اس کی پابندی ہی میں صحابہ کرام اور ائمہ سلف کی پیروی واتباع بھی ہے۔ (ص:۱۷۷)

(۷) **مصنوعی بار آوری اور ٹسٹ ٹیوب بے بی کا حکم:**

۱- ایک شادی شدہ مرد کا نطفہ لے کر اس کی زوجہ کی اندام نہانی یا رحم میں مناسب مقام پر انجکٹ کر دیا جائے۔۔۔، اس طریقہ کو اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب مرد کے اندر کوئی ایسی کمی ہو کہ وہ اپنا مادہ منویہ دوران مباشرت عورت کے مناسب مقام تک نہ پہنچا سکے۔ یہ طریقہ اس تحقیق کے بعد جائز ہے کہ حمل کے لئے عورت اس طریقہ کی محتاج ہے۔

۲- شوہر کا نطفہ اور اس کی زوجہ کا انڈا لے کر مقررہ فیزیکلی شرائط کے مطابق ایک طبی ٹسٹ ٹیوب میں رکھا جائے، جہاں ان دونوں میں بار آوری ہو، پھر جب بار آور شدہ حصہ تقسیم اور بکھراؤ کا عمل شروع کر دے تو مناسب وقت میں اسے نکال کر اسی خاتون کے رحم میں ڈال دیا جائے۔ اس طریقہ کو اس وقت اپنایا جاتا ہے جب بیوی اس وجہ سے بانجھ ہو کہ وہ ٹیوب بند ہو جو اس کی انڈا دانی اور رحم کے درمیان جڑی ہوتی ہے (فلوپین ٹیوب) یہ طریقہ شرعی نقطۂ نظر سے اپنی ذات میں اصولاً درست ہے، لیکن اس سے وابستہ دیگر امور اور شک کے اسباب سے پوری طرح محفوظ نہیں ہے، لہٰذا اس طریقہ کو انتہائی ضرورت کے حالات میں ہی اختیار کرنا چاہئے۔

۳- مذکورہ بالا دونوں جائز طریقوں میں اکیڈمی طے کرتی ہے کہ نومولود کا نسب نطفہ اور انڈا دینے والے زوجین (شوہر اور بیوی) سے ثابت ہو گا، میراث اور دیگر حقوق ثبوتِ نسب کے تابع ہوتے ہیں، لہٰذا بچہ کا نسب جس مرد وعورت سے ثابت ہو گا وراثت اور دیگر

احکام بھی بچہ اور ان کے درمیان جاری ہوں گے جن کے ساتھ بچہ کا نسب ثابت ہوا ہے۔

۴- مصنوعی بار آوری کے دیگر تمام طریقے حرام ہیں، مثلاً: (۱) ایک شخص کا نطفہ دوسرے شخص کے بیوی کے مناسب مقام پر انجکٹ کر دینا، (۲) شوہر کا نطفہ اور کسی دوسری عورت جو اس کی زوجہ نہیں ہے (جسے رضاکار کہتے ہیں) کے انڈے کو لے کر ٹسٹ ٹیوب کے اندر بار آوری کی جائے، پھر اسے اس شخص کی بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے، (۳) ایک اجنبی مرد و عورت کا نطفہ اور انڈا لے کر ٹسٹ ٹیوب میں بار آوری کے لئے رکھا جائے، پھر اسے کسی دوسری شادی شدہ عورت کے رحم میں ڈال دیا جائے، یا (۴) ٹسٹ ٹیوب کے اندر بیرونی بارآوری زوجین کے انڈوں کے درمیان کی جائے، پھر اسے حمل کے لئے رضاکار عورت کے رحم میں ڈال دیا جائے، یہ تمام طریقے حرام ہیں۔

۵- مصنوعی بار آوری میں عام طور پر حتی کہ اس کی جائز شکلوں میں بھی دوسرے امور وابستہ ہوتے ہیں، نطفوں یا بار آور حصوں کے ٹسٹ ٹیوب میں اختلاط کے امکانات ہوتے ہیں، بالخصوص جبکہ یہ کام کثرت سے اور عام ہو جائے، اس لئے اکیڈمی دین کا جذبہ رکھنے والوں کو نصیحت کرتی ہے کہ وہ اس طریقہ کو اختیار نہ کریں، الا یہ کہ انتہائی سخت ضرورت ہو، اور آخری درجہ احتیاط اور نطفوں یا بار آور شدہ حصوں کے اختلاط سے مکمل تحفظ کے ساتھ کیا جائے۔ (ص:۱۸۸--۱۹۴)

(**تنبیہ:** ایک عورت کے معالجہ کے عام مسائل میں جو شرائط اور ترتیب کتاب النکاح وغیرہ میں موجود ہیں، ان کا لحاظ یہاں بھی ضروری ہے)

(اکیڈمی کے بعض علماء کا اختلاف اصل کتاب میں ملاحظہ کیجئے۔ ص:۲۰۳--۲۱۰)

(۸) اعضاء کی پیوند کاری:

اول: کسی زندہ انسان کا کوئی عضو دوسرے انسان کے جسم میں لگا دینا جو اپنی زندگی بچانے کے لئے یا اپنے بنیادی اعضاء کے عمل میں سے کسی عمل کو بحال کرنے کے لئے اس کا ضرورت مند ہو ایک جائز عمل ہے، بشرطیکہ:

۱) عضو کے لینے سے اس شخص کی طبعی زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچے، ورنہ ایسی پیشکش اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہوگی جو شرعاً ناجائز ہے۔

۲) رضاکارانہ اور بغیر کسی دبائو کے عضو دیا جائے۔

۳) مریض کے علاج کے لئے عضو کی پیوند کاری میں طبی نقطۂ نظر سے تنہا ممکن ذریعہ رہ گیا ہو۔

۴) عضو لینے اور عضو لگانے کے عمل کی کامیابی غالباً یا عادۃً یقینی ہو۔

دوم: مندرجہ ذیل حالتیں بدرجہ اولیٰ جائز شمار کی جائیں گی:

۱- کسی مردہ انسان کا عضو دوسرے ضرورت مند انسان کے تحفظ کے لئے حاصل کیا جائے، بشرطیکہ جس کا عضو لیا جا رہا ہو وہ مکلف ہو اور زندگی میں اس کی اجازت دے چکا ہو (شیخ صالح بن فوزان اسے ناجائز قرار دے رہے ہیں، جبکہ ابو بکر زید متوقف ہیں)

۲- کسی مطلقاً ماکول اللحم (حلال) اور ذبح شدہ جانور کا یا بوقت ضرورت دوسرے کسی جانور کا عضو کسی ضرورت مند انسان میں پیوند کاری کے لئے لیا جائے۔

۳- انسانی جسم کا کوئی حصہ لے کر اسی انسان کے جسم میں اس کی پیوند کاری کی جائے۔

۴- معدنی یا کسی اور دھات کے مصنوعی ٹکڑے کو کسی مرض کے علاج کے لئے انسان کے جسم میں لگایا جائے، جیسے جوڑوں اور قلب کے والو وغیرہ کے لئے استعمال کیا جائے۔

یہ چاروں حالتیں سابقہ شرائط کے ساتھ اکیڈمی کی رائے میں جائز ہیں۔(ص:۲۰۰--۲۰۱)

(۹) لکڑی کے تابوت میں مسلمانوں کی تدفین:

۱- مسلمان کے لئے غیر مسلموں کی مشابہت اور تقلید کی نیت سے اختیار کیا جانے والا کوئی بھی عمل اور سلوک شرعاً ممنوع اور صریح احادیث کی رو سے ناجائز ہے۔

۲- تابوت میں تدفین سے اگر غیر مسلموں کی مشابہت مقصود ہو تو حرام، ورنہ بلاضرورت مکروہ ہے، بصورتِ ضرورت حرج نہیں۔(ص:۲۲۱)

(۱۰) انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویر: حضور اکرم ﷺ، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کی بھی کسی بھی طرح کی تصویر کسی بھی مقصد سے بنانا حرام اور ناجائز ہے، اور اس پر بندش لگانا واجب ہے۔(ص:۲۲۴)

(۱۱) پوسٹ مارٹم:

اول: مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت لاشوں کا پوسٹ مارٹم جائز ہے:

الف: اگر تعزیراتی مقدمہ میں موت یا جرم کے اسباب کی دریافت قاضی کے لئے دشوار ہو، اور پوسٹ مارٹم کے ذریعہ ہی اس کی دریافت ہوسکتی ہو۔

ب: اگر پوسٹ مارٹم کے متقاضی امراض کی دریافت مطلوب ہو تاکہ اس کی روشنی میں ان امراض کے لئے مناسب علاج اور ضروری احتیاطی اقدامات کئے جاسکیں۔

ج: اگر طب کی تعلیم و تدریس مقصود ہو، جیسا کہ میڈیکل کالجز میں رائج ہے۔

دوم: بغرض تعلیم پوسٹ مارٹم میں درج ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

الف: لاش اگر کسی معلوم شخص کی ہو تو موت سے قبل حاصل کی گئی خود اس کی اجازت یا موت کے بعد وارثین کی اجازت ضروری ہے، معصوم الدم لاش کا پوسٹ مارٹم بغیر ضرورت کے نہیں ہونا چاہئے۔

ب: پوسٹ مارٹم بقدر ضرورت ہی کیا جائے تاکہ لاشوں کے ساتھ کھلواڑ کی صورت نہ پیدا ہو۔

ج: خواتین کی لاشوں کا پوسٹ مارٹم خواتین ڈاکٹروں کے ذریعہ ہی کرنا ضروری ہے، سوائے اس صورت کے جب خاتون ڈاکٹر نہ ملیں۔

سوم: تمام حالات میں پوسٹ مارٹم شدہ لاش کے تمام اجزاء کی تدفین واجب ہے۔(مسلم لاش کے متعلق بعض علماء کے اختلاف کے لئے اصل کتاب کی طرف رجوع کریں)(ص:۲۶۳--۲۶۴)

(۱۲) موت کے بارے میں قطعی حکم اور انسانی جسم سے طبی آلات کی علاحدگی: جس مریض کے جسم میں زندگی برقرار رکھنے والے آلات لگے ہوں، اگر اس کے دماغ کی کارکردگی مکمل طور پر بند ہوجائے اور تین ماہر ڈاکٹر اس بات پر متفق ہوں

کہ اب دماغ کی یہ کارکردگی دوبارہ بحال نہیں ہوسکتی تو اس مریض کے جسم سے لگے ہوئے آلات ہٹالینا درست ہے، خواہ ان آلات کی وجہ سے مریض میں حرکت قلب اور نظام تنفس قائم ہو۔ البتہ مریض کی موت شرعاً اس وقت سے معتبر مانی جائے گی، جب ان آلات کے ہٹانے کے بعد قلب اور تنفس اپنا کام بند کردیں۔ (شیخ محمد جبیر کے نزدیک اگر ڈاکٹر فیصلہ کردیں کہ مریض کے دماغ کی پوری کارکردگی ختم ہوچکی ہے تو اسے مردہ قرار دیا جائے گا۔)(ص:۲۶۶--۲۶۷)

(۱۳) **باکسنگ:** اجلاس کی متفقہ رائے ہے کہ ان دنوں باکسنگ (مکہ بازی) کے جو مقابلے منعقد ہوتے ہیں وہ شریعت اسلامی میں بالکل حرام ہیں، ٹی وی پروگراموں پر انہیں نشر کرنا جائز نہیں ہے، تاکہ نئی نسل کے بچے انہیں سیکھنے اور نقل کرنے سے محفوظ رہیں۔(ص:۲۷۰)

(۱۴) **فری اسٹائل فائٹنگ:** یہ بھی شرعاً حرام ہے۔(ص:۲۷۰)

(۱۵) **کشتی:** کشتی کی دوسری شکلیں جو محض جسمانی ورزش کے لئے کھیلی جاتی ہیں، اور ان میں ایذاءرسانی کو مباح نہیں سمجھا جاتا ہے، شرعاً جائز ہیں۔(ص:۲۷۱)

(۱۶) **بیلوں کے ساتھ کشتی:** بعض ممالک میں رائج یہ کشتی ایک وحشیانہ عمل ہے اور ناجائز ہے۔(ص:۲۷۱)

(۱۷) **جانوروں کی لڑائی:** بعض ممالک میں اونٹوں، مینڈھوں، مرغوں وغیرہ کے لڑانے کا جو رواج ہے، جن میں ایک جانور دوسرے کو زخمی یا ختم کردیتا ہے، یہ بھی حرام ہے۔(ص:۲۷۱)

(۱۸) **بجلی کے شاک سے ماکول اللحم جانور ذبح کرنا:**

۱- اگر ماکول اللحم جانور کو بجلی کا شاک لگایا جائے، پھر اسے زندہ حالت میں ذبح یا نحر کیا جائے تو یہ شرعی ذبح ہے، اور اس جانور کا کھانا حلال ہے، لیکن ذبح کرنے سے پہلے ہی اس کی روح نکل جائے تو وہ مردار اور حرام ہے۔

۲- بجلی کے انتہائی تیز شاک لگانا اسلام میں ممنوع ہے۔

۳- اگر بجلی کے شاک معمولی ہوں کہ جانور کو اس سے تکلیف نہ پہنچتی ہو اور مقصود یہ ہو کہ ذبح سے جانور کو کم سے کم تکلیف پہنچے اور اس کی قوت مدافعت میں کمی آجائے تو اس مصلحت کے پیش نظر اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔(ص:۲۷۳--۲۷۴)

(۱۹) **مختلف مسالک کے درمیان فقہی اختلاف:** بعض مسائل میں فقہی اختلاف کے پس پشت کچھ علمی اسباب ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت اور بندوں پر اس کی رحمت کارفرما ہے، ساتھ ہی اس کی وجہ سے نصوص سے استنباط احکام کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔ یہ اختلاف ایک نعمت اور عظیم قانونی فقہی سرمایہ ہے، جس نے امت مسلمہ کو اپنے دین وشریعت کے سلسلہ میں انتہائی کشادگی اور آسانی عطا کی ہے، امت مسلمہ اس کی وجہ سے کسی ایک شرعی تطبیق میں اس طرح محدود ہوکر نہیں رہ جاتی ہے کہ اس سے تجاوز کا امکان نہ ہو، بلکہ اگر کبھی ایک مسلک کے لحاظ سے کوئی تنگی ودشواری آجاتی ہے تو دوسرے مسلک میں اس کے لئے کشایش اور آسانی میسر ہوجاتی ہے، عبادات ومعاملات سے لے کر خانگی امور اور قضاء وجنایات تک تمام میدانوں میں شرعی دلائل کی روشنی میں یہ کشایش میسر رہتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے اختلاف کا نہ ہونا ناممکن ہے، کیونکہ اصل نصوص بیشتر امور میں ایک سے زائد مفہوم ومعنی کا احتمال رکھتے ہیں، نیز یہ نصوص تمام امکانی واقعات کا احاطہ کر بھی نہیں سکتے، بقول بعض علماء: نصوص محدود ہیں اور واقعات لامحدود، لہٰذا قیاس کی

طرف رجوع کرنا اور علل احکام، شارع کی غرض اور شریعت کے عام مقاصد پر نظر رکھنا اور شریعت کو واقعات اور نئے نئے حادثات میں حکَمُ بنانا ضروری ہے، اور اس تطبیق واجتہاد میں علماء کے فہم وفقہ اور احتمالات کے درمیان ترجیحات کی تعیین میں اختلاف ایک فطری بات ہے، جس کی وجہ سے ایک ہی موضوع پر مختلف علماء کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں، جب کہ حق کی تلاش اور دریافت ہی ہر ایک کا مقصود ہوتا ہے اور اس میں جس کا اجتہاد صحیح ہو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ اور جس سے غلطی ہو جائے وہ بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ اس طرح کشایش کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے اور دشواری و تنگی دور ہو جاتی ہے۔

پس اس فقہی اختلاف کے وجود میں کہاں سے کوئی نقص ہوگا؟ یہ تو سراپا خیر ورحمت اور فی الواقع اللہ کی رحمت وشفقت اور نعمت ہے اور ساتھ ہی فقہ وقانون سازی کی دنیا میں ایسا عظیم سرمایہ اور امتیاز ہے، جس پر امت مسلمہ بجاطور پر فخر کرسکتی ہے۔ لیکن اسلام کو اپنی آنکھوں میں کھٹکنے والا کانٹا سمجھنے والے دشمنان اسلام مسلم نوجوانوں، بالخصوص بیرونی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ کی اسلامی ثقافت ومعلومات میں کمی کا استحصال کرتے ہوئے انہیں یہ بار آور کرانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں کہ فقہی اختلاف بھی اعتقادی اختلاف کی مانند ظلم اور شریعت میں تناقض وتضاد ہے، اور دونوں کے درمیان کے زبردست فرق پر پردہ ڈال جاتے ہیں۔

جہاں تک اس طبقہ کا تعلق ہے، جو ان تمام مسالک ہی کو پس پشت ڈال دینا چاہتا ہے، اور لوگوں کو ایک نئے اجتہاد کی دعوت دیتے ہوئے موجودہ فقہی مسالک اور ان کے ائمہ عظام کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے۔ اوپر پیش کردہ ان فقہی مسالک کی اہمیت وامتیاز اور ان کے ائمہ کی عظیم خدمات کے پیش نظر اس طبقہ کو چاہئے کہ اس ناپسندیدہ اور گھٹیا طرز عمل سے گریز کرے، جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرتا ہے، اور انہیں ایسے نازک وقت میں منتشر کرتا ہے، جس میں دشمنانِ اسلام کی خطرناک سازشوں کے مقابلہ میں پوری امت کو ایک جھنڈے تلے جمع ہو جانے کی سخت ترین ضرورت درپیش ہے۔ (ص:۲۹۱--۲۹۳)

(۲۰) **زمین پر زکوٰۃ:** تجارت کے لئے مخصوص کی گئی زمینیں سامانِ تجارت میں سے ہیں، لہٰذا اصل زمینوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور سال گزرنے پر اس کی قیمت کا تخمینہ لگایا جائے گا (اور ان کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر نکالا جائے گا)

(۲۱) **خون چڑھانے سے رضاعت کے ثبوت کی نفی:** دو سال سے کم عمر کے بچہ میں کسی عورت کا خون منتقل کرنے سے اس عورت کے ساتھ رضاعت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ رضاعت صرف دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔ (ص:۳۱۲)

(۲۲) **خون کا معاوضہ:** قرآن وحدیث کی روشنی میں خون کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے، اگر طبی مقاصد کے لئے ضرورت کے حالات درپیش ہوں اور رضاکارانہ خون دستیاب نہ ہو تو خریدنے والا اس کا معاوضہ دے سکتا ہے، اور اس کا گناہ قیمت لینے والے پر ہوگا، البتہ اس نیک انسانی عمل کی حوصلہ افزائی کی خاطر بطور ہدیہ یا انعام کچھ دیا جاسکتا ہے، اس کا تعلق معاوضات سے نہیں، بلکہ عطیات سے ہے۔ (ص:۳۱۲--۳۱۳)

(۲۳) **تبدیلیٔ جنس:**

۱- مذکر یا مؤنث کے اپنے مخصوص اعضاء کامل ہو چکے ہوں تو انھیں ایک دوسرے میں تبدیل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، ایسی تبدیلی قابلِ سزا جرم ہے، کیونکہ یہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی ہے، جو قرآن وحدیث کی رو سے حرام ہے۔

۲- جس شخص کے اعضاء میں دونوں کی علامتیں جمع ہو گئی ہوں، اگر اس میں مرد کے اعضاء زیادہ ہوں تو طبی علاج کے ذریعہ عورت کے اشتباہ کو دور کرلینا جائز ہے، اور اگر عورت کے اعضاء غالب ہوں تو مرد ہونے کے اشتباہ کو دور کرلینا جائز ہے، خواہ یہ علاج سرجری کے

طور پر ہو یا ہارمون کے ذریعہ ہو، اس لئے کہ یہ ایک طرح کا مرض ہے، اور علاج کے ذریعہ مرض سے شفاء مقصود ہے، نہ کہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی۔ (ص: ۳۲۲--۳۲۳)

(۲۴) **بیوی کو علاج سے روکنا:** شوہر کو امانت دار اور قابل اعتماد ڈاکٹر کی جانب سے بتائے گئے شرعاً مباح اور مناسب علاج سے بیوی کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ علاج سے روکنے میں اسے ضرر پہنچانا ہے، جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے: ''لاضرر ولاضرار'' یہی حکم ہر سرپرست پر بھی عائد ہوتا ہے۔ (ص: ۳۳۳)

(۲۵) **ناقص الخلقت بچہ کا اسقاط:** اگر حمل ایک سو بیس (۱۲۰) دنوں کا ہو تو اس کا اسقاط جائز نہیں، خواہ طبی تشخیص سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ بچہ ناقص الخلقت ہے، البتہ اگر ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حمل کا باقی رہنا ماں کی زندگی کے لئے یقینا خطرناک ہے، تو ایسی صورت میں بڑے نقصان کے ازالہ کے لئے بچہ کا اسقاط جائز ہے خواہ وہ ناقص الخلقت ہو یا نہ ہو۔

اگر حمل پر ایک سو بیس دن نہ گذرے ہوں اور ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ اور تجرباتی وسائل اور آلات کے ذریعہ نئی تحقیقات کی بنیاد پر یہ ثابت ہو رہا ہے ہو کہ بچہ خطرناک طور پر ایسا ناقص الخلقت ہے کہ ناقابل علاج ہے اور اگر وہ باقی رہ کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور اس کے گھر والوں کے لئے الم رساں رہے گی، تو ایسی صورت میں والدین کے مطالبہ پر اس کا اسقاط جائز ہے، اجلاس اس فیصلہ کے ساتھ ہی اطباء اور والدین سے اس معاملہ میں اللہ کا خوف اور احتیاط ملحوظ رکھنے کی اپیل کرتا ہے۔ (ص: ۳۳۷--۱۳۸)

(۲۶) **جیلاٹین:** جیلاٹین ایسے مادہ کو کہتے ہیں، جسے مٹھائیوں اور بعض طبی دوائوں کے بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے، اور اسے جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں سے حاصل کیا جاتا ہے، لہٰذا: مباح مواد اور مباح جانور، جن کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو، سے نکالے گئے جلاٹین کا استعمال جائز ہے، لیکن کسی حرام چیز جیسے خنزیر نیز دوسرے حرام جانوروں کی کھال اور ہڈیوں اور حرام مواد سے حاصل کئے گئے جلاٹین کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (ص: ۳۸۲)

(۲۷) **شراب:** خالص شراب کا استعمال دوا کے بطور کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو تم پر حرام کیا ہے، اس میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی ہے'' (بخاری) (۴۰۹) (۶۸)

الکحل آمیز دوا: ان دوائوں کا استعمال جائز ہے، جن میں الکحل کی صرف اتنی مقدار ہو، جو دوا بنانے کے لئے ضروری ہو اور اس کا متبادل نہ ہو، اس شرط کے ساتھ کہ کسی راست باز طبیب نے وہ دوا تجویز کی ہو، اسی طرح زخموں کی خارجی صفائی، جراثیم کو مارنے نیز تیلوں اور کریم وغیرہ میں بھی الکحل کا استعمال جائز ہے۔ (ص: ۴۱۰)

(۲۸) **جینیٹک نشان اور اس سے استفادہ** کے میدان: (سائنسی تحقیق کے مطابق) جینیٹک نشان کے نتائج والدین کی طرف اولاد کی نسبت یا عدم نسبت کے بارے میں تقریباً قطعی ہیں، اسی طرح واقعہ کے وقت اور جگہ میں پائے جانے والے خون، منی یا تھوک کے نمونہ کی نسبت اصل آدمی کی طرف قطعی ہے اور یہ عام قیافہ شناسی کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، اور اس میں اگر غلطی ہوتی ہے تو وہ موروثی نشان کی ماہیت کی جہت سے نہیں ہوتی ہے، بلکہ انسانی کوشش اور آلودگی کے عوامل کے باعث ہوتی ہے، اس بنا پر اکیڈمی نے مندرجہ ذیل فیصلے کئے:

اول: جرائم کی تفتیش میں جینیٹک علامتوں سے استفادہ کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے، اور ایسے جرائم کے ثبوت میں اس کو بنیاد بنایا

جا سکتا ہے، جن میں حد شرعی اور قصاص نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے: ''حدود کو شبہات کی بنیاد پر ساقط کرو''

دوم: نسب کے سلسلہ میں اس کا استعمال حد درجہ احتیاط اور راز داری سے ہونا چاہئے، اسی لئے اس پر شرعی قواعد اور نصوص کو مقدم رکھا جائے گا۔

سوم: نسب کی نفی میں شرعاً جینیٹک علامت پر اعتماد کرنا درست نہ ہوگا، اسی طرح لعان پر اسے مقدم نہیں کیا جا سکتا۔

چہارم: جو نسب شرعاً صحیح ثابت ہیں، ان کو مزید موکد کرنے کے لئے اس کا استعمال درست نہ ہوگا۔

پنجم: ذیل کے حالات میں اثبات نسب کے لئے جینیٹک نشان پر اعتماد جائز ہوگا:

الف: مجہول النسب پر تنازع کی مختلف صورتوں میں جن کا فقہاء نے ذکر کیا ہے، خواہ تنازعہ اس نوعیت کا ہو کہ مجہول النسب کے بارے میں دلیل ہی نہ ہو یا دلائل مساوی ہوں یا وطی بالشبہ وغیرہ میں اشتراک پایا جائے۔

ب: اسپتالوں میں بچوں کی پیدائش یا بچہ گھروں میں پیدائش یا ٹسٹ ٹیوب بے بی وغیرہ میں اشتباہ کی صورتیں۔

ج: حادثات، آفات اور جنگ وغیرہ میں بچے ضائع ہو جائیں یا مل جل جائیں اور ان کے گھر والوں کو پہچانا نہ جا سکے، یا ایسی نعشیں ہوں کہ شخصیت کا پتہ لگانا دشوار ہو، یا جنگ کے قیدیوں اور مفقودین کی تحقیق مقصود ہو۔

ششم: کسی جنس، قوم یا فرد کے بشری جینوم کو فروخت کرنا کسی بھی غرض کے لئے جائز نہیں، کیونکہ اس میں بہت مفاسد ہیں۔ (ص:۴۱۲--۴۱۴)

(۲۹) **نجس دوائی کا استعمال:** ایسی دوائوں کا استعمال جن میں خنزیر وغیرہ نجس العین کی آمیزش ہو، مباح ہے، جبکہ ایسا متبادل موجود نہ ہو جو علاج میں اس سے بے نیاز کر دے، اور متبادل کے ذریعہ علاج میں طویل عرصہ لگتا ہو۔ اس کے استعمال میں صرف اتنی ہی مقدار پر اکتفا کیا جائے جو ضروری ہو اور جب یقینی طور پر پاک متبادل مل جائے تو اسے اختیار کیا جائے۔ (ص: ۴۵۴--۴۵۵ مفہوم)

(۳۰) **خلع:**

۱- شوہر کے لئے حرام ہے کہ وہ عورت کو خلع حاصل کرنے سے روکے۔

۲- عورت کے لئے کسی بھی طرح جائز نہیں کہ بلاوجہ طلاق کا مطالبہ کرے، حدیث میں ہے: ''اگر کوئی عورت بے وجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے'' (ابو داؤد، ابن ماجہ)

۳- قاضی محض عورت کے مطالبہ پر شوہر کو جدائی اور معاوضہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، بلکہ وہ دونوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے گا، اور اس کے لئے دو ثالث بھیجے گا، اگر دونوں ثالث اتفاق نہ کریں اور صلح مشکل ہو جائے اور قاضی کے سامنے خلع ناگزیر ہو جائے تو شوہر کو علاحدگی کا حکم دے گا۔ اگر شوہر انکار کرے تو بہ عوض یا بلا عوض جس طرح بہتر سمجھے گا، جدائی کرائے گا۔ (ص:۴۸۶)

☆☆☆

تجاویز بموقع پہلا شافعی فقہی سمینار

منعقدہ ۱۲/ اور ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۹/ اور ۲۰/ جنوری ۲۰۱۹ء
زیر اہتمام مجمع الامام الشافعی العالمی - منعقدہ دار العلوم الاسلامیہ العربیہ، تلوجہ، نوی ممبئی

تجاویز

موجودہ زمانہ میں حجاج کے لئے پیش آمدہ مسائل

۱- موجدہ دور میں اعمال حج وعمرہ کی ادائیگی کے موقع پر جب ازدہام کی وجہ سے اجنبیہ عورت کے لمس سے بچنا دشوار ہو، اس صورت میں اگر بغیر قصد وشہوت کے لمس ہو جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

۲- اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض یا نفاس آجائے اور اسکے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ وہ حیض و نفاس سے پاک ہو کر طوافِ زیارت کر سکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر طرح کوشش کرلے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تاکہ وہ پاک ہو کر طوافِ زیارت ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جاسکے، لیکن اگر یہ کوششیں کامیاب نہ ہوں اور پاک ہونے سے قبل اس کا سفر ناگزیر ہو جائے تو ایسی حالت میں وہ عورت کم از کم ایک دن دوا یا کسی اور جائز تدبیر کے ذریعہ نقاء (طہر) کی کوشش کر کے طوافِ زیارت ادا کرے۔

۳- اگر نقاء کی کوئی صورت نہ بن پڑے تو وہ عورت غسل کر کے مستحاضہ کی طرح مکمل احتیاط کے ساتھ طواف زیارت کرلے اور بطور دم ایک بدنہ (بڑا جانور) حدودِ حرم میں دے، اگر بدنہ دینے کی استطاعت نہ ہو تو ایک بکرا یا مینڈھا بھی دے سکتی ہے۔

۴- حاجی اولاً حسبِ استطاعت اصل منیٰ (جو اس آج کل منیٰ قدیم کہتے ہیں) میں قیام کی کوشش کرے، لیکن حکومت کی فراہمکردہ جگہ کے مطابق ان حدود سے باہر قیام کرنے پر مجبور ہو تو نہ اس پر کوئی گناہ ہو گا اور نہ دم واجب ہو گا۔

۵- معذورین کے لئے رمی جمرات میں نائب بنانا جائز ہے محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے نائب بنانا درست نہیں۔

۶- نائب کے لئے ہر جمرہ پر اپنی رمی کے بعد منوب عنہ کی طرف سے رمی کرنے کی گنجائش ہو گی۔

۷- مکہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات الگ الگ مقامات شمار کئے جائیں گے، لہٰذا اگر حاجی کا منیٰ جاتے وقت یہ ارادہ ہو کہ اعمال حج مکمل ہونے کے بعد منیٰ سے مکہ آکر مدت اقامت تک ٹھہرے بغیر مکہ سے لوٹ آئے گا تو وہ منیٰ، مزدلفہ، عرفہ اور واپسی میں قصر و جمع کر سکتا ہے بشرطیکہ سفر شرعی ہو۔

۸- حاجی اگر مسافر شرعی نہ ہو تو اتمام کرنا واجب ہو گا، البتہ عرفہ کے دن مشقت کی وجہ سے نمازِ مغرب عشاء کے ساتھ مزدلفہ میں

بطور جمع تاخیر ادا کر سکتا ہے۔

۹- فرض عمرہ تو حتی المقدور ادا کرنے کی کوشش کرے لیکن نفل عمرہ بھی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کرلے، تو شرعاً عمرہ ادا ہو جائے گا۔

۱۰- حج وعمرہ کے ارادے سے جدہ کے راستہ مدینہ جانے والوں کے لئے ہندوستانی میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، اسی طرح ریاض، ج دہ، دمام وغیرہ جانے والے شخص کی نیت اصلاً حج وعمرہ کی ہے، تو میقاب سے احرام باندھنا ضروری ہے، ورنہ نہیں۔

۱۱- حکومت کے قانون کی پاسداری کرنی چاہئے، اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پکڑا جائے تو وہ محصر کے حکم میں ہو گا، البتہ احرام باندھتے وقت وہ نیت کرلے کہ اگر کوئی رکاوٹ پیش آئے تو احرام سے نکل جاؤنگا، اس صورت میں دم واجب نہیں ہو گا۔

۱۲- حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اور قدیم پاسپورٹ کے گم ہونے کا بہانہ بنا کر نیا پاسپورٹ بنانا درستن ہیں ہے، البتہ اگر کوئی اس طرح پاسپورٹ بنا کر حج کرلے تو اس کا حج شرعاً درست ہو جائے گا۔

۱۳- (الف) طوافِ وداع کے بعد اگر مکہ سے علی الفور نکلنے میں دشواری پیش آئے تو چند گھنٹے ضرورتاً تاخیر کرنے سے طواف وداع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نہ اعادہ واجب ہو گا نہ دم۔

(ب) لیکن اگر کسی نے طواف وداع ہی نہ کیا ہو تو اس پر دم واجب ہو گا، نیز دیگر فرض یا سنت طواف، طواف وداع کی طرف سے کافی نہیں ہو گا۔

تجاویز: جبیرہ کے احکام ومسائل

۱- صاحب جبیرہ وضو یا غسل کرتے وقت جبیرہ پر پانی سے مسح کرنے کے ساتھ ساتھ بسہولت اگر تیمم کر سکتا ہو تو تیمم ضروری ہے ار اگر تیمم کرنے میں مشقت لاحق ہو تو جبیرہ پر صرف پانی کا مسح کافی ہے، تیمم ضروری نہیں اور اس شخص کو پاک سمجھا جائے گا۔

۲- صاحب جبیرہ حتی المقدور طہارت کے حصول کی کوشش کرے، لیکن جبیرہ باندھنے سے پہلے طہارتک ے حصول میں مشقت شدیدہ لاحق ہو یا طہارت کے باقی رکھنے میں دشواری ہو تو ایسی حالت میں طہارت شرط نہیں ہے۔

۳- جن صورتوں میں نماز کا اعادہ واجب ہے، ان صورتوں میں اگر نماز کے اعادہ میں مشقت نہ ہو تو اعادہ واجب ہے اور اگر مشقت ہو تو اعادہ واجب نہیں ہے۔

تجاویز: سمندری جانوروں اور مچھلیوں کی خرید وفروخت سے متعلق مسائل

۱- قوانینِ الٰہی سے بغاوت اور تمام آسمانی آفات جن سے انسانی زندگی دشوار ہو جائے، فساد فی البحر میں شامل ہیں، اس تعلق سے

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے معاملات بالخصوص بیع و شراء میں شرعی تقاضوں کو پورا کریں اور اپنی غلطیوں پر نادم ہوتے ہوئے اللہ کی طرف رجوع کریں۔

۲- اسلام میں جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، اس لئے مچھلیوں کے شکار کے لئے ایسے کیمیکل کے استعمال سے بچنا ضروری ہے جو خود مچھلیوں اور انسانوں کے لئے نقصان دہ ہو۔

۳- شعبۂ موسمیات کی جانب سے دی گئی اطلاعات کو گمان غالب مانتے ہوئے ان کی پابندی کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اگر ملکی قوانین کا مقصد فساد کو دور کرنا ہو اور ان کی بنیاد مصلحت پر ہو تو ان قوانین کی پابندی ضروری ہے۔

۴- سمندر سے ملنے والے خزانوں پر حکومت کی جانب سے لگائے جانے والے ٹیکس کی مقدار اگر مناسب ہو تو اسے ادا کرنا بہتر ہے، لیکن اگر ٹیکس کی مقدار نامناسب ہو تو جائز تدابیر اختیار کی اجازت ہو گی۔

۵- نماز اسلام کے اہم ارکان میں سے ہے، اس لئے کشتی و جہاز میں بھی ہر صورت میں حسبِ قدرت شرائط کا خیال رکھتے ہوئے ادا کرنا ضروری ہے۔

۶- اگر کوئی کشتی و جہاز چل رہا ہو تو ہر طرح کے سہولیات کے باوجود اس میں سوار لوگ شرعی مسافر کے حکم میں ہوں گے، لیکن اگر اقامت کی نیت کے ساتھ جہاز چار دن یا اس سے زیادہ کے لئے لنگر انداز ہو جائے تو وہ مسافر نہیں رہیں گے۔

۷- سپلائر کا قرض کی وجہ سے مچھلی والے سے کم قیمت میں مچھلی خریدنا جائز نہیں۔

۸- خرید و فروخت میں سامان کی قیمت طے ہونا ضروری ہے قیمت طے کئے بغیر سپلائر کا مچھلی خریدنا جائز نہیں۔

۹- کسی کی ملکیت میں جبراً دخل اندازی جائز نہیں، بیع و شراء رضامندی سے طے ہونے والے امور ہیں، اس لئے اگر مچھلی والا کسی تیسرے کو مچھلی فروخت کرے تو حاصل ہونے والے نفع میں سپلائر کو شریک ہونا جائز نہیں۔ (البتہ کمیٹی ان مسائل کے متبادل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس کر رہی ہے۔)

۱۰- پاور لائٹ اور بارود سے مچھلیوں کے شکار کرنے میں ملکی قانون کی رعایت کرتے ہوئے احتیاط ضروری ہے۔

۱۱- سمندر سے ملی ہوئی اشیاء اگر سمندر کی جنس سے ہوں تو لقطہ کے حکم میں نہیں ہیں، بلکہ ان چیزوں کو پانے والے مالک ہو گا، لیکن اگر سمندر کی جنس سے نہ ہوں تو ان کا حکم مال ضائع کا ہو گا۔

۱۲- سمندری سیپ اور کالو کا کھانا جائز ہے۔

تجاویز بابت دوسرا شافعی فقہی سمینار مجمع الامام الشافعی العالمی

منعقدہ ۱۶-۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۲-۱۰/ جنوری ۲۰۲۰ء

منعقدہ جامعہ ضیاء العلوم، کنڈلور، کرناٹک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

مجمع الامام الشافعی العالمی کا دوسرا فقہی سمینار بتاریخ ۱۶-۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۲-۱۰ جنوری ۲۰۲۰ء بمقام جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک میں منعقد ہوا۔ سمینار کے لئے دو ماہ پہلے متعینہ تین عناوین (۱- زکاۃ کے اہم مسائل، ۲- تجارت کے چند اہم جدید مسائل، ۳- قربانی کے اہم مسائل) پر جملہ ۷۰/ مقالات موصول ہوئے۔ موصولہ مقالات کی عربی اور اردو زبان میں تلخیص کی گئی اور عرض مسئلہ تیار کرنے کے لئے چند مفتیانِ کرام کا انتخاب کیا گیا، ان حضرات نے تمام مقالوں کا خلاصہ عرضِ مسئلہ کے اندر سمیٹا گویا کہ سمندر کو کوزہ میں بھر دیا، پھر سمینار میں مقالات کے خلاصوں کی خواندگی ہوئی اس پر بحث و مناقشہ ہوا، اس کے بعد تجاویز کمیٹیاں منتخب ہوئیں، ان تجاویز کمیٹیوں نے بہت ہی تگ و دو اور محنت کے بعد تجاویز مرتب کیں، پھر سمینار کے آخری دن ان تجاویز کو حاضر مفتیان کے سامنے یکے بعد دیگر پیش کیا گیا۔ جملہ شافعی مفتیان نے جن جن اصلاحات کی طرف رہنمائی کی اس کی اصلاح کی گئی، اب اکابر علماء و مفتیان کی سرپرستی میں درج ذیل تجاویز فیصل ہو گئیں، جنھیں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

سوالنامہ:

زکاۃ سے متعلق جدید مسائل

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے تیسرا رکن زکاۃ ہے، اس کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں بیاسی مقامات پر اقامت صلاۃ کے ساتھ ساتھ ایتاء زکاۃ کا حکم دیا گیا ہے، گویا نماز اور زکاۃ ایک ہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب وفات نبی ﷺ کے بعد منکرین زکاۃ نے سر اٹھایا تو خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے ان سے قتال کا ارادہ کرتے ہوئے فرمایا:

واللہ لأقتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ

جس کی تائید اصحابِ نبی ﷺ نے کی اور ان سے جنگ کر کے انہیں سرنگوں کر دیا۔

زکاۃ کی اسی اہمیت کی بنا پر ہر دور میں قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے اجمال کی تشریح و توضیح کی جاتی رہی ہے، لیکن آج جدید ایجادات، ٹکنالوجی، صنعتی انقلاب اور سیاسی الٹ پھیر نے مزید دو چند مسائل پیدا کر دیئے ہیں، مسلمانوں کا سیاست سے رشتہ ٹوٹ جانے اور انقلابات میں پچھڑ جانے سے نت نئے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں، جس سے زکاۃ کا باب بھی مستثنیٰ نہیں، بالخصوص ہمارے ملک میں اور ان میں بھی متبعین شوافع کے مابین برابر ایسی آوازیں اٹھ رہی ہیں جن میں زکاۃ کے مسائل کا حل طلب کیا جا رہا تھا، چنانچہ "مجمع الامام

الشافعی العالمی، الہند“ نے اپنے دوسرے سیمینار کے لئے ”زکاۃ سے متعلق جدید مسائل“ جیسے اہم موضوع کا انتخاب کیا، امید ہے کہ فاضل مقالہنگار درج ذیل سوالات کے جوابات محقق و مدلل انداز میں پیش کریں گے۔

۱- شرع اسلامی کی رو سے ایک مسلمان کے مال میں شرعی حقوق کیا ہیں؟ اور ان میں زکاۃ کا کیا مقام ہے؟

ب: مسلمانوں کے درمیان علمی بیداری ندارد ہے، عالم یہ ہے کہ وہ دین کے متعلق بنیادی معلومات سے بھی دور ہیں، ایسے میں یہ مسئلہ زیر غور ہے کہ کیا وجوبِ زکاۃ کے لئے زکاۃ کی فرضیت کا علم ضروری ہے؟ یا اس سلسلہ میں بھی جہل کا اعتبار کیا گیا ہے؟ اور اگر جہل معتبر مان لیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ لاعلمی کے زمانے کی زکاۃ ادا نہ کی جائے؟

۲- ادائیگی زکاۃ کے لئے شوافع اور مالکیہ حولان حول کے ساتھ ”تمکن“ کی شرط لگاتے ہیں، جبکہ حنابلہ اور احناف صرف حولان حول کو ہی کافی سمجھتے ہیں، اس پس منظر میں قرض اور بعض تجارتی مال کے زکاۃ پر کیا اثر پڑے گا؟

ب: پلاٹ، فلیٹ یا کوئی بھی جگہ فروخت کرنے کی نیت سے خریدے؛ لیکن کئی سال گزر گئے اور وہ جگہ فروخت نہ ہو تو کیا ہر سال اس جگہ کی زکاۃ نکالنا واجب ہو گی؟

ج: عالمی تجارت میں یہ صورت بھی پائی جاتی ہے کہ خریدا ہوا مال سمندری راستے سے آتے ہوئے اس قدر تاخیر ہو جائے کہ بازار سے اصل قیمت کے بجائے نصف یا اس سے کم ملے؛ ایسے میں مسافت کے درمیان زکاۃ کی نوبت آجائے تو کیا زکاۃ نکالی جائے گی؟ اور اگر نکالی جائے تو کس معیار پر زکاۃ نکالی جائے گی؟

د: تجارتی مال خرا ادا ہوا اگر فروخت ہونے میں اتنی تاخیر ہو جائے کہ اس کی قیمت نصف ہو گئی ہو، حتیٰ کہ وہ دیوالیہ کے دہانے پر ہے تو کیا اب بھی اس کے مال میں زکاۃ واجب ہو گی؟

۳- مالک مشترک میں زکاۃ کا مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، آج عموماً پلاٹنگ کے کام اور تجارتی کاموں میں اشتراک پایا جاتا ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بزنس میں اجتماعیت کو ترجیح دی جاتی ہے، ایسے میں زکاۃ کی ادائیگی کے لئے ہر ایک کا الگ الگ حصہ تصور کیا جائے گا یا کل مال کو اک اکائی تصور کریں گے؟

ب: ایک فلیٹ کو کئی لوگوں نے ادھار خرید کر ادھار فروخت کیا؛ ایسے میں اختتام سال پر کتنے لوگ اس کی زکاۃ ادا کریں گے؟

۴- مال کے اندر نصاب اور حولان حول اصل ہے، اسی لئے مال دین میں زکاۃ کے تعلق سے امام شافعی کے دو قول ہیں، قول جدید کے مطابق مال اگرچہ قرض کا ہے، لیکن اگر شرائط مکمل ہو جائیں تو زکاۃ ادا کرنی ہو گی، جبکہ قدیم قول کے مطابق ادا نہ کرنی ہو گی۔ یہ صورت آج کے دور میں بہت سے مسائل جنم دے رہے ہیں، تو کیا ممکن ہے کہ قدیم قول کو اختیار کیا جائے؟

ب: اگر کسی کا مال دوسرے کے ذمہ بطور قرض واجب الاداء ہو اور اس نے مثلاً پانچ سال بعد وہ قرض ادا کیا تو کیا، اسے ہر سال کے حساب سے زکاۃ نکالنی ہو گی، یا اس پر ملکیت ضعیفہ کے سبب زکاۃ ہی فرض نہ ہو گی نیز زکاۃ ایک ہی آدمی نکالے گا یا دونوں؟

۵- موجودہ اوزان کے اعتبار سے سونا اور چاندی کا نصاب کیا ہے؟

ب: سونا اور چاندی اگر زیورات کی شکل میں ہوں تو اس پر زکاۃ نہیں ہے، لیکن بعض متاخرین فقہاء کا ماننا ہے کہ وہ زیورات جو عاریت، یا پہننے کے علاوہ ذخیرہ، وقت کی ضرورت اور نفقہ کے لئے ہو تو اس پر زکاۃ واجب ہو گی، اس سلسلہ میں مناسب تحقیق اور رائے پیش کریں۔

ج: عصرِ حاضر میں زیورات پر زکاۃ کے سلسلہ میں اسراف اور ضرورت کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟

د: ہیرے، جواہرات بہت ہی قیمتی پتھر ہیں، لیکن ان پر زکاۃ سونے یا چاندی کی طرح لازم نہیں، ایسے میں دولت جمع کرنے کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا ہے یا لگزری استعمال کا سبب بن گیا ہے، ایسے میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہو گا؟

۶- آج بینکوں میں کھاتہ کھولنا عام بات ہے، بلکہ سرکاری رو سے ضروری بھی ہو چکا ہے، چنانچہ بینکوں میں ڈپازٹ مال کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ یہ خیال رہے کہ بینک والے ڈپازٹ مال میں تصرف کرتے ہیں، ایسے میں یہ امر وضاحت طلب ہے کہ اگر زکاۃ واجب ہو گی تو وہ اصل رقم میں ہو گی یا محض منافع میں؟

ب: شیئر مارکیٹ میں انویسٹ کئے گئے اموال اگر بقدر نصاب ہوں تو کیا زکاۃ واجب ہو گی؟ جبکہ شیئر مارکیٹ میں انویسٹ مال میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے، تو وہیں اس پر حقیقی قبضہ بھی نہیں ہو گا جسے تمکین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ج: شیئرز کی قیمت دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک جسے قیمت اسمیہ کہتے ہیں، دوسری جسے قیمت سوقیہ کہتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان میں کس قیمت پر زکاۃ نکالی جائے گی؟

۷- حکومت کی جانب سے بعض صورتوں میں انشورنس کروانا لازمی ہوتا ہے، جس میں خاطر خواہ رقم صرف ہوتی ہے، یہ رقم بطور ودیعت بینکوں کے پاس محفوظ ہوتی ہیں اور ایک مدت کے بعد یا واقعہ کے بعد وہ رقم اپنے اضافہ کے ساتھ واپس کر دی جاتی ہے، ایسے میں زکاۃ کا کیا حکم ہو گا؟

ب: وہائٹ گولڈ اور پی ایف کی زکاۃ کا کیا حکم اور طریقہ کار کیا ہے؟

۸- آج مسلمان عموماً اقلیت یا غیر اسلامی حکومتوں کے زیر سایہ ہیں، جہاں ٹیکس کا نظام رائج ہوتا ہے، کئی بار یہ جبر و ظلم کی حد تک بڑھ جاتا ہے، بحیثیت ایک مسلمان زکاۃ اور ٹیکس دونوں کی ادائیگی دشوار ہو جاتیہے، ایسے میں کیا یہ ممکن ہے کہ ٹیکس کے مال کو زکاۃ سمجھ لیا جائے؟

۹- حلال رزق خدا کی عظیم نعمت ہے، لیکن آج حرام کا دائرہ اس قدر وسیع تر ہو گیا ہے کہ اس سے بچنا دشوار ہے، ایسے میں اگر حلال و حرام مال مخلوط ہو جائیں تو کیا اس پر زکاۃ لازم آئے گی؟ اور اگر زکاۃ لازم آئے تو ادائیگی کی کیا صورت ہو گی؟

۱۰- شادی بیاہ کا خرچ عیاں ہے، خصوصاً بچیوں کی شادی میں ایک عام باپ کی کمر ٹوٹ جاتی ہے، معاشرے میں جہیز، عزت اور نام و نمود کے نام پر اسراف اور بے جا رسموں نے زمانہ جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، ایک بچی کی شادی کے لئے ایک باپ زندگی بھر تگ و دو کرتا ہے تب کہیں شادی ہو پاتی ہے، ایسی صورت میں کیا ایسے جمع شدہ مال پر بھی زکاۃ لازم آئے گی؟ یا اسے ضرورت سمجھ کو معفو عنہ سمجھا جائے گا؟

۱۱- غلہ جات میں نصاب زکاۃ کیا ہے؟ آم، کاجو، ناریل سپاری، کالی مرچ اور الائچی، لونگ، دال چینی وغیرہ وغیرہ جن کے بڑے بڑے باغات ہوتے ہیں اور مہنگے داموں میں بیچے جاتے ہیں، تو کیا ان پر زکاۃ ہو گی؟ اور کیا سمندری ماکولات کو ”قوت“ کی تعریف میں شامل کرتے ہوئے زکاۃ کے دائرے میں لایا جا سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی آمدنی کروڑوں میں ہو جاتی ہے۔

تجاویز بابت: زکات سے متعلق جدید مسائل

۱-

الف: زکاۃ اسلام کا اہم ترین رکن اور عبادت ہے اور نفس مال کے اعتبار سے مال میں صرف زکات ہی حق واجب ہے، دیگر فرض اور مندوب حقوق دوسرے اسباب کی بنا پر ثابت ہوتے ہیں۔

ب: فرضیت زکات کے لئے لاعلمی (جہل) کا اعتبار نہیں، لہٰذا لاعلمی کے زمانہ کی بھی زکات لازم ہوگی۔

۲-

الف: زکات کی ادائیگی کے لئے حولان حول (ایک سال گزرنا) کے ساتھ تمکن (زکات کی ادائیگی پر قدرت) بھی شرط ہے، لہٰذا اگر حولان حول اور تمکن کے بعد مال تلف ہوجائے یا صاحب مال خود تلف کردے بہر صورت زکات واجب ہوگی، لیکن حولان حول کے بعد تمکن سے پہلے اگر زیادتی سے مال تلف کردے تو زکات ساقط نہیں ہوگی اور اگر بغیر کسی زیادتی کے تلف ہوجائے تو زکات ساقط ہوگی۔ نیز اگر حولان حول اور تمکن کے بعد زکات کی ادائیگی سے پہلے مزکی (زکات ادا کرنے والا) کا انتقال ہوجائے تو اس کے ترکہ سے زکات ادا کی جائے گی۔

ب: فروخت کرنے کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ یا فلیٹ میں ہر سال زکات واجب ہوگی، جسے شرعی فرض سمجھتے ہوئے خوش دلی سے ادا کرنا چاہئے، البتہ اگر چند سالوں تک فروخت نہ ہونے کی بناء پر زکات کی ادائیگی دشوار ہو اور صاحبِ مال اس میں ذاتی استعمال کی نیت کرے تو ایسی صورت میں زکات واجب نہیں ہوگی۔

ج: خریدے ہوئے مال کے حمل و نقل میں اس قدر تاخیر ہوجائے کہ بازار سے اصل قیمت کے بجائے اس میں کمی ہوجائے اور ایسی مسافت کے درمیان زکات کی نوبت آجائے تو اس مال کی زکات تمکن کے بعد نکالی جائے گی۔

د: سامانِ تجارت کی فروخت میں تاخیر کی وجہ سے قیمت میں کافی گراوٹ آجانے کے باوجود اگر وہ نصاب کے بقدر ہو تو زکات واجب ہوگی۔

۳-

الف: پلاٹنگ اور تجارتی کاموں میں بصورت اشتراک اگر تمام شرکاء اہلِ زکات میں سے ہوں تو مال کو ایک اکائی تصور کرتے ہوئے زکات نکالی جائے گی، البتہ ہر شریک اپنے حصہ کی زکات علیٰحدہ طور پر بھی نکال سکتا ہے۔

ب: ایک فلیٹ کو جب کئی لوگ تجارت کی نیت سے ادھار خرید رہے ہیں تو سال کے اخیر میں تمام لوگوں پر زکات واجب ہوگی، اس لئے کہ ہر ایک کا نصاب کے بقدر یا اس سے زیادہ مال دوسرے کے ذمہ قرض ہے اور قرض زکات کے لئے مانع نہیں ہے، البتہ زکات کی ادائیگی کے لئے تمکن شرط ہے اس لئے ہر بائع اس فلیٹ کی قیمت پر زکات اس وقت ادا کرے گا جب کہ اس پر تمکن کی تفصیل صادق آجائے۔

۴-

الف: راجح قول کے مطابق دین وجوبِ زکات کے لئے مانع نہیں ہے، لہٰذا قرض ہونے کے باوجود اگر کسی کے پاس نصاب کے بقدر مال

موجود ہو اور سال مکمل ہو تو اس کی زکات ادا کرنا ضروری ہے اور قرض کو منہا نہیں کیا جائے گا۔

ب: جس شخص کو مثلاً پانچ سال بعد قرض کی رقم ملی ہے اور وہ نصاب کے بقدر رہے تو اس پر ہر سال کی زکات واجب ہو گی اور زکات دائن کے ساتھ مدیون پر بھی اس وقت واجب ہو گی، جب وہ مدیون کے پاس ایک سال تک محفوظ رہے اور فی نفسہ وہ رقم یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے بقدر ہو جائے، البتہ اگر وہ مال خرچ ہو گیا تو اس مال کی زکات صرف دائن پر ہو گی، مدیون پر نہیں۔

۵-

الف: موجودہ اوزان کے اعتبار سے سونے کا نصاب پچاسی (۸۵) گرام اور چاندی کا نصاب پانچ سو پچانوے (۵۹۵) گرام ہے۔

ب: جو زیورات مطلق یا مباح استعمال کی نیت سے بنائے جائیں، یا عاریت پر دینے یا اجرت پر دینے کے لئے بنائے جائیں یا استعمال کی نیت کے ساتھ ذخیرہ اندوزی کا قصد ہو تو زکاۃ واجب نہیں ہو گی، اس کے علاوہ ذخیرہ اندوزی اور نفقہ یا تجارت مثلاً سونے کے بسکٹ یا چاندی کی وہ اینٹیں جن کو لوگ سستے داموں میں خریدتے ہیں اور دام بڑھنے کی امید پر کچھ مدت کے لئے اپنے گھروں میں چھوڑے رکھتے ہیں یا مرد کے شوقیہ زیورات ان تمام پر زکوۃ واجب ہو گی۔

ج: اسراف کا معیار عرف وعادت پر ہے، جب کہ ہر علاقہ اور زمانہ کا عرف مختلف ہوتا ہے، لہٰذا جس مقدار میں زیورات حسن کا سبب بنتے ہوں وہ مباح میں داخل ہیں لہٰذا ان زیورات پر زکات واجب نہیں ہو گی اور زیادہ مقدار کی بناء پر عیب معلوم ہونے لگے تو اسراف میں داخل ہیں، ایسی صورت میں زکات واجب ہو گی۔

د: ہیرے اور جواہرات گرچہ موجودہ زمانہ میں دولت جمع کرنے کا ذریعہ بن گئے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان قیمتی اشیاء پر زکات واجب نہیں ہو گی۔

۶-

الف: بینکوں میں ڈپازٹ مال کی شرعی حیثیت قرض کی ہے، اگر وہ نصاب کے بقدر بذاتِ خود یا دوسرے مال سے مل کر ہو جائیں اور اس پر سال بھی گزر جائے تو زکات واجب ہو گی، البتہ سودی بینک کا منافع سود ہے، اسے بلانیت ثواب کسی مستحق کو دیا جائے۔

ب: اگر جائز شیئر مارکیٹ میں لگائے ہوئے راس المال کی حالیہ قیمت اور منافع دونوں سال اخیر میں بذاتِ خود یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے بقدر ہو جائے تو اس پر زکات واجب ہو گی اور اس میں بازار کی قیمت (Market Value) کا اعتبار کیا جائے گا۔

۷-

الف: بینک میں بطور ودیعت اور ڈپازٹ رہنے والی اصل انشورنس کردہ رقم میں زکات واجب ہو گی، البتہ مزکی کو اختیار ہے کہ وہ فوری طور پر نکالے یا رقم کے حصول کے بعد۔ اضافہ شدہ رقم سود ہے، اس لئے اس پر زکات نہیں ہو گی۔

ب: وائٹ گولڈ ملاوٹی سونے کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر اس میں خالص سونا نصاب کے برابر ہو تو زکات واجب ہو گی۔

۸- زکات ایک مالی عبادت ہے، کسی صورت میں ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی زکات کی رقم میں شمار نہیں کی جاسکتی ہے۔

۹- مخلوط حلال وحرام مال اگر متمیز اور معلوم ہو تو صرف حلال مال میں زکات واجب ہو گی، لیکن اگر دونوں کے درمیان تمیز ممکن نہ ہو تو تحری وغالب گمان کے مطابق حرام مال کو جدا کر کے حلال مال پر زکات واجب ہو گی۔

۱۰- بچیوں کی شادی یا اور کسی ضرورت کے لئے جمع کردہ رقم اگر نصاب کے بقدر ہو جائے اور حولان حول ہو تو اس پر زکات واجب ہو گی۔

۱۱-

الف: غلہ جات میں زکات کا نصاب پانچ وسق ہے، جس کی مقدار موجودہ پیمانہ کے اعتبار سے نو سو لیٹر ہے۔

ب: آم، کاجو اور ناریل وغیرہ کی پیدائش میں فی نفسہ زکات واجب نہ ہو گی، البتہ اگر یہ اشیاء خود کے باغ کی ہوں تو بیچنے کے بعد حاصل شدہ رقم بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکات واجب ہو گی اور اگر اس نے ان اشیاء کو تجارت کی نیت سے خریدا ہے تو خریدنے کے وقت سے تال کی تکمیل پر نصاب کے بقدر ہو تو زکات واجب ہو گی۔

ج: سمندری ماکولات قوت (خوراک اور غذا) کی تعریف میں داخل نہیں، لہٰذا ان پر زکات نہیں، البتہ سمندری چیزوں کی آمدنی نصاب کے بقدر ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکات واجب ہو گی۔

سوالنامہ:

تجارت کے چند اہم جدید مسائل

کسب معاش کا بڑا ذریعہ تجارت ہے، لیکن وقت اور حالات کے ساتھ نیز جدید ایجادات کے دور میں ایک طرف جہاں تجارتکی وسعت دوچند ہو گئی ہے تو وہیں اس سے متعلق بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں، زمانے میں اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ فقہاء کی جماعت عصر حاضر کے معاملات و تجارت پر ایک غائرانہ نظر ڈالے اور اس پر اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کرے، اس سلسلہ میں اگرچہ متعدد اکیڈمیاں کام کر رہی ہیں اور محققین علماء کا گروہ متحرک ہے، تاہم بہت سے میدان ہیں جو اب بھی تشنہ ہیں۔

مجمع الامام الشافعی العالمی کی کوشش یہ ہے کہ عوام میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل پر علمائے شافعیہ کی ایک جماعت فقہ شافعی کی روشنی میں مسائل کا اطمینان بخش حل تلاش کرے، چنانچہ اسی بنا پر اکیڈمی کے دوسرے سیمینار کے لئے تجارت سے متعلق جدید مسائل کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے، فاضل مقالہ نگار سے گزارش ہے کہ موضوع کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے حتی الامکان تحقیق و تدقیق اور عصری ہم آہنگی کے ساتھ جوابات تحریر فرمائیں۔

۱- تجارت کے تعلق سے فقہی شرائط میں یہ اہم شرط منقول ہے کہ مال پر قبضہ کے بغیر اس کی فروخت کرنا جائز نہیں، لیکن آج قبضہ کی صورتیں مختلف ہو گئی ہیں، صرف کاغذات پر دستخط کو بھی قبضہ مان لیا جاتا ہے، یا متعاقدین کی رضامندی کو بھی قبضہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس تناظر میں یہ مسئلہ قابلِ وضاحت ہے کہ فقہ اسلامی میں قبضہ کی کیا صورت ہے، اور مروجہ دور میں اسے کیسے منطبق کیا جا سکتا ہے؟

ب: خرید و فروخت میں یہ بات رائج ہو گئی کہ قبضہ سے قبل ہی فروخت کر دیا جائے، جیسے شیئر مارکیٹ میں ہوتا ہے، یا پلاٹ یا فلیٹ خریدنے میں بھی یہ صورت کئی دفعہ پائی جاتی ہے، ایسے میں کیا صرف باہمی رضامندی کو ہی عقد کے لئے کافی سمجھا جائے یا پھر قبضہ حقیقی نہ ہونے کی صورت میں اسے منسوخ مانا جائے؟

۲- بینکوں کی طرف سے ہوم لون ملتا ہے، یا ہیوی ڈپازٹ سے گھر کا خواب پورا کیا جاتا ہے، جس پر کم شرح میں سود بھی لگایا جاتا ہے،

کیا گھر خریدنے یا بنانے کے لئے اس طرح کا لون لینا یا بینکوں سے معاملہ کرنا درست ہو گا؟

۳- بلڈر جب پلاٹ بیچتا ہے تو اس سے قبل کہ رقم مکمل حاصل ہو، کل رقم کی ایک دستاویز بنوا لیتے ہیں اور پھر اس دستاویز کو ذریعہ بنا کر تیسری پارٹی سے سودا کرتے ہیں، ایسے میں اس بلڈر کا یہ کرنا اور کسی کا جانتے بوجھتے اس کام میں شامل ہونا نیز خریدنا بھی درست ہو گا؟

ب: اگر کوئی لون کے لئے دستاویز مانگے اور اس کی بنیاد پر وہ سودی لون لینا چاہتا ہو تو کیا ایسے میں کوئی اپنے دستاویزات لون لینے والے کو دے سکتا ہے؟

ج: اگر بائع کو یہ معلوم ہو کہ مشتری کل رقم یا ادھی رقم بینک سے لون نکال کر بائع کو دے رہا ہے، تو کیا ایسے میں مشتری کو بائع اپنا سامان فروخت کر سکتا ہے، واضح ہو کہ اس لون کو نکالنے کے لئے بائع کا سپورٹ کرنا اور کاغذات پر دستخط کرنا ضروری ہوتا ہے۔

۴- کئی مرتبہ خرید و فروخت یا علاقائی منڈی میں بیع و شراء کرتے ہوئے کوئی شرط لگادی جاتی ہے، جیسے درخت پر لگے پھل کو بیچنے کے ساتھ اسے توڑنے کی شرط لگادی جائے وغیرہ ایسے میں اس بیع اور اس شرط کا کیا حکم ہو گا؟

۵- معاشی تنگی کی بنا پر آج کسی کے لئے بھی بزنس کرتے ہوئے یکمشت رقم لگانا دشوار ہے، لامحالہ بینک یا کسی متمول شخص سے رجوع کرنا پڑتا ہے، جہاں پر اکثر قسطوں میں معاملہ طے ہوتا ہے، ایک خاص مدت پر اگر قسط نہ لوٹائی گئی تو زائد چارج بھی لگادیا جاتا ہے، ایسے میں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اس طرح قسطوں پر معاملہ کرنا کیسا ہے؟ کیا اسے سود کے دائرہ میں لایا جاسکتا ہے یا پھر ایک ضرورت کے تحت گوارا کیا جاسکتا ہے؟

ب: جو لوگ قسطوں میں معاملہ کرتے ہیں، اور ایک مدت پر رقم کی واپسی کی شرط لگاتے ہیں، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ قسطیں نہ ادا کرنے کی صورت میں معاملہ کو منسوخ کرنا یا زائد رقم لینا کیسا ہے؟

ج: اگر معاملہ اس طرح طے پایا کہ فی الوقت ایڈوانس دیدے اور کسی خاص تاریخ پر اصل رقم ادا کرے، لیکن جب وقت معینہ آیا تو وہ شخص رقم کی ادائیگی سے قاصر رہا ایسے میں کیا یہ درست ہے کہ بیع منسوخ کرتے ہوئے ایڈوانس کی رقم واپس نہ کی جائے؟ یا صرف معاملہ منسوخ کردے لیکن ایڈوانس لوٹا دے؟

۶- رہن پر لی گئی چیز کا استعمال درست نہیں، لیکن اب معاملہ ایسا ہے کہ اگر رہن میں دی گئی چیز کا استعمال کرنے کی اجازت نہ دی جائے تو معاملہ بھی نہیں کیا جاتا، ایسے میں رہن کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

۷- گھر کو کرایہ پر دینے کی ایک صورت یہ رائج ہو گئی ہے کہ گھر میں رہنے سے قبل ہی سال دو سال کا ایک معاہدہ کر لیا جاتا ہے اور ایک موٹی رقم لے لی جاتی ہے، اب یہ رقم مالک مکان کے لئے ہے خواہ کرایہ دار رہے یا نہ رہے، ان رقوم کو وہ کسی بھی صورت میں واپس نہیں لے سکتا، حتی کہ وہ مدت معینہ مکمل ہو جائے، جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو مکمل رقم واپس کر دی جاتی ہے اور مکان اپنے مالک کے تصرف میں چلا جاتا ہے، اس طرح کے معاملہ میں فقہ شافعی کا نقطہ نظر کیا ہے، کیا اسے کرایہ شرعی مانا جائے گا؟ یا کیا کوئی صورت جواز کی ہو سکتی ہے جس کی رو سے اس کا معاملہ درست ہو جائے؟

۸- تجارت کی وسعت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ ایک لمس (ٹچ) پر دنیا حاضر ہو جاتی ہے، جنہیں آن لائن تجارت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جن میں ایپس اور مختلف ٹولس کا استعمالہو تا ہے، ان ایپس کے مالکان اپنے گراہکوں کو لبھانے کے لئے مختلف آفر دیتے ہیں، خرید و

فروخت پر کئی دفعہ رقم واپس بھی مل جاتی ہے، جو بسا اوقات اصل رقم سے زائد بھی ہو سکتی ہے، ایسے میں یہ مسئلہ وضاحت طلب ہے کہ کیا ان رقوم کا استعمال درست ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ سود میں شامل ہو؟

ب: بہت سی ٹولس ایسی ایجاد ہوگئی ہیں کہ جن سے رقم آن لائن بھیجی جاسکتی ہیں، بہت سے حضرات نقد لے کر اپنے مستعمل ایپس سے رقم بھیج دیتے ہیں، ایسے میں دو باتیں قابل غور ہیں: اوّل یہ کہ کیا اس طرح معاملہ کرنا درست ہے؟ دوّم یہ ہے کہ رقم بھیجتے ہوئے ایپس پر اسکریچ کا آپشن ملتا ہے جس کے ذریعہ کچھ رقم ملتی ہے اس رقم کا لینا کیسا ہے؟ نیز اگر کسی ایپ مالک کے ایپ کو کوئی دوسرا استعمال کرے تو ملی ہوئی رقم کس کی ہوگی؟

ج: بہت سے ایپس کمائی کا ذریعہ ہے، جیسے یوٹیوب، انسٹاگرام وغیرہ جن کے اندر خاص مراحل اور ترکیب کے بعد ان کے مالکان کی جانب سے پیسے ملتے ہیں، آج کے دور میں نئی نسل کے لئے یہ اہم ذریعۂ معاش بن چکا ہے، اس سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

تجاویز بابت: تجارت سے متعلق چند اہم جدید مسائل

۱-

الف: فقہاء شافعیہ کے یہاں مال پر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور کتاب و سنت میں قبضہ کی کوئی متعینہ صورت بھی وارد نہیں ہے اس لئے فقہاء نے قبضہ کی صورت کا مدار ہر زمانہ کے عرف پر رکھا ہے۔

ب: فریقین کی رضامندی قبضہ کے لئے کافی نہیں، بلکہ قبضہ کے تحقق کے لئے ضمان (رسک / نقصان کی ذمہ داری) کا منتقل ہو جانا بھی ضروری ہے۔

۲-

الف: سود قطعی حرام ہے، اور جس طرح سود لینا حرام ہے، اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے، اس لئے امتِ مسلمہ کو سودی قرض سے بچانے کے لئے اصحابِ خیر اور مسلم تنظیموں کو چاہئے کہ بلا سودی قرض کو رواج دیں، واضح رہے کہ ضرورتمندوں کو قرض دینا کارِ ثواب ہے۔

ب: بعض خاص حالات میں شدید ضرورت پر سودی قرض لینے کی گنجائش ہوتی ہے، اسی طرح شدید ضرورت مندوں کے لئے دستاویز کے ذریعہ تعاون کرنے کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن کون سا عذر شدید ضرورت ہے اور کون سا نہیں، اس سلسلہ میں خود فیصلہ کرنے کے بجائے متعمد اصحابِ افتاء سے رجوع کیا جائے۔

۳- اگر خریدار شدید ضرورت کی بناء پر بینک سے سودی قرض لینے پر مجبور ہے تو بائع اپنی ذاتی منفعت کے لئے نہیں، بلکہ خریدار کی شدید ضرورت کے پیش نظر اپنا سامان اسے فروخت کر سکتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اس کے کاغذات پر دستخط بھی کر سکتا ہے۔

۴- درخت پر پھلوں کی خرید و فروخت میں عقد کے وقت یہ شرط لگانا کہ بائع ہی پھل توڑ کر دے گا، اس طرح کی شرط لگانے سے شرط اور بیع دونوں ہی فاسد ہوں گی۔

۵- قسطوں پر معاملہ کرنا بذاتِ خود درست ہے، البتہ قسطوں کے معاملہ میں کوئی خاص قسط یا پوری قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں زائد رقم لینا سود ہے، لہٰذا باہمی رضامندی سے یہ معاملہ ختم کر دیا جائے، بصورتِ دیگر بائع کو اپنا حق وصول کرنے کا اختیار ہوگا۔

۶- عام حالات میں معاملہ ختم کرنے کی صورت میں بائع کے لئے بیعانہ کی رقم واپس کرنا ضروری ہے، البتہ اگر خریدار کی طرف سے

خریداری کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے بائع کا نقصان ہوجائے تو وہ بیعانہ کی رقم سے اپنے نقصان کے بقدر تلافی کرسکتا ہے۔

۷- شئ مرہون سے مرتہن کے لئے انتفاع جائز نہیں، لہٰذا مرہون سے اتفاق کی شرط کے ساتھ معاملہ کرنا درست نہیں اور نہ ہی ایسے مرہون سے انتفاع کی اجازت ہوگی۔

۸- ہیوی ڈپازٹ کی رقم (جسے واپس کرنا پڑتا ہے) قرض ہے اور قرض دے کر مقروض سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا سود میں داخل ہے، اس لئے ہیوی ڈپازٹ کی صورت میں مالکِ مکان ودکان کا کرایہ میں کمی کرنا یا بالکل ہی کرایہ کی رقم کو معاف کرنا، قرض کے مقابلہ میں فائدہ اٹھانا ہے، اس وجہ سے اس طرح کا معاملہ کرنا درست نہیں ہوگا۔

۹- کمپنی کے ایپس مالکان کی طرف سے کیش بیک کے طور پر جو رقم ملتی ہے، وہ ایک طرح کا انعام وعطیہ ہے، اس لئے اس رقم کو لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ یہ کیش بیک کسی دوسرے سودی فائنانسر (Financer) ادارہ مثلاً بینک یا دیگر پرائیویٹ سودی فائنانسنگ اداروں کی طرف سے نہ ہو۔

۱۰- آن لائن رقوم منتقل کرنا اور اس پر اجرت لینا درست ہے اور ایپس سے حاصل ہونے والے منافع کا حقدار ایپس اکاؤنٹ ہولڈر ہوگا۔

۱۱- یوٹیوب اور اس جیسے ایپس کو ذریعۂ معاش بنانے کا حوصلہ افزائی نہ کی جائے، البتہ ایپس مالکان کی طرف سے جو رقم ملتی ہے، اس کو لینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی اور شرعی قباحت نہ ہو۔

سوالنامہ:

قربانی کے متعلق بعض اہم سوالات

قربانی ایک اہم عبادت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے، اس کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے، آخرت کے اجر وثواب کے ساتھ دنیاوی اعتبار سے بھی یہ عبادت مختلف اقوام کے لئے متعدد فوائد کا ذریعہ بنی ہے، قربانی کے فوائد واجر وثواب کے حصول کے لئے قربانی کا صحیح ہونا ضروری ہے، شریعت مطہرہ میں قربانی کے مستقل احکام منقول ہیں، ان کی رعایت کے ساتھ ہی قربانی درست ہوسکتی ہے، لیکن قربانی کے بعض اصولوں پر عمل مشکل ترین ہے، نیز لوگوں میں عادت وعرف کے تبدیلی کی وجہ سے بعض اصول کی رعایت ممکن نہیں ہے، اسی طرح ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر قربانی کے متعلق بعض مسائل درپیش ہیں، اسی پس منظر میں مجمع الامام الشافعی العالمی نے اپنے دوسرے سیمینار میں قربانی کے متعلق چند حل طلب مسائل بحث وتحقیق کے لئے اصحابِ علم وتفقہ کی خدمت میں پیش کیا ہے، امید ہے کہ آپ ان مسائل کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے مطالعہ وتحقیق کا نچوڑ اور اپنی واضح رائے پیش کریں گے۔

۱- قربانی میں جانوروں کی عمر شریعت میں متعین ہے، قربانی کے جانوروں میں بکرے کی دو سال متعین ہے، اس سے کم عمر بکرے یا بکری کی قربانی درست نہیں ہے، لیکن اس زمانہ میں دکانوں پر دستیاب بکروں یا بکریوں کی عمر دو سال سے کم ہوتی ہے، گرچہ وہ جسمانی اعتبار سے دو سال کے نظر آتے ہیں اور بسا اوقات بکروں کے تاجر دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے ایسے فربہ اور جسیم بکروں کی عمر دو سال بتلاتے ہیں، اس پس منظر میں سوال یہ ہے کہ دو سال کے بکرے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں دو سال سے کم عمر

والے جانوروں پر قربانی درست ہوگی؟ یا پھر مینڈھے یا دیگر جانوروں پر قربانی کی جائے گی؟

۲- قربانی میں ناکافی جانوروں کے سلسلہ میں فقہاء نے یہ اصول متعین کیا ہے کہ جانور ہر ایسے عیب سے پاک ہو جس کی بناء پر اس کے گوشت میں نقص یا کمی پیدا ہوتی ہو، اسی اصول کے مطابق کسی جانور کے کان کا کچھ حصہ کٹ کر الگ ہو گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہوتی، لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ لوگوں کے نزدیک کان کی حیثیت ماکول اللحم اعضاء کی طرح نہیں رہی، اس کے باوجود بھی یہی کہا جائے گا کہ کان میں نقص والا جانور قربانی کے لئے ناکافی ہے یا عرف وعادت کا اعتبار کرتے ہوئے کان کو سینگ تصور کرکے یہ مان لیا جائے کہ جس طرح سینگ ٹوٹا ہوا جانور قربانی کے لئے کافی ہے اسی طرح کان میں عیب والا جانور بھی کافی ہو جائے گا؟

۳- برصغیر کے تارکینِ وطن بہ کثرت مغربی ملکوں میں آباد ہیں، ان ملکوں میں بعض اوقات قربانی کرنا دشوار ہوتا ہے، نیز ان کے آبائی وطن میں مستحقین زیادہ ہیں، اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ان علاقوں میں قربانی ہو جائے، نیز اس وقت خود ہمارے ملک میں جن علاقوں میں بڑے جانوروں پر قربانی دشوار ہے۔ ان علاقوں کے لوگ اپنی قربانی کرانے کے لئے جانور کی قیمت ذمہ دار قسم کے لوگوں اور معتبر اداروں کے حوالے کر دیتے ہیں اور یہ حضرات ایسے علاقوں میں جاکر قربانی کرتے ہیں جہاں قربانی آسان ہے، اس ضمن میں درج ذیل سوالات قابلِ حل ہیں۔

الف: قربانی کے گوشت کا کچھ نہ کچھ حصہ غریبوں کو دینا واجب ہے، ان غریبوں سے اپنے گاؤں وعلاقہ کے غریب مراد ہیں یا مطلق غرباء مراد ہیں؟

ب: اپنے علاقے کو چھوڑ کر دیگر علاقوں میں قربانی کرانے کا کیا حکم ہے؟

ج: قربانی کے لئے اس جگہ کی تاریخ اور وقت کا اعتبار ہوگا جہاں قربانی کی جارہی ہے یا اس شخص کے علاقہ کی تاریخ اور وقت کا اعتبار ہوگا جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، مثلاً مہاراشٹر کا کوئی شخص کیرالا میں کسی کو قربانی کی ذمہ داری سونپ دے تو کیرالا میں اگر تاریخ مقدم ہے تو کیرالا کی تاریخ کا اعتبار ہوگا یا مہاراشٹر کی تاریخ کا اعتبار ہوگا؟

۴- قربانی کے جانور کے کھال کا مصرف یہ ہے کہ قربانی کرنے والا اس کھال کو اپنے استعمال میں لائے یا کسی فقیر کو دے دے، لیکن چوں کہ کھال کا استعمال اب ترک ہو چکا ہے اور ہر مسلمان کھال کو کسی فلاحی ادارے کے حوالہ کرتا ہے اور فلاحی ادارے ان کھالوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت کو ضرورت مندوں پر تقسیم کرتے ہیں، چوں کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد قربانی کی اس سنت کو انجام دیتے ہیں، جس سے غریبوں اور مسکینوں کی ایک حد تک ضرورت مکمل ہو جاتی ہے، لیکن حالیہ سالوں میں جیسے ہی قربانی کے ایام قریب آجاتے ہیں کھالوں کی قیمت میں ناقابل بیان گراوٹ آجاتی ہے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا بھاری مقدار میں نقصان ہو جاتا ہے، لیکن حکومت اور تجارتی کمپنیوں کو خوب نفع حاصل ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ کم قیمت میں کھال فروخت کرنے کے بجائے اسے دفن کر دیا جائے اور اس کی قیمت کے بقدر رقم غرباء پر تقسیم کی جائے، اس ضمن میں یہ عرض ہے کہ کھال کو فروخت کئے بغیر دفن کرنے میں ضیاع مال کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟ نیز جب قربانی کرنے والے کو کھال کا استعمال درست ہے تو کیا اسے دفن کرنے کا اختیار ہے؟ نیز اگر کوئی دفن کرے تو کھال کے بقدر قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے؟

۵- جانور کے اعضاء میں سے (خصیتین) فوطے کے سلسلہ میں فقہاء نے یہ صراحت کی ہے وہ عادتاً کھائے نہیں جاتے، لہٰذا اس کا کھانا مکروہ ہے، لیکن اس زمانہ میں عمومی طور لوگوں میں اس کے کھانے کا رواج ہے، اس پر مستزاد کہ لوگوں اسے بڑے شوق سے کھاتے ہیں گویا یہ مرغوب غذاؤں میں شامل ہے، اب سوال یہ ہے کہ لوگوں کی اس عادت کا اعتبار کرتے ہوئے خصیتین کو کھایا جائے گا، اگر نہیں تو کیا یہ کراہت اب بھی باقی رہے گی؟

۶- (الف) قربانی کے موقع پر قصاب حضرات کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ جانوروں کی صفائی کے وقت جانور کی غیر استعمال اشیاء کو ایسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے فضائی آلودگی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے عام انسانوں کو تکلیف اور ضرر لاحق ہوتا ہے اور بڑے جانوروں کی قربانی کے موقع پر برادرانِ وطن کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے، ایسے حالات میں اسلام کی کیا رہنمائی ہے۔

(ب) قصاب حضرات کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنی سہولت کی خاطر قربانی کے جانوروں کی صفائی میں بڑے جانور کا سر اور پیر وغیرہ جانور کی گندگی کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں یا دفن کر دیتے ہیں، جبکہ جانور کے سر میں گوشت کے ساتھ ساتھ دماغ بھی ہوتا ہے اور جانوروں کے پیروں کو کھایا جاتا ہے، اس پس منظر میں یہ سوال ہے کہ قصاب حضرات کی یہ حرکت ضیاع مال میں شامل ہے؟

۷- موجودہ ایام میں قربانی کے مواقع پر ایک خاص طبقہ کی طرف سے اس بات پر کافی زور دیا جاتا ہے کہ ایک بکرے یا بکری کی قربانی پورے اہلِ خانہ کی طرف سے کافی ہوگی، اس تعلق سے عوام الناس میں کافی اختلاف و تشویش پائی جاتی ہے، اس ضمن میں کچھ باتوں کی تحقیق ضروری ہے۔

الف: چھوٹے جانور (بکرا، بکری، مینڈھا، مینڈھی) پر صرف ایک شخص کی طرف سے قربانی ہوگی، اس کے کیا دلائل ہیں؟

ب: فقہاء کی تصریحات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قربانی سنت علی الکفایہ ہے لہٰذا ایک چھوٹے جانور کو گھر والوں کی طرف سے ذبح کیا جائے تو قربانی کی سنت سب کی طرف سے ادا ہوگی، اس صورت میں قربانی کے ثواب میں سب شریک ہوں گے یا صرف ایک ہی کو ثواب ملے گا؟

ج: گھر والوں میں پورا خاندان شامل ہے یا صرف قربانی کرنے والے کے بیوی بچے اور والدین؟

۸- قربانی کے جانور کو لٹاتے وقت اس کے تین پاؤں باندھے جاتے ہیں اور ایک کھلا رکھا جاتا ہے، قابل حل بات یہ ہے کہ جانور کے اگلے دونوں پیروں میں سے ایک پیر کھلا رکھنا مسنون ہے یا پچھلے دونوں پیروں میں سے ایک کھلا رکھنا مستحب ہے؟

تجاویز بابت: قربانی کے متعلق بعض اہم سوالات

۱- شریعت کی متعین کردہ جانور کی عمر کا خیال رکھ کر قربانی کیجائے، اگر کسی وجہ سے مطلوبہ عمر کے جانور مہیا نہ ہوں تو بڑے جانور میں شرکت یا مینڈھے کے ذریعہ قربانی کی سنت ادا کی جائے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو آخری درجہ میں شوافع کے قول مرجوح کے مطابق دو سال سے کم عمر کے بکرے پر قربانی کی گنجائش ہے۔

۲- کان کٹ کر الگ ہوئے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، لیکن اگر سالم کان والا جانور دستیاب نہ ہو تو تہائی سے کم حصہ کے بقدر کان کٹے جانور کی قربانی کی گنجائش ہے۔

۳- قربانی کا کچھ گوشت فقراء کو دینا واجب ہے ان سے اس جگہ کے فقراء مراد ہیں جہاں قربانی ہو رہی ہے۔

۴- شعائر اسلام کے بقاء کے لئے اپنے ہی علاقہ میں قربانی کرنا بہتر ہے، تاہم اپنے علاقہ کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں بھی قربانی کرانا درست ہے۔

۵- بہتر یہ ہے کہ قربانی کے لئے موکل اور وکیل دونوں کے وقت کی رعایت کی جائے تاہم اگر وکیل اور موکل کے وقت میں موافقت دشوار ہو تو وکیل کے وقت کا اعتبار ہو گا۔

۶- قربانی کا چمڑا بلا ضرورت دفن کرنا ضیاعِ مال ہے، اگر دفن کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو علاقائی علماء سے رجوع کریں۔

۷- خصیتین کا کھانا مکروہ ہے۔

۸- قربانی یا اس کے علاوہ مواقع پر کسی بھی قسم کی گندگی اور فضائی آلودگی کو پھیلانا جائز نہیں ہے۔

۹- جانور کی قابل انتفاع کسی بھی چیز کو بلا ضرورت تلف کرنا ضیاع مال میں شامل ہو گا۔

۱۰- احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک چھوٹے (مینڈھا، بکرا) جانور پر صرف ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی ہو گی، البتہ قربانی کرنے والا ثواب میں دوسروں کو بھی شریک کر سکتا ہے۔

۱۱- ذبح کے وقت جانور کا پچھلا داہنا پیر کھلا رکھنا مستحب ہے۔